سیرۃ البخاری

قرآن مجید کے بعد علوم اسلامیہ کی صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کے مرتب اور مؤلف سید الفقہاء، امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کی حیات، تصنیفات، تحقیقات، تخصصات اور خدمات پر مبنی عظیم الشان سوانح کا صدی ایڈیشن جو صدیوں یادگار رہے گا۔

مولانا عبد السلام مبارکپوری

تعلیق وتخریج: ڈاکٹر عبد العلیم عبد العظیم بستوی

نشریات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تراجم ابن خلدون تواریخ ۔ ص ۱۹۴ ۔

سیرۃ البخاری

صدی ایڈیشن ۱۳۲۹ـ۱۴۲۹ھ

سیرۃ البخاری

مولانا عبد السلام مبارکپوری

تعلیق وتخریج: ڈاکٹر عبد العلیم عبد العظیم بستوی

نشریات

۴۰ اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۰۳۲۱ـ۴۵۸۹۴۱۹

نام کتاب : سِیرَۃُ البُخَاری

مصنف : مولانا عبدالسّلام مبارکپوری

تعلیق وتخریج : ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی

اہتمام : نشریات، لاہور

مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 7320318 فکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 2212991-2629724

ترتیب

باب : ۲

امام المحدثین کی تصنیفات

باب : ۳

صحیح بخاری کی مقبولیت اوراس کی رفعتِ شان

باب : ٤

صحیح بخاری کے شروح وحواشی اوران کی کیفیات

باب : ۵

صحیح بخاری پر عامیانہ اعتراضات

باب : ٦

تنقید

باب : ۷

عقائد و کلام

باب : ۸

حدیث اور اصول حدیث

باب : ۹

فقہ البخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

علومِ اسلامی کی تاریخ میں ہزاروں مصنفین کی لاکھوں تصنیفات کا تذکرہ ہماری علمی تراث کی زینت ہے' مگر اس علمی کہکشاں میں ایک شخصیت قطبی تارے کی طرح منفرد اور ممتاز ہے' اور وہ امام المحدثین' امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید الفقہاء الامام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم البخاریؒ (۱۹۴ھ۔۲۵۶ھ) ہیں کہ آپ کی طرف منسوب تین کتابوں میں سے "الجامع الصحیح المسند المختصر من حدیث رسول الله صلى الله عليه وسلم و سننه و ایامه" کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" قرار دیا گیا ہے۔ اس معجزہ نما مجموعۂ احادیث کی افادیت کے پیشِ نظر گزشتہ بارہ صدیوں میں اس کی تین سو سے زائد مختصر' متوسط اور مفصل شروحات عربی' فارسی' اردو' انگریزی' فرانسیسی' ترکی اور دیگر زبانوں میں کی جا چکی ہیں۔ صحیح بخاری کے تراجم بھی دنیا کی بیسیوں زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اس کی افادیت اور قبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس ایک کتاب کے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت سے لکھا گیا ہے کہ اس سے ایک کتاب خانہ تیار ہو گیا ہے۔ مختلف حضرات نے اس کی مفاتیح' لغات' تجریدات' تراجمِ ابواب' رجال' تعلیقات' اسانید' منتخبات' مصطلحات اور حواشی وغیرہ پر سیکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ صدیوں تک جاری رہے گا۔ قرآن مجید کے بعد اس صحیح ترین اور مقبول ترین کتاب کا یہ عالم ہے کہ تمام فِرَق و مسالک کے مدارس اور مکاتب میں اس کی تعلیم و تدریس جاری ہے۔ علوم اسلامی کے کسی طالب علم کی درسیات اس وقت تک مکمل تصور نہیں کی جا سکتی ہیں جب تک کہ وہ بالاستیعاب کسی شیخ الحدیث سے اس کا درس مکمل نہ کر لے۔ ختم بخاری کی تقریبات ایسے ہی خوش نصیب طلبہ کے اعزاز میں منعقد کی جاتی ہیں۔

امام بخاریؒ کی سیرت و سوانح اور فضائل و مناقب پر ہر عہد میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں مختلف عالمی جامعات میں آپ کی شخصیت اور علمی کارناموں کے جائزے پر بہت سے تحقیقی اور تنقیدی مقالات لکھے گئے ہیں' مگر ان تمام کتب میں مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوریؒ (۱۲۸۲ھ۔۱۳۴۲ھ' ۱۸۶۵ء۔ ۲۴ فروری ۱۹۲۴ء) کی "سیرۃ البخاریؒ" ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ سید سلیمان ندویؒ (م ۱۹۵۳ء) نے "معارف" اعظم گڑھ کے مئی ۱۹۱۸ء کے شمارے میں اس سوانح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> "امام بخاریؒ کو عالم اسلامی میں جو اہمیت حاصل ہے' محتاجِ بیان نہیں۔ ضرورت تھی کہ امام ممدوح کی سیرت' تصنیفات اور اجتہادات پر ہماری زبان میں کوئی مستقل کتاب لکھی جائے' ہم نہایت خوش ہیں کہ جناب مولانا عبدالسلام صاحب مبارک پوری نے اس فرض کو نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ

ادا کیا ہے۔ سلاستِ بیان، طرزِ استدلال، استقصائے واقعات، تحقیقِ مسائل، تفصیلِ مطالب ہر چیز میں ان کے قلم نے اردو کے حکیمانہ مذہبی لٹریچر کی بہترین تقلید کی ہے۔
ہم اس کو اپنے معیارِ تصنیف کے مطابق سمجھتے ہیں۔ سوانح نگار نے حصہ اوّل میں امام صاحبؒ کے حالات و واقعات جمع کیے ہیں اور دوسرے حصہ میں ان کی تصنیفات و اجتہادات پر نقد و تقریظ لکھی ہے"۔

مذاہب و ادیانِ عالم میں زمینی اور آسمانی بہت سے مذاہب شامل ہیں۔ زمینی مذاہب جیسے ہندومت، جین مت، بدھ مت، سکھ، پارسی، کنفیوشس، شنٹوازم اور تاؤازم وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے یا پھر ان کے مذہبی رہنماؤں کی زندگی اور سوانح پر نظر دوڑائی جائے تو یہ سب ایک مافوق الفطرت اور دیومالائی شخصیات دکھائی دیتی ہیں۔ مگر آسمانی مذہب تو شروع سے اسلام ہی رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہیں ان میں بھی معدودے چند ہی کے حالات ملتے ہیں۔ ان کی طرف جو کتابیں اور صحائف اتارے گئے وہ بھی بجز قرآن مجید کے، مستقل تحریف کا شکار ہوتے رہے۔ آسمانی ہدایت کا واحد چراغ قرآن مجید کی صورت میں روشن ہے اور قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ہمارے لیے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر ایمان رکھنا لازم اور ان کی عزت و تکریم ضروری ہے، مگر تاریخی لحاظ سے ان تمام انبیائے کرامؑ کے حالات اور تعلیمات جو ہمیں میسّر ہیں، وہ سب مل کر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل طور پر محفوظ حالات ؐ سے ان کی کوئی نسبت نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی، عیسائی اور مسلمان، تینوں کے محترم پیغمبر ہیں، لیکن ان کی شخصیت اور تعلیمات کی جو تفصیلات ہمیں آج میسّر ہیں، وہ سیرت نبویؐ کی تفصیلات کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہیں۔ ایک فطری سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟

قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے خود اٹھا رکھی ہے۔ جہاں تک اس کتاب کے احکام کی تنفیذ و تفسیر اور تشریح و توضیح کا تعلق ہے، یہ پیغمبرانہ مشن کا حصہ ہے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور ان کی ذات کو تنازعات اور اختلافات میں ایک فیصلہ کن حیثیت دی گئی ہے اور اس سلسلے میں ان کے طے کردہ امور کے بارے میں اپنے دلوں اور دماغوں میں کسی قسم کی تنگی یا شک سے منع کیا گیا ہے۔ آپؐ کی شخصیت کو معیارِ حق اور اسوہ قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص وحی الٰہی کی روشنی میں اپنی سیرت کے انوار و جمالیات کو پیش کر رہا ہو تو اس کی ذات سے محبت و عقیدت کا کیا عالم ہوگا۔ اس کی شہادت اور گواہی سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں۔ قبل از نبوت آپؐ کی چالیس سالہ زندگی کا ریکارڈ ثابت کرتا ہے کہ آپؐ کی شناخت اور پہچان ایک پاکیزہ اطوار، صادق اور امین کی تھی۔ حلف الفضول کا معاہدہ اور حجرِ اسود کی تنصیب دونوں قبلِ نبوت کے واقعات ہیں۔ اسی طرح آپؐ کے تجارتی اسفار بھی قبلِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ حجاز کی سرزمین میں جو مشرکانہ عقائد اور گناہوں سے لتھڑی ہوئی فضا ہمیں دکھائی دیتی ہے،

اس پراگندہ ماحول میں نبی مکرمؐ نے کیسی پاکیزہ شستہ اور شائستہ زندگی گزاری ہے' اس کی گواہی تو آپؐ کے بڑے سے بڑے بدخواہ اور دشمن نے بھی دی ہے۔ نبوت و بعثت سے قبل آپ غارِ حرا کی خلوتوں میں ذکر واذکار اور تزکیۂ نفس کے لیے تشریف لے جاتے۔ اپنے خالق و مالک کی معرفت کے حصول کے لیے اس سے بہتر فضا اور کیا ہوسکتی تھی۔ ابھی سن مبارک مکمل طور پر چالیس سال کا نہیں ہوا تھا کہ دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ کا حامل' نبوت و رسالت کی آخری مسند پر سرفراز ہوا۔

دعوتِ دین کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے آپؐ دوسرے قبائل میں تشریف لے جاتے تو آپؐ کا حقیقی چچا ابولہب وہاں مخالفت کے لیے موجود ہوتا تھا۔ آپؐ نے مکہ کی سنگلاخ زمین میں اپنے ساتھیوں کے لیے تکالیف محسوس کیں تو انہیں افریقی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ مشرکینِ مکّہ نے ان مہاجرین کے تعاقب میں بھی اپنے آدمیوں کا وفد بھجوا دیا۔ مدینہ میں تشریف لے گئے تو اہل مدینہ کو دھمکیاں ارسال کیں۔ الغرض اس دعوت کے مخالفین نے ابتداء ہی سے اس کا تعاقب کیا' رکاوٹیں پیدا کیں' طنز اور تعریض کے تیر برسائے' جھوٹا پروپیگنڈہ شروع کیا اور آپؐ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا' حتیٰ کہ آپؐ کے قتل تک کے اجتماعی منصوبے تیار کیے۔ مخالفینِ اسلام اور معاندینِ دعوت کے اس تعاقب کی تفصیل بھی ہمیں وقائع سیرت میں مستند حوالوں سے ملتی ہے۔ اگر مخالفین کے تعاقب کا یہ اسلوب تھا تو آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ کی آپؐ سے پیوستگی اور رابطے کا عالم کیا ہوگا۔ ان کی محبت اور عقیدت کے کرشمے کیا ہوں گے۔ آپؐ کا ہر قدم ان کے لیے نشانِ راہ اور آپؐ کا ہر عمل ان کے لیے نشانِ منزل تھا۔ وہ آپؐ کے افعالِ مقدسہ کی مکمل اتباع کرنے والے تھے۔ آپؐ کی زبان مبارک سے نکلنے والا ہر لفظ ان کے لیے سند اور قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ آپؐ کی خاموشیوں کو بھی محدثین نے تقریر کی اصطلاح کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔ محبت کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ سونے کی انگشتری پہنی تو آپؐ کے اصحاب نے بھی اس سے اپنی انگلیوں کو سجا لیا۔ آپؐ نے اسے اتار کر چاندی کی انگوٹھی پہنی تو اصحابؓ نے سونے کی انگشتریاں اتار کر چاندی کی انگوٹھیاں پہن لیں۔ اگر آپؐ قیام اللیل کرتے تو فغانِ نیم شبی کے لیے یہ حضرات بھی اللہ کے حضور رکوع و سجود کرتے۔ آپؐ نفلی روزے رکھتے تو آپ کے اصحاب بھی تزکیۂ نفس کے لیے یہی روش اختیار کرتے' حتیٰ کہ آپؐ کو سمجھانا پڑا کہ نفلی عبادات پر اس قدر پابندی ضروری نہیں۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ زیدؓ بن خالد تمام شب آپؐ کے حجرے کے دروازے کے باہر کھڑے رہے کہ آپؐ کی شبینہ عبادت کا نظارہ کرسکیں۔ نواس بن سمعان ایک سال تک مدینہ میں مقیم رہے کہ خیر و شر میں تمیز پیدا کرسکیں۔ ابوسعید خدریؓ توجہ سے مشاہدہ کرتے کہ آپؐ ظہر کی نماز میں کس قدر قیام کرتے ہیں۔ ابنِ عمرؓ اشتیاق سے آپؐ کو دیکھتے کہ ایک نشست میں آپؐ اپنے رب سے کتنی بار استغفار کرتے ہیں۔ الغرض صحابہ آپؐ کے تمام اقوال' افعال' اعمال اور عاداتِ شریفہ کا مستقل نظارہ کرتے۔ ان مناظر کو اپنی آنکھوں میں بساتے' دل میں ترازو کرتے اور اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق ڈھالتے اور دوسروں کے سامنے اس درسِ حیات کو پیش کرتے۔ انھوں نے ان اعمال کو دیکھنے اور سننے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لکھا بھی ہے۔ تدوینِ

حدیث کے مؤرخین نے جس کثرت سے ان کے مکتوبہ صحائف کا تذکرہ کیا ہے اس سے عہدِ نبوی میں حفاظتِ حدیث کے ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ تابعین اور تبع تابعین میں سے محدثین نے اس ذخیرہ کو تاریخ انسانیت کا سب سے وقیع ذخیرہ بنا دیا جس پر انسانیت ناز کرسکتی ہے اور تا ابد اپنی ہدایت کا سامان فراہم کرسکتی ہے۔ اس جمع و تدوین میں جو رحلات و اسفار درپیش ہوئے اور جو فنون و مصطلحات سامنے آئیں اس نے علوم الحدیث کو اعتبار و استناد کی نئی نئی رفعتیں عطا کیں۔ یہ سب وقائع علوم الحدیث کی کتابوں میں رقم ہیں۔ کم از کم پچاس کے قریب صحابہؓ نے احادیث پر مشتمل صحائف کو حیطۂ تحریر میں لاکر محفوظ کیا ہوا تھا۔ اڑھائی سو سے زائد تابعین نے احادیث کی جمع آوری میں مخلصانہ کاوشیں کی ہیں۔ تبع تابعین میں تو خدمتِ حدیث میں مصروف اصحاب کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ ان کے سیکڑوں مجموعے تو آج بھی صحیح، جامع، مسند، سنن، مصنف، مستدرک، مستخرج، معجم اور اربعین کے عنوان سے موجود ہیں۔ آپؐ کے اعمال و افعال کو دیکھنے اور سننے والوں کی تعداد تو ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے مگر ان میں سے ۱۵۸۸ صحابہ کی روایات مذکورہ مجموعہ ہائے حدیث میں موجود اور محفوظ ہیں۔ پیشِ نظر رہے کہ کسی علمی موضوع کو محفوظ رکھنے کے جس قدر ذرائع ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب ذخیرۂ حدیث کو محفوظ رکھنے میں استعمال ہوئے اور تاریخِ علوم میں اپنا افتخار قائم رکھے ہوئے ہیں۔ خیال رہے کہ تاریخی وقائع کی جمع آوری میں مؤرخین نے جو انتہائی اور کڑے اصول اختیار کیے ہیں وہ علمِ حدیث کی تدوین میں ایک ابتدائی درجہ بھی نہیں رکھتے۔ کاش کوئی مقدمہ ابن الصلاح، مقدمہ فتح الباری اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی کا مطالعہ کرے تو اسے اندازہ ہوگا کہ علوم الحدیث میں حزم و احتیاط، اعتبار و استناد، جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے فنون کا کیا عالم ہے۔ اور پھر روایت کی اسناد کے ساتھ درایت کی بصیرت اور حکمت کیا مقام رکھتی ہے۔ یوں حدیث علومِ انسانی کی تاریخ میں ایک انتہائی منفرد اور بے مثال علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے جس کا ادراک بعض غیر مسلم مؤرخین نے بھی کیا ہے۔ جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے "**الاصابہ فی تمییز الصحابہ**" کے مخطوط کی تدوین کرتے ہوئے اس کے مقدمے میں کیا عجیب اظہارِ صداقت کیا ہے:

> "دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری اور نہ آج کہیں موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم المرتبت فن ایجاد کیا ہو جس کے باعث پانچ لاکھ مسلمانوں کے احوال معلوم ہو سکتے ہیں"۔

احوالِ سیرت پر نگاہ رکھنے والے حضرات اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ وحی کی تنزیل سے پہلے رویائے صادقہ کا ایک طویل دورانیہ ملتا ہے جس کے اظہار و آثار کو وحی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ آپؐ پر باقاعدہ وحی آنے سے قبل جبریلؑ سے جو مکالمات ہوئے ہیں بلکہ پہلی ہی وحی کے موقع پر قرآنی آیات سے پہلے جبریلؑ سے جو مکالمہ ہوا ہے اسے ہم کس زمرے میں شمار کریں گے۔ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى** (النجم ۵۳:۳-۴) کے فرمانِ ربانی کو ہم کیا نام دیں گے۔ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے اس ابتدائی مکالمے کی طرح جبریلؑ سے آخری مکالمہ بھی حدیث کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔ تمام انبیائے کرامؑ وحی کے سلسلے میں متصل تھے۔ ان میں سے چند حضرات کو

صحائف و کتب عطا کی گئی ہیں جن کی تعداد ۳۱۵ بیان کی جاتی ہے' تو پھر باقی ماندہ انبیا و رسل علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام یا جبریل کی گفتگو کو کیا نام دیں گے۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ اگر پیغامِ ربانی متعین الفاظ میں کسی صحیفے یا کتاب کی شکل میں دیا گیا تو وحی متلو ہے اور اگر اس کی نوعیت تشریح و توضیح کی ہے تو وحی غیر متلو کہلائے گی۔ وحی متلو کو صحابہؓ میں سے کاتبانِ کرام نے لکھا جن کی تعداد پچاس کے قریب تحقیق کی گئی ہے۔ مگر وحی غیر متلو کو اس سے زائد حضرات نے لکھا اور ایک کثیر تعداد نے بیان کیا اور تمام حضرات صحابہؓ نے اس پر عمل کیا ہے جو ایک تواتر کے ساتھ آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ کیسا تعارض اور ستم ہے کہ جن ہاتھوں نے قرآن مجید کو قلم بند کیا ان کی صحت اور قطعیت پر تو اعتماد کیا جائے مگر جب انہی ہاتھوں سے حدیث' سنت' خبر اور اثر کو لکھا جائے تو اس پر اعتبار نہ کیا جائے۔ آپؐ نے اس سلسلے میں کیا واضح ارشاد فرمایا:

اَلَآ اِنِّی اُوْتِیْتُ القرآنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ (سنن ابی داؤد)

''توجہ کیجیے' مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اس کی مثل (حدیث اور سنت) بھی''۔

قرآن مجید کی آیات کے مطالعے سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کی ذمہ داری صرف وحی متلو کو وصول کرنے تک محدود نہیں تھی بلکہ ان ہدایاتِ ربانی کی تشریح و توضیح اور تعلیم و تدریس بھی آپؐ کے سپرد کی گئی۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (النحل ۱۶:۴۴)

''اور اب یہ ذکر (قرآن) تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس کی تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے''۔

یہ اسی تعلیمِ ربانی کا اعجاز تھا کہ آپؐ نے احکامِ وحی کی ایسی تشریح و توضیح فرمائی جو ایک طرف صحابہؓ کی تربیت اور سیرت کا حصہ بن گئی' دوسری طرف ان میں سے بعض نے ان تشریحات کو نوٹ بھی کیا اور تیسری طرف آپؐ کی عملی زندگی کو بھی قیدِ کتابت میں لانے سے تغافل نہیں کیا اور جہاں تک ایک دوسرے سے بیان کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ شمار و قطار سے باہر ہے۔ اب ذرا اس سلسلے میں آپؐ کے ارشاداتِ گرامی کا تذکرہ پڑھ لیجیے:

تَسْمَعُوْنَ وَ یُسْمَعُ مِنْكُمْ وَ یُسْمَعُ مِمَّنْ یَسْمَعُ مِنْكُمْ

''تم لوگ مجھ سے سنتے ہو' دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے''۔

نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الیٰ من لم یسمعھا

''اللہ اس شخص کے چہرے کو رونق اور روشنی عطا کرے' جس نے میری بات سنی اور پھر یاد رکھی' یہاں تک کہ وہ بات' اس شخص تک پہنچا دی' جس نے اسے نہیں سنا''۔

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوا مقعده من النار.

''جو شخص جانتے بوجھتے میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے''۔

اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری خطبۂ حجۃ الوداع میں جو ایک طرح سے ایک دستوری اور آئینی دستاویز ہے، جہاں بنیادی حقوق کا منشور عطا کیا، وہاں یہ باتیں بھی ارشاد فرمائیں:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنة نبیه

(مؤطا امام مالك)

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے نبیؐ کی سنت"۔

اسی خطبے میں امتِ مسلمہ کے لیے ایک دائمی اصول یہ بھی بیان فرمایا:

اَلا لِیُبَلِّغ الشاھد الغائب (ابن ماجه)

"خبردار، جو موجود ہیں، وہ غیر موجود تک اسے پہنچائیں"۔

اس خطبے میں موجود صحابہؓ جن کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تک بیان کی گئی ہے، انھوں نے اس ذمہ داری کو کس حزم و احتیاط اور ذوق و شوق کے ساتھ مابعد کی نسلوں تک منتقل کیا، اس کے تذکار سے تدوینِ حدیث کے ہزاروں صفحات قلم بند کیے گئے ہیں۔ مجھے گزشتہ نصف صدی میں سیکڑوں مدارسِ دینیہ میں حاضری کا موقع نصیب ہوا اور اپنے خاندانی ماحول میں اس کے مشاہدے کی سعادت میسر آئی کہ کیسے اساتذۂ کرام، طلبائے عزیز اور واعظینِ گرامی اپنے استحضار اور حافظے کی مدد سے احادیث پڑھا رہے ہیں اور بعض طلبہ انھیں زبانی بھی حفظ کر رہے ہیں۔ خطیبانِ اسلام اور واعظینِ گرامی اپنے وعظ و تذکیر میں اور مجالسِ درس میں سیکڑوں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ مقدسہ زبانی بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ بعض ایسے مدارسِ دینیہ میں ابھی تک حدیث کے طلبہ اپنی کتابِ حدیث کے متن کو زبانی یاد کرتے ہیں۔ الحمدللہ اب تو حفظِ حدیث کے مقابلوں کا بھی ایک کلچر پیدا ہو رہا ہے۔ اگر چودہ صدیاں گزرنے کے بعد حفظِ حدیث کا یہ عالم ہے تو عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ سے متصل زمانوں میں اس کے حفظ و استحضار کی کیفیت کیا ہو گی، جب کہ ہم عربوں کے حفظ اور یادداشت کے فطری اور جبلّی کمالات سے بخوبی آگاہ ہیں۔

پیشِ نظر کتاب "سیرۃ البخاریؒ" میں امام محمد بن اسمٰعیلؒ کے تاریخی اور مثالی حافظے کا مستند تذکرہ آپ کو تفصیل سے پڑھنے کا موقع ملے گا، اسی غیر معمولی حافظے کے باعث انھیں لاکھوں حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ اور وہ ان کے راویوں کا بھی سلسلہ وار علم رکھتے تھے، اسی باعث انھیں امیر المومنین فی الحدیث کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ مجددِ عصر التدوین ہیں۔ جب ایک موقع پر سو حدیثیں مقلوب الاسناد والمتن پڑھی گئیں تو انھوں نے کس اعتماد اور شان کے ساتھ ان سب کو صحت اور درستی کے ساتھ بیان کر دیا۔ یوں ذخیرۂ حدیث نسلاً بعد نسلٍ زبانی بھی بیان ہوا ہے اور قیدِ کتابت میں بھی لایا گیا۔ جہاں تک درسی ماحول کا تعلق ہے درسِ حدیث کا سلسلہ بلا انقطاع جاری و ساری ہے۔ بعض محدثین اور اساتذہ نے پچاس سے ساٹھ سال تک مسلسل درسِ حدیث کی سعادت حاصل کی ہے۔ خود امام بخاریؒ نے ۲۳۳ھ سے ۲۵۲ھ کے

دوران میں اپنی صحیح بخاری کو نوے ہزار طلبہ کے سامنے درسی اسلوب میں پڑھایا جسے گزشتہ بارہ صدیوں میں لاکھوں خوش نصیب انسانوں نے سبقاً سبقاً مطالعہ کیا ہے۔ کیا تاریخِ انسانی میں مطالعہ حدیث کی مانند کوئی دوسری ایسی مثال ہے' جسے وثوق اور اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہو۔ غور کیا جائے تو اس مقبولیت کا راز انسانی کاوشوں کے بجائے رحمانی فیصلے سے متعلق ہے۔

علوم الحدیث میں ایک وقیع بحث کتابتِ حدیث کے بارے میں بھی رہی ہے۔ آپؐ نے ایک دو مواقع پر یہ فرمایا کہ قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیے تو یہ ایک مخصوص مقصد اور ایک انتہائی محدود مدت کے لیے ہوسکتا ہے وگرنہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جو کتابتِ حدیث کی اجازت دی ہے اس کی روایات اس قدر کثیر اور متواتر ہیں کہ ان کی موجودگی میں کلیۃً کتابتِ حدیث کی ممانعت کوئی موضوع ہی نہیں۔ ذرا اس پہلو پر غور کیجیے کہ اگر کسی مخصوص مقصد کے حوالے سے کوئی ایک دو روایات منع کتابت کے سلسلے میں ہیں تو وہ آخر ہم تک کیسے پہنچ گئیں۔ اگر انہیں قیدِ کتابت میں نہ لایا جاتا تو ان کا تذکرہ کسی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ جمع و تدوینِ حدیث کی تمام کتابوں میں عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابتِ حدیث کی جو سیکڑوں شکلیں اور مثالیں بیان ہوئی ہیں' یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے سامنے بڑے ثقہ اور مستند انداز میں عہدِ نبوی کے مختلف وثیقہ جات موجود ہیں جنہیں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے "مجموعة الوثائق السياسيّة للعهد النبوی والخلافة الراشدة" کے عنوان سے ۱۹۴۲ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کرایا۔ مصنف کی حیات میں اس کے سات ایڈیشن شائع ہوئے' جن میں مسلسل بعض مفید حواشی وتعلیقات کے اضافے ہوتے رہے۔ اس نوعیت کے متعدد وثیقہ جات بعض دوسری کتابوں بالخصوص احادیث کے مجموعوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ایسی دستاویزات اور وثیقہ جات میں بعض وہ تحریریں بھی ہیں جو براہِ راست ادلہ شرعیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سب تحریروں کی نوعیت کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں میثاقِ مدینہ جیسی وہ دستاویز بھی ہے جس کی ۵۴ دفعات کو تاریخ انسانی کا پہلا تحریری دستورِ مملکت ہونے کا اعزاز حاصل ہے جسے کسی حکمران نے خود تحریر کرایا ہو۔ آپؐ نے مختلف بادشاہوں' امرائے سلطنت' اکابر اور مختلف قبائل کے رؤساء کے نام جو مکاتیب لکھوائے ہیں' ان کے مضامین اور موضوعات کی نوعیت سے ان کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ عہدِ رسالت میں سلطنت کی توسیع کے ساتھ بعض مقامات کی طرف عمال' گورنر اور قاضی کی حیثیت سے بعض صحابہ کو متعین کیا گیا' ان کے نام بعض سرکاری مراسلات ایسے ملتے ہیں' جن میں درج شدہ احکام کی نوعیت شرعی ضوابط کی ہے۔ آپؐ نے مختلف مواقع پر معاہدات بھی کیے ہیں' جنہیں قیدِ کتابت میں لایا گیا۔ ان متعدد معاہدات میں صلح حدیبیہ اور نجران کی عیسائی ریاست کے ساتھ کیے جانے والے اہم ترین معاہدے بھی شامل ہیں۔ آپؐ کے خطبات کو متعدد مواقع پر قلم بند کیا گیا بلکہ بعض مواقع پر تو اس کی فرمائش بھی کی گئی جیسے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن کے ابوشاہ کی گزارش پر اسے لکھوا کر دیا گیا۔ اسی طرح مختلف مواقع پر امان نامے' ہبہ نامے' غلاموں کی آزادی کے پروانے' مردم شماریاں' سرکاری ہدایات' پیغامات اور بیت المال کی آمد وخرچ کی تفصیلات وغیرہ جیسی دستاویز بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اگر قرآن مجید کے

علاوہ کچھ اور نہ لکھنے کی تعلیم ہوتی تو پھر یہ سب تحریریں اور دستاویزات کیا ہیں؟

کتابتِ حدیث کا جواز اور استدلال تو خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس کی متعدد آیات میں اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسالت کے شرعی وجوب کو کئی اسالیب میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ قرآن مجید کے اوّلین مفسر ہیں کہ جن کے تفسیری اور تشریحی احکام کو ایک تشریعی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں چار پانچ مقامات پر فرائضِ نبوت اور وظائفِ رسالت کی توضیح کی گئی ہے جن میں تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت کو آپ کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل کیا گیا ہے۔ امتِ مسلمہ میں مختلف موضوعات پر اختلاف واقع ہوا ہے اور ایسا ہونا فطری ہے مگر ان اختلافات کو رفع کرنے کے لیے ہمیں جو طریقِ کار بتایا گیا ہے وہ کتاب وسنت سے رجوع کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ ایسی آیات کا استیعاب اور استقصا کیا جائے تو ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے مگر ہم یہاں پیشِ نظر موضوع کی تفہیم کے لیے چند کلیدی اور اساسی آیات کو درج کرتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد۴۷:۳۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو''۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم۵۳:۳-۴)

''وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے''۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ۲:۱۵۱)

''ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے، تمہارا تزکیۂ نفس کرتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے، جو تم نہ جانتے تھے''۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر۵۹:۷)

''جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو منع کردے، اس سے رک جاؤ، اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الاعراف۷:۱۵۷)

''جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے، وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور

ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے (درحقیقت) وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء۴:۵۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے''۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا (الاحزاب۳۳:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے''۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (الاحزاب۳۳:۳۶)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا''۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النساء۴:۶۵)

''نہیں اے محمدؐ، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔

قرآن مجید کی ان چند آیات کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بطور ایک رسول تشریعی حیثیت کیا ہے۔ انہیں سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ وحی متلو (قرآن) اور وحی غیر متلو (حدیث) میں باہمی تعلق کیا ہے۔ عہدِ صحابہ اور خلافتِ راشدہ میں سنت کی مستقل حیثیت کیا رہی ہے۔ انکارِ سنت کا فتنہ تاریخ اسلامی میں

پہلی مرتبہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اموی دورِ حکومت میں پیدا ہوا۔ یہ وہ متکلمین تھے جو معتزلہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے آیاتِ قرآنیہ کی خود ساختہ تاویلات کیں اور خبرِ واحد جیسی احادیث کا انکار کیا۔ اس فتنے کے مقابلے میں محدثین کی ایک زبردست جماعت اٹھی اور اس نے علمی اور تحقیقی انداز میں اس فتنے کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ اس فتنے کا بانی واصل بن عطا تھا' جس نے عقل کے ہتھیار سے حدیث کے متون کو بے اعتبار کرنا چاہا مگر خود بے اعتبار ہو گیا۔ اس کے بعد بارہ صدیوں تک اس فتنے کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا تا آنکہ برصغیر میں سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) کے زمانے میں مولوی غلام العلی قصوری (م ۱۸۸۹ء)' مولوی چراغ علی (م۱۸۹۵ء)' عبداللہ چکڑالوی (م۱۹۱۵ء)' احمد دین امرتسری (م۱۹۳۶ء)' نیاز فتح پوری (م۱۹۶۶ء)' اسلم جیراج پوری (م۱۹۵۵ء)' ڈاکٹر غلام جیلانی برق (م۱۹۸۵ء)' غلام احمد پرویز (م۱۹۸۵ء)' نے صدیوں سے مردہ اس مسئلے کو برطانوی عہدِ حکومت میں کچھ مخصوص مقاصد کی آبیاری کے لیے از سرِ نو زندہ کیا اور انکارِ سنت کے پرانے ترکش میں کچھ نئے تیر چلانے کا شوق پیدا کیا۔

اس فتنے کے دورِ ثانی کے بطلان اور تردید کے لیے بہت سا علمی اور تحقیقی کام ہوا ہے۔ ہر چند انکارِ سنت کی کوئی علمی بنیاد نہیں مگر مغربی تہذیب و ثقافت کے کچھ پروردہ اذہان نے اصولِ حدیث سے بے خبری' ذہنی اور نفسیاتی مرعوبیت' حریتِ فکر کے غلط دعاوی' عقل پرستی' جدیدیت اور منصبِ رسالت سے بے اعتنائی کے باعث ابھی تک اس فتنے کو اپنے گلے میں حمائل کر رکھا ہے۔ اور کچھ نام نہاد دانش وروں نے ان کی سرپرستی کا کھیل بھی شروع کر رکھا ہے' جس سے مغرب اور مغرب زدہ اذہان کے ہاں ان کو مادی سرپرستی اور رسوخ حاصل ہے۔ ذرائع ابلاغ نے بھی اپنے مخصوص مقاصد کے تحت ان کو سر پر اٹھا رکھا ہے مگر علم و تحقیق کی دنیا میں نہ کل ان کا کوئی وزن تھا اور نہ آج کوئی وژن (vision) موجود ہے۔ کیونکہ محدثین نے اس فن کو اس درجہ سائنٹی فِک بنیادوں پر استوار کیا ہے کہ احادیث کی حجیت اور قطعیت ایک امرِ مسلّم کا درجہ رکھتی ہے۔

احادیث پر نقد و نظر کا ایک دروازہ مستشرقین نے بھی کھولا ہے۔ اس موقع پر استشراق کے ذہنی پس منظر اور تاریخی جائزے کا تو موقع محل نہیں مگر وہ شریعتِ اسلامی کے مصادرِ حقیقی' قرآن و حدیث کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و سیرت پر بہت نازیبا اور ناروا قسم کے اعتراضات اٹھاتے ہیں' جن میں صداقت نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ مستشرقین کی ایک خاص تعداد عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث تراجم پر انحصار کرتی ہے۔ ان کے ہاں قرآن و حدیث سے استدلال کے بجائے تاریخی روایات سے استشہاد کا عام رویہ ملتا ہے۔ تاریخی روایات' احادیث کے مقابلے میں کسی اصول پر مبنی نہیں ہوتیں لہٰذا ان میں جو تضاد یا تعارض سامنے آتا ہے' وہ اسے اپنے مخصوص اسلوبِ تحقیق کے تحت استعمال کرتے اور اچھالتے ہیں۔ ہر علم اور فن پر تنقید کے اپنے اصول ہوتے ہیں' جنھیں ترک کر کے دوسرے اصولوں کی روشنی میں کسی فن کا جائزہ لینا غلط نتائج اور تعصبات کے علاوہ کچھ اور پیدا نہیں کر سکتا۔ یہی باعث ہے کہ ان

مستشرقین نے تاریخی روایات کے پلندے سے بڑی ریاضت کے ساتھ بدنیتی کی خوردبین لگا کر قرآن مجید، احادیثِ مبارکہ اور سیرتِ مطہرہ کے خلاف ہرزہ سرائیاں کی ہیں، مگر مسلمان محققین نے خود ان کے وضع کردہ اصولوں سے کام لے کر ان کے استدلال کی کمزوریوں کو واضح کر دیا ہے۔ گولڈ زیہر (Goldziher)، الفرڈ گلیوم (Alfred Guillaum)، ہالے (Halle)، فلپ کے ہٹی (Phillips. K. Hitti)، مارگولیتھ (Margoltouth)، ولیم میور (William Muir)، نولڈیکی (Noldeke)، فرانز روزن تھال (Franz Rosinthal)، جے شاخت (J. Schacht)، باسورتھ سمتھ (Boswarth Smith)، ہنری سٹب (Henry Stubb)، سی سی ٹوری (C.C. Torey)، منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) اور میکس ویبر (Max Weber) وغیرہ جیسے مستشرقین نے مصادرِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بہت سے شبہات اور اشکال پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی ہے مگر دورِ حاضر کے مسلمان محققین نے ان کے مثبت جواب فراہم کیے ہیں، جن کی تفصیل اس کتاب کے مقدمہ و تعارف کے ضمن میں مناسب نہیں ہے، البتہ تحریکِ استشراق کے سلسلے میں عربی، اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

ہم اس حقیقت کو جان چکے ہیں کہ کتابتِ حدیث اور تدوین حدیث کا مقدس سلسلہ عہدِ رسالت میں بخوبی شروع ہو چکا تھا۔ خلافتِ راشدہ میں جیسے جیسے فتوحاتِ اسلامیہ کا دائرہ پھیلتا چلا گیا، احادیث کے مراکز میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ مدینہ اور مکہ کے بعد کوفہ، بصرہ، دمشق، فسطاط، صنعا اور مرو میں ان مراکزِ حدیث کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ پہلی صدی کے اختتام تک شمالی افریقہ اور سپین میں روایاتِ حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ ۲۳ھ میں صحابہ بلوچستان میں مکران کے مقام پر اور ۹۴ھ میں مسلمان وادئ سندھ میں داخل ہو چکے تھے۔ یوں برصغیر میں بھی پہلی صدی ہجری میں محدثین کے نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ سیّد سلیمان ندوی، قاضی اطہر مبارک پوری اور محمد اسحٰق بھٹی جیسے محققین نے برصغیر میں علمِ حدیث اور سیر ومغازی کے سلسلے میں بہت وقیع کام کیا ہے۔

تاریخ اسلامی میں جمع و کتابتِ حدیث کا عمل انفرادی سطح پر بہت ذمہ داری اور اشتیاق سے جاری رہا مگر ریاستی سطح پر پہلی مرتبہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ حکومت (۹۹۔۱۰۱ھ) میں جمع و تدوینِ حدیث اور اس کے درس و تدریس کے مراکز قائم کرنے پر خصوصی توجہ دی گئی۔ طبقاتِ محدثین کی کتابوں میں اس کی تفصیلات کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ یوں اس عہد میں محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا ہو گئی۔ تمام اسلامی خطوں میں درسِ حدیث کے مراکز نے ایک اجتماعی ذوق پیدا کر دیا۔ جمع حدیث کا جذبہ عمر بن عبدالعزیزؒ میں اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ انھوں نے مدینہ کے عظیم محدث ابوبکر بن محمد بن حزم (م ۱۲۰ھ) سے درخواست کی کہ وہ تمام احادیث کو حیطۂ تحریر میں لے آئیں بالخصوص سیدہ عائشہؓ کی روایات جو عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے پاس موجود ہیں، انھیں مکمل طور پر محفوظ کر لیا جائے۔ خلیفہ عمر ثانیؒ نے سعد بن ابراہیم اور ابن شہاب الزہری سے بھی درخواست کی کہ وہ تمام احادیث کا مجموعہ تیار کریں تا کہ اسلامی ریاست کے تمام

حصّوں اور گوشوں تک ان کی نقول بھجوائی جاسکیں۔ ابونعیم اصفہانی کی روایت کے مطابق خلیفہ نے اپنی سلطنت کے تمام محدثین سے درخواست کی کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں، وہاں کی تمام احادیث کو قیدِ کتابت میں لے آئیں۔ محمد زبیر صدیقی اور محمد مصطفیٰ الاعظمی نے اپنے اپنے تحقیقی مقالات میں اس نوعیت کی جمع حدیث کی تمام کاوشوں کے ریکارڈ کو مرتب شکل میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ عربی اور اردو کی بیسیوں مستند کتابوں میں طبقات المحدثین کے اس ابتدائی عہد کی کاوشیں مرتب اور منضبط ہوگئی ہیں۔ اس سلسلے میں ابن جریج (م ۱۵۰ھ) نے مکہ مکرمہ، سعد ابن عروبہ (م ۱۵۷ھ) نے میسوپوٹیمیا، الاوزاعی (م ۱۵۹ھ) نے شام، محمد بن عبدالرحمٰن (م ۱۵۹ھ) نے مدینہ، زائدہ ابن قدامہ (م ۱۶۰ھ) اور سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) نے کوفہ اور حماد ابن سلمہ (م ۱۶۵ھ) نے بصرہ میں ذخیرۂ حدیث کو جمع کیا۔

افسوس کہ ان محدثین کے مجموعے آج اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں مگر ابن ندیم نے اپنی فہرست میں ان پر تبصرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ انہیں فقہی کتب کی ترتیب کی صورت میں جمع کیا گیا تھا۔ ان سب کی نوعیت بھی امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کے مرتبہ مجموعہ ''مؤطا'' کے قریب تر ہے۔ البتہ ان میں سفیان ثوریؒ کے مجموعے کی نوعیت دوسروں سے مختلف بیان کی جاتی ہے۔ اس عہد میں امام مالکؒ کی ''مؤطا'' واحد کتاب ہے جسے تعاملِ مدینہ کی اساس پر مرتب کیا گیا۔ اس اوّلین مجموعۂ حدیث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اس مجموعہ میں ۱۷۲۰ احادیث کو ان کی قانونی اور شرعی نوعیت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان احادیث میں ۶۰۰ کی اسناد موجود ہیں، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۳ موقوف، اور ۲۸۵ موقوف یا مقطوع ہیں۔ اس مجموعۂ حدیث کی یہ اہمیت ہے کہ ابن اثیرؒ ابن عبدالبرؒ اور عبدالحق دہلوی جیسے محدثین نے اسے صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عربی اور فارسی میں اس کی دو شروح مسویٰ اور مصفیٰ کے نام سے کی ہیں۔

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک صحابہؓ کے پاس حدیث اور سنت کی روایات کا ذخیرہ موجود تھا، ان میں سے پچاس کے قریب ایسے خوش نصیب بھی تھے کہ جن کے پاس ایک خاص تعداد میں لکھی ہوئی روایات بھی موجود تھیں۔ کم از کم ۱۲۳ صحابہؓ ایسے ہیں جنہوں نے بیس سے زیادہ روایات کو بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ۵۳۷۴، عبداللہ بن عمرؓ سے ۲۶۳۰، انس بن مالکؓ سے ۲۲۸۶، ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے ۲۲۱۰، عبداللہؓ بن عباس سے ۱۶۶۰، جابرؓ بن عبداللہ سے ۱۵۴۰، ابوسعید الخدریؓ سے ۱۱۷۰، عبداللہؓ بن مسعود سے ۸۴۸، عبداللہؓ بن عمرو بن عاص سے ۷۰۰، عمر بن الخطابؓ سے ۵۳۷، علیؓ بن ابی طالب سے ۵۳۶، ام المؤمنین ام سلمہؓ سے ۳۷۸، ابوموسیٰ الاشعریؓ سے ۳۶۰ اور برا ابن عازبؓ سے ۳۰۵ روایات نقل کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے ابتدائی عہد کے ذخیرۂ حدیث کی نوعیت، حیثیت اور کمیت پر بہت اہم تحقیقی معلومات فراہم کی ہیں۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں تمام روایات کا علم ہو چکا تھا مگر مؤطا امام مالک کے علاوہ کوئی دوسرا اہم مجموعۂ حدیث منصۂ شہود پر نہیں آیا تھا۔ اہل سنت کے آئمہ اربعہ کے دور میں حدیث کی تدوین ہو رہی تھی مگر ان کے سامنے تمام تر احادیث کے مجموعے نہیں تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴-۲۴۱ھ) امام بخاریؒ کے معاصر ہیں اور انھوں نے اپنی مسند میں ایک بڑی تعداد میں احادیث کا احاطہ کر لیا تھا۔ جس دور میں صحاح

اور سنن کے ذخائر مرتب شکل میں سامنے آئے تو آئمہ اربعہ کے شاگردوں نے دلیل اور شواہد کی بنا پر اپنے اساتذہ سے اختلاف کیا ہے۔ صحیحین کے شائع ہونے کے بعد احادیث کے معتبر اور مستند ذخیرے نے امت کی دینی اور شرعی رہنمائی میں بنیادی کردار انجام دیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

— ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بابت محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جتنی بھی متصل مرفوع احادیث ہیں' وہ قطعی طور پر صحیح ہیں' وہ اپنے مصنفین تک متواتر ہیں' نیز یہ کہ جو شخص بھی ان دونوں کی شان کم کرتا ہے' وہ بدعتی ہے اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ کا پیروکار ہے''۔

تیسری صدی ہجری علوم الحدیث کے جمع و ترتیب میں اس فن کا عہدِ زرّیں ہے۔ اس دور میں صحاح ستہ کے عنوان سے وہ عظیم الشان ذخیرۂ حدیث فنی ترتیب کے ساتھ سامنے آیا کہ جس نے اسلامی احکام اور تعلیمات کو عامۃ المسلمین کے لیے واضح کر دیا۔ امام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) کی صحیح البخاری' امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری (۲۰۴۔۲۶۱ھ) کی صحیح مسلم' امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی (۲۱۵۔۳۰۳ھ) کی سنن نسائی' امام سلیمان بن اشعث بن اسحٰق اسدی سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ) کی سنن ابو داؤد' امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی (۲۰۹۔۲۷۹ء) کی جامع ترمذی اور امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ) کی سنن ابن ماجہ کے مجموعوں کو صحاح ستہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر امتِ مسلمہ کے اہل علم اور اربابِ تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری سے بہتر اور مستند کوئی اور مجموعۂ حدیث نہیں ہے۔ اس کی تعریف و توصیف میں سبھی رطب اللسان ہیں۔ امام مسلم نے کفارہ مجلس کے بارے میں ایک حدیث کی علت کو امام بخاری سے سننے کے بعد فرمایا:

لا یبغضك الاحاسد و اشھد انه لیس فی الدنیا مثلك (مقدمہ فتح الباری)

''آپ سے وہی شخص بغض رکھے گا جو آپ کا حاسد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ جیسا آج دنیا میں کوئی نہیں ہے''۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

''میں نے عراق اور خراسان میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو احادیث کی تاریخ و علل اور اسانید کی جان پہچان میں امام بخاریؒ سے بڑھ کر ہو''۔ (مقدمہ فتح الباری)

ابن خزیمہ فرماتے ہیں:

''فلکِ نیلی فام تلے میں نے محمد بن اسمٰعیل سے بڑھ کر حدیث کا عالم اور حافظ نہیں دیکھا''۔

امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے:

''سرزمینِ خراسان نے امام بخاریؒ جیسا شخص پیدا نہیں کیا''۔

ابن المدینیؒ فرماتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے خود بھی اپنے جیسا شخص نہیں دیکھا تھا''۔

احمد بن حمدون القصارؒ کا کہنا ہے:

''یہ میرا براہِ راست مشاہدہ ہے کہ مسلمؒ بن حجاج' امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور کہا اے استاذ الاساتذہ اور اے سیّد المحدثین و طبیب الحدیث! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کی قدم بوسی کروں' پھر کفارہ کے بارے میں ایک حدیث پوچھی۔ امام بخاری نے اس کی علت بیان کر دی۔ جب فارغ ہوئے تو امام مسلم نے کہا: آپ سے دشمنی صرف وہی شخص رکھتا ہے جو حاسد ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کا کوئی ثانی موجود نہیں''۔

امام بخاریؒ کے اساتذہ میں اسحٰق بن راہویہؒ نے اپنے شاگرد کے بارے میں فرمایا:

''اگر بخاریؒ حسن بصریؒ کے زمانہ میں ہوتے تو پھر بھی لوگ حدیث وفقہ میں ان کے محتاج ہوتے''۔

ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمیؒ فرماتے ہیں:

''محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ ہم سب میں سے عظیم فقیہہ' جید عالم' نہایت عمیق الفکر اور طلب علم میں نہایت کوشش و کاوش کرنے والے ہیں''۔

حافظ ابن کثیر اپنی تصنیف ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں نے امام بخاریؒ کو حدیث وفقہ میں امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ پر ترجیح دی ہے''۔

مشہور مستشرق بروکلمان (Brockelmann) لکھتے ہیں:

"He has shown the greatest critical ability, and in editing the text has sought to obtain the most scrupulous accuracy"

''آپ نے (ترتیب بخاری میں) عظیم ترین تنقیدی صلاحیت کا اظہار کیا ہے' اور اس متن کی تدوین میں صداقت کے حصول کے لیے جزئیات کی حد تک نہایت محتاط کوشش کی ہے''۔

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ایک مقام پر شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کتاب بخاری شہرت و قبولیت کے ایسے بلند درجے پر فائز ہے' جس سے اوپر بڑھنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا''۔

فلسفۂ تاریخ کے امام' ابن خلدون نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا تقابل کرتے ہوئے' صحیح بخاری کی فضیلت کا فیصلہ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس درجے کی کتاب کی شرح امت مسلمہ پر ایک قرض اور فرضِ کفایہ ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے جب اس کی شرح فتح الباری کے نام سے لکھی تو علمائے امت نے تصدیق کی کہ امت سے اب یہ فرض ساقط ہو گیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ 'لا ھجرۃ بعد الفتح' کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض

حضرات نے اس کا علمی اطلاق فتح الباری پر بھی کیا ہے۔

اسلامی تاریخ بلکہ انسانی تہذیب میں کسی مصنف کی تالیف کو ایسی عزت و قبولیت حاصل نہیں ہوئی جو امام بخاریؒ کی صحیح البخاری کے حصے میں آئی۔ اسے 'اصح الکتب بعد کتاب اللہ' کا اعزاز حاصل ہوا۔ امام بخاریؒ سے پہلے احادیث کے جس قدر مجموعے اور روایات تھیں' آپ نے ان کی صحیح ترین احادیث کو اپنی صحیح میں شامل کر لیا۔ آپ سے پہلے کسی محدث نے صحیح ترین احادیث کا مجموعہ تیار نہیں کیا تھا۔ آپ کو چھ لاکھ احادیث کا علم تھا جن میں سے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے بھی اپنے کڑے معیار اور منہج کے پیش نظر صرف آٹھ ہزار صحیح احادیث بیان کی ہیں جب کہ باقی ماندہ بانوے ہزار احادیث المستخرج علی صحیح البخاری اور المستدرک علی صحیح البخاری کی صورت میں محفوظ کی گئیں۔ جہاں تک حدیث کے سلسلے میں امام بخاری کے منہج کا تعلق ہے' اسے سمجھنے کے لیے مقدمہ فتح الباری' التنکیل اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی جیسی تحریروں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ امام ترمذی اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے علل اور رجال کو امام بخاریؒ سے لیا ہے۔ امام نسائیؒ نے بھی استفادے کا اعتراف کیا ہے۔ صحیح البخاری کے اس عظیم الشان علمی کارنامے کو دیکھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تجدید احیاء السنۃ النبویۃ کے عظیم فریضے کی خدمت کے لیے پیدا کیا تھا۔ سنن ابو داؤد کی ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ان اللہ یبعث لهذه الامة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے آخر میں ایک ایسے فرد کو قائم کرے گا' جو اس امت کے سامنے دینِ اسلام کو اس کی حقیقی شکل میں اجاگر کرے گا۔ اس حدیث کا مصداق اگر تیسری صدی ہجری میں تلاش کیا جائے تو امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آپ کے تیس کے قریب علمی کارناموں' وسعت دماغی' عالی ہمتی' بلند حوصلگی' کشادہ دلی' قوتِ استحضار' زہد و ورع اور عملی سیرت کا مشاہدہ کیا جائے تو آپ بلاشبہ مجددِ کامل کے مرتبے پر فائز ہیں۔ اکابرِ امت نے بجا طور پر آپ کو امام المحدثین' امیر المومنین فی الحدیث اور سید الفقہاء کے القاب سے نوازا ہے۔ ایسی شخصیت کی سیرت و سوانح پر قلم اٹھانا ایک ناگزیر فریضے کی حیثیت رکھتا ہے۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کے علمی کارناموں بالخصوص ان کی صحیح البخاری کے حوالے سے تو سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں مقالات لکھے گئے ہیں مگر آپ کی سیرت و سوانح پر اعلیٰ علمی معیار کے مطابق بہت کم لکھا گیا ہے۔ یہ بات اردو زبان کے مفاخر میں تسلیم کی جائے گی کہ امام کی ایک مستند اور جامع بائیوگرافی ''سیرۃ البخاری'' کے عنوان سے آج سے ٹھیک ایک صدی پہلے ۱۳۲۹ھ میں مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری کے قلم سے لکھی گئی۔

اردو زبان میں تذکرہ نگاری کی روایت تو بہت قدیم ہے مگر خالص سوانح کے فن کی غرض سے بہت کم نمونے ملتے ہیں۔ ''سیرۃ البخاریؒ'' اپنے فن اور موضوع کے اعتبار سے ایک کامیاب علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ مصنف مذکور کو امام بخاریؒ کی شخصیت اور علمی کارناموں کے ساتھ جو ذہنی اور قلبی مناسبت ہے' یہ اسی کی فیض رسانی ہے کہ انھوں نے لوازمے کی تلاش میں امکانی حد تک جستجو کی ہے۔ اس سوانح کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ یہ محض ایک

محدث کے حالات و واقعات کا تذکار ہی نہیں بلکہ اس میں پورا ایک عہد سمٹ آیا ہے۔ اس عہد کے علمی وفکری رجحانات بھی اس میں سمٹ آئے ہیں۔ انھوں نے اس سے قبل کی دو صدیوں کے علم اور معلومات کو اس درجہ سائنٹی فک اسلوب میں مرتب اور مدوّن کیا ہے کہ اس میں ایک مجتہدانہ شان پیدا ہوگئی ہے۔ علوم الحدیث کے متعلقات پر جتنا وسیع اور وقیع کام ان کے قلم سے سامنے آیا ہے، اس سے صدیوں نے استفادہ کیا ہے۔ ان کے سب سے عظیم کارنامے صحیح البخاری سے الدین الخالص تک رسائی ممکن ہوگئی ہے۔ اہل سنت کے مختلف مکاتب فکر میں تطبیق کی راہیں ہموار ہوئی ہیں۔ اہل السنۃ میں اختلاف رائے کو رفع کرنے کی ایک ہی سبیل ہے کہ امام کی محدثانہ فقاہت کو تسلیم کرلیا جائے، جس کا اعتراف ان کے معاصرین اور مابعد کے فقہانے بہت کھلے دل سے کیا ہے۔ اتحاد بین المسلمین کی تمنا لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں دھڑکتی ہے مگر اس کا حصول کیسے ممکن ہے؟ اس کی راہ امام بخاریؒ کے تراجم ابواب نے دکھائی ہے۔ ایک ریاست، معاشرے، ادارے اور فرد کی جس قدر اعتقادی، فکری، معاشرتی، معاشی، عائلی، تجارتی، آئینی، عدالتی اور سیاسی ضروریات ہوسکتی ہیں، ان کے لیے بہترین اسلوب اور تکنیک کے ساتھ نبوی رہنمائی فراہم کردی گئی ہے۔ رسول اللہ کی حیاتِ مبارکہ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے مگر اس اسوۂ کامل کی سچی تفصیلات کیا ہیں، امام کی خدماتِ حدیث نے انہیں فراہم کردیا ہے۔ فرقِ باطلہ کی تردید میں جو محکم اصول انھوں نے بیان کردیے ہیں، اس سے ہر زمانے کے علماء اور دعاۃ استفادہ کرسکتے ہیں۔ الغرض اگر کوئی سچا مومن بن کر جینا چاہتا ہے اور پکا مسلمان رہتے ہوئے مرنا چاہتا ہے تو امام بخاریؒ کی فقاہتِ حدیث اس کے لیے صراط مستقیم فراہم کرتی ہے۔

امام بخاریؒ کے علم وفضل، تقویٰ وطہارت، زہد وورع، توکل واستغنا، حکمت وفراست، پارسائی اور پرہیزگاری اور عمل بالسنۃ کے تذکرے ان کے زمانے میں دور ونزدیک معروف تھے۔ وہ ایک محدث والد کے محدث بیٹے تھے۔ طلبِ حدیث میں ان کے اسفار اور رحلات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ان کے بے مثال حافظے کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ عامۃ المسلمین میں ان کی عزت وعظمت کے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے والوں میں ان کے اساتذۂ معاصرین اور تلامذہ سبھی برابر کے شریک ہیں۔ انہیں جبل الحفظ وامام الدنیا کے لقب سے یاد کیا گیا۔ وہ ذہانت وفراست کا پیکر تھے۔ ان کی والدہ کس درجہ نیک سیرت اور مستجاب الدعوات تھیں؟ اس کا اندازہ اس دعا سے لگائیے کہ بیٹے کی بینائی کے لیے دعا کی تو بصارت لوٹ آئی۔ اس بصارت نے عالم انسانیت کو بصیرت عطا کی۔ تاریخ الحدیث میں کسی مجموعۂ احادیث کی ترتیب میں وہ التزام واہتمام دکھائی نہیں دیتا جو صحیح البخاری کی ترتیب کے لیے اختیار کیا گیا۔ کسے خبر نہیں کہ امام سفر وحضر میں ہر جگہ اپنی اس تالیف کی ترتیب وتسوید میں مشغول رہے۔ جب تراجم ابواب کی ترتیب اور تہذیب کا مرحلہ آیا تو ہر ترجمۃ الباب کے تحت احادیث کے اندراج کا فریضہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں انجام دیا اور اس کام کو بار دگر مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر انجام دیا۔ تقویٰ وطہارت کا کیا عالم ہے کہ کسی حدیث کو بے وضو نہیں لکھا اور ہر حدیث کے لیے دو نفل نماز کی ادائیگی کا اہتمام کیا۔ سولہ سال کی طویل محنت، ریاضت، محبت اور عقیدت

رنگ لائی اور وہ مجموعۂ حدیث تیار ہوگیا جس کی مثل کائنات میں کوئی اور کتاب نہیں ہے اور اس سے بلند تر مقام صرف کتاب اللہ کو حاصل ہے۔ ترجمۃ الباب سے استنباطِ مسائل کی راہ پیدا ہوئی۔ آنے والی نسلوں کو استخراج مسائل کے اسلوب سے شناسائی ملی۔ ان کی تمام روایات کی اسناد متصل اور غیر مقطوع ہیں۔ امام بخاریؒ کے اس کارنامۂ حدیث کا تقاضا ہے کہ صرف اسی ایک کتاب کی تدریس، تشریح، تعلیق، منہج، اشاعت، فوائد اور ابلاغ کے لیے مستقل ادارے بنائے جائیں۔ ان کی علمی قابلیت، رسوخ فی الحدیث، شخصی احوال اور علمی کارنامے پر مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری نے قابلِ رشک اور مستند معلومات کا مجموعہ فراہم کیا ہے۔ جس کے گزشتہ ایک صدی میں متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

اس موقع پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تصنیف مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری کے ضروری احوال بھی بیان کر دیے جائیں۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے اجداد کا شجرہ کچھ یوں بیان کیا ہے:

عبدالسلام بن شیخ خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین

ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش میں اعظم گڑھ کے ضلع کو علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت شہرت حاصل ہے۔ اس ضلع کے ایک قصبے کا نام مبارک پور ہے۔ جس کے علماء اور فضلاء کی خدمات سے تذکرے لبریز اور معمور ہیں۔ قاضی محمد اطہر مبارک پوری جن کے تاریخی ذوق پر ان کی متعدد کتابیں گواہ ہیں۔ اپنی خودنوشت سوانح ''کاروانِ حیات، قاعدہ بغدادی سے بخاری تک'' میں اس قصبے کے حوالے سے بہت سی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ علمائے دین اور مدارسِ دینیہ کی اس بستی میں ریشمی پارچہ جات کی صنعت بھی بہت مشہور تھی۔ آپ کے والد شیخ خان محمد عامل بالسنۃ تھے۔ اس زمانے کے دستور کے موافق اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد درسیات کا آغاز ہوا تو مبارک پور ہی میں حافظ عبدالرحیم مبارک پوری (م۱۹۱۲ء) کے ہاں بھجوادیے گئے۔ جہاں پر دیگر مدرسین سے ابتدائی عربی زبان کی کتابوں کو پڑھا۔ مولانا حسام الدین مئوی سے شرح وقایہ پڑھی۔ مبارک پور سے اسلامی تہذیب اور علوم کے مرکز دہلی میں چلے آئے اور یہاں مدرسہ فتح پوری میں مولانا عبدالخالق ولایتی سے چند درسی کتب پڑھیں۔ علوم الحدیث اور متون حدیث کا مرحلہ آیا تو شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری اور حافظ عبداللہ غازی پوری جیسے جید اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ شیخ حسین عرب یمنی اور حضرت قاضی محمد مچھلی شہری سے بھی استفادے کا موقع ملا۔ دستور زمانہ کے مطابق علمِ طب کی تحصیل حکیم عبدالولی ابن حکیم عبدالعلی لکھنوی اور دوسرے ممتاز اطباء سے حاصل کی۔ علومِ طبّ سے فراغت کے بعد جہاں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھالیں، وہیں مطب میں بھی ضرورت مندوں کو علاج کی سہولتیں فراہم کیں۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ وہ بچپن میں بیمار رہتے تھے، لہٰذا ان کے والد علاج کے لیے مولانا حکیم محمد عبدالسلام مبارک پوری سے ہی رجوع کرتے تھے۔

مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے۔ تدریس کو انھوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد اختیار کیا۔ مدرسہ احمدیہ آرہ اور صادق پور کے ایک مدرسے میں تقریباً پندرہ سال تک خدمات انجام دیں۔ مدرسہ عالیہ

مئوناتھ بھنجن میں تین سال، مدرسہ سراج العلوم بونڈ یہار میں چار سال اور اپنی حیات کے آخری سالوں میں دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں تدریس میں مصروف رہے اور یہ ان کی تدریسی زندگی کا سب سے طویل دورانیہ ہے جو تقریباً اٹھارہ سال کو محیط ہے۔ اس کامیاب درسی زندگی کے ساتھ انھوں نے تالیف وتصنیف سے بھی دلچسپی جاری رکھی۔ ان کے تصنیفی شاہکار ''سیرۃ البخاریؒ'' کے علاوہ انھوں نے تاریخ منوال واہلہ، تصوف، تمدن کے موضوع پر کتابیں اور بعض دوسرے مضامین لکھے۔ بالخصوص اخبار ''اہلحدیث، امرتسر میں تراجم علمائے اہلحدیث کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں تقریباً ۲۷ کے قریب سوانحی مضامین شائع کرائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت صالح اور عالم فرزند عطا فرمائے۔ مولانا حافظ عبدالعزیز، مولانا عبیداللہ مبارک پوری رحمانی، ڈاکٹر محمد عزیر اور مولانا عبیدالرحمٰن طالب مظاہری رحمانی کے اسماء معروف ہیں۔ مولانا عبیداللہ مبارک پوری رحمانی (۱۳۲۷ھ۔۱۹۹۴ء) کی علمی خدمات بہت معروف ہیں۔ ان کے قلم سے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ''مرعاۃ المفاتیح'' کے عنوان سے مشہور ہے۔

مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری ۱۹۲۴ء کے اوائل تک دارالحدیث رحمانیہ میں تدریس کی ذمہ داریاں ادا کررہے تھے۔ مطالعہ کتب سے انہیں بہت دلچسپی تھی۔ جامع مسجد دہلی کے اردگرد کتب فروشوں کے بہت سے مراکز تھے اور ابھی تک قائم ہیں۔ مولانا یہاں سے نئی نئی کتب خرید کرتے رہتے تھے۔ ایک روز سبز سرورق کی ایک کتاب خریدی، چلتے ہوئے پڑھتے جاتے تھے۔ چاندنی چوک گھنٹہ گھر کے قریب سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک گھوڑا گاڑی جس پر کوئی سوار نہیں تھا' بگٹٹ دوڑی آرہی تھی۔ گھوڑا بگڑا ہوا تھا۔ مولانا کے قریب سے گزرا تو آپ کو روند ڈالا۔ سبز رنگ کے سرورق پر تازہ خون کی سرخی جم گئی، یوں یہ شہیدِ علم ۲۴ فروری ۱۹۲۴ء کو واصل بحق ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است بر جریدهٔ عالم دوامِ ما

''سیرۃ البخاریؒ'' کی تصنیف میں مصنف مذکور نے بہت مخلصانہ مساعی کی ہیں۔ اس تصنیف میں انھوں نے جہاں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی سیرت وسوانح کا التزام کیا ہے، وہاں علوم الحدیث سے متعلق متعدد مباحث کو بھی سمیٹ لیا ہے۔ اس سوانح کی تحریر وتسوید میں بہت سے اسباب کارفرما رہے ہیں۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (م ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء) سنن ابوداؤد کی شرح عون المعبود کے شارح ہیں۔ وہ مولانا محمد عبدالسلام مبارک پوری کے ذوقِ حدیث اور علمی وتحقیقی شغف سے بخوبی واقف تھے، سیرۃ البخاریؒ کی تصنیف میں ان کی تحریک، ترغیب اور تشویق بھی شامل ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عظیم آبادی نے ان کے لیے اپنے گراں قدر کتب خانے سے استفادے کی ہر شکل پیدا کی۔ بہت سے ممالک سے خصوصیت سے اس مقصد کے لیے کتابیں منگوائیں اور مصنف مذکور کو بھجوائیں۔ اس کتاب کے سلسلے میں انہیں مولوی خدا بخش کے عظیم مکتبہ واقع پٹنہ سے بھی بہت مدد ملی، بالخصوص ان کے قلمی ذخیرے نے اس کتاب کی تکمیل میں بہت

رہنمائی فراہم کی۔ چند منتخب مراجع اور مصادر کا تذکرہ مصنف مذکور نے اپنے دیباچے میں بھی کیا ہے۔ سوانح کی تصنیف کے دوران انہیں مولوی محمد یعقوب صادق پوری رئیس عظیم آباد کے ہاں قیام کی سہولت حاصل رہی، جن کے کتاب خانے سے بھی انھوں نے کماحقہ استفادہ کیا۔ ان سب اسباب کے نتیجے میں ''سیرۃ البخاریؒ'' امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے حالات اور علمی کارناموں کے حوالے سے ایک مختصر دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔ مولانا مبارک پوری اس کتاب کو تین مستقل حصوں میں لکھنا چاہتے تھے مگر وہ اس کے دو حصوں کو مکمل کر پائے۔ تیسرے حصے میں وہ یہ چاہتے تھے کہ دوسرے مذاہب اور فرقِ اسلامیہ کے پیغمبروں اور رہنماؤں کے سلسلے میں تفصیلات فراہم کریں کہ انھوں نے اپنے ان اکابر کے احوال کی پیش کش میں کیا سلوک روا رکھا۔

''سیرۃ البخاریؒ'' آج سے ایک صدی قبل ۱۳۲۹ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے تیرہ سال بعد ۱۸ رجب ۱۳۴۲ھ میں ان کا دہلی میں انتقال ہوا۔ مگر اس کا نقشِ ثانی ان کی وفات کے تیئس سال بعد ۱۳۶۶ھ میں ان کے نامور صاحبزادے مولانا عبیداللہ مبارک پوری رحمانی کی کوشش سے شائع ہوا۔ طبعِ ثانی میں جہاں املاء کی اغلاط کو درست کیا گیا، وہاں بعض مقامات پر ضروری حواشی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب اور فہرست کو مزید جامع بنایا گیا۔ بعض عبارتوں پر ذیلی عنوانات بھی دیے گئے اور یوں نقشِ ثانی قارئین کے لیے بہتر اسلوب میں شائع ہوا۔ پھر یہی ایڈیشن برصغیر میں مختلف ادارے ابھی تک شائع کرتے چلے آ رہے ہیں۔ راقم الحروف نے اس کا ایک ایڈیشن اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، مٹیا محل، دہلی میں اپنے ایک علمی دورہ کے دوران ہندوستان میں دیکھا۔ اس عظیم تحقیقی سوانح کا ایک انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد رفیق خان نے کیا ہے۔ جو ۱۹۸۴ء میں ادارۃ البحوث، جامعہ سلفیہ، بنارس، انڈیا سے ''Life and work of Imam Bokhari'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

راقم گزشتہ سطور میں عرض کر چکا ہے کہ امام بخاریؒ کے حالات اور علمی کارنامے پر ''سیرۃ البخاریؒ'' سے بہتر کتاب خود عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس خیال کے پیش نظر برصغیر کے ممتاز علماء کے خانوادے کے ایک ذہین فرزند الدکتور عبدالعلیم بن عبدالعظیم البستوی نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ ''سیرۃ الامام البخاریؒ۔ سید الفقہاء و امام المحدثین'' کے عنوان سے کیا۔ جس کا نقشِ اوّل ۱۹۸۶ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہوا، مگر اس کا ایک جامع، دیدہ زیب اور محقق ایڈیشن دو جلدوں میں دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع سے شائع ہوا جو ۸۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ''سیرۃ البخاریؒ'' کی یہ عربی طباعت محض ترجمہ ہی نہیں بلکہ اس کی ترتیب نو میں متنوع علمی فوائد اور تعلیقات کی صورت میں جدید معلومات کا گراں قدر اضافہ ہے۔ اس ترجمہ کی دوسری جلد میں فہرس المراجع کا مطالعہ کیا جائے جو صفحہ ۸۱۷ سے ۸۶۰ تک موجود ہے تو اس میں ۵۱۶ کتب کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔ مراجع کی یہ فہرست واضح کرتی ہے کہ مترجم موصوف نے حواشی و تعلیقات کے فن میں کس قدر جدید اور وسیع معلومات فراہم کی ہیں۔ اگر صرف ان تعلیقات ہی کا مطالعہ کر لیا جائے تو سیرۃ البخاریؒ اور علوم الحدیث پر متنوع معلومات کا ذخیرہ دکھائی دیتا ہے۔ مترجم نے موضوعات کی مناسبت سے

جدید عناوین قائم کیے ہیں۔ مولانا مبارک پوری مرحوم کے ہاں جہاں کہیں حوالوں کی عدم دستیابی کی بنا پر کمی تھی' اس کی تکمیل کی گئی ہے بعض مقامات پر حوالوں کی درستی کا التزام بھی لائق قدر ہے۔ کسی جگہ مسلسل عبارت اگر مفہوم میں رکاوٹ پیدا کرتی تھی تو اس کے لیے نئے پیراگراف ترتیب دیے گئے ہیں' بالخصوص مختلف مصنفین کے سنین پیدائش ووفات میں جدید ذرائع سے درست تعین میں مدد لی گئی ہے۔ ہر چند ''سیرۃ البخاریؒ'' کا اردو مسودہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے مگر اس کے عربی ترجمہ نے اس کی قدر و قیمت میں بیش بہا اور گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ حواشی و تعلیقات' مراجع و مصادر اور کتابت و تسوید میں جدید اسلوب تحقیق کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس قدر عالی درجہ کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ اور اس میں مفید افادات و اضافات نے اس کتاب کی عالمانہ اور محققانہ شان میں اضافہ کر دیا ہے۔ ''سیرۃ البخاریؒ'' کے عربی ایڈیشن کی یہ تمام خوبیاں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ اس کے افادات سے اردو داں حضرات کو استفادے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ سو یہ موجودہ طباعت اور کاوش اسی علمی مطالبے کا نتیجہ اور اثر ہے۔

وادیٔ حجاز میں حرمین کی فضا میں جہاں کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے روح پرور اور ایمان افروز مناظر دل و دماغ کو عطر بیز اور مسحور کرتے ہیں وہیں ان مقدس بستیوں کی علم افروز اور تحقیق آموز روایات بھی ارباب علم وفن کے لیے راحتِ دل و جان ہیں۔ اس فقیر کو متعدد مرتبہ اس سرزمین میں حج وعمرہ کی مسنون ادائیگی یا پھر کچھ محاضرات کے سلسلے میں حاضری دینے کی عزت اور سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یہ کچھ چار سال قبل کی بات ہے کہ مجھے اپنے ذوق کتب بینی کے باعث اپنے علم دوست حبیب مکرم عزیر شمس حفظہ اللہ تعالی کے ہمراہ مکۃ المکرمۃ کے کتب خانوں کی سیر کے مواقع میسر آئے۔ مکتبہ الرشد میں الدکتور عبدالعلیم عبدالعظیم البستوی کی دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب ''**المهدی المنتظر فی ضوء الاحادیث والاثار الصحیحة و اقوال العلماء و آراء الفرق المختلفة**'' دکھائی دی۔ اس کی دوسری جلد کا عنوان ''**الموسوعة فی احادیث المهدی الضعیفة والموضوعة**'' ہے۔ یہ کتاب انھوں نے جامعہ ملک عبدالعزیز میں اپنی ماجستیر کی علمی اور تحقیقی ضرورتوں کے پیش نظر تحریر کیا تھا جو بعد ازاں دار ابن حزم سے ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ محترم عزیر شمس صاحب اس دور میں کتابوں کے حوالے سے ایک قاموسی شخصیت ہیں، ان کے استحضارِ علمی پر ہمیشہ تعجب اور تشکّر کے ملے جلے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ موصوف نے اس کتاب کی تعریف کی اور ساتھ ہی ''سیرۃ البخاریؒ'' پر حضرت مبارک پوری کی تصنیف کے عربی ترجمہ کی تعریف و توصیف کی اور مجھے اس محقق ایڈیشن کے اردو ترجمے کی افادیت کی طرف توجہ دلائی۔ دکتور عبدالعلیم بستوی ان دنوں رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے دفاتر میں ایک علمی عہدے پر فائز ہیں۔ اگلے ہی روز برادرم عزیر شمس صاحب کے ساتھ رابطہ کے دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس کتاب کے ترجمہ واشاعت کے لیے درخواست پیش کی جسے انھوں نے کمال علم دوستی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمایا، جزاک اللہ فاحسن الجزا۔

''سیرۃ البخاریؒ'' کے اس عربی ایڈیشن کے ترجمہ و تدوین میں اس کے ابتدائی اردو متن کو تو حضرت مبارک

پوری کے حوالے سے برقرار رکھا گیا ہے، البتہ اس کے متن میں جو اضافات یا تصحیحات کی گئی ہیں، انہیں موجودہ اردو متن کا حصہ بنایا گیا ہے۔ موجودہ ایڈیشن کی اصل اہمیت تو ان حواشی و تعلیقات کی بنا پر ہے جسے مترجم ڈکتور عبدالعلیم بستوی نے کمال محنت و ریاضت سے ترتیب دیا ہے۔ اہل علم اساتذۂ حدیث اور علوم الحدیث کے شائقین مطالعہ کے بعد ہی اس کا صحیح فیصلہ کر پائیں گے کہ اس محقق ایڈیشن کی موضوع خاص کے حوالے سے قدر و قیمت کیا ہے۔

''سیرۃ البخاری﷫'' کے عربی حواشی اور تعلیقات کے اردو ترجمہ و ترتیب کے ضمن میں ابتداءً مولانا عبدالرحمٰن ضیاء اور مولانا شفیق الرحمٰن فرخ نے تعاون فراہم کیا مگر اردو متن کے ساتھ ان کی مطابقت کے سلسلے میں مولانا محمد طیب طاہر نے جس جذب و شوق اور ذمہ داری کا اظہار کیا' وہ لائق داد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کے علمی تعاون کو ان کے حسنات میں شمار فرمائے آمین۔

راقم کو ''سیرۃ البخاری﷫'' کا مطالعہ کرتے ہوئے نصف صدی کے قریب ہونے کو ہے' والد ماجد مولانا حکیم عبدالعزیز اور ان کے تین قریبی اعزاء مولانا عبدالرحیم رحمانی' مولانا عبداللہ حسینوی اور مولانا محمد عبداللہ اوکاڑوی ۱۹۲۴ سے ۱۹۳۲ء کے دوران دہلی کے مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ عم محترم مولانا عبدالرحیم رحمانی تو جامعہ رحمانیہ اہل حدیث کے فارغ التحصیل تھے اور اپنے آخری امتحان میں نتیجہ کے اعتبار سے سرفہرست رہے جس پر انہیں خصوصی عبائے فضیلت بھی عطا کی گئی۔ مجھے ان حضرات سے اس دور کی بہت سی علمی روایات کو سننے کا بارہا موقع ملا اور ان کے کتب خانوں سے استفادے کی عزت حاصل ہوئی۔ دادا جان مرحوم کے قائم کردہ کتب خانے بیت الحکمت میں ''سیرۃ البخاری﷫'' کی متعدد اشاعتیں موجود ہیں' جن سے موجودہ ایڈیشن کی ترتیب و تدوین میں خاطر خواہ علمی اور تحقیقی معاونت ملی۔ مجھے ۲۰۰۵ء میں ہندوستان کے ایک علمی سفر پر جانے کا موقع ملا تو دہلی میں شیخ الکل سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کی درس گاہ کے علاوہ جامعہ رحمانیہ' حمیدیہ' سعیدیہ' زبیدیہ اور ریاض العلوم جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ جامعہ رحمانیہ کو دیکھ کر دل خون کے آنسو رودیا کہ وہاں اب شفیق الاسلام ہائی اسکول کے نام سے ایک ادارہ کام کر رہا ہے۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری اسی جامعہ رحمانیہ میں اپنی عمر عزیز کے آخری اٹھارہ سال تدریسی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔

راقم کو اگست ۲۰۰۷ء میں ازبکستان کے ایک علمی سفر کے دوران دوسرے شہروں کے علاوہ سمرقند میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ شہر سے کچھ دور امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری﷫ کی آخری آرام گاہ موجود ہے۔ سمرقند سے باہر کچھ کلومیٹر پر دورویہ سڑک کے دونوں طرف رنگارنگ پھولوں کے تختے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ یہ سرسبز و شاداب سڑک بالآخر ایک وسیع و عریض مرغزار اور خیابان میں داخل ہو جاتی ہے جس کے درمیان میں امام بخاری﷫ کی یاد میں ایک عظیم الشان درس گاہ قائم کی گئی ہے۔ جس میں سیکڑوں طلبہ تعلیم میں مصروف ہیں۔ اس درس گاہ کی عمارت اپنے مخصوص طرزِ تعمیر سے سیاحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے عظیم مرکزی دروازے کی سیدھ میں چلتے چلے جائیں تو آخر کے وسط میں ایک حسین و جمیل مزار تعمیر کیا گیا ہے' جس پر انتہائی قیمتی پتھروں سے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ اس پرشکوہ مزار کو دیکھ کر میرے دل و

دماغ پر ایک عجیب مایوسی چھا گئی کہ سنتِ نبوی کے احیاء کے سب سے بڑے محافظ کی آخری آرام گاہ میں مسنون طرزِ عمل اختیار نہیں کیا گیا۔ میں ابھی اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں تھا کہ مدرسے کے بزرگ مہتمم میرے قریب تشریف لائے اور فارسی زبان میں ہم کلام ہو کر پوچھا کہ آپ امام صاحب کی قبر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر معروف مخطوطہ شناس ڈاکٹر احمد خاں صاحب بھی میرے ہمراہ تھے۔ ہم دونوں کو مزار کے دائیں جانب سے اترنے والی سیڑھیوں کے راستے ایک زمین دوز حجرے میں لے جایا گیا۔ جہاں ایک سادہ قبر کے سرہانے ایک بڑے سنگِ مرمر کے سفید پتھر پر عربی زبان میں امام کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے ایک مؤثر عبارت خطِ ثلث کے سیاہ حروف میں کندہ تھی۔ اس حجرے کے اوپر ایک سادہ سی ڈاٹ کی چھت موجود تھی۔ اس سادہ حجرے کے اوپر پھر ایک دیدہ زیب پرکار اور پرشکوہ مربع مزار کی عمارت تعمیر کی گئی ہے جو ازبکستان کے موجودہ حکمرانوں کی عقیدت کا مظہر ہے۔ مدرسے کے بزرگ عالم نے واپسی پر مجھے ازبک زبان میں امام بخاریؒ کے مناقب پر مشتمل ایک منظوم کتاب پیش کی جو ان دنوں بیت الحکمت لاہور کے ذخیرۂ نوادر میں موجود ہے۔ راقم نے بھی چند کتب کا ہدیہ مدرسے کی نذر کیا اور امام بخاریؒ کی شخصیت اور عظمت کا ایک گہرا نقش لیے ہوئے' وہاں سے واپس سمرقند لوٹ آیا۔ دہلی اور سمرقند کے یہ مشاہدات محض ''سیرۃ البخاریؒ'' کے حوالے سے عقیدتاً درج کیے گئے ہیں۔

۳۔ ''سیرۃ البخاریؒ'' کا یہ صدی ایڈیشن بہت محنت' ریاضت اور عقیدت سے پیش خدمت ہے۔ اس عظیم سوانح کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے درمیان کامل ایک صدی (۱۳۲۹۔۱۴۲۹ھ) کا فاصلہ حائل ہے۔ ادارہ ''نشریات'' لاہور کے عزیزم محمد رفیع الدین حجازی نے اس کی اشاعت میں جس ذمہ داری' علمی شغف اور طباعتی ذوق کا اظہار کیا ہے' اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر ان شاء اللہ عطا فرمائے گا۔ یہ صدی ایڈیشن جامعات اور دینی درس گاہوں کے اساتذہ و طلبہ نیز علوم الحدیث سے دل چسپی اور رغبت رکھنے والے اہل علم اور محققین کے لیے ایک سوغات کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعے سے حدیث اور سنت کی تفہیم کو آسان بنائے اور علوم الحدیث میں امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ کی عزت و عظمت اور مقام و منزلت کو سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العٰلمین۔

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

پروفیسر عبدالجبار شاکر
ڈائریکٹر' دعوۃ اکیڈمی
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' اسلام آباد

دیباچہ طبع ثانی

سیرۃ البخاری طبع اول (۱۳۲۹ھ) کو شائع ہوئے آج چھتیس برس ہو گئے حضرت والد محترم (مؤلفِ کتاب) نے اس کے شائع ہونے کے تیرہ برس بعد انتقال فرمایا۔ اب یہ کتاب اُن کی وفات کے تیس برس بعد طبع ہو کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں جا رہی ہے۔ اربابِ علم نے کتاب کی اُس کے شایانِ شان قدر و منزلت کی۔ چنانچہ طبع اول کے تمام نسخے بہت تھوڑی مدت میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے تھے۔ کتاب کی یہ قابلِ رشک مقبولیت نتیجہ تھی مؤلف مرحوم کے اخلاص کامل کا اور ثمرہ تھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ اور اُس کے مصنف کے ساتھ مؤلف کی علمی عقیدت اور والہانہ دینی محبت و شیفتگی کا اور اثر تھی مؤلف کی صحیح ٹھوس علمی خدمت کا' انما الاعمال بالنیات۔

کتاب کی غیر معمولی مقبولیت اور اہل علم کے شدید تقاضوں کے پیش نظر مؤلف کی زندگی میں طبع ثانی شائع ہو جانا چاہیے تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض مخصوص عوائق اور عائلی پریشانیوں کی وجہ سے حضرت مؤلف طبع ثانی کا انتظام نہ فرما سکے۔ یہاں تک کہ بزمانۂ ملازمت دارالحدیث رحمانیہ دہلی رجب ۱۳۴۲ھ میں رہگزرئے عالم جاودانی ہو گئے۔ راقم السطور اُن دنوں دارالحدیث رحمانیہ میں پانچویں جماعت میں زیر تعلیم تھا اور اُس کے دونوں چھوٹے بھائی محمد عزیر اور مولوی عبیدالرحمٰن (مرحوم) مقامی مدرسہ میں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے۔ حضرت والد محترم کی وفات کے بعد ہماری بے سروسامانی کے باعث اُن کی دیگر تصانیف کی طرح سیرۃ البخاری کے طبع ثانی کا کوئی ظاہری ذریعہ اور وسیلہ بھی باقی نہیں رہا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد ہم تینوں کو اُس کی اشاعت کی ضرورت کا برابر پورا احساس رہا لیکن لِکُلِّ شَیْءٍ اَجَل مُسَمًّی کے ضابطۂ الٰہی اور قانون ربانی کے مطابق آج سے پہلے ہم اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام نہ کر سکے۔

برادرِ عزیز مولوی عبیدالرحمٰن طالب مظاہری رحمانی کو جو نہایت خوش خلق' شریف النفس' سلیم الطبع اچھے شاعر اور جید عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اچھا ذوق عطا کیا تھا' نفیس الطبع' لطیف المزاج بنایا تھا۔ وہ خصوصیت کے ساتھ کتاب کو بہتر سے بہتر شکل میں طبع کرانے کے خواہش مند اور اس کی فکر و کوشش میں تھے۔ لیکن خالق الموت والحیاۃ کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ عین شباب میں بزمانۂ ملازمت دارالحدیث رحمانیہ دق اور سل میں مبتلا ہو کر ۱۰ر ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ کو ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے اور کتاب کے حسب خواہش طبع ثانی کی حسرت اپنے دل میں لے گئے۔ انا للہ اللہ تعالیٰ انہیں بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام عنایت کرے۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ وَ

اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْنَ۔

جنگ کے زمانہ میں اپنی بے سروسامانی اور سامانِ طباعت کی ہوشربا گرانی کے باعث کتاب کی طباعت کا انتظام ہمارے (راقم الحروف اور برادرِ عزیز محمد عزیر سلمہ اللہ) امکان سے باہر تھا۔ اب جبکہ طواغیت عالم کی شیطانی جنگ کو ختم ہوئے ایک برس سے زائد ہو گیا ہے اور علمی کتابوں کی اشاعت میں نسبتاً آسانی ہو گئی ہے۔ بعض واجب الاحترام بزرگوں اور مخلص احباب کی ہمت افزائی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے ہمیں توفیق ہوئی کہ کتاب کو طبع کرا کر اہلِ علم کی خدمت میں پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

صحیح بخاری کی مشہور عالم شرح فتح الباری کا مقدمہ ہدی الساری جس قدر ضروری اور اہم ہے کسی صاحب علم سے مخفی نہیں۔ اُس کے متعلق یہ دعویٰ کہ اس کا مطالعہ کیے بغیر صحیح بخاری کی حقیقت سے آگاہی تقریباً ناممکن ہے جس طرح مبالغہ سے پاک اور بالکل صحیح ہے اسی طرح سیرۃ البخاری کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ بالکل درست اور حقیقت پر مبنی ہے کہ صحیح بخاری کے طالب علم کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ اردو زبان میں اپنے موضوع پر واحد مبسوط مستقل کتاب ہے۔

امام المحدثین مجتہد مطلق تھے ان کے بے نظیر کمالِ اجتہاد کا صحیح اندازہ ان کی جامع صحیح کے تراجم ابواب سے بخوبی ہوتا ہے۔ ضرورت تھی کہ فقہ اہل الحدیث اور طریق اجتہاد فقہاء محدثین کا فقہ اہل الرائے اور طریق اجتہاد فقہاء عراق سے موازنہ کر کے اُن کے درمیان فرق کو واضح کیا جاتا۔ تاکہ طالبین حق پر یہ منکشف ہو جائے کہ فقہ اہل الحدیث کیوں محمود ہے اور فقہ اہل الرای کیوں مذموم و مردود ہے۔ الحمدللہ کہ حضرت مؤلف نے حصہ ثانی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ضمنی طور پر آخر میں تراجم بخاری سے متعلق اچھوتی بحث آ گئی ہے جس سے امام المحدثین سے رفع الزام میں اگر کہیں کسی پر ضمناً الزام عائد ہو گیا ہو تو وہ مجبوری سے ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ کوئی صاحب بغیر پوری کتاب ملاحظہ کیے ہوئے کوئی رائے قائم نہ کریں۔

طبع اول میں ''تصحیح اغلاط'' کی فہرست میں دیے ہوئے اغلاط کے علاوہ چھاپہ کی بہت سی غلطیاں تصحیح سے رہ گئی تھیں۔ اس طبع میں جہاں تک انسانی امکان ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے اور یقین ہے کہ یہ اغلاط سے پاک ہو گا۔ بعض مقامات میں ضروری حواشی یا حوالے رہ گئے تھے ان کا اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن اس کی احتیاط کی گئی ہے کہ اضافہ کیا ہوا حاشیہ مؤلف کی عبارت یا حاشیہ میں نہ ملنے پائے۔ ہاں دو ایک مقام میں مؤلف کے حاشیہ کے اندر واقعی ضرورت کی وجہ سے مناسب ترمیم کر دی گئی ہے۔ مضامین کی فہرست بالکل مختصر تھی کوشش کی گئی ہے کہ تمام اہم مضامین کی فہرست قارئین کے سامنے پیش کر دی جائے کیونکہ مؤلف کے مقرر کیے ہوئے عنوانات میں سے تقریباً اکثر عنوانوں کے ماتحت متعدد ایسے امور آ گئے ہیں کہ اُن پر الگ الگ ذیلی عنوان مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبولیت بخشے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاہُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ. رَبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا.

عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

۱۰رمحرم الحرام ۱۳۶۶ھ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

امابعد! کسی کی سرگزشت یا سوانح عمری لکھنے کی غایت عام طور پر یہ خیال کی جاتی ہے کہ اس کے پڑھنے والوں میں اپنی زندگی کے نشیب وفراز کا احساس پیدا ہو اور آنے والی نسلیں اس کے مطالعہ سے عبرت پذیر ہو کر ان غلطیوں سے بچیں جن سے ان کو بچنا لازم ہے۔

لیکن اس عام غایت کے علاوہ ان مقتدر راہنماؤں کی سوانح عمریوں کو ایک خصوصیت خاص حاصل ہے جن کی سیرتیں اس لیے لکھی گئی ہیں کہ خلق اللہ کے دلوں میں ان کی پیروی کا خیال اور ان کی ریس پیدا ہو۔ آنے والی نسلیں انہیں پڑھ کر اپنا چال چلن، رفتار، کردار، عادات، خصائل، اعمال ان ہادیوں کے سے بنائیں جن کو خداوند عالم نے دنیا میں نیکی کا نمونہ بنا کر بھیجا تھا۔ جن کی تخلیق سے مقصود تھا، عالم میں توحید پھیلانا اور فطرتی دین کی تعلیم اور اشاعت کرنا۔ خالق اور مخلوق کے مابین جو رشتۂ غلامی ہے، اس پر متنبہ کرنا اور آخرت (جہاں انسان کو مرنے کے بعد دوسری زندگی ملتی ہے) یاد دلانا۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں امن و امان قائم رہے۔ بنی نوع انسان کی ترقی ہو، مخلوق چین سے خالق کی اطاعت بجالائے۔ دنیا میں اوج کمال تک پہنچے اور آخرت میں جو اس کا اصل ملجا و ماوی ہے، اچھے مدارج پائے۔ غرض دینی اور دنیاوی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ مستند، قابل اعتبار، نتیجہ خیز سوانح عمری لکھنے کی تعلیم اوّل اوّل قرآن نے دی۔ اسی قرآنی تعلیم کا اثر ہے جو آج کثرت سے قابل اعتبار اور مستند سوانح عمریاں نظر آتی ہیں۔ اہل مغرب جو آج اس فن میں مشرق کے تارے نظر آ رہے ہیں اسی قرآن کے زلہ ربا ہیں۔

کیا کوئی شخص ایسی سوانح عمری کسی کی دکھا سکتا ہے جو اس قرآنی تعلیم سے پہلے لکھی گئی ہو اور مستند مانی گئی ہو؟ یہی وجہ ہے کہ جس قدر سوانح عمریاں قبل نزول قرآن لکھی گئی ہیں، بالکل بے اعتبار اور ہزاروں اغلاط سے مملو ہیں۔

کیا عیسائی دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے حالات زندگی اس قدر مخبوط ہیں؟ کیا یہود دنیا میں موجود نہیں؟ کیا وہ موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے؟ باوجود اس کے حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کیوں

اس قدر بے ہودہ قصوں اور خوش گپیوں سے بھری ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ فن خاص قرآنی تعلیم کا ایک شعبہ ہے جو اُن کو نصیب نہ ہوا۔

دیکھو! ذوالقرنین، اصحاب کہف وغیرہ کی بابت کس قدر خوش گپیاں تھیں۔ قرآن نے سب کو اڑا کر سچی مگر بانتیجہ تصویر کھینچ دی۔

قرآن نے ہم کو صرف مستند اور سچی سوانح عمری لکھنا ہی نہیں سکھائی بلکہ اس کے ساتھ اس کی غایت بھی بتائی اور یہ بھی تعلیم دی کہ خدا کی غیر محدود مخلوق میں ہر شخص اس قابل نہیں کہ اس کی سوانح عمری یا سرگزشت لکھی جائے۔ اس کے لائق خدا کے چیدہ بندے ہوا کرتے ہیں۔ آدم، نوح، ابراہیم، اسحٰق، اسمٰعیل، یوسف، شعیب، لوط، صالح، ذوالکفل، زکریا، یحییٰ، صالح، ایوب، یونس، موسیٰ، ہارون عیسیٰ اور محمد علیھم الصلوٰۃ و السلام. یہ لوگ ایسے ہیں جن کے حالات زندگی قلم بند کیے جائیں۔

حضرت نوح، حضرت آدم، حضرت یونس علیھم الصلوٰۃ و السلام کے حالات پڑھو۔ جن میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حالات زندگی لکھنے میں صرف ایک پہلو اختیار کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ سچی نکتہ چینی کرنا بھی سوانح عمری لکھنے کا ایک جزو ہے۔

قرآن میں ایک جگہ کئی نبیوں کا ذکر فرما کر جناب رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [1] یہی ڈھنگ آپ کو بھی چاہیے۔ مختصر لفظوں میں غایت کی طرف اشارہ کر دیا۔

عام لفظوں میں کافہ اُمت کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [2] رسول اللہ کی سیرت میں تمہارے لیے اچھی اقتداء ہے۔

اس حکم عام نے مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی اور سیرت کا جمع کرنا، اس کا جاننا، اس کی پابندی کرنا لازم کر دیا۔ اسی عام حکم کی بنا پر محدثین نے (جن کا احسان قیامت تک اہل اسلام ایک لحہ کے لیے بھول نہیں سکتے) کمال جانفشانی اور انتہا درجہ کی سعی سے جو انسانی طاقت سے ممکن ہے، رسول اللہ ﷺ کی سوانح عمری اور حالات زندگی کو معتبر سندوں سے جمع کر دیا۔ اگر محدثین کی جان توڑ سعی نہ ہوتی تو آج ہم اپنے نبیؐ کے سچے اور صحیح حالات زندگی سے محروم رہتے۔ اور ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کی تعمیل سخت مشکل ہوتی۔ ایسی حالت میں یا تو اہل عراق کی طرح قیاسی تکے چلاتے یا فرقہ اہل قرآن [3] کی طرح قرآن کے طبع زاد معنی لگاتے یا یہود و نصاریٰ کی

---

[1] [انعام ۶: ۹۱] [2] [احزاب ۲۱: ۳۳]

[3] یہ ایک نیا فرقہ ہندوستان میں قائم ہو گیا ہے۔ جو جناب رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل، آپؐ کی تعلیم اور آپؐ کے اقوال کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتا۔ اپنی رائے سے جو معنی چاہتا ہے، قرآن کے لگا لیتا ہے۔ نمونہ کے لیے ہم اہل قرآن کے پرچہ ''اشاعۃ القرآن'' سے ایک مثال ←

طرح لاکھوں بے سروپا قصے رسول اللہ ﷺ کے عین اللہ یا ابن اللہ بنانے کے لیے تصنیف کرتے۔

محدثین کی جان توڑ سعی یہیں تک محدود نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ کے خلفاء اور جانشینوں کی بھی صحیح صحیح سوانح عمریاں بحکم: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ ◆۱ جمع کر دیں اور آگے ترقی کر کے آنحضرت ﷺ کے کل صحابیوں کی سوانح عمریاں مختصر طریقے پر لکھ ڈالیں۔

اس باب میں اصابہ، ◆۲ اسد الغابہ ◆۳ ....

← پیش کرتے ہیں۔ آیہ کریمہ: فلما اسلما و تله للجبين ٥ و ناديناه ان يا ابراهيم٥ قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزى المحسنين ٥ ان هذا لهو البلاء المبين٥و فديناه بذبح عظيم٥[صٰفّٰت:۳۷/۱۰۳تا۱۰۷] کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ ''پھر دونوں آپس میں متفق ہو گئے۔ قرآنی ارشاد پر تو پھر بھی ابراہیم علیہ السلام اپنی خطا پر آگاہ نہ ہوا۔ یعنی اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ ڈالے اس کو ماتھے کے بل۔ سو رد کر دیا ہم نے اس کے اس باطل خواب وخیال کو یعنی ہم نے اس کو یہ ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم! تحقیق کیوں سمجھتا ہے تو ایسے باطل خواب وخیال کو سو ہم نے اس کو نگاہ رکھا کیونکہ تحقیق ہم ہمیشہ اسی طرح محفوظ و مامون رکھتے ہیں جملہ رسل وانبیاء کو اور اس لیے اس کے خواب کو رد کر دیا کہ یہ باطل خواب وخیال ایک بہت بڑی بھاری غلطی و خطا ابراہیم تھی ظاہر و باہر طور پڑ اور اس کے بدلے ہم نے اس کو یہ سمجھا دیا کہ تو صرف وہی قربانی کیا کر جس کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہے اور وہ ہر طرح صحیح وسالم کامل عمر اچھی موٹی تازی بھی ہو۔'' ناظرین اس ترجمہ سے آپ اس فرقہ کی سفاہت کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

◆۱ لازم پکڑو میرا طریقہ اور میرے جانشینوں کا طریقہ جو سیدھی راہ پانے والے ہیں۔ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی ایک مشہور روایت کا ایک حصہ ہے، حدیث اس طرح ہے: " صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم اقبل علينا فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منه العيون ...... الخ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: " فانه من يعش منكم بعدى فسيرٰى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين تمسكوابهاوعضواعليها بالنواجذ " الحديث ۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری جانب رخ کر کے ہمیں بہت فصیح و بلیغ وعظ فرمایا جس سے ہماری آنکھیں چھلک پڑیں۔...... اسی حدیث میں آگے چل کر ارشاد فرمایا: میرے بعد تم میں سے جو بھی باقی رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا لہٰذا تم لوگ میری سنت کو لازم پکڑنا اور خلفاء راشدین کا طریقہ بھی (لازم پکڑنا) اسے اپنے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لینا.........'' الحدیث۔

اس حدیث کو روایت کیا ہے: ابوداؤد ۴/۲۰۱، كتاب السنة ، باب في لزوم السنة، ح :۴۶۰۷ اور الفاظ ابوداؤد کے ہی ہیں۔ ترمذی ۵/۴۴، كتاب العلم ، باب ماجاء بالاخذ بالسنة واجتناب البدع ، ح :۲۶۷۶، ابن ماجة ۱/۱۵ (المقدمة) باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين: ح:۴۲، ۴۳ وغیرہ. البانی نے کہا: صحیح ہے۔ السنة ۱......۱۷، ح:۲۷، صحيح ابن ماجة :۱/۱۳، ح:۴۰، ۴۲. تفصیل کے لیے رجوع کیجیے، کتاب إرواء الغليل:۶/۱۰۷: ح: ۲۴۵۵.

◆۲ الاصابہ، یہ حافظ ابن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی کتاب ہے، اور پانچ جلدوں میں پائی جاتی ہے۔

◆۳ اسد الغابۃ۔ علامہ عزالدین ابن الاثیر جزری، وفات ۶۳۰ھ، کی تالیف ہے انھوں نے اس کتاب میں سات ہزار پانچ سو صحابہ کرام کے تراجم ذکر کیے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں ابن مندہ، ابوموسیٰ، ابونعیم اور ابن عبدالبر کی کتب تو جمع کر ہی دی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتب سے استفادہ کر کے اسماء، ان کا ضبط اور مکرر اسماء کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جن کے مکرر ذکر میں اسم اور کنیت کے اختلاف کے سبب اچھے فوائد مل جاتے ہیں۔

استیعاب [1] بے بہا کتابیں ہیں اور آگے بڑھ کر تابعین کے حالات ضبط کیے، وھلُمَّ جرًّا۔ محدثین کی بدولت اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے لکھا ہے کہ علم رجال پر مسلمان جتنا فخر کریں، بجا ہے۔ نہ ایسی کوئی قوم گزری ہے اور نہ اب ہے جس نے مسلمانوں کی طرح بارہ سو برس تک کے علماء کے حالات زندگی لکھے ہوں۔ ہم کو پانچ لاکھ مشہور عالموں کا تذکرہ ان کی کتابوں سے مل سکتا ہے۔ [2]

محدثین کی جماعت میں امام بخاری کو جو خصوصیت حاصل ہے، اس سے کون واقف نہیں۔ امام بخاری وہ شخص ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ کے اصحاب و دیگر ناموران اسلام کے مستند اور صحیح سوانح عمریوں [3] کے جمع

---

[1] الاستیعاب: یہ کتاب حافظ ابو عمر ابن عبدالبر اندلسی قرطبی مالکی، وفات ۴۶۳ ھ کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور صحابہ کرامؓ کے موضوع پر متقدمین کی بہترین کتب میں سے ہے اور بے حد مفید کتاب ہے۔
"الاستیعاب" ایک مرتبہ "الاصابہ" کے حاشیہ پر بھی چھپ چکی ہے، پھر بعد ازاں علی محمد البجاوی کی تحقیق سے چار جلدوں میں الگ سے بھی شائع ہوئی۔
اسی طرح صحابہؓ کے موضوع پر بعد کے دور میں شائع ہونے والی کتب یہ ہیں:
"الآحاد و المثانی" یہ کتاب امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ضحاک (۲۰۶۔۲۸۷ھ) جو ابن ابی عاصم نبیل کے نام سے مشہور ہیں کی ہے۔ اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کے ۱۲۵۰ تراجم ذکر کئے گئے ہیں اور یہ کتاب ڈاکٹر باسم فیصل جوابرہ کی تحقیق سے چھ جلدوں میں دار الرایۃ الریاض نے ۱۴۱۱ھ میں شائع کی۔
"معجم الصحابۃ" امام ابوالحسین عبدالباقی بن قانع (۲۶۵۔۳۵۱ھ) نے ۱۲۲۶ تراجم جمع کر کے اس کتاب کو مکمل کیا ہے، بعد میں صلاح بن سالم المصراتی نے اس کی تحقیق کی اور اسے مدینہ منورہ سے مکتبۃ الغرباء الاثریۃ نے ۱۴۱۸ھ میں شائع کیا۔
"معرفۃ الصحابۃ" صحابہ کرامؓ کے موضوع پر ایک قسم کی ایک بہترین کتاب کا حصہ ہے۔ اسے ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ) نے تین مجلدات میں مرتب کیا اور یہ ڈاکٹر محمد راضی بن حاجی عثمان کی تحقیق سے مکتبۃ الدار مدینہ منورہ نے ۱۴۰۸ھ میں طبع کی، بعد میں مکمل کتاب الریاض سے مکتبہ دار الوطن نے سات جلدوں میں ۱۴۱۹ھ میں شائع کی ہے۔ البتہ ابن مندہ کی کتاب "معرفۃ الصحابۃ" جو کہ ابن اثیر کے مصادر میں سے ہے وہ ابھی شائع نہیں ہو سکی۔

[2] یہ عبارت ڈاکٹر اسپرنگر کا لکھا ہوا مقدمہ ہے جو انھوں نے ابن حجر کی کتاب "الاصابہ" کے شروع میں لکھا ہے، ویسے میرے علم میں یہ نہیں ہے اور یہاں بیان کردہ حقائق مؤلف نے جو کچھ اردو زبان میں ذکر کیا ہے اسی کا ترجمہ ہے۔ یہ صاحب ڈاکٹر الویس اسپرنگر (ALOYS SPRENGER) بن کرسٹوفر اسپرنگر ڈاکٹر ہیں اور مستشرق بھی۔ برطانوی شہریت حاصل کی اور ہندوستان میں ایک زمانہ تک سکونت اختیار کئے رکھی۔ کلکتہ میں رہائش کے دوران بہت سی عربی کتب شائع کیں جن میں سے "الاصابہ" اور دیگر کتب شامل ہیں۔ انہیں پچیس زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ۱۳۱۰ھ میں جرمنی میں انتقال ہوا۔ (الاعلام ۸/۲)

[3] شرح ملفوظات امام بخاری پر گفتگو کرتے ہوئے عنقریب ہم ذکر کریں گے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا نقطہ نظر تھا کہ آدمی اس وقت تک محدث نہیں بن سکتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی سیرت، ان کی تعداد اور علماء امت کے تراجم، ان کی ولادت، وفات، ذریعہ معاش اور ان کی رہائش کے متعلق معلومات نہ رکھتا ہو۔
یہیں سے سیرت الرسول اور محدثین کے تراجم کی اہمیت کا اندازہ خوب ہو جاتا ہے۔ (مؤلف)

کرنے کا التزام بڑے اہتمام کے ساتھ کیا۔ اس مہتم بالشان کام کے لیے اپنی زندگی، دولت، آسائش اور عافیت سب کچھ قربان کر دیا۔ اس میں جس قدر ان کو کامیابی ہوئی، اس سے بچہ بچہ واقف ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ''امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث'' [1] کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اور ان کی پرکھی ہوئی حدیثوں اور جانچے ہوئے راویوں پر کمال وثوق کیا گیا اور ان کی مشہور کتاب ''جامع صحیح'' کو **اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ** کا خطاب دیا گیا۔ [2]

جفاکشی، محنت، علوِ ہمتی، استغنا، حزم و احتیاط، صدق و دیانت وتقویٰ، عدل و انصاف، خدمت خلق، اشاعت علوم کی مجسم تصویر بن کر عالم کو نمونہ دکھا دیا۔ سب سے بڑی بات یہ کی کہ اتباع سیرت رسول میں اپنے کو فنا کر کے اہل اسلام کو اتباع سیرت رسول کا وہ سماں پیش کر دیا جو کہ خلفائے راشدین اور صحابہ میں پایا جاتا تھا۔ ان سب کے علاوہ ان کی ذات سے فقہ الحدیث کی جس طرح تکمیل اور اشاعت ہوئی، حیف تھا اگر ایسے شخص کی سوانح عمری نہ لکھی جاتی۔ شکر ہے کہ اہل قلم نے متعدد زبانوں میں اور مطولاً ومختصراً ایک سو کئی کتابوں میں ان کی سوانح عمری لکھی۔ عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرنچ زبانوں کا اب تک مجھے پتہ چل سکا۔

ظلم تھا اور نہایت ظلم تھا اگر ہماری اردو زبان اس دولت سے محروم رہتی۔ اس لیے کہ باستثنائے چند ساڑھے چھ کروڑ اردو بولنے والے مسلمان امام بخاریؒ پر عقیدت رکھتے ہیں۔ [3] اس کے سوا آج کل یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض کوتاہ بینوں کو جن کے دل و دماغ آبائی تقلید سے خراب ہو چکے ہیں، امام صاحب کی تنقیص میں خاص مزا آتا ہے۔ بعض غلط باتیں جن کی وہ کوئی سند بیان نہیں کر سکتے، امام صاحب کی طرف نسبت کرتے ہیں اور ان کو خوب چمکاتے ہیں۔ حالانکہ آفتاب پر خاک ڈالنے کا جو نتیجہ ہے، ظاہر ہے۔

میں افسوس سے کہتا ہوں کہ اس اہم کام کے لیے جس قدر مواد کی ضرورت تھی، فراہم نہ ہو سکا۔ تاہم جس قدر مہیا ہو گیا، بہت غنیمت ہے۔ اور علامہ ابو الطیب [4] کی علم دوست طبیعت کی برکت و خان بہادر خدا بخش مرحوم کے کتب خانہ کا فیض ان دونوں کا شکریہ کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

وہ کتب قلمیہ جن سے زیادہ تر مدد لی گئی ہے، ان میں **انساب سمعانی، طبقات الحنابلہ، تمہید، العقد المذھب، الفوائد الدراری، تقیید المھمل، الإلمام ابن دقیق العید، ثقات ابن حبان** خاص قابل ذکر ہیں۔

---

[1] الفوائد الدراری فی ترجمۃ محمد بن اسماعیل بخاری۔

[2] صرف اسی قدر نہیں بلکہ اس کی قدر و منزلت نہ سمجھنے والوں کو متبع غیر سبیل المومنین قرار دیا گیا۔ حجۃ اللّٰہ البالغۃ

[3] یہ تعداد اردو دان طبقے کی اس وقت تھی جب یہ کتاب لکھی گئی تھی جبکہ اب تو اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا ہے۔ جو پچاس کروڑ سے زائد ہے۔

[4] علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی کا کتب خانہ بھی قابل دید ہے۔ اس کتب خانہ میں علامہ موصوف نے ہر فن کی کار آمد کتابیں فراہم کی ہیں اور شب و روز اسی دھن میں ہیں۔ معقول، ادب، لغت، تاریخ کے علاوہ تمام فنون اسلامیہ ان میں بھی فن حدیث کے اس قدر مواد ←

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ❶ میں امام المحدثین کی سیرت میں اپنی ایک مستقل تالیف کا پتہ دیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن الملقن ❷ نے العقد المذھب ❸ میں اور علامہ محمد بن اسماعیل امیر الیمانی نے سبل السلام ❹ میں

فراہم ہیں کہ اکثر نامی کتب خانے ان سے خالی ہیں۔ اکثر نسخ قلمیہ ایسے ایسے نادر موجود ہیں جن سے یورپ کے بڑے بڑے کتب خانے خالی ہیں۔ ساتھ اس کے آپ مستفیدین اور اہل علم کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور عاریت دینے میں بہت کشادہ دلی سے کام لیتے ہیں۔ افسوس اس کتب خانہ سے علامہ مرحوم کے اخلاف میں سے نہ کوئی افادہ اٹھانے والا ہے نہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا۔ انا للہ۔ (عبید اللہ رحمانی)

(۱) پھر ان کے صاحبزادے الشیخ محمد ادریس نے پٹنہ میں خدا بخش لائبریری کو اپنے والد کی لائبریری کا ایک حصہ بطور تحفہ پیش کر دیا جو کہ مذکورہ لائبریری میں ابھی تک محفوظ ہے۔ البتہ باقی ماندہ کتب میں سے کئی ایک ۱۹۴۶ء کے ہندو مسلم فسادات کی نذر ہو گئیں۔ ایسے وقت میں کچھ مسلمان حضرت علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ کے گھر پناہ لینے لگے تو بلوائیوں نے گھر کو آگ لگا دی جس سے کتب کی ایک بڑی تعداد آگ کی نذر ہو گئی اور بقیہ اہم حصہ مشرقی پاکستان میں فضیلۃ الشیخ کے بھتیجے محمد ادریس اور ان کے داماد محمد ابو القاسم کے ذریعے منتقل ہو چکا تھا اور بعد ازاں پھر یہ کتب وہیں رہیں حتی کہ پاکستان کو اس کے مشرقی حصہ سے الگ کر دیا گیا جسے ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش بنا دیا گیا اور پھر اس کے بعد سے لے کر اب تک نامعلوم ان کتب کا کیا بنا۔ اہم ترین بزرگوں کی نشانیاں اسی طرح تب ضائع ہو جاتی ہیں جب ان کے پیچھے کوئی خلف الرشید نہ رہ گیا ہو جو ان کی شایان شان قدر کر سکے۔ ہمارے بھائی اور دوست محمد عزیر شمس کی اردو زبان میں لکھی کتاب میں الشیخ محدث عظیم آبادی کے حالات ص ۴۳۔۴۷ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

❶ امام ذہبی رحمہ اللہ تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں: میں نے اس امام رحمہ اللہ کے مناقب ایک ضخیم کتاب میں عجب انداز سے نقل کر دیئے ہیں ۲/۵۵۶ اور انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمہ کا تاریخ اسلام کے آخر میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے مناقب تو بے شمار ہیں جنھیں میں نے مستقل ایک تصنیف میں ڈھال دیا ہے اور اس میں بہت مفصل حالات مل جائیں گے (حوادث و وفیات ۲۵۱۔۲۶۰ھ، ص ۲۷۴)

سیر اعلام النبلاء میں ان کا ترجمہ بہت تفصیل سے درج کیا گیا ہے جو اسی صفحات پر مشتمل ہے (۱۲/۳۹۱۔۴۷۱) اور ڈاکٹر بشار عواد نے اپنی کتاب "امام ذہبی اور ان کا منہج ان کی اپنی کتاب "تاریخ اسلام" کے تناظر میں" ص نمبر ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ امام ذہبی کی کتاب "مناقب البخاری" کا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ میں مجموعہ نمبر ۹۶۵ کے ضمن میں موجود ہے۔

❷ حافظ ابن الملقن، سراج الدین ابو حفص عمر بن علی بن احمد الاندلسی المصری (۷۲۳۔۸۰۴ھ) ان کی تالیفات میں "التذکرۃ فی علوم الحدیث" اور "البدر المنیر فی تخریج احادیث الشرح الکبیر" وغیرہ شامل ہیں۔ (انباء الغمر ۵/۴۱ وفیات ۸۰۴ھ، الضوء اللامع ۶/۱۰۰)

❸ "العقد المذھب فی طبقات حملۃ المذھب" اس میں علماء شافعیہ کے تراجم ہیں اور اس کتاب کے مخطوطات برلن، استنبول، قاہرہ اور پٹنہ وغیرہ کی لائبریریوں میں موجود ہیں جیسا کہ "تذکرۃ الاولیاء" کے محقق نے ص: ۶۱ میں انکشاف کیا ہے، بعد ازاں بیروت میں ۱۴۱۷ھ میں طبع ہو گئی۔

❹ سبل السلام ۱/۲۸ مطبوعۃ دار الکتاب العربی، بیروت: اور ان کے الفاظ ہیں: "میں نے اس کے ترجمہ پر مستقل ایک کتاب تالیف کی ہے۔"

امام المحدثین کی سیرت میں اپنی اپنی مستقل اور جامع تالیفات کا پتہ دیا ہے لیکن میں ایسی قسمت کہاں سے لاتا کہ یہ جواہرات میرے ہاتھ لگتے۔ ان محققین (حافظ ذہبی، حافظ ابن الملقن، علامہ محمد بن امیر اسماعیل) کی شان ہی بتاتی ہے کہ امام بخاری کی سیرت میں یہ تالیفات کیسی جامع اور بے مثل ہوں گی اور کن تحقیقات اور تدقیقات و بسط سے لکھی گئی ہوں گی۔

● ہاں ایک بے بہا تالیف الفوائد الدراری مؤلفہ علامہ اسمٰعیل عجلونی، [1] خان بہادر خدا بخش صاحب مرحوم کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی جو امام بخاری کے حالات میں ایک مستقل اور جامع تالیف ہے اور درحقیقت مستقل تالیف ایک ہی ہاتھ لگی۔ وہ بھی کتاب مرتب ہونے کے بعد۔ تاہم اس مبارک تالیف سے بہت کچھ مدد لی گئی۔

طبقات الحنابلہ مؤلفہ قاضی ابوالحسین محمد بن محمد [2] جو ۵۳۴ ہجری میں تالیف کی گئی ہے، اس کا بھی ایک عتیق نسخہ پٹنہ کے کتب خانہ میں موجود تھا جو ۶۳۰ھ میں علامہ ابن الدائم کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بھی امام صاحب کے حالات بہت بسط سے درج ہیں۔ الالمام [3] کا ایک عتیق نسخہ علامہ ابوالطیب کے کتب خانہ میں ملا۔ اس میں بھی امام صاحب کے حالات ملتے ہیں۔ تقیید المهمل مؤلفہ علامہ ابوعلی غسانی [4] کا عتیق نسخہ بھی علامہ ابوالطیب کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس میں امام صاحب کے حالات بہت بسط سے درج ہیں۔

---

[1] اسماعیل بن محمد بن عبدالهادی الجراحی، یہ نسبت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور العجلونی کی وجہ جائے ولادت ہے۔ ۱۰۸۷ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں جوان ہوئے اور وہیں ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی۔ ان کی مشہور تالیفات میں سے "کشف الخفا و مزیل الالباس عمااشتهر من الاحادیث علی السنة الناس" ہے۔ معجم المؤلفین ۲/۲۹۲
ان کی کتاب "الفوائد الدراری" کا ایک اور نسخہ برسلاو یونیورسٹی میں موجود ہے۔ اس کا ذکر بروکلمان (۳/۱۶۴) اور سزگین (۱/۱۷۴) میں کیا گیا ہے۔
ان کی ایک اور کتاب "اضاءة البدرین فی ترجمة شیخین" بھی ہے (الامام المسلم و منهجه فی الصحیح ۱/۱۱).

[2] محمد بن محمد، ابن ابویعلیٰ کے نام سے مشہور ہیں، مکتبہ فکر حنبلی ہے (۴۵۱-۵۲۶ھ) سیر اعلام النبلاء ۱۹/۶۰۱، معجم المؤلفین ۱۱/۲۱۱.
ان کی کتاب "طبقات الحنابلة" مطبوع ہے اور عام مل جاتی ہے۔ اس کتاب میں امام بخاری کا ترجمہ موجود ہے ۱/۲۷۱-۲۷۹۔

[3] "الالمام باحادیث الاحکام" اس کے مصنف ابن دقیق العید ہیں جو کہ ابوالفتح محمد بن علی بن وهب المصری القشیری (۶۲۵-۷۰۲ھ) کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔
یہ کتاب ۱۳۸۳ھ میں استاذ محمد سعید مولوی کی تحقیق سے چھپ چکی ہے۔ بعد ازاں حسین اسماعیل الجمل کی تحقیق سے نشر دار المعراج الدولیة، الریاض کی طرف سے ۱۴۱۴ھ میں بھی چھپی ہے۔ یہ پانچ مخطوطات سے تحقیق کی گئی ہے اور میرے پاس یہی دوسری طبع کا نسخہ ہی موجود ہے لیکن واللہ اعلم اس میں امام بخاری کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔

[4] علامہ ابوعلی الغسانی، ابوعلی الحسین بن محمد بن احمد الغسانی الجیانی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ اندلس میں واقع جیان نامی شہر کی طرف ان کی نسبت ہے۔ ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۲۳۳۔ اب ان کی کتاب "تقیید المهمل" تین مجلدات میں علی بن محمد العمران اور محمد عزیر شمس کی تحقیق سے مکہ مکرمہ کے دار عالم الفوائد کی جانب سے ۱۴۲۱ھ میں چھپ چکی ہے۔

کتب مطبوعہ میں مقدمہ فتح الباری ایک جامع تالیف اور ہر حیثیت سے بے مثل ہے۔ حافظ ابن حجر کا تبحر، ان کی وسعت نظر، کثرت تالیفات، تالیفات کی مقبولیت اس تالیف کے علوشان کی شاہد ہے۔ اس کا خاتمہ امام بخاری کی سوانح کے لیے وقف کیا گیا ہے اور تھذیب التھذیب کہ اس پر جس قدر فخر کیا جائے، بجا ہے۔ حیدر آباد سے ۱۲ حصوں میں طبع ہو کر شائع ہو گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مطبع دائرۃ المعارف کا یہ احسان تمام دنیا کے مسلمانوں پر ہے۔

ان کے علاوہ تھذیب الاسماء واللغات للنووی، الطبقات الکبریٰ للسبکی، وفیات الاعیان، میزان الاعتدال، ابن خلدون مع مقدمہ، تذکرۃ الحفاظ، معجم البلدان لیاقوت حموی، فتح المغیث، کشف الظنون، حجتہ اللہ البالغہ، تاریخ کامل، تاریخ صغیر امام بخاری، رجال مشکوٰۃ، کتاب الام للشافعی، فتح الباری، عینی شرح بخاری، تراجم بخاری شاہ ولی اللہ سے زیادہ کام لیا گیا۔ ان کے علاوہ اور جن کتابوں سے مدد لی گئی، ان کا ذکر ان مقامات پر کر دیا گیا ہے۔

میں شکر کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا، محدثین اور مؤرخین محققین کی تالیفات سے لیا گیا جو تنقید الرجال اور تحقیق الروایات کے بانی تھے اور صحیح و غلط میں امتیاز کے اصول قائم کرنے والے، بیان بالکل سادہ اور انشا پردازی کی رنگ آمیزیوں سے مبرا ہے۔ امام بخاری نے جیسی سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کی، اس لحاظ سے امام بخاری کی سوانح عمری کو انشا پردازی کی رنگ آمیزیوں سے بالکل مبرا ہونا لازم تھا۔

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

(خواجہ حیدر علی آتش)

بات کا بتنگڑ بنانا، رائی کو پہاڑ بنا کر دکھانا ایک انشا پرداز کے لیے البتہ کمال ہے لیکن اس مؤرخ کے لیے جو موضوع بحث کا اصلی خد و خال دکھانا فرض جانتا ہے، کسی طرح کمال نہیں کہا جا سکتا۔

ہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس کتاب میں کچھ ایسے مضامین بھی ملیں گے جن سے عام لوگوں کو چنداں دلچسپی نہ ہو گی کیونکہ وہ تاریخی حیثیت سے الگ محدثانہ یا فقیہانہ رنگ کے ہوں گے۔ میں اس میں مجبور تھا۔ جب امام بخاری کی سوانح عمری لکھنے میں ان کی تالیفات، جودت، اجتہاد پر نظر ڈالنی ضرور تھی تو میں ان باتوں کو کیوں کر نظر انداز کر سکتا تھا۔

میں مکرر اپنی بے بضاعتی اور عاجزی کا اعتراف کرتا ہوں۔ یہ کام نہایت مہتم بالشان تھا اور میں کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا لیکن۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ایسے شخص کی سوانح عمری یا حالات زندگی قلم بند کرنے جس کے اجتہاد اور تجرِ علمی کا عالم میں غلغلہ ہو، جس کی

صداقت، دیانت، جس کی اعجاز نما قوت حافظہ، جس کی دقتِ نظری اور نکتہ سنجی کا تمام جہان میں چرچا ہو، جس کی تصنیف نے اسلام میں اصح الکتب کا رتبہ حاصل کیا ہو، جس کی تالیف پر عمل کرنے والے باستثنائے چند بائیس کروڑ نفوس ہوں، [1] کس قدر مشکل اور اہم ہے۔ اس کے لیے جیسے دل و دماغ، وسعت نظر، کثرت اطلاع اور اصابتِ رائے کی ضرورت ہے، ظاہر ہے۔ من آنم کہ من دانم، ایاز قدر خود بشناس۔

میں اس تالیف میں جناب مولوی محمد یعقوب صاحب صادق پوری رئیس عظیم آباد کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ آپ کے دائرہ دولت پر مجھے ایسا اطمینان حاصل ہوا جیسا کہ چاہیے۔ آپ نے اپنا کار آمد کتب خانہ میرے حوالہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے صاحب زادوں کو ہر طرح با اقبال اور دینی اور دنیاوی نعمتوں سے مالا مال رکھے اور میرے والد مرحوم [2] کی جن کو اس ناچیز تالیف کے مکمل ہو کر شائع ہونے کا بے حد شوق تھا جس کی حسرت وہ دنیا سے لے کر گئے، مغفرت فرمائے اور اس ناچیز تالیف کو قبولیت کی صف میں جگہ دے۔

خاکسار
عبدالسلام مبارک پوری عفی عنہ

---

[1] یہ آج سے تقریباً ایک صدی قبل کی بات ہے جبکہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد الحمدللہ ایک ارب سے بھی متجاوز ہے۔

[2] خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین محمد یون۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے' اللہ سے ڈرنے والے اور ماثورہ دعاؤں کے حافظ تھے۔ سنت کی اتباع کرتے تھے اور اس سے شغف رکھتے تھے۔ دین اسلام سے متعلق کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ حلال وحرام سے واقف' سخی' خلق خدا کی خدمت کرنے والے' صابر وشاکر اور مخلوق کی خدمت کرنے والے تھے۔ طویل مدت تک علیل رہنے کے بعد بروز ہفتہ ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ کو غروب آفتاب کے بعد جب مؤذن اللہ اکبر کی صدا بلند کر رہا تھا تو یہ "لا الٰہ الا اللہ" کا ورد کرتے ہوئے اپنی جان اللہ کے حضور پیش کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ ۱۲۵۷ھ میں پیدائش ہوئی جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے۔
وہ خود لکھتے ہیں کہ میرے نانا کا نام بھی امان اللہ تھا اور وہ ایک ممتاز آدمی تھے' ایک طبیب کی حیثیت سے مقبول تھے' ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ شاہ اسحاق ھروی سے شرف تلمذ تھا اور وہ شاہ عبدالعزیز اور محمد ناصح کے شاگردوں میں سے تھے (یہ فاخر زائر الہ آبادی کے شاگردوں میں سے تھے جیسا کہ نور العینین میں مکتوب ہے) اور یہ عامل بالحدیث تھے جیسا کہ مولانا عبداللہ الہ آبادی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔

باب : ۱

امام بخاری کا نام ونسب وولادت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَ بِهٖ نَسْتَعِيْنُ وَ نُصَلِّيْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

محمد نام ابوعبداللہ کنیت، امام المحدثین اور امیر المومنین فی الحدیث لقب۔ شجرۂ نسب یہ ہے۔ محمد بن اسماعیل بن المغیرہ بن بردزبہ بن بذذبہ۔ اخیر کے دو ناموں سے یہ امر (جیسا کہ عموماً مسلم ہے) ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ عجمی النسل تھے۔ بردزبہ کے معنی محدثین نے کسان بتائے ہیں۔ بردزبہ کے والد کا نام صرف علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں بذذبہ [1] لکھا ہے۔ ان کے سوا دوسرے تذکرہ نویس امام بخاری کے نسب نامہ کو بردزبہ تک پہنچا کر ختم کر دیتے

[1] ان کے الفاظ یہ ہیں۔ بردزبہ بن بَذْذُبَهْ بباء موحدة مفتوحه ثم ذال معجمة مكسورة و قيل بدل بردزبہ الاحنف و قيل غير ذلک۔ (مؤلف) طبقات کبریٰ للسبکی ۲/ ۲۱۲۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے دادا کے دادا ''بردزبہ'' کے نام کے تلفظ میں بھی کئی اقوال ہیں:

① ''بَرْدِزْبَهْ'' یہ ابن ماکولا کا قول ہے یعنی پہلے راء پھر دال پھر زای اور پھر ایک نقطے والی باء ہے (الاکمال ۱/ ۲۵۹) امام نووی نے کہا: بردزبہ'' شروع میں باء جس کے نیچے ایک نقطہ ہوتا ہے اور باء پر زبر پڑھی جائے گی پھر راء ساکن ہوگی اور اس کے بعد دال ہے جس پر کوئی نقطہ نہیں ہوتا اور اسے زیر کے ساتھ پڑھا جائے گا، اس کے بعد ایک نقطے والی باء اور آخر میں حاء ہوگی۔ ابن ماکولا نے اس کا تلفظ یوں ہی بیان کیا ہے۔ (ماتمس اليه حاجة القاری ص ۲۳، تهذيب الاسماء و اللغات ۱/۱/ ۶۷۔ ابن حجر نے بھی فتح الباری کے مقدمہ اور تغلیق التعلیق میں ابن ماکولا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایسی صورت ہی ذکر کی ہے اور فتح الباری کے مقدمہ میں کہا ہے (ص ۴۷۷): اس کا تلفظ ایسے ہی مشہور ہے اور ابن ماکولا نے بھی ایسے ہی ذکر کیا ہے جبکہ اس کے علاوہ بھی تلفظ ذکر کئے جا چکے ہیں اور التعديل و التجريح ۱/ ۳۰۷ میں ابوالولید الباجی نے اس قول کو ذکر کیا ہے اور ابن الهادی نے طبقات علماء الحدیث ۲/ ۲۴۴ اور امام ذہبیؒ نے المشتبہ ص: ۶۳ میں بھی یہی بات کی ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۳۹۱، اسی طرح ابن حجر نے تغلیق التعلیق ۵/ ۳۸۴ وغیرہ میں بھی اسی پر اتفاق ذکر کیا ہے۔

② ''بَذْذِزْبَهْ'' یہ کلمہ ہے تو پہلے کلمہ کے وزن پر لیکن راء کی جگہ نقطہ دار ذال کے ساتھ ہے۔ علامہ ابن حجر نے اسے بصیغۂ تمریض اپنی کتاب تغلیق میں ذکر کیا ہے۔ ''وقيل فيه ......الخ'' علامہ مزی نے بھی تهذیب الکمال ۲۴/ ۴۳۱ میں اسے پیش کیا ہے۔ اس طرح ابن ←

ہیں۔ بردزبہ اور ان کے والد بذذبہ کے حالات سے تاریخی صفحات بالکل ساکت ہیں۔ صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ فارسی النسل ◆ تھے اور اپنا قومی مذہب رکھتے تھے۔

➜ ناصر الدین نے تحفۃ الاخباری ص ۱۷۷ میں بھی اسے بیان کرتے ہوئے صیغۂ تمریض سے ہی ذکر کیا اور یوں لکھا ہے " و قیل بذدزبہ" "التوضیح" میں ابن ناصر الدین لکھتے ہیں کہ میں نے یہ لفظ بعض ذمہ دار حضرات سے "بَذْدِزْبَہْ" یعنی راء کی جگہ نقطہ دار ذال کے ساتھ ہی اخذ کیا ہے۔ (۱/۴۴۱)

③ "یزذبہ" ابن ناصر الدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ دو مقامات پر میں نے یہ لفظ "یزذبہ" بھی لکھا ہوا دیکھا ہے۔ یہ ابوجعفر احمد بن محمد العبدری کی تحریر ہے جو انھوں نے ابومروان عبدالملک بن عبداللہ بن مدرک العبدری کے سامنے پڑھا جبکہ ماہ ربیع الثانی اور سن ۴۸۶ھ تھا۔ تحفۃ الاخباری ص ۱۷۸

"التوضیح" میں ہے کہ بعض نے اسے "یزذبہ" بھی لکھا ہے یعنی دونقطوں والی یاء پر زبر اور زاء ساکن، پھر ذال نقطہ دار پر زیر پھر نقطہ دار باء پر زبر اور آخر میں ھاء، لیکن یہ قول تعجب سے خالی نہیں جبکہ مشہور پہلے دو اقوال ہی ہیں (۱/۴۴۱)

ابن خلکان نے یہی قول وفیات الاعیان ۴/۹۰ میں پیش کیا ہے پھر ابن ماکولا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: "یزدزبہ" یعنی شروع میں دو نقطے دار یاء ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ تصحیف ہے کیونکہ ابن ماکولا سے ہی یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ شروع میں یاء کی بجائے باء ہے اور امام نووی اور ابن حجر وغیرہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

④ "یزدِزبہ" چوتھا قول بھی ابن ناصر الدین نے تمریض کے صیغہ سے ذکر کیا ہے اور تلفظ اس طرح بتایا ہے کہ شروع میں دو نقطہ دار یاء پھر زاء ساکن اور بقیہ ویسے ہی جیسے مذکور ہو چکا "التوضیح" ۱/۴۴۱ حیثیت اسی کی بھی جیسا کہ ابن خلکان نے ابن ماکولا سے روایت کیا ویسی ہی ہے۔

⑤ "بَزْدِبَہْ" ابن عدی کی "اسامی من روی عنھم البخاری" میں اسی طرح مذکور ہے۔ اس کتاب کی تحقیق کرنے والے نے بتایا ہے کہ اس کا تلفظ اسی طرح ہے۔ ایک نقطہ دار باء کی زبر پھر زاء ساکن اور دال کسرہ کے ساتھ ہے (ص ۵۸)

⑥ ان تمام اقوال بالا سے علامہ سبکی بیان کرتے ہیں کہ اس نام "بردزبہ" کی بجائے "الاحنف" بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر مؤلف رحمہ اللہ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ طبقات ۲/۲۱۳ اور تھذیب الکمال للمزی ۲۴/۴۳۱۔

ابونصر الکلاباذی (ت ۳۹۸ھ) کے ہاں اسی طرح لکھا ہے۔ رجال بخاری پر ان کی کتاب کے مقدمہ میں بخاری کی نسبت لکھا ہے "عدۃ من اخرج ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ بن احنف الجعفی مولا ھم البخاری الحافظ ......الخ "۱/۲۳ صغانی کی "اسامی شیوخ البخاری" میں بھی اسی طرح لکھا ہے (ص ۱)

امام بخاری کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے عموی ترجمہ نگاروں نے اُن کے جدامجد بردزبہ تک ہی ان کا نسب لکھا ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر کی تعلیق میں "بردزبہ بن الاحنف......" لکھا ہے ۵/۳۸۴، علامہ سبکی نے ایک منفرد بات کہی ہے کہ بردزبہ بن بذذبہ (ایک نقطہ دار باء کی زبر کے ساتھ پھر ذال نقطہ دار کی زیر پھر دوسری ذال نقطہ دار ساکن پھر باء زیر والی پھر ھاء' اور لکھا ہے کہ یہی بات ہم محترم شیخ والد صاحب رحمہ اللہ سے سنا کرتے تھے۔ طبقات الشافعیۃ الکبری ۲/۲۱۳)

◆ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "کان بردزبہ فارسیاً علی دین قومہ" (مقدمۃ الفتح ۴۷۷) یعنی امام بخاری کے دادا فارسی تھے اور اپنا قومی مذہب رکھتے تھے۔ اس بنا پر اکابر محدثین کے اس دعویٰ کو کہ دربار رسالت کا یہ ارشاد: "لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل ➜

مغیرہ امام بخاری کے پردادا نے یمان جعفی ◆ حاکم بخارا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور بخارا میں آ کر بود و باش اختیار کی۔ اس وقت کا اسلامی دستور تھا کہ جو آدمی جس کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوتا، اسی کے قبیلہ کی طرف منسوب ہو جاتا۔ جس کو اسلام میں نسبت ولاء کہتے ہیں۔ مغیرہ اس عام قانون سے کیوں کر مستثنیٰ ہو سکتے تھے۔ اس لیے وہ خود بھی اور ان کی آنے والی نسلیں حتیٰ کہ امام بخاری بھی جعفی کہلائے۔

← من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناوله". یعنی اگر ثریا جتنی دور اور بلندی پر بھی دین اسلام ہوگا تو بھی ایک آدمی فارس کا یا فارسی النسل جا کر حاصل کر لے گا۔

یہ پیشین گوئی امام بخاری پر ایسی ہی کھلی اور واشگاف صادق آتی ہے جس طرح آفتاب نکلنے پر کسی کو دن ہونے میں شبہ نہیں رہتا۔ کیا تاریخ حقارت اور بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھ سکتی ہے۔ امام بخاری نے جو اسلامی خدمات انجام دیں، وہ تاریخی صفحات پر ایسے جلی قلم سے کندہ ہیں جس کو زمانہ کی گردشیں نہ مٹا سکیں، نہ مٹا سکیں گی۔ نہ تاریخ کے اوراق دھوئے جا سکتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں کی وہ جماعت جو یورپ کی سنہری زلفوں کی اسیر ہو چکی ہے اور دہریت کی کرنجی آنکھوں نے اُسے اپنا شیدا بنا لیا ہے، اس صحیح اور مستند پیشین گوئی کو لغو نہ کہتی ہو گی کیونکہ وہ تو سرے سے رسولوں کی باتوں کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام بخاری کی ان بے مثل خدمات کو دیکھ کر جس کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے، اور عجمی النسلوں میں بجز امام بخاری کے دوسروں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ بعض کوتاہ بین مسلمان اس پیشین گوئی کو امام بخاری پر صادق آنے سے انکار نہ کرتے ہوں گے کیونکہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ آفتاب نکلنے پر بھی خدا کی بعض مخلوق کو بھائی نہیں دیتا تو اگر امام بخاری کی بے مثل خدمات سے ان کی آنکھیں بے بصیرت ہوں یا حدت روشنی سے وہ آنکھیں نہ کھول سکیں تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ (مؤلف) حدیث: لو کان الدین عند الثریا لذهب به رجل من فارس" یا فرمایا "من ابناء فارس حتی یتناوله" یعنی اگر دین ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا یا فرمایا کہ اہل فارس کا ایک آدمی اُسے حاصل کر لیتا۔

یہ حدیث صحیح مسلم ۱۹۷۲/۴، فضائل الصحابة: باب فضل فارس حدیث: ۲۳۰ (۲۵۴۶) میں انہی لفظوں سے موجود ہے اور اسے مسند احمد میں بھی ذکر کیا گیا ہے ۳۰۹/۲۔

اسی طرح صحیح بخاری ۶۴۲/۸، التفسیر، سورة الجمعة: باب و آخرین منهم لما یلحقوا بهم حدیث: ۴۸۹۷، ۴۸۹۸ اور اس میں ہے کہ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر رکھا اور فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو اس قوم کے لوگ اسے حاصل کر لیتے۔ یہ حدیث بھی صحیح مسلم میں مذکورہ حوالہ پر موجود ہے، حدیث (۲۳۱)

ابونعیم نے اس حدیث کے طرق اور الفاظ کا تذکرہ اپنی کتاب "ذکر اخبار اصبهان" کے مقدمہ میں کیا ہے ۲/۱۔۶۔

ابن حجر کہتے ہیں: ابونعیم تاریخ اصبہان کے اوائل میں اس حدیث کی اسناد کی تخریج میں خوب طوالت سے کام لے گئے ہیں، فتح الباری ۶۴۳/۸۔

انھوں نے قرطبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمایا ہوا بالکل سچ ثابت ہوا کیونکہ اس قوم کا ایک شخص حدیث کی حفاظت اور اس کے اہتمام کے سلسلہ میں اس قدر شہرت حاصل کر گیا کہ ان میں کوئی دوسرا اس مقام تک نہ پہنچ سکا۔ (حوالہ سابقہ ۶۴۳/۸)

◆ تحفة الاخباری میں ہے "الیمان بن اخنس بن خنیس" ص ۱۷۸ اور عبداللہ بن جعفر المسندی کے نسب میں بھی اسی طرح ہے تهذیب الکمال (۵۹/۱۲).

حافظ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں۔ فنسب الیه (الجعفی) نسبة ولاء عملا بمذهب من یری ان من اسلم علی ید شخص کان ولاءُ له و انما قیل له الجعفی [1] لذالك. [2]

امام بخاری کا خاندان کبھی غلامی کی طرف منسوب نہیں ہوا۔ اس لیے ہم کو اس کی نفی کے لیے وہ زحمتیں نہیں اٹھانی پڑیں جو ہمارے ہم عصر شمس العلماء نعمانی صاحب کو سیرۃ النعمان لکھتے وقت اٹھانی پڑیں اور اس کے لیے ان کو کئی صفحے سیاہ کرنے پڑے۔ [3]

اور نیز امام بخاری کے سلسلۂ نسب میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے جس کی توجیہات میں ہم کو تکلفات بارده رکیکہ سے کام لینا پڑے اور قیاسات بعیدہ لگا کر دور از کار باتیں بنانی پڑیں۔ ہاں بعض مؤرخین نے بجائے بردزبہ کے امام بخاری کے پردادا کا نام احنف [4] لکھا ہے۔

---

[1] جعفی منسوب ہے جعفی ہی کی طرف جس طرح کرسی کی طرف نسبت کرنے میں کرسی ہی ہوتا ہے: جعفی - ککرسی - ابن سعد العشیرة، ابو حی بالیمن قال فی القاموس. یعنی جعفی یمن کے ایک قبیلہ کے جدّ کا نام ہے۔ بعض مؤرخین نے جعفی مقام سکونت کو بھی لکھا ہے لیکن یہ محقق نہیں ہے۔ (مؤلف) مزید دیکھیں: الانساب ۲۹۱/۳، اللباب ۲۸۴/۱ اور تاج العروس ۱۱۴/۱۲۔

[2] مقدمة الفتح، ص۴۷۷، اسامی من روی عنهم البخاری ص ۵۹، الکامل لابن عدی ۱۴۰/۱، تاریخ بغداد ۶/۲، التعدیل والتجریح ۳۰۷/۱، تاریخ دمشق ۳۹/۱۵ب، تهذیب الاسماء واللغات ۶۷/۱/۱، ماتمس الیه حاجة القاری ص ۲۳، وفیات الاعیان ۱۸۸/۴، تهذیب الکمال ۴۳۱/۲۴، طبقات علماء الحدیث ۲۴۴/۲، سیر اعلام النبلاء ۳۹۲/۱۲، طبقات السبکی ۲۱۲/۲، تحفة الاخباری ۱۷۸ اور تغلیق التعلیق بھی دیکھیں ۳۸۳/۵۔

ابن خلکان نے کہا: امام بخاری کی سعید بن جعفر الجعفی حاکم خراسان کی طرف بھی نسبت ہے کیونکہ ان سے امام صاحب کا تعلق ولاء تھا۔ جس بناء پر اس طرف منسوب ہوئے۔ وفیات الاعیان ۱۹۱/۴ جبکہ دیگر کتب میں اس کے برعکس ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] علامہ شبلی بن حبیب اللہ الہندولی المعروف شبلی نعمانی (۱۲۷۴ھ۔۱۳۳۲ھ) بہت بڑے ادیب اور لکھاری ہیں۔ سیرت طیبہ اور تاریخ پر ان کی کتب بہت مشہور ہیں۔ اپنی کتاب ''سیرت نعمان'' میں انھوں نے حدیث اور محدثین کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا بلکہ ان کی جانب لا یعنی باتوں کو بھی منسوب کر دیا ہے جبکہ علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی نے اپنی کتاب ''حسن البیان'' میں ان کا خوب رد کیا ہے۔

ان کا ترجمہ نزهة الخواطر ۱۸۹/۸ اور اعلام ۱۱۵/۳ میں مل سکتا ہے۔

[4] احنف ایک بہت بڑا عقل مند آدمی گزرا ہے۔ جب لوگ کسی کو بڑا عقل مند پاتے، اس کو احنف کہنے لگتے جس طرح بڑے سخی کو حاتم کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بردزبہ نہایت عقل مند آدمی تھے اس وجہ سے لوگ احنف بھی کہتے ہوں گے لیکن اصل نام بردزبہ تھا۔ الاحنف رجل مشهور بالعقل فضرب به مثل۔ حاشیہ داری ۳۷ طبع المطبع النظامی کان پور ہند۔ (مؤلف)

میں کہتا ہوں کہ یہ احنف بن قیس تمیمی ہے ثقہ مخضرم رواۃِ جماعت میں سے ہے۔ وفات ۶۷ھ یا ۷۲ھ ہے جیسا کہ تقریب ۴۹/۱ میں ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۸۶/۴۔۹۷ میں اس کا مفصل تعارف ہے۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ اس آدمی کے علم و بردباری اور سیادت کی مثال بیان کی جایا کرتی تھی۔ ابن خلکان احنف کے لقب کی ایک اور وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے کسی جگہ پر یزذبہ کی بجائے الاحنف پایا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہی یزذبہ احنف ہو۔ واللہ اعلم۔ وفیات الاعیان ۱۹۰/۴۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بعض مصادر میں بردزبہ کے والد کا نام احنف بتایا ہے۔

امام بخاری کے والد ماجد

امام بخاری کے والد کا نام اسمٰعیل کنیت ابوالحسن ہے۔ یہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ امام مالک کے تلمیذ اور ان کے صحبت یافتہ تھے۔ افسوس علامہ اسماعیل کی کسی تصنیف کا اب تک پتہ نہیں چل سکا۔

اسماعیل نے حماد بن زید، امام مالک، ابومعاویہ اور دیگر اَعیان زمانہ سے حدیثیں روایت کیں۔ عبداللہ بن مبارک کی صحبت اور تربیت میں رہے۔ اہل عراق اور احمد بن حفص اور نصر بن الحسین وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری نے خود اپنے والد کا تذکرہ تاریخ میں لکھا ہے [1] اور نیز ان کا ترجمہ حافظ ابن حبان نے **کتاب الثقات** میں لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”**اسمعیل بن ابراهیم والد البخاری یروی عن حماد بن زید ومالك وروی عنه العراقیون**“. [2]

---

[1] التاریخ الکبیر ۱/۳۴۲، ۳۴۳ اس کی عبارت کا ترجمہ یوں ہے ”اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ الجعفی ابوالحسن۔ انھوں نے حماد بن زید کو دیکھا کہ انھوں عبداللہ بن المبارک کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور امام مالک سے سماع کیا۔ صحیح بخاری میں **باب المصافحہ**، **کتاب الاستیذان** میں معلق طور پر ہے ”**وصافح حماد بن زید ابن المبارك بكلتا يديه**“ ترجمہ اوپر گزر گیا۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے: اس روایت کو غنجار نے تاریخ بخاری میں اسحاق بن احمد بن خلف کے طریق سے موصول بیان کیا ہے۔ کہا: میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میرے والد نے مالک سے سنا اور حماد بن زید کو دیکھا کہ ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا (**فتح الباری** ۱۱/۵٦)۔

ذہبی نے **سیر اعلام النبلاء** (۱۲/۳۹۲) اور حافظ ابن حجر نے **تغلیق التعلیق** (۵/۳۸۵) میں اس روایت کو اپنی اپنی اسناد سے اسحاق بن احمد بن خلف تک بیان کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر پھر لکھتے ہیں: امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اپنے والد کے ترجمہ میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور عبداللہ بن سلمہ المرادی کے ترجمہ میں کہا: مجھے ہمارے اصحاب یحیٰ وغیرہ نے میرے باپ اسماعیل بن ابراہیم کے واسطے سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ”میں نے حماد بن زید کو دیکھا کہ وہ ابن المبارک کے پاس مکہ تشریف لائے اور ان سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا“۔ جبکہ مذکورہ یحیٰ ابن جعفر البیکندی ہیں۔

(**فتح الباری** ۱۱/۵٦) **الاستیذان، الأخذ بالید الخ** اور یہی بات **تہذیب التہذیب** ۱/۲۷۵ میں بھی ہے۔

البتہ عبداللہ بن سلمہ المرادی کا ترجمہ مجھے مطبوعہ تاریخ الکبیر میں نہیں مل سکا۔ واللہ اعلم۔

حماد بن زید اور امام مالک نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور امام بخاری کے والد مکہ اور مدینہ کے سفر پر اس سے ایک سال قبل نکلے۔ ممکن ہے یہ سفر حج ہو اور مدینہ منورہ میں اسی سفر کے دوران انھوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے سماع کیا۔

ملاحظہ: **سیر اعلام النبلاء** (۱۲/۳۹۲)، **مقدمہ فتح الباری** ص ۴۷۷ اور **طبقات السبکی** (۲/۲۱۳) مطبوعہ نسخوں میں ہے کہ ”**رأى حماد بن زيد (و) صافح ابن المبارك**“ درمیان میں اس زائد ”و“ نے معنی بدل دیا ہے کیونکہ ابن المبارک سے مصافحہ کرنے والے حماد ہیں نہ کہ امام بخاری کے والد۔ اسی طرح طبقات السبکی میں لفظ ”**صافح**“ تحریف ہوکر ”**صالح**“ بن گیا۔

[2] **ثقات ابن حبان** ۸/۹۸ علامہ سبکی نے یہ بھی لکھا: کہ امام بخاری کے والد نے ابومعاویہ اور ایک جماعت سے روایت کی۔ **طبقات** ←

علامہ اسماعیل بڑے پاکیزہ نفس اور نہایت محتاط تھے۔ احمد بن حفص ➊ بیان کرتے ہیں کہ میں اسماعیل کی وفات کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں اپنے حاصل کردہ مال میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں پاتا۔ ابن حفص کہتے ہیں: ''فتصاغرت الیّ نفسی عند ذلك''. یعنی یہ سن کر میں نے خود کو بہت چھوٹا تصور کیا۔ ➋

امام بخاری میں علاوہ دیگر فضائل اور مفاخر کے ایک فخر اور فضل یہ بھی تھا کہ باپ اور بیٹے دونوں محدث اور صاحب فضل تھے۔ یہ فخر اہل اسلام میں چیدہ لوگوں کو حاصل ہوا۔ ➌

← الکبری (۲/۲۱۳)، تہذیب میں ہے ''حماد بن زید اور ابن المبارک سے روایت کی اور یحییٰ بن جعفر البیکندی وغیرہ نے ان سے روایت کی۔ ان کے بیٹے نے اپنے باپ سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نیک لوگوں میں سے تھے'' ۲/۲۷۴)۔ ذہبی نے سیر میں کہا: ''اسماعیل بن ابراہیم نے علم حاصل کیا'' ۱۲/۳۹۲ اور امام بخاری کے ترجمہ کے تحت تاریخ الاسلام میں کہا: ''ان کے والد پرہیز گار علماء میں سے تھے'' ص ۲۳۹۔

➊ فتح الباری کے مقدمہ ص ۴۷۹ کی پیروی میں یہ لفظ اصل کتاب میں ''احید بن حفص'' درج ہوگیا ہے جبکہ اس کی تصحیح ''احمد بن حفص'' دیگر کتب سے کی گئی ہے۔

➋ دیکھیے: تاریخ الاسلام للذهبی (ص ۲۳۹)، سیر اعلام النبلاء (۱۲/۴۴۷) ، طبقات الشافعیة للسبکی (۲/۲۱۳)، مقدمة القسطلانی ۱/۲۶ اور سیر اعلام النبلاء میں مزید یہ عبارت بھی ہے: پھر کہا: ابوعبداللہ نے: آدمی موت کے وقت سب سے سچا ہوتا ہے'' ظاہر ہے کہ ابوعبداللہ سے مراد خود امام بخاری ہیں کہ جن سے ان کے وراق روایت کر رہے ہیں۔

جبکہ تحفة الاخباری ص ۱۸۰ اور تغلیق التعلیق ۵/۳۹۴ میں ابن حفص کا قول ''فتصاغرت......'' موجود نہیں ہے۔

➌ امام بخاری کے والد محترم کے فضائل پر درج ذیل عبارات سے مزید رہنمائی مل رہی ہے:

الف: ۔ خطیب بغدادی خود اپنی سند کے ساتھ ابوسعید بکر بن منیر کے واسطے سے امام بخاری سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''کنت عند ابی حفص احمد بن حفص اسمع کتاب الجامع۔ جامع سفیان۔ فی کتاب والدی۔'' میں ابوحفص احمد بن حفص کے پاس تھا اور میں کتاب الجامع، جامع سفیان اپنے والد کے مدرسہ میں سنا کرتا تھا...... الخ (۲/۱۱) عنقریب اس کی تفصیل آرہی ہے۔

مذکورہ عبارت میں موجود جو لفظ ''کتاب'' اگر کاف مضموم اور تاء مشدد کر کے پڑھیں یعنی ''کُتّاب''، تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہاں کتاب بمعنی مکتب یا مدرسہ ہو جائے گا جو کہ ٹھیک ہی ہے کیونکہ امام بخاری کے والد کا مدرسہ تھا اور احمد بن حفص اس میں بطور معلم کام کر رہے تھے۔ اس بات کی تائید سیر اعلام النبلاء کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ وراق نے ان سے پوچھا: آپ کا زمانہ طالب علمی کیسے شروع ہوا؟ تو انھوں نے فرمایا: مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہی مجھے حفظ حدیث کی توفیق ملنا شروع ہوگئی۔ میں نے پوچھا: آپ کی عمر کیا تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: دس سال یا اس سے کچھ کم...... الخ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۳ وغیرہ)

اور اس لفظ کو ''کِتَاب''، یعنی کاف کی کسرہ اور تاء کی فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر اس طرح پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے والد جامع سفیان کا خود اپنا ذاتی نسخہ بھی رکھتے تھے۔

دونوں حالتوں میں ہی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام بخاری کے والد محترم علم کے ساتھ بہت گہرا تعلق رکھتے تھے۔

ب: ۔ المستنیر بن عتیق نے امام بخاری کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں لکھا کہ ''یہ بات مجھے محمد بن اسماعیل نے اپنے والد صاحب کے ←

امام بخاری کی والدہ ماجدہ

امام بخاری کی والدہ بڑی عابدہ اور صاحب کرامات خاتون تھیں۔ خدا سے دعا کرنا، رونا، عاجزی کرنا ان کا حصہ

← ہاتھ کی لکھی تحریر نکال کر دکھائی، تحفة الاخباری ص ۱۷۸، مقدمة الفتح ص ۴۷۷، تغلیق التعلیق ۳۸۵/۵۔ اس طرح ان کے وراق نے بھی ان سے روایت کی (تاریخ اسلام ص۲۴۲)۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کے والد صاحب بڑے مہذب مثقف اور تاریخ کا اہتمام کرنے والے تھے۔

ج:۔ امام ذہبی نے ابوحفص احمد بن حفص (مدرسہ میں امام بخاری کے استاد) کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ شیخ محمد بن ابی رجاء بخاری نے کہا: میں نے احمد بن حفص سے سنا وہ کہتے تھے: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند (خواب) میں دیکھا کہ ان پر ایک قمیص تھی اور ایک جانب ایک عورت رو رہی تھی تو آپ نے اس سے کہا: ''مت رو! جب میں فوت ہو جاؤں تو رو لینا'' وہ کہتے ہیں مجھے اس خواب کی تعبیر کرنے والا کوئی نہ ملا، حتیٰ کہ مجھے امام بخاری کے والد اسماعیل نے کہا (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) آپ صلی اللہ علی وآلہ وسلم کے بعد آپ کی سنت قائم رہے گی'' (سیر اعلام النبلاء ۱۰/۱۵۷)

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کے والد خوابوں کی تعبیر بیان کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور یہ وصف بھی کسی شخص کے علم وفضل اور اس کی صلاحیت اور علم کے ساتھ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس کے خاص تعلق کو واضح کرتا ہے۔

جبکہ اس قصہ کے راوی احمد بن حفص کے متعلق امام ذہبی نے کہا: آپ بڑے فقیہہ، علامہ، شیخ ماوراء النہر ابوحفص البخاری الحنفی ہیں اور امام محمد بن الحسن کے ساتھیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے وکیع بن الجراح وغیرہ سے سماع حدیث کیا: آپ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۷ھ میں بخارا میں وفات پائی، ذہبی نے کہا: ان سے روایت کرنا اعزاز ہے، (سیر اعلام النبلاء ۱۰/۱۵۷)۔ بعض کتب میں ان کا نام بدل کر احید ہو گیا ہے۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا امام بخاری کے والد کے ساتھ بہت اچھا تعلق تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلق امام بخاری سے بھی قائم رہا حتیٰ کہ ان کے والد کی وفات کے بعد بھی اسی طرح جاری رہا۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابوحفص احمد بن حفص امام بخاری کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتے۔ ص: ۴۷۷ ......الخ جیسا کہ عنقریب خود مصنف بھی امام بخاری کے اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے بیان کریں گے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوحفص مذہباً معتدل اور تسامح سے کام لینے والے تھے، ذہبیؒ نے محمد بن سلام البیکندی کے ترجمہ میں لکھا ہے: امام بخاری کے شیوخ میں ان کا شمار ہوتا ہے جیسا کہ غنجار نے بھی لکھا ہے کہ'' ان کے اور ابوحفص احمد بن حفص الفقیہہ کے درمیان بڑی دوستی، بھائی چارہ موجود تھا، قطع نظر اس کے کہ ان کے مذاہب کے درمیان کچھ اختلاف بھی موجود تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۰/۶۳۰) جیسا کہ کچھ عبارت کے فرق کے ساتھ یہ بات تهذیب الکمال میں بھی موجود ہے (۲۵/۳۴۳)۔

جبکہ اس کے برعکس ان کا بیٹا جو کہ ابوحفص الصغیر کے نام سے جانا جاتا تھا وہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن حفص بن الزبرقان ہے اور وہ امام بخاری کے سخت دشمنوں میں سے تھا اور اس نے آخر عمر میں امام بخاری کو بخارا سے نکلوایا تھا (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۶۱۷)، عنقریب اس کی تفصیل بھی آئے گی۔

امام بخاری کے والد کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ یہ امام بخاری کی صغر سنی کا ہی واقعہ ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''امام بخاری کی چھوٹی عمر میں ہی ان کے والد اسماعیل وفات پا گئے'' (هدی الساری ص ۴۷۷) ابن ناصر الدین نے لکھا: اسماعیل (والد ←

خاص تھا۔ امام بخاری کی آنکھیں صغیر سنی میں خراب ہو گئی تھیں۔ بصارت جاتی رہی۔ اطباء علاج سے عاجز آ گئے۔ امام بخاری کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں:

''اے خاتون! اللہ تعالیٰ نے تمہارے رونے اور دعا کرنے سے تمہارے بیٹے کی آنکھیں درست کر دیں''۔

وہ کہتی ہیں کہ جس شب کو میں نے خواب دیکھا، اسی کی صبح کو میرے بیٹے (محمد) کی آنکھیں درست ہو گئیں، روشنی پلٹ آئی اور وہ بینا ہو گئے۔ ❶

افسوس بینائی جانے کی کیفیت اور اس کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن بعد پلٹنے کے اس بینائی کی قوت اس درجہ کو پہنچی کہ چاندنی راتوں میں تاریخ کبیر کا مسودہ لکھا۔ ابوعلی غسانی کے الفاظ یہ ہیں: ''كان محمد بن اسمٰعيل قد ذهب بصره في صِبَاه و كانت له والدة متعبدة فرأت ابراهيم خليل الرحمٰن صلوات الله عليه في المنام فقال لها: ان الله تبارك و تعالى قدرد بصر ابنك بكثرة دعائك و بكائك، قالت: فاصبحت و قدرد الله عليه بصره''. ❷

← امام بخاری) کی وفات کے بعد ان کا بیٹا محمد ابوعبداللہ یتیمی کی حالت میں ہی ماں کی گود میں جوان ہوا۔ ان کی ماں نے انہیں ایک معلم کے سپرد کر دیا حتیٰ کہ ان کی عمر دس سال ہو گئی۔ (تحفة الاخباری ص ۱۸۰)۔

❶ کرامات الاولیاء کے عنوان سے اللالکائی نے اسے شرح السنة میں ذکر کیا ہے ص ۲۴۷، حدیث: ۲۲۹۔ اور اسی واسطے سے ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں ۱۲/۳۹۲، ابن ناصر الدین نے تحفة الاخباری میں ص ۱۷۹ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں غنجار سے نقل کرتے ہوئے بخاری اور لالکائی کی تاریخ میں بھی ذکر کیا ہے ص ۴۷۸ اور تغلیق التعلیق ۵/۳۸۸۔
تاریخ بغداد ۲/۱۰ میں خطیب بغدادی نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اور اسی واسطے سے ابن ابی یعلیٰ نے طبقات الحنابلہ میں ۱/۲۷۴ اور تهذيب الكمال میں مزی نے ۲۴/۴۴۵۔
اور دیکھیے: سبکی کی طبقات الشافعیه ۲/۲۱۶، تحفة الاخباری ص ۱۷۹۔ ۱۸۰ اور تغلیق التعلیق ۵/۳۸۸۔

❷ تقييد المهمل للغسانی (۱/۱۶/ب) اور اسامی شیوخ البخاری للصغانی ص ۳ قدرے اختصار سے اور دیکھیے: طبقات الشافعية للسبکی ۲/۲۱۶۔ علامہ سبکی کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری کی بینائی دوبارہ جاتی رہی تھی۔ ایک بار بچپن میں جس کا ذکر عموماً مؤرخین امام بخاری کی والدہ کے تذکرہ میں ان کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ دوسری بار طالب علمی کے سفر میں جب ان کو دھوپ اور شدت گرمی میں اکثر سفر کرنے کے اتفاقات پیش آئے۔ چنانچہ اسی طالب علمی کے زمانہ میں جب وہ خراسان پہنچے تو کسی نے یہ تدبیر بتائی کہ سر کے بال منڈوا کر سر پر گل خطمی کا ضماد لگائیں۔ یہ تدبیر کارآمد ہوئی اور بینائی پلٹ آئی۔
ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء میں اس کا ذکر کیا ہے جو کہ غنجار کے واسطے اور ان کی سند سے بخاری سے ذکر کیا ہے (۱۲/۴۵۲)، ابن حجر نے تغلیق التعلیق میں ایک دوسری روایت بیان کی ہے جو اس کی تائید کرتی ہے۔ (۵/۳۸۸)۔
علاوہ ازیں امام بخاری کی والدہ محترمہ کی فضیلت اور ان کی بلند ہمتی، عزیمت اور امام بخاری کی اچھی تربیت میں ان کی رغبت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر علمی تربیت انھوں نے فرمائی حتیٰ کہ دس سال کی عمر تک انہیں مدرسہ میں داخل کیے رکھا۔ ابن ناصر الدین لکھتے ہیں کہ جب ان کے والد وفات پا گئے تو ابوعبداللہ نے بحالت یتیمی اپنی ماں کی گود میں پرورش پائی۔ پھر ان کی ماں نے انہیں اہل مدرسہ ←

امام بخاری کی جائے پیدائش

زمین کے جس خطہ میں امام بخاری کی ولادت ہوئی، وہ علاقہ خراسان کا مشہور و معروف شہر بخارا ہے۔ بُخارا علاقہ ماوراء النہر کے شہروں میں ایک قدیم اور بڑا وسیع و شاندار شہر ہے۔ فتوحات اسلامیہ سے پہلے یہ شہر ملوک سامانیہ کا دارالسلطنت تھا۔ ❶ دریائے جیحون سے دو روز کی مسافت پر نہایت مسطح اور ہموار زمین پر آباد ہے۔ چھتیس میل کی وسعت میں اس کی شہر پناہ ہے۔ ❷ اس شہر سے بیکند دو فرسخ، سمرقند ۳۷ فرسخ، مروبارہ منزل اور ....

← کے سپرد کر دیا حتیٰ کہ ان کی عمر دس برس ہو گئی (تحفۃ الاخباری ص ۱۸۰)۔ جب امام بخاری سولہ سال کے ہو گئے تو وہ انہیں اور ان کے بھائی احمد کو لے کر حج کو روانہ ہوئیں پھر حج کے بعد وہ ان کے بھائی احمد کے ساتھ واپس آ گئیں جبکہ امام بخاری کو وہیں علم حدیث کی طلب میں چھوڑ آئیں۔

امام بخاری کے خاندان میں ان کے بھائی "احمد" کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ چنانچہ طلب علم کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "پھر میں اپنی امی جان اور بھائی احمد کے ہمراہ مکہ کی طرف نکلا، جب حج سے فارغ ہو گئے تو میری امی جان میرے بھائی کے ساتھ واپس آ گئیں جبکہ میں طلبِ علم حدیث کے لیے وہیں رک گیا" (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۳)۔ اس واقعہ کی تخریج بعد ازاں ذکر ہو جائے گی۔ امام بخاری کے بھائی ان سے بڑے تھے (ھدی الساری ص ۴۸۸)۔

اسی طرح ان کی بھابھی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ وراق محمد بن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے سنا، کہتے تھے "مسلمان کو کبھی اس حالت کو نہیں پہنچنا چاہیے کہ وہ دعا مانگے اور اس کی دعا درجۂ قبولیت کو نہ پہنچے تو ان کی بھابی نے میری موجودگی میں ان سے کہا کہ جناب کیا کبھی آپ نے اپنی ذات میں اس کا تجربہ کیا ہے؟ تو فرمایا: ہاں ...... الخ (تاریخ بغداد ۲/۱۱، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۸)، اس کی تخریج عنقریب ذکر کی جائے گی)۔

امام بخاری کی دیگر رشتہ دار خواتین بھی تھیں جو انہیں گاہے بگاہے نیشاپور میں سلام دعا بھیجتی رہتی تھیں۔ آپ انہیں بخارا میں خط وغیرہ لکھتے رہتے تھے۔ دیکھیے: (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۶)۔

بخارا سے کچھ فاصلے پر موجود "خرتنک" نامی بستی میں جو بخارا سے دو یا تین فرسخ کے فاصلہ پر تھی، امام بخاری کے بعض رشتہ دار بھی موجود تھے۔ ان میں سے غالب بن جبرائیل ہے۔ امام بخاری بخارا سے نکلنے کے بعد ان کے پاس آ کر رہے اور وہیں وفات پائی جیسا کہ عنقریب امام بخاری کی وفات کے بیان میں آئے گا ان شاء اللہ۔

اسی طرح امام بخاری کی بیویوں کے متعلق بھی مصنف کی بحث آئے گی اور یہ بھی کہ انھوں نے کوئی اولاد بھی چھوڑی ہے کہ نہیں اور اس کی بعض تفاصیل کا ذکر بھی ہوگا۔

❶ خاندان سامانیہ ایک شریف فارسی النسل خاندان تھا، ان کی اصل بہرام جور تک جا ملتی ہے "سامان" نے اسلام قبول کیا اور ان کی اولاد بعض ممالک میں خلیفہ مامون کے دور میں امارت کے عہدوں پر فائز رہی۔ پھر ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتمد باللہ نے نصر بن احمد بن اسد بن سامان کو ماوراء النہر کے علاقے میں عہدے پر فائز کر دیا اور آخر کار یہیں سے مملکت سامانیہ وجود میں آئی اور ۳۸۹ھ (۹۹۹م) تک قائم رہی۔ دیکھیے: (تاریخ الاسلام السیاسی للدکتور حسن ابراھیم حسن ۳/۸۰، ۸۹)

❷ معجم البلدان میں ہے: بخارا...... میدانی علاقے میں قائم ایک شہر ہے جس کی اکثر عمارتیں آرائشی لکڑی سے بنائی گئی ہیں۔ اس ←

خوارزم ❶ پندرہ منزل پر آباد ہے۔

اس شہر کے آباد اور بارونق وشاندار ہونے کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حافظ شیرازی نے اپنے محبوب کے وصل کے بیان کے لیے اسی شہر کو منتخب کیا ہے ❷

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

بخارا کب فتح ہوا؟ ❸ اور مسلمانوں کا قبضہ اس پر کب سے ہے؟ مؤرخین اس میں مختلف الاقوال ہیں۔ علامہ حموی نے معجم البلدان میں کئی قول نقل کیے ہیں:۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم کے صاحب زادہ سعید نے امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت ۵۵ھ میں فتح کیا جو امیر معاویہؓ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے۔

دوسرا قول یہ ہے جس کو علامہ ابن اثیر نے بھی تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ قتیبہ بن مسلم نے حجاج کی سلطنت ۸۸ھ یا ۹۰ھ میں فتح کیا۔ ❹ بہرحال اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ بنو اُمیہ کے زمانہ میں اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور آج

← میں بہترین محلات باغات، تجارتی مراکز، ہموار راستے اور جا بجا محلے موجود ہیں۔ شہر کے ارد گرد تقریباً بارہ فرسخ طویل فصیل چن دی گئی ہے (معجم البلدان ۱/۳۵۳)۔

❶ لفظ ''خوارزم'' کی خاء ضمہ اور فتحہ (پیش اور زبر) کے درمیان اشمام کے انداز میں اور اس کا الف بالکل ہلکا سا کمزور گویا کہ نہ بولنے کے برابر ہوگا اور یہی اس کا صحیح تلفظ ہے۔(مراصد الاطلاع (۱/۴۸۷)۔

❷ فارسی کے اس شعر کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''اے شیرازی اگر وہ ترک ہمارا دل لے لے تو میں سمرقند و بخارا کو اس سیاہ تل والے کو بخش دوں۔''

حافظ شیرازی فارسی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے۔ انھی کا نام شمس الدین ولد بہاؤ الدین اصفہانی تھا۔ شیراز میں ہی سکونت پذیر رہے اور وہیں ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ جیسا کہ پاک وہند میں شعراء اپنا ایک لقب اختیار کر لیتے ہیں اسی طرز پر اس نے اپنا شعری تخلص ''حافظ'' اختیار کر رکھا تھا۔ عرف عام میں اسے ''تخلص'' کہتے ہیں کیونکہ اس مختصر نام کے ذریعے وہ اپنے لمبے اصلی نام سے بچتے ہیں، اس طرح تعارف میں اختصار سے کام لیتے ہوئے اسے اپنے اشعار میں سے آخری شعر میں استعمال کرتے ہیں تاکہ اس شعر سے لوگوں کو آگاہی رہے کہ یہ شعر کس شاعر کا ہے۔ اور حافظ شیرازی فارسی کے چار مشہور شعراء سعدی، فردوسی، خیام اور حافظ میں سے ایک ہیں اور انھی کا شعری مجموعہ مطبوعہ حالت میں ''دیوان حافظ'' کے نام سے مشہور ہے۔

❸ خطہ ماوراء النہر میں بخارا کی زرخیزی ضرب المثل ہے۔ علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں:''ولا شك انها مدينة قديمة نزهة كثيرة البساتين واسعة الفواكه جيدتها''۔ یعنی بے شبہ بخارا ایک قدیم شہر ہے جو نہایت پرفضا ہے اور باغات وپھل دار درختوں اور عمدہ میوہ جات سے آباد ہے۔ علامہ موصوف نے کتاب الصور کے مصنف کا جو مقولہ نقل کیا ہے، اس سے بھی اس شہر کی عظمت کا پتہ چلتا ہے:''واما نزهة بلاد ماوراء النهر فانی لم ار ولا بلغنی فی الاسلام بلدا احسن خارجامن بخارا''. معجم البلدان ص ۸۲، ج ۳

❹ الکامل لابن الاثیر ۴/۵۳۵۔۵۴۲ سال ۸۹ھ اور ۹۰ھ۔

تک ہے۔ [1]

علامہ یاقوت حموی صحابیٔ رسول حذیفہ بن الیمانؓ کے واسطہ سے بخارا کے وصف میں ایک طویل حدیث بھی روایت کرتے ہیں جس سے بخارا کی انتہا درجہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس فضیلت کی بنا پر حذیفہؓ نے یہ تمنا کی تھی کہ کاش میرے ہاتھ پر فتح ہوتا۔ اس حدیث کو ایک طویل سند کے ساتھ (جس میں بہت سے واسطے ہیں) رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اس حدیث کا محدثین کے طریقہ پر ثابت ہونا مشکل ہے۔ [2]

محمد بن اسماعیل جو آگے چل کر امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث، سید الفقہاء کے القاب سے ممتاز ہونے والے تھے، جن کے وجود سے سنن نبویہ نئی زندگی پانے والی تھیں، اسی خطہ بخارا سے بتاریخ ۱۳ ماہ عید الفطر ۱۹۴ ہجری میں بعد نماز جمعہ ماہ عید کی طرح نمودار ہوئے۔ [3] جامی کہتے ہیں: [4]

سکہ که در یثرب و بطحا زدند
نوبت آخر به بخارا زدند

امام بخاری کا بیان ہے کہ اپنا سنہ ولادت میں نے اپنے والد کے ہاتھ کا لکھا ہوا پایا۔ [5]

---

[1] ۱۳۳۹ھ میں اس پر روسیوں کا قبضہ ہو گیا تھا پھر نام نہاد سوویتی اتحاد ٹوٹ گیا اور آج کل یہ جمہوریہ ازبکستان میں واقع ہے۔

[2] معجم البلدان ۱/۳۵۴، ابن جوزی نے اسے الموضوعات (۳/۳۲۲ تحقیق نور الدین شکری) میں باب فضل بلدان شتی من خراسان کے تحت ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ: اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ مزید دیکھیے: اللآلی المصنوعة ۱/۴۶۷، الفوائد المجموعة ص: ۴۳۴۔

[3] اسامی من روی عنهم البخاری لابن عدی ص ۶۰، الکامل لابن عدی ۱/۱۴۰، تاریخ بغداد ۲/۶، تقیید المهمل ۱/۱۴/ب، تهذیب الکمال ۲۴/۴۳۸، تحفة الاخباری ص ۱۷۸ تغلیق التعلیق ۵/۳۸۵، مقدمة فتح الباری ص ۴۷۷۔
امام نووی کا کہنا ہے: ''اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نماز جمعہ کے بعد پیدا ہوئے۔ یہ شوال کی تیرہ تاریخ تھی اور ہجری سال ۱۹۴ تھا۔ (ماتمس الیه حاجة القاری ص ۲۳، تهذیب الاسماء واللغات ۱/۶۷، ۶۸)۔
الخلیلی اپنی سند کے ساتھ الارشاد میں ابوحسان مھیب بن سلیم سے روایت کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ: میں نے محمد بن اسماعیل البخاری سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں جمعہ کے روز نماز کے بعد پیدا ہوا اور شوال کی بارہ تاریخ تھی ...... الخ (۳/۹۵۹) وفیات الاعیان ۴/۱۹۰ اور تغلیق التعلیق ۵/۳۸۵۔

[4] ''وہ سکہ جو بطحا و یثرب میں ڈھالا گیا تھا آخری مرتبہ بخارا میں ڈھالا گیا۔''
اور ''جامی'' کا نام عبدالرحمٰن بن محمد شیرازی ہے وہ جام نامی بستی میں پیدا ہوئے جو کہ خراسان میں واقع ہے۔ خود عالم دین اور فارسی کے مشہور شاعر تھے اور تصوف کی طرف مائل تھے۔ وفات: ۸۹۸ھ، الفوائد البهية ص ۸۶، معجم المؤلفین ۵/۱۲۲۔

[5] ابوجعفر محمد بن ابو حاتم الوراق کا کہنا ہے: ''مجھے ابو عمرو المستنیر بن عتیق نے کہا: میں نے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل سے سوال کیا کہ آپ کی ولادت کب ہوئی؟ تو انھوں نے اپنے والد کے ہاتھ کی لکھی تحریر نکال کر مجھے دکھائی کہ: ''محمد کی ولادت بروز جمعہ تیرہ شوال ←

امام بخاری کے علاوہ بہتیرے اہل کمال سرزمین بخارا سے نکلے۔ ابو علی بن سینا [1] جو فلسفہ یونان اور طب و منطق کا معلم ثانی کہا جاتا ہے، اسی سرزمین سے پیدا ہوا اور منصب وزارت تک پہنچ کر ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔ [2]

← ۱۹۴ھ میں ہوئی' تاریخ الاسلام للذھبی ص ۲۴۲، تحفۃ الاخباری ص ۱۷۸ اور الفاظ بھی انہی کے ہیں، تغلیق التعلیق ۳۸۵/۵، مقدمۃ فتح الباری ص ۴۷۷ اور اس میں یہ بھی ہے کہ "یہ بات کئی واسطوں سے ان کے پاس آئی ہے"۔

[1] ابن سینا کا نام حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا بلخی بخاری ہے، الشیخ الرئیس کے لقب سے جانے جاتے ہیں، ابو علی کنیت ہے فلسفی، شاعر اور طبیب کے علاوہ مختلف علوم میں تجربہ رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں "القانون" طب کی مشہور کتاب ہے اور لغت میں لسان العرب بھی عوام میں سند قبولیت پا چکی ہے۔ یہ بخارا کی نواحی بستی خریشن میں ۳۷۰ھ بمطابق ۹۸۰م پیدا ہوئے اور ہمدان میں ۴۲۸ھ بمطابق ۱۰۳۸م وفات پائی۔ الاعلام للذرکلی ۲۴۱/۳، معجم المؤلفین ۲۰/۴۔

[2] معجم البلدان ۳۵۶/۱۔

بخارا میں جن ممتاز محدثین اور علماء کا گزر رہا ہے انہیں الخلیلی نے الارشاد میں ذکر کیا ہے:

......عیسی بن موسیٰ المعروف غنجار وفات: ۱۸۶ھ، عبداللہ بن محمد المسندی امام بخاری کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں، وفات: ۲۲۹ھ

......محمد بن سلام البیکندی، امام بخاری کے استاد ہیں، وفات: ۲۲۵ھ

......صالح بن محمد بغدادی المعروف جزرہ، بخارا میں منتقل ہو گئے بعد ازاں وہیں ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔

......ابراہیم بن معقل نسفی، وفات: ۲۹۵ھ

......اسحاق بن حمزہ البخاری، وفات: ۲۷۰ھ کے بعد۔

......ابو عصمۃ سہل بن التوکل البخاری، ثقۃ مرضی، انھوں نے قعنبی اور حوضی وغیرہ سے سماع کیا۔

......محمد بن یوسف بیکندی، آپ ثقہ تھے، متفق علیہ جیسا کہ خلیلی نے کہا۔

......ابو حسان مھیب بن سلیم البخاری الفقیہ، ثقۃ، متفق علیہ انھوں نے بخاری سے بہت زیادہ روایت کی۔

......ابو النصر احمد بن سہل بخاری فقیہ، ثقہ، متفق علیہ، ان سے بخارا کے حفاظ نے روایت کی۔

اس طرح بخارا کی تاریخ میں بہت سی کتب بھی تالیف کی گئیں، چند ایک یہ ہیں:

۱۔ "تاریخ بخارا" لابی بکر محمد بن جعفر نرشخی، وفات: ۳۴۸ھ۔ یہ کتاب انھوں نے نوح بن نصر سامانی ۳۳۱ھ کو ہدیہ کی اور اس کا فارسی زبان میں ابو نصر احمد بن احمد بن محمد القبادی نے ۵۲۲ھ میں ترجمہ کیا۔ اس کے کئی ایک نسخے محفوظ ہیں اور مختصر مطبوع ہوئی۔ (بروکلمان ۳۹/۳، سزکین ۵۶۸/۲)۔

۲۔ "تاریخ بخارا" لابی عبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان بن غنجار (۳۳۷ھ-۴۱۲ھ) سخاوی کہتے ہیں: "سلفی نے اس کا اختصار کیا تھا اور اس کا اصل میرے پاس ہے، (التوبیخ لمن ذم التاریخ، کتاب علم التاریخ عندالمسلمین" لفرانز روز نتال، اس کا ترجمہ ڈاکٹر صالح احمد علی نے کیا: ص: ۶۲)

اب اس کتاب کے نسخے بھی نہیں ملتے، البتہ خطیب بغدادی، ابن بشکوال، ابن السمعانی اور ذہبی وغیرہ نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب کی ذیل بھی لکھی گئی، احمد بن محمد بن احید بن عبداللہ بن مامۃ ت ۴۳۶ھ نے اس کی ذیل لکھی۔ (تاریخ التراث العربی ۵۷۱/۱ موارد الخطیب البغدادی ص ۲۷۷، ۲۷۸)۔ ←

سن رشد، تعلیم وتربیت، شیوخ واساتذہ

امام بخاری کے والدین کے حالات --اگرچہ مختصر ہی طریقہ سے سہی-- معلوم کرنے کے بعد یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام بخاری کی تعلیم و تربیت کس انداز کے ساتھ ہوئی ہوگی۔ علامہ قسطلانی نے کسی محدث کا یہ جملہ امام بخاری کی تربیت میں نہایت جامع نقل کیا ہے:

"فقد رُبِّیَ فی حِجرِ العلم حتی رَبَا و ارتضع ثَدْیَ الفضل فکان فِطامُہ علٰی ھذااللِّبَا". ❶

یعنی آپ نے علم کی گود میں پرورش پائی۔ یہاں تک کہ بڑھے اور علم وفضل سے شیر پایا۔ اور اسی پر فطام (دودھ چھڑانا) واقع ہوا۔

آپ کے والد اسماعیل کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ آپ صغیر السن تھے۔❷ اس وجہ سے امام بخاری کی پرورش کی متکفل ان کی والدہ ہوئیں۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو خود آپ کے دل میں حفظ حدیث وتحصیل فنون اسلامیہ اور تنقید احادیث کا شوق پیدا ہوگیا اور کیوں نہ ہوتا یہ تو پدر بزرگوار کی میراث تھی۔ محمد بن ابی حاتم وراق کہتے ہیں:❸

"سمعت البخاری یقول: اُلْھِمتُ حفظَ الحدیث و انا فی الکُتَّابِ".

یعنی میں نے خود امام بخاری کو فرماتے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ خدا نے مجھے اس وقت حفظ حدیث کا شوق دیا جب کہ میں مکتب میں ہی تھا۔

وراق کہتے ہیں، میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ کے دل میں جس وقت حفظ احادیث کا شوق دیا گیا، آپ کی عمر اس وقت کیا تھی؟ آپ نے فرمایا:

← ۳۔ روز نثال نے مزید بتایا ہے کہ امام بیہقی نے بیہق کی تاریخ میں ص:۲۱ پر "تاریخ بخارا وسمرقند" کا ذکر کیا ہے۔ اس کے مؤلف کا نام سعد بن جناح ہے۔ (علم التاریخ عند المسلمین ص ۶۲۱)۔

❶ مقدمۃ القسطلانی . ۲۷/۱۔

اللباء اس پہلے دودھ کو کہتے ہیں جو ولادت کے بعد نکلتا ہے، بعد میں پھر آہستہ آہستہ پتلا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ (المعجم الوسیط)۔

❷ مقدمۃ فتح الباری ص۴۷۷. مزید دیکھیے: تاریخ الاسلام ص ۲۳۹، تحفۃ الاخباری ص ۱۸۰، طبقات السبکی ۲۱۳/۲ "یتیمی میں جوان ہوئے"

❸ یہ ابوجعفر محمد بن ابو حاتم وراق کاتب البخاری ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کے آخر میں تلامذہ بخاری کے ضمن میں ان کا مختصر تعارف دیا ہے۔ (مراجع) ان کی ایک ضخیم کتاب سیرت بخاری کے موضوع پر ہے جس کا نام "شمائل البخاری" ہے (سیر اعلام النبلاء ۳۹۲/۱۲) اگرچہ اس کتاب کا آج کل وجود نہیں ملتا تاہم امام بخاری کا ترجمہ لکھنے والے بہت سے علماء نے اس سے استفادہ کیا ہے جیسے خطیب بغدادی وغیرہ۔

"عشر سنین او اقل". دس برس یا اس سے کم۔ [1]

اسی سن سے آپ محدثین کے حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے۔ [2]

اسی ابتدائے تحصیل میں ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ علامہ داخلی جو بخارا میں اس وقت بڑے پایہ کے محدث تھے، [3] جن کی درس گاہ بڑی بارونق اور مشہور تھی، حسب معمول درس دے رہے تھے، امام بخاری بھی درس میں شامل تھے۔ علامہ داخلی نے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی: "سفیان عن ابی الزبیر عن ابراهیم". امام بخاری نے عرض کیا:

"ان ابا الزبیر لم یرو عن ابراهیم". یعنی ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی۔

امام بخاری کا مطلب یہ تھا کہ حدیث کی سند میں آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اس صدا سے علامہ داخلی چونک پڑے اور برہمی کے ساتھ کچھ ڈانٹ کے الفاظ فرمائے۔ امام بخاری نے نہایت متانت سے عرض کیا کہ اگر آپ کے پاس اصل ہو تو اس کی طرف مراجعت فرمائیے۔ علامہ داخلی گھر تشریف لے گئے اور اصل کو ملاحظہ فرمایا تو امام بخاری کا ٹوکنا تسلیم کر لیا اور اپنی غلطی پر متنبہ ہو گئے لیکن سند کی تصحیح باقی رہ گئی تھی، منصف مزاج محدث نے براہ انصاف یا یوں کہو کہ امتحاناً اس سند کی تصحیح کا سوال امام بخاری پر ہی پیش کر دیا، گھر سے باہر آ کر فرمایا:

"کیف هو یا غلام؟". لڑکے! صحیح سند کس طرح ہے؟

امام بخاری نے برجستہ عرض کیا، صحیح سند یہ ہے: "الزبیر وهو ابن عدی عن ابراهیم". علامہ داخلی نے قلم لے کر کتاب کی تصحیح کر لی اور ندامت کے لہجے میں فرمانے لگے، لڑکے! تمہارا قول صحیح تھا، غلطی میری تھی۔ کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ جس وقت علامہ داخلی کی آپ نے غلطی پکڑی تھی، آپ کا سنّ کیا تھا؟ فرمایا، گیارہ برس۔ [4]

جس طرح امام بخاری کے دل میں دس ہی برس کے سن سے حفظ حدیث کا شوق پیدا ہوا اور ہمیشہ ترقی کرتا گیا، اسی طرح اس کے ساتھ ہی یہ شوق بھی نشوونما پاتا گیا کہ صحیح حدیثوں کو غیر صحیح سے الگ کریں۔ حدیثوں کے علل کو پہچانیں۔ رواۃ حدیث کے حالات سے واقفیت پیدا کریں۔ ان کی عدالت، قوت ضبط، دیانت، صدق، طرز معاشرت،

---

[1] تاریخ بغداد ٦/٢، تقیید المهمل ١/٤/ب، تاریخ دمشق ٤٧/١٥/ تهذیب الکمال ٤٣٩/٢٤ ، تاریخ الاسلام للذهبی ص ٢٣٩ ، سیر اعلام النبلاء ٣٩٣/١٢، تحفة الاخباری ص ١٨٠ ، تغلیق التعلیق ٣٨٦/٥، مقدمة الفتح ٤٧٨۔

[2] ذہبیؒ نے کہا: "انہیں بچپن سے ہی علم کا شوق تھا اور اس پر مستزاد ان کی ذہانت" تاریخ الاسلام ٢٣٩۔

[3] مصنف نے یہاں جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے اس حلقہ کا اظہار ہوتا ہے۔ البتہ مجھے ان کا مستقل ترجمہ نہیں مل سکا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اوپر ذکر کردہ الداخلی کو میں بالکل نہیں جانتا نہ ہی اس نسبت کو ابن السمعانی یا الرشاطی نے ہی ذکر کیا ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ یہ ایک نیشا پوری بستی کا نام ہے جسے المدینه الداخلیة کہا جاتا ہے، (تغلیق التعلیق ٣٨٧/٥)۔

[4] تاریخ بغداد ٧/٢، مقدمة الفتح ٤٧٨، مقدمة القسطلانی ٢٧/١، المنتظم ١١٥/١٢ ، تاریخ الاسلام ص ٢٤٣، سیر اعلام النبلاء ٣٩٣/١٢ ، تهذیب الکمال ٤٣٩/٢٤ ، طبقات الشافعیة للسبکی ٢١٦/٢ ، تغلیق التعلیق ٣٨٦/٥ ، تحفة الاخباری ص ١٨١۔

جائے سکونت، سنہ ولادت، سنہ وفات وغیرہ سے کامل آگاہی حاصل کریں۔ سلسلہ روایات کو ایک دوسرے سے ملا کر ان کی جانچ پڑتال کریں اور ان کے اتصال وانقطاع پر عبور حاصل کریں اور فنون حدیثیہ کو درجہ تکمیل تک پہنچائیں۔ حدیثوں سے مسائل کا استنباط کریں اور آیات قرآنیہ کو احادیث پر تطبیق دیں۔ غرض ان باتوں کی طرف پہلے ہی سے میلان تھا اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا تھا، ان باتوں کا خیال دل میں راسخ ہوتا جاتا تھا۔

بخارا میں امام بخاری کے بڑے شیوخ

وہ شیوخ بخارا جن کی درس گاہیں امام کے زمانہ ابتدائے تحصیل میں نہایت ممتاز تھیں اور وہ بڑے پایہ کے محدث اور مرجع خلائق گنے جاتے تھے، ان میں محمد بن سلام بیکندی، محمد بن یوسف بیکندی، عبداللہ بن محمد مسندی، ابراہیم بن الاشعث وغیرہ خاص امتیاز رکھتے تھے۔ امام صاحب کا دامن تحصیل ابتداً انہیں اساتذہ کی فیاضیوں کا ممنون ہوا۔

محمد بن سلام بیکَنْدِی

محمد بن سلام بیکندی عبداللہ بن مبارک، ابن عیینہ کے شاگرد ہیں۔ امام مالک کا زمانہ پایا ہے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اور اشاعت میں اسی ہزار درہم صرف کیے۔ ایک بار شیخ کی درس گاہ میں ان کا قلم ٹوٹ گیا تو پکار دیا کہ فی قلم ایک اشرفی دیا جائے گا۔ قلم آنا شروع ہو گئے اور سیکڑوں قلم اسی وقت خرید لیے۔ امام احمد فرماتے ہیں، میں نے ابن سلام بیکندی سے پانچ ہزار صرف موضوع حدیثیں روایت کیں۔ ۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ [1]

---

[1] عبداللہ بن شریح نے کہا: محمد بن سلام کبار محدثین میں سے تھے۔ ان کے پاس بہت احادیث ہیں اور حدیث کی طلب میں انھوں نے بہت سارا سفر کر رکھا تھا۔ علم کے تقریباً ہر موضوع پر ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ (تهذيب الكمال ۲۵/۳۴۳) ۔ یہ بات سیر اعلام النبلاء میں بھی موجود ہے لیکن انھوں نے اسے محمد بن احمد غنجار کی طرف منسوب کیا ہے (۱۰/۶۳۰)۔

ان کے والد سلام کی لام کے متعلق اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لام مشدد ہے یا کہ مرقق، چنانچہ اس پر بعض رسائل لکھے گئے، حافظ ابن ناصر الدین دمشقی ت ۸۴۲ھ کا بھی اس موضوع پر ایک رسالہ موجود ہے جس کا نام "رفع الملام عمن خفف والد شيخ البخاري محمد بن سلام" ہے۔

اس رسالے کی تحقیق ہمارے دوست فاضل محمد عزیر شمس نے کر دی ہے اور بمبئی ہندوستان کے نشر الدار السّلفیہ ادارے کی مطبوعہ کتاب "روائع التراث" کے ساتھ اسے شائع کیا گیا ہے۔ ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱م۔

ابن حجر کہتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ سلام تخفیف اللام ہی پڑھا جائے گا...... جب کہ علامہ منذری نے بھی ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جو اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ یہ لام مشدد ہے جب کہ صحیح بات اس کے برعکس ہے (فتح الباری ۱/۷۱)۔

بیکندی: باء جس کا ایک ہی نقطہ ہوتا ہے اسے زیر (کسرہ) کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس کے بعد یاء جس کے نیچے دو نقطے ہیں اسے ساکن پڑھا جائے گا۔ البتہ کاف پر زبر (فتحہ) اور نون ساکن ہوگا (التقریب ۲/۱۶۸)۔

ان کی تاریخ وفات ۲۲۵ھ ہے۔ اسی طرح تاریخ الکبیر ۱/۱۱۰، تاریخ الصغیر ۲/۳۵۳، تهذيب الكمال ۲۵/۳۴۴ اور ←

عبداللہ بن محمد مُسْنَدِی

ان کو احادیث مسندہ کے ساتھ خاص شغف تھا۔ اسی وجہ سے ان کو مسندی کہا جاتا ہے۔ ابن عیینہ، فضیل بن عیاض، معتمر بن سلیمان کے تلمیذ ہیں۔ ۱۱۲ھ میں ولادت ہے، ۲۲۹ھ میں وفات پائی۔ احمد بن سیار کہتے ہیں: عوف بالضبط والاتقان۔ یہ یمان جعفی کے پوتے ہیں جن کے ہاتھ پر امام بخاری کے دادا مسلمان ہوئے تھے۔ ❶

ابراہیم بن الاشعث ❷

بخارا کے رہنے والے ہیں۔ فضیل بن عیاض، ابن عیینہ کے تلمیذ ہیں۔ ابن حمید جن کی مسند حمیدی مشہور ہے، ان کے شاگرد ہیں۔

➊ سیر اعلام النبلاء ۶۳۰/۱۰ وغیرہ میں درج ہے لیکن تہذیب ۲۱۳/۹ اور تقریب ۱۶۸/۲ میں ۲۲۷ھ ہے۔ رجال صحیح البخاری میں بھی اسی طرح ہے، منقول از بخاری، واللہ اعلم۔

ان کے تعارف کے لیے مزید کتب دیکھی جا سکتی ہیں: الکنی والاسماء لمسلم ۳۹۶/۱، الجرح والتعدیل ۲۷۸/۷، ثقات ابن حبان ۷۵/۹، اسامی من روی عنهم البخاری لابن عدی ص۱۳۸، ذکر اسماء التابعین ومن بعدهم ۳۳۳/۱، رجال صحیح البخاری ۶۵۳/۲، الارشاد للخلیلی ۹۵۷/۳، الانساب ۴۰۴/۲ اور تذکرۃ الحفاظ ۴۲۲/۲ وغیرہ۔ اسی طرح مصنف نے امام احمد سے روایت کیا کہ: "میں نے ابن سلام البیکندی سے پانچ ہزار موضوع احادیث روایت کی ہیں لیکن ان مراجع میں مجھے یہ قول نہ مل سکا البتہ یہ قول موجود ہے کہ مجھے تقریباً پانچ ہزار احادیث زبانی یاد ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۶۳۰/۱۰، التہذیب ۲۱۲/۹ واللہ اعلم)۔

◆ ثقہ اور حافظ ہیں، انھوں نے مسند احمد کی احادیث کو اکٹھا کر کے ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے خود طبقہ عاشرہ سے ہیں (التقریب ص ۵۴۲ تحقیق ابوالاشبال) اور ان کے تعارف کے لیے دیکھیے: التاریخ الصغیر ۳۵۸/۲) التاریخ الکبیر ۱۸۹/۵، الجرح والتعدیل ۶۲/۵، ثقات ابن حبان ۳۵۴/۸، تاریخ بغداد ۶۴/۱۰، تہذیب الکمال ۵۹/۱۶، سیر اعلام النبلاء ۶۵۸/۱۰ اور التہذیب ۹/۶ وغیرہ۔

❷ یہ ابراہیم بن اشعث ہے، ان کا ترجمہ ثقات ابن حبان (۶۶/۸) میں ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، اسی طرح ان کا ترجمہ لسان المیزان (۳۶/۱) میں ہے اور ابن حبان اس کے متعلق کہتے ہیں کہ غریب اور منفرد روایات ذکر کرتا ہے اور عموماً غلطی کرنے پر اتر آتا ہے اور مخالفت بھی کرتا ہے۔

البتہ یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے بھی نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کے شیخ تو "ہارون بن الاشعث" ہیں جیسا کہ تہذیب الاسماء واللغات میں ذکر ہوا ہے (۱/۱/۱۷) اور تہذیب الکمال میں مزی نے (۷۹/۳۰) اور التہذیب (۳/۱۱) میں ابن حجر نے اس ہارون کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "روی عنه البخاری" اور بخاری نے التاریخ الاوسط میں لکھا ہے " حدثنا ابوعمران هارون بن ←

امام صاحب نے ان سے بہت بڑا ذخیرہ فنون حدیثیہ کا حاصل کر لیا اور سولہ برس کے سن تک اپنے وطن کے ان شیوخ سے جو قابل وثوق اور قابل اخذ روایت تھے، فارغ ہو چکے تھے۔ عبداللہ بن مبارک کی کتابوں کو جنہیں مدت سے دست برد زمانہ نے ناپید کر دیا ہے، ازبر کر چکے تھے۔ (۱) اہل الرائے کے اقوال و مسائل اجتہادیہ سے کامل آگاہی حاصل کر لی تھی۔ ان کے شیوخ و اساتذہ کے دلوں میں ان کا سکہ جم چکا تھا۔ اکثر وہ شیوخ بھی جو اپنے وقت کے امام فن تھے، آپ کے حلقۂ درس میں پہنچ جانے سے مرعوب ہو جاتے اور حدیث بیان کرنے میں تامل کرتے کہ مبادا محمد بن اسماعیل کے سامنے کوئی غلطی ہو جائے۔ (۲) امام کے سامنے اپنی کتابیں پیش کرتے کہ وہ اس کی غلطیوں کی تصحیح

← اشعث شیخ لنا ثقة" تهذيب الكمال (۷۹/۳۰)۔یہی بات استاد محمد بن ابراہیم اللحید ان کی تحقیق سے مطبوعہ التاريخ الاوسط (۱۹۸/۲) میں مذکور ہے۔امام حاکم نے لکھا ہے: ''محمد بن اسماعیل امام اھل الحدیث ہیں انھوں نے بخارا میں ہارون بن اشعث سے بھی سنا اور.........'' سیر اعلام النبلاء (۴۳۱/۱۲)۔

دراصل مصنف رحمہ اللہ اس لیے اس غلطی کا شکار ہوگئے کیونکہ طبقات الشافعیه الکبری کے مطبوعہ نسخہ میں ایسے ہی درج تھا حالانکہ نئی طبع میں اس غلطی کو درست بھی کر دیا گیا ہے۔اس طبع کی تحقیق دو معروف استادوں نے کی ہے عبدالفتاح محمد الحلو اور محمود محمد الطناحی۔ انھوں نے مخطوطات کے ساتھ ان نسخوں کا مقارنہ کر کے یہ طبع پیش کی ہے اور اس کا تذکرہ بھی انھوں نے نئی طبع کے حاشیہ میں کر دیا ہے۔ (۲۱۳/۲)۔پھر یہاں پر ایک اور غلطی بھی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ اس میں لکھا ہے کہ ان کے تلامذہ میں ''ابن حمید'' یعنی مسند حمیدی والے بھی شامل ہیں حالانکہ جس نے ابراہیم بن اشعث سے روایت کیا ہے وہ تو ''عبد بن حمید'' ہیں جن کی اپنی مسند اسی نام سے مشہور ہے لیکن لسان المیزان (۳۶/۱) مطبوعہ کے نسخہ میں ''عبدة بن حميد'' لکھا ہے۔ ہوسکتا ہے مصنف اپنی وسیع فراست اور تجربہ کی بنا پر ''عبدة'' لفظ کو محرف تصور کرتے ہوں جبکہ لسان المیزان مطبوعہ حیدر آباد میں اس طرح کی تحریف کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں۔لیکن اس بات کی بالجزم تصدیق کے لیے کوئی دوسرا نسخہ بھی نہ مل سکا جبکہ اس وقت تک ثقات ابن حبان بھی طبع نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ''ابن حمید'' کے تذکرہ پر ہی اکتفا کر لیا اور تصور کر لیا کہ یہ ''حمیدی'' ہی ہیں جو اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کی طرف منسوب ہو گئے ہونگے جب کہ حمیدی تو: عبداللہ بن الزبیر بن عیسی بن عبید اللہ بن حمید...... القرشی، الحمیدی، المکی ہیں اور یہی مشہور کتاب ''مسند الحمیدی'' والے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۶۱۶/۱۰) رحمهم الله رحمة الابرار الصالحين۔

(۱) الحمد للہ ان کی کتب میں سے ''کتاب الجهاد'' اور ''کتاب الزهد و الرقائق'' تو منظر عام پر ہی ہیں نیز مسند عبدالله ابن المبارك بھی استاد صبحی البدری السامرائی کی تحقیق سے مکتبہ المعارف، الریاض نے ۱۴۰۷ھ میں شائع کر دی ہے اور اس میں صرف ۲۷۲ احادیث ہیں۔ اس کی ایک اور طبع بھی ہے اور اس کے ساتھ ابن المبارک کی ہی ایک اور کتاب ''البر والصلة'' بھی مصطفیٰ عثمان محمد کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے دار العلمیہ نے ۱۴۱۱ھ میں شائع کر دی ہے۔ عبداللہ بن مبارک کی ایک کتاب '' الاربعین فی الحدیث'' ابھی تک مخطوطہ شکل میں ہی ہے۔

(۲) اس پر محمد بن سلام کا یہ قول دلالت کرتا ہے ''یہ بچہ جب بھی میرے پاس آیا میں حیرت میں ڈوب گیا اور حدیث کا معاملہ مجھ پر خلط ملط ہو گیا اور جب تک وہ چلا نہ جاتا میں مسلسل خوف میں مبتلا رہتا'' سیر اعلام النبلاء (۴۷۱/۱۲) مقدمة الفتح: ۴۸۳)۔

اسی طرح فتح بن نوح نیشا پوری کا قول ہے: ''میں علی بن المدینی کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ محمد بن اسماعیل ان کے دائیں جانب ←

فرمائیں۔ [1] کوئی کہتا: "بین لنا اغلاط شعبة"۔یعنی شعبۃ الشاک کی غلطیاں ہم سے بیان کر دیجیے۔ [2]

انہیں ایام کا (جس وقت تک امام بخاری نے تحصیل حدیث کے لیے رحلت نہیں فرمائی تھی) ایک واقعہ یہ ہے جس کو علامہ سُلیم بن مجاہد [3] بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں محدث وقت محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محدث صاحب نے فرمایا، اس سے پہلے تم آتے تو ایک لڑکا ایسا دیکھتے جس کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ [4] یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ اسی وقت ان کی تلاش میں چلا۔ اتفاقاً مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے کہا، لڑکے! تمہارا ہی دعویٰ ہے کہ مجھے ستر ہزار حدیثیں ازبر ہیں۔ امام صاحب نے کہا، ہاں! بلاشبہ مجھے اسی قدر حدیثیں یاد ہیں بلکہ اس سے بھی زائد اور صرف حدیثوں کی یاد پر موقوف نہیں ہے بلکہ جس حدیث کی نسبت سوال کرو گے، خواہ مرفوع ہو یا موقوف (یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول وفعل ہو یا صحابہ وتابعین کا) ان میں اکثر رواۃ کی وفات، جائے سکونت اور دیگر حالات کا پتہ دے سکتا ہوں اور جو قول یا فعل صحابی یا تابعی کا روایت کروں گا، اس کے ساتھ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ان کا یہ قول یا فعل کس آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے۔ [5]

ایک بار محمد بن سلام بیکندی نے (قبل سفر) امام بخاری سے کہا کہ تم میری کتاب کو دیکھ جاؤ اور جو غلطی اس میں پاؤ، اس کی تصحیح کر دو۔ کسی نے علامہ بیکندی سے براہ تعجب پوچھا کہ یہ کون سا نوجوان لڑکا ہے؟ سائل کا مطلب یہ تھا کہ آپ شیخ وقت ہو کر، امام فن ہو کر ایک نوجوان لڑکے سے فرما رہے ہیں کہ میری کتابوں کو اس غرض سے دیکھو کہ اس کی غلطیاں نکال دو۔ علامہ موصوف نے جواب میں فرمایا:

← بیٹھے ہیں، میں نے دیکھا کہ جب وہ حدیث بیان کرتے تو ان کی اس شان کی بنا پر اس طرف کو بنظر التفات دیکھتے (مقدمة الفتح ص ۴۸۳)۔

[1] انہی میں محمد بن سلام اور اسماعیل بن ابی اویس شامل ہیں جیسا کہ ابھی آگے آئے گا اور عبداللہ بن یوسف التنیسی بھی ہیں (مقدمة الفتح ص ۴۸۳)۔

[2] یہ سلیمان بن حرب الازدی الواشحی ہیں، ثقہ، امام اور حافظ ہیں، ت ۲۲۴ھ
دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۳۱۹/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۰/۵ اور مقدمة فتح الباری ص ۴۸۲۔

[3] ابو عمر سلیم بن مجاہد بن بعیش نقطہ دار باء کے ساتھ۔ انھوں نے موسیٰ بن اسماعیل اور القعنبی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے ابو حسان مھیب بن سلیم نے روایت کی۔ ان کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ اسے ابن ماکولا نے الاکمال (۴۳۰/۷) میں نقل کیا۔

[4] مقدمة فتح الباری ص ۴۸۳، درج ذیل تعلیق بھی دیکھیے۔

[5] تاریخ بغداد ۲۴/۲۔ ۲۵۔ تاریخ دمشق ۴۳/۲۱/أ، تهذیب الکمال ۴۶۰/۲۴۔ تاریخ الاسلام ص ۲۴۵، سیر اعلام النبلاء ۴۱۷/۱۲، طبقات الشافعية ۲۱۸/۲، تحفة الاخباری ص ۱۹۰، تغلیق التعلیق ۴۰۵/۵، مقدمة الفتح ۴۸۷، مقدمة القسطلانی ۲۸/۱۔

"هذا الذي ليس مثله"۔ ◆ کہ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

علامہ بیکندی فرماتے ہیں کہ جب محمد بن اسمٰعیل میرے حلقۂ درس میں آتے ہیں تو میں متحیر ہو جاتا ہوں اور حدیث بیان کرنے میں مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ مبادا محمد بن اسمٰعیل کے سامنے غلطی نہ کر جاؤں۔ حافظ ابن حجر نے علامہ بیکندی کے الفاظ یہ نقل کیے ہیں:" **كلما دخل علي محمد بن اسمٰعيل تحيَّرتُ ولا ازال خائفا** " يعني **يخشى ان يخطى بحضرته**. ◆

یہ سب اقوال محمد بن سلام بیکندی کے اس وقت کے ہیں جس وقت تک امام بخاری کی تحصیل اپنے وطن (بخارا) کے شیوخ تک محدود تھی اور امام بخاری نے اپنے وطن سے علوم اسلامیہ کے لیے رحلت نہیں فرمائی تھی کیونکہ امام بخاری نے جب اپنے وطن سے رحلت فرمائی تو اس کے بعد علامہ بیکندی کو امام بخاری سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ◆

علوم اسلامیہ کی طلب میں امام بخاری کی رحلت (سفر) اور اس کی تفصیل

رحلت محدثین کی اصطلاح میں وہ سفر ہے جو حدیث یا حدیث کی اسناد عالی حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ اور تابعین کو اس سفر کے ساتھ جیسا غیر معمولی شغف تھا، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک ایک حدیث کے لیے یا صرف اس کی جانچ کے لیے ایک ایک مہینہ کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے اور جب تک سن کر یاد نہیں کر لیتے یا تحقیق نہیں کر لیتے، چین نہیں آتا تھا۔ چند واقعات رحلت کے لکھ دینے ضروری ہیں جس سے اس زمانہ کے شوق پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

◆ مقدمہ قسطلانی (؟) مزید دیکھیے: **تاريخ بغداد ۲/۲۴، تهذيب الكمال ۲۴/۴۵۹، تغليق التعليق ۵/۴۰۴، مقدمة الفتح** ص ۴۸۳۔

◆ **مقدمة الفتح** ۴۸۳ اور دیکھیے: **تاريخ الاسلام ۲۵۴، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۷، طبقات الشافعية ۲/۲۲۲، تغليق التعليق** ۵/۴۰۴۔

◆ **طبقات الشافعیہ** میں علامہ سبکی لکھتے ہیں "عمر کے پندرھویں برس میں امام بخاری نے بخارا سے رحلت فرمائی اس کے بعد سے انہیں محمد بن سلام البیکندی نہ دیکھ سکے" (۲/۲۲۲)

میں کہتا ہوں، ابو جعفر الوراق کے واسطہ سے ذہبی نے السیر میں لکھا ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے میرے بعض دوستوں نے کہا: میں محمد بن سلام کے پاس تھا کہ عراق سے واپسی پر ان کے پاس محمد بن اسماعیل آئے اور انھوں نے لوگوں کی آزمائشوں اور احمد بن حنبل وغیرہ کے متعلق کئی امور بیان کیے۔ جب وہ رخصت ہوئے تو محمد بن سلام نے حاضرین سے سوال کیا: کیا اس نوجوان سے زیادہ باحیا شخص کوئی تم نے دیکھا ہے؟ (**سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۸**)۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو معلوم ہوا کہ امام بخاری عراق سے واپس آئے تو محمد بن سلام زندہ تھے۔ البتہ وراق کے اس دوست کو ہم نہیں جانتے جس نے یہ خبر بیان کی ہے واللہ اعلم۔

عبداللہ بن بریدہ [1] کہتے ہیں کہ ایک صحابی مدینہ سے سفر کر کے مصر میں فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ [2] کے پاس (جو ایک دوسرے صحابی ہیں) پہنچے اور ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ اپنی اونٹنی کو گھاس کھلا رہے ہیں۔ فضالہ نے دیکھتے ہی معمولی سلام و مصافحہ کے بعد مرحبًا (خوش آمدید) کہا۔ یہ سن کر صحابی مذکور نے فضالہ سے کہا:

"لم اٰتك زائرًا"۔ میں آپ کے پاس ملاقات کی غرض سے نہیں آیا۔ بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ اور میں دونوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو یاد ہوگی۔ آپ بھولے نہیں ہوں گے۔ فضالہ نے پوچھا۔ ما هو؟ وہ کون سی حدیث ہے؟

صحابی مذکور نے کہا۔ كذا و كذا. فلاں اور فلاں حدیث ہے۔ [3]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، اپنی رحلت کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بواسطہ پہنچی جس کو بالمشافہ میں نے آپ سے نہیں سُنا تھا۔ اس کی تحقیق کے لیے ایک اونٹ خرید کیا اور اس پر پالان کس کر ایک ماہ کا سفر قطع کر کے ملک شام میں داخل ہوا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ [4] صحابی کے دروازے پر پہنچ کر دربان سے کہا کہ اندر خبر کر دو کہ جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ دربان نے خبر کی، حکم ہوا کہ دریافت کرو کون جابر؟ کیا جابر بن عبداللہ؟ جابر نے کہا، ہاں۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت جلدی میں کپڑے سنبھالتے ہوئے نکلے۔ سلام اور مصافحہ کے بعد جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہاری روایت سے مجھے ایک حدیث قصاص کے بارے میں پہنچی ہے۔ جس کو میں نے خود جناب رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا۔ مجھے خوف ہے کہ مبادا میری یا تمہاری موت آ جائے اور اس دولت سے محروم رہ جائے۔ یہ سن کر عبداللہ بن انیس نے وہ حدیث بیان کر دی۔ [5]

---

[1] عبداللہ بن بریدہ بن الحصیب الاسلمی، ابوسہل المروزی ثقہ ہیں، وفات ۱۰۵ھ یا ۱۱۵ھ، التقریب ۲۹۳، التہذیب ۵/۱۵۷۔

[2] فضالہ بن عبید الانصاری الاوسی صحابی ہیں۔ ان کا پہلا معرکہ غزوۂ احد ہے، فتح مصر میں بھی موجود تھے، دمشق پہنچے اور قضاء کے منصب پر فائز ہوئے اور ۵۸ھ یا اس سے قبل ہی وہیں وفات پائی۔ اسد الغابۃ ۴/۶۴، التقریب ۷۸۱۔

[3] سنن الدارمی ۱/۴۲۱، طبعة دهمان اور الفاظ اسی کے ہیں، مسند احمد میں بھی ذکر کیا گیا ہے ۶/۲۲ ابوداؤد ۴/۷۵، الترجل، حدیث ۴۱۶۰ اور یہاں زائد الفاظ ہیں۔
"الرحلة في طلب الحديث" میں اسے خطیب نے بھی ذکر کیا ہے ص:۱۶۴، حدیث ۳۹ ابوداؤد کے واسطہ سے۔ نسائی نے بھی ذکر کیا ہے ۸/۱۳۲ الزينة باب الترجل غبًا ۸/۱۵۸، باب العوجل جب کہ اس میں جابر بن عبداللہ کے سفر کا قصہ نہیں ہے۔
البانی نے اسے صحیح کہا، صحيح سنن ابی داؤد ۲/۷۸۴، ح ۳۵۰۶ اور صحيح سنن النسائی ۳/۱۰۶۴، ح ۴۸۳۴، سلسلة الاحاديث الصحيحة ۲/۱۹، ح ۵۰۲۔

[4] الجهنی، ابو یحییٰ المدنی صحابی ہیں بیعت عقبہ اور احد میں شریک ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ (التقریب ص ۲۹۴)۔

[5] تدریب الراوی ۲/۱۴۲، اس حدیث کو مسند احمد ۳/۳۹۵، بخاری نے الادب المفرد ص ۲۵۲ میں، باب المعانقة، ح ۹۷۰ ←

واہب بن عبداللہ المعافری [1] کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک انصاری صحابی سفر کر کے مسلمہ بن مُخَلَّد [2] کے پاس پہنچے۔ اتفاقاً اس وقت مسلمہ نیند سے سو رہے تھے۔ انصاری صحابی نے کہا، مسلمہ کو جگا دو۔ لوگوں نے جگانے سے انکار کر دیا لیکن بالآخر انصاری کے اصرار پر جگانے گئے۔ آواز سن کر مرحبا کہتے ہوئے باہر آئے اور عرض کیا، سواری سے اتریے۔ انصاری نے کہا، جب تک تم عقبہ بن عامرؓ [3] کو نہ بلاؤ گے، میں سواری سے نہ اتروں گا۔ مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے۔ مسلمہ نے عقبہ بن عامر کو بلایا۔ جب عقبہ آئے تو انصاری نے کہا، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''من وجد مسلما علی عورۃ فسترہٗ فکانّما احیٰی موؤدۃ من قبرھا''. عقبہؓ نے کہا، ہاں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ایسا فرماتے تھے۔ [4]

← میں جزم کے صیغہ سے معلقاً ذکر کیا ہے اور یوں کہا: باب الخروج فی طلب العلم اور جابر بن عبداللہ ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے عبداللہ بن انیس کی طرف صرف ایک حدیث کی خاطر گئے ١/١٧٣ کتاب العلم، اور کتاب التوحید ٤٥٣/١٣ میں تمریض کے صیغہ سے لکھا ہے، اس میں بھی سفر کا حال درج نہیں ہے۔ اسی طرح اس حدیث کو ذکر کیا ہے حارث بن ابو اسامہ نے جیسا کہ بغیۃ الباحث ١٨٨/١، حدیث ٤٤ میں ہے اور ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ٢/ ٢٢٥ باب ذکر الکلام والصوت ح ٥١٤ اور الطبرانی فی الکبیر (ایک حصہ جز ١٣) ص ١٣٢ ح ٣٣١ میں اور المستدرک میں حاکم نے ٢/ ٤٣٧، ٤/ ٥٧٤ اور ابو نعیم نے معرفۃ الصحابۃ میں ق ٣٤١ اور بیہقی نے الاسماء و الصفات میں ١/ ١٩٦: حدیث ١٣١، تحقیق الحاشدی

اور ٢/ ٢٩، ح: ٦٠٠ اور خطیب بغدادی نے الرحلۃ فی طلب الحدیث میں ص ١٠٩۔ ١١٥، اور الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ٢/ ٢٢٥، ح ١٦٨٦ اور ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم و فضلہ میں ١/ ٣٨٩، ٣٩١ ح: ٥٦٥، ٥٦٦ اور ابن بشکوال نے غوامض الأسماء المبھمۃ ٢/ ٧٣١، اور حافظ نے فتح الباری (١/ ١٧٤) میں ابو یعلی کے واسطہ سے اس کی سند بیان کی ہے اور تغلیق التعلیق ٥/ ٣٥٥ میں اور فتح الباری میں کہا: الاسناد حسن اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے موافقت کی۔

اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب ہے اور یہ متکلم فیہ ہیں۔

اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے جیسے الطبرانی نے مسند الشامیین میں جابر کے واسطہ سے نقل کیا ہے ١/ ١٠٤، ح: ١٥٦ اور تمام فی الفوائد ١/ ٣٦٤، ح ٩٢٨ بتحقیق حمدی السلفی۔

حافظ کا کہنا ہے: اسنادہ صالح (فتح الباری ١/ ١٧٤)

تیسری سند خطیب بغدادی نے الرحلۃ میں ص ١١٥ پر ذکر کی ہے حدیث ٣٣ اور حافظ نے کہا: اس کی سند میں ضعف ہے (١/ ١٧٤)۔

البانی نے کہا: تینوں طرق ملائیں تو مجموعی طور پر حدیث صحیح بن جاتی ہے (السنۃ ١/ ٢٢٦)۔

[1] ابو عبداللہ المصری ثقہ اور طبقہ رابعہ سے ہیں، ت: ١٢٧ھ (التقریب)۔

[2] مسلمۃ بن مخلد، لام مشدد کے ساتھ انصاری الزرقی، چھوٹی عمر کے صحابی ہیں مصر میں رہے اور ایک دفعہ اس کے حاکم بھی بنے وفات: ٦٢ھ (التقریب)۔

[3] الجہنی: مشہور صحابی ہیں معاویہؓ کے دور میں مصر کے حاکم رہے تین سال تک، بڑے فقیہ اور فاضل تھے اور ساٹھ کے قریب وفات پائی (التقریب)۔

[4] حدیث کی عبارت اس قدر ہی ہے، یہ الفاظ سیوطی سے نقل کر کے مصنف نے ذکر کیے ہیں (تدریب الراوی ٢/ ١٤٣) ←

ابو العالیہ [1] کہتے ہیں، ہم لوگ بصرہ میں جن حدیثوں کو سنتے، پھر مدینہ کی طرف انہیں کی تحقیق کے لیے سفر کرتے کہ صحابہ کی زبان سے بلا واسطہ سنیں۔ [2]

ابراہیم بن ادہم جو بہت بڑے بزرگ اور مانے ہوئے صوفی ہیں [3]، فرماتے ہیں:

"ان اللہ یرفع البلاء عن ھذہ الامۃ برحلۃ اصحاب الحدیث". [4]

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت سے بلاؤں کو اصحاب حدیث کی رحلت کی برکتوں سے اٹھالیتا ہے۔

یحییٰ بن معین بڑے پایہ کے محدث ہیں، فرماتے ہیں:

"اربعۃ لا تأنس منھم رُشدًا، وذکر منھم رجلًا یکتب فی بلدہ ولا یرحلُ فی طلبِ الحدیث"۔ [5]

خطیب نے اسے الاسماء المبھمۃ میں ص ۶۳، ح ۳۷ کے تحت خالد بن زید ابو ایوب الانصاری کے ترجمہ کے تحت ذکر کیا ہے۔
اور اس حدیث میں جو صحابی مراد لیے گئے ہیں وہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی ہیں، ان کا نام بعض روایات حدیث میں صریحًا ذکر ہوا ہے اور بعض جگہوں پر بغیر تصریح کے ہی ذکر ہو چکا ہے، لہٰذا دیکھیے: مسند الحمیدی ۱/۱۸۹، ح ۳۸۴، العلم لابن ابی خیثمۃ ص ۱۱۷ ح ۳۳، مسند احمد ۴/۶۲، ۱۵۳، ۱۵۹، اور ۵/۳۷۵، معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۸۰۷، الرحلۃ فی طلب الحدیث ص ۱۱۸۔۱۲۲، ح ۳۴، ۳۸ جامع بیان العلم و فضلہ ۱/۳۹۲، ح:۵۶۷، الاسماء المبھمۃ ص ۶۴، بغیۃ الباحث فی زوائد مسند الحارث ۱/۱۹۰، ح:۳۶۔
البتہ حدیث کے الفاظ "جس نے کسی مسلمان کو ننگا پایا تو اس کے ستر کو ڈھانپ دیا...... الخ" کو امام بخاری نے الادب المفرد میں اور ابوداؤد وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ ان الفاظ سے ضعیف بھی ہے۔ دیکھیے: سلسلہ الاحادیث الضعیفۃ ۳/۴۲۳، ح:۱۲۶۵۔
حمیدی وغیرہ کے ہاں اس کے الفاظ یہ ہیں "جس نے دنیا میں کسی مسلم کی رسوائی میں اس کی پردہ پوشی کر دی تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا" اس حدیث کے شواہد بھی ہیں، دیکھیے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۵/۴۴۸، ح۲۳۴۱ اور صحیح الجامع الصغیر ح:۶۲۶۳۔

[1] ابو العالیہ، وہ رفیع بن مہران الریاحی ہیں ایک مشہور آدمی ہیں: کبار التابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن حجر نے لکھا: ثقہ ہیں لیکن مراسیل زیادہ بیان کرتے ہیں: وفات: ۹۰ھ یا ۹۳ھ یا اس کے بعد (التقریب ۱/۲۵۲)۔
ذہبی نے کہا: جوانی میں ہی زمانہ نبوت پالیا لیکن خلافت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ میں اسلام قبول کیا اور ان کے پاس آئے (سیر اعلام النبلاء ۴/۲۰۷)۔

[2] سنن الدارمی ۱/۱۴۰، الرحلۃ فی طلب الحدیث ص ۹۳۔

[3] توفی ۱۶۲ھ تعارف سیر اعلام النبلاء میں موجود ہے ۷/۳۸۷۔

[4] الرحلۃ فی طلب الحدیث ص ۹۰، علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲۲۳، التقیید ص ۲۵۱، تدریب الراوی ۲/۱۴۳۔

[5] اسے حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث ص ۹ میں ابن معین کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ اور خطیب نے الرحلۃ فی طلب الحدیث ص ۸۹ میں اور ابن الصلاح نے علوم الحدیث ص ۲۲۳ میں اور سیوطی نے تدریب الراوی ۲/۱۴۲ میں ذکر کیا ہے۔

یعنی چار شخصوں کو کبھی راہ یابی نہیں ہو سکتی، ایک اُن میں سے وہ ہے جو اپنے ہی شہر میں حدیثیں لکھا کرے اور سفر نہ کرے۔

ان سے قطع نظر کر کے دیکھو تو قرآن پاک خود اس مبارک سفر کے لیے تاکید مزید فرما رہا ہے:

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ﴾ [1]

"یعنی کیوں نہیں سفر کیا ہر جماعت سے چند لوگوں نے تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب اُن کے پاس پلٹ کر آئیں۔"

محدثین نے رحلت کے لیے یہ شرط لگائی ہے:

"واذا عزم علی الرحلة فلا یترك فی بلده من الرواة الا و یکتب عنهم ما تیسر من الاحادیث وان قلت". [2]

جب رحلت کا قصد ہو تو اپنے وطن کے رواۃ سے جس قدر حدیثیں مل سکیں، ان کو حاصل کر لو، گو قلیل ہوں۔

امام صاحب کو جب اس سفر کی نوبت آئی تو وہ ایسا وقت ہے کہ فتوحات کی کثرت اور اسلامی مقبوضات کی وسعت سے اصحاب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین دور دراز ممالک میں پھیل چکے ہیں۔ حاملین حدیث دور دور کے بلاد و امصار میں اپنا فیض جاری کر رہے ہیں۔ حرمین کو اس وجہ سے کہ علوم اسلامیہ کے اصلی مرکز و مہبط وحی ہیں، البتہ ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ تاہم صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت دوسرے ملکوں میں سکونت پذیر ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے ایسے شخص کو جس نے علوم اسلامیہ کے شوق میں آنکھیں کھولی ہوں، اسی کی دھن میں نشو و نما پائی ہو، ایک طول طویل، لامحدود سفر کے لیے تیار ہونا لازم تھا۔

اس کام کے لیے ایسا ہی مضبوط حوصلہ، ایسی ہی عالی ہمتی، وسعت دماغی اور کشادہ دلی کی ضرورت تھی جیسی خداوند عالم نے فطرتاً امام بخاری میں ودیعت کر رکھی تھی۔ سفر کے مصائب سے تنگ دل نہ ہونا، فاقوں پر فاقے کھینچنے پر بھی حوصلہ کا پست نہ ہونا، سواری نہ ہونے کی حالت میں پاؤں میں چیتھڑے باندھ کر پا پیادہ سفر کرتے رہنا، سخت سے سخت مشکلات میں پیشانی پر بل نہ آنے دینا، ساگ پتوں پر گزارہ کی نوبت پر بھی دل کا ولولہ اور جوش کم نہ ہونا، دل میں جو آتش شوق بھڑکی ہوئی ہے ہزاروں مشکلات جھیلنے پر بھی نہ بجھنا، صعوبات سفر کو راحت سمجھنا، اسی کام کے لیے اپنی دولت اور اپنی زندگی کو نذر کر دینا، کسی معمولی دل و دماغ، قلیل حوصلہ اور کم ہمت والے آدمی کا کام نہ تھا۔ یہی وہ اوصاف ہیں

---

[1] سورۃ التوبہ: ۱۲۲۔

[2] یہ قول خطیب نے الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع ۲/۲۲۴ میں ذکر کیا ہے اور اسی نسبت سے عراقی نے فتح المغیث ۳/۸۶ میں اور تدریب الراوی ۲/۱۴۲ میں بھی ذکر کیا گیا۔

جنہوں نے امام بخاری کو اگلے آئمہ کے جو امام بخاری سے زمانہ میں کہیں مقدم تھے، ہم طبقہ بنا دیا اور نحن الآخرون السابقون کے معنی ظاہر کر دیئے۔ ❶

قتیبہ بن سعید ثقفی فرمایا کرتے: ''اگر امام بخاری صحابہ میں ہوتے تو خدا کی بڑی نشانی ہوتے''۔ ❷ لیکن عام خیال یہ ہے کہ اگر امام بخاری تابعین میں بھی ہوتے تو بھی خدا کی بڑی نشانی ہوتے۔ ان کی جانفشانی اور اس کے ساتھ سیلان ذہن، بلند حوصلگی، قوت حافظہ نے ان کو بڑے بڑے آئمہ کا ہم پلہ بنا دیا۔ ❸

امام بخاری کے متعدد اساتذہ ایسے ہیں جو امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ کے ہم طبقہ ہیں مثلاً: ❹

۱. الامام البخاری عن محمد بن عبداللہ الانصاری عن حُمَید عن انس الصحابیؓ.

۲. الامام البخاری عن مکی بن ابراھیم عن یزید بن ابی عبیدعن سلمة بن الاکوع الصحابیؓ.

۳. الامام البخاری عن علی بن عیاش عن حَرِیز بن عثمان عن عبداللہ بن بُسر الصحابیؓ.

۴. الامام البخاری عن ابی نُعَیم عن الاعمش عن الصحابی المخضرم ❺

۵. الامام البخاری عن عُبید اللہ بن موسیٰ عن معروف عن ابی الطفیل عن علیؓ الصحابیؓ.

۶. الامام البخاری عن خلاد بن یحییٰ عن عیسیٰ بن طهمان عن انس الصحابیؓ.

۷. الامام البخاری عن عصام بن خالد عن حَرِیز بن عثمان عن عبداللہ بن بُسر الصحابیؓ.

---

❶ یہ حدیث امام بخاری نے نو مقامات پر اپنی صحیح بخاری میں ذکر کی ہے۔ سب سے پہلے (۱/۳۴۵) کتاب الوضوء باب البول فی الماء الدائم حدیث ۲۳۸ میں بیان کی ہے اور ذکر یوم الجمعة باب میں ایک مشہور حدیث کا یہ ٹکڑا ہے، اسے مسلم (۲/۵۸۵) میں بھی ذکر کیا گیا ہے کتاب الجمعة باب ھدایة ھذہ الامة لیوم الجمعة حدیث ۸۵۵۔ حافظ کہتے ہیں ''کہ زمانے کے اعتبار سے آخر اور درجات کے اعتبار سے پہلے نمبر پر'' (فتح الباری ۲/۳۵۴)۔

❷ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۱، التعلیق ۵/۴۰۲، مقدمة الفتح ص ۴۸۲۔

❸ امام اسحاق بن راھویہ نے اس کی صراحت کی ہے اور کہا: اس نوجوان سے ضرور لکھو (ان کی مراد امام بخاری ہیں) اگر امام بخاری، حسن رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوتے تو لوگ حدیث کی معرفت اور اس کی تفقہ کے لیے ان کے محتاج ضرور ہوتے۔ تاریخ بغداد ۲/۲۷. سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۱، مقدمة الفتح ۴۸۳ میں بھی ایسے ہی ہے۔

❹ مثلاً امام ابوحنیفہ کا جو سلسلہ روایت، سلسلة الذھب اور بہت ہی اعلیٰ سمجھا جاتا ہے، وہ یہ ہے۔ امام ابوحنیفہ (۱) حماد بن ابی سلیمان (۲) ابراہیم (۳) علقمہ (۴) عبداللہ بن مسعود الصحابیؓ۔ (دیکھیے رسالہ مناقب الشافعی از امام رازی ص ۴۷) (مؤلف)۔ رازی کے الفاظ یہ ہیں: ''امام ابوحنیفہ باوجود یکہ زمانی طور پر متقدم ہیں لیکن پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ان کا سلسلہ چار واسطوں سے پہنچتا ہے'' یہ بات رازی نے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان بطور مقارنة الاسناد ذکر کر دی ہے۔

❺ یہ زید بن وھب الجھنی ہیں۔ نبی ﷺ کی زندگی میں ہی اسلام لے آئے تھے اور ہجرت بھی کی لیکن اُن کے نبی ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی نبی ﷺ وفات پا گئے تھے۔ (التھذیب ۳/۴۲۷)

اسی طرح کے چند سلسلوں کو لکھ کر محدثین لکھتے ہیں: ''کانّ البخاری سمع شعبة و من کان فی طبقته''. یعنی گویا امام بخاری نے شعبہ اور ان کے ہم طبقہ سے حدیث لی جو امام مالک و امام ابوحنیفہ کے اساتذہ تھے۔ [1]

مکی بن ابراہیم: [2]

یزید بن ابوعبید اور جعفر صادق کے شاگرد ہیں۔ سترہ تابعیوں سے روایت اخذ کرتے ہیں۔ ساٹھ حج کیے۔ حافظ الحدیث الثقة ان کا مشہور وصف ہے۔ امام بخاری اور ابن معین کے شیخ ہیں۔ ۲۱۵ ہجری میں وفات پائی۔ [3]

علی بن عیاش:

ان کی نسبت محدثین کا احد الاثبات [4] مشہور مقولہ ہے۔ ۲۱۹ ہجری میں وفات پائی۔ لیث و حریز بن عثمان کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری و امام احمد و ابن معین کے شیخ ہیں۔ [5]

ابونعیم فضل بن دکین:

الحافظ العلم، ثقه یقظان، عارف بالحدیث ان کے مشہور اوصاف ہیں۔ اعمش کے شاگرد ہیں۔ ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔ [6]

---

[1] حافظ ابن حجر نے امام بخاری کے اساتذہ کرام کے پانچ طبقے بتائے ہیں۔ ان میں سے طبقہ اولیٰ کے لوگ یہ ہیں: جنہوں نے تابعین سے روایت کیا مثلاً: مکی بن ابراہیم اور محمد بن عبداللہ انصاری، عبیداللہ بن موسیٰ، ابو عاصم النبیل، ابونعیم الملائی، ابوالمغیرۃ الخولانی، علی بن عیاش اور خلاد بن یحییٰ وغیرہ۔ تغلیق التعلیق ۳۹۲/۵، مقدمة الفتح ۴۷۹۔

[2] مصنف رحمہ اللہ نے محمد بن عبداللہ انصاری کا ترجمہ ذکر نہیں کیا۔ وہ محمد بن عبداللہ بن مثنی بن عبداللہ بن انس بن مالک انصاری البصری القاضی ثقہ ہیں وفات: ۲۱۵ھ (التقریب ص ۷۶۵)۔
ذہبی نے کہا: امام بخاری کے اساتذہ میں ان سے بڑھ کر روایت میں اعلیٰ اور بڑا کوئی نہیں بلکہ ان جیسے امام بخاری کے نزدیک بعض یہ ہیں: عبیداللہ بن موسیٰ، ابو عاصم اور مکی بن ابراہیم رحمہم اللہ (سیر اعلام النبلاء ۵۳۷/۹)۔

[3] ''الامام الحافظ الصادق مسند خراسان'' ابو السکن التمیمی حنظلی البلخی، اسے احمد اور العجلی نے ثقہ کہا اور دارقطنی نے کہا: ثقه مامون، امام نسائی نے کہا: لیس به باس، ابن حجر نے کہا: ثقه ثبت وفات: ۲۱۵ھ/ع۔
معرفة الثقات ۲۹۶/۲، تهذیب الکمال ۴۷۶/۲۸، سیر اعلام النبلاء ۵۴۹/۹، التهذیب ۲۹۳/۱۰، التقریب ۲۷۳/۲۔

[4] الخلاصة للخزرجی ص ۲۷۶۔

[5] الالهانی الحمصی، قال الدارقطنی: ثقة حجة، عجلی اور نسائی وغیرہ نے انہیں ثقہ قرار دیا، ابن حجر نے کہا: ثقه ثبت۔ اصل نسخہ میں ان کی تاریخ وفات ۲۰۵ درج ہے اور شاید یہ پرنٹنگ کی غلطی ہے۔
تقریب وغیرہ میں بھی یہی ہے، لیکن قول یہ ہے کہ تاریخ وفات ۲۱۸ھ ہے تهذیب الکمال ۸۱/۲۱، سیر اعلام النبلاء ۳۳۸/۱۰، التقریب ۴۲/۲، التهذیب ۳۶۸/۷۔

[6] الخلاصة ص ۳۰۹ اور دیکھیے: تهذیب الکمال ۱۹۷/۲۳، سیر اعلام النبلاء ۱۴۲/۱۰، تذکرة الحفاظ ۳۷۲/۱، ←

عبید اللہ بن موسیٰ:

۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ حافظ الحدیث صاحب المسند کہے جاتے ہیں۔ ابن جریج اور ہشام بن عروہ کے شاگرد ہیں۔ [1]

عِصَام بن خالد الحمصی:

۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ حریز بن عثمان کے شاگرد ہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں: ثقۃ۔ [2]

خَلَّاد بن یحییٰ السلمی:

مِسْعَر اور مالك بن مِغْوَل کے شاگرد ہیں۔ ۲۱۷ھ میں وفات پائی۔ آئمہ حدیث (امام احمد، ابوداؤد) فرماتے ہیں: ثقۃ۔ [3]

امام بخاری اپنی عمر کے سولھویں سال تک اپنے ہی ملک کے اساتذہ سے تحصیلِ علم کرتے رہے۔ وطن سے فارغ ہو کر پہلے آپ نے ملک حجاز کا قصد کیا جو علوم اسلامیہ کا ماویٰ اور رسول اللہ ﷺ کا مسکن تھا جہاں وحی اتری، جبرئیلؑ آئے، اصحاب رسول اللہ ﷺ کا وطن اور اسلام کا مرکز تھا۔

امام بخاری کے کاتب ابن ابی حاتم وراق بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب میری عمر سولہ برس کی تھی تو میں نے عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی تصنیفات کو ازبر کرلیا اور اہل الرائے کے کلام کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ [4] پھر

← التھذیب ۸/۲۷۰۔

[1] الخلاصۃ ص ۲۵۳ اور دیکھیے: تھذیب الکمال ۱۹/۱۶۴، سیر اعلام النبلاء ۹/۵۵۳ التقریب ۱/۵۴۰، التھذیب ۷/۵۰۔

[2] الخلاصہ ص: ۲٦٦ اور اس میں ہے کہ نسائی نے کہا: "لیس به بأس" اور ابن حبان نے اس کا تذکرہ "ثقات" میں کیا ہے اور ابن حجر کہتے ہیں: صدوق، وفات ۲۱۴ھ صحیح قول کے مطابق/ خ، ثقات ابن حبان ۷/۳۰۱، تھذیب الکمال ۲۰/۵۷، التقریب ۲/۲۱، التھذیب ۷/۱۹۴۔

[3] الخلاصۃ ص ۱۰۷ اور الفاظ یہ ہیں، ابوداؤد کہتے ہیں: "لیس به بأس ووثقه احمد بن حنبل" اسے العجلی اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: لیس بذاك المعروف، محله الصدق، ابن حجر نے کہا: صدوق رُمی بالارجاء وهو من کبار شیوخ البخاری، وفات ۲۱۳ھ، یہ بھی قول ہے کہ: ۲۱۷ھ خ د ت۔ تھذیب الکمال ۸/۳۵۹، سیر اعلام النبلاء ۱۰/۱۶۴، التقریب ۱/۲۳۰، التھذیب ۳/۱۷۳۔

[4] مقدمۃ الفتح ۴۷۸ اور دیکھیے: تاریخ بغداد ۲/۷، تھذیب الکمال ۲۴/۴۳۹، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۳، تغلیق التعلیق ۵/۳۸٦۔ اہل الرائے کا اثر عراق وعجم میں سرایت کر گیا تھا۔ اس لیے ابتدائی تعلیم میں اہل الرائے کے اقوال ان کے طرز اجتہاد کا سیکھنا لازم تھا۔ امام بخاری نے ابتدا ہی میں اس کی طرف توجہ کی اور ان کے طرز استدلال وتخریج سے واقف ہو گئے۔ وہ فرماتے ہیں، و فهمت کلام هؤلاء۔ لیکن ان کی بلند ہمت کچھ اور ہی دولت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ عبداللہ بن مبارک کی تصنیفات اور محدثین کی صحبت نے ان کی نظر ←

میں نے اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ حج کے لیے حجاز کا سفر کیا۔ ❶

وراق کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی رحلت امام صاحب کی ۲۱۰ھ میں ہوئی ❷ اور ابتدائے سماعت ۲۰۴ھ یا ۲۰۵ھ ہے۔ اس قلیل زمانہ میں امام صاحب نے اپنے ہی وطن میں وہ فضل و کمال حاصل کیا جو بڑے تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اہل کمال کے نزدیک پایہ وثوق و اعتماد رکھتا تھا جو بڑے بڑے اماموں کو تازیست نصیب نہ ہوا۔ سولہویں برس ۲۱۰ھ میں اپنی والدہ کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی احمد بھی ساتھ تھے۔ آپ کی والدہ اور بھائی نے حج سے فراغت کر کے وطن کا قصد کیا لیکن امام صاحب نے مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی اور احادیث رسول اللہ ﷺ و دیگر علوم اسلامیہ کے شوق میں والدہ و بھائی کی مفارقت کی اصلاً پرواہ نہ کی۔ تکمیل کے لیے مکہ کے شیوخ کی درس گاہوں میں حاضری شروع کی۔

اس وقت مکہ میں جن کی درس گاہیں ممتاز تھیں اور جو لوگ مرجع خلائق اور امام فن سمجھے جاتے تھے، ان میں امام ابوالولید احمد بن الازرقی، ❸ عبداللہ بن یزید، ❹ اسماعیل بن سالم الصائغ، ❺ ابوبکر عبداللہ بن الزبیر علامہ حمیدی خاص امتیاز رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے شیوخ جن کا قیام مکہ میں تھا اور جن سے امام بخاری نے استفادہ کیا، ان کی

← میں اسے بہت حقیر دکھایا ہے۔ اہل تحقیق کجا مائل رایند و قیاس، شہسواراں نہ چنین صید محقر گیرند۔ آخر ان کی بلند ہمت طبیعت نے کلام اہل الرائے سے اس طرح کنارہ کشی کی کہ اسے صریح الفاظ میں بھی بولنا ناپسند کرتے اور فرماتے و فهمت کلام هؤلاء. اس نفرت کی خاص وجہ یہ تھی کہ امام صاحب کے خیال میں جیسا کہ واقع میں بھی یہی ہے کہ اہل الرائے کے قیاسی انہماک نے اشاعت احادیث میں بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ (مؤلف)

❶ تاریخ بغداد ۲/۷، تاریخ دمشق ۱۵/۴۱/أ، تقیید المهمل ۱/۴/ب، تهذیب الکمال ۲۴/۴۳۹، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۳، طبقات السبکی ۲/۲۱۶، تحفة الاخباری ص ۱۸۱، التعلیق ۵/۳۸۶، مقدمة الفتح ۴۷۸۔

❷ مقدمة الفتح ص ۴۷۸، ذہبی نے کہا: انہوں نے اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ دوسو دس ہجری میں سفر کیا۔ اس وقت تک وہ اپنے شہر کی تمام مرویات سن چکے تھے (تذکرة الحفاظ ۲/۵۵۵) اس طرح سبکی نے بھی کہا: (الطبقات ۲/۲۱۳) اور اسحاق بن احمد بن خلف کہتے ہیں: محمد بن اسماعیل عراق میں دوسو دس ہجری کے آخر میں داخل ہوئے (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۳) ایسا ہی تغلیق التعلیق ۵/۳۸۷ میں ہے۔

❸ احمد بن محمد بن الولید بن عقبہ بن الازرق الغسانی الازرقی المکی۔ یہ ابوالولید محمد بن عبداللہ الازرقی کے دادا ہیں جو تاریخ مکہ نامی مشہور کتاب کے مصنف ہیں۔ انہیں ابن سعد، ابو حاتم اور ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا، ان کی وفات ۲۱۷ھ یا ۲۲۲ھ ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں: ہم نے اسے ۲۱۲ھ میں چھوڑ دیا التاریخ الکبیر ۲/۳، تهذیب الکمال ۱/۴۸۰، التقریب ص ۹۹، التهذیب ۱/۷۹۔

❹ ابوعبدالرحمن المقرئ المکی، یہ اصلاً بصرة یا اھواز کے رہنے والے تھے، ثقہ تھے، فاضل تھے ۲۱۴ھ میں فوت ہوئے اور وہ شیوخ البخاری میں سب سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ (التقریب)۔

❺ ان سے بخاری نے روایت تو کیا لیکن جامع میں نہیں، بغدادی ہیں، مکہ آئے، ثقہ تھے، طبقہ کے اعتبار سے دسویں درجہ پر تھے ص: ۱۳۹، التهذیب ۱/۳۰۳۔

تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں رکھتی۔

مکہ کے بعد مدینہ کا رخ کیا جہاں اطراف عالم سے لوگ سفر کر کے آتے اور علوم نبویہ سیکھ کر جاتے اور جس کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا: "یوشك ان یضرب الناسُ اکباد الابل...... الخ"۔ [1]

عمر عزیز کے اٹھارہویں برس ۲۱۲ھ میں مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں اس وقت جو لوگ درس دیتے تھے، ان میں ابراہیم بن المنذر، [2] مطرف بن عبداللہ، [3] ابراہیم بن حمزہ، [4] ابو ثابت محمد بن عبید اللہ، [5] عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی [6] اور ان کے اقران خاص کر قابل ذکر ہیں۔ مدینہ کے بقیہ شیوخ کی تفصیل کے لیے وسیع میدان چاہیے۔ یہ اس کا فرض ہے جو امام بخاری کے شیوخ کے لیے مستقل کتاب لکھے۔

اسی سفر میں انھوں نے مدینہ میں اپنی تاریخ کبیر کا مسودہ چاندنی راتوں میں لکھا۔ [7] بالاتفاق مؤرخین نے ملک حجاز (جس میں مکہ، طائف، جدہ، مدینہ شامل ہیں) میں ان کی مدت اقامت چھ برس بتائی ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ مدت اقامت علی الاتصال (یعنی ایک سفر میں) نہیں ہے۔ [1]

---

[1] اسے حمیدی نے ذکر کیا: ۱/۴۸۵، ح: ۱۱۴۷، احمد ۲/۲۹۹، ترمذی ۵/۴۷، العلم، باب ماجاء فی عالم المدینة ح: ۲۶۸۰، ابن حبان ۶/۲۰، ح: ۳۷۲۸، شیخ ابن حیان کے والد نے احادیث ابو الزبیر کے جزء میں جو کہ جابر کے علاوہ ہیں ص: ۱۳۵، ح: ۸۰، حاکم ۱/۹۰، ابن عبدالبر نے تمہید میں ۱/۸۵ اور ان کے علاوہ ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرنے والے بھی۔ ترمذی کے ہاں اس کے الفاظ یہ ہیں "وقت آئے گا کہ لوگ طلب علم کے لیے دور دراز کے سفر کریں گے لیکن مدینہ منورہ کے عالم سے بڑا عالم انہیں نہ مل سکے گا" اور کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اسے حاکم نے بھی صحیح کہا اور ذہبی نے بھی موافقت کی۔ احمد شاکر کا کہنا ہے: اس کی اسناد صحیح ہیں (۱۵/۱۳۵)، البتہ یہ ابن جریج عن ابی الزبیر کے واسطے سے ہے جبکہ یہ دونوں ہی مدلس ہیں اور روایت کو عن سے بیان کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اسے البانی نے (مشکوٰۃ ۱/۸۲، ح: ۲۴۶) میں ضعیف کہا ہے۔

[2] الاسدی الحزامی، صدوق، ان کے متعلق امام احمد کا کلام ہے مسئلہ قرآن کی وجہ سے، وفات ۲۳۶ھ/ خ ت س ق، العقریب ۱۱۶، تهذیب الکمال ۱/۲۰۷

[3] ابو مصعب المدنی، الیساری، امام مالک کے بھانجے ہیں، ثقہ ہیں۔ ابن عدی کا تبصرہ انہیں ضعیف قرار دینے میں درست نہیں ہے۔ وفات: ۲۲۰ھ صحیح قول کے مطابق، تهذیب الکمال ۲۸/۷۰، التقریب ۹۴۸۔

[4] الزبیری، المدنی، صدوق ہیں، وفات ۲۳۰ھ، (العقریب ۱۰۷)۔

[5] مولی آل عثمان، ثقہ ہیں، طبقۂ عاشرہ سے نسبت ہے، امام بخاری نے ان سے تیرہ احادیث روایت کی ہیں، التهذیب ۹/۳۲۴، التقریب ۸۷۴۔

[6] ثقہ ہیں اور طبقہ عاشرہ کے کبار محدثین میں سے ہیں (التقریب: ۶۱۳)۔

[7] تاریخ بغداد ۲/۷، تقیید المهمل ۱/۳/ب، اسامی شیوخ البخاری ص۴، تهذیب الکمال ۲۴/۴۴۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۰، طبقات الشافعیة للسبکی ۲/۲۱۶، تحفة الاخباری ص: ۱۸۱، تغلیق التعلیق ۵/۳۸۶، مقدمة الفتح ۴۷۸۔

[1] امام بخاری نے خود ہی اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۷ میں ہے، اور اس سے امام بخاری کا قول ہے: حج ←

بصرہ کا قصد کیا جو وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے بہت ترقی پر تھا۔[1]

بصرہ پہنچ کر امام ابو عاصم النبیل،[2] صفوان بن عیسیٰ،[3] بدل بن مُحَبَّر،[4] حَرَمی ابن عمارہ،[5] عفان بن مسلم،[6] محمد بن عرعرہ،[7] سلیمان بن حرب، ....

← کرنے کے بعد میں مدینہ میں ایک سال تک لوگوں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہا، اس دوران حدیث لکھنے کا شغل اپنائے رکھا۔ اسی طرح انھوں نے کہا: میں بصرہ میں پانچ سال تک رہا، اس دوران میرے ساتھ میری کتابیں بھی تھیں اور میں ہر سال حج کو جاتا اور واپس آ کر تصنیف کے کام میں مشغول ہو جاتا'' اور دیکھیے: تغلیق التعلیق ۳۸۸/۵۔

[1] اگر چہ ہم عصر شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان میں علوم اسلامیہ کے اعتبار سے بصرہ اور کوفہ کو حرمین کا ہمسر بتایا ہے لیکن یہ بات کبھی ممکن نہیں۔ نہ واقعات اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ کوفہ کے خیال نے ہم عصر مذکور کو کچھ ایسا گرویدہ بنالیا کہ ان کو اپنے منصب (منصب مؤرخ) کا بھی خیال نہ رہا اور کسی فاضل کا یہ مقولہ نہایت صحیح ثابت ہوا ہے۔ فی المثل ار کوفہ دلش بردہ است۔ از دیگراں چیست کہ آزردہ است۔ اس کی مزید تفصیل حصہ ثانیہ میں آتی ہے۔

[2] ضحاک بن مخلد الشیبانی، البصری ثقہ ہیں، وفات ۲۱۲ھ یا اس کے بعد (التقریب)۔

[3] الزهری، البصری، القسام ثقہ ہیں، وفات ۲۰۰ھ، یہ بھی قول ہے کہ اس سے کچھ قبل اور یہ بھی قول ہے کہ اس سے بعد فوت ہوئے (التقریب) اس لحاظ سے تو امام بخاری کا ان سے سماع بعید از قیاس بات ہے کیونکہ امام بخاری نے اپنا سفر ۲۱۰ھ میں شروع کیا تھا لیکن نووی نے اس حساب سے انہیں بخاری کے اساتذہ میں شامل کر رکھا ہے۔ (تهذيب الاسماء واللغات ۶۷/۱/۱)۔ مصنف نے انہی کی پیروی کی ہے جبکہ تهذیب الکمال ۲۰۸/۱۳ اور ابن حجر نے تهذیب ۴۲۹/۴ میں انہیں امام بخاری کے مشائخ میں شامل نہیں کیا۔

[4] التمیمی، البصری، اصلاً یہ واسط شہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ثقہ وثبت ہیں البتہ زائدہ سے روایت کرنے میں ان کی احادیث پر کلام ہے۔ (التقریب)

[5] العتکی، البصری، صدوق ہیں کبھی وہم میں مبتلا ہوتے ہیں، وفات: ۲۰۱ھ (التقریب) امام نووی رحمہ اللہ نے انہیں بصرہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کے اساتذہ میں شمار کیا ہے (تهذيب الاسماء واللغات ۶۷/۱/۱) اس میں بہت دوری ہے کیونکہ ان کی وفات ۲۰۱ھ میں ہے جب کہ امام بخاری نے اپنا تعلیمی سفر بھی ۲۰۱ھ میں ہی شروع کیا تھا، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان سے بخاری کا سماع واسطہ کے ساتھ ہے۔ اسی لیے امام مزی نے حرمی سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری کا تذکرہ نہیں کیا ہے (تهذيب الكمال ۵۵۷/۵) واللہ اعلم۔

ممکن ہے صحیح ''حرمی بن حفص'' ہے۔ اسے ابن عدی نے (ص: ۱۰۲) میں اور ابن مندہ نے ص: ۴۵ میں شیوخ البخاری میں ذکر کیا ہے اور وہ ثقہ ہیں، وفات: ۲۲۳ھ یا ۲۲۶ھ (التقریب)۔

[6] الباهلی، ابو عثمان الصفار البصری، ثقہ ثبت ہیں، ابن المدینی نے کہا: انہیں اگر حدیث کے کسی ایک حرف میں بھی شک ہو جاتا تو اسے ترک کر دیتے تھے، کبھی وہم میں مبتلا ہو جاتے، ابن معین نے کہا: ہم نے انہیں صفر میں منکر قرار دیا، اس کے کچھ ہی دیر بعد وفات پا گئے/ ع (التقریب)۔

[7] ثقة من صغار التاسعة، وفات ۲۱۳ھ/ خ م د (التقریب)۔

ابوالولید الطیالسی،[1] امام عارم،[2] محمد بن سنان[3] اوران کے معاصرین سے استفادہ کرتے رہے۔

بصرہ کا سفر امام صاحب نے چار بار کیا ہے۔ امام صاحب کا مقولہ ہے۔ **دخلت...... الی البصرة اربع مرات.**[4]

بصرہ کے بعد کوفہ کا سفر ہے۔ کوفہ کا سفر بھی آپ نے متعدد مرتبہ کیا ہے۔ اسی طرح بغداد کی رحلت بھی۔ وراق نے امام بخاری کا مقولہ بغداد اور کوفہ کے سفر کے بارے میں یوں نقل کیا ہے: ''**ولا احصی کم دخلت الی الکوفة و البغداد مع المحدثین**''.[5] کوفہ کے چند مشاہیر شیوخ کے نام امام نووی نے **تهذيب الاسماء و اللغات** میں یہ گنوائے ہیں۔[6] عبیداللہ بن موسیٰ،[7] ابونعیم، احمد بن یعقوب،[8] اسماعیل بن ابان،[9] الحسن بن ربیع،[10] خالد بن مخلد،[11] سعید بن حفص،[12]

---

[1] ہشام بن عبدالملک الباھلی، مولاھم، البصری، ثقہ ثبت، وفات: ۲۲۷ھ/ع (التقریب)۔

[2] عارم ان کا لقب ہے جب کہ نام محمد بن الفضل ہے ابو النعمان السدوسی کنیت ہے البصری، ثقہ ثبت، آخر عمر میں تغیر واقع ہوگیا تھا، وفات: ۲۲۳ھ یا ۲۲۴ھ (التقریب)۔

[3] ابوبکر الباھلی، ثقہ ثبت، وفات ۲۲۳ھ (التقریب)۔

[4] مقدمة فتح الباری، ص ۴۷۸، تغليق التعليق ۳۸۸/۵ اور السّیر میں ہے ''میں...... اہل بصرہ سے چار مرتبہ ملا ہوں'' (۴۰۷/۱۲)

[5] تغليق التعليق ۴۷۸/۵، مقدمة الفتح ۴۷۸ عن سهل بن السری، کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا......الخ اور السیّر میں غنجار سے اس کی سند کے ساتھ عن عبدالرحمن بن محمد البخاری کہتے ہیں کہ میں نے سنا محمد بن اسماعیل سے، وہ کہتے تھے......الخ اور اس میں ہے اور التغلیق میں ہے ''محدثین خراسان کے ساتھ''۔

[6] تهذيب الاسماء و اللغات ۶۷/۱/۱۔

[7] تهذيب الاسماء و اللغات کے مطبوع کی نقل میں عبداللہ واقع ہوا ہے جبکہ اس کی تصحیح تهذيب الكمال اور سير اعلام النبلاء اوران کے علاوہ دوسری تراجم کی کتب سے کی گئی، ان کا ذکر اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے۔

[8] المسعودی، الکوفی، امام بخاری کے قدیم شیوخ میں ان کا شمار ہوتا ہے، ثقہ ہیں، وفات ۲۱۲ھ میں ہوئی (التقریب) ۱۰۲، التهذيب ۹۱/۱۔

[9] الوراق، الازدی، الکوفی، ثقہ ہیں ان پر تشیع کی وجہ سے کلام ہوا ہے۔ وفات: ۲۱۶ التقريب: ص ۱۳۵، التهذيب ۲۶۹/۱۔

[10] البجلی، البورانی، وفات: ۲۲۰ھ یا ۲۲۱ھ (التقریب)۔

[11] القطوانی صدوق تشیع کی طرف مائل تھا اور اس کے کچھ تفردات ہیں وفات: ۲۱۳ھ اور کہا گیا ہے کہ اس کے بعد۔

[12] النفیلی، الحرانی، صدوق، عمر کے آخر میں کچھ تغیر واقع ہوگیا تھا۔ وفات ۲۳۷ھ/س (التقریب)، انہیں بخاری کے کوفہ سے تعلق رکھنے والے اساتذہ میں امام نووی نے ذکر کیا ہے، البتہ یہ حرانی ہیں اور میں نے تقریب اور تہذیب میں اس نام میں کسی اور کا ترجمہ نہیں دیکھا۔ علامہ مزی نے بھی اسے شیوخ البخاری میں ذکر نہیں کیا اور نہ ہی بخاری کا اس سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا (تهذيب الكمال ۳۹۰/۱۰) واللہ اعلم۔ ممکن ہے صحیح ''سعد بن حفص'' ہو۔ اسے ابن عدی نے اسامی من روی عنهم البخاری ص ۱۱۳ میں ذکر کیا ہے اور ابن مندہ نے اسامی مشایخ البخاری ص ۵۱ میں اس کا ذکر کیا ہے اور وہ ابو محمد الطلحی الکوفی ہیں، ضخم کے عرف سے بھی مشہور ہیں ثقہ ہیں، دسویں طبقہ کے بڑے راویوں میں سے ہیں (التقریب) وفات ۲۱۰ھ (التهذيب ۴۶۹/۳)۔

طلق بن غنام،[1] عمر بن حفص،[2] عروہ،[3] قبیصہ بن عقبہ،[4] ابو غسان،[5] یہ مشاہیر کوفہ ہیں جن پر امام بخاری نے بعد تحقیق وثوق کیا اور جن سے روایتیں لیں۔

بغداد

بغداد خلافت عباسیہ کا دار السلطنت تھا۔ سلطنت کی علمی قدر افزائی نے بغداد کو مرجع علوم بنا دیا تھا[6] اور ہر طرف سے اہل کمال جمع ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے بغداد کا سفر بھی متعدد مرتبہ اختیار کیا۔[7] بغداد کے شیوخ میں امام احمد بن حنبل، محمد بن عیسیٰ الطباع،[8] محمد بن سابق،[9] سُریج بن النعمان[10] وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

علامہ ابو علی غسانی تقیید المهمل میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری سب سے پچھلی بار جو بغداد سے رخصت ہونے لگے (جو امام صاحب کا آٹھواں سفر تھا) اور احمد بن حنبل سے ملنے گئے تو امام موصوف نے دردناک لہجہ میں حسرت سے فرمایا:

---

[1] النخعی الکوفی ثقہ، وفات ۲۱۱ھ (التقریب)۔

[2] النخعی الکوفی، وفات ۲۲۲ھ اسامی من روی عنهم البخاری ص ۱۲۸ ، اسامی مشایخ الامام البخاری ص ۵۹ ،التهذیب ۷/۴۳۵، تهذیب الاسماء واللغات کے مطبوعہ نسخہ میں عمر کی بجائے عمرو لکھا ہے جو کہ غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] تهذیب الاسماء واللغات (۱/۱/۷۲) میں بھی اسی طرح ہے لیکن نہ تو ابن عدی نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی ابن مندہ اور مزی نے کوئی ایسا نام ذکر کیا ہے کہ وہ بخاری کے شیوخ میں "عروہ" نامی کسی کا ذکر کرتے ہوں۔ غالباً صحیح "فروۃ" ہے اور وہ ابن ابی المغراء الکندی الکوفی ہیں، وفات ۲۲۵ھ واللہ اعلم۔ اسامی من روی عنهم البخاری ص (۱۳۶) اسامی مشایخ الامام البخاری ۶۵، التهذیب ۸/۲۶۵۔

[4] السوائی الکوفی وفات ۲۱۵ھ۔

[5] مالک بن اسماعیل النهدی الکوفی وفات ۲۱۷ھ۔

[6] اس کے متعلق تفصیل کسی قدر آگے آتی ہے۔ (مؤلف)

[7] ان کا بغداد کی طرف پہلا سفر سن دوسو دس ہجری میں تھا (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۴)۔

[8] اس نام میں تحریف ہوئی ہے اصل میں طباع تھا اور تحریف ہو کر "الصباغ" بن گیا۔ دیکھیے: اسامی من روی عنهم البخاری ص ۱۴۷، اسامی مشایخ الامام البخاری ص ۶۹، التهذیب ۹/۳۹۳ ، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۴۔

[9] دراصل تهذیب الاسماء واللغات (۱/۱/۷۲) میں "محمد بن سائق" طبع ہو گیا لہٰذا اسی کی نقل میں یہ غلطی دہرائی گئی۔ اب موجودہ تصویب تراجم کی دیگر کتب دیکھ کر کی گئی ہے۔ اسامی من روی عنهم البخاری ص ۱۵۲ ، اسامی مشایخ الامام البخاری ص ۶۸، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۴ وغیرہ جبکہ یہ خود فارسی تھے لیکن کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے، بعد ازاں بغداد آ گئے اور یہیں وفات پائی، وفات ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ ہے۔ تهذیب الکمال ۲۵/۲۳۳ ، التهذیب ۹/۱۷۴۔

[10] الجوهری، البغدادی اصلاً خراسانی ہیں۔ وفات ۲۱۷ھ۔

"تترك العلم والناس و تصير الى خراسان". [1]

آپ علم اور لوگوں کو چھوڑ کر خراسان جا رہے ہیں۔

جب امام بخاری پر ابو طاہر حاکم بخارا [2] نے ایک بہتان لگا کر بخارا سے نکلوانے کی تدبیر کی تو امام بخاری امام احمد بن حنبل کا مقولہ یاد کر کے افسوس کرتے تھے اور فرماتے: "الآن اذکره". اب مجھے امام احمد کا مقولہ یاد آتا ہے۔ علامہ ابو علی غسانی کی روایت سے معلوم ہوا کہ بغداد کا سفر امام صاحب نے آٹھ بار کیا۔

آپ نے شام کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر علامہ محمد بن یوسف فریابی، [3] ابو نصر اسحٰق بن ابراہیم، [4] آدم بن ابی ایاس، ابو الیمان الحکم بن نافع، حیوۃ بن شریح [5] اور وہاں کے معاصرین سے تکمیل کی۔

امام موصوف مصر پہنچے اور عثمان بن صالح، [6] سعید بن ابی مریم، عبد اللہ بن صالح، [7] احمد بن صالح، احمد بن

---

[1] خراسان پر کوفہ کی رائے و قیاس کا اثر بے طرح چھا گیا تھا اور اقوال الرجال سے تخریج فروعات فقہیہ ہی معراج ترقی اور اصلی دین سمجھا جانے لگا۔ اس کے خلاف کرنے والوں سے مزاحمت کی جاتی۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے بمقابلہ بغداد خراسان کو گویا ماوی ناس سے خارج کیا۔ تقیید المهمل۔ [مؤلف]

یہ بات مزید دیکھیں: تقیید المهمل (۱/۷/أ)، تاریخ بغداد ۲۲/۲، طبقات الحنابلة ۲۷۷/۱، سیر اعلام النبلاء ۴۰۳/۱۲، طبقات الشافعية للسبكی ۲۱۷/۲، تغليق التعليق ۳۹۰/۵۔

[2] بخارا کا یہ حاکم جس نے امام بخاری پر الزام لگا کر انہیں یہاں سے نکلوایا وہ خالد بن احمد الذهلی ہے۔ البتہ عبد اللہ بن طاہر اور جس کی کنیت ابو العباس ہے، وہ خراسان کا حاکم تھا اور ماوراء النہر کے علاقے بھی اس کے زیر نگیں تھے اور یہی وہ شخص تھا جس کے پاس اسحاق بن راھویہ "کتاب التاریخ الکبیر" لے کر گئے اور کہا کہ کیا میں تمہیں ایک جادو نہ دکھاؤں؟ جیسا کہ عنقریب خود مصنف بھی اس کا تذکرہ کرنے والے ہیں۔ خالد بن احمد الذهلی اسی حاکم کے تابع تھا۔

[3] اصل نسخہ سے "محمد بن" کا لفظ ساقط تھا۔ اس کی تصویب تهذیب الاسماء واللغات (۷۱/۱/۱) اور سیر اعلام النبلاء ۳۹۵/۱۲ سے کی گئی ہے۔

محمد بن یوسف الفریابی کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ "التقریب و اصوله" میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔ شام کے ساحل قیساریہ میں رہے (التهذیب ۵۳۵/۹)۔

[4] الفرادیسی، الدمشقی، وفات ۲۲۷ھ۔

[5] ابو العباس، الحضرمی، الحمصی، وفات ۲۲۴ھ (تهذیب الکمال ۴۸۳/۷؛ التهذیب ۷۰/۳) یہ حیوۃ بن شریح التجیبی المصری وفات ۱۵۸ھ نہیں ہیں جیسا کہ واضح ہے۔ تہذیب وغیرہ میں دونوں کا ترجمہ موجود ہے۔

[6] "عثمان بن الصائغ" کے نام سے تحریف ہو چکی تھی۔ اب تصویب تهذیب الاسماء واللغات (۷۲/۱/۱) اور دیگر تراجم کی کتب سے رہنمائی لے کر کی گئی ہے۔

یہ عثمان بن صالح بن صفوان السہمی ابو یحیٰی المصری ہیں، وفات ۲۱۹ھ، تهذیب الکمال (۳۹۱/۱۹) و دیگر مصادر میں ان کا ترجمہ ذکر ہو چکا ہے۔

[7] عبد اللہ بن صالح المصری، لیث کے کاتب تھے، وفات ۲۲۲ھ (التقریب) التهذیب میں ان سے بخاری کی روایت کے متعلق حافظ ←

شعیب، ◆ اصبغ بن الفرج، سعید بن عیسیٰ، ◆ سعید بن کثیر بن عُفیر، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر اوران کے اقران سے تکمیل کی۔

جزیرہ کا سفر کیا ◆ اور احمد بن عبدالملک الحرانی، احمد بن یزید الحرانی، عمرو بن الخلف، ◆ اسماعیل بن عبداللہ الرقی ◆ وغیرہ سے استفادہ کیا۔

خراسان کے اقطاع میں مرو، بلخ، ہرات، نیشاپور، رے، جبالِ خراسان یہ سب امام بخاری کی قدیم رحلت گاہیں اور بخارا کے مضافات سمرقند اور تاشقند وغیرہ تو امام بخاری کے وطن ہی ہیں۔

مرو میں علی بن حسین بن شقیق، عبدان، ◆ محمد بن مقاتل اوران کے اقران سے حدیثیں لیں۔

← ابن حجر کا کلام بھی دیکھ لیجئے (۵/۲۶۰۔۲۶۱)۔

◆ تهذيب الاسماء واللغات ۱/۱/۲/۱/۷ امام بخاری کے اساتذہ میں "احمد بن شبیب الحبطی" بھی ہیں لیکن وہ بصری ہیں۔ ہوسکتا ہے یہاں "احمد بن اشکاب" ہو اور وہ درست بھی ہو جیسا کہ سیر اعلام النبلاء میں ہے ۱۲/۳۹۵ جبکہ یہ شخص اصلاً کوفی ہے بعد میں مصر آکر رہنے لگا۔

امام بخاری کہتے ہیں: میں انہیں آخری بار ۲۱۷ھ میں مصر میں ملا (التاريخ الكبير ۲/۴) انہی سالوں میں ان کی وفات ہوئی (التهذيب ۱/۱۶)۔

◆ اصل نسخہ میں "سعید بن ابی عیسی" یعنی لفظ "ابی" کے اضافے سے ہے جبکہ تهذيب الاسماء و اللغات میں اس کی تصویب کی گئی ہے (۱/۱/۲/۷) اسی طرح دیگر تراجم سے بھی۔

اور وہ سعید بن عیسیٰ بن سعید بن تلید الرعینی القتبانی ثقہ ہیں فقیہ، وفات ۲۱۹ھ، تهذيب الكمال ۱۱/۳۹، التقريب ۱/۳۰۳۔

◆ الجزیرہ، دریائے دجلہ اور فرات کے دامن میں واقع بالائی جانب کے علاقوں کو کہا جاتا ہے اور ان دریاؤں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے اس جگہ کا نام جزیرہ پڑا ہے، حران، الرہا، الرقہ اور الموصل وغیرہ اس کے مشہور شہر ہیں، معجم البلدان ۲/۱۳۴، بلدان الخلافة الشرقية ۱۷، ۴۰، ۴۱۔

◆ "عمرو بن خلف" تهذيب الاسماء واللغات (۱/۷۱) میں بھی ایسے ہی ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے بھی وہیں سے اخذ کیا ہے لیکن ابن عدی اور نہ ہی ابن مندہ میں سے کسی نے انہیں شیوخ البخاری میں ذکر کیا ہے بلکہ التقریب میں بھی مجھے اس نام کے ترجمہ میں کوئی ایسا نہیں مل سکا جو امام بخاری کے اساتذہ وشیوخ میں سے ہو، شاید صحیح "عمرو بن خالد" ہو اور وہ حرانی اور جزری ہیں۔ مصر میں قیام پذیر رہے اور وہیں وفات پائی اور وفات ۲۲۹ھ میں مصر میں ہی ہوئی، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے تئیس (۲۳) احادیث روایت کی ہیں واللہ اعلم۔

اسامي من روى عنهم البخاري ص ۱۲۹، اسامي مشايخ البخاري ص ۹۳، تهذيب الكمال ۲۱/۶۰۳، التهذيب ۸/۲۵. بعد ازاں مجھے صحیح نام مل گیا وہ "عمرو بن خالد" ہی ہے۔ طبقات الشافعية للسبكي ۲/۲۱۴۔

◆ یہ اسماعیل بن عبداللہ بن زرارۃ الرقی، ابوالحسن ہیں، وفات ۲۲۹ھ۔ امام صاحب کے ان سے روایت کرنے میں اختلاف ہے۔ اسے امام مزی نے تهذيب الكمال ۲/۱۱۹ میں تمییزاً ذکر کیا ہے۔ دیکھیے تهذيب التهذيب ۱/۳۰۸۔

◆ یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ بن ابی رواد العتکی المروزی ہیں، وفات ۲۲۱ھ، سیر اعلام النبلاء ۱۰/۲۷۰۔

بلخ میں مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن بشر، محمد بن ابان، حسن بن شجاع، [1] یحییٰ بن موسیٰ، قتیبہ اور ان کے معاصرین سے امام بخاری نے کثیر روایات لیں۔

ہرات میں جا کر احمد بن ابی الولید الحنفی [2] سے اور نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ، بشر بن الحکم، اسحٰق بن راہویہ، محمد بن رافع اور ان کے اقران سے استفادہ کیا۔

رے میں ابراہیم بن موسیٰ سے، واسط میں حسان بن حسان، حسان بن عبداللہ، سعید بن عبداللہ [3] اور ان کے اقران سے تحصیل کی۔

اس مختصر سی تفصیل کے بعد حاکم جیسے محدث لکھتے ہیں:

"فقد رحل البخاری الی هذه البلاد المذکورة فی طلب العلم واقام فی کل مدینة علی مشائخها قال: وانما سَمَّیْتُ من کل ناحیة جماعةً من المتقدمین لِیُسْتَدَلَّ به علی عالی اسناده". [4]

"امام بخاری ان تمام شہروں میں طلب علم کے لیے گئے اور وہاں اقامت کی۔ میں نے تو صرف ان کی سند عالی کی دلیل کے طور پر کچھ متقدمین کے نام گنائے ہیں۔"

خطیب بغدادی کے الفاظ یہ ہیں:

"رحل البخاری الی محدثی الامصار و کتب بخراسان و الجبال و مدن العراق کلها و بالحجاز و الشام و مصر و ورد بغداد دفعات". [5]

"امام بخاری نے ان تمام شہروں کے محدثین کی طرف سفر کیا اور خراسان و جبال خراسان، عراق کے تمام ملکوں

---

[1] یہ ابوعلی البلخی ہیں، گیارہویں طبقہ میں سے ہیں، وفات ۲۴۴ھ/ت (التقریب) امام بخاری نے ان سے صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب میں روایت لی ہے۔ تهذیب الکمال ۲۴/۴۴۳، التهذیب ۲/۲۸۲۔

[2] تهذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۶۷ میں بھی اسی طرح ہے اور ایسے ہی "وما تمس الیه حاجة القاری" ص ۴۴ میں ہے۔ البتہ اس نام سے مزی نے اسے شیوخ البخاری میں ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے صحیح نام احمد بن ابی رجاء الحنفی ہو، اگر یہ ہے تو وہ احمد بن عبداللہ بن ایوب الحنفی ابوالولید بن ابورجاء الهروی ہیں (تهذیب الکمال ۱/۳۶۳) ابن مندہ نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری نے ان سے بخارا میں لکھا تھا (اسامی مشایخ الامام البخاری ص ۲۹)۔

[3] تهذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۶۷ میں: "سعید بن عبداللہ بن سلیمان" ہے۔ اس نام سے امام بخاری کے شیوخ میں کسی کا ذکر نہ تو ابن مندہ نے کیا ہے نہ ابن عدی اور ابن عساکر نے۔ شاید "بن عبداللہ" کا یہاں اضافہ ہو جبکہ نام "سعید بن سلیمان" ہو۔ اگر یہی ہے تو ان کا لقب "سعدویہ" الواسطی ہے، نزیل بغداد ہے، وفات ۲۲۵ھ۔ اسامی من روی عنهم البخاری ص ۱۰۹، اسامی مشایخ البخاری ص ۵۰، المعجم المشتمل ص ۱۲۷، التهذیب ۴/۴۳۔

[4] تهذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۶۷، طبقات السبکی ۲/۲۱۴

[5] تاریخ بغداد ۲/۴، تهذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۶۷۔

اور حجاز و شام و مصر میں حدیثیں لکھیں اور بغداد کئی مرتبہ گئے۔"

جعفر بن محمد قطان کہتے ہیں، میں نے امام بخاری کو فرماتے سنا:

"کتبت عن الف شیخ من العلماء و زیادۃ، و لیس عندی حدیث الا أذکر اسنادہ". ◆

ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے میں نے حدیثیں لیں اور بغیر سند کے کوئی حدیث یاد نہیں رکھتا۔

مؤرخین نے اس زیادتی کی مقدار اسّی بتائی ہے ◆ جس میں حسب بیان علامہ کرمانی صحیح بخاری میں ۲۸۹ شیوخ ہیں ◆ اور پہلا طبقہ علمائے تبع تابعین کا ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے

◆ تهذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۶۷ اور دیکھیے: تاریخ بغداد ۲/۱۰ اور اس میں ہے "اکثر" "زیادۃ" کی جگہ پر۔ طبقات الشافعیة للسبکی ۲/۲۲۳۔

◆ محمد بن ابوحاتم نے امام بخاری سے یوں روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے ایک ہزار اسّی افراد سے حدیث لکھی، ان میں محدثین کے سوا کوئی اور شامل نہیں تھا (مقدمة الفتح (۴۷۹) دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۵۔ اس طرح اللالکائی نے امام بخاری سے دوسری سند کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے ۵/۸۸۹ اور انھوں نے اس طرح اس مقام پر ایمان کی بحث درج کی ہے جیسے کہ مصنف عنقریب الباب السابع میں ذکر کر رہے ہیں۔

◆ شرح الکرمانی علی الصحیح ۱/۱۲۔

اس کے علاوہ امام ابو احمد بن عدی جرجانی صاحب کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال " (۲۷۷۔۳۶۵ھ) نے "اسامی من روی عنهم البخاری" کے عنوان سے ایک کتاب بخاری کے ان شیوخ پر لکھی ہے جن سے انھوں نے احادیث روایت کی ہیں اور اس میں ۲۹۵ افراد کا تعارف ہے۔ البتہ انھوں نے اپنی کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ ان کی اس جامع میں اساتذہ کرام جن سے روایت کیا گیا ہے ان کی تعداد دو سو نواسی (۲۸۹) ہے۔ رحمهم الله جمیعًا" (ص ۱۷۸)، اور کتاب کے محقق نے یہ کہتے ہوئے تعلیق چڑھائی ہے کہ:

دوسرے نسخہ میں بھی یہ تعداد ایسے ہی ہے لیکن تعداد اس سے زیادہ ہے، چھ یا سات دوسرے نسخہ کے مقابلہ میں۔ اب یا تو یہ وہم خود مؤلف کی طرف سے ہے یا پھر کچھ زیادات ہیں جو کہ نسخہ میں کاتب کی طرف سے شامل کیے گئے ہیں۔ جب کہ یہ زیادات صرف ایک ہی نسخہ میں ہیں واللہ اعلم ص ۱۷۸۔ اس نسخہ کی تحقیق بدر بن محمد العماش نے کی ہے اور اسے دار البخاری مدینہ منورہ نے ۱۴۱۵ھ میں طبع کیا تھا۔

امام محمد بن اسحاق بن مندہ اصبہانی (۳۱۰۔۳۹۵ھ) نے بھی ایک کتاب بعنوان "اسامی مشایخ الامام بخاری رحمه الله تعالیٰ" لکھی ہے اور اس میں انھوں نے ۳۰۶ افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ محقق نے مخطوطہ کا پہلا صفحہ تصویر کر کے کتاب کے شروع میں لگایا ہے اور اس پر لکھا ہے "امام بخاری نے جن مشائخ سے روایت کی ان کے اسماء مبارکہ" اسے الریاض سے مکتبہ الکوثر نے ۱۴۱۲ھ میں نظر محمد الفاریابی کی تحقیق سے شائع کیا۔

اسی طرح علامہ رضی الدین الحسن بن محمد الصغانی، وفات ۶۵۰ ھ نے بھی ایک کتاب "اسامی شیوخ البخاری" کے نام سے لکھی ہے۔ اسے مخطوطہ سے ہی عکس لے کر بعد ازاں شائع کر دیا گیا اور یہ پیشکش ہے علی بن محمد العمران کی اور اسے دار عالم الفوائد مکہ مکرمہ نے ۱۴۱۹ھ میں طبع کیا۔

ایک کتاب "التعریف بشیوخ البخاری" کے نام سے بھی علامہ غسانی وفات ۴۹۸ھ نے مرتب کی ہے اور یہ کتاب ان کی مستقل ←

انہی شیوخ سے حدیث لی جو ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل تھے اور اعمال کو جز وایمان کہتے تھے جیسا کہ صحابہ سے لے کر علمائے تابعین کا خیال تھا۔ ◆

تاج الدین سکی طبقات کبریٰ میں امام صاحب کی رحلتوں میں جزیرہ جانے کی نفی کرتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری جزیرہ کے شیوخ سے بواسطہ روایت کرتے ہیں لیکن علامہ موصوف کا یہ قول امام نووی اور حافظ ابن حجر کی تحقیق کے خلاف ہے۔ ◆

← تصنیف تقیید المهمل کا ایک جزء ہے اور خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس میں ان شیوخ کا تذکرہ ہے جن سے امام بخاری نے روایت کی اور ان کے انساب زیر طبع نہ آسکے۔ اسی طرح ایک کتاب "شیوخ البخاری" حافظ ابوعلی احمد بن محمد البردانی وفات ۴۹۸ھ کی ہے لیکن آج تک یہ کتاب مجھے مل نہیں سکی اور عنقریب ان تمام کتب کا تذکرہ ہوگا جن میں عمومی طور پر رجال البخاری کا تذکرہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

◆ مقدمة الفتح ص ۴۷۹ اور اس کے لفظ ہیں: ''میں نے صرف ان لوگوں سے ہی روایت لی ہے جو اس عقیدے کے قائل ہیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے'' اور دیکھیے: شرح اصول اعتقاد اهل السنة للالكائی ۸۸۹/۵، تاریخ ابن عساکر ۴۱/۱۵/ ب، تحفة الاخباری ص ۱۸۵، تغلیق التعلیق ۳۸۸/۵ اور اس لفظ کی تصحیح پر عنقریب "مبحث علم الکلام و العقائد" میں ص: ۲۷۸۔۲۷۹ پر مزید گفتگو ہوگی۔

◆ طبقات الشافعیة للسبکی ۲۱۴/۲ اور اسے حافظ مزی سے نقل کیا ہے جو کہ انھوں نے ان کے اپنے دست قلم سے دیکھا تھا اور ان کی کلام کی عبارت یوں ہے: (ترجمہ) ''امام حاکم کی تاریخ نیشاپور میں ہے کہ امام بخاری نے جزیرہ میں احمد بن الولید بن الورتیسی الحرانی وغیرہ وغیرہ سے سنا......''

''یہ بات وہم ہے کیونکہ آپ تو جزیرہ میں داخل ہی نہیں ہوئے اور نہ ہی احمد بن ولید سے سنا ہے البتہ ایک آدمی کے واسطہ سے ان سے روایت کیا ہے۔ اس طرح ابن زرارہ سے بھی روایت نہیں کیا البتہ اسماعیل بن عبداللہ جن سے وہ روایت کرتے ہیں وہ اسماعیل بن ابی اُویس ہیں۔ اسی طرح ابن واقد سے بغداد میں سنا اور عمرو بن خالد نے مصر میں ان سے سنا۔ ان باتوں کی اطلاع ہمیں شیخ مزی نے فراہم کی جو کہ میں نے ان کے اپنے خط سے دیکھا ہے''۔

میں کہتا ہوں: ذہبی نے بھی یہ کہا: ''امام بخاری نے احمد بن عبدالملک بن واقد الحرانی سے روایت کی ہے، ان سے عراق میں ملاقات کی اور الجزیرہ میں داخل نہیں ہوئے (سیر اعلام النبلاء ۳۹۵/۱۲)۔

جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے حافظ ابن حجر اور امام نووی رحمہما اللہ کا کلام تو اس کے خلاف ہے، حافظ ابن حجر نے ابو حاتم سہل بن السری سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: امام بخاری نے کہا: میں شام، مصر اور الجزیرہ میں دو مرتبہ اور بصرہ میں چار مرتبہ داخل ہوا (مقدمة الفتح ص ۴۷۸، تغلیق التعلیق ۳۸۸/۵)۔

بشرط صحت روایت یہ تو خود امام بخاری کی اپنی نص ہے کہ وہ الجزیرہ میں دو مرتبہ داخل ہوئے ہیں۔ امام ذہبی نے بھی اس روایت کو سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے لیکن ایک تو اس کی سند الگ ہے اور دوسرا اس میں داخل ہونے کی تصریح نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: غنجار نے کہا: اور ہمیں محمد بن عمران الجرجانی نے بیان کیا کہ میں نے عبدالرحمن بن محمد البخاری سے سنا، میں نے محمد بن اسماعیل البخاری سے سنا وہ کہتے تھے کہ: میں اہل حجاز، عراق، شام اور مصر کے ہزار سے زیادہ لوگوں سے ملا، میں اہل شام اور اہل مصر سے کئی مرتبہ ملا۔ البتہ الجزیرہ والوں سے دو مرتبہ اور اہل بصرہ سے چار مرتبہ ملا...... الخ (۴۰۷/۱۲) واللہ اعلم۔ ←

علل حدیث کی شناخت میں کمال

محدثین کی اصطلاح میں علتِ حدیث کہتے ہیں ان وجوہات اور اسباب کو جو نہایت خفی اور غامض ہوتے ہیں۔ ساتھ اس کے حدیث کی صحت اور قبولیت میں قادح ہوتے ہیں حالانکہ حدیث ظاہر میں ہر طرح صحیح اور سالم ہوتی ہے۔ ❶ یہ علم علوم حدیثیہ میں نہایت دقیق اور مشکل سمجھا گیا ہے۔ اس کے لیے وفیات، موالید اور القاء رواۃ پر عبور حاصل کرنے کے علاوہ ہر ہر راوی کے الفاظ حدیث اور حدیثوں کا احاطہ بھی ضرور ہے۔ محدثین بالاتفاق کہتے ہیں:

"و معرفة هذا من اغمض انواع العلوم واشرفها وادقها وانما يتمكن من التكلم فيه اهل الحفظ التام والفهم الثاقب والخبرة الكاملة ولهذا لم يتصد للتكلم في هذا النوع الاجمع قليلٌ من المحدثين كعلى بن المدينى ويعقوب بن شيبة و احمد والبخارى و ابى زر عة والدارقطنى و من حذا حذوَهم". ❷

"یعنی یہ علم نہایت غامض اور ادق اور بڑا شریف ہے۔ اس فن میں کلام کرنے کی قدرت انہیں محدثین کو ہے جن کی سمجھ روشن تھی، جن کی قوت حافظہ میں کمال تھا، جن کو خبر کاملہ تھی جیسے علی بن مدینی، یعقوب بن شیبہ، امام احمد، امام بخاری، امام ابوزرعہ، دارقطنی اور جو ان کے ہم پایہ تھے۔"

← اور تہذیب الاسماء و اللغات میں نووی کا کلام بھی ملاحظہ کیجیے ۱/۱/۲/۷ اور دیکھیے: ماتمس اليه حاجة القارئ ص ۳۵۔

❶ علل اور اس کے متعلقہ مسائل پر دیکھیے: معرفة علوم الحديث للحاكم ص ۱۱۲، علوم الحديث لابن الصلاح ص ۸۱، ارشاد طلاب الحقائق للنووى ۱/۲۳۴، النكت لابن حجر ۲/۷۱۰، التبصرة والتذكرة للعراقى ۱/۲۲۵، فتح المغيث للسخاوى ۱/۲۶۰، تدريب الراوى ۱/۲۵۲ وغیرہ۔ ڈاکٹر ہمام عبدالرحیم سعید نے اس موضوع پر مستقل کتاب مرتب کی ہے۔ اس کا نام العلل فى الحديث رکھا ہے اور اسے عمان، اردن کے دار العدوی للتوزیع نے ۱۴۰۰ھ میں شائع کیا ہے اور ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی رحمہ اللہ نے امام دارقطنی کی کتاب العلل کی تحقیق کی۔ انھوں نے اپنی تحقیق کے مقدمہ میں اس موضوع پر بعض اہم بحوث ذکر کی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اس موضوع پر دنیا میں موجود کتب کی فہرست بھی رقم کر دی ہے۔ جن کی تعداد پچاس کے قریب پہنچ چکی ہے (۱/۳۶۔۵۶)

❷ شرح الجرجانى ص: ۲۰۵ (ظفر الامانى ص ۳۶۳ تحقیق ڈاکٹر تقی الدین ندوی) جبکہ اس کی اصل مقدمہ ابن الصلاح ص ۸۲ میں ہے اور النكت لابن الحجر ۲/۷۱۱ اور فتح المغيث ۱/۲۷۲. ابن رجب کا کہنا ہے: حفاظ اور اہل الحدیث میں اس علم یعنی علل الحدیث کے متعلقہ افراد اور محققین بہت تھوڑے ہیں اور ابوعبداللہ حافظ ابن مندہ کا کہنا ہے: علم حدیث کا دعویٰ رکھنے والے بہت سے افراد میں سے اللہ تعالیٰ نے اس علم یعنی علل الحدیث کے لیے چند مخصوص افراد کو شرف بخشا ہے۔
وہ لوگ جو بکثرت حدیث لکھنے میں یا فقہ شافعی یا فقہ ابوحنیفہ یا حارث المحاسبی، جنید، ذوالنون کے کلام کی اتباع میں مشہور ہیں تو انہیں علم حدیث میں کچھ بات کہنے کی اجازت نہیں سوائے اس کے کہ انھوں نے جن سے یہ علم حاصل کیا ہے یا اس کی معرفت رکھنے والوں کے حوالہ سے وہ بات کر سکتے ہیں۔ شرح علل الترمذى لابن رجب ص ۶۱، ۶۲۔

حاکم کہتے ہیں حدیث کی تعلیل میں تین مجموعی قوتوں کا کمال ہے: "الحفظ و الفھم و المعرفة لاغیر" [1]۔ اس فن کا دوسرے علوم حدیثیہ سے اعلیٰ و اشرف ہونا اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ابن مھدی [2] فرمایا کرتے تھے، مجھے کسی حدیث کی علت معلوم ہو جانا اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے کہ میں ایسی بیس حدیثیں لکھوں جو مجھے معلوم نہ ہوں۔ [3]

حقیقت امر یہ ہے کہ جو حدیث ظاہر میں موصول معلوم ہوتی ہو، اس کے چھپے ہوئے ارسال و انقطاع کو جاننا یا ظاہر میں مرفوع ہے، لیکن یہ پتہ لگانا کہ اصل یہ حدیث موقوف ہے، فلاں راوی نے مرفوع کر دیا ہے یا کسی حدیث کا دوسرے میں اختلاط کا پتہ لگانا یا کسی راوی کے وہم کو معلوم کر لینا نہایت مشکل امر ہے۔ رواۃ کے موالید، وفیات، تاریخی واقعات، سلسلہ شاگردی استادی، رواۃ کی رحلت، ان کی سکونت، شاگرد، استاذ کا لقاء و عدم لقاء، ایک حدیث کی متعدد سندوں کا پتہ، جب تک ان امور میں مہارت تامہ نہ ہو، کسی طرح اس فن میں دخل نہیں ہو سکتا۔

امام بخاری نے بڑی دستگاہ جس فن میں حاصل کی، وہ علل حدیث کی واقفیت ہے۔ حافظ احمد بن حمدون [4] کہتے ہیں کہ مجھے ابوعثمان سعید بن مروان [5] کے جنازہ میں امام بخاری کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا۔ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی

[1] معرفة علوم الحدیث للحاکم ۱۴۳، فتح المغیث للعراقی ۱/۱۰۶، تدریب الراوی ۱/۲۵۱۔

[2] اصل کتاب میں یہ نام "علی ابن المدینی" ہے، تصویب معرفة علوم الحدیث للحاکم ص ۱۱۲ اور اباطیل للجورقانی ۱/۱۱ اور تدریب الراوی ۱/۲۵۲ وغیرہ سے کی گئی ہے۔
ممکن ہے تدریب الراوی کے جس نسخہ پر مصنف رحمہ اللہ نے اعتماد کیا ہے اس میں "ابن مھدی" "ابن المدینی" سے محرف ہو گیا ہو "ابن مہدی" مشہور امام عبدالرحمن بن مہدی بن حسان العنبری، بصری ثقہ، ثبت حافظ ہیں۔ علم الرجال والحدیث سے متعارف ہیں۔ ابن المدینی لکھتے ہیں: میں نے ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا، وفات ۱۹۸ھ" التقریب ص ۶۰۱۔ ان کے ترجمہ اور ترجمہ کے مصادر کے لیے دیکھیے: تھذیب الکمال ۱۷/۴۳۰، سیر اعلام النبلاء ۹/۱۹۲۔

[3] مذکورۃ الصدر تعلیق کے مصادر ہی دیکھیے۔ ان کا یہ قول ابونعیم نے بھی الحلیة (۹/۵) میں بیان کیا ہے لیکن لگتا ہے کہ مطبوعہ کتاب میں یہ محرف ہے جبکہ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء میں ان الفاظ میں ہے "میں حدیث کی علت کی معرفت حاصل کر لوں، میرے لیے یہ دس احادیث کے استفادہ سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے" (۹/۲۰۶)

[4] بعض مصادر میں ابوحامد الاعمشی ہے جب کہ یہ ان کی کنیت ہے، وہ ابوحامد احمد بن حمدون بن احمد بن عمارۃ بن رستم نیشاپوری الاعمشی ہیں۔ انہیں اعمشی اس لیے کہا جانے لگا کہ وہ اعمش کی احادیث یاد کرتے تھے۔ اعمش، ابومحمد سلیمان بن مہران المعروف الاعمش ہیں۔ اعمشی کا لقب ابوتراب تھا۔ ان کے والد حمدون القصار بڑے زاہد نیک دل مشہور انسان تھے۔ تذکرۃ الحفاظ ۳/۸۰۵، الانساب ۱/۳۱۲، ۳۱۴ [مراجع]۔ ان کا ترجمہ اور دیگر مصادر ترجمہ کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۱۴/۵۵۳، النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر ۲/۷۴۳ اور انھوں نے بتایا ہے کہ وہ بڑے حافظ الحدیث تھے۔

[5] (ابی عثمان سعید بن مروان) یہ زیادہ الفاظ تاریخ بغداد اور سیر کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ یہ شخص سعید بن مروان الازدی، ابوعثمان الرھاوی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر ۳/۵۱۵ میں ان کا ترجمہ لکھا اور سکوت فرمایا۔ ابن ابی حاتم کا کہنا ہے: کہ میرے والد نے ان سے رُھا شہر میں حدیث کی ساعت کی۔ (الجرح و التعدیل ۴/۶۷) ابن حبان نے انہیں ثقات میں درج کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ان سے ←

کو جو امام فن ہیں، دیکھا کہ وہ امام بخاری پر اسماء رواۃ اور علل حدیث کے سوالات پیش کرتے ہیں اور امام بخاری اس سرعت اور تیزی سے جواب دیتے ہیں جیسے کوئی قل هو الله احد کی سورت پڑھتا ہے۔ [1]

ابو حامد اعمشی [2] کہتے ہیں کہ میں ایک روز نیشاپور میں محمد بن اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر تھا کہ امام مسلم آئے اور انھوں نے ایک معلق حدیث کے ابتدائی الفاظ پڑھ کر یہ سوال پیش کیا کہ آپ کے پاس اس حدیث کی سند ہو تو آپ اس سے متعلق حدیث کو متصل کر دیجیے اور حدیث کا بھی صرف اشارہ کر دیا۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **عبيد الله بن عمر عن ابى الزبير عن جابر قال بعثنا رسول الله ﷺ فى سرية و معنا ابو عبيدة (الحديث بطوله)** [3] عبیداللہ بن عمر تابعی ہیں۔ ان کے نیچے کے رواۃ کا تذکرہ سوال میں چھوڑ دیا گیا۔ گویا اس سوال کے مقاصد یہ تھے کہ آیا امام بخاری کو اس حدیث کا علم ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ان کے پاس اس کی سند بھی ہے یا نہیں۔ اگر سند بھی ہے تو معلل یا صحیح۔ اگر معلل ہے تو امام بخاری کو اس کی علت کا علم ہے یا نہیں۔ امام صاحب نے اسی وقت اس طرح حدیث کو مسند اور متصل الاسناد پڑھ دیا: "**حدثنا ابن ابى اويس حدثنى اخى عن سليمان بن بلال عن عبيد الله فذكر الحديث بتمامه**". [4]

← اہل جزیرہ نے روایت کیا (۲/۳/۲۷۳)

[1] مقدمة الفتح ص ۴۸۸ اور دیکھیے: تاريخ بغداد ۳۱/۲، تهذيب الاسماء و اللغات ۶۹/۱/۱، تاريخ الاسلام للذهبى ص ۲۶۷، سير اعلام النبلاء ۴۳۲/۱۲، ۴۵۵، تغليق التعليق ۴۱۹/۵، مقدمة القسطلانى ۳۰/۱.

[2] وہ حافظ احمد بن حمدون نیشاپوری الاعمشی ہیں۔ ابھی قریب ہی ان کا ترجمہ گزرا ہے۔

[3] مقدمة الفتح ۴۸۸، تغليق التعليق ۴۲۸/۵۔ حافظ نے ان دونوں کتابوں میں ان کا واقعہ درج کیا ہے اور اپنی سند سے کیا ہے جو حافظ ابو یعلیٰ خلیلی کے واسطہ سے ہے۔ یہ واقعہ الخلیلی کی کتاب الارشاد ۹۵۹/۳۔ ۹۶۰ میں بھی ہے۔ اسے خطیب نے دوسری سند سے احمد بن حمدون الحافظ وہی جو کہ الاعمشی ہیں کے واسطہ سے نقل کیا ہے (تاريخ بغداد ۲۸/۲)۔ اسی طرح ابن رشید الفہری نے السنن الابین (ص ۱۳۸) میں الخلیلی کی سند سے ہی نقل کیا ہے جو کہ ان کی الخلیلی سے اپنی سند ہی ہے۔

[4] مشار الیہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے جس میں عنبر نامی مچھلی کو سمندر نے ساحل پر اُگل دیا تھا اور جسے اہل جیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے اٹھارہ راتوں تک کھایا، اس وقت ان کی تعداد تین سو تھی۔ یہ غزوہ سیف البحر تھا جو کہ ہجرت کے آٹھویں سال ہوا تھا جیسا کہ فتح البارى (۷۸/۸) میں ہے۔

یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں ۱۲۸/۵، الشركة، باب الشركة فى الطعام، ح: ۲۴۸۳ اور ۱۳۰/۶، الجهاد: باب حمل الزاد على الرقاب، ح: ۲۹۸۳ اور ۷۷/۸، المغازى، باب غزوة سيف البحر ح: ۴۳۶۰ وھب بن کیسان کے واسطے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے ۷۷/۸، ح: ۴۳۶۱ اور ۴۳۶۲ میں اور ۶۱۵/۹ الذبائح و الصيد باب قول اللہ تعالیٰ: احل لكم صيد البحر، ح: ۵۴۹۳ اور ۵۴۹۴ میں ذکر کیا ہے۔

اسے صحیح مسلم میں ۱۵۳۵/۵۔ ۱۵۳۷: كتاب الصيد و الذبائح. باب اباحة ميتات البحر میں جابر کے کئی) واسطوں سے بیان کی ←

اسی مجمع کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک شخص نے ایک حدیث مع سند پڑھی۔ ❶ ”حجاج بن محمد عن ابن جریج عن موسی بن عقبة عن ❷ سهیل ابن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: كفارة المجلس ❸ اذا قام العبدان يقول سبحٰنك اللهم و بحمدك اشهد ان لااله الا انتَ ❹ استغفرك و اتوب اليك“.

امام مسلم نے یہ حدیث سن کر امام بخاری کو مخاطب کر کے عرض کیا، کیا اس حدیث کی سند اس سے بڑھ کر دنیا بھر میں ہے؟ امام بخاری نے فرمایا: ”الا انهٗ معلول“۔ ہاں سند تو اچھی ہے لیکن معلول ہے۔

امام مسلم سننے کے ساتھ ہی کانپ اٹھے اور کہا: لا اله الا لله۔ آپ مجھے اس کی علت بتا دیجیے۔ امام بخاری نے فرمایا: ”استر ما ستر الله“۔ جس پر اللہ نے پردہ ڈالا، تم بھی اس پر پردہ ڈالو۔ یہ حدیث شاندار ہے۔ لوگ ایسے ہی عن حجاج بن محمد عن ابن جریج عن موسی بن عقبة عن سهیل بن ابی صالح روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم نے دوبارہ بغایت لجاجت امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دے کر اس حدیث کی علت کا سوال کیا اور قریب تھا کہ رونا شروع کریں، امام بخاری نے درخواست منظور کر لی اور فرمایا:

← ہے ان میں سے ایک زهیر عن ابی الزبیر عن جابر ہے۔
عبیداللہ بن عمر العمری ثقہ، ثبت ہیں من الخامسة/ ع (التقریب ۱/۵۳۷ مختصرا) یہی حدیث ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص سے روایت کی گئی ہے اور یہ صحابیہ ہیں اور اسے تابعین سے بھی روایت کیا گیا ہے۔
انھوں نے عن ابی الزبیر عن جابر سے رمی الجمار میں ایک حدیث ذکر کی ہے۔ اسے نسائی نے بھی ذکر کیا (جیسا کہ تحفة الاشراف ۲/۳۳۲ میں ہے) جبکہ علامہ مزی نے تحفۃ میں دوسری روایت عن ابی الزبیر عن جابر ذکر نہیں کی ہے۔
یہ حدیث جسے امام مسلم نے امام بخاری سے دریافت کیا تھا امام بخاری نے اس کی تخریج نہیں کی حتی کہ امام مسلم نے بھی اسے اپنی صحیح میں عبیدالله بن عمر عن ابی الزبیر عن جابر ذکر نہیں کیا۔ البتہ اسے ابوعوانہ (۱۵۱/۵) میں ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا: حدثنا محمد بن اسماعیل المکی قا ل حدثنا اسماعیل بن ابی اویس عن أخیه عن سلیمان بن بلال عن عبید الله بن عمر عن ابی الزبیر عن جابر اور دیگر طرق بھی ذکر کیے ہیں (۱۴۳/۵۔۱۵۴)
یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کا سوال بڑا دقیق تھا اور شاید اس سند کا خصوصاً سوال کر کے وہ امام بخاری کی عبید اللہ بن عمر عن ابی الزبیر روایات کی ندرت جاننے کے خواہش مند ہوں جبکہ یہ حدیث کافی معروف و مشہور ہے اور اس پر بغیر کسی تردد و تاخیر کے امام بخاری کا برجستہ جواب ان کے قوت حافظہ اور وسعت اطلاع اور استحضار پر دلالت کرتا ہے۔ رحمهم الله جميعا رحمة الابرار الصالحين۔

❶ طبقات الحنابلة کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ خود امام مسلم نے یہ حدیث پڑھی۔
❷ الارشاد میں ”عن“ کے بجائے ”حدثنی“ ہے۔
❸ الارشاد اور التعلیق میں ” المجلس واللغو “ ہے۔
❹ الارشاد میں ” الا الله“ ہے۔

"اکتب ان کان ولا بد"۔ ❶
اگر ضروری سمجھتے ہو تو اس حدیث کی سند غیر معلول لکھو۔

امام صاحب نے اپنی غیر معلل سند سے اس حدیث کو یوں روایت کیا: "حدثنا موسی بن اسمٰعیل حدثنا وھیب حدثنا موسی بن عقبة عن عون ❷ بن عبداللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ :کفارة المجلس ......(الحدیث). امام مسلم نے اس سند کو سن کر فرمایا:

"لا یبغضك الا حاسد و اشھد انه لیس فی الدنیا مثلك". ❸
یعنی آپ سے وہی شخص بغض رکھے گا جو آپ کا حاسد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ جیسا آج دنیا کے پردہ پر کوئی نہیں۔

احمد بن حمدون قصار - ابوحامد الاعمشی - اس واقعہ میں اس قدر زائد بیان کرتے ہیں کہ امام مسلم نے جب یہ سند (ابن جریج عن موسی بن عقبة عن سھیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی ھریرة) امام بخاری کے سامنے پیش کی تو امام صاحب نے اس معلول سند کا سلسلہ دو طریقوں سے (الف) محمد بن سلام حدثنا مخلد بن یزید اخبرنا ابن جریج) (ب) احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین قالا حدثنا حجاج بن محمد عن ابن جریج

---

❶ محدثین کا قاعدہ تھا کہ علوم حدیثیہ کی باریکیاں بآسانی نہیں بتاتے تھے جب تک کہ طالب کا شوق اور گرویدگی درجۂ کمال کو نہ پہنچ جائے۔ بالخصوص جب کہ طالب کے شوق کا اندازہ کرنا مقصود ہوتا۔ ایک بار ایک محدث نے اپنے شاگرد سے ایک حدیث بیان کی تو فرمایا، لو ہم نے تم کو بآسانی بتا دیا۔[مؤلف] اس کی نص یہ ہے: عامر نے اپنے تلمیذ صالح بن حبان سے کہا: یہ حدیث ہم آپ کو مفت فراہم کر رہے ہیں جبکہ اسے حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ دیکھیے (صحیح البخاری ۱/۱۹۰) شعبی نے بھی اپنے تلمیذ خراسانی کو کہا تھا: یہ حدیث مفت میں لے لو جبکہ اسے حاصل کرنے والا مدینہ کا سفر کیا کرتا تھا (صحیح مسلم ۱/۱۳۵) [مراجع]

❷ یہ شخص عون بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود الھذلی ہے۔ کوفہ میں ٹھہرے رہے ارجاء کا دعویٰ کیا لیکن رجوع کر لیا۔ ابن الاشعث کے ساتھ نکلا پھر بھاگ گیا اور عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں ان سے مل گیا۔ حافظ کا کہنا ہے: بخاری نے اسے ایک سو دس سے ایک سو بیس کے درمیان وفات پانے والوں میں بتایا ہے۔ تھذیب التھذیب ۸/۱۷۱، ۱۷۳، الاعلام ۵/۲۸۰ (المراجع)

❸ مقدمة الفتح ۴۸۸، الخلیلی کی الارشاد میں بھی ہے ۳/۱۹۰، تاریخ بغداد ۲/۲۹، علوم الحدیث للحاکم ص ۱۱۴، طبقات الحنابلة ۲/۲۷۳، آداب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص:۱۳۶، تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۵/۴۵/۱ السنن الأبین ص ۱۳۹، ۱۴۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۷، ابن ناصر الدین نے تحفة الاخباری ص ۱۹۵۔۱۹۸، میں حاکم اور خطیب سے ذکر کیا ہے۔ حافظ نے تاریخ نیشاپور میں حاکم کی طرف اس کی نسبت کی ہے بطریق ابومحمد المخلدی عن ابی حامد الاعمشی ذکر کیا ہے (مقدمة الفتح ص ۴۸۸، تغلیق التعلیق ۵/۴۲۹، علوم الحدیث میں حاکم کی روایت میں ہے (وعنه الخطیب فی تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۲) عجیب وغریب جملہ ہے عن قریب حافظ ابن حجر کی طرف سے اس پر تنبیہ ذکر کی جائے گی۔ آخری جملہ صغانی نے بھی ذکر کیا ص ۳، النکت لابن حجر ۲/۷۱۶ جبکہ بعض الفاظ میں حوالہ در حوالہ کی وجہ سے اختلاف ہے، حافظ تغلیق التعلیق ۵/۴۲۹ میں کہتے ہیں کہ اس حکایت کی سند بالکل صحیح ہے۔

بیان کر کے فرمایا، الا انه معلول یعنی گو کہ ابن جریج تک اس سند کے طریق متعدد ہیں، لیکن پھر بھی یہ حدیث معلول ہے۔
امام مسلم نے اور زیادہ اصرار کیا کہ ضرور اس سند کی علت پر مجھ کو آگاہی ہونی چاہیے۔ امام صاحب نے سکوت فرمایا لیکن جب امام مسلم کا شوق اور شوق کے ساتھ اصرار حد سے متجاوز ہو چلا تو امام صاحب نے اس سند کی علت اس طرح بیان کی کہ موسیٰ بن عقبہ کی کوئی حدیث سہیل سے مسند نہیں آئی۔ [1] کسی راوی نے غلطی سے اس کو مسند (مرفوع) کر دیا ہے۔ درحقیقت اس سند سے یہ حدیث موقوف آئی ہے۔ پھر اس کا موقوف ہونا ذیل کی دوسری سند سے ثابت کیا۔ **حدثنا موسی بن اسماعیل حدثنا وهیب قال حدثنا سهیل عن عون بن عبدالله قوله.** یعنی یہ امر بسند صحیح ثابت ہے کہ سہیل نے عبداللہ بن عون کا قول روایت کیا۔ (کسی نے غلطی سے اس کو مرفوع روایت کر دیا۔) [2]

---

[1] التقیید میں ابن نقطہ نے اسی سیاق کو نقل کیا ہے ۱/۱۲، اور حافظ ابن حجر نے مقدمہ میں اسے بیہقی کی المدخل کی طرف منسوب کیا ہے جو کہ الحاکم ابو عبداللہ کے واسطہ سے ہے اور اپنی سند سے بیہقی کے واسطہ سے تغلیق التعلیق ۴۲۹/۵ میں بھی ذکر کیا ہے (لفظ بھی اس کے ہیں) کتاب "المدخل الی السنن الکبری" للامام البیهقی ابھی تک مجھے مکمل نہیں مل سکی اور جو کچھ اس میں سے مل سکا وہ ہمارے فاضل دوست محمد ضیاء الرحمٰن الاعظمی حفظہ اللہ کی تحقیق سے طبع شدہ ہے۔ اسے کویت میں دار الخلفاء للکتاب الاسلامی نے ۱۴۰۶ھ میں شائع کیا اور اس مطبوع میں مذکورہ بالا روایت موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اسی طرح بیہقی سے ابن ناصر الدین نے تحفۃ الاخباری میں بھی یہ روایت ص: ۱۹۵ پر ذکر کی ہے لیکن انھوں نے حاکم کا علوم الحدیث کا سیاق اس کے ساتھ ملا کر ذکر کر دیا ہے البتہ امام بخاری کا کلام اختصاراً، ان کی تاریخ الصغیر میں بھی موجود ہے (۲/۴۱-۴۲)

[2] البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس علت کی طرف اشارہ کیا ہے تو وہ صرف اس سند میں ہے جبکہ متن بالکل صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں: **عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من جلس فی مجلس فکثر فیه لغطُهُ فقال قبل ان یقوم من مجلسه ذلك" سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك" الا غفر له ما کان فی مجلسه ذلك" صحیح سنن الترمذی ۱۵۳/۳، ح ۲۷۳۰**

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی مجلس میں کثرت سے لایعنی گفتگو کر لی تو اگر وہ اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ الفاظ کہہ لے تو اس کے اس مجلس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (الفاظ کا ترجمہ یہ ہے)

"پاک ہے تو اے اللہ! اور تیری تعریف ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں"۔

اس لیے جب امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ واقعہ حاکم کی روایت سے علوم الحدیث میں امام بخاری کے الفاظ کہ "اس باب میں اس حدیث کے سوا میں کچھ نہیں جانتا" وارد ہوئے تو حافظ ابن حجر نے **مقدمة الفتح** ص ۴۸۹ میں ان پر نقد کیا اور **تغلیق التعلیق** میں کہا: حاکم کی علوم الحدیث میں ایسے ہی وارد ہوا ہے جو کہ ایک واہمہ ہے جس کا صدور بخاری سے تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس حدیث کے سوا اس باب میں بہت سی احادیث موجود ہیں (۴۲۹/۵-۴۳۰)

←

امام بخاری کے اس غامض اور دقیق فن (علل حدیث) میں کمال دست گاہ رکھنے پر امام ترمذی کی وہ شہادت کافی ہے جو انھوں نے اپنی بیش بہا تصنیف "کتاب العلل" میں دی ہے۔

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی میں جس قدر میں نے حدیثوں کی علتیں بیان کی ہیں، یا رجال یا تاریخ میں کلام کیا ہے، اکثر حصہ اس کا امام بخاری کی تاریخ سے لکھا ہے اور زیادہ تر علل میں نے خود اپنے استاذ بخاری سے بالمشافہ سیکھے ہیں۔ یہاں بعض بعض علتیں امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی اور ابوزرعہ سے بھی سیکھیں لیکن زیادہ تر امام بخاری ہی سے، دارمی اور ابوزرعہ سے بہت کم، [1] امام ترمذی فرمایا کرتے:

"فلم ارا علم بالعلل والاسانید من محمد بن اسماعیل البخاری".

میں نے علل اور اسانید میں امام بخاری سے بڑھ کر ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ [2]

ایک دفعہ امام بخاری شیخ وقت علامہ فریابی کی مجلس میں موجود تھے۔ شیخ نے ایک حدیث بیان کی جس کی سند یہ ہے (**سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ**) حاضرین مجلس سے کسی نے بھی سفیان کے اوپر کے

← اسی طرح ابن الصلاح کی النکت ۲/۷۱۸ میں بھی انھوں نے ان پر شدید نکتہ چینی کی اور بتایا کہ بخاری سے یہ غیر معروف الفاظ ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ بخاری نے فرمایا "کہ میں دنیا میں اس سند کے ساتھ اس حدیث کے علاوہ نہیں جانتا" اور یہ بالکل سیدھی سی بات ہے (۲/۷۴۵)۔

اور یہ بات ایسی ہے جو دیگر آئمہ اور امام بخاری کی اس بات کی مراد میں حد فاصل قائم کرتی ہے خصوصا ایسے علماء و آئمہ جو اس سند کو معلول گردانتے ہیں۔ انھوں نے اس حدیث کے بہت سے دیگر طرق بھی ذکر کیے ہیں جو کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں اور ان تمام اسناد کے صحت وضعف کے اعتبار سے درجات بھی واضح کردیے ہیں۔ (النکت ۲/ ۷۱۸۔۷۴۵)۔ مزید دیکھیے: **العلل لابن ابی حاتم ۲/ ۱۹۵، العلل للدارقطنی ۸/ ۲۰۱ س ۱۵۱۳ فتح الباری ۱۳/ ۵۴۴۔۵۴۶۔**

[1] **العلل للترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۱/۴۶۷، وشرح علل الترمذی لابن حاجب ص۵۷.**

[2] **مقدمۃ الفتح ص ۴۸۵**۔ جبکہ العلل میں اس کے الفاظ کا ترجمہ یوں ہے: "میں نے عراق اور خراسان میں محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر علل کے معانی، تاریخ اور معرفۃ الاسانید میں کوئی بڑا عالم نہیں دیکھا"۔

العلل للترمذی المطبوع سنن کے آخر میں ۷۳۸/۵، **طبعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، شرح علل الترمذی لابن رجب** ص ۵۷، ۵۸۔ العلل کے حاشیہ میں یہ عبارت بھی موجود ہے جو کہ **شرح ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی** کے ہندی مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے لیکن وہ ۳۸۵/۴ **طبع مصر عبدالمحسن الکتبی** ۴۶۷/۱۰ کے نسخہ سے ساقط ہے۔

ابن رجب کا کہنا ہے: "حالانکہ اس نے ابوزرعہ اور عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی کو دیکھا بھی اور مذاکرہ بھی کیا ہے اور بخاری کی اس علم میں ابوزرعہ اور دارمی وغیرہ پر تفضیل میں اس کا کلام بالکل واضح ہے"۔

ترمذی کے کلام کیلیے مزید دیکھیے: **تاریخ بغداد ۲/۲۷، تہذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۰، ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص۲۸، تاریخ الاسلام للذہبی ص ۲۵۷، سیراعلام النبلاء ۱۲/۴۳۲، طبقات الشافعیۃ للسبکی ۲/۲۲۰، البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۲۶، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۱، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۰.**

راویوں کو نہیں سمجھا۔ اس لیے کہ سب کنیت کے ساتھ مذکور تھے۔ امام بخاری نے اسی وقت عرض کیا۔ ابو عروہ ''معمر بن راشد'' ہیں۔ ابو الخطاب ''قتادہ بن دعامہ'' ہیں۔ ابو حمزہ ''انس بن مالک'' ہیں۔ یہ کہہ کر عرض کیا کہ سفیان ثوری کا قاعدہ ہے کہ مشہور راویوں کو کنیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ◆

جرح رواۃ میں احتیاط

کسی راوی پر جرح کرنا نہایت خطرناک امر ہے۔ اسی واسطے صوفیوں کی ایک بڑی جماعت اس کو سخت معیوب جانتی ہے لیکن یہ ان کی سادہ لوحی ہے ◆ کیونکہ ضرورت کے وقت اگر سچا عیب دیانت کے ساتھ نہ کہہ دیا جائے تو دنیا سے عدل وانصاف اٹھ جائے اور دنیا سخت مظالم میں گرفتار ہو جائے پس جس طرح عیوب پر پردہ ڈالنا ہمارا فرض ہے، اسی طرح دیانت کے ساتھ ضرورت کے وقت سچا عیب ظاہر کرنا بھی ضروری ہے۔

جن لوگوں نے جرح سے کنارہ کشی اختیار کی اور لوگوں کو روکا، وہ لوگ جرح کو عیب میں داخل کرتے ہیں اور آیت **لا یغتب بعضکم بعضا** ◆ پڑھتے ہیں اور کبھی اس جملہ کا اعادہ کرتے ہیں: ''**اعراض الناس حضرہ من حضر النار وقف علیھا المحدثون والحکام**''. ◆ یہ خیال ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے لیکن یہ سب اسی وقت کے لیے ہے جب کوئی شخص بلا وجہ، بلا ضرورت اور بلا اجازت شریعت ایسا کرے لیکن جب شرعی ضرورت داعی ہو تو محمود ہے نہ کہ مذموم۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ قطع نظر ان لوگوں کے جن کو مسلمانوں سے بغض اور عداوت ہے، مسلمانوں ہی کی ایک جماعت جو بظاہر نہایت پارسا اور صوفیوں کے رنگ میں تھی، نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرنا ثواب

◆ **مقدمۃ الفتح ۴۷۸** اور مزید دیکھیے: **تاریخ الاسلام للذھبی ص ۲۵۲، سیر اعلام النبلاء ۴۱۳/۱۲، تغلیق التعلیق ۳۹۱/۵**۔ انھوں نے اس سند سے مروی حدیث بھی ذکر کی ہے۔

ابن حجر کا کہنا ہے: ''فریابی کی وفات ۲۱۲ھ میں ہوئی تب امام بخاری کی عمر فقط اٹھارہ برس یا اس سے بھی کم تھی''۔ **مقدمۃ الفتح ص ۴۷۸**۔

◆ علامہ ابن جوزی کا قول ہے: ''کسی جھوٹے راوی کے متعلق جرح ونقد سن کر صوفیاء کا یہ کہہ دینا کہ ''یہ غیبت کی بات ہے'' امور دینیہ سے غفلت ہے جب کہ یہ بات تو اسلام کے لیے ایک نصیحت کا درجہ رکھتی ہے''۔ (**الموضوعات ۴۲/۱**)۔

◆ **سورۃ الحجرات، آیت: ۱۲**

◆ لوگوں کی آبرو جہنم کا گڑھا ہے جس پر حکام اور محدثین کھڑے ہیں۔ یہ قول امام تقی الدین ابن دقیق العید المتوفی: ۷۰۲ھ کا ہے، جو ان کی کتاب ''**الاقتراح فی بیان الاصلاح ص ۳۴۴**'' میں ہے لیکن اس میں ''**اعراض الناس**'' کی بجائے ''**اعراض المسلمین**'' ہے۔ ان سے ہی نقل کر کے علامہ سبکی نے **طبقات الشافعیۃ ۱۲/۲** میں ''**قاعدۃ فی الجرح والتعدیل**'' میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ عراقی نے **التبصرہ والتذکرہ ۲۶۰/۳** میں اور علامہ سخاوی نے **فتح المغیث ۷۰/۲** میں اور زکریا انصاری نے **فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی ۲۶۰/۳ علی حاشیۃ التبصرۃ والتذکرۃ** میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے **لسان المیزان** کے مقدمہ ۱۶/۱ اور صنعانی نے **توضیح الافکار ۲۳۶/۲** میں بھی ''**اعراض الناس**'' ہی نقل کیا ہے جیسا کہ مؤلف کے درج کردہ الفاظ ہیں۔

جانتی تھی،[1] عبدالکریم وضاع نے باوجود مسلمان ہونے کے خود تسلیم کیا کہ چار ہزار حدیثیں اس کی موضوعات سے ہیں۔[2]

وضع کے بعد تساہل، غلط فہمیاں، بے احتیاطیاں، توہمات، قلت حافظہ ہے، تو اگر محدثین راویوں کا واضع ہونا، متساہل ہونا، بے احتیاط ہونا، ضعیف الحافظہ، غیر عادل ہونا، کاذب ہونا، واہم ہونا بیان نہ کرتے تو آج رسول اللہ ﷺ کے صحیح اقوال اور آپ کی سچی حدیثوں کو نیز صحابہ و تابعین کے صحیح آثار کا پتہ چلنا امر محال تھا۔ حاملین حدیث نے اس کی علت خود بیان فرمائی ہے:

"وقد جُوِّز ذلك صيانة للشريعة فانه لو لم يجز لما تميز الصادق من الكاذب والفاسق من العادل والمغفل من الضابط واختلطت الاحاديث الصحيحة بالسقيمة وقامت الملاحدة والزنادقة من كل جانب للافساد في الشريعة[3] و قد قال الله تعالىٰ :

﴿يٰايها الذين امنوا ان جاء كم فاسق بنباءٍ فتبينوآ"﴾[4]

"جرحِ رواۃ شریعت کی حفاظت کے لیے جائز رکھی گئی ہے کیونکہ اگر جرح و قدحِ رواۃ جائز نہ ہو تو جھوٹا سچے سے، فاسق عادل سے، بیدار مغز غافل سے، قوی الحافظہ ضعیف الحافظہ سے، متشدد متساہل سے الگ نہیں ہو سکتے اور احادیث صحیحہ غیر صحیحہ میں گڈمڈ ہو جائیں اور ملحد و زندیق لوگ ہر طرف اٹھ کھڑے ہوتے اور دین میں ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا۔ خود اللہ پاک نے فرمایا، جب کوئی بے دین نافرمان کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔"

جب دنیاوی معاملات میں ﴿واشهدوا ذوىْ عدلٍ منكم﴾[5] کا حکم ہے تو دینی معاملات جو نہایت خطرناک ہیں، ان کے لیے کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔[6]

---

[1] تدریب الراوی ۱/۲۸۳۔

[2] یہ وہی عبدالکریم ہے جو ابن ابی العوجاء کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو مہدی کے زمانے میں سولی پر لٹکا دیا گیا تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں: جب اس کو قتل کیا جانے لگا تو گویا ہوا: کہ میں نے تمہارے ہاں چار ہزار ایسی احادیث وضع کی ہیں جن کے ذریعے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا گیا ہے۔ (تدریب الراوی ۱/۲۸۴) مزید دیکھیے: الموضوعات لابن الجوزی ۱/۱۸ میزان الاعتدال ۲/۶۴۴ ، لسان المیزان ۴/۵۱۔ ابن جوزی نے اس کا شمار ایسے زندیقوں میں کیا ہے جو شریعت کو فساد زدہ کرنے میں لگے رہے جب کہ ذہبی نے اس کے متعلق "جھوٹا زندیق" کے الفاظ استعمال کیے۔ اس کا قتل ۱۶۰ھ کے بعد مہدی کے زمانے میں ہوا۔

[3] شرح الجرجانی ۲۷۲ (ظفر الامانی ص ۴۸۴ تحقیق عبدالفتاح ابو غدۃ)

[4] سورۃ الحجرات ، آیت :۶

[5] سورۃ الطلاق، آیت :۲

[6] ضعیف احادیث سے صحیح احادیث کو ممتاز کرنے کے لیے جرح و تعدیل نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ یہ ایک دینی واجبات میں سے بے حد ←

اہم واجب بھی ہے۔ اس پر مختلف علماء اور آئمہ کرام کے تاثرات درج کیے جاتے ہیں: امام شافعی کا کہنا ہے: اگر کسی شخص کو کسی محدث سے جھوٹ کا پتہ چلے تو اس کے لیے قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس پر خاموشی اختیار کرے۔ اس کا یہ عمل غیبت نہیں کہلائے گا کیونکہ علماء کرام بطور ناقد بھی ہوتے ہیں اور کھرا کھوٹا بیان کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ (الاباطيل للجورقاني ۱/۹ الموضوعات لابن الجوزي ۱/۴۳)۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں: میں ایک آدمی جو کہ محدث تھے کے پاس شعبہ کی معیت میں گیا تو شعبہ نے کہا، اللہ کی قسم! جھوٹ بول رہا ہے۔ اگر میرے لیے خاموش رہنا حرام نہ ہوتا تو میں ضرور خاموش رہتا یا اس طرح کی کوئی بات کہی۔ (الکفاية: ۹۰) ابن حبان نے بھی اسے مجروحین (۱/۲۱) میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح جورقانی نے الاباطیل (۱/۹) میں ذکر کیا ہے لیکن ان کے ہاں شعبہ کی بجائے ''سفیان ثوری'' کا نام ہے۔ ابن جوزی نے الموضوعات ۱/۴۲ میں بھی ایسے ہی بیان کیا۔

امام حاکم کا کہنا ہے: شاید کوئی کہے: کہ ان راویوں پر کوئی کلام کرنا غیبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث میں غیبت کی حرمت کا تذکرہ ہے۔ شاید یہ بات کرنے والا اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں مار رہا ہو کیونکہ ساری دنیا کے مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کے احکام میں صرف اور صرف صدوق اور عادل راوی کی بات ہی معتبر ہے چنانچہ اس اجماع میں ایک عام آدمی کے لیے اس میدان میں جرح کرنا جائز ہے۔

(المدخل الى كتاب الاكليل ص ۶۹ ، طبع دار الدعوة الاسكندريه، مصر)

جیسا کہ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الکفایۃ میں اس عنوان سے باب قائم کیا ہے "باب وجوب تعريف المزكي ماعنده من حال المسئول عنه" (ص ۸۷) اور انھوں نے اس مقام پر اس طرح کے بہت سے آئمہ کا تذکرہ کیا ہے۔

امام نووی نے ایسے چھ اسباب کا ذکر کیا ہے جس میں غیبت کرنا جائز ہے۔ ان میں سے چوتھا سبب یوں بیان کرتے ہیں کہ ''مسلمانوں کو شر سے ڈرانا اور انہیں نصیحت کرنا اور یہ مختلف وجوہ سے ہوسکتا ہے۔ مجروحین راویوں کی جرح اور یہ کام مسلمانوں کے اجماع سے جائز ہے بلکہ ضرورت کے مطابق واجب ہے''۔ (رياض الصالحين ص ۵۳۸ ، باب مايباح من الغيبة) اور انھوں نے صحیح مسلم کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ ''جان لو کہ راویوں پر جرح بالکل جائز ہے بلکہ واجب ہے تمام مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ خصوصاً جب شریعت مکرمہ کو بچانے کے لیے اس کی ضرورت پیش آجائے۔ (۱/۱۲۴)۔

اس بات میں آئمہ کرام کی نصوص بہت سی ہیں۔ انہیں شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے جرح و تعدیل کی اہمیت اور ضعیف احادیث سے صحیح کو ممتاز کرنے کی ضرورت کے متعلق درج ذیل دونوں کتابوں "معرفة الثقات للامام العجلي" اور "الشجرة في احوال الرجال للامام الجوزجاني" پر اپنے مقدمہ میں کافی تفصیل درج کر دی ہے جو چاہے وہاں اس موضوع کا مطالعہ کرلے۔

ایک طالب علم کو اس باب میں درج ذیل کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے:

''كتاب الجرح و التعديل لابن ابي حاتم'' کا مقدمہ اور کتاب "المجروحين لابن حبان" کا مقدمہ اور کتاب "الكامل لابن عدي" کا مقدمہ اور کتاب " الموضوعات لابن الجوزي" کا مقدمہ اور کتاب "الميزان للذهبي" کا مقدمہ اور ''لسان الميزان لابن حجر'' رحمهم الله۔ ان سب بزرگوں نے خوب شرح وبسط کے ساتھ اس موضوع کا احاطہ کیا ہے۔ اسی طرح ''كتاب التنكيل'' کے جزء اوّل میں بے حد مفید قواعد اور فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب الشیخ العلامۃ عبدالرحمٰن بن یحییٰ کی کتاب ہے خصوصاً انہی کا اس موضوع پر ایک اہم رسالہ بھی ہے جس کا نام "علم الرجال واهميتهٗ" ہے اور یہ شیخ علی حسن الحلبی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

جرح رجال کی بنا اگرچہ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی [۱] اور خوارج و روافض وغیرہ پیدا ہو چکے تھے، حدیثوں کے لینے میں احتیاط شروع ہو گئی تھی۔ خود صحابہؓ سے بہت سی جرحیں ثابت ہیں لیکن اس وقت تک سلسلہ حدیث میں زیادہ وسائط پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے چنداں ضرورت نہ ہوئی۔ آگے چل کر وسائط بڑھے اور ہوا پرست فرقے پیدا ہو گئے۔

اس لیے اکابر تابعین حسن بصری، طاؤس، ایوب سختیانی، عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، امام مالک، یحییٰ بن سعید قطان، شعبہ وغیرہ جو ارکین فن حدیث ہیں، و نیز ان کے بعد کے محدثین جن کا تقویٰ و دیانت مسلم ہے، بہ نیت ذبّ عن الرسول و عن الاسلام و نصیحۃ المسلمین اس طرف متوجہ ہو گئے۔ [۲] رجال کی دیکھ بھال بڑی سختی سے شروع کی اور اس کے لیے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ مثلاً معاصر کی جرح معاصر کے حق میں فلاں حالت میں مقبول اور فلاں حالت میں غیر مقبول ہے۔ وغیرہ۔

← اسے الریاض سے دار الرایۃ للنشر و التوزیع نے شائع کیا ۱۴۱۷ھ۔ اسی طرح بہت سے جدید ابحاث بھی اس موضوع پر موجود ہیں جنھیں طوالت کے خوف سے یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے بہترین بحث "النقد عن المحدثین" کے نام سے دکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی کی ہے اور یہ بحث امام مسلم کی کتاب التمییز کے مقدمہ میں انہی کی تحقیق کے ساتھ مطبوعہ ہے۔ ایسے ہی شیخ دکتور عمر حسن فلاتہ کی کتاب "الوضع فی الحدیث" اور دکتور محمد ضیاء الرحمٰن الاعظمی کی کتاب "دراسات فی الجرح و التعدیل" مشہور ہیں۔

[۱] فتح المغیث للعراقی ۱۵۱/۴، للسخاوی ۱۰۰/۱۰۱ و ۳۵۶/۴ علی حسین علی کی تحقیق کے ساتھ مطبوعہ الجامعۃ السلفیہ بنارس، ہندوستان۔

[۲] بہت مناسب ہے کہ اس موضوع کے مطالعہ کے لیے انہی مصادر و مراجع کا مطالعہ مفید رہے گا۔ جن کا ذکر ابھی گزرا ہے۔

امام ذہبی کا اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ موجود ہے جس کا عنوان ہے "ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح و التعدیل" اس میں انھوں نے تابعین کے بعد سے لے کر اپنے اس دور تک کے تمام آئمہ کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے جرح و تعدیل میں کلام کیا ہے۔ ۷۱۵ افراد کے تذکرہ کو انھوں نے بائیس طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ امام سخاوی نے فتح المغیث میں اس کی تلخیص بھی کر دی ہے۔ اپنی مطبوعہ کتاب "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" ص ۷۰۶۔۷۲۳ میں بھی تذکرہ کر دیا ہے۔ یہ فرانز روزنثال کی کتاب "علم التاریخ عند المسلمین" میں بھی ہے (مترجمہ: دکتور صالح احمد العلی۔)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ذہبی اور سخاوی کے دو رسالے بھی تحقیق کیے ہیں اور انہیں کتاب "أربع رسائل فی علوم الحدیث" کے ضمن میں شائع کر دیا ہے۔ اسے حلب کے مکتب المطبوعات الاسلامیہ ط ثالث کے تحت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں شائع کیا ہے۔

متاخرین میں سے تدوینی، تہذیبی اور تنقیحی طور پر جن آئمہ عظام نے اس میں طبع آزمائی فرمائی ہے ان میں مزی، ذہبی اور ابن حجر معروف ہیں ان کی اس باب میں مشہور و معروف کتب بھی موجود ہیں اور اس فن کے ساتھ مشغول اکثر علماء کا انہی کتب پر اعتماد ہے اور امام سیوطی نے خوب فرمایا: "محدثین فن حدیث میں رجال کے لیے مزی، ذھبی، عراقی اور ابن حجر کے مرھون منت ہیں (طبقات الحفاظ ص ۵۱۸، ترجمۃ الذھبی)

اس میں کیا شبہ ہے کہ قرآن میں جہاں حکم دیا ہے ﴿ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا﴾ [1] یہ بھی حکم دیا گیا ہے ﴿ولا یغتب بعضکم بعضا﴾ [2] جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت جرح جائز ہے اور جس قدر ضرورت ہو، اس سے تل برابر بیش ناجائز۔ [3] جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جرح نہایت خطرناک امر ہے جس میں نہایت دیانت، راست بازی وتقویٰ اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

ابن خلاد [4] نے امام یحییٰ بن سعید قطان سے پوچھا، کیا آپ کو ان لوگوں سے خوف نہیں ہے جن کی حدیثیں آپ نے ترک کر دیں کہ قیامت کے دن آپ کے فریق ہوں؟ ابن قطان نے فرمایا کہ ان کا مدعی ہونا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے اچھا ہے۔ اگر میں باوجود علم کے کہ یہ شخص بددیانت، کاذب، متساہل ہے، روایت لوں تو خود آنحضرت ﷺ کو اپنا فریق بناؤں۔ [5]

امام بخاری نے جو احتیاط جرح رجال میں اختیار کی، وہ اعلیٰ درجہ کی دیانت، اخلاص، تقویٰ پر دلالت کرتی ہے۔ جرح رجال میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے انداز سے جرح کی جائے کہ کوئی شخص جرح کرنے والے پر مواخذہ نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کی جرحیں "ترکوہ، انکرہ الناس، المتروك، الساقط، فيه نظر، سكتوا عنہ" وغیرہ الفاظ کے ساتھ ہوا کرتی ہیں۔ وضاع، کذاب جیسے الفاظ سے جرح بہت قلیل آپ سے ثابت ہوئی۔ [6] بہت سخت جرح امام

---

[1] سورۃ الحجرات، آیت:٦

[2] سورۃ الحجرات، آیت:١٢

[3] اس لیے بعض علماء نے اس ضرورت کو روایت تک ہی محدود رکھا ہے چنانچہ حافظ سخاوی نے مضبوط کلام کے ذریعے ان کا رد فرمایا ہے فتح المغیث (٤/٣٦٣) میں یہ بحث دیکھی جا سکتی ہے

[4] ابن خلاد: وہ ابو بکر محمد بن خلاد بن کثیر الباھلی البصری ثقہ ہیں وفات ٢٤٠ھ (صحیح قول کے مطابق) م د س ق، التقریب ص ٨٣٢، التھذیب ٩/١٥٢۔

[5] الکفایۃ ص :٩٠، مقدمۃ ابن الصلاح میں یہی بحث ص ٣٥٠ پر ہے۔ شرح الفیۃ العراقی ٤/١٥١ (التبصرۃ والتذکرۃ ٣/٢٦١) الشذا الفیاح ٢/٧٢٠ لیکن آخری بات اس میں ہے "تو نے میری حدیث سے جھوٹ کو کیوں دور نہ کیا" مزید دیکھیے: الکامل لابن عدی ١/١١٠، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع ٢/٩١۔
میں نے اپنی کتاب کے مقدمۃ التحقیق لکتاب الشجرۃ فی احوال الرجال للجوزجانی میں دیگر اس قسم کی روایات بھی نقل کی ہیں (ص ٦٦۔٦٩) اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کا جرح وتعدیل میں کلام کرنا ایمان اور حصول اجر کے لیے تھا اور یہ کہ وہ بے حد انصاف سے کلام فرماتے تھے اور عداوت ودشمنی کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ آمین۔

[6] بکر بن منیر نے کہا: میں نے ابو عبداللہ امام بخاری سے سنا وہ کہتے تھے کہ: مجھے امید ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ملوں گا کہ وہ مجھے کسی کی غیبت کرنے پر میرا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ تاریخ بغداد ٢/١٣، طبقات الحنابلۃ ١/٢٧٦، تھذیب الاسماء و اللغات ١/١/٦٨، تھذیب الکمال ٢٤/٤٤٦، تاریخ الاسلام للذھبی ص ٢٥٩، طبقات الشافعیۃ للسبکی ٢/٢٢٣، مقدمۃ ←

بخاری کی منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری کی یہ اصطلاح ہے کہ جب وہ منکر الحدیث بولتے ہیں تو اس سے روایت حلال نہیں ہے۔ قال ابن القطان [1] قال البخاری کل من قلت فیہ منکر الحدیث لا یحل الروایة عنه. [2]

ایک دفعہ کسی نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا جس میں تدلیس کے ہونے کا گمان تھا۔ آپ نے فرمایا: یا ابا فلان ترانی ادلس یعنی کیا تم کو گمان ہے کہ میں تدلیس کرتا ہوں حالانکہ میں نے اسی تدلیس کے شبہ پر ایک شخص کی دس ہزار حدیثیں ترک کر دیں اور اسی قدر نہیں بلکہ اس سے زائد ایک اور دوسرے شخص کی تمام حدیثوں کو نظر

← الفتح ۴۸۰، تغلیق التعلیق ۳۹۸/۵۔

ذہبی نے کہا: اللہ ان پر رحمت فرمائے، انھوں نے سچ فرمایا جو کوئی جرح وتعدیل میں ان کا کلام دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ لوگوں کے متعلق بات کرنے میں کس قدر محتاط تھے اور کسی کو ضعیف قرار دینے میں کس قدر انصاف سے کام لیتے ہیں۔ عموماً ان کا کہنا ہوتا ہے منکر الحدیث، سکتوا عنه، فیه نظر اور اس طرح کے دیگر الفاظ۔

اور کم ہی "کذاب، کان یضع الحدیث" کے الفاظ ذکر کرتے۔ حتیٰ کہ انھوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر میں کہوں "فی حدیثه نظر" تو وہ متہم اور واہی ہے۔ اسی لیے تو وہ کہتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی غیبت کے سلسلہ میں میرا مواخذہ نہیں کرے گا اور بخدا یہ انتہا درجے کی پرہیزگاری ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۹، ۴۴۱) اور ایسی بات تاریخ اسلام میں بھی ہے (ص ۲۵۹) اور تاریخ اسلام سے ہی سبکی نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے ۲/۲۲۴۔

ابن حجر کا کہنا ہے کہ: امام بخاری لوگوں پر کلام کرنے سے پہلے بہت احتیاط سے کام لیتے اور یہ بات اس پر واضح ہو جائے گی جو ان کی کلام جرح و تعدیل میں غور کرے گا۔ وہ اکثر کہتے ہیں " سکتوا عنه، فیه نظر، ترکوه "اور اس جیسے الفاظ۔ کم ہی ایسے الفاظ ملتے ہیں 'کذاب، وضاع"۔ البتہ یوں کہتے ہیں " کذبه فلان، رماه فلان یعنی بالکذب" (مقدمة الفتح ۴۸۰ ونحوه فی التغلیق ایضًا ۳۹۸/۵)۔

[1] وہ حافظ ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک الحمیری الفاسی ہیں، وہ ابن القطان کے نام سے بھی معروف ہیں۔ وفات: ۶۲۸ھ (سیر اعلام النبلاء ۲۲/۳۰۶) ان کی بہت مشہور کتاب "بیان الوهم والایهام الواقعین فی کتاب الاحکام" ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں عبد الحق اشبیلی کی کتاب الاحکام پر خوب نقد کیا ہے بعد ازاں یہ کتاب ڈاکٹر الحسین آیت احمد کی تحقیق کے ساتھ چھ جلدوں میں شائع ہو گئی۔ پہلی جلد میں ان کی زندگی اور ان کی کتاب پر ہی زیادہ تر گفتگو کی گئی ہے۔ جب کہ چھٹی جلد فہارس کے ساتھ ہی خاص ہے۔

[2] بیان الوهم والایهام ۳/۳۷۷، ح: ۱۱۲۰۔ اس سے آگے روایت کیا صاحب میزان الاعتدال نے ابان بن جبلة کے ترجمہ میں ۱/۶ اور ۲/۲۰۲ میں سلیمان بن داود الیمامی ابو الجمل کے ترجمہ میں۔ طبقات الشافعية للسبکی ۲/۲۲۴، لسان المیزان ۱/۲۰، ۳/۸۳۔

ابن حجر نے اسے تغلیق التعلیق ۵/۳۹۷ میں ذکر کیا۔ سیوطی نے تدریب الراوی ۱/۳۴۹ میں، سخاوی نے فتح المغیث (۲/۱۲۵) میں لیکن انھوں نے اس میں ابن القطان کا ذکر نہیں کیا۔

ابن القطان نے بھی اپنی سند امام بخاری تک ذکر نہیں کی لیکن ابن حجر نے ابان بن جبلہ کے ترجمہ میں لسان المیزان (۱/۲۰) میں لکھا ہے کہ: "یہ قول عبد السلام بن احمد الخفاف سے صحیح سند کے ساتھ امام بخاری کے متعلق مروی ہے" اور سخاوی نے بخاری سے ایک روایت میں ذکر کیا ہے: "لا یحتج به" (فتح المغیث ۲/۱۲۵) یعنی یہ قول " لا تحل الروایة عنه" کے بدلے میں ذکر کیا ہے۔

انداز کر دیا جس میں مجھ کو تامل (نظر) تھا۔ [1] اسی واقعہ سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو مواضع التہم سے کس قدر نفرت اور پرہیز تھا۔

علامہ عجلونی نے امام بخاری کے احتیاط اور تہمت کے محل سے دور رہنے کی ایک حکایت نقل کی ہے۔

امام صاحب کو اپنے تحصیل علوم کے زمانے میں ایک دفعہ دریا کا سفر پیش آیا۔ آپ جہاز میں سوار ہوئے تو آپ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھی تھیں۔ ایک شخص نے جہاز والوں سے امام صاحب کی خدمت میں حسن عقیدت ظاہر کیا اور آپ کے ساتھ اس نے نہایت خلا ملا رکھا۔ اس خدمت گزاری کی وجہ سے امام صاحب کا میلان خاطر بھی اس کی جانب ہو گیا۔ شدہ شدہ اس کا یہ انجام ہوا کہ آپ نے اپنی ان اشرفیوں کی اسے اطلاع دے دی۔

ایک روز ان کا یہ رفیق سو کر اٹھا اور رونا، چیخنا، کپڑے پھاڑنا، سر پیٹنا شروع کر دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر متعجبانہ حیرت کے لہجے میں پوچھنے لگے، کیا ہوا؟ لوگوں کے اصرار پر اس نے کہا۔ میرے پاس ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی، وہ گم ہو گئی۔ لوگ کشتی والوں کے پیچھے پڑ گئے اور ایک ایک کی تلاشی لی جانے لگی۔ امام صاحب نے چپکے سے آہستہ اشرفیوں کی تھیلی سمندر میں پھینک دی۔ شدہ شدہ امام صاحب کی بھی تلاشی لی گئی۔ جب کسی کے پاس سے تھیلی برآمد نہ ہوئی تو اہل جہاز نے اس کو سخت ملامت کی۔

لوگ جہاز سے اترے تو وہ رفیق تنہائی میں ان سے ملا اور پوچھا کہ فرمائیے آپ نے اشرفیوں کی وہ تھیلی کیا کی؟ امام صاحب نے فرمایا، میں نے سمندر میں پھینک دی۔ اس نے پوچھا کہ آپ کے دل نے اس قدر رقم کثیر کا ضائع ہونا

---

[1] مقدمۃ الفتح ۴۸۱، اور دیکھیے: تاریخ بغداد ۲/۲۵ اور اس میں دو مقامات پر یہ الفاظ ہیں "لی فیہ نظر"
تاریخ دمشق ۱۵/۴۷/ب، تحفۃ الاخباری ص ۱۸۳، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۰ و ۲/۱۰ لیکن باوجود اس کے بعض کی جرأت دیکھیں کہ انھوں نے ان پر تدلیس کا الزام لگا دیا۔ ابن حجر کا کہنا ہے: "یہ بات ابوعبداللہ ابن مندہ نے اپنی کلام میں ذکر کی ہے اور یوں کہا کہ:
أخرج البخاری، قال فلان، وقال لنا فلان و ھو التدلیس۔
ابن حجر کا کہنا ہے: "لیکن ابن مندہ کی موافقت اس پر نہیں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس سے انھوں نے خود نہیں سنا ہوتا اس کے متعلق کہتے ہیں: "قال" اور جس سے سنا تو خود ہو لیکن ان کی شرائط کے مطابق نہ ہو یا موقوفاً سنا ہو تو کہتے ہیں "قال لی" یا "قال لنا" اور اس چیز کا مجھے ان کی عبارات دیکھ کر بالاستقراء معلوم ہوا ہے" تعریف أھل التقدیس ص ۴۳، ۴۴
مزید دیکھیے: تغلیق التعلیق ۲/۹-۱۰ النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲/۶۰۱، التبیین فی اسماء المدلّسین لسبط ابن العجمی ص ۱۷۴۔
اور سبط ابن العجمی نے اسے ابن مندہ کی طرف منسوب کیا ہے "شروط الائمۃ فی القرأۃ والسماع والمناولۃ و الاجازۃ" کے جزء میں۔ لیکن کتاب شروط الائمۃ جو کہ تاخیر سے شائع ہوئی ہے مجھے اس میں نہیں مل سکا۔ یہ کتاب دار المسلم الریاض سے ۱۴۱۶ھ میں بمطابق ۱۹۹۵م میں طبع ہوئی ہے اور ہو سکتا ہے یہ کوئی اور کتاب ہو۔ واللہ اعلم۔

کیوں کر گوارا کیا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ تمہاری عقل کہاں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میری تمام عمر رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کی طلب میں ختم ہوگئی اور میری ثقاہت دنیا میں مشہور ہے۔ تو کیا میرے لیے سرقہ کا اشتباہ اپنے اوپر لینا کس طرح مناسب تھا۔ جس دولت (ثقاہت اور اعتبار) کو میں نے تمام عمر میں حاصل کیا، اس کو چند اشرفیوں کی وجہ سے کھو دیتا؟ [1]

امام صاحب کے ایک شیخ حدیث ہیں جن کا نام ہے مسدّد۔ امام صاحب ان کی نسبت فرماتے ہیں:

"مسدد كاسمه مسدد لا ابالي ان يكون كتبي عنده او عندي". [2]

یعنی مسدد (صاحب راستی) اسم بامسمّٰی ہیں۔ میری کتابیں میرے پاس ہوں خواہ ان کے پاس، مجھے کسی طرح کا کھٹکا نہیں۔

اس مقولہ سے معلوم ہوا کہ کتب حدیثیہ کے استحفاظ میں اسی قدر احتیاط سے کام لیتے جس طرح اخذ روایت میں اور ہر شخص کے پاس اپنی کتابوں کا رہنا پسند نہ فرماتے۔ [3]

---

[1] العجلونی نے ہی الفوائد الدراری میں اس روایت کا تذکرہ کیا ہے۔
میں کہتا ہوں: "روایت کا یہ سیاق اس ترجمہ کے عین مطابق ہے جو مصنف رحمہ اللہ نے اپنی اردو کتاب میں ذکر کی ہے، جب کہ آج تک مجھے عجلونی کی کتاب نہیں مل سکی۔

[2] صحیح بخاری (۴۳۷/۳، كتاب الحج، باب من اين يخرج من مكة، ح:۱۵۷۶) میں اپنے شیخ مسدد بن مسرھد بصری سے ایک روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "ابوعبداللہ کا کہنا ہے: کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے نام مسدد کی طرح واقعی مسدد تھے یعنی اسم بامسمّٰی تھے۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں، میں نے یحییٰ بن معین سے سنا، وہ کہتے تھے میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا وہ کہتے تھے "اگر میں مسدد کے گھر میں جا کر ان سے کسب فیض کرتا تو وہ اس کے حقیقی مستحق تھے اور مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ میری کتابیں میرے پاس ہوں یا مسدد کے پاس"
امام بخاری نے یحییٰ بن سعید کا یہ قول اپنی تاریخ کبیر میں (۷۳/۸) اور اوسط (۲۵۱/۲) میں آخری جملے کے بغیر ذکر کیا ہے جس میں کہا گیا کہ "مجھے اس بات کی کچھ پرواہ نہیں...... یہاں سے وہم پڑتا ہے کہ یہ قول خود امام بخاری کا اپنا ہے نہ کہ یحییٰ بن سعید کے کلام کا تکملہ ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ کا گمان ہے۔
ابن محرز نے ابن معین سے روایت کیا کہ: "مجھے یحییٰ بن سعید نے کہا: اگر میں اپنی کتابیں کسی کے پاس ایسے وقت میں چھوڑنا چاہوں جب کہ میں مکہ جا رہا ہوں تو میں انہیں مسدد کے ہاں رکھوں گا" (معرفة الرجال ۸۶/۱، ۱۳۸/۲)۔
تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ یحییٰ بن سعید القطان کا اپنا جملہ ہی ہے نہ کہ امام بخاری کا۔ واللہ اعلم۔

[3] امام بخاری کے زھد و تقویٰ اور برائی سے بچنے میں انتہا درجے کی پرہیزگاری کا عالم یہ تھا کہ وہ خرید و فروخت سے اجتناب کرتے تھے۔
اُن کے وراق کا کہنا ہے کہ: میں نے ابوعبداللہ سے سنا انھوں نے کہا: میں نے کبھی کسی چیز کی خرید و فروخت کا ذمہ نہیں اٹھایا تو میں نے انہیں کہا کہ: یہ کیسا ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "کہ اس نے بیع حلال کی ہے"، تو انھوں نے کہا: کیوں کہ اس میں کمی بیشی اور آمیزش وغیرہ کا خطرہ رہتا ہے لہٰذا میں کسی دوسرے سے بھاؤ تاؤ کرنے سے ڈرتا ہوں۔ میں نے عرض کی: تو آپ کے سفر اور دیگر ضروری معاملات میں آپ کی اس سلسلہ میں ذمہ داری کون لیتا ہے، تو انھوں نے کہا: مجھے اس کی کفایت دی گئی تھی (سير اعلام النبلاء ۴۴۶/۱۲)۔ ←

اخلاق وعادات اور طرز معاشرت

امام بخاری کو اپنے والد علامہ اسماعیل کے ترکہ سے بڑی دولت ہاتھ لگی تھی۔ علامہ اسماعیل کی تجارت کوئی معمولی تجارت نہ تھی لیکن جس طرح عام تاجروں کا قاعدہ ہے کہ بہتیری بد احتیاطیاں، اپنی غفلت یا اہل کاروں کی سستی یا غلطی سے ایسی واقع ہوتی رہتی ہیں جن سے ایک محتاط آدمی کو پرہیز لازم ہے اور اس طرح حاصل کردہ دولت مشتبہ خیال کی جاتی ہے، علامہ اسماعیل کی تجارت ان بداحتیاطیوں سے پاک رہی۔ اسماعیل کا اپنی وفات کے وقت ابوحفص [1] سے جو ان کے خاص تلامذہ میں سے تھے، یہ فرمانا کہ میں اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں پاتا [2] اور یہ سن کر ابوحفص کا چوکنا ہونا [3] بتلاتا ہے کہ امام اسماعیل کا وفات کے وقت یہ کہنا اس غرض سے تھا کہ میرا وارث (جو آئندہ تمام دنیا کا امام بننے والا تھا اور جس کو امام المحدثین کا خطاب ملنے والا تھا) اس کو مشتبہ خیال کر کے اس سے دست برداری نہ کرے بلکہ اپنی مشکلات میں اس سے مدد لے۔ یہ مال بالکل طاہر اور ہر طرح طیب ہے۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں۔ امام بخاری نے اس مال کو مضاربت میں (جو تجارت کی ایک صورت ہے) لگا دیا تھا [4] اور اس طرح وہ بالکل فارغ البال ہو کر علم نبوی کی خدمت میں مصروف ہوئے اور خدائے پاک نے ہر طرح کے استغنا سے بہرہ ور کر رکھا تھا۔

← ایسی ہی بات بخاری سے اختصار کے ساتھ بکر بن منیر نے بھی روایت کی۔ (تاریخ بغداد ۱۱/۲) مزید دیکھیے: تهذيب الاسماء و اللغات ۶۸/۱/۱، طبقات الشافعية للسبكي ۲۲۷/۲، تغليق التعليق ۳۹۵/۵، مقدمة الفتح ص ۴۷۹۔

واقعی امام بخاری رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ تاجر اکثر باہمی اختلافات میں پڑ جاتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے جماعت تجار! خرید و فروخت کے وقت شیطان اور گناہ دونوں ہی موجود ہوتے ہیں لہٰذا تم لوگ اپنی خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ کچھ صدقہ وخیرات ضرور کرتے رہا کرو'' (صحيح سنن الترمذی ۴/۲، ح: ۹۶۶)۔

اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ امام بخاری دوسروں پر بوجھ بن کر ناداری کی زندگی گزار رہے تھے بلکہ انہیں اپنے والد کی طرف سے کافی اموال ملے تھے جنہیں وہ مضاربت کے ذریعے کاروبار میں لگائے ہوئے تھے۔ اسی طرح ان کے پاس ایک قطعہ اراضی بھی تھا جسے وہ ہر سال سات سو درہم پر ٹھیکہ پر دیتے تھے (السير ۴۴۹/۱۲) اس کے علاوہ بھی ان کے ذرائع آمدنی موجود تھے، وہ اموال کو اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتے تھے اور خصوصاً طلبہ، فقراء اور مساکین وغیرہ پر وہ بہت احسان فرماتے اور ان پر یہ اموال صدقہ کرتے تھے۔

1. ابوحفص یہ احمد بن حفص بخاری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کا تعارف پیچھے گزر چکا ہے۔
2. مقدمة الفتح ص: ۴۷۹۔ ان کا ذکر اور ترجمہ ان کے والد کے ترجمہ میں گزر چکا ہے۔
3. یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ ابوحفص نے جب یہ بات سنی تو کہا: ''ایسے وقت میں، میں نے اپنی حیثیت کو بہت ادنیٰ محسوس کیا یعنی خود کو حقیر جانا''
4. مضاربت تجارت کی ایک قسم ہے۔ فریقین میں سے ایک مال لگاتا ہے اور دوسرا کام کرتا ہے۔ نفع باہمی اتفاق کے ساتھ نصف، تہائی یا چوتھائی جیسے مناسب ہو تقسیم کر لیا جاتا ہے۔

مزاج میں انتہا درجہ کی مروت اور رحم دلی خدا نے عطا کی تھی۔ ایک دفعہ ایک مضارب (شریک تجارت) پچیس ہزار درہم دبا بیٹھا۔ آپ کے خاص تلامذہ (محمد بن ابی حاتم وغیرہ) نے عرض کیا کہ قرض دار آمل [1] پہنچ گیا ہے۔ اس سے روپیہ وصول کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو مناسب نہیں کہ قرض دار کو پریشانی میں ڈالیں۔

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ قرض دار کو ہماری اس تحریک کی خبر پہنچی تو خوارزم چلا گیا۔ [2] پھر ہم نے عرض کی (کہ اب بھی بعید نہیں ہے) آپ حکومت سے مدد لیجیے اور گورنر کی طرف سے ایک خط حاکم خوارزم کے نام لکھوائیے۔ (قرض دار بات کی بات میں گرفتار ہو سکتا ہے) امام صاحب نے فرمایا، میں حکومت سے ایک خط کی طمع کروں گا تو حکومت میرے دین میں طمع کرے گی۔ اس طرح میں حکومت کا ممنونِ منت بننا نہیں چاہتا نہ اپنا دین دنیا کے عوض بیچنا چاہتا ہوں۔ [3]

آخر امام بخاری کے بہی خواہوں نے بلا اطلاع آپ کا ایک خط ابی سلمہ کاشانی سے (جو اس وقت آمل کا گورنر تھا) لکھوا کر قرض دار کو گرفتار کرانا چاہا جب اس کی خبر امام صاحب کو پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ میرے خیر خواہ نہ بنو۔ اسی وقت ایک خط کسی شاگرد کے نام خوارزم لکھا۔ میرے قرض دار سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ قرض دار خوارزم سے چھوٹا تو مرو کا قصد کیا لیکن دوسرے تاجروں سے مڈبھیڑ ہو گئی اور حکومت کو بھی اس معاملہ کی خبر ہو گئی۔ حکومت کی جانب سے سختی ہوئی تو امام بخاری کو اس کا افسوس ہوا اور بکراہت قرض دار سے یہ طے کیا کہ پچیس ہزار میں سے سال میں دس درم دے دیا کرے۔ وراق کہتے ہیں، اس قرض کا انجام یہ ہوا کہ امام بخاری تک ایک حبہ بھی نہیں پہنچا۔ [4]

اس تجارت (مضاربت) کی آمدنی سے سرتا سر امام بخاری کا مقصد تھا خلق خدا کو نفع پہنچانا جس قدر اہل علم اور طلبہ رہتے، اس سے ان کی خبر گیری کی جاتی۔ شیوخ و محدثین کی مدد کی جاتی۔ [5] مہینے میں اپنی آمدنی کا پانچ سو درہم فقراء

---

[1] آمل، غربی جیحون سے مرو جاتے ہوئے بخارا کی راہ میں واقع ایک مشہور شہر کا نام ہے، اس شہر کے مقابل شرق جیحون میں فربر واقع ہے جسے تاتاریوں نے تاراج کیا تھا۔ (مراصد الاطلاع ۶/۱)

[2] خوارزم: ایک بہت بڑا علاقہ ہے اس کا بڑا شہر جورجانیہ ہے، عمارات باہم متصل ہیں اور اس کی بستیاں جیحون پر قریب قریب ہیں۔ (حوالہ سابقہ)

[3] مقدمۃ الفتح ص ۴۷۹۔

[4] سیر اعلام النبلاء ۴۴۶/۱۲، کتاب میں موجود عبارت اسی حوالہ کی ہے۔ تاریخ الاسلام للذھبی ص: ۳۶۱، طبقات الشافعیۃ للسبکی ۲۲۶/۲-۲۲۷، مقدمۃ فتح الباری میں بھی حافظ ابن حجر نے بالاختصار اس کا ص ۴۷۹ میں ذکر کر دیا ہے، تغلیق التعلیق ۳۹۴/۵۔

[5] مرقاۃ المفاتیح ۱۴/۱۔
ابن ناصر الدین دمشقی نے کہا: ہمیں یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ ان کی تجارت ان کے والد کی طرف سے ملنے والی وراثت کے مال سے تھی۔ ←

اور مساکین محدثین اور طلبہ پر صرف کرتے۔ ◆ طلبہ کے قلوب علوم نبویہ کی تحصیل کے لیے پرچاتے۔ اہل علم کے ساتھ کثیر الاحسان رہتے۔ کھانے پینے کے تکلفات اور عیش پسندی سے بہت دور رہتے۔ جفاکشی کی عادت طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ◆

محمد بن ابی حاتم امام بخاری کے کاتب کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک بار طالب علمی کے زمانہ میں آدم بن ابی ایاس ◆ کے پاس جانے میں راہ خرچ چوک گیا تو میں نے کئی روز گھاس کی پتیاں کھا کر گزار دیئے اور مطلق کسی کو نہ اس کی خبر کی نہ سوال کیا۔ جب تیسرا دن ہوا تو میرے پاس ایک اجنبی آیا۔ اس نے مجھے اشرفیوں کی ایک تھیلی تھمادی اور کہا کہ اسے اپنی ذات پر خرچ کرو ◆

← اس رقم کو امام صاحب بطور مضاربت کے کاروباری حضرات کو دے رکھا کرتے تھے۔ اس مال سے آپ بہت صدقہ وخیرات کرتے اور خصوصا طالب علم حضرات کے ساتھ بہت حسن سلوک فرماتے تھے (تحفۃ الاخباری ص ۲۰۸)۔

◆ مرقاۃ المفاتیح ۱/۱۴۔

◆ محمد بن ابی حاتم کا کہنا ہے: ''میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میں ہر ماہ پانچ سو درہم بچالیا کرتا تھا، پھر یہ سارے میں حصول علم میں ہی خرچ کر ڈالتا۔ میں نے پوچھا: اس طریقے سے خرچ کرنے والے اور ایسے شخص کے درمیان جو مال دار نہیں ہے وہ مال جمع کرتا ہے پھر کمائی کرتا ہے تاکہ علم حاصل کرے پھر کہیں جا کے اس کے پاس علم آتا ہے تو ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: وہ جو اللہ تعالی کے ہاں ہے وہی باقی رہنے والا اور وہی بہتر ہے'' (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۹، تاریخ اسلام ص ۲۶۴) اور تغلیق التعلیق میں یہی بات قدرے اختصار کے ساتھ ۵/۳۹۵ پر ہے۔

انھوں نے یہ بھی لکھا کہ: امام بخاری بہت کم کھانا کھاتے، طالب علموں پر بہت شفقت فرماتے اور بڑے سخی انسان تھے۔ (مقدمۃ الفتح، ص: ۴۸۱)۔

ابن ابی حاتم نے یہ بھی تحریر کیا کہ: کبھی امام بخاری پر ایسا دن بھی آ کر گزر جاتا کہ وہ سارے دن میں ایک روٹی بھی نہ کھاتے (تغلیق التعلیق ۵/۳۹۸) البتہ کبھی دو یا تین بادام کھا لیتے، مصالحہ دار ہنڈیا اور بھنی ہوئی اشیاء سے پرہیز کرتے۔ ایک دن مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگے: (صدقہ وخیرات کر کے) خوش ہونے والا (مال کی کمی میں) اپنے ساتھیوں جیسا ہو گیا ہے: اے ابوجعفر! ہمیں سال بھر میں کافی سارا مال درکار ہے میں نے پوچھا: اندازاً کتنا مال درکار ہے؟ تو انھوں نے کہا: مجھے چار ہزار یا پانچ ہزار درہم درکار ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ: امام بخاری بہت صدقہ کرنے والے تھے وہ ضرورت مند اہل حدیث کا ہاتھ تھام لیتے تو انہیں تقریباً بیس سے تیس دراہم یا اس سے کم یا اس سے زیادہ دراہم پیش کر دیتے اور اس بات کا انہیں شعور بھی نہ ہونے دیتے۔ اپنی درھموں والی تھیلی کا خیال رکھتے، اسے خود سے جدا نہ کرتے اور میں نے دیکھا کہ ایک روز وہ ایک شخص کو ایک تھیلی پیش کرنے کی بار بار کوشش کر رہے تھے۔ جس میں تین سو درہم موجود تھے کیونکہ درھموں کی یہ تعداد مجھے بعد ازاں ایک آدمی نے بتائی تھی اور آپ کی غرض ان سے دعا کی درخواست کرنا تھا۔ امام بخاری نے اس شخص سے کہا: مطمئن ہو کر اسے قبول فرمالیجیے اور کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں تاکہ کسی اور کو اس کا پتہ نہ چل سکے (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۵۰، تاریخ الاسلام ۲۶۴)۔

◆ یہ ان کے شامی اساتذہ میں سے ہیں ان کا ترجمہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

◆ الطبقات الکبری للسبکی ۲/۲۲۷۔

←

ابوالحسن یوسف بن ابی ذر بخاری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام بخاری علیل ہوگئے۔ان کا قارورہ طبیبوں کو دکھایا گیا۔ طبیبوں نے قارورہ دیکھ کر کہا۔ یہ قارورہ ان درویشوں کے قاروروں سے مشابہ ہے جو روٹیوں کے ساتھ سالن کا استعمال نہیں کرتے اور جن کا گزران صرف خشک روٹیوں پر ہے۔ علاج بھی بالاتفاق یہی تجویز ہوا کہ ان کو روٹیوں کے ساتھ سالن دیا جائے۔ آپ سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ چالیس برس سے سالن نہیں کھایا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اطباء نے آپ کے علاج میں سالن تجویز کیا ہے۔ آپ نے یہ سن کر علاج سے انکار کر دیا۔ ان کے شیوخ اور دیگر اہل علم نے مجبور کیا تو روٹیوں کے ساتھ شکر کھانی منظور کی۔ [1]

حقیقت امر یہ ہے کہ جو شخص احادیث رسول اللہ ﷺ کی دھن میں **یوما بِحُزْوٰی** [2] **و یوما بالعقیق** [3] ہو، اس کو کھانے اور پہننے کے تکلفات سے کیا تعلق۔ کبھی جبال خراسان میں دکھائی دے رہا ہے تو کبھی کوہ لبنان پر مقیم ہے، کبھی بصرہ کا سفر درپیش ہے تو کبھی کوفہ میں درس دیتا نظر آتا ہے، کبھی مسجد نبوی میں **بین المحراب و المنبر** صحیح

← مزید دیکھیے: تاریخ الاسلام للذھبی ص ۲۶۳، سیر اعلام النبلاء ۴۴۸/۱۲، تغلیق التعلیق ۳۹۵/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۰۔

[1] مقدمۃ الفتح ص ۴۸۱، تغلیق التعلیق ۳۹۸/۵۔

[2] یہ مصرع دراصل ابومحمد عبداللہ بن احمد بن الخازن کا ہے جو اس نے صاحب بن عباد کی مدح میں کہا تھا اس میں شعر اس طرح ہے:

لا تستقر بارض او تسیر الی
اخری بشخص قریب عزمه نائی
یوما بِحُزْوٰی و یوما بالعقیق
و بالعذیب یوما و یوما بالخلیصاء

تجھے کسی ایک جگہ قرار نہیں ملتا اور تو دوسری جگہ کسی قریبی شخص کو ملنے چلا جاتا ہے حالانکہ اس کا ارادہ کرنا بھی دور ہوتا ہے۔ایک دن تو حزوی نامی جگہ پر ہوتا ہے تو دوسرے دن عقیق مقام پر۔اس طرح کسی دن عذیب مقام پر تیرا ڈیرہ ہوتا ہے تو کبھی خلیصاء مقام پر۔

دیکھیے: یتیمۃ الدھر للثعالبی ۲۲۸/۳، معجم البلدان ۳۸۶/۲

الخلیصاء: اسم ممدود ہے۔خا لفظ دار مضموم ہے، لام پر زبر اور یا ساکن ہے۔

حزوی کا تلفظ یوں ہوگا کہ پہلا حرف مضموم ہوگا جبکہ دوسرا ساکن، یہ لفظ اسم مقصور ہے اور بنو تمیم کے علاقے میں نجد کے نام سے ایک مقام ہے۔

[3] (معجم البلدان ۲۵۵/۲) عقیق، زمین میں پانی گزرنے کا وہ راستہ جو پانی نے کسی وادی میں اپنے گزرنے کے لیے خود ہی بنا لیا ہوتا ہے اور خوب چوڑا اور وسیع ہوگیا ہو جبکہ اس نام سے کئی ایک وادیاں مشہور ہیں جنھیں عقیق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ان میں عقیق المدینہ، عقیق عارض الیمامۃ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ (معجم البلدان ۱۳۸/۴، مراصد الاطلاع ۹۵۲/۲)۔

ایک اعرابی کا قول ہے۔

لَئِنْ طُلْنَ اَیَّام بِحُزْوٰی ، لَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ لیال بالعقیق قصار

حزوی مقام پر ایام طول پکڑ گئے ہیں لیکن عقیق مقام کی راتیں تو بالکل چھوٹی ہی گزریں۔ (معجم البلدان ۲۵۶/۲)

حدیثوں کا مجموعہ تیار کر رہا ہے، کبھی کسی شیخ کے پاس جانے میں خرچ چوک گیا ہے تو بھوک کی تکلیف کو جنگل کی پتیوں سے رفع کرتا ہے اور تین دن متواتر گھاس پات پر گزارہ کر کے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلنے کا شرف حاصل کرتا ہے جو اُن کو غزوۂ ذات الخبط میں پیش آیا تھا۔ [1] کبھی مجلس درس میں کئی روز تک دکھائی نہیں دیتا۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ بجز لنگی سارے کپڑے فروخت ہو چکے ہیں۔ حیا نے دامن پکڑ رکھا ہے۔ اس لیے حجرہ سے باہر نکلنا مشکل ہے۔ کبھی مسافر خانہ کی تیاری میں معماروں کے آگے اینٹیں اور گارہ پہنچانے میں مشغول ہے۔ منع کرنے پر هذا الذی ینفعنی کہہ رہا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اس فعل کا شوق دل میں جوش زن ہے جو مسجد نبوی کی تیاری اور غزوۂ احزاب کے روز خندق کھودنے میں پیش آیا۔ جن موقعوں میں خود نفس نفیس جناب رسول اللہ ﷺ اور کل صحابہ رضی اللہ عنہم مٹی اور پتھر کے اٹھانے میں مشغول تھے اور جوش مسرت میں فرماتے تھے تھے:

هذا الحِمَالُ لا حِمَالُ خَيْبَرَ
هذا ابرُّ ربّنا و اَطْهَرُ [2]

یہ بوجھ جس کو ہم اٹھاتے ہیں، خیبر کے خرموں اور کھجوروں کے بوجھ نہیں ہیں۔ خدا کی قسم اس سے کہیں زیادہ اچھے اور نفع بخش ہیں۔

کبھی ﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل﴾ [3] کی تعمیل میں مستغرق ہے اور تیر اندازی کی مشاقی کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں جا رہا ہے۔ کبھی نماز کے اندر کسی آیت یا سورہ کے پڑھنے میں اس قدر شغف ہے کہ موذی جانور کے نیش زنی کی حس تک نہیں۔ فراغت پانے پر دیکھا جاتا ہے تو نیش کا اس قدر ضرب ہے کہ نیش زدہ عضو متورم ہو گیا ہے۔ [4]

---

[1] صحیح البخاری ۸/۷۷۔ اس غزوہ کو غزوہ سیف البحر بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے یہ سریہ ابو عبیدہ بن جراح کی سالاری میں ساحل سمندر کی طرف بھیجا تھا۔ لمبے سفر میں رسد ختم ہو گئی تو ان لوگوں نے درختوں کے پتے کھائے۔ (مؤلف)
اس غزوہ ذات الخبط کا ذکر گزشتہ اوراق میں گزرا جہاں امام مسلم نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تھا۔

[2] صحيح البخاري ۷/۲۴۰، مناقب الانصار، باب هجرة النبي صلى الله عليه وآله وسلم واصحابه الى المدينة، ح: ۳۹۰۶۔

[3] سورة الانفال، آیت: ۶۰۔

[4] خطیب نے تاریخ بغداد میں اپنی سند کے ساتھ ابو سعید بکر بن منیر سے روایت کیا ہے کہ: ایک دن محمد بن اسماعیل نماز ادا کر رہے تھے کہ انہیں بھڑ نے سترہ مرتبہ ڈنک لگایا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہا:
دیکھنا یہ مجھے نماز میں کسی چیز نے تکلیف پہنچائی ہے؟ لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بھڑ نے سترہ جگہ پر ڈنک لگایا لیکن انھوں نے نماز نہیں توڑی (تاريخ بغداد ۲/۱۲)

مزید دیکھیے: تاريخ دمشق ۱۵/۴۸/أ، طبقات الحنابلة ۱/۲۷۶، تهذيب الكمال ۲۴/۴۴۶، تاريخ الاسلام ص ۲۶۰، ←

مزاج میں خدا ترسی بہت تھی۔ اسی طرح رحم دلی، انصاف پسندی یہ سب اوصاف گویا خلقی تھے۔ عبداللہ بن محمد الصیارفی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کی خدمت میں ان کے مکان پر حاضر تھا۔ آپ کی لونڈی آئی اور آپ کی طرف سے نکل چلی۔ اس کے پاؤں کی ٹھوکر سے دوات الٹ کر روشنائی گر گئی۔ امام بخاری نے غصہ سے فرمایا: ''کیف تمشین؟'' کس طرح چلتی ہو؟ شوخ لونڈی نے جواب دیا: ''اذا لم یکن طریق کیف امشی''؟ راستہ نہ ہو تو کیوں کر چلوں؟ امام صاحب یہ جواب سن کر بجائے غصہ ہونے کے فرماتے ہیں: ''جا میں نے

← سیر اعلام النبلاء ۴۴۲/۲، طبقات الشافعیۃ للسبکی ۲۲۳/۲، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۴، تغلیق التعلیق ۳۹۸/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۰۔

اُن کے وراق نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ: محمد بن اسماعیل کو دوستوں نے ایک باغ میں دعوت دی ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو لوگوں کو نماز پڑھائی پھر نفلی نماز شروع کر دی اور خوب لمبا قیام کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنی قمیض کا پلو اٹھا کر اپنے ساتھی سے کہا: ذرا دیکھنا میری قمیض کے نیچے کیا ہے؟ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک بھڑ نے سولہ یا سترہ جگہ پر ڈنک لگایا جس سے ان کے جسم پر ورم آ گیا۔ بھڑ کے ڈنک واضح نظر آ رہے تھے تو کسی نے کہا: آپ نے نماز بھی نہ توڑی؟ تو فرمایا: میں ایک انتہائی محبوب سورت کی تلاوت میں مشغول تھا اور اسے مکمل کر ہی لینا چاہتا تھا۔

تاریخ بغداد ۱۲/۲، تاریخ دمشق ۴۸/۱۵/ب، تهذیب الکمال ۴۴۷/۲۴، تاریخ الاسلام ص ۲۶۰، مختصراً، سیر اعلام النبلاء ۴۴۲/۱۲، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۰ اور تغلیق التعلیق میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۳۹۸/۵۔

میں کہتا ہوں: اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ یہاں مصنف رحمہ اللہ نے بھی تحریر کیا ہے ''لیکن یہ واقعہ جلیل القدر صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا ہے جب وہ غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے'' مگر مجھے یہ واقعہ کہیں نہیں مل سکا۔ البتہ ایک اور صحابی کا واقعہ اس واقعہ سے مشابہ ملا ہے جو غزوہ ذات الرقاع میں پیش آیا۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ: اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھاٹی میں پڑاؤ ڈالتے ہوئے فرمانے لگے: آج رات ہماری نگہبانی کون کرے گا؟ مہاجرین اور انصار سے ایک ایک آدمی اٹھے اور انھوں نے رات پہرہ دینے کا عندیہ دیا۔ اس گھاٹی کے دروازے پر پہرہ پر بیٹھ گئے اور انھوں نے رات کو آپس میں اس طرح بانٹ لیا کہ مہاجر صحابی سو گئے اور انصاری صحابی پہرہ دینے لگے۔ انصاری دوران پہرہ نماز میں لگ گئے۔ ادھر دشمن آیا اس نے انصاری کو دیکھا کہ نماز میں مشغول ہے، تیر مارا اور وہ تیر جا کر انصاری کو لگا۔ انصاری نے تیر کھینچا اور نماز میں ہی مشغول رہے۔ دشمن نے دوسرا تیر مارا، انصاری نے ویسے ہی کیا جیسے پہلے کیا تھا۔ دشمن نے تیسرا تیر مارا صحابی نے وہ بھی کھینچا اور رکوع میں چلے گئے پھر سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہو کر بقیہ رات کے پہرہ کے لیے اپنے دوسرے ساتھی کو بیدار کیا۔ جب اس نے اٹھ کر اس صحابی کے جسم پر خون دیکھا تو کہا: تو نے مجھے اس کی خبر کیوں نہ دی جب کہ اس نے ابھی پہلا ہی تیر چلایا تھا؟ تو صحابی نے جواب دیا دراصل میں ایک بہت ہی پسندیدہ سورت کی تلاوت کر رہا تھا جسے چھوڑنا میں نے مناسب نہ سمجھا۔

بیہقی نے یہ واقعہ ایک دوسری سند سے ''الدلائل'' میں نقل کیا اور اس میں مذکورہ انصاری صحابی کا نام عباد بن بشر بتایا ہے اور مہاجر صحابی کا نام عمار بن یاسر بیان کیا ہے اور سورت کا نام الکهف ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ۲۸۱/۱) مزید دیکھیے: سنن ابو داؤد ۵۱/۱ اور دلائل النبوۃ للبیهقی ۳۷۸/۳۔

تجھے آزاد کر دیا"۔ صیارفی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: اغضبتك یا ابا عبداللہ. آپ کو تو اس نے غصہ دلانے کی بات کی۔ آپ نے بجائے غصہ کرنے کے اُسے آزاد کر دیا۔ امام صاحب نے فرمایا، رضیت نفسی بما فعلت. جو اس نے کیا، میں نے اپنے نفس کو اس پر راضی کر لیا۔ [1] گویا امام بخاری نے بجائے لونڈی کو تنبیہ کرنے کے اپنے نفس کو تنبیہ کی۔

ایک دفعہ ابوحفص نے جو امام بخاری کے والد (اسماعیل) کے تلمیذ خاص تھے، [2] کچھ مال امام بخاری کی خدمت میں بھیجا۔ بعض تاجروں نے شام کو آ کر پانچ ہزار نفع دے کر خریدنا چاہا۔ امام صاحب نے فرمایا، آج آپ تشریف لے جائیں۔ میں صبح اس کی بات پختہ کروں گا۔ صبح ہوئی تو دوسرے تاجر پہنچے۔ انھوں نے بجائے پانچ ہزار کے دس ہزار نفع دے کر خریدنا چاہا۔ امام صاحب نے پچھلے تاجروں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے بوقت شب اس تاجر کو جو میرے پاس آیا تھا، مال دینے کی نیت کر لی تھی چنانچہ وہ مال پہلے تاجر کے حوالہ کر دیا اور پانچ ہزار کے اضافہ کی مطلق پرواہ نہ کی اور فرمایا: "لا احب ان انقض نیتی". میں اپنی نیت توڑنی پسند نہیں کرتا۔ [3] اصل غرض یہ تھی نفس کو ایثار پر مستعد رکھنا اور مال کی محبت سے، جو نہایت مذموم صفت ہے دور رکھنا کہ ع

آخر ایں صفرا بسودا می کشد۔ [4]

حفص بن عمر الاشقر کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں حدیث لکھتے تھے۔ ہمارے ساتھ امام بخاری بھی کتابت حدیث میں شریک تھے۔ امام بخاری کو ہم نے کئی روز کتابت حدیث میں شریک نہ پایا۔ تلاش کی تو اپنے حجرہ میں عریاں ملے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ خرچ بالکل چوک گیا ہے۔ بدن کے کپڑے بھی فروخت ہو چکے ہیں۔ بالآخر ہم نے چندہ

---

[1] مقدمة الفتح ۴۸۰، مرقاۃ المفاتیح ۱/۱۴ اور دیکھیے سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۵۲ اور تغلیق التعلیق ۵/۳۹۵۔

[2] وہ ابوحفص احمد بن حفص البخاری ہیں ان کا ترجمہ گزشتہ اوراق کی زینت بن چکا ہے۔

[3] مقدمة الفتح ص ۴۷۹، تغلیق التعلیق ۵/۳۹۵ یہ واقعہ خطیب بغدادی نے بھی روایت کیا ہے۔
لیکن ان کے الفاظ یہ ہیں: "وہ سامان تجارت کسی نے آپ کے پاس بھیجا" یعنی کسی کا نام لیے بغیر اسے روایت کیا ہے۔ تاریخ بغداد ۲/۱۱۔ آگے پھر ان سے ہی ابن جوزی نے المنتظم میں ۱۲/۱۱۸ پر روایت کیا۔ تحفة الاخباری، ص ۲۰۷، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۷، تاریخ الاسلام ص ۲۶۲ ۔ اسی طرح الطبقات میں علامہ سبکی نے ۲/۲۲۷ پر "وہ سامان ان کے بیٹے احمد نے بھیجا تھا" کے الفاظ لکھ دیئے ہیں اور امکان ہے کہ یہ الفاظ تحریف کیے گئے ہوں کیونکہ اکثر مترجمین نے امام بخاری کی کسی اولاد کا ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ عنقریب آگے آئے گا۔ واللہ اعلم۔
اس قصہ کو غنجار کے واسطہ سے ان کی تاریخ میں بکر بن منیر عن البخاری والے واسطے سے بھی ذکر کرتے ہیں ذہبی کا کہنا ہے: "اس کا مطلب محمد بن ابی حاتم نے واضح کیا ہے اور الفاظ بکر کے ہیں" سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۷ اور امام بخاری کے وراق ہونے کا شرف بھی تو محمد بن ابی حاتم کو ہی ہے۔ مصنف رحمہ اللہ بھی کتاب کے اخیر میں ان کا ترجمہ ذکر کریں گے جب کہ وہ امام بخاری کے تلامذہ کا تذکرہ لائیں گے۔

[4] یہ زردی بالآخر سیاہی کی جانب لے جائے گی۔

کیا اور آپ کے لیے پارچے تیار کرائے تو اس وقت سے ہمارے ساتھ کتابت میں شریک ہوئے۔ [1] ایسی حالت گزر جانے پر کسی سے اپنی حاجت پیش نہ کی۔ (تونگری بدل است نہ بمال)

ایک روز ابومعشر ضریر (نابینا) [2] سے فرمایا، اے ابومعشر! مجھے معاف کر دو۔ ابومعشر نے متحیر ہو کر پوچھا، ساتھی یہ کیا؟ اور کس بات کی معافی؟ امام بخاری نے کہا کہ آپ نے ایک روز ایک حدیث بیان فرمائی تھی۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ بہت خوش ہیں اور فرط مسرت سے سر اور ہاتھوں کو ہلا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ابو معشر نے عرض کیا: انت فی حل رحمك الله۔ آپ پر خدا رحم کرے، آپ سے کسی طرح کی باز پرس نہیں۔ [3]

ایک دفعہ ایک شخص نے مسجد میں آپ کی ریش مبارک سے ایک تنکا نکال کر وہیں مسجد میں ڈال دیا۔ جب تک لوگ آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور باتیں کرتے رہے۔ آپ کی نگاہ برابر اس تنکے کی طرف تھی۔ لوگوں کی نظر بچا کر آپ نے وہ تنکا اٹھا کر آستین میں رکھ لیا اور مسجد سے باہر ڈال دیا۔ یہ آداب مسجد اور اس کا احترام ہے جس چیز سے داڑھی ستھری صاف اور محفوظ رکھی جائے، اس سے مسجد کو بھی صاف رکھنا چاہیے۔ [4]

مزاج میں بہت بڑی احتیاط تھی۔ غیبت سے نہایت کنارہ کش رہتے۔ فرماتے:

"ما أغتبت أحدا قط منذ علمت ان الغيبة حرام".

یعنی جب سے مجھے علم ہوا کہ غیبت کرنی حرام ہے، اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ [5]

فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ میرا کوئی خصم (مدعی) قیامت کے دن نہ ہوگا۔ وراق کہتے ہیں، میں نے کہا، آپ پر لوگ تاریخ کے بارے میں دھبہ لگاتے ہیں کہ اس میں لوگوں کی غیبت ہے اور غیبت حرام ہے۔ آپ نے فرمایا، تاریخ میں جو کچھ ہے، متقدمین کے اقوال منقول ہیں۔ ولم نقله من عند انفسنا۔ ہم نے اپنی جانب سے کوئی بات نہیں

---

[1] تاریخ بغداد ۲/۱۳، تاریخ دمشق ۱۵/۴۱/أ، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۸، طبقات الشافعیة للسبکی ۲/۲۱۷، تحفة الاخباری ص ۲۰۹۔

[2] ابومعشر ضریر کا نام حمدویہ بن خطاب بن ابراہیم البخاری ہے، حافظ ہیں، ثقہ ہیں اور امام بخاری کے مستملی (املاء کرانے والے) بھی ہیں (تذکرة الحفاظ ۲/۶۷۴)۔

[3] سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۴، تغلیق التعلیق ۵/۳۹۶، مقدمة الفتح ص ۴۸۰۔

[4] مقدمة الفتح ص۴۸۱، مزید دیکھیے: تاریخ بغداد ۲/۱۳، تاریخ دمشق ۱۵/۴۸/أ، تحفة الاخباری ص ۲۰۴، تغلیق التعلیق ۵/۳۹۹ البتہ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "جس چیز سے داڑھی ستھری اور صاف رکھی جائے......" ہوسکتا ہے یہ جملہ حافظ ابن حجر کی طرف سے تعلیقاً لکھ دیا گیا ہو جب کہ انھوں نے اس قصہ کو فتح الباری میں روایت کیا ہو۔ واللہ اعلم۔
اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے سیر اعلام النبلاء میں ۱۲/۴۴۵

[5] مقدمة الفتح ص ۴۸۰ البتہ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۱ اور تغلیق التعلیق ۵/۳۹۷ میں ہے "جب سے مجھے علم ہوا ہے کہ غیبت کرنے والوں کے لیے غیبت بہت نقصان دہ ہے۔

کہی۔ [1]

امام صاحب کا ایک بے نظیر وصف ان کی بے تعصبی ہے۔ جب ہم صحیح بخاری کا مطالعہ کرتے ہیں (جو امام صاحب کی ایک ایسی تالیف ہے جس میں انتہا سے زیادہ احتیاط اور تشدد برتا ہے، اسی احتیاط کا ایک انتہائی درجہ یہ تھا کہ صحت کے یقین ہونے پر بھی استخارہ کے بعد جامع صحیح میں حدیث کو داخل کرتے [2] تو جامع صحیح کی سندوں میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو مذہب اہل سنت کے خلاف تھے، امام صاحب نے ان سے روایت کرنے میں کچھ تامل نہیں کیا۔ اگرچہ خود ان کے مذہب سے اختلاف رکھتے تھے۔

لیکن یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ بے تعصبی اور انصاف پسندی وہیں تک محدود تھی جہاں تک ان کو روایت میں اشتباہ نہ پیدا کرتی۔ چنانچہ محدثین کا یہ قاعدہ ہے کہ اہل ہواء (رافضی، خارجی، معتزلی وغیرہ) سے اسی وقت تک روایت لینا جائز ہے جب تک وہ اپنی بدعت کی ترویج پر زور نہ دیتا ہو اور نہ اس کے مذہب میں جھوٹ بولنا جائز ہو اور نہ جھوٹ کا کسی حالت میں معتقد ہو۔ [3] تم دیکھو گے ایسے راوی صحیح بخاری میں موجود ہیں جن کی نسبت لکھا ہے ورُمی بالتشیع۔ باوجود اس تہمت تشیع کے امام صاحب نے ان سے روایت اخذ کی اور اس روایت کو صحیح بخاری میں داخل فرمایا۔ تم کو ایسے بھی بہت راوی کتب رجال میں ملیں گے جن کی نسبت لکھا ہے کہ امام بخاری نے اسے تشیع اور رفض کی تہمت سے ترک کر دیا۔ بات اس میں اسی قدر ہے کہ شیعوں کی ایک جماعت کذب کی مجوز ہی نہیں بلکہ معتقد ہے۔ اسی لیے ان سے امام بخاری نے احتراز کیا کیونکہ ایسے لوگوں کی روایتوں پر کسی طرح اعتماد نہیں ہو سکتا۔ [4]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ١٢/٤٤١، تغلیق التعلیق ٥/٣٩٧، مقدمة الفتح ص ٤٨٠ اور اس کے آخر میں یوں اضافہ کیا: "نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: خاندان کا بھائی برا ہے" یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ امام بخاری نے اسے تین مقامات پر صحیح بخاری میں ذکر کیا: کتاب الأدب، باب مایجوز من اغتیاب اهل الفساد والریب (١٠/٤٧١، ح: ٦٠٥٤) اس مقام پر امام بخاری نے اس سے استدلال کیا ہے کہ راویوں پر جرح کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اپنی تاریخ وغیرہ میں ان پر جرح کی ہے۔ اس حدیث کے معنی میں وہ حدیث ہے جسے ذہبی نے امام صاحب کے وراق سے روایت کیا ہے: "انہیں ان کے بعض دوستوں نے کہا: آپ پر الزام ہے کہ آپ نے فلاں پر نقد کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا: سبحان اللہ! میں نے کبھی کسی کا برائی سے تذکرہ نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ بھول گئے ہوں گے اور قیامت کے روز میرے دفتر سے اس فلاں کا نام بھی نہیں نکلے گا۔ (سیر اعلام النبلاء ١٢/٤٤٥)۔

[2] مقدمة الفتح ص ٤٨٩، عنقریب اس کی مفصل تخریج آئے گی جب امام بخاری کی تالیفات کا ذکر آئے گا۔

[3] الباعث الحثیث ص: ١٠٠ صحیح مسلم کے مقدمہ میں نووی کی شرح بھی دیکھیے اور مکمل اکمال الاکمال (المراجع) اس موضوع پر میں نے اپنی کتاب "المهدی المنتظر" کے اخیر میں خوب تفصیل سے بحث کی ہے۔ اسی طرح کتاب "الشجرة فی احوال الرجال للامام الجوزجانی" کے مقدمہ تحقیق میں بھی میں نے اس پر تفصیل سے بات کی ہے۔

[4] چنانچہ شیعوں کی ایک بڑی جماعت کذب کو عین ایمان جانتی ہے۔ وہ کتاب جس سے بڑھ کر شیعوں کے یہاں متبرک کتاب نہیں ہے (اصول کافی) اس میں اس قسم کی روایات موجود ہیں جن میں آئمہ شیعہ نے عملاً کذب کی تعلیم کی جہاں کسی طرح کا خوف وہراس نہیں ←

جہاں جرح میں احتیاط تھی رواۃ حدیث کے اوصاف بیان کرنے میں بھی کمال احتیاط تھی۔ ان کے واقعی اوصاف اور سچی توثیق بیان کرنے میں دریغ نہ کرتے۔

سنن کی پابندیاں

حدیثوں کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ جس قدر آپ کے اقوال وافعال وتقریرات کے شیدا اور شیفتہ تھے، اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کی صحبت تابعیوں نے پائی اور اسی رنگ میں رنگے گئے۔ ان میں بھی رسول اللہ ﷺ کی باتوں کی قریب قریب وہی گرویدگی رہی جوانھوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں دیکھی تھی۔ یہ سلسلہ محدثین پر چل کر ختم ہوتا ہے۔ اگر چہ ہم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ آپؐ کے صحابیوں میں جس قدر شیفتگی اور جوش تھا، اسی پیمانہ اور انداز کا جوش کل تابعیوں میں اور ان کے بعد کل محدثین میں برابر قائم رہا۔ تاہم محدثین کو جو احادیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور ان پر عمل کرنے کے ساتھ ایسی ہی شیفتگی اور گرویدگی تھی، جس کا بیان آج نادرات سے شمار کیا جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"ما كتبتُ حديثا الاقدعملت به حتى مرَّبي ان النبى ﷺ احتجم واعطى اباطيبة ديناراً، فاحتجمت واعطيت الحجام ديناراً". [1]

← تھا۔ بلکہ شیعوں کے اصول میں اختلاف روایات آئمہ کی تطبیق کا ایک بہت بڑا چلتا ہوا قاعدہ (**هذا محمول على التقية**) ہے جس سے کسی روایت پر اعتماد نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص اپنی ہوس کی پابندی میں جس روایت کو اپنی خواہش کے خلاف پائے گا، بول اٹھے گا۔ **هذا محمول على التقية** چنانچہ استبصار میں شاید ہی کوئی ایسا مقام ہوگا جہاں **محمول على التقيه** نہ کہا گیا ہو۔ (مؤلف)

[1] خطیب نے اسے "**الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع**" ۱/۱۴۴ پر روایت کیا ہے۔ مزید دیکھیے: **سیر اعلام النبلاء** ۱۱/۲۱۳، ۲۹۶، **التبصرة والتذكرة** ۲/۲۲۸، **الشذا الفياح** ۱/۴۰۶، **فتح المغيث للسخاوی** ۳/۲۸۴، **تدريب الراوی** ۲/۱۴۴۔

البتہ ان سے وارد مرفوع حدیث "انھوں (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پچھنے لگوائے اور ابوطیبہ کو ایک دینار عطا کیا" تو اسے طبرانی نے الاوسط ۸/۴۰۷، ح: ۸۳۰۷ پر نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ 'ابن عباس سے اگر یہ بات مروی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجام کو ایک دینار دیا ہے" تو وہ صرف اور صرف اسی سند سے ہی مروی ہے جس میں عمر بن فروخ متفرد ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عمر بن فروخ بصری ہیں اور ان کا کام جانوروں کی انتڑیاں فروخت کرنا تھا اور انہیں ساگوان کی لکڑی کا تاجر کہا جاتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے: صدوق ہے، کبھی کبھی وہم ہو جاتا ہے اور ساتویں طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (ص ۴۲۵)۔

اور ہیثمی نے کہا: اس سند میں قاسم بن سعید بن مسیب بن شریک ہے جس کا ترجمہ مجھے نہیں مل سکا البتہ اس کے بقیہ راوی ثقات ہیں (**مجمع الزوائد** ۴/۹۴)۔

میں کہتا ہوں: اسے ابن حبان نے (۹/۱۸) میں ثقات میں شمار کیا ہے اور خطیب کا کہنا بھی ہے: **ثقةٌ** (**تاريخ بغداد** ۱۲/۴۲۷) **مجمع البحرين** کے محقق شیخ عبدالقدوس محمد نذیر نے کہا ہے "**اسناده حسن**، اور قاسم بن سعید بن مسیّب ثقہ ہے" (۳/۳۷۷، ح: ۱۹۹۲)۔

البتہ دینار کے تذکرہ کے بغیر اصل حدیث تو بالکل صحیح بلکہ متفق علیہ ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو ایک سے زیادہ مقامات پر ذکر ←

''یعنی کوئی حدیث میں نے ایسی نہیں پڑھی جس پر میں نے عمل نہیں کیا حتیٰ کہ جب میں نے یہ پڑھا کہ آپ نے پچھنے لگوائے اور ایک اشرفی دی تو میں نے بھی پچھنے لگوائے اور حجام کو ایک اشرفی دی۔''

وکیع بن جراح [1] ایک بڑے پایہ کے محدث تھے۔ وہ فرمایا کرتے:

''اذا اردتَ ان تحفظ حديثاً فاعمل به''۔ [2] یعنی اگر حدیث یاد کرنا چاہو تو اس پر عمل کرو۔

علامہ ابراہیم بن اسماعیل محدث فرماتے ہیں: [3]

''كنا نستعين على حفظ الحديث بالعمل''. [4] حدیثوں کے یاد کرنے کا ذریعہ ہم عمل کو بناتے تھے۔

اس لیے اصول کی کتابوں میں جہاں طالب حدیث کے اور آداب مذکور ہوتے ہیں، وہاں ایک ادب یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں: ''طالب حدیث کے لیے ضروری ہے کہ عبادات، فضائل، اعمال و آداب کے بیان میں جو احادیث سنے، ان پر عمل کرے۔ یہ حدیث کی زکوٰۃ ہے اور حدیثوں کے یاد ہونے کا باعث''۔ [5]

← کیا ہے۔ ان میں كتاب البيوع ، باب ذكر الحجام ۴/۳۲۴ ، ح: ۲۲۱۰ ہے اور خود میں نے اپنی سنن ابی داؤد کی کتاب البیوع کی احادیث کی تخریج میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ میری اس تخریج کی طباعت میرے لیے آسان کر دے) آمین۔

[1] وکیع بن جراح بن ملیح الرواسی، امام ہیں، حافظ ہیں، امام احمد بن حنبل نے فرمایا: میں نے وکیع سے زیادہ بڑا عالم اور قوی الحافظہ شخص نہیں دیکھا، وفات ۱۹۶ھ کے آخر میں یا پھر ۱۹۷ھ کے اوائل میں (سیر اعلام النبلاء ۹/۱۴۰ التقریب ۷۱۰۳۷)۔

[2] علوم الحديث لابن الصلاح ص ۲۲۳: ،الارشاد للنووی ۱/۵۱۵ ، التبصرة والتذكرة ۲/۲۲۸ ، الشذا الفياح ۱/۴۰۱ ، تدريب الراوی ۲/۱۴۴۔ لگتا یہی ہے کہ سب نے ابن صلاح سے ہی نقل کیا ہے کیونکہ میں نے اس کے اصل مراجع میں وکیع سے منسوب اسے نہیں دیکھا۔ کتاب الارشاد کے محقق شیخ عبدالباری فتح اللہ السلفی نے بھی یہی کہا ہے کہ: ''میں نے وکیع سے مروی یہ قول کہیں نہیں پایا'' واللہ اعلم۔

اسے ابن عبدالبر نے وکیع سے روایت کیا ہے اس کے لفظ یہ ہیں ''ہم حدیث کے حفظ کے لیے اس پر عمل سے مدد لیتے تھے'' جامع بیان العلم ۱/۷۰۹، ح:۱۲۸۶ و ۲/۱۰۳۱، ح:۱۹۷۹۔ اور آگے آنے والا قول بھی ملاحظہ فرمائیے۔

[3] ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری مدنی یہ وکیع بن جراح کے اساتذہ میں سے ہیں، زہری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ روایت کرنے میں خود ضعیف ہیں۔ ان کا ترجمہ تهذيب الكمال ۲/۴۵ میں درج ہے۔

[4] ابوزرعہ دمشقی نے اسے اپنی تاریخ ۱/۳۱۱ ، ح: ۵۸۰ کے تحت اور بیہقی نے شعب الایمان ۲/۳۰۶، ح: ۱۸۸۴ کے تحت وکیع کے واسطے سے اس سے روایت کیا ہے۔ خطیب نے الجامع میں ۲/۲۵۹، ح: ۱۷۸۹ کے تحت اور اقتضاء العلم العمل میں ص ۲۱۱ ، ح: ۱۴۹ کے تحت ابن عبدالبر نے جامع بيان العلم ۱/۷۰۹ ، ح: ۱۲۸۶ کے تحت اسے درج کیا ہے۔ بعض نے اضافۃً یہ الفاظ لکھے ہیں: ''ہم روزے رکھ کر اس پر عمل کے لیے مدد طلب کیا کرتے تھے'' یہ زیادتی الفاظ صرف وکیع کی کتاب الزهد کے آخر میں ۳۱/۸۶۲، ح: ۵۳۹ کے تحت اس کے استاذ کے ذکر کے بغیر درج ہے۔

مزید دیکھیے: التبصرة والتذكرة ۲/۲۲۸ فتح الباقی ۲/۲۲۷، فتح المغيث للسخاوی ۳/۲۸۳ اور تدريب الراوی ۲/۱۴۴۔

[5] تدريب الراوی ۳/۱۴۴۔

حدیثوں کی اس عملی پابندی کی وجہ سے محدثین کو دینی امور میں قیاس رائے لگانے سے اور بھی نفرت اور دوری ہوتی گئی اور ان کے صفحۂ دل پر ''فالرأی لیلٌ والحدیث نہارٌ'' کا مضمون نقش کالحجر ہوتا گیا۔ وہ بات بات پر طریقہ رسول اللہ ﷺ کے متلاشی ہوتے اور کسی ایسے امر کو جس کی صحت ان کو معلوم ہوگئی، ترک کرنا نہیں چاہتے۔ [1]

تیر اندازی باوجود اس کے کہ علماء کا فن نہیں ہے لیکن چونکہ احادیث میں اس کی سنیت وارد ہے، امام بخاری تیر اندازی کی مشاقی کے لیے سوار ہوکر برابر میدان میں تشریف لے جاتے تھے اور اس قدر مشاق ہوگئے تھے کہ آپ کا تیر کبھی نشانہ سے خطا نہ کرتا۔ وراق کہتے ہیں کہ میں نے دو مرتبہ کے سوا کبھی امام بخاری کا تیر خطا کرتے ہوئے نہیں دیکھا حالانکہ میں مدتوں ان کی صحبت میں رہا۔ [2] ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ فربر سے تیر اندازی کے لیے نکلے اور تیر اندازی شروع ہوئی۔ اتفاقاً امام بخاری کا تیر ایک پل (جو کسی نہر پر بنا ہوا تھا) کی میخ پر جا کر ایسا بیٹھا کہ پل کو نقصان پہنچا۔ آپ فی الفور سواری سے اتر کر پل کے پاس تشریف لے گئے اور تیر کو میخ سے نکالا اور ہم کو آواز دی۔ ہم قریب پہنچے تو آپ نے افسوس سے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا، ابوجعفر (وراق)! تم اس پل کے مالک کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم سے تمہارا پل خراب ہوگیا ہے۔ اگر تم اجازت دو تو تمہارا پل جیسا تھا، بنا دیں۔ یا تمہاری خوشی ہو تو ہم سے اس کی قیمت لے لو اور ہمارا قصور معاف کر دو۔ پل کے مالک (حمید بن الاخضر) نے کہلا بھیجا کہ امام بخاری کو میرا سلام کہو اور عرض کرو کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ میرا کل مال اور ساری دولت آپ پر قربان ہے۔ آپ کچھ متردد نہ ہوں۔ امام بخاری یہ سن کر نہایت بشاش ہوئے اور اسی خوشی میں انھوں نے تین سو درہم غرباء اور مساکین کو تقسیم کیے اور پانچ سو حدیثیں روایت کیں۔ [3]

شہر بخارا کے باہر ایک مہمان سرا بنوایا تھا۔ تعمیر کے وقت جو مزدور معماروں کو اینٹیں پہنچاتے، ان میں خود امام بخاری بھی شامل تھے۔ اپنے سر پر اینٹیں رکھ کر لے جاتے اور معماروں کو دیتے۔ ایک شاگرد نے ازراہ دل سوزی ایک روز عرض کیا کہ آپ کو اس محنت کی کیا ضرورت ہے۔ امام بخاری نے فرمایا:

''ھذا الذی ینفعنی''. یہ وہ کام ہے جو مجھ کو نفع دے گا۔ [4]

رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق میں اپنے ہاتھوں سے خندق کھودتے تھے بلکہ جب کوئی سخت چٹان نکل آتی تھی تو

---

[1] سفیان ثوری کا کہنا ہے: ''اگر ایسا ممکن ہو کہ حدیث کی اجازت کے بغیر تو اپنا سر کھجانے سے بھی بچ سکے تو ایسا کر'' (الجامع للخطیب البغدادی (۱/۱۴۲)۔

[2] تاریخ الاسلام ص ۲۶۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۴، طبقات السبکی ۲/۲۲۶، تغلیق التعلیق ۵/۳۹۶ مقدمۃ الفتح ص: ۴۸۰۔

[3] مقدمۃ الفتح: ص: ۴۸۱، مزید دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۳، ۴۴۴، تغلیق التعلیق ۵/۳۹۶۔

[4] سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۵۰، تغلیق التعلیق ۵/۳۹۸، مقدمۃ الفتح ص: ۴۸۱۔

آپ ہی اپنے دست مبارک سے اس کو سر کرتے اور مسجد نبوی کی تعمیر میں اپنے دست مبارک سے صحابیوں کے ہمراہ پتھر اور اینٹیں ڈھوتے۔

عمار رضی اللہ عنہ قوی تھے۔ دو دو اینٹیں لے جاتے تھے تو اس پر آپ کا پیار اور لطف خاص ہوتا [1] اور اس مزدوری کے کام میں کبھی کبھی جوش بڑھ جاتا تو رجز کے اشعار پڑھنے لگتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے تھے: ؂

اَللّٰهُمَّ لا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ　　فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ [2]

هٰذَا الحمال لا حَمَّال خَيْبَر　　هٰذَا اَبَرُّ رَبَّنَا وَاَطْهَر [3]

اور صحابیوں کے رجز یہ تھے ؂

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا　　وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا [4]

اس رجز کے کئی اشعار ہیں اور صحاح میں یہ واقعات بڑی تفصیل سے مذکور ہیں۔ یہ سنت امام بخاری کیوں کر چھوڑ سکتے تھے۔

وراق کہتے ہیں، جب مہمان سرائے تیار ہو گیا تو آپ نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ [5]

ابو عبداللہ حاکم اپنی مسلسل سند سے بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری رمضان میں جب لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو بڑی ہلکی پڑھتے۔ پورے مہینہ میں ایک ختم کرتے تھے اور خود تنہا نصف شب سے سحر تک پڑھتے اور تین روز میں

---

[1] عمار رضی اللہ عنہ کا قصہ صحیح بخاری میں ہے ۱/۵۴۱ الصلاۃ: باب التعاون فی بناء المسجد ح: ۴۴۷ اور ۶/۳۰ الجهاد: باب مسح الغبار عن الرأس فی سبیل الله ح: ۲۸۱۲، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں'' ہم مسجد کے لیے ایک ایک اینٹ لاتے تھے جب کہ عمار دو دو اینٹیں لا رہے تھے، ادھر سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا تو انھوں نے عمار کے سر سے غبار کو صاف کیا، اور فرمایا: ہائے! عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا...... الخ (لفظ کتاب الجهاد سے ہیں)

[2] صحیح البخاری ۷/۱۱۸، مناقب الانصار: باب دعاء النبی صلی الله علیه وآله وسلم ...... الخ، ح: ۳۷۹۵، ۳۷۹۶ اور صحیح مسلم ۳/۱۴۳۱ الجهاد: باب غزوة الاحزاب، ح: ۱۲۷ (۱۸۰۵) اور لفظ بھی صحیح مسلم کے ہی ہیں دونوں مصنفین کے ہاں رجزیہ اشعار کے الفاظ مختلف ہیں جو اس موقع پر صحابہ کی طرف سے پڑھے گئے تھے۔ یہ خندق کی کھدائی کے ایام کی بات ہے اور جیسا کہ درج ذیل حاشیہ میں بھی ذکر آئے گا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے ایام میں اس کی تمثیل پیش کر دی تھی۔

[3] صحیح البخاری ۷/۲۴۰، مناقب الانصار، باب هجرة النبی صلی الله علیه وآله وسلم ...... الخ، ح: ۳۹۰۶۔

[4] حوالہ گزشتہ ۷/۳۹۹، المغازی، باب غزوة خندق ح: ۴۱۰۴ صحیح مسلم ۳/۱۴۳۰، الجهاد باب غزوة الاحزاب ح: ۱۲۵ (۱۸۰۳) اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تمثیل پیش کی جیسا کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غزوہ خیبر سے لوٹتے ہوئے اس کی مثال پیش کی تھی۔ صحیح البخاری ۷/۴۶۳، ح: ۴۱۹۶ باب غزوة خیبر و هو من کلام عبدالله بن رواحة رضی الله عنه جیسا کہ اس مقام کے متعلق صحیح بخاری میں ح: ۴۱۰۶ میں موجود ہے۔

[5] تاریخ الاسلام ص ۲۶۴، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۵۰، مقدمة الفتح ص ۴۸۱ تغلیق التعلیق ۵/۳۹۸ وہاں ان حضرات نے اس دستر خوان کی تفاصیل ذکر کی ہیں۔

ایک ختم کرتے اور پھر صبح سے لے کر افطار کے وقت ایک ختم روزانہ کرتے۔ اس حساب سے کل قرآن رمضان شریف کے اکتالیس ہوتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم قرآن پر ایک دعا قبول ہوتی ہے۔ [1] اس میں کیا شک ہے کہ رمضان کے دنوں میں قرآن نازل کیا گیا اور ﴿شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن﴾ [2] صاف فرما دیا گیا اور یہ بھی بہ تواتر ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے حضرت جبرئیلؑ رمضان میں قرآن کا دورہ کیا کرتے تھے۔ [3] اس واسطے خدا کے بندوں کو رمضان میں قرآن سے شغف بڑھ جاتا ہے۔

امام بخاری کا یہ معمول ہمیشہ کا تھا کہ پچھلی شب کو تیرہ رکعتیں نماز پڑھتے۔ ان میں وتر ایک رکعت پڑھتے۔ [4] آپ نے فرمایا کہ میں نے دربار الٰہی میں دو باتوں کی درخواست کی۔ خدا نے دونوں اسی وقت منظور کر لیں۔ اس سے مجھے خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میری مزدوریوں کا بدلہ یہیں مل جائے اور آخرت گھاٹے میں رہے۔ اس لیے میں نے درخواست کرنی ترک کر دی۔ [5] امام بخاری کا قول ہے کہ میں نے جب کوئی دنیا کی بات کا تذکرہ کیا تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا کر لی اس کے بعد ذکر کیا۔ [6] اور فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو ایسی حالت میں رہنا چاہیے کہ اگر وہ دربار الٰہی میں سوال کرے تو اس کا سوال رد نہ کیا جائے۔ [7] یہ ایک نہایت جامع جملہ امام بخاری کے ملفوظات میں ہے جس کی شرح نہایت

---

[1] تاریخ بغداد ۱۲/۲ ، طبقات الحنابلة ۲۷۵/۲، تاریخ دمشق ۴۸/۱۵/أ ، تهذیب الکمال ۴۴۶/۲۴ ، سیر اعلام النبلاء ۴۳۸/۱۲، ۴۳۹ ، طبقات الشافعیة للسبکی ۲/۲۲۳-۲۲۴، تحفة الاخباری ص ۲۱۰، تغلیق التعلیق ۳۹۹/۵ ، مقدمة الفتح ص :۴۸۱ اور ان کا یہ قول کہ ''ہر ختم قرآن پر ....الخ'' بھی مرفوعاً وارد ہوئی ہے لیکن اس کی سند میں کذاب راوی موجود ہے جیسا کہ سلسلة الاحادیث الضعیفة میں حدیث :۱۲۲۴ کی تفصیل میں مذکور ہے۔

[2] سورة البقرة، آیت ۱۸۵۔

[3] اسے بخاری نے اپنی کتاب کے کئی ایک مقامات پر ذکر فرمایا ہے ان میں سے کتاب بدء الوحی ۳۰/۱/ح:۵ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سخی تھے اور خصوصاً رمضان میں تو آپؐ بے حد سخاوت فرماتے جب کہ جبریلؑ آپؐ سے ملتے اور جبریلؑ تو آپ کو قرآن مجید کا دور کرانے کے لیے ہر رات ملتے تھے اور یہ عمل پورا رمضان جاری رہتا......الخ
مزید دیکھیے: ۴۳/۹ ، کتاب فضائل القرآن باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی صلی الله علیه وسلم ،اور اس فتح الباری میں مزید اس حدیث کی شرح بھی ملاحظہ فرمائیں ۴۴/۹۔

[4] تاریخ بغداد ۱۳/۲، تاریخ دمشق ۴۵/۱۰/أ، تهذیب الاسماء و اللغات ۷۵/۱/۱، ماتمس الیه حاجة القاری ص :۵۷ ، تهذیب الکمال ۴۴۷/۲۴، سیر اعلام النبلاء ۴۴۱/۱۲، الطبقات للسبکی ۲۲۰/۲، تغلیق التعلیق ۳۹۹/۵ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۱، تحفة الاخباری ص :۲۰۵۔

[5] مقدمة الفتح ص :۴۸۰، تغلیق التعلیق ۳۹۶/۵ اور سیر اعلام النبلاء میں تو بدرجہ اتم موجود ہے ۴۴۸/۱۲۔

[6] سیر اعلام النبلاء ۴۴۵/۱۲ ، طبقات الشافعیة للسبکی ۲۲۶/۲۔

[7] سیر اعلام النبلاء ۴۴۸/۱۲ ، الطبقات للسبکی ۲۲۷/۲، السیر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ پھر کہا کہ: ''جھوٹ اور بخل کی مسلمان کو ←

طویل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حلال روزی کھانا چاہیے، سچ بولنا چاہیے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اس کے ساتھ اخلاص اور محبت پیدا کرنا چاہیے، اس سے کبھی غفلت نہ کرنا چاہیے۔

طبیعت نہایت جفاکش اور محنتی واقع ہوئی تھی۔ جو کام خود کر سکتے تھے، کبھی اس میں دوسروں سے مدد لینا پسند نہ کرتے۔

وراق کہتے ہیں، کتاب التفسیر لکھتے وقت رات میں پندرہ بیس بار اٹھتے۔ چراغ جلا کر حدیثوں پر نشان دیتے حالانکہ ان کے پاس میں موجود ہوتا تھا۔ میں نے ایک روز عرض کیا کہ آپ مجھے کیوں نہیں جگا دیتے؟ میں چراغ جلا دیا کروں۔ یا جو کام ہو مجھے فرمایئے، جواب میں آپ نے فرمایا:

"انت شاب فلا ارید ان افسد علیك نومك".

تم جوان آدمی ہو۔ میں تمہاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔ ◆

← قطعاً حاجت نہیں ہوا کرتی"

◆ تاریخ بغداد ۲/۱۳، ۱۴، تهذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۵، ماتمس الیه حاجة القاری ص: ۵۷۔
تهذیب الکمال ۲۴/۴۴۷، تاریخ الاسلام ص: ۲۴۸، سیراعلام النبلاء ۱۲/۴۰۴، ۴۴۱، طبقات السبکی ۲/۲۲۰، تحفة الاخباری ص ۲۰۵۔ تغلیق التعلیق ۵/۳۹۹، مقدمة الفتح ص: ۴۸۱۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری سنت کے کس قدر پیروکار تھے اس کا اندازہ امام حاکم ابوعبداللہ کی خود اپنی امام بخاری سے روایت کردہ حدیث سے ہوتا ہے جس میں امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں بیمار ہوگیا۔ بیماری کوئی ایسی شدید نہ تھی اور یہ واقعہ رمضان کے مہینے میں پیش آیا۔ چنانچہ اسحاق بن راھویہ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ میری عیادت کو تشریف لائے۔ انھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا: ابوعبداللہ! کہو، روزے سے ہو یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں، تو انھوں نے کہا: مجھے ڈر پیدا ہوا تھا کہ کہیں آپ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والی رخصت کے قبول کرنے میں کمزوری نہ دکھا جائیں۔ میں نے کہا: ہمیں عبدان نے ابن المبارک سے، ابن جریج سے خبر دی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے عطاء سے پوچھا: کیسے مرض سے روزہ ترک کیا جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے کہا: مرض کیسا بھی ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**فمن کان منکم مریضًا**" پس جو کوئی ہو تم میں سے مریض (**سورة البقرة، آیت: ۱۸۴**)۔

امام بخاری کا کہنا ہے کہ میرے استاد اسحاق بن راھویہ کے پاس یہ حدیث اس سند سے موجود نہ تھی (**تاریخ دمشق ۱۵/۵۰/ب، تحفة الاخباری ص۲۰۶**) اس روایت کو امام حاکم کے طریق سے ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے۔ (**مقدمةالفتح ص: ۴۸۷، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۶، ۴۱۷**)۔ ابن حجر کا تغلیق میں کہنا ہے: یہ روایت عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بھی ابن جریج سے روایت کر رکھی ہے، لیکن یہ بات اسحاق سے اوجھل ہی رہی۔

اس قصہ میں خوب پتہ چل جاتا ہے کہ امت مسلمہ کے دو عظیم شخص امام بخاری اور اسحاق بن راھویہ کس قدر سنت کے پیروکار تھے حتیٰ کہ شریعت میں ملنے والی رخصتوں پر عمل کے معاملے میں بھی ان کا عمل کس قدر شدید تھا۔ اس موضوع پر ایک حدیث بھی موجود ہے: "جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے فرائض پر عمل سے خوش ہوتا ہے اس طرح وہ اس بات پر بھی خوش ہوتا ہے کہ اس کی جانب سے ملنے والی رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے" (**صحیح الجامع الصغیر، ح: ۱۸۸۱**)۔ ←

سلاطین اور امراء کی مخالطت سے دوری

سلاطین اور امراء کی مرابطت اور مخالطت سے دور رہتے تھے۔ ان کی جا بے جا خوشامدوں اور تعریفوں سے پرہیز کرتے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ان کی صحبت میں کبھی استقامت باقی نہیں رہ سکتی۔ ان کی رعایت میں ایک سچا دیندار کہاں سے کہاں کھسک جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم آج فقہ کی کتابوں میں لا باس بہ کی اس قدر کثرت نہ پاتے۔ امام بخاری کا یہ اپنا اجتہاد نہ تھا۔ یہ حدیث نبوی کی تعمیل تھی۔ ◆ امام صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ امراء کی صحبت میں علم کی ذلت

← اس واقعہ میں امام بخاری کی وسعت علمی کا اظہار بھی موجود ہے کہ انھوں نے موقع کی مناسبت سے ایک ایسی حدیث روایت کر دی جو ان کے استاد اسحٰق بن راھویہ کے پاس موجود نہ تھی۔

امام بخاری حد درجہ اتباع سنت کے خوگر تھے چاہے وہ معاملہ زندگی کے کسی پہلو سے وابستہ ہو۔ وراق ابو جعفر بن ابی حاتم نے ان سے ہی روایت کر کے بتایا کہ انھوں نے امام بخاری کو دیکھا کہ گردن کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ جب کہ میں تفسیر کی کتاب فربر میں بیٹھا لکھ رہا تھا اور جس روز کا یہ واقعہ بیان ہو رہا ہے اس روز امام بخاری احادیث کی تخریج میں خوب تھک چکے تھے۔ میں نے کہا: اے ابو عبداللہ! میں نے ایک روز آپ سے ہی یہ بات سن رکھی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ: جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے تب سے میں نے بلا دلیل کوئی کام نہیں کیا تو مجھے بتائیے کہ اس طرح گردن کے بل لیٹنے کی کیا دلیل ہے؟ تو انھوں نے کہا: دیکھو آج ہم نے بہت کام کیا حتیٰ کہ ہم بہت تھک گئے جس کی بناء پر کچھ کمزوری لاحق ہوگئی ہے لہٰذا ہمیں کچھ ستا لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن ہم پر اپنا کوئی وار کر لے اور اگر دشمن نے اچانک ہم پر کوئی چھاپہ مارا تو کم از کم ہم نے کچھ دم تو لے لیا ہو" **تاریخ بغداد ۲/۱۴، تاریخ دمشق ۱۵/۴۵/ب، تهذيب الاسماء اللغات ۱/۱/۷۶، ماتمس اليه حاجة القاری ص:۵۷، تهذيب الكمال ۲۴/۴۴۸، تاريخ الاسلام للذهبی ص۲۶۰، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۴، الطبقات للسبكی ۲/۲۲۶، تغليق التعليق ۵/۳۹۶، مقدمة الفتح ۴۸۱**

ان سب کے علاوہ امام نووی نے امام بخاری کی کئی ایک قابل ذکر خوبیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے **ماتمس اليه حاجة القاری** کے ص ۵۷ پر لکھا ہے: "میں نے امام بخاری اور ان کی کتاب صحیح بخاری کے متعلق ان کی اعلیٰ ترین اقدار اور ان کے بلند مقام کا تذکرہ آپ کے سامنے کر دیا اور اب میں امام صاحب کی بلند ترین اور قابل ذکر خوبیوں کا ذکر کرنے جا رہا ہوں پھر اس کے بعد مذکورۃ الصدر روایت ذکر کی پھر بتایا کہ اگر چہ یہ بات بہت سے لوگوں میں موجود ہو سکتی ہے تاہم میرا مقصد یہاں صرف یہ بیان کرنا تھا کہ امام بخاری بلا دلیل بات نہیں کرتے تھے۔ یہی بات **تهذيب الاسماء و اللغات** میں بھی (۱/۱/۷۶) میں مذکور ہے۔

◆ **مشكوٰة، كتاب العلم،** ممکن ہے مصنف، رحمہ اللہ کا خیال حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعلق ہو جسے ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے اور اس حدیث میں یوں ہے کہ: میری امت کے بعض دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں گے، قرآن مجید کی تلاوت کریں گے، کہیں گے، ہم امراء کے پاس جاتے ہیں اور ان سے دنیا لے آتے ہیں اور اپنے دین سے ان کو دور رکھتے ہیں جب کہ ایسا نہ ہوگا، **الحديث (مشكاة المصابيح ۱/۸۷، ح:۲۶۲)** لیکن یہ حدیث تو ضعیف ہے **(ضعيف سنن ابن ماجه، ص:۲۰، ح:۵۱ سلسلة الاحاديث الضعيفة ۳/۴۰۴، ح:۱۲۵۰)** اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے "جو گاؤں میں رہے وہ تُند خو ہوتا ہے اور جو شکار کے پیچھے بھاگے وہ غافل ہے اور جو سلطان کے دروازے پر جائے وہ آزمائش میں پڑ گیا" **(صحيح سنن الترمذی ۲/۲۵۵، ح:۱۸۴۰)**۔

ہے اور ان کی خوشامد میں دین کا نقصان۔ ◆

خالد بن احمد ذہلی سلطنت طاہریہ ◆ کی طرف سے بخارا کا گورنر تھا۔ اس نے امام بخاری کی خدمت میں (جب امام المحدثین نے تکمیل کے بعد شہر بخارا میں مسند درس پر متمکن ہو کر درس دینا شروع کیا اور طالبین حدیث اور شائقین علوم کی جماعت فیض یاب ہونے کے لیے جوق در جوق چلی آ رہی تھی۔ عالم میں ایک شہرت مچی ہوئی تھی) یہ درخواست بھیجی کہ آپ حریم شاہی میں تشریف لا کر مجھے اور شہزادوں کو صحیح بخاری اور تاریخ کا درس دیں۔ ◆ امام بخاری نے صاف

◆ یہ عبارت مصنف رحمہ اللہ نے فتح الباری کے مقدمہ ص: ۴۹۳ پر موجود عبارت "ومن ملفوظات الامام البخاری ...... الخ" کے ترجمہ کے طور پر ذکر فرمائی ہے، جب کہ میں نے تلاش بسیار کے باوجود اس ترجمہ کی عبارت نہیں پائی۔ ہوسکتا ہے مصنف رحمہ اللہ نے یہ بعض الفاظ کی تعبیر ذکر کی ہو جو کہ وہ خود ہی آئندہ صفحات میں امام صاحب کی اپنی عبارت "انی لاأذل العلم ولا أحمله.....الخ" کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ذکر کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

◆ خلفائے عباسیہ کی حکومت سب سے پہلے خراسان میں ضعیف ہوئی۔ یہاں ملوک طاہریہ کا ایک خاندان قائم ہو گیا جس کا پایہ تخت نیشاپور اور بوشنج قرار پایا۔ ملوک طاہریہ کو خلفائے عباسیہ کا خودسر گورنر سمجھنا چاہیے۔ یہ لوگ خلفائے بغداد سے منحرف نہ تھے لیکن ان کے خاندان میں پے در پے ولایت کا ہونا خاندان کی قوت کا ثبوت دیتا ہے جس سے خلفائے عباسیہ کی کمزوری ضرور لازم آتی ہے۔

ملوک طاہریہ کی بنیاد یوں پڑی کہ طاہر بن حسین (جس نے خلیفہ مامون الرشید عباسی کے بھائی امین الرشید کو قتل کیا تھا) گو یہ طاہر مامون کا بہی خواہ تھا لیکن مامون اعلیٰ سمجھ بوجھ کی بنا پر اپنے بھائی کے قاتل کو کسی طرح دل سے پسند نہیں کر سکتا تھا۔ مامون نے اپنے دلی خیالات کو بہت چھپایا لیکن طاہر پر ظاہر ہو ہی گیا اور وہ کسی طرح خراسان کی گورنری کا پروانہ لے کر مامون سے دور چلا گیا۔

خراسان پہنچ کر طاہر نے ایک روز بھی مامون کا نام خطبہ جمعہ میں نہیں لیا اور یہی ابتدائی بغاوت تھی لیکن اتفاق سے وہ دوسرے دن ہی مر گیا اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے طلحہ بن طاہر، علی بن طلحہ، عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ، اور محمد بن طاہر بن عبداللہ پانچ والی خلفائے بغداد کے حکم سے مقرر ہوتے رہے اور برابر مطیع خلفا رہے۔ (مؤلف)

میں کہتا ہوں: اسحاق بن راھویہ خود امام بخاری کی کتاب التاریخ اٹھا کر عبداللہ بن طاہر کی طرف گئے اور انہیں مخاطب کر کے کہا: "کیا میں آپ کو جادو نہ دکھاؤں؟" جیسا کہ آئندہ اوراق میں آئے گا۔

عبداللہ بن طاہر بڑے ادیب اور بڑے فقیہہ تھے اور نظم ونثر میں ید طولیٰ رکھتے تھے، وکیع اور یحییٰ بن ضریس وغیرہ سے سماع کیا اور اسحاق بن راھویہ جیسے بلند پایہ علماء نے ان سے روایت کیا، وفات: ۲۳۰ھ، ان کی عمر ۴۸ برس تھی (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۶۸۴)۔

◆ یہ ابوالھیثم خالد بن احمد الذھلی وہی ہیں جو ماوراء النہر کے علاقہ میں امیر کی حیثیت سے رہے، امام حاکم کا ان کے متعلق کہنا ہے: "بخارا میں ان کے بہت سے اچھے کام مشہور تھے سوائے اس کے کہ امام بخاری پر ان کی طرف سے الزام دھرنا ایک بہت بڑی غلطی تھی اور یہی غلطی آخر کار اس کی حکومت کے زوال کا سبب بن گئی، سیر اعلام النبلاء میں علامہ ذہبی نے اسے امام بخاری کے ترجمہ میں ہی ذکر کر دیا ہے ۱۲/ ۴۶۶ اور ۱۳/ ۱۳۷ اس میں اس کا الگ سے ترجمہ ذکر کر کے لکھا ہے: "بخارا میں اس کے کئی ایک اچھے کام مشہور تھے، یہ محدثین کا بہت اکرام کرتا اور انہیں تحائف عطا کرتا۔ امام بخاری سے تقاضا کیا کہ اس کے شاہی محل میں آ کر اسے اور اس کے شہزادوں کو صحیح بخاری کا درس دیں لیکن امام صاحب نے انکار کر دیا۔ جس پر یہ بہت سٹ پٹایا اور امام صاحب کو بخارا سے نکال دیا۔

پہلے مقام پر ذہبی نے اس کی وفات ۲۶۹ھ میں لکھی ہے جب کہ یہاں ۲۷۰ھ درج کر دی ہے۔

خالد ذھلی علماء سے بہت تعلق رکھتا تھا، اسحاق بن راھویہ وغیرہ سے روایت کیا اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے خود اس سے روایت بیان کی ➜

انکار کر دیا اور دکھا دیا کہ امام مالک جیسے علم کے قدر دان اب بھی دنیا میں موجود ہیں جن کو دنیا کی مخالفت کی بالکل پرواہ نہیں۔ نہ زر و مال اور نہ دنیاوی جاہ وجلال کی طمع۔ جس کی معرفت درخواست بھیجی تھی، امام صاحب نے اسی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ میں حرم شاہی میں جا کر خوشامدی نہیں بننا چاہتا۔ اس میں علم کی بے قدری ہے۔◆ پھر اس نے درخواست کی کہ بہتر اگر آپ حریم شاہی میں تشریف لانا نہیں پسند کرتے تو شہزادوں کے لیے خاص وقت دیں جس میں عام خلقت

← ہے۔ ابن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ: میں نے اپنے باپ کے ساتھ مل کر رے مقام پر ان سے روایت لکھی تب وہ صدوق ثقہ درجہ پر تھے (الجرح و التعدیل ۳/۳۲۲) اس کے علاوہ تاریخ بغداد ۸/۳۱۴ ، المنتظم ۱۲/۲۲۵، ۲۲۶ میں ۲۶۹ ھ کے حوادث میں، الانساب ۶/۲۳ "الذهلی" میں اور اللباب ۱/۵۳۶ میں بھی ان کا ترجمہ موجود ہے۔

◆ تاریخ بغداد ۲/۳۳، تاریخ دمشق ۱۵/۴۸/أ ، تهذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۶۸، ماتمس الیه حاجة القاری ص ۴۳، تهذیب الکمال ۲۴/۴۶۴، تاریخ الاسلام ص۲۷۱، سیر الاعلام النبلاء ۱۲/ ۴۶۴، الطبقات للسبکی ۲/ ۲۳۲، تحفة الاخباری ص ۲۱، تغلیق التعلیق ۵/۴۳۹، مقدمة الفتح ۴۹۳ ۔حرم شاہی جس کا ترجمہ ہے اس کے لیے مقدمة الفتح اور تغلیق التعلیق میں "ابواب السلاطین" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور امام صاحب کی تاریخ میں بھی غنجار سے اس لفظ سے یہ بات مروی ہے لیکن دیگر مصادر میں اس لفظ کی جگہ "ابواب الناس" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

سلف صالحین میں سے اکثر کا یہی مذہب تھا امام زہری کا کہنا ہے: "عالم پڑھانے کے لیے طالب علم کے پاس جائے اس سے بڑی علم کی ذلت اور کیا ہوگی۔ (مسند الموطا ص۱۲۱، الجامع لاخلاق الراوی ۱/۳۶۹، ۸۴۹)۔ چنانچہ اس طرح امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے پاس بھی امیر ابو احمد الموفق (وفات: ۲۷۸ھ) جو کہ عباسی خلیفہ المعتمد علی اللہ کے ولی عہد تھے اور رئیس رؤساء الامیر خالد ذہلی خود آئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ ان کی اولاد کو آپ الگ مجلس میں تعلیم دیں" کیونکہ خلفاء کی اولاد عوام کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے" تو امام ابوداؤد نے فرمایا: "اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کیونکہ علم کے حصول میں امیر، غریب سب برابر ہیں" اس کے بعد پھر یہی تھا کہ وہ بھی حصول علم کے لیے آکر اس مجلس میں بیٹھتے جس میں عام لوگ موجود ہوتے البتہ صرف تخصص کے لیے عوام اور اولادِ خلفاء کے درمیان ایک پردہ لٹکا دیا جاتا لیکن حدیث کا سماع وہ عامة الناس کے ساتھ ہی کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۱۶)۔

ادھر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع" میں جس مقام پر انھوں نے آداب محدث بیان کیے ہیں ایک باب اس نام سے قائم کیا ہے "اعزاز المحدث نفسه وترَفُّعُهٗ عن مضيه الى منزل من يريد السماع منه" (۱/۳۶۹) جس میں انھوں نے اسی موضوع پر کئی ایک واقعات کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ عباسی خلیفہ الرشید نے عبداللہ بن ادریس الاودی سے کہا کہ میرے بیٹے کو پڑھائیں تو انھوں نے جواب دیا: جب سب لوگوں کے ساتھ مل کر آئے گا تو ہم اسے بھی پڑھا دیں گے (فتح المغیث ۳/۲۴۴) اور یہ قصہ سیر اعلام النبلاء ۹/۴۷ میں ان کے ترجمہ میں بھی موجود ہے۔

رہ گیا مسئلہ امام بخاری کے امراء اور سلاطین سے دور رہنے کا تو یہ ان کی عادت تھی۔ یہ معاملہ کوئی امیر خالد ذہلی کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ گزشتہ اوراق میں وہ واقعہ گزر چکا ہے جس میں امام صاحب کے ایک قرض دہندہ نے امام صاحب کے پچیس ہزار درہم دبا لیے تھے، اس میں ہے کہ شاگردوں میں سے کسی نے کہا کہ آپ والی آمل ابو سلمہ الکشانی سے ایک خط والئی خوارزم کی طرف لکھوالیں تاکہ خوارزم بھاگ جانے والا آپ کا قرض دہندہ آپ کا قرض چکا دے لیکن آپ نے اپنے شاگرد کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور فرمایا: "اگر میں ان سے ایک خط لکھوالوں تو وہ مجھ سے کچھ طمع رکھیں گے جبکہ میں اپنا دین صرف دنیا کے لیے بیچنا پسند نہیں کرتا"۔

شریک نہ ہو۔ آپ نے فرمایا، یہ آنحضرت ﷺ کی میراث ہے۔ اس میں عام و خاص سب کا حق مساوی ہے' میری درس گاہ اور مسجد کا دروازہ ہر وقت اور ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے۔ جس کو شوق ہو، آ کر مستفید ہو۔ کسی کے لیے روک ٹوک نہیں ہے۔ میں کبھی ایسی درخواست منظور نہیں کرسکتا۔ اگر ناخوش ہو تو میرا درس بزور روک دو۔

← حسین بن محمد سمرقندی نے کہا: ''محمد بن اسماعیل بہت سی خوبیوں کے باوصف تین اہم خصلتوں میں بہت مشہور تھے، آپ بہت کم بولتے، محمد بن ابی حاتم الوراق کا کہنا ہے کہ ابوعبداللہ کو کسی بادشاہ نے اپنے کسی کام کے لیے خط لکھا اور اس میں اس نے امام صاحب کے لیے بہت دعا کی۔ اس کے جواب میں ابوعبداللہ نے کہا: مجھے آپ کا خط موصول ہوگیا، میں خط بھی سمجھ گیا ہوں۔ حکمتیں اس کے گھر میں آئی ہوئی ہیں والسلام۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۶) عبدالمجید بن ابراہیم نے کہا: میں نے محمد بن اسماعیل جیسا عادل نہیں دیکھا، وہ کمزور اور طاقت والے کے درمیان مساوات رکھتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۹)
لوگوں کے مال کی حرص نہ رکھتے تھے اور لوگوں کے امور سے بالکل تعرض نہ فرماتے بلکہ علم ہی ان کا شغل رہتا'' (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۸ اور تغلیق التعلیق ۵/۴۰۰)
ان سب باتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام بخاری کا امیر ذھلی کے محل میں جا کر پڑھانے سے انکار کرنا بذات خود علم اور علماء کی توقیر ہے اور یہی ان کی عادت تھی۔ جب کہ خالد ذھلی کا برتاؤ امام المحدثین امام بخاری کے ساتھ علم حدیث میں کم رتبہ والے حضرات کے برتاؤ سے مختلف تھا۔ خطیب بغدادی نے خالد (گورنر) کے ترجمہ میں لکھا ہے:
''امام بخاری نے جب اپنی قیام گاہ بخارا کو بنالیا تو بڑے بڑے حفاظ الحدیث جیسے کہ محمد بن نصر المروزی، صالح بن محمد الجزرۃ اور نصر بن احمد جیسے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے...... اور خالد انہی مذکورہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر محدثین کے دروازوں پر آمد و رفت رکھتا تا کہ حدیث کا سماع کرے، خالد ایک چادر اور چپل میں ہی تواضع اور انکسار کی تصویر بنے چلتے پھرتے (تاریخ بغداد ۸/۳۱۴)۔
ظاہر نظر میں اس کا امام بخاری سے مطالبہ کرنا کہ اس کے شاہی محل میں آ کر انہیں ''درس صحیح بخاری'' پڑھائیں ایک پُر از سازش مطالبہ تھا۔ امام بخاری جب بخارا میں تشریف لائے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا، شہر سے کئی میل باہر تک ان کے لیے استقبالی کیمپ لگائے گئے، ان پر دراہم و دینار کی بارش کی گئی اور جب کچھ عرصہ بعد محمد بن یحییٰ ذھلی کی کتاب حاکم بخارا خالد بن احمد ذھلی کی خدمت میں پیش کی گئی تو اس نے یہ کتاب اہل بخارا کے سامنے پڑھی لیکن انھوں نے تیزی کے ساتھ اس کتاب کا بائیکاٹ کر دیا اور کہا کہ ہم لوگ امام بخاری کو نہیں چھوڑیں گے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۳)۔
حاکم وقت جو کہ یعقوب بن لیث صفار کی طرف میلان رکھتا تھا' کی حیثیت کو پرکھنے کے لیے یہ تذکرہ ہی کافی ہے (السیر ۱۲/۴۶۶)۔ یہ یقیناً خراسان کے امراء کے خلاف تھا جنہوں نے اسے بخارا کی حکومت پر فائز کیا تھا اور وہ ان کے خلاف جنگ کی نیت رکھتا تھا اور یہ یعقوب بن لیث خراسان پر قابض ہوگیا اور اس نے خراسان کے حاکم ابن طاہر کو اس کے ساتھ رشتہ داروں سمیت گرفتار کرلیا اور وہ پورے بغداد کی خلافت پر قابض ہونا چاہتا تھا اور اس کام کے لیے اس نے بہت بدترین ظروف اختیار کیے خصوصاً ایسے وقت میں اس نے یہ کارروائی کی جب کہ خلافت بغداد زنگی فتنہ کے فیصلہ میں مشغول تھی۔ چنانچہ خلیفہ معتمد باللہ اور اس کے بھائی الموفق باللہ نے اس کا مقابلہ کیا حتیٰ کہ ۲۶۲ھ میں اسے شکست سے دوچار کر دیا گیا۔ چنانچہ اسے ہزیمت اٹھانا پڑی اور ایک ملک سے دوسرے اور پھر تیسرے ملکوں میں پھرتا رہا اور آخر کار ۲۶۵ھ میں قولنج کے درد میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۱۳) خالد ذھلی ۲۶۹ھ کو گرفتار ہو کر بغداد میں قید ہوا حتیٰ کہ ۲۶۹ھ میں وہیں مر گیا (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۱۳۷)۔ ←

"لیکون لی عنداللہ عذر"۔ تا کہ مجھے خدا کے دربار میں عذر ہو۔ [1]

اس صاف اور بے لاگ جواب سے والی بخارا کو سخت برہمی پیدا ہوئی اور آپ کے خارج البلد کرنے کی فکر میں ہو گیا لیکن امام بخاری کا سکہ تمام مسلمانوں پر ایسا جما ہوا تھا کہ وہ بزور سلطنت کچھ نہ کر سکا۔ آخر چند لوگوں [2] کو اس بات کے لیے مقرر کیا کہ کوئی الزام امام صاحب پر ایسا قائم کیا جائے جس سے عام لوگوں کو آپ سے برہمی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ایک جھوٹا اتہام لگا کر شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا جس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام المحدثین کی شہرت اور مسلمانوں کا اشتیاق

امام المحدثین زمین کے جس خطہ میں تشریف لے جاتے، مسلمانوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ ہمارے الفاظ اس کے بیان کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔

لوگ ان کے فضل و کمال، بے نظیر فقاہت، خداداد حافظہ، تبحر فی العلم کی خلاف قیاس حکایات سن سن کر دیکھنے کی تمنا کرتے۔ جہاں پہنچتے، اس قدر ہجوم ہوتا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی۔

تکمیل کے بعد جب بخارا کا قصد کیا اور بخارا والوں کو آپ کی تشریف آوری کی خبر پہنچی تو سارا شہر استقبال کے لیے اُمڈ آیا۔ شہر سے باہر تین میل تک خیمے ایستادہ ہو گئے۔ کوئی آدمی قابل تذکرہ شہر میں باقی نہ رہا۔ شہر میں بڑی شان و شوکت سے لائے گئے اور ان پر اشرفیاں، روپے اور مٹھائیاں نثار کی گئیں۔ [3]

امام مسلم فرماتے ہیں کہ جب نیشاپور والوں نے آپ کے نیشاپور تشریف لانے کی خبر پائی تو اہل شہر نے دو دو منزل، تین تین منزل سے جا کر ان کا استقبال کیا اور شہر میں اس شان و شوکت سے لائے گئے کہ امام مسلم کہتے ہیں، میں

← اس سب صورت حال میں یہ بات محال نہیں ہے کہ خالد ذہلی امام بخاری کی شہرت سے اور ان کی عوام دوستی سے اس قدر ڈر گیا تھا کہ اس نے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔

ادھر اہل بخارا جنھوں نے خالد ذہلی کے احکامات کا واضح طور پر انکار کر دیا تھا اور امام بخاری کو جدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے وہ ان سب باتوں کے باوصف کس طرح خلافت کے مقابل اس کی حمایت کر سکتے تھے۔ امام بخاری کی طبع انتہائی پاکیزہ، عفت مآب کسی کی قربت کی خواہش سے اور عزت افزائی سے دُور تھی۔ حاکم کو ان باتوں کا علم تھا لیکن اس نے لوگوں کے سامنے امام بخاری کے بارے میں یہ تاثر دینا چاہا کہ وہ اطاعت امیر سے انکاری ہیں۔ اگر وہ ان سے کام لینے میں مخلص ہوتا اور اچھے انداز سے رغبت ظاہر کرتا تو حریث جیسے لوگوں سے اسے تعاون لینے کی ضرورت نہ تھی کہ ان جیسے اٹھ کر امام بخاری کو دین اور تلقہ کے بارے میں ایسی باتوں سے متہم کرتے جو ان میں نہیں تھیں۔ کم از کم علماء کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں واللہ اعلم۔

[1] گزشتہ حوالہ جات اور مصادر ملاحظہ فرمائیں۔

[2] یہ شخص حریث بن ابی ورقاء اور ان کے ساتھی تھے۔ جیسا کہ آئندہ بھی مذکور ہوگا۔

[3] مقدمۃ الفتح ۴۹۳، سیر اعلام النبلاء ۴۶۳/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۳۹/۵۔

نے وہ شان وتزک آج تک نہ کسی حاکم کا دیکھا نہ کسی اہل علم کا۔ ◆ محمد بن منصور کہتے ہیں کہ صرف گھوڑ سوار چار ہزار تھے۔ پیادہ پا چلنے والوں، گدھے سواروں، خچر سواروں کا اندازہ نہ تھا۔ ◆

ایک بار بغداد تشریف لے گئے۔ جو بنی عباس کا دارالخلافت تھا۔ عباسیوں کی قدر دانی نے بغداد کو علوم اسلامیہ کا مرکز بنا رکھا تھا۔ اہل بغداد نے آپ کی شہرت سن کر آپ کے کمالات علمیہ، خداداد حافظہ کی جانچ کا سامان نہایت وسیع پیمانہ پر پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ بصرہ والوں کو آپ کے بصرہ پہنچنے کی خبر معلوم ہوئی تو ایک عجیب ہنگامہ مچ گیا۔

یوسف بن موسیٰ مَرُّوذی ◆ کہتے ہیں، میں بصرہ کی جامع مسجد میں ایک بار موجود تھا۔ ایک نقیب کو پکارتے سنا، علم والو! محمد بن اسماعیل بخاری پہنچ گئے۔ لوگ ان کی تعظیم کو ٹوٹ پڑے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ تھا۔ میں نے امام بخاری کو ایک نوجوان آدمی دیکھا۔ آپ کی داڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے۔ وہ ایک ستون کے پیچھے نفل پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے گھیر لیا اور تمام لوگوں کی ٹکٹکی بندھ گئی۔ اہل بصرہ نے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے مجلس املاء قائم کریں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ نقیب نے دوبارہ جامع بصرہ میں پکارا۔ علم والو! امام بخاری سے مجلس املاء کی درخواست کی گئی تھی۔ انھوں نے منظور کر لی ہے۔ کل فلاں مقام پر مجلس املاء قائم ہوگی۔ صبح ہوتے ہی فقہاء، متکلمین، محدثین، حفاظ کی بڑی بڑی جماعتیں جوق در جوق آنا شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ہزاروں ہزار کا مجمع ہو گیا۔ امام بخاری املاء کے لیے منبر پر رونق افروز ہوئے۔ قبل اس کے کہ حدیثوں کا لکھانا شروع کریں۔ آپ نے فرمایا:

اہل بصرہ! آپ لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں آپ لوگوں کے لیے مجلس املاء قائم کروں۔ میں نے منظور بھی کر لیا۔ میں ابھی کمسن جوان ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے شہر بصرہ کی حدیثوں کو جو تمہارے پاس نہیں ہیں، بیان کروں۔ اس بات پر بصرہ والے متعجب ہوئے اور ان کا اشتیاق دوبالا ہو گیا، نگاہیں اشتیاق میں اٹھنے لگیں کہ آواز آئی اور پہلی حدیث کا املاء یوں شروع ہوا:

◆ مقدمة الفتح ۴۹۰، تغلیق التعلیق ۵/۴۳۱۔

◆ مصنف نے کتاب "الفوائد الدراری" کی طرف اس کو پھیر دیا ہے جب کہ پورا واقعہ ذہبی کی تاریخ الاسلام میں موجود ہے ص: ۲۵۸۔ اور سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۷ اور الطبقات للسبکی ۲/۲۲۵۔ وغیرہ میں ہے کہ محمد بن یعقوب الاخرم نے کہا میں نے اپنے ساتھیوں سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ جب امام بخاری نیشاپور آئے تو چار ہزار گھڑ سواروں نے ان کا استقبال کیا خچروں، گدھوں پر سوار اور پیدل لوگ اس کے علاوہ تھے"۔

◆ وہ ابو یعقوب یوسف بن موسیٰ بن عبداللہ بن خالد بن حموک المرو الرودی ہیں جو خراسان کے مشہور ترین محدثین میں سے تھے، طلب علمی اور سفر طلب حدیث میں بہت جانا پہچانا نام رکھتے تھے۔ خراسان، عراق اور حجاز میں حدیث پڑھاتے رہے۔ ان سے ابو حامد بن الشرقی اور الاخرم نے روایت کیا، مرو الروذ میں ۲۹۶ھ میں وفات پائی (الانساب ۱۲/۲۰۳، ۲۰۴) ان کی نسبت "اَلْمَرُّوْذِیُّ" "مرو الروذ" کی طرف تھی جب کہ مشہور نسبت "اَلْمَرْوَزِیُّ" علاقہ "مرو" کی طرف ہے۔

"حدثنا عبداللہ بن عثمان بن جبلة بن روّادالعتکی ببلدکم قال ثنا ابی عن شعبة عن منصور وغیره عن سالم بن ابی الجعد عن انس بن مالك ان اعرابیا جاء الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ الرجل یحب القوم (الحدیث)

(اس حدیث کو لکھا کر آپ نے فرمایا) بصرہ والو! یہ حدیث تمہارے پاس منصور کے واسطہ سے نہیں ہے بلکہ دوسرے واسطہ سے ہے۔

یوسف بن موسیٰ کہتے ہیں کہ ایک مجلس کامل آپ نے اسی طریقہ پر لکھائی۔ ہر حدیث کے بعد فرماتے تھے، بصرہ والو! تمہارے پاس یہ حدیث اس سند سے نہیں پہنچی۔ تمہارے پاس یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہے۔ ◆

یہ بصرہ وہ شہر ہے جسے حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں آباد کرایا تھا۔ ◆ وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا۔ بصرہ اور کوفہ یہ دونوں شہر اسلامی علوم کے دارالعلم خیال کیے جاتے تھے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ہم پایہ کہنا تو نہایت جسارت ہے اور نہ ایسا ہونا کبھی ممکن ہے تاہم اسلامی علوم کے اعتبار سے یہ دونوں شہر ایک زمانہ میں بہت بلند پایہ تسلیم کیے گئے ہیں۔

علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور ان کے مستقل ترجمے لکھے ہیں، ان میں مسروق بن الاجدع، ◆ امام حسن بصری، ◆ قتادہ، ◆ شعبہ بن حجاج ◆، محمد بن سیرین ◆ فن

◆ مقدمة الفتح ۴۸۶، ۴۸۷ مزید دیکھیے: تاریخ بغداد ۱۶/۲، ۱۷، تاریخ الاسلام للذهبی ص ۲۴۶. سیراعلام النبلاء ۲۰۹/۱۲، طبقات السبکی ۲۱۹/۲، تغلیق التعلیق ۴۱۵/۵ مقدمة القسطلانی ۲۹/۱، یہ عبارت ذہبی کا اضافہ ہے: "یوسف کا کہنا ہے: میں محمد بن عبدالملک بن ابوالشوارب کے دور میں بصرہ میں داخل ہوا تھا"

میں کہتا ہوں: ابوالشوارب نے ۲۴۴ھ میں وفات پائی۔ تقریب میں بھی ایسا ہی مذکور ہے (ص۔۸۷۳)۔

◆ معجم البلدان ۴۳۰/۱۔

◆ مسروق بن اجدع، ابو عائشہ الھمدانی الکوفی، عمرو بن معدیکرب کے بھانجے تھے۔ ذہبی نے انہیں دوسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ اس طبقہ کے ۶۳ برس میں فوت ہوئے (تذکرة الحفاظ ۴۹/۱، ۵۰)۔

◆ حسن بن ابوالحسن یسار ابوسعید البصری کو طبقہ ثالثہ میں ذہبی نے ذکر کیا اور اس طبقہ کے ایک سو دس برس میں فوت ہوئے (تذکرة الحفاظ ۷۱/۱)۔ (مراجع)

◆ یہ قتادہ بن دعامہ بن قتادہ ابن عزیز ابوالخطاب السدوسی ہیں اور البصری ہیں ۱۱۸ھ میں یا ۱۱۷ھ میں واسط مقام پر وفات پائی۔ انہیں ذہبی نے طبقہ رابعہ میں ذکر کیا ہے (تذکرة الحفاظ ۱۲۲/۱، ۱۲۴)۔

◆ شعبہ بن حجاج بن الورد ابوبسطام الازدی العتکی، الواسطی، بصرہ میں وارد ہوئے اور ایک سو ساٹھ ہجری میں وفات پائی۔ ذہبی نے انہیں طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے (تذکرة الحفاظ ۱۲۲/۱، ۱۲۴)۔ (مراجع)

◆ محمد بن سیرین امام ربانی ابوبکر مولی انس بن مالک کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ ذہبی نے انہیں طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ حسن بصری سے زیادہ اثبت تھے رحمہما اللہ (تذکرة الحفاظ ۷۷/۱، ۸۷)۔ (مراجع)

حدیث اور تعبیر کے امام اسی بصرہ کے رہنے والے یا نزیل تھے۔

ذہانت، عقل اور تدبیر

رائے و تدبیر، عقل و فراست، ذہانت و طباعی اور قوت حافظہ و استحضار امام بخاری کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔ امام قتیبہ بن سعید کہا کرتے تھے، میں نے مدتوں علماء کی خوشہ چینی کی ہے لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا، محمد بن اسماعیل جیسا جامع شخص نہیں دیکھا۔ امام بخاری اپنے زمانے میں (باعتبار عقل و فہم و فراست کے) ویسے ہی تھے جیسے خلیفہ عمر بن الخطاب اپنے زمانہ میں۔[1]

امام بخاری کی ذہانت عموماً ضرب المثل ہے۔ یہاں تک کہ جب ان کا اجمالی ذکر بھی آ جاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ تاہم اس فقرہ کو نہ چھوڑ سکے:

"وکان راسا فی الذکاء و راسا فی العلم"۔[2] آپ ذکاوت اور علم میں سب سے فائق تھے۔

یہ بات عموماً رائج ہے کہ ہمارے مؤرخین تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے حالات میں ان کی تیزی ذہن، قوت حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت، زہد، اتقا وغیرہ اس قسم کے اوصاف لکھتے ہیں لیکن عقل، رائے، فراست، تدبیر کا ذکر نہیں کرتے۔ گویا یہ باتیں دنیا داروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ علما کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا[3] اور یہ بالکل سچ ہے حالانکہ سچ پوچھیے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسلام بخلاف اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دنیوی انتظامات کا بھی متکفل ہے۔

خلفائے اولین کے حالات پڑھو۔ سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص ان کا ہم پلہ کہا جا سکتا ہے۔[4]

---

[1] مقدمۃ الفتح ۴۸۲، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۲. دوسرا جملہ سیر اعلام النبلاء میں اس سند سے الگ ایک دوسری سند میں سے ہے، اس کے لفظ کا ترجمہ یہ ہے: "محمد بن اسماعیل کی مثال اپنے ہم عصروں اور دوستوں میں ایسے تھی جیسے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تھی" ۱۲/۴۳۱۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۵۵۔ انہوں نے اس میں صراحت کی ہے کہ انھوں نے امام بخاری کے مناقب کے بیان میں ایک مستقل ضخیم جلد لکھی ہے۔ اس طرح سیر اعلام النبلاء میں بھی امام بخاری کا ترجمہ خوب وسعت سے رقم کیا ہے۔ اس میں انھوں نے کتاب کے ۸۰ صفحات بھر دیے ۱۲/ ۳۹۱۔۴۷۱)۔
اردو کتاب کی تعریب کرتے ہوئے دکتور عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی حفظہ اللہ نے اس مقام پر " وراْسًا فی الورع والعبادۃ" کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور ذکر کر دیا ہے کہ یہ الفاظ تذکرۃ الحفاظ سے لیا گیا اضافہ ہے۔

[3] مقدمۃ ابن خلدون ۴/۱۲۴۵۔

[4] یہ لوگ اس کے باوجود علماء اور فقہاء تھے۔

بلا شبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام المحدثین تمام فرقوں کے علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے گو سلاطین اور امراء سے کوسوں الگ رہتے۔ شاہی تعلقات سے انتہا درجہ متنفر رہتے لیکن قیام عمارت سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ قوانین آپ نے حدیث و آثار سے مستنبط کر کے بتائے۔ صحیح بخاری کے وہ حصے جن میں معاملات کا بیان ہے، کتاب السیر تک غور سے پڑھو اور باریک نگاہ سے دیکھو۔ حقیقت امر یہ ہے کہ جو نکات اور اعلیٰ ترین قوانین شرعیہ امام المحدثین نے صحیح صحیح حدیثوں سے استخراج اور استنباط کر کے صحیح بخاری میں ذکر کیے ہیں، تمدن کی جان اور سلطنت کی روح رواں ہیں اور حق یہ ہے کہ امام المحدثین ہی کی خداداد فقاہت کا یہ حصہ تھا۔ [1]

ہم دیکھتے ہیں کہ جو قومیں آج ترقی پر ہیں، جن کا ستارۂ اقبال اوج پر تاباں ہے، امام المحدثین کے قوانین مستنبطہ کو گوگرد احمر سے بھی زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ جیسے جیسے تجربہ ان کو بتاتا جاتا ہے، ان کا شغف بڑھتا جاتا ہے اور جس قدر ان قوانین کی پابندی کی جاتی ہے، سلطنت پرامن ہوتی جاتی ہے اور تمدن ترقی پذیر۔ [2]

معقول و منقول میں تطبیق دینی، قوانین اسلامیہ کو قوانین عقلیہ کے مطابق کر کے دکھانا آج اعلیٰ درجہ کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ قوم کی قوم اس کی طرف متوجہ ہے۔ علامہ ابن تیمیہ، [3] علامہ ابن حزم نے اس موضوع پر مستقل تصنیفیں لکھی ہیں۔ اسلامی میگزینوں نے تو آج اس کا ٹھیکہ لیا ہے اور حقیقت میں یہی ایک موضوع ہے جو علم کلام کی روح رواں ہے اور اسلام کی کمال خوبی اسی میں ہے کہ اس کے قوانین، قوانین عقل کے خلاف نہیں۔ امام المحدثین کو یہ موضوع ہزار برس سے بھی پہلے خیال میں آیا تھا۔ چنانچہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب شرح تراجم ابواب میں لکھتے ہیں:

---

[1] اورینٹل جیوگریفکل ڈکشنری مطبوعہ لندن ۱۸۹۴ء میں ٹومس ولیم بیل صاحب لکھتے ہیں کہ امام بخاری مشہور مقنن گزرے ہیں۔ مذہب اسلام کے متعلق ان کا مجموعہ احادیث جو صحیح بخاری کے لقب سے مشہور ہے، تمام احادیث میں سب سے بڑی سند سمجھا جاتا ہے۔ منقول از اربک آتھرس مصنفہ ایف ایف اربتھنوٹ ایم آر اے ایس مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء صفحہ ۳۹، امام بخاری اور ان کی صحیح کے متعلق اسی قسم کی شہادتیں حسب ذیل کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ (۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول صفحہ ۷۸۴، ۷۸۵۔ (۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۴ ص ۳۷۴ طبع چہاردہم۔ ایضاً جلد ۴ صفحہ ۷۷۰، ۷۷۱۔ (۳) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۱ ص ۴۵۵۔ (۴) ثوری کا مقدمہ انتخاب صحیح بخاری پر۔ (۵) ہیوز کی ڈکشنری آف اسلام ص ۴۴۔ (مؤلف)

[2] اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حکومتوں میں ذہنی آزادی اور اخلاقی جرائم اس قدر کثرت سے تھے کہ ان کا نتیجہ یقیناً رسالت پر عدم ایمان اور آخرت کے انکار پر ہی منتج ہوتا تھا اور اگر یہی اوصاف کسی ایسی امت میں موجود ہوں اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ لوگ تطبیق شریعت میں بھی مخلص ہوں تو بلاشک ایسی امت ترقی اور رفعت کی منازل پر فائز ہوکر رہے گی۔ (مراجع)

[3] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تو اس موضوع پر ایک بڑی تصنیف موجود ہے جس کا نام "درء تعارض العقل و النقل" یا "موافقة صریح المعقول بصحیح المنقول" ہے۔ اُن کی ایک اور کتاب بھی اس موضوع پر موجود ہے۔ اس کا نام "السیاسة الشرعیة فی اصلاح الراعی و الرعیة" ہے۔
ابن حزم نے بھی اس قسم کی ایک کتاب میں کئی ایسے مسائل ذکر کیے ہیں۔ اس کا نام ہے "الفصل فی الملل و النحل" اور اس کے علاوہ اور بھی کئی کتب ہیں۔

"و کثیرا ما یُخرِّج الأداب المفھومة بالقول من الکتاب والسنة بنحو من الاستدلال والعادات الکائنة فی زمانهﷺ و مثل ھذا لا یُدرِك حُسنَهٗ الا مَنْ مارس کتب الأداب واجال عقله فی میدان أداب قومه ثم طلب لھا اصلًا من السنة". ◆

قوت حافظہ و یادداشت

جہاں مؤرخین اور تذکرہ نویس امام المحدثین کے اور کمالات کا ذکر کرتے ہیں، وہاں قوت حافظہ کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ علیحدہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔ ان کی قوت حافظہ کے واقعات محدثین میں ضرب المثل ہیں۔

جب وہ صغیر السن تھے تو ان کے اساتذہ اس خدا داد قوت کو دیکھ کر کہتے، یہ ہونہار لڑکا ہے۔ ◆ ایک روز احمد بن حفص ◆ نے آپ کے چہرہ کو دیکھ کر کہا: "ھذا یکون له صیت". ◆ ان کا ڈنکہ بجے گا۔ ایسے ہی ایک روز سلیمان بن حرب ◆ نے بھی کہا۔

◆ رسالة شرح تراجم ابواب البخاری ص ٦ (ص ۱۲، مصورة دار الحدیث، بیروت)

◆ الفوائد الدراری (مؤلف)

◆ وہ ابو حفص احمد بن حفص بخاری ہیں ان کا ترجمہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

◆ الفوائد الدراری (مؤلف) مزید دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۵، اسے وراق نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا "محمد بن اسماعیل کا چھوٹی عمر میں ہی ابو حفص احمد بن حفص البخاری کے ہاں کافی آنا جانا تھا۔ میں نے ان سے سنا: "یہ نوجوان بڑا ذہین ہے مجھے امید ہے کہ اس کا مقام بلند ہوگا اور اس کا تذکرہ باقی رہے گا" خطیب نے اپنی سند کے ساتھ ابو سعید بکر بن منیر سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: "میں نے محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی سے سنا، وہ کہتے تھے: "میں ابو حفص احمد بن حفص کے پاس کتاب الجامع، جامع سفیان سنا کرتا تھا اور یہ میرے والد کی کتاب تھی، اس اثنا میں ابو حفص نے ایک لفظ پڑھا جو میری کتاب میں نہیں تھا تو میں نے انہیں دوبارہ پڑھنے کا کہا: تو انھوں نے دوبارہ اسے ویسے ہی پڑھ دیا، میں نے دوبارہ لوٹایا تو انھوں نے پھر ایسے ہی پڑھا، میں نے سہ بار لوٹایا تو وہ خاموش ہوگئے اور پوچھا، معترض کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ وہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن بردزبہ ہیں، تو ابو حفص گویا ہوئے: "جیسے وہ کہیں لفظ ویسے ہی ہوگا اور یاد رکھو یہ شخص ایک دن بڑا آدمی بنے گا" تاریخ بغداد ۲/۱۱، تغلیق التعلیق ۵/۳۸۷)۔

◆ کچھ دیر بعد مصنف صاحب خود ہی سلیمان بن حرب کا ترجمہ ذکر کریں گے۔ ان کا یہ قول مقدمة الفتح ص ۴۸۲ میں ہے اور تغلیق التعلیق ۵/۴۴۰ میں بھی ہے۔ وراق عن حاشد بن اسماعیل کے طریق سے ذہبی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا: "جب محمد بن اسماعیل سلیمان بن حرب کے پاس آئے تو سلیمان نے انہیں دیکھ کر کہا: "ایک دن اس لڑکے کی بڑی شہرت ہوگی" (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۰)۔

وراق نے بھی امام بخاری سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: "میں بچپن سے ہی مرو میں فقہائے کرام کے پاس آتا جاتا تھا جب میں ان کے پاس آتا تو مجھے ان کے ہاں سلام کہتے شرم سی محسوس ہوتی۔ ایک دن مجھے ایک صاحب نے کہا: آج آپ نے کیا لکھا؟ تو میں نے بتایا کہ: دو۔ (تعلیق میں ہے دو آیتیں) اس سے میری مراد دو حدیثیں تھیں تو میری یہ بات سن کر حاضرین مجلس کھلکھلائے تو ان کے استاد ←

امام ترمذی کہتے ہیں کہ ایک روز امام بخاری عبداللہ بن منیر کے پاس بیٹھے تھے۔ جب امام بخاری اٹھے تو عبداللہ بن منیر ◆ نے فرمایا:

"یا ابا عبدالله جعلك الله زين هذه الامة"۔ اے ابوعبداللہ! خدا تم کو اس امت کی زینت بنائے۔

امام ترمذی کہتے ہیں، خدا نے عبداللہ بن منیر کی دعا سن لی اور حقیقت میں امام بخاری کو اس امت کے لیے موجب افتخار بنایا۔ ◆

حاشد بن اسماعیل ◆ کہتے ہیں کہ امام بخاری ہمارے ساتھ شیوخ بصرہ کی درس گاہوں میں شامل ہوتے لیکن لکھنے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس حالت میں کچھ دن گزر گئے تو ہم نے ان کو سمجھانا شروع کیا کہ آپ ناحق اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ جب ہماری باتوں کو سنتے سنتے گھبرا گئے تو فرمانے لگے:

"قد اكثرتم علي"۔ تم لوگ حد سے متجاوز ہو چلے ہو۔ اچھا تم نے جو لکھا ہے، پیش کرتے جاؤ۔ لوگوں نے اپنے اپنے لکھے ہوئے اجزا نکالے اور پڑھنا شروع کیے۔ جب لوگ سنا کر فارغ ہو چکے تو امام صاحب نے پندرہ ہزار حدیثیں ان اجزا کے علاوہ پڑھ کر سنا دیں اور ہمارے لکھے ہوئے اجزا بھی سب دہرا گئے۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنے اپنے لکھے ہوئے اجزا کی تصحیح آپ کے حفظ سے کر لی۔ ◆

ازہر سجستانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام سلیمان بن حرب کی درس گاہ میں حاضر ہوتے اور ہمارے ساتھ محمد بن

← نے ان سے کہا: "اس پر نہ ہنسو، ہو سکتا ہے ایک دن یہ تم پر ہنسے"۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۱، تغلیق التعلیق ۵/۳۸۷، تحفة الاخباری ص ۱۸۳۔

◆ منیر۔ بضم المیم و کسر النون و خفة الباء او آخره راءٌ (مؤلف) یہ بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ ابن حجر نے ان کے متعلق ثقہ، عابد لکھا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی بعض کہتے ہیں کہ بعد ازاں ہوئی / خ ت س (التقریب ۱/۴۵۴) خود انھوں نے بھی امام بخاری سے حدیث لکھی ہے اور کہا کرتے تھے کہ میں بخاری کا شاگرد ہوں اور وہ میرے استاذ ہیں۔ امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے ان جیسا نہیں دیکھا، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۴، ۴۲۴، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۷۔

◆ الفوائد الدراری، مقدمة الفتح ص ۴۸۴ اور مزید دیکھیے: تاریخ بغداد ۲/۲۶، تاریخ الاسلام ص: ۲۵۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۳، طبقات السبکی ۲/۲۲۱، البدایة والنهایة ۱۱/۲۶، تحفة الاخباری ص ۱۸۶، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۷۔ بعض کے نزدیک "ان کی دعا قبول ہو گئی" اس پر ابن ناصر الدین نے تعلیق چڑھائی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں امت کا جھومر اور آئمہ کا پیشوا بنایا ہے"۔

◆ وہ حاشد بن اسماعیل بن عیسی الغزال الحافظ محدث الشاش اور علمائے زمان میں سے ہیں۔ ان سے محمد بن یوسف الفربری، بکر بن منیر اور دیگر لوگوں نے روایت کیا۔ وہ ۲۶۱ھ میں فوت ہوئے (تذکرة الحفاظ ۲/۵۶۴)۔ (مراجع)

◆ الفوائد الدراری، مقدمة الفتح: ۴۷۸۔ مزید دیکھیے: تاریخ بغداد ۲/۱۴، طبقات الحنابلة ۱/۲۷۶، تاریخ دمشق ۱۵/۴۲/ب، المنتظم ۱۲/۱۱۶، تذکرة الحفاظ ۲/۵۵۶، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۸، طبقات السبکی ۲/۲۲۱، تحفة الاخباری ص ۱۸۹، تغلیق التعلیق ۵/۳۹۰ اور یہ اضافہ بھی کیا "کیا تم مجھے خیال کرتے ہو کہ میں بے کار آتا جاتا ہوں اور اپنا وقت ضائع کرتا ہوں؟ تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکے گا"۔

اسماعیل (بخاری) ہوتے۔ وہ صرف سن لیا کرتے، لکھتے نہ تھے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ کیوں نہیں لکھتے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جب بخارا جاتے ہیں تو یہاں (مکہ) کی لکھی ہوئی حدیثیں قلم بند کرتے ہیں۔ ❶ مجلس درس میں قلم بند کرنے کا دستور نہیں۔

سلیمان بن حرب اپنے وقت کے بڑے پایہ کے امام، حافظ حدیث اور مکہ کے قاضی ہیں۔ ❷ شعبہ، جریر بن حازم جیسے آئمہ فن کے شاگرد ہیں۔ یحییٰ القطان اور بن محمد بن جعفر جیسے لوگ آئمہ جرح و تعدیل ان کے قدیم تلامذہ ہیں۔ حافظہ اس غضب کا تھا کہ دس ہزار حدیثیں روایت کیں اور ہاتھ میں کتاب نہ تھی۔

ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں ایک بار شہر بغداد میں ان کی درس گاہ میں حاضر ہوا تو حاضرین درس کا تخمینہ چالیس ہزار تھا۔ ۲۲۴ھ میں وفات پائی۔ یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ باوجود اس فضل و کمال کے امام بخاری سے فرماتے:

"بین لنا اغلاط شعبة"۔ ❸ مجھے شعبہ کی غلطیوں پر متنبہ کر دیا کرو۔

کسی نے حافظ ابو العباس الفضل بن العباس سے (جو فضلک کے ساتھ مشہور ہیں اور نہایت بلند پایہ محدث ہیں) پوچھا کہ دو شخصوں (امام ابو زرعہ اور امام بخاری) میں سے بڑا حافظ حدیث کون ہے؟ ابو العباس نے کہا، مجھ کو محمد بن اسماعیل بخاری سے ملاقات نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جس کو میں نے دیکھا ہی نہیں، اس کے علم و فضل کا کیوں کر اندازہ کر سکتا ہوں اور دوسرے ذی علم کے ساتھ اسے نسبت کیوں کر دے سکتا ہوں۔ (علامہ فضلک امام نسائی کے شیخ اور قعنبی کے شاگرد ہیں۔ ۲۸۰ھ تک زندہ رہے۔)

علامہ فضلک کہتے ہیں کہ اتفاقاً حلوان ❹ اور بغداد کے درمیان میری امام بخاری سے ملاقات ہوگئی۔ میں اپنے عزم کو فسخ کر کے امام صاحب کے ہمراہ ہو لیا اور ایک منزل تک برابر ساتھ رہا اور بڑی سعی کی کہ امام کے سامنے ایسی

◆ خلیلی نے اپنی سند کے واسطے سے محمد بن ازہر سجزی سے اسے روایت کیا ہے (الارشاد ۹۶۱/۳) اور مزید دیکھیے: مقدمة الفتح ص ۴۷۸، تغليق التعليق ۳۹۱/۵ اور اس میں ہے "محمد بن ازھر"۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تحریف ہو۔
یہ جو محمد بن ازہر ہے ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جنہیں ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ انھوں نے کہا: محمد بن ازہر جوزجان کے رہنے والے مشائخ میں سے ہیں۔ یحییٰ القطان اور ابن مہدی سے روایت کرتے ہیں اور ان سے احمد بن سیار نے روایت کیا ہے، کثیر الحدیث ہیں اور اکثر حافظے پر اعتماد کرتے ہیں، احمد بن حنبل کے ہم نشینوں میں شامل تھے (۱۲۳/۹) واللہ اعلم۔

◆ خلیفہ مامون عباسی نے قاضی یحییٰ سے پوچھا کہ تم نے بصرہ میں کس کو چھوڑا۔ قاضی صاحب نے مجملہ اور مشائخ کے سلیمان بن حرب کا نام لیا اور بڑی تعریف کی۔ خلیفہ نے ان کو مکہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ تهذيب التهذيب۔ (مؤلف)
ان کے ترجمہ کے لیے مزید دیکھیے: تهذيب الكمال ۳۸۴/۱۱، طبقات علماء الحديث لابن عبدالهادی ۲۲/۲، سير اعلام النبلاء ۳۳۰/۱۰ اور کئی دیگر کتب بھی ہیں۔

◆ سير اعلام النبلاء ۴۱۹/۱۲، تغليق التعليق ۴۴۰/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۲۔

◆ حلوان، عراق کی انتہائی حدود پر واقع ایک شہر ہے (مراصد الاطلاع ۴۱۸/۱)۔

حدیث پیش کروں جس کو وہ نہ جانتے ہوں۔ آخر میں تھک گیا اور مجھے اس میں کامیابی نہ ہوئی لیکن ابوزرعہ کے سامنے ان کے سر کے بالوں کی تعداد میں ایسی حدیثیں گن سکتا ہوں جن کو وہ نہیں جانتے۔ ◆

امام ابوزرعہ بڑے پایہ کے امام ہیں۔ امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ کے شیخ ہیں اور امام المحدثین کے معاصر، ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

امام احمد کہتے ہیں: ''ما جاوز البحر احفظ من ابی زرعة''. بغداد دارالخلافت کے پل سے ابوزرعہ سے بڑھ کر احفظ کوئی نہیں گزرا، صرف قرآن کے باب میں دس ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ ◆

ابوالطیب حاتم بن منصور ◆ وہ شخص ہیں کہ قوت حافظہ کے بارے میں ان کی اور حافظ ابوزرعہ کی محدثین نظیر دیا کرتے ہیں۔ وہ فرمایا کرتے:

''محمد بن اسماعیل آية من آيات الله في بصره و نفاذه في العلم''. ◆

◆ مقدمة الفتح ص ۴۸۵ اور مزید دیکھیے: تاریخ بغداد ۲۳/۲، التقیید ۱۲/۱، تهذیب الکمال ۴۵۸/۲۴، تاریخ الاسلام ص ۲۸۵، سیراعلام النبلاء ۴۳۴/۱۲، طبقات السبکی ۲۲۵/۲، تغلیق التعلیق ۴۱۱/۵، تهذیب التهذیب ۵۱/۹۔
مذکورہ تمام مراجع میں ان کا نام ''فضل بن عباس الرازی'' ہے لیکن تاریخ الاسلام اور السیر میں یہ نام الٹ گیا اور ''عباس بن فضل الرازی'' ہوگیا اور طبقات میں سبکی نے بھی انہی سے روایت کی ہے ان دونوں نے ''الصائغ'' کا اضافہ کیا ہے اور ابن حجر نے مقدمۃ اور تغلیق میں اضافہ کیا ہے ''المعروف بفضلك'' اور ان کے متعلق ذہبی نے کہا: '' امام حافظ ابوبکر فضل بن عباس الرازی صاحب التصانیف ''۔ ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ خطیب کا کہنا ہے یہ ثقہ ثبت حافظ تھے، وفات تک بغداد میں سکونت پذیر رہے (تاریخ بغداد ۳۶۷/۱۲، تذکرۃ الحفاظ ۶۰۰/۲، سیر اعلام النبلاء ۶۳۰/۱۲)۔
مقدمة الفتح میں ان کی کنیت ''ابوالعباس'' لکھی ہے۔ اس کا نام اور اس کے باپ کا نام آپس میں متشابہ ہوگئے، مؤلف رحمہ اللہ سمجھے کہ وہ ''ابوالعباس الفضل بن عباس بغدادی، حلبی، شیخ النسائی ہیں۔ قعنبی سے انھوں نے ہی روایت کیا۔ خزرجی نے ان کا ترجمہ الخلاصہ میں ص ۳۰۹ پر لکھا اور مصنف رحمہ اللہ نے یہیں سے ان کا ترجمہ نوٹ کیا ہے۔ ان کا ترجمہ ''تهذیب الکمال و فروعه'' میں بھی ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ وہ فضلک الرازی نہیں ہیں۔
خطیب نے اپنی تاریخ میں ہر ایک کا الگ ترجمہ لکھا ہے تو فضلک کا ترجمہ اس میں ۳۶۷/۱۲ پر ہے الترجمہ ۶۸۰۳ پر اور حلبی کا ترجمہ ۳۶۹/۱۲ پر ہے اور وہ ترجمہ نمبر ۶۸۰۷ ہے اور فضلک الرازی کی کوئی روایت کتب ستہ میں موجود نہیں ہے، واللہ اعلم۔

◆ ابوزرعہ، یہ مشہور امام عبداللہ بن عبدالکریم الرازی ہیں۔ ان کے ترجمہ اور مصادر کے لیے دیکھیے: تهذیب الکمال ۸۹/۱۹، سیر اعلام النبلاء ۶۵/۱۳ اور کتاب ''ابوزرعه الرازی وجهوده فی السنة النبوية'' مصنف ڈاکٹر سعدی الہاشمی۔

◆ ان کا ترجمہ مجھے نہیں مل سکا۔

◆ سیر اعلام النبلاء ۴۲۷/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۱۰/۵، مقدمة الفتح ۴۸۵۔
رجاء بن مرجی الحافظ کا کہنا ہے: ''محمد بن اسماعیل کی فضیلت دوسرے علماء پر ایسے ہی ہے جیسے مردوں کی فضیلت ہو عورتوں پر تو انہیں ایک شخص نے کہا: کیا یکبارگی؟ تو انھوں نے کہا: وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی چلتی پھرتی نشانی ہے''۔ تاریخ بغداد ۲۵/۲، تاریخ دمشق ←

یعنی امام بخاری بصیرت علمی اور علوم میں تبحر کی وجہ سے خدا کی ایک نشانی ہیں۔

اس خداداد حافظہ اور ذکاوت اور کمال بصیرت کی وجہ سے آپ کے شیوخ آپ کا بہت احترام کرتے۔ بعض شیوخ ان کے سامنے درس دینے سے رکنے لگے۔ ◆

شروح الفیہ، شروح بخاری، کتب تواریخ، مقدمۃ الفتح، تمییز المشکل، تہذیب الاسماء، طبقات الکبریٰ للسبکی، طبقات حنابلہ، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں و نیز ان کے علاوہ بہت سی کتابوں میں امام المحدثین کی قوت حافظہ اور مبصریت کی جانچ کا ایک واقعہ لکھا ہے جو امام صاحب کو دارالخلافت بغداد میں پیش آیا تھا۔ اس امتحان کا قصد علمائے بغداد نے اس وجہ سے کیا تھا کہ امام صاحب کی قوت حافظہ اور مبصریت فی الحدیث کے عجیب و غریب قصے اسلامی دنیا میں نہایت زور و شور سے پھیل چکے تھے اور شہرت پکڑتے جا رہے تھے۔ ◆

← ۱۵/۵۱/أ، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۷، تحفۃ الاخباری ص ۱۹۴، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۶، مقدمۃ الفتح ص: ۴۸۵۔ رجاء بن مرجی مروزی ہیں اور بغداد کے ساکن تھے، خطیب کا کہنا ہے، یہ ثقہ، ثبت اور علم حدیث میں امام تھے، حدیث کے حفظ اور اس کی پہچان کے ماہر تھے (تاریخ بغداد ۸/۴۱۱، ترجمہ: ۴۵۲۹) عمر بن حفص الاشقر کا کہنا ہے: ''رجاء بن مرجی ہمارے پاس بخارا تشریف لائے، شاش جانا چاہتے تھے، ہم نے ان سے سماع کیا، پھر وہ محمد بن اسماعیل البخاری کے پاس تشریف لے گئے اور دونوں آپس میں حدیث پر مذاکرہ کرتے رہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۹۹)۔

◆ اس قسم کا ایک واقعہ فتح بن نوح نیشاپوری نے ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں علی بن مدینی سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تو دیکھا کہ محمد بن اسماعیل ان کے دائیں جانب بیٹھے ہوئے ہیں جب علی بن مدینی کوئی حدیث بیان کرتے تو امام بخاری کے علمی تفوق کی بناء پر ان کی طرف دیکھتے۔ مقدمۃ الفتح ۴۸۳، تاریخ بغداد ۲/۱۸، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۶۔ اور محمد بن سلام کہا کرتے تھے: ''محمد بن اسماعیل جب بھی میرے پاس آتے تو میں حیران ہوتا اور میں ابھی تک ان سے خائف رہتا ہوں یعنی وہ اس بات سے ڈرتے رہتے کہ کہیں ان کے سامنے غلطی نہ ہو جائے۔ مقدمۃ الفتح ۴۸۳، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۷، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۴۔

ابو عمرو الخفاف کا کہنا ہے: ''امام بخاری اگر اس سامنے والے دروازے سے داخل ہوتے تو میں ان کے رعب کے نیچے آ جاتا جب کہ میں حدیث بیان کر رہا ہوتا تھا''۔ مقدمۃ الفتح ۴۸۵، (مراجع) تاریخ بغداد ۲/۲۸، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۲۔ اور ابراہیم بن محمد بن سلام نے تو علماء کی ایک جماعت کے متعلق لکھا ہے کہ محدثین میں سے جتنے بھی بلند پایہ علماء کہلاتے تھے سبھی محمد بن اسماعیل سے خائف رہتے اور وہ امام بخاری کو حدیث پر نظر اور پہچان کے سلسلہ میں حرف آخر سمجھتے۔ ان میں سے سعید بن ابی مریم المصری اور بعض دوسرے لوگ معروف ہیں۔ (ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۳۰) عنقریب اس کا تذکرہ قدرے تفصیل سے ذکر کروں گا۔

◆ یہ واقعہ ابن عدی نے "اسامی من روی عنهم البخاری "ص ۶۲۔۶۳ پر خطیب کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ تاریخ بغداد ۲/۲۰،۲۱ اور التعدیل و التجریح ۱/۸۰۸ میں ابوالولید الباجی نے بھی ذکر کیا ہے۔ حمیدی نے جذوۃ المقتبس ص: ۱۳۷ پر ذکر کیا ہے۔ (ترجمۃ احمد بن عمر العذری المعروف بابن الدلائی)۔ ابن جوزی نے بھی المنتظم ۱۲/۱۱۷،۱۱۸ میں روایت کیا ہے۔

علماء نے اس مضمون کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ انہیں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ جیسے: تقیید المهمل ۱/۱۵/أ، تاریخ دمشق ۱۵/۴۴/أ، اسامی شیوخ البخاری للصغانی ص ۵ وفیات الاعیان ۴/۱۸۹، تهذیب الکمال ۲۴/۴۵۳، ۴۵۶، تاریخ الاسلام ص ←

امام المحدثین دارالخلافت بغداد میں پہنچے جو ان دنوں خلفاء بنی عباس کی علمی قدر دانیوں کی وجہ سے اسلامی علوم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بغداد کی علمی ترقی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ خلیفہ ہارون اور مامون جیسے جامع کمالات اور شائق علوم بغداد کی علمی ترقی کو اوج کمال تک پہنچانے والے تھے۔

مسلم بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا اور باوجود شیوخ کی اس کثرت کے میں پل اتر کر نہیں گیا◆ یعنی ایک ہی شہر (بغداد)◆ میں آٹھ سو اساتذہ حدیث ان کو ایسے مل گئے جو شیخ کا لقب حاصل کر چکے تھے۔◆ متکلمین، محدثین، فقہاء تمام اطراف عالم سے سمٹ کر بغداد میں جمع ہو گئے تھے اور بنی عباس کی خلافت کو ایک معتد بہ زمانہ گزر چکا تھا۔ علوم اسلامیہ پر کیا موقوف ہے، بغداد تمام اہل کمال کا ملجا و ماویٰ تھا۔

ایک مرتبہ صرف ان طبیبوں کا شمار کیا گیا جن کو سند طبابت عطا کی گئی تھی تو ان کی تعداد نو سو تھی۔ مزید برآں وہ اطبا

◆ ۲۴۶، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۸، طبقات السبکی ۲/۲۱۸، تحفة الاخباری ص ۱۹۲۔۱۹۳، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۴، مقدمة الفتح ص ۴۸۶، النکت علی ابن الصلاح ۲/۸۶۷، مرآة الجنان ۲/۱۶۷۔

اس طرح شروح البخاری کی مقدمات والی جلدیں اور اصطلاحات کی کتب عام طور پر قدرے بسط سے اس مضمون کو بیان کرتی ہیں۔ البتہ طبقات الحنابلہ اور تهذیب الاسماء واللغات میں بخاری کے ترجمہ میں مجھے یہ مضمون نہیں ملا۔ ہو سکتا ہے انھوں نے یہ مضمون دوسرے مقام پر ذکر کیا ہو۔ واللہ اعلم، اور علم مصطلح کی کتب کے مؤلفین عموماً اسے "الحدیث المقلوب" کے بیان میں ذکر کرتے ہیں۔

◆ آجری نے اسے ابو اسماعیل الترمذی عن مسلم بن ابراهیم کے واسطے سے ذکر کیا ہے سؤالات الآجری ۱/۴۴۶ (میری اپنی تحقیق کے ساتھ)۔ اور انہی سے تهذیب الکمال ۲۷/۴۹۱، سیر اعلام النبلاء ۱۰/۳۱۵ میں۔

آجری نے ابوداؤد سے بھی روایت کیا ہے اور کہا کہ: مسلم نے تقریباً ایک ہزار شیوخ سے حدیث لکھی ہے (۱/۴۴۶۔ النص: ۹۵۰) اور ابوداؤد نے مزید فرمایا: مسلم کہیں سفر کر کے کسی کے پاس نہیں گیا (حوالہ سابقہ۔ نص: ۹۵۳)۔

◆ یہ پل دریائے فرات پر واقع ہے۔ ابوعبید ثقفی نے ایک عظیم معرکہ میں اسے عبور کیا تھا جو کہ مسلمانوں اور فارسیوں کے درمیان رونما ہوا تھا۔ مزید دیکھیے: معجم البلدان ۲/۱۴۰، مراصد الاطلاع ۱/۳۳۴۔

مسلم بن ابراہیم ازدی فراھیدی امام بخاری اور ابوداؤد کے استاد ہیں۔ بصری ہیں کیونکہ بصرہ میں رہتے تھے۔ (معرفة الثقات للعجلی ۲/۲۷۶) معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی عراق سے نکلے ہی نہیں۔

◆ ذہبیؒ نے ابن قتیبہ جو کہ مصنف کتاب المعارف ہیں کے تعارف میں ذکر کیا ہے کہ طلبا ان کے پاس آ گئے اور مطالبہ کیا کہ ہمیں حدیث کا سبق دیجیے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ: تم لوگ مُصر ہو کہ میں حدیث بیان کروں حالانکہ بغداد میں اس وقت آٹھ سو محدثین کرام موجود ہیں۔ سبھی میرے اساتذہ کی طرح ہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا چنانچہ انھوں نے حدیث بیان نہیں کی۔ مکمل قصہ سیر اعلام النبلاء ۱۳/۳۰۲ میں موجود ہے۔

ابن قتیبہ امام بخاری کے ہم عصر ہیں، ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۶ھ میں وفات پائی لیکن اکثر وہ لغت اور ادب کے ساتھ بمقابلہ حدیث کے زیادہ مشغول رہے لیکن اس کے باوجود ان کی ایک مفید کتاب "غریب الحدیث" موجود ہے اور طبع شدہ ہے اور اسی طرح اس مضمون میں ان کی کتاب "تاویل مختلف الحدیث" بھی بہت بہترین کتاب ہے۔ دکتور اسامہ عبداللہ خیاط کی کتاب "مختلف الحدیث" ص ۳۹۵۔۴۰۴ بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اس شمار سے خارج ہیں جو بوجہ شہرت فضل وکمال امتحان سے مستثنیٰ رہے یا جن کو سرکار خلافت میں تعلق حاصل تھا، خدا کو علم ہے کہ ایسے طبیب کتنے ہوں گے اور ان کی تعداد نو سو کے عدد کو کہاں تک بڑھا دیتی، قیاس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کہ جس شہر میں نو سو سے زیادہ سند یافتہ طبیب ہوں گے، اس میں محدث کتنے ہوں گے اور کس قدر ادیب و مہندس۔ ❶

امام بخاری کا بایں شہرت دارالخلافت بغداد میں تشریف لے جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ امام صاحب کے حفظ، اتقان، مبصریت، ذکاوت کی جانچ کے لیے گویا تمام دارالخلافہ کے محدثین نے اتفاق کر کے یہ ترکیب سوچی کہ سو حدیثوں کو لے کر اس طرح الٹ پلٹ کیا کہ ایک حدیث کی سند دوسری حدیث کے متن میں ملا دی اور اس طرح پوری سو حدیثوں کی سند اور متن کو خلط ملط کر کے دس آدمیوں کے حوالہ کیا اور ایک مجمع عام میں امتحان کی ٹھہری۔ شہر بھر کے اہل کمال جمع ہوئے۔ شہر اُمڈ آیا۔ ایک آدمی نے دس حدیثوں میں سے ایک حدیث پڑھی۔ امام صاحب نے فرمایا، "لا اعرفہٗ". مجھے نہیں معلوم۔ پھر دوسری حدیث پڑھی۔ امام صاحب نے فرمایا: "لا اعرفہٗ" یہاں تک کہ پہلے شخص نے اپنی غتربود کی ہوئی دسوں حدیثوں کو سنا دیا اور امام صاحب وہی "لا اعرفہٗ" کا جملہ دہراتے رہے۔

دوسرا کھڑا ہوا، اس نے بھی ایک دو کر کے اپنی دسوں حدیثوں کو پیش کیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے دسوں نے مل کر سو حدیثوں کو پورا کیا اور امام صاحب کا وہی ایک جملہ "لا اعرفہٗ" کل حدیثوں کے جواب میں تھا۔ جب اس طرح سو حدیثیں پوری ہو چکیں تو مجمع میں جو لوگ امام صاحب سے ناواقف اور اس فن سے نابلد تھے، ان کی باہم چشمک ہونے لگی اور یہ خیال خام ان کے دلوں میں پکنے لگا کہ امام بخاری عاجز رہ گئے اور ان کے حافظہ، مبصریت اور کمالات علمی کے جس قدر افسانے سنے گئے ہیں، غلط ہیں لیکن جو لوگ آپ کے فضل وکمال سے کسی قدر واقف تھے، بول اٹھے. فھم الرجل. امام ہماری اس ترکیب کو سمجھ گئے۔

امام المحدثین اسی وقت کھڑے ہو کر پہلے سائل کی طرف مخاطب ہوئے اور اس کے سوالات کی پہلی حدیث پڑھ کر فرمایا:

"اما حدیثک الاول فبھذا الاسناد خطأ و صوابہ کذا".

یعنی تمہاری پہلی حدیث جس سند سے تم نے بیان کی تھی، غلط تھی اس کی اصل سند یہ ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث، تیسری حدیث یہاں تک کہ دسوں حدیثوں کو اسی کی ترتیب سے پڑھ کر غلط کو صحیح سے الگ کر دیا۔ اسی طرح دوسرے، تیسرے، چوتھے حتیٰ کہ دسوں سائلین کی پوری سو حدیثوں کو بہ ترتیب سوال پڑھ کر سنا دیا اور ان کی سندوں کو صحیح کر دیا۔ اس خداداد حافظہ و ذکاوت و تبحر کو دیکھ کر اہل بغداد حیرت میں آ گئے اور آپ کے کمالات کا

❶ بغداد کے اہل علم وفضل اور ہر فن میں ماہرینؒ کی تفصیل اگر دیکھنا مقصود ہو تو خطیب بغدادی کی شہرہ آفاق کتاب جو "تاریخ بغداد" کے نام سے موسوم ہے دیکھی جائے۔ یہ کتاب چودہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ (مراجع)

سب کو ایسا ہی یقین ہو گیا جیسا کہ آفتاب نکلنے پر دن کا۔ [1]

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں: ''فبهر الناس عند ذلك و اذعنوا له''۔ [2] مبصرین فن اور اہل کمال کے نزدیک غلط سندوں کو صحیح کر کے بتا دینا اگرچہ بڑا کمال ہے لیکن سب سے زیادہ تعجب خیز بات اس امتحان میں یہ ہوئی کہ ان سو غلط اسنادوں کو جو سوالوں میں پیش کی گئی تھی، امام المحدثین نے ایک ہی بار سنا تھا لیکن جس ترتیب سے سنا تھا، اسی ترتیب سے ان سب کو پڑھ کر دہرا دیا اور فرمایا کہ تمہاری یہ سب سندیں ان متنوں کے ساتھ غلط ہیں۔ فلاں متن کی فلاں سند صحیح ہے اور فلاں متن کی فلاں سند۔ [3]

اسی طرح جب امام بخاری سمرقند پہنچے اُس وقت سمرقند میں چار سو محدث ایسے کامل الفن موجود تھے جو مرجع خلائق خیال کیے جاتے تھے۔ امام المحدثین کی مبصریت اور تبحر علمی کی خبر ان کو پہلے سے پہنچ چکی تھی اور ان کے کان اس صدا سے بھر چکے تھے۔ اہل سمرقند نے اتفاق کر کے نو دن [4] تک بڑا مجمع کیا اور امام المحدثین کے مغالطہ دینے میں ساری قوت صرف کر ڈالی۔ ابو ازہر [5] کہتے ہیں کہ سمرقند میں چار سو محدث تھے انھوں نے محمد بن اسماعیل کو مغالطہ دینے کیلیے اہل شام کی حدیثوں کو عراقیوں کی اسانید میں اور اہل عراق کی سندوں کو شامیوں کی حدیث میں ملا دیا۔ حجاز کے متنوں کو یمنیوں کی سندوں میں خلط ملط کر کے امام المحدثین پر پیش کیں لیکن امام المحدثین نے ساری غلطیوں کی قلعی کھول دی [6] اور نہ کہیں سند میں چوکے نہ متن میں۔ آخر اہل سمرقند عاجز آ گئے اور آپ کے خداداد حافظہ اور مبصریت کے آگے

---

[1] مقدمۃالفتح ۴۸۶ یہ الفاظ بھی مقدمہ کے ہی ہیں تاریخ بغداد ۲/۲۰۔۲۱۔ اس قصہ کی تخریج گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔
علامہ سخاوی کا کہنا ہے کہ: ابی احمد بن عدی کا کہنا ہے: کہ میں نے بہت سے اساتذہ سے سنا ہے وہ یہ قول روایت کرتے تھے اور انھوں نے بتایا کہ...... ابن عدی کے شیوخ کی جہالت مضر نہیں ہے کیونکہ وہ تعداد اس قدر ہے کہ اس سے یہ جہالت کی علت رفع ہو جاتی ہے (فتح المغیث ۱/۳۲۱)۔

[2] المرقاۃ ۱/۱۴۔

[3] ابن حجر نے اس رونما ہونے والے واقعہ پر تعلیق لکھتے ہوئے بتایا کہ: اس موقع پر امام بخاری کے سامنے سر جھک جاتا ہے۔ شاید یہ بات اس قدر تعجب خیز نہ ہوتی کہ انھوں نے غلطی درست کر دی اور صحیح حدیث بیان کر دی بلکہ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ انھوں نے صرف ایک مرتبہ سن کر اس ترتیب سے غلطیوں کی اصلاح فرمائی جس ترتیب سے لکھی جا رہی تھیں۔ مقدمۃ الفتح ۴۸۶. (مراجع) تغلیق التعلیق ۵/۴۱۵، سخاوی نے بھی فتح المغیث ۱/۳۲۱ میں اس موضوع پر قلم کشائی کی ہے۔

[4] اصل نسخہ میں اس طرح ہے (نو دن) لیکن مقدمۃ الفتح میں مجھے ایام کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں چل سکا البتہ ذہبی کی تاریخ اور سیر میں (سات دن) لکھے ہیں۔

[5] یہ احمد بن ازھر بن منیع بن سلیط حافظ، ثقہ، عبدی اور نیشاپوری ہیں۔ انھوں نے سفیان کو دیکھا اور ابن نمیر اور یعلی سے سماع کیا اور نسائی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے ان سے کسب فیض کیا ان کی وفات ۲۶۳ھ میں ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۴۶، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۶۳۔ ۳۶۹۔ (مراجع)

[6] مقدمۃ الفتح ص ۴۸۶. اور الفاظ بھی اسی کے ہیں۔ مزید دیکھیے تاریخ الاسلام ص ۲۵۲، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۱، ان دونوں ←

ان کے سرخم ہو گئے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''فما استطاعوا (اهل سمرقند) مع ذلك ان يتعلقوا عليه بسقطة لا في اسناده ولا في متن''۔ [1]

امام المحدثین خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت انسؓ صحابی کے شاگردوں کا شمار کیا تو تین سو شاگرد حضرت انسؓ کے ایک لحہ میں مجھے یاد آ گئے۔ [2]

وراق کہتے ہیں کہ ایک روز امام بخاری نے رات میں احادیث شمار کرنی شروع کیں تو دو لاکھ حدیثوں کو شمار کیا جو انھوں نے اپنی مختلف تصانیف میں داخل کی تھیں [3] اور فرمایا کہ اگر مجھ سے کہا جائے تو میں ابھی بیٹھ کر صرف ایک نماز کے متعلق دس ہزار حدیثیں روایت کرسکتا ہوں۔ [4]

وراق کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کتاب الہبۃ لکھی جس میں انھوں نے پانچ سو حدیثیں روایت کیں۔ حالانکہ وکیع کی کتاب الہبۃ میں صرف دو یا تین حدیثیں مسند ہیں اور ابن المبارک کی کتاب الہبۃ میں صرف پانچ یا چھ۔ [5]

ابوبکر کلوذانی [6] کہتے ہیں، میں نے محمد بن اسماعیل جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ جس کتاب کو اٹھا کر ایک نظر دیکھتے، یاد کر لیتے۔ [7]

درس وافتاء اور بقیہ زندگی

جس بات نے مسلمانوں کو اس پر مجبور اور آمادہ کیا کہ امام المحدثین کو مسند درس پر بٹھا کر ان سے استفادہ کریں،

← کے آخر میں ہے کہ ''وہ کسی ایک غلطی پر بھی امام بخاری کو نہ ٹوک سکے۔ سند میں نہ متن میں'' تغلیق التعلیق ۵/۴۱۹۔

[1] المرقاۃ ۱/۱۳، مقدمۃ القسطلانی ۱/۲۹، البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۲۵ جیسا کہ ذہبی سے منقول یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ زیادہ اسی خبر میں سے ہی ہے۔ وراق کے طریق سے بھی اسے روایت کیا ہے۔

[2] مقدمۃ الفتح ص ۴۸۸، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۱، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۹۔

[3] تاریخ الاسلام للذہبی ص ۵۲، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۲، البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۲۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۷، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۹۔

[4] سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۲، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۸ کلام کا سیاق اسی کا ہے۔ مقدمۃ الفتح ص ۴۸۷، السیر میں اس قصہ کے ورود کا سبب بھی لکھا ہوا ہے۔ یہ واقعہ والیٔ نیشاپور یعقوب بن عبداللہ کی مجلس میں پیش آیا تھا۔

[5] تاریخ الاسلام ص ۲۵۱، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۰، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۸، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۸ سیاق کلام یہیں سے لیا گیا۔ مقدمۃ القسطلانی ۱/۲۹۔

[6] یہ بغداد کے رہنے والے ابوبکر محمد بن رزق اللہ کلوذانی ہیں۔ ابو عاصم ضحاک اور یزید بن ہارون وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو بکر بن ہارون رویانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۹ھ میں ہوئی، الانساب ۱۱/۱۴۰، تاریخ بغداد ۵/۲۷۷۔ (مراجع)

[7] سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۶، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۶ سیاق کلام یہیں سے اخذ کیا گیا ہے۔

وہ قوت اجتہاد میں کمال اور علم رجال سے کامل واقفیت اور فن حدیث کے نکات سے کامل آگاہی تھی اور حدیثوں کے علل غامضہ (جس کے قریب تک بڑے بڑے ماہرین فن کے ذہن نہیں پہنچ سکتے تھے) میں تبحر تھا۔ ان کے علاوہ خدادا حافظہ اور ذکاوت وفقاہت نے اس پر اور بھی رنگ چڑھایا تھا کہ آپ کے حافظہ سے لوگ کتابوں کی صحت کرتے، فقاہت کے عجیب وغریب کارنامے صحیح بخاری کے تراجم ابواب سے واضح ہیں۔ اس کا اجمالی بیان حصہ دوم میں آتا ہے۔

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ اہل علم بخاری کے پیچھے پڑتے یہاں تک کہ ان کو روک کر مجبور کرتے اور راہ میں بٹھا کر ان سے حدیثیں لکھتے اور ہزاروں ہزار کا مجمع ہو جاتا حالانکہ ابھی آپ سبزہ آغاز بھی نہ ہوئے تھے۔ وکان البخاری شابالم یخرج وجھہ۔ [1]

ابوبکر بن ابوعتاب الاعین [2] کہتے ہیں کہ ہم نے امام بخاری سے امام فریابی کے دروازہ پر حدیث لکھی حالانکہ وہ بہت کم سن تھے۔ [3] امام فریابی کی وفات ۲۱۲ھ ہے۔ اس حساب سے امام بخاری کا سن اس وقت سترہ یا اٹھارہ برس کا ہو گا۔ [4] اس کم سنی پر بھی لوگ امام المحدثین کو درس دینے پر مجبور کرتے تھے اور بڑی سعی اور سفارش کی جاتی تھی کہ امام

---

[1] تاریخ بغداد ۱۵/۲ ، طبقات الحنابلة ۲۷۷/۱، تاریخ دمشق ۴۲/۱۵/ب، تهذیب الاسماء ۷۰/۱/۱ ، ماتمس الیه حاجة القاریٔ ص ۲۹، تاریخ الاسلام ص ۲۴۴، سیر اعلام النبلاء ۴۰۸/۱۲، طبقات السبکی ۲۱۷/۲ ، تحفة الاخباری ص ۱۸۹، تغلیق التعلیق ۳۹۱/۵ بعض کتب میں ''بصرہ کے اہل علم'' لکھا ہوا ہے۔
''سبزہ آغاز نہیں ہوا تھا'' اس کا مطلب ہے کہ ابھی تک آپ کی مسّیں بھی نہیں بھیگی تھیں''۔

[2] ''ابوعتاب'' اس لفظ میں تحریف ہوئی تو یہ ''عباس'' بن گیا۔ مقدمة الفتح میں ''ابوعیاش اور اُعین'' درج ہے۔ یہی لفظ تحریف کے بعد تهذیب الاسماء و اللغات میں ''الأغر'' ہوگیا۔ یہ ابوبکر محمد بن ابوعتاب بغدادی الاعین، صدوق ہیں۔ ان کی وفات ہے ۲۴۰ھ۔ (التقریب ص ۸۷۶) تهذیب الکمال ۷۸/۲۶ ، سیر اعلام النبلاء ۱۱۹/۱۲ اس کے علاوہ بھی دیگر کتب میں ان کا ترجمہ مل جائے گا اور علامہ مزی نے یہ خبر اس کے ترجمہ میں درج کی ہے۔

[3] تاریخ بغداد ۱۵/۲ ، تاریخ دمشق ۴۲/۱۵/أب ، تهذیب الاسماء و اللغات ۷۰/۱/۱ ، ماتمس الیه حاجة القاریٔ ۲۹، تاریخ الاسلام ص ۲۴۴، سیر اعلام النبلاء ۴۰۱/۱۲ ، طبقات السبکی ۲۱۷/۲، تحفة الاخباری ص ۱۸۷، تغلیق التعلیق ۳۹۰/۵ اور اس میں ''امرد'' کے لفظ موجود ہیں۔ مقدمة الفتح ص ۴۷۸، تهذیب التهذیب ۵۰/۹، مقدمة القسطلانی ۲۷/۱۔

[4] مقدمة الفتح ص ۴۷۸. اس خبر کی تصریح میں سیر اعلام النبلاء میں عبارت اس طرح سے درج ہے ''ہم نے کہا: آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ: میں سترہ برس کا ہوں'' ۴۰۱/۱۲۔ مزی نے امام بخاری کے ترجمہ میں اس خبر کو تهذیب الکمال ۴۴۹/۲۴ میں ذکر کیا ہے اور ترجمة الاعین ۷۹/۲۶ میں ذکر کے دونوں جگہ فرمایا ہے کہ: ''میں نے پوچھا: آپ کی عمر کتنی ہے؟ یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ ابو بکر الاعین سے روایت کرنے والے نے کہا کہ اس کی عمر کتنی ہے تو انھوں نے بتایا: ''سترہ سال'' تو یہ عمر تو ابوبکر الاعین کی ہے جب کہ وہ امام بخاری سے حدیث لکھنے لگے تھے اور لگتا بھی یہی ہے کہ ابن حجر کو اسی بات نے اس استدلال پر ابھارا جو کہ فریابی کی موت کے ساتھ ہی ہے لیکن مزی کا کہنا ہے: کہ اعین کی ولادت ۱۹۶ھ کے دائرے میں ہے اور امام بخاری بھی اسی سال پیدا ہوئے تو اس طرح دونوں کی عمر بھی تقریباً برابر ہوئی لیکن وہ امام بخاری سے پہلے وفات پاگئے واللہ اعلم۔

بخاری مسند درس کو مزین فرما دیں لیکن امام المحدثین انکسار کو راہ دیتے۔

امام المحدثین کے شاگرد وراق محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مجھ سے امام المحدثین نے فرمایا کہ میں درس دینے کے لیے اس وقت تک نہیں بیٹھا جب تک صحیح حدیثوں کو سقیم سے امتیاز نہیں کر لیا اور اہل الرائے کی کتابوں کو بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر لیا اور بصرہ کی کل حدیثوں کا استقصا نہیں کر لیا۔ [1] صحیح حدیثوں کو سقیم سے امتیاز کرنا جیسا مشکل امر ہے، مخفی نہیں۔ اس کے لیے کتنے فنون کی تکمیل ضروری ہے۔ علم تاریخ، انساب، موالید، وفیات، حدیثوں کے علل غامضہ پر عبور، مراتب جرح وتعدیل کی شناخت اور قوت اجتہادیہ میں کمال، انہیں کمالات کی وجہ سے امام المحدثین کے شیوخ عامۃً امام المحدثین سے حدیث لینے کی لوگوں کو ترغیب دیتے۔ امام اسحق بن راہویہ فرماتے ہیں:

"یا معشر اصحاب الحدیث! انظروا الی ھذا الشاب واکتبوا عنه فانه لو کان فی زمن الحسن بن ابی الحسن البصری لاحتاج الیه لمعرفته بالحدیث وفقهه". [2]

یعنی اے جماعت حدیث والوں کی! دیکھو، اس نوجوان (امام بخاری) سے فن حدیث لکھ لو کیونکہ اگر یہ نوجوان امام حسن بصری کے زمانہ میں بھی ہوتا تو وہ بھی اس کے (علم کے) محتاج ہوتے۔ اس وجہ سے کہ اس کو حدیث وفقاہت میں بصیرت کاملہ ہے۔

جب امام المحدثین نے درس دینا شروع کیا اور ان کے درس کی شہرت ہوئی تو درس گاہ میں اس قدر ہجوم ہوتا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی۔ امام المحدثین نے مختلف مقامات میں درس دیا ہے کبھی بصرہ، کبھی بغداد، کبھی بخارا لیکن اخیر عمر میں برابر بخارا میں درس دیتے رہے۔ [3]

---

[1] مقدمة الفتح ص ۴۸۸ ، تغلیق التعلیق ۴۱۹/۵ ، تاریخ الاسلام للذھبی میں ص ۲۵۴ اور سیر اعلام النبلاء ۴۱۶/۱۲ میں کافی تفصیل ہے۔

[2] تاریخ بغداد ۲۷/۲، تھذیب الاسماء و اللغات ۶۹/۱/۱ ، سیر اعلام النبلاء ۴۲۱/۱۲ ، البدایة والنھایة ۲۵/۱۱ ، تغلیق التعلیق ۴۰۵/۵ ، تھذیب التھذیب ۵۳/۹ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[3] بغداد، بصرہ، بخارا، حجاز کے علاوہ طرسوس، بلخ بھی امام بخاری کے درس کے ممنون رہے۔ مقدمہ قسطلانی ۲۸/۱، تقید المھمل و طبقات الکبری ۲/ ۲۱۵۔ سبکی کا کہنا ہے: امام بخاری حجاز، عراق، خراسان اور ماوراء النہر میں حدیث بیان کرتے رہے اور محدثین ان سے اس وقت سے احادیث لکھ رہے ہیں کہ ابھی تک ان کی مسّیں بھی نہیں بھیگی تھیں اور ان کے چہرے پر ایک بال بھی نہ آیا تھا ۲/ ۲۱۵، تاریخ الاسلام میں ذہبی کے کلام سے اخذ کردہ ص ۲۴۱۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے صرف انہی مذکورۃ الصدر علاقوں میں حدیث بیان نہیں فرمائی بلکہ محدثین جب بھی کسی سفر میں یا حج میں نکلتے تھے تو بیک وقت حدیث کا سماع بھی کرتے تھے اور احادیث روایت بھی کرتے تھے۔ امام بخاری کی نیشاپور کی مجلس میں اس قدر لوگ آپ کے درس میں شریک تھے کہ گھر اور اس کی چھت سبھی بھر گئے (سیر اعلام النبلاء ۴۵۸/۱۲)۔ امام حاکم کا کہنا ہے: امام بخاری پہلی بار ۲۰۹ھ میں نیشاپور تشریف لائے اور آخری بار ان کی نیشاپور میں آمد ۲۵۰ ھ میں ہوئی تو اب کی بار وہ یہاں مسلسل پانچ سال مقیم ←

امام بخاری کے تلامذہ وفتاویٰ

امام المحدثین کے تلامذہ کا سلسلہ غیر محدود نظر آتا ہے۔ دنیائے اسلام کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے تلامذہ کا اثر سلسلہ بہ سلسلہ نہ پہنچا ہو۔

امام فربری کہتے ہیں کہ امام المحدثین سے بلاواسطہ نوے ہزار محدثین نے صرف صحیح بخاری سنی۔ [1] امام المحدثین کی درسگاہ میں امام صاحب کے قدیم شیوخ آ کر زانوئے تلمذ تہ کرتے اور امام المحدثین کی تقریریں ضبط کرتے۔ محدثین و مؤرخین نے ان تلامذہ کی فہرست علیحدہ قائم کی ہے جو پہلے امام المحدثین کے شیوخ تھے اور جب امام المحدثین نے مسند درس کو مزین کیا تو ان لوگوں نے تلمذ اختیار کیا اور برابر امام المحدثین سے استفادہ کرتے رہے اور ان کے حلقہ درس میں آ کر حاضری دیتے رہے۔ [2]

اُن میں سے عبداللہ بن محمد المسندی، عبداللہ بن منیر، اسحٰق بن احمد السرٗماری، [3] ....

← رہ کر احادیث بیان کرتے رہے۔ حوالہ سابقہ ۱۲/۴۰۴۔

اسی طرح فربر اور بیکند میں بھی امام بخاری حدیث کی مجلس بپا کرتے رہے اور اپنی کتابیں روایت کیں (حوالہ سابقہ ۱۲/۴۶۵-۴۶۶) سمرقند میں ان کی حدیث کی روایت کا واقعہ گزر چکا ہے کہ وہاں کے علماء ان کے پاس سات دن تک جمع رہے اس دوران وہ سند اور متن میں ایک مقام پر بھی نہ ٹوک سکے (حوالہ سابقہ ۱۲/۴۱۱) آپ کی کئی مجالس میں تو بیس ہزار تک افراد شامل ہوا کرتے تھے۔

اور امام حاکم کا قول ہے کہ امام بخاری "پہلی بار نیشاپور میں ۲۰۹ھ میں وارد ہوئے" سیر اعلام النبلاء میں اسی طرح ہے لیکن وہ اس گزشتہ سطور میں مذکور بات سے اس طرح اتفاق نہیں کر پاتے کہ انھوں نے لکھا ہے کہ بخاری نے ۲۱۰ھ میں سفر کا آغاز کیا۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اُن کے اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کے سفر میں یہ واقعہ ہو جو کہ ۲۰۹ کے اواخر میں تھا واللہ اعلم۔

[1] تاریخ بغداد ۲/۹، طبقات الحنابلة ۱/۲۷۴، تاریخ دمشق ۱۵/۴۶/ب، تهذيب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۳، اور اس میں "ستر ہزار" کے الفاظ ہیں۔ ماتمس اليه حاجة القارئ ص: ۲۱، ۳۶، ۴۱ وفيات الاعيان ۴/۱۹۰، تهذيب الكمال ۲۴/۴۴۳، سير اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۸، ۴۶۹، تحفة الاخبارى ص ۱۸۸، تغليق التعليق ۵/۴۳۶، مقدمة الفتح ص۴۹۱، مقدمة القسطلانى ۱/۳۳ اور اس میں یہ لفظ زیادہ ہیں: "اسے روایت کرنے والا میرے سوا کوئی باقی نہیں ہے" اور یہ فربری کا قول تھا جو کہ اس کے حسب علم ہی تھا۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

[2] مقدمة الفتح :۴۹۲، تغليق التعليق ۵/۴۳۷۔

[3] بخارا کے مضافات میں سے "سُرماری" کی جانب یہ نسبت ہے۔ (اللباب ۲/۱۱۴) اور وہ اسحاق بن احمد بن خلف سرماری ہیں جیسا کہ ابن حجر نے مقدمۃ اور تغلیق میں ذکر کیا ہے اور مزی نے بخاری کے رواۃ میں انہیں شمار کیا ہے (تهذيب الكمال ۲۴/۴۳۴) اور بتایا کہ یہ نسبت "سرماری" کی بجائے "بخاری" ہے۔ اور خلیلی نے بھی بخاری کے رواۃ میں ہی ذکر کیا ہے اور کہا: "اسحاق بن احمد بن خلف حافظ ہیں اور عمر میں ان سے بڑے ہیں" (الارشاد ۳/۹۵۸)۔

لیکن سمعانی کی الانساب میں ہے "ابو اسحاق احمد بن اسحاق بن حصین بن جابر سلمی مطوعی، سرماری، زاہد ہیں۔ محمد بن اسماعیل بخاری ←

محمد بن خلف بن قتیبہ [1] وغیرہ بڑے پائے کے لوگ ہیں اور خود بڑے صاحب کمال ہیں لیکن امام صاحب کے نکات حدیثیہ اور تدقیقات فقہیہ کے ضبط سے ان کو چارہ نہ تھا۔

امام المحدثین کے وہ اقران جن کو امام المحدثین سے ہمسری کا دعویٰ تھا، لیکن امام المحدثین کے فضل و کمال کو مان کر ان کے حلقۂ درس میں آ کر مستفید ہوئے، امام ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، ابراہیم الحربی، ابوبکر بن ابی عاصم، موسیٰ بن ہارون حمال، [2] محمد بن عبداللہ مُطَیَّن، اسحق بن احمد بن زیرک الفارسی، [3] ابوبکر محمد بن اسحق ابن خزیمہ، قاسم بن زکریا، [4]

← نے ان سے روایت کیا...... (۱۲۶/۷ السیر ماری)۔

اس کا ترجمہ تہذیب الکمال (۲۶۱/۱) اور اس کی فروعات میں ہے۔ ان سے اصحابِ کتب ستہ میں سے صرف بخاری نے روایت کیا ہے۔ ان کی وفات ۲۴۲ھ میں ہوئی۔ ابن عدی، ابن مندہ اور ان کے علاوہ کئی مؤلفین نے انہیں شیوخ بخاری میں شمار کیا ہے۔ مجھے اسحاق بن احمد بن خلف کے بارے میں سوائے خلیلی کے اور کہیں نہیں ملا (واللہ اعلم)۔

[1] ان کا نام مقدمۃ اور تغلیق التعلیق میں ایسے ہی ہے ''محمد بن خلف بن قتیبہ'' (۴۳۷/۵) اور مزی نے بخاری کے راویوں میں ''محمد بن قتیبہ بخاری، ان کے رشتہ دار کا ذکر کیا ہے۔'' تہذیب الکمال (۴۳۵/۲۴) اس میں ''خلف'' کا ذکر نہیں کیا۔ ایسے ہی مقدمہ میں ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے ص: ۴۹۲۔ امام بخاری کے شیوخ میں محمد بن خلف الحدادی ابوبکر البغدادی المقریٔ (ان کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی) کا ذکر کرتے ہیں۔ کتب ستہ کے اصحاب سے، بخاری ان میں متفرد ہیں اور ان کا ترجمہ تہذیب الکمال وغیرہ میں (۱۶۲/۲۵) مقام پر موجود ہے لیکن یہاں بھی اس کے نسب میں ''قتیبہ'' مذکور نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی اور آدمی ہے لیکن ''محمد بن خلف'' کو انھوں نے شیوخ البخاری میں ذکر نہیں کیا سوائے محمد بن خلف الحدادی، البغدادی کے۔ دیکھیے: اسامی مشایخ الامام البخاری لابن مندہ ص ۶۸، اسامی من روی عنهم البخاری لابن عدی ص ۱۵۵، المعجم المشتمل ص ۲۲۸۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محمد بن خلف اور محمد بن قتیبہ دو الگ الگ شخصیات ہوں واللہ اعلم۔

[2] مقدمۃ الفتح ص ۴۹۲ پر ایسے ہی ہے۔ مزی نے اسے بھی بخاری کے راویوں میں شمار نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں تو ان کی ایک بھی روایت نہیں ہے بلکہ کتب ستہ میں سے کسی میں بھی ان کی روایت نہیں ہے۔ اس لیے حافظ ابن حجر نے انہیں تقریب میں تمییز کے لیے ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ثقہ حافظ کبیر، بغدادی وفات ۲۹۴ھ (التقریب ۹۸۶) اور سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں ان کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ ''اگر اہل اسلام سب مل کر ایک اور محمد بن اسماعیل پیدا کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں'' اور عن قریب ان کے متعلق مزید آئے گا۔

[3] مزی نے انہیں بھی بخاری کے راویوں میں شمار کیا ہے (تہذیب الکمال ۴۴۴/۲۴) اور سمعانی نے الانساب میں (۴۹۳/۱۳) پر ان کا ترجمہ بھی ذکر کیا ہے۔ یزدی ہیں اور یزد فارس کے مقام اصطخر کے پاس ایک شہر ہے اور ان کے بارے میں ذکر کیا کہ انھوں نے مسند تصنیف کی ہے اور محمد بن حُمید الرازی اور ان کے طبقہ سے روایت کیا اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابوجعفر احمد بن یعقوب الاصبہانی ہیں۔ ابن ناصر دمشقی نے بھی انہیں ایسے ہی ذکر فرمایا ہے (توضیح المشتبه ۴۴۹/۱) ان کی امام بخاری سے ملاقات کا واقعہ سیر اعلام النبلاء میں ملاحظہ فرمائیں ۴۳۳/۱۲)۔

[4] المطرز کے نام سے بھی مشہور ہیں، ثقہ تھے مامون تھے مسند اور بعض ابواب تصنیف فرمائے، ان کی وفات ۳۰۵ھ میں ہوئی، تذکرۃ الحفاظ ۷۱۷/۲، سیر اعلام النبلاء ۱۴۹/۱۴۔

محمد بن عبداللہ الحضرمی، (1) صاحب المعارف محمد بن قتیبہ (2) ابوبکر الاعین (3) جیسے لوگ علم الرجال، فن تاریخ، فن حدیث، فن تعدیل و جرح کے امام مانے جاتے ہیں۔ (4) علامہ ذہبی نے ان کے مستقل تراجم لکھے ہیں۔ (5) امام المحدثین کی تحقیقات کے دلدادہ تھے۔ حلقہ درس میں آ کر امام صاحب کی تقریروں کو لکھتے۔

امام المحدثین کے وہ تلامذہ جن کی آج عالم میں بڑی شہرت ہے، جو فنون اسلامیہ کے رکن مانے جاتے ہیں۔ جن کی روایتوں اور حدیثوں پر اسلامی مسائل کا بڑا دارو مدار ہے۔ امام مسلم بن حجاج صاحب الصحیح، امام ابوعبدالرحمٰن نسائی صاحب سنن المجتبیٰ، امام عیسیٰ ترمذی صاحب الجامع، امام محمد بن نصر مروزی صاحب تالیفات، امام دارمی، امام ابن خزیمہ فقیہ صاحب الصحیح وغیرہ ہیں۔ یہ تلامذہ بڑے بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ ہیں۔ خاتمہ میں مشہور تلامذہ کی تفصیل آتی ہے۔ ان شاء اللہ الرحمٰن۔

اگرچہ امام المحدثین تحصیل ہی کے زمانہ سے فتویٰ دینے پر مجبور کیے گئے اور ان کے سامنے ان کے اساتذہ بھی فتویٰ دینے سے رکتے اور انہیں کی طرف اشارہ کرتے لیکن تحصیل کے بعد جب سے بخارا میں درس دینا شروع کیا تو درس کے ساتھ افتاء کا کام بالاستقلال برابر جاری تھا اور گو ان کے تلامذہ نے ان کے فتاویٰ کا جو مختلف اوقات میں ان سے پوچھے گئے، مستقل تالیف میں علیحدہ جمع کرنے کا التزام نہیں کیا (6) لیکن صحیح بخاری کے تراجم ابواب کو ان کے فتاویٰ کی

---

(1) محمد بن عبداللہ جو نہایت منکسر المزاج تھے، ان کا تذکرہ کچھ دیر قبل گزرا ہے دارقطنی کا کہنا ہے کہ ثقہ، جبل، ان کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۴۱۔

(2) ''صاحب معارف محمد بن قتیبہ'' سے مراد کتاب ''المعارف'' ہے جو بہت مشہور ہے اور ان کے مؤلف ''ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری ہیں۔ ایک قول ہے کہ مروزی ہیں۔ یہ اسحاق بن راھویہ کے تلامذہ میں شامل ہیں اور امام بخاری کے ہم عصر ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۱۳ھ اور وفات ۲۸۶ھ ہے لیکن مزی اور ذہبی نے انہیں امام بخاری سے روایت کرنے والوں میں نہیں لکھا۔ مقدمۃ الفتح میں اس جگہ پر ہے ''محمد بن قتیبہ البخاری'' (ص۴۹۲) اور مزی نے بھی انہیں بخاری سے روایت کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ (تھذیب الکمال ۲۴/۴۳۵) اور بتایا ہے کہ وہ امام بخاری کے اقرباء میں سے تھے جب کہ یہ صاحب معارف ابن قتیبہ کے سوا کوئی اور ہیں واللہ اعلم۔ البتہ محمد بن قتیبہ البخاری ''قرابت دار'' کو ان کے ترجمہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

(3) ابوبکر محمد بن ابی عتاب الاعین البغدادی کا اوپر ترجمہ گزر چکا ہے۔

(4) دیکھیے مقدمۃ الفتح ص ۴۹۲، تغلیق التعلیق ۵/۴۳۷، ۴۳۸۔

(5) تذکرۃ الحفاظ اور سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں دیکھیے لیکن ان میں سے بعض کا ترجمہ مجھے نہ مل سکا۔

(6) اس پر مستزاد یہ کہ امام احمد اور ان کے شاگردوں جیسے اور دیگر اس قسم کے فقہائے محدثین اپنی آراء اور اپنے فتاویٰ جمع کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ امام احمد سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے فتاویٰ اور آراء جمع کرنے کو سخت منع کیا کرتے تھے (دیکھیے اعلام الموقعین ۱/۲۸) ذہبی کا کہنا ہے: امام احمد تدوین مسائل کو پسند نہ کرتے اور احادیث لکھنے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۷۵ ابو ثور کے ترجمہ میں) پھر قدیم و جدید تمام محدثین ہی اس انداز کو پسند کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی فقہی مسئلہ بیان کریں تو استدلال میں کوئی آیت یا کوئی حدیث ذکر کریں تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ آیت اور حدیث اس مسئلہ کا جواب ہیں اور عنقریب مصنف محدثین کے منہج کا فقہ ←

مستقل تصنیف خیال کرنا چاہیے۔ جو مسئلہ ان پر پیش کیا جاتا، قرآن سے یا حدیثوں سے یا آثار صحابہ سے ثابت کرتے۔ [1] استدلال میں اکثر ایسا دقیق اور لطیف پیرایہ ہوتا کہ معمولی دل و دماغ کا آدمی مشکل سے سمجھتا اور جب دلیل نہ ملتی تو سکوت فرماتے۔ اسی لیے کچھ تراجم ابواب صحیح بخاری میں حدیث یا آیت یا آثار صحابہ سے خالی ہیں اور بعض میں صرف قرآن کی آیت اور بعض میں آثار صحابہ ہی ہیں۔ ناسخین نے بیاض نہیں چھوڑے بلکہ ملا کر لکھ دیا ہے۔ اس لیے تراجم ابواب میں پیچیدگی زیادہ بڑھ گئی ہے ورنہ بہت آسانی تھی۔ [2] امام المحدثین نے خود قضایائے صحابہ و تابعین کے جمع کرنے کا التزام ابتدا ہی میں کیا اور انہیں سے زیادہ کام لیتے رہے۔ اس لیے کہ امام صاحب کے خیال میں مسائل قیاسیہ سے احادیث نبوی یا قضایائے صحابہ پر نقص وارد کرنا اور ہر ہر مسئلہ میں اپنی ایک مستقل رائے رکھنا، یہی وہ چیز ہے جس کو اصحاب رسول اللہ ﷺ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔

یہ مکرر گزر چکا ہے کہ امام المحدثین کے درس و افتاء کے زمانہ سے بہت پہلے تمام خراسان بلکہ عراق و عجم پر اہل الرائے کا غلبہ ہو گیا تھا۔ ان کو اپنے اساتذہ کے اقوال اور قیاسیات پر بہت سخت جمود تھا۔ وہ اپنے اساتذہ کے مقابل میں صحابیوں کو بھی کم سمجھتے۔ (اس کی مزید تفصیل حصہ دوم میں آتی ہے) اور بخارا وغیرہ میں اہل الرائے کا ایسا قوی اثر تھا کہ دوسرے لوگوں کو بولنا مشکل تھا لیکن امام صاحب نے اس کی مطلقاً پرواہ نہ کی۔ کیونکہ ان کی طبیعت فطرتاً حق گوئی میں بے باک واقع ہوئی تھی۔ انھوں نے صحیح بخاری میں اہل الرائے پر جس طرح تعریضات کی ہیں، مخفی نہیں۔ مدتوں بخارا میں صحیح بخاری کا درس دیتے رہے۔ بالآخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لیے والئی ملک سے سازش کی گئی [3] اور یہ حکم صادر کرایا گیا کہ وہ فتویٰ دینے کا منصب نہیں رکھتے اور یہ قصہ مشہور کیا گیا کہ امام بخاری نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ایک بکری کا دودھ دو لڑکے پی لیں تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے [4] حالانکہ اس فتویٰ کے ناقل بجز اہل الرائے کے کوئی دوسرے لوگ نہیں

← وغیرہ کے متعلق تفصیل سے کتاب کے آخر میں ذکر کریں گے۔

[1] محمد بن ابی حاتم الوراق ان سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو وہ کتاب و سنت میں موجود نہ ہو، تو میں نے کہا کہ کیا سب کی معرفت کا احاطہ کیا جا سکتا ہے تو انھوں نے کہا: ہاں (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۲)۔

[2] اس موضوع پر ''تراجم ابواب البخاری'' کے باب میں مصنف رحمہ اللہ تفصیل پیش کریں گے

[3] اس کی تائید میں امام حاکم کی اپنی سند سے سہل بن شاذویہ سے روایت کردہ حدیث ہے۔ انھوں نے کہا: محمد بن اسماعیل بڑے امیر کبیر محلے میں رہتے تھے اور ان کے پاس بہت سے لوگوں کی آمد و رفت تھی اور وہ عموماً اہل حدیث کی علامات ظاہر کرتے رہتے تھے مثلاً اقامت کا مفرد کہنا، نماز میں رفع الیدین وغیرہ کا کرنا، تو حریث بن ابوالورقاء نے کہا: یہ شخص بڑا فتنہ باز ہے اور وہ ہم پر یہ شہر فتنہ والا بنانا چاہتا ہے اور محمد بن یحییٰ نے اسے نیشاپور سے نکالا ہے حالانکہ وہ اہل حدیث کا امام ہے۔ لہٰذا محمد بن یحییٰ کا بہانہ کر کے اسے شہر سے نکالنے کے لیے حاکم شہر سے اسے شہر بدر کرنے کا کہا چنانچہ حاکم نے انہیں نکال دیا۔ امام بخاری بے حد پرہیزگار تھے حاکم وقت کے پاس آنے جانے سے اجتناب کرتے تھے'' سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۵۔

[4] یہ مسئلہ عبدالقادر قرشی نے بھی ''الجواھر المضیئة فی طبقات الحنفیة'' میں ابوحفص الکبیر احمد بن حفص البخاری ۱/۱۶۶، ترجمہ ←

ملتے۔ اور ان کو جو تعصب دوسروں سے تھا، وہ ظاہر ہے۔ محدثین کی ایذارسانی میں ان کو خاص قسم کا مزا آتا۔ اس لیے اس

← نمبر: ۱۰۴ میں ذکر کیا ہے انھوں نے سرخسی سے نقل کیا ہے جن کی وفات ۴۹۰ھ کے لگ بھگ ہوئی۔ اس طرح "الطبقات السنیة فی تراجم الحنفیة" (۱/ ۳۹۵، ترجمہ نمبر ۱۸۹ میں تقی الدین تمیمی نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ایسے ہی "الفوائد البھیة فی تراجم الحنفیة" ص ۱۸ میں مولانا لکھنوی نے بھی اس کا تذکرہ کیا پھر انھوں نے اس کا رد بھی کیا جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔
اور ابو حفص الکبیر کا ترجمہ سیر اعلام النبلاء ۱۰/۱۵۷ اور تاج التراجم لابن قطلوبغا ص ۹۴ پر موجود ہے۔
اور یہ ابو حفص الکبیر وہی ہیں جن کے پاس بچپن میں امام بخاری پڑھتے رہے ہیں۔ ان کا امام بخاری کے والد رحمہ اللہ کے ساتھ بڑا دوستانہ تھا۔ جیسا کہ سابقاً گزر چکا ہے۔ اور ابو حفص محرم ۲۱۷ھ میں فوت ہوئے، اس وقت امام بخاری کی عمر ۲۳ برس تھی۔ جیسا کہ سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کو ان کے گھر اور شہر بدر کیے جانے سے کئی سال پہلے یہ ابو حفص صاحب وفات پا چکے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ محض امام بخاری پر ایک بہتان ہے اور اسے گھڑنے والا ماہر نہیں ہے۔
اور اس چیز نے معروف حنفی عالم محمد زاہد الکوثری کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اس قصہ سے امام بخاری کی برأت ثابت کریں اور اسے منسوب کیا ابو حفص الصغیر (ان کے بیٹے) کی طرف (دیکھیے: شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی تعلیق جو کہ انھوں نے کتاب قواعد فی علوم الحدیث پر لگائی ہے ص: ۳۸۲) ابو حفص صغیر کو صغیر کہنے کی وجہ تسمیہ الفوائد البھیة میں فاضل لکھنوی نے یہ درج فرمائی ہے کہ صغیر بیٹا تھا اور کبیر باپ تھا اور اسے ملا علی قاری حنفی کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ایسی تمیز کم از کم مجھے تو سوائے الفوائد البھیة کے اور حنفی تراجم میں نہیں مل سکی۔
ابو حفص الصغیر "محمد بن احمد بن حفص بن زبرقان بخاری" ہیں۔ سیر اعلام النبلاء میں ذہبی نے ان کے والد کے تعارف کے تحت ہی ان کا ذکر کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ ۲۷۰ھ تک زندہ رہے (۱۰/۱۵۹)۔
ذہبی نے ۱۲/ ۶۱۷ میں بھی ان کا تعارف لکھا ہے لیکن دونوں جگہ پر ان کی کنیت ابو حفص کی بجائے "ابو عبداللہ" درج کی ہے اور ابو القاسم ابن مندہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ۲۶۴ھ میں فوت ہوئے اور اس ترجمہ میں ان کی ان کوششوں کا بھی ذکر کیا ہے جو انھوں نے امام بخاری کو ان کے شہر سے نکلوانے کے لیے کی تھیں۔ اس بنا پر جو ذہلی نے والیٔ بخارا کو "مسئلہ لفظ" کے پیش کرنے پر لکھا تھا لیکن یہاں وہ نام نہاد خود ساختہ مسئلہ درج نہیں کیا۔
اس سب کے باوجود کہ ذہبی نے ان کا ترجمہ لکھا اس پر ان کی ثنا بیان کی لیکن میں نے صراحت کے ساتھ کسی حنفی تراجم میں یہ بات نہیں پائی سوائے الفوائد البھیه میں جو لکھنوی نے ذکر کیا ہے (ص ۱۹) یہ ترجمہ بھی انھوں نے ذہبی سے نقل کر کے لکھا ہے اس کے باوجود ذہبی اس جماعت کے ہاں تعصب اور بعض مذاہب پر زیادتی کی تہمت لگوا چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں: الرفع والتکمیل ص ۳۱۰ ط الثالثة، قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۹۲، ماتمس الیه حاجة القاری ص ۱۸۳ اور اس سے پہلے۔ اور سبکی نے جو احمد بن صالح المصری کے متعلق طبقات الشافعیة الکبری میں "قاعدة فی الجرح والتعدیل" ۲/۹/۲۲ کے تحت لکھا ہے اس کے طریق سے رد کرتے ہیں اور اسی طرح "قاعدة فی المؤرخین" ۲/۲۲۔۲۵ میں بھی جو مذکور ہوا اس کا رد کرتے ہیں۔ اور شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے بھی اس کا اہتمام کیا۔ انھوں نے انہی واقعات کی تحقیق وتشہیر کا بیڑا اٹھاتے ہوئے مستقل رسالہ میں بھی اور دیگر مختلف کتب میں بطور مضمون بھی اسے خوب نشر کیا اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اسی کی نشر واشاعت میں صرف کر دیں۔ ان باتوں کے علی الرغم ان ہر دو قاعدوں کے لکھنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ جرح وتعدیل اور تاریخ کے متعلق انصاف کرنے کی طرف لوگوں کو راغب کیا جائے اور ایک شخص میں لب کشائی نہ کرنے اور مذہبی تعصب یا عقیدے کے برعکس اس کا دفاع ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ سبکی رحمہ اللہ اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ←

واقعہ کے صدق پر کیوں کر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور کون سا قرینہ ہے کہ امام صاحب نے ایسا فتویٰ دیا اور فقہائے اہل

ان دو قاعدوں میں پڑنے سے روکے گئے تھے وہ ان میں اس قدر آگے نکل گئے کہ اپنے شیخ امام ذہبی میں بھی طعن وتشنیع سے اور جرح و تعدیل میں ان پر عدم اعتماد سے بھی نہ بچ سکے اور دعویٰ کیا کہ وہ ''اہل السنۃ کی بے جا حد تک حمایت کرتے ہیں لہٰذا ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی لکھا کہ ''وہ تعصب مذہبی میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان پر استہزاء کیا جاتا ہے'' روز قیامت مسلمانوں کے اکثر علماء ان کا گریبان پکڑیں گے اور معاملہ اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اس نے ذہبی کو جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والا لکھ دیا اور الزام عائد کیا کہ وہ کلام کی کانٹ چھانٹ کر کے اپنا مقصد نکالتے ہیں اور الفاظ کی دلالت کا علم ان کے بس کی بات نہیں اور یہ کہ ان کے دل پر مہر لگ چکی ہے۔ یہ اور اس طرح کی کئی ایک الزام تراشیاں اس قدر بیان کی گئیں کہ علماء کو سبکی کا رد لکھنا پڑا جیسے کہ کتانی اور سخاوی نے التوبیخ ص ۵۶۔۵۷ میں اور شوکانی نے البدر الطالع ۲/۱۱۱۔۱۱۲ میں شدید رد لکھا ہے۔ بلکہ عجب تو یہ ہے کہ ان دونوں قاعدوں کے محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اپنی تمام تر خواہش کے باوصف اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ سبکی کا رد کرنے لگ گئے اور یہ ایک سے زیادہ مقامات پر ہو چکا ہے۔ انھوں نے اپنی تعلیق کے ص ۴۲ میں لکھا ہے ''میں (ابوغدہ) کہتا ہوں'' سبکی نے جو کچھ اپنے شیخ امام شمس الدین ذہبی کے متعلق کہا ہے رحمہ اللہ وہ سب مبالغہ آرائی اور عقیدہ کی مخالفت کی بنا پر برانگیخت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں رضا اور غضب میں بھی عدل سے کام لینے اور انصاف کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے ص ۴۲. ط ثانیة دار الوعی حلب اور ص ۳۷ کتاب اربع رسائل فی علوم الحدیث کے ضمن میں بھی درج کیا ہے۔

اربع رسائل کے ص ۳۹ میں لکھا ہے جہاں پر انھوں نے سبکی کے کلام پر تعلیق لگائی ہے کہ: ''اس میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے واضح طور پر ظلم کیا گیا ہے ادھر یہ شخص تو زمانے کا امام ہے اور نادر روزگار ہے یعنی امام ذہبی تو حفظ واتقان میں بلا کا حافظہ رکھتے ہیں اور بے حد روشن دماغ بابصیرت صاحب فہم وذکاء اور لائق احترام ہیں، سبکی نے جو کچھ ان کے متعلق کہا یہ محال ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں سوء ادب اور افراط وتفریط سے محفوظ رکھے''

اربع مسائل کے ص ۴۰ پر لکھا ہے: شیخ تاج الدین سبکی نے اپنے استاد امام شمس الدین ذہبی جو کہ فی الواقع لقب اور معنی کے اعتبار سے ذھب (سونا) ہیں کے حق میں بہت غلط بات کی ہے، زیادتی پر اتر آئے اور سخت ناانصافی سے کام لیا اور انتہائی غلط بات کہہ دی۔ ان کو اس قدر بڑی بات کہنے کی جرأت کیوں کر ہوئی جب کہ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اگر امام شمس الدین الذھبی کے دل پر مہر لگ چکی ہے جب کہ اللہ جانتا ہے ایسا نہیں ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے کس آدمی کو دل پر مہر لگائے جانے سے محفوظ رکھا ہوگا۔ اللہ ہمیں خوشی اور ناراضی دونوں حالتوں میں عدل کی توفیق مرحمت فرمائے اور افراط وتفریط سے بچائے۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایک تعلیقات ذکر کی گئی ہیں لیکن یہاں ان سب کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ رسالہ یا یہ دونوں قاعدے اس قدر غلط درجہ پر فائز ہیں اور اس قدر شدید مبالغہ آمیزی سے پر ہیں اور اس درجہ شدید ظلم پر مبنی ہیں اور اس حد تک سوئے ادبی سے پر ہیں تو ان کی تحقیق اور مختلف طرق سے ان کی وضاحت، ان کی بناؤ سنوار اور کئی رسائل سے ان کی نشر واشاعت کی کیا ضرورت تھی اور اس کا مشورہ کس نے پیش خدمت کیا تھا اور انہیں ہر موڑ پر اس قدر کثرت کے ساتھ شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ بات اس رسالہ محققہ کے کاتب اور اس رسالہ کے قارئین کے لیے زیادہ پردہ کی نہ تھی کہ یہ گمنام اقوال اور مدفون باتیں اپنی جگہ پر ان کتب کے جلدوں میں ہی بند رہتیں؟

البتہ امام ذہبی تو اس قسم کے طعنے اور تشنیعات سے بالکل مبرا اور برتر ہیں اور ان کے متعلق جیسا کہ شاعر نے کہا:

کناطح صخرة یوما لیوهنها فلم یضرها و اوهن قرنه الوعل

الرائے نے جھوٹ تصنیف کر کے ان کی طرف نسبت نہیں کی ہو گی جب کہ وہ امام شافعی کی شان میں جھوٹی حدیثیں تصنیف کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قال رسول اللہ کے ساتھ نسبت کر دیتے ہیں۔ ❶

اگر دومنٹ کے لیے بفرض محال یہ تسلیم کر لیں کہ امام المحدثین نے ایسا فتویٰ بھی دیا ہو تو وہ اس جرم میں فتویٰ دینے کے منصب سے بزور حکومت کے معزول کرائے گئے۔ حالانکہ تم فقہائے اہل الرائے کے فتاویٰ اٹھا کر دیکھو، ان میں ایسے ایسے مسائل ملتے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اہل الرائے نے اپنے فتاوے اور مسائل بنائے ہوں گے لیکن اس پر بھی وہ کبھی اس منصب سے معزول نہیں کیے گئے، کیوں؟ اس لیے کہ **المجتهد يخطئ و يصيب.**

فاضل لکھنوی مولانا عبدالحی صاحب الفوائد البہیہ میں لکھتے ہیں:

”و هي حكاية مشهورة في كتب اصحابنا ذكرها ايضًا صاحب العناية وغيره من شراح الهداية. لكني استبعد وقوعهابالنسبة الى جلالة قدر البخاري ودقة فهمه وسعة نظره و غور فكره مما لا يخفى على من انتفع بصحيحه و على تقدير صحتها فالبشر يخطئ“. ❷

فاضل لکھنوی نے اس عبارت کے تین جواب دیے ہیں:

پہلا جواب

یہ قصہ صرف ہماری (حنفیوں کی) کتابوں میں مشہور ہے لیکن اس کا ناقل دنیا کا کوئی مؤرخ نہیں حالانکہ امام بخاری کی سوانح عمری مختصراً اور مطولاً سو سے بالا کتابوں میں لکھی گئی ہے۔

دوسرا جواب

امام المحدثین بخاری کی نسبت ایسا واقعہ بعید الوقوع ہے کیونکہ امام بخاری کی جلالت قدر، دقت فہم، وسعت نظر، ان کا غور و فکر ایسے شخص پر کسی طرح پوشیدہ نہیں ہو سکتا جس نے ان کی صحیح بخاری کو سمجھا اور اس سے نفع اٹھایا ہو پھر کیوں کر خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا فتویٰ امام المحدثین جیسے شخص نے دیا ہو گا۔

تیسرا جواب

اچھا مان لو کہ انھوں نے ایسا فتویٰ دیا ہو لیکن یہ بتاؤ کہ خطا مجتہدین سے ہوتی ہے یا نہیں۔ **المجتهد يخطى و**

← ”ایک بکرا ایک دن ایک چٹان کو گرانے کے لیے ٹکریں مارنے لگا لیکن وہ اسے تو کچھ نہ نقصان پہنچا سکا البتہ اپنا سینگ تڑوا بیٹھا۔“ میں مشورہ دوں گا کہ دکتور بشار عواد نے جو اس مقصد کے لیے لکھا ہے اسے ان کی کتاب **”الذهبي و منهجه في كتابه تاريخ الاسلام“** ص ۴۵۸۔۴۶۵ میں ضرور دیکھ لیا جائے۔

❶ وہ موضوع حدیثیں جن کو اہل الرائے نے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے، ان کا وضع کرنا خود اہل الرائے کو مسلم ہے۔ مزید دیکھیے: **كشف الخفاء ۱/۳۴، التنكيل ۱/۱۹، ۲۰، ۴۴۶، ۴۴۹، سلسلة الاحاديث الضعيفة، ح ۵۷۰۔**

❷ **الفوائد البهية ص ۱۳۔**

یصیب:

منکراں چوں دیدۂ شرم و حیا برہم زنند
تہمت آلودگی بر دامن مریم نہند

عظیم آباد کے بعض کوتاہ بینوں نے اس واقعہ کو جس کی حقیقت معلوم ہو چکی، آج کل بڑی شہرت دی ہے اور خوب چمکایا ہے۔ [1]

وفات شب عید الفطر وقت عشا ۲۵۶ھ

خالد بن احمد ذہلی، حاکم بخارا کی درخواست نامنظور کرنے کا واقعہ اجمالاً مذکور ہو چکا ہے۔ آپ نے اس کی درخواست نامنظور کر دی تو حاکم شہر کو یہ بات آداب شاہی اور حکومت کی شان و شوکت کے خلاف معلوم ہوئی۔ اس سے اس کو سخت برہمی پیدا ہوئی۔ حکومت کے زور پر تو وہ آپ کا کچھ نہ کر سکا تب اس لیے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ حریث بن ورقاء [2] اور اسی طرح کے چند اشخاص کو اس کام پر مامور کیا کہ آپ پر کوئی الزام قائم کریں جس سے عوام کے قلوب پر

---

[1] اسی طرح مؤلف کتاب "ماتمس الیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجه" ص ۱۰۴ نے لکھا ہے۔ یہ کتاب بھی محدثین سنن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اس قسم کے زہر سے بھری ہوئی ہے۔

[2] یہ شخص شہر بخارا کے مشہور اور بڑے فقہائے حنفیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ فقہائے حنفیہ کو (جن کی معراج علمی قیاس تک محدود تھی جو اپنے آئمہ کے اقوال یا قواعد منقحہ کو وحی آسمانی تصور کر کے اس پر استخراج مسائل کی بنا رکھتے اور اپنے آئمہ کے مقابل میں کسی کو نہیں لگاتے تھے) محدثین سے خاص قسم کی پرخاش تھی۔ ابوحفص کبیر علمائے حنفیہ میں بڑے مشہور اور مستند شخص ہیں اور امام بخاری کے ہم عصر ہیں۔ ان کے زمانہ میں ایک شخص مذہب حنفی یعنی رائے و قیاس کو چھوڑ کر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے لگا اور رفع الیدین کرنے لگا۔ شیخ ابوحفص کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سخت غضب ناک ہوئے اور اس کے بارہ میں سخت سست کہنے لگے اور بادشاہ سے جا کر کہا۔ بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ برسر بازار اس کو درے لگائے جائیں۔ آخر کار کچھ لوگ (رحم کھا کر) شیخ موصوف کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سفارش کی اور اس کو لا کر ان کے حضور میں حاضر کیا اور اس نے توبہ کی تو اس سے عہد و پیمان کر کے از سر نو مسلمان کر کے چھوڑا تب اس کی جان بچی۔ فتاوی حمادیه و تاتار خانیه ص ۱۸۴۔ طبقات کبریٰ۔

میں کہتا ہوں: حریث بن ابی الورقاء کا ترجمہ دیکھیے: الجواهر المضیئة ۲/۳۵ ترجمہ نمبر ۴۲۳، الطبقات السنیة ترجمہ نمبر ۶۴۳۔ ان میں انھوں نے صرف امام بخاری کے نکلوانے کے کام کا اشارہ ہی دیا ہے۔ والئ بخارا کے ساتھ اس تعاون نے اس شیخ کو بہت بڑا شیخ بنوا دیا کیونکہ اس کے لیے علماء احناف "احدا الائمه الکبار" کی اصطلاح استعمال کرنے لگ گئے اور بخاری کے زمانے میں اس کی بخاری سے شدید عداوت نے اسے بڑا شیخ بنا دیا جب کہ مجھے تو ان کی کوئی دیگر منقبت نظر نہیں آتی۔

اور شاید یہی سبب ہے کہ لکھنوی نے الفوائد البهیة میں اس کا ترجمہ تک ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی فہارس میں تو مجھے اس شخص کا نام نہیں مل سکا اور جو مذکورۃ الصدر دو مصادر میں اس کا نام ذکر ہوگیا تو وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ انھوں نے "ابن ابی الورقاء" کی بجائے "ابن ابی الوفاء" لکھا ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ اوراق میں گزر گئی تعلیقات بھی ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

خاص اثر پڑے اور آپ کے تبحر علمی اور تقدس کا سکہ جو تمام مسلمانوں کے قلوب پر جما ہوا ہے، اس الزام کے ذریعہ اٹھا کر مسلمانوں کے قلوب کو آپ سے پھیر دیں۔ ان لوگوں نے امام المحدثین پر یہ تہمت لگائی کہ آپ قرآنی الفاظ کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں۔ اس غلط الزام کی عام طور پر شہرت کر دی گئی۔ جب شہر میں ایک ہنگامہ بچ گیا تو آپ کو شہر چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے شہر سے نکلنے کے وقت بددعا دی:

"اللهم ارهم ما قصدوني به في انفسهم و اولادهم واهاليهم". [1]

بارِخدایا! جس بات کا مجھ پر ان لوگوں نے ارادہ کیا۔ تو وہی بات ان کی ذات، اولاد اور اہل وعیال میں رکھ۔

چند روز کے بعد اس دعا کا یہ اثر مرتب ہوا کہ خالد بن احمد حاکم بخارا کے بارے میں طاہریوں کی طرف سے (جو اس وقت خراسان پر حکمران تھے) یہ حکم پہنچا کہ خالد بن احمد کو گدھے پر بٹھا کر تشہیر کی جائے اور تشہیر کے بعد قید کیا جائے۔ انجام یہ ہوا کہ قید خانہ ہی میں چند دن بعد مر گیا۔ [2]

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں امان نداد کہ شب را سحر کند

ان مفسدین میں سے ہر ایک شخص کسی نہ کسی آفت میں مبتلا ہوا۔ کسی کو اپنی جان میں دربدر دیکھنا پڑا، کسی کو اپنی اولاد میں۔ حریث بن ورقاء کو اپنے گھر والوں میں وہ ذلت اٹھانی پڑی جو قابل بیان نہیں۔ [3]

امام صاحب بخارا سے نکل کر بیکند [4] پہنچے چونکہ اس بہتان کی تشہیر میں کوئی دقیقہ کوشش کا باقی نہیں رکھا گیا تھا، اس کی خبر بیکند میں پہلے ہی سے پہنچ چکی تھی۔ بیکند کے لوگ دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق امام بخاری کو اس الزام سے بری جانتا تھا، دوسرا مفسدین کا شریک تھا۔ [5] امام بخاری نے اس اختلاف کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا۔ اس درمیان میں سمرقند [6] کے لوگوں کو امام بخاری کے بیکند تشریف لانے کی خبر پہنچ گئی۔ سمرقندیوں نے آپ کی خدمت میں

---

[1] مقدمة الفتح ص ۴۹۳، تغليق التعليق ۵/۴۴۰، اس کے علاوہ دیگر بھی چند مراجع موجود ہیں جن کا ذکر اس قصہ کے اخیر میں دیا جائے گا۔

[2] مقدمة الفتح: ص ۴۹۳۔

[3] اس قصہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: تاريخ بغداد ۲/۳۳-۳۴، تاريخ دمشق ۱۵/۵۴/أ، تهذيب الكمال ۲۴/۴۶۵، تاريخ الاسلام ص ۲۷۲، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۵، البداية والنهاية ۱۱/۲۷، طبقات السبكي ۲/۲۳۳، تحفة الاخباری، ص ۴۹۳، تغليق التعليق ۵/۴۰۰، تهذيب التهذيب ۹/۵۲، مقدمة الفتح ص ۴۹۳۔

[4] بیکند: بخارا سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر واقع ایک بستی ہے (معجم البلدان ۱/۵۳۳، الانساب للسمعاني ۲/۴۰۴) بخارا سے پانچ فرسخ دور واقع ہے (بلدان الخلافة الشرقية ص: ۵۰۶) علامہ حموی نے لکھا ہے باء کے نیچے زیر اور نون ساکن پڑھی جائے جب کہ الانساب میں باء پر زبر لکھی ہے۔

[5] تاريخ الاسلام للذهبي ص ۲۷۱، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۳۔

[6] سمرقند: بخارا کے مشرق میں تقریباً ایک سو پچاس میل پر واقع ہے (بلدان الخلافة الشرقية ص ۵۰۹)۔

درخواست کی کہ سمرقند تشریف لا کر مسند درس کو مزین فرمائیں۔ آپ نے درخواست منظور فرمائی اور سمرقند کی جانب روانہ ہوئے۔ سمرقند کے قریب ایک بستی میں جس کا نام خرتنک تھا،[1] اپنے ایک قرابت دار کے مکان پر فروکش ہوئے۔[2]

عبدالقدوس بن عبدالجبار سمرقندی کہتے ہیں کہ خرتنک پہنچ کر ایک روز میں نے ان کو تہجد کی نماز کے بعد دعا کرتے سنا کہ خدایا تیری زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ خدا نے یہ دعا قبول کر لی اور ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ نے وفات پائی۔[3]

محمد بن ابوحاتم وراق کی روایت کے مطابق غالب بن جبریل (جن کے یہاں امام بخاری مقیم تھے) کہتے ہیں: چند روز تک امام بخاری میرے مکان پر صحیح وتندرست تھے۔ آخر بیمار ہوگئے۔ اسی حالت میں سمرقندیوں کی طرف سے درخواستیں آنا شروع ہوگئیں اور بہت زور دیا گیا کہ آپ سمرقند تشریف لے آئیں۔ انھوں نے حالت مرض میں ہی جانا منظور فرما لیا[4] لیکن جب ان کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ بخارا کا فتنہ سمرقند میں بھی پہنچ گیا اور بیکند کی طرح سمرقند میں بھی دو جماعتیں ہوگئی ہیں۔ ایک مخالف دوسری موافق[5] تو انھوں نے اپنے لیے دعا فرمائی کہ خدایا مجھے اپنے پاس بلا لے۔ مجھ پر تیری زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی ہے۔[6] اختلاف کے بعد سمرقند والوں نے اس بے بنیاد تہمت کے غلط

---

[1] خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین فرسخ کا فاصلہ ہے (الانساب ۷۹/۵، معجم البلدان ۳۵۶/۲) ابن عدی کے نزدیک سمرقند کی نواحی بستیوں میں سے ایک بستی ہے جس کا فاصلہ صرف دو فرسخ ہے (اسامی من روی عنھم البخاری ص ۶۷) صغانی نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے سمرقند سے یہاں آنے اور امام بخاری کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے گدھے کرایہ پر حاصل کیے اس پر گدھے کم پڑ گئے۔ ''خر'' فارسی میں گدھے کو کہتے ہیں اور ''تنگ'' بمعنی پریشان، اس لیے اس بستی کا نام ''خرتنک'' پڑ گیا۔ جب کہ پہلے اس کا نام ''خرماباز'' تھا (اسامی شیوخ البخاری ص ۲)۔

[2] تاریخ بغداد ۳۴/۲، سیر اعلام النبلاء ۴۶۴/۱۲، مقدمۃ الفتح ص ۴۹۳۔

[3] اسامی من روی عنھم البخاری لابن عدی ص ۶۷، تاریخ بغداد ۳۴/۲، تاریخ دمشق ۵۴/۱۵/أ، تھذیب الکمال ۴۶۶/۲۴، تاریخ الاسلام للذھبی ص ۲۷۲، سیر اعلام النبلاء ۴۴۳/۱۲، ۴۶۶، طبقات السبکی ۲۳۲/۲، تحفۃ الاخباری ص ۲۱۳، تغلیق التعلیق ۴۴۰/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۹۳، طبقات المفسرین للداؤدی ۱۰۸/۲۔

[4] مقدمۃ الفتح ۴۹۳ اور الفاظ بھی مقدمہ سے ہی ہیں، تاریخ الاسلام ص ۲۷۲، سیر اعلام النبلاء ۴۶۶/۱۲، تحفۃ الاخباری ص ۲۱۲، تغلیق التعلیق ۴۴۱/۵۔ تاریخ اور سیر میں ہے کہ ''ایک آدمی سمرقند بھیجا گیا تاکہ وہاں سے محمد کو نکال دے'' یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اہل سمرقند نے امام بخاری کی طرف ایک آدمی بھیجا کہ وہ (امام بخاری) وہاں (سمرقند) آ جائیں کیونکہ دونوں مذکورہ مصادر میں ان جملوں کے فوراً بعد لکھا ہے کہ ''جب سواری کے لیے تیار ہوئے.......... الخ'' یعنی جب آدمی امام بخاری کے پاس پہنچا تو انھوں نے سواری کی تیاری کی۔ پھر یہ بھی بات ہے کہ خود ذہبی تو اس واقعہ کو ایک اور واسطے سے ایک اور مقام پر روایت کر رہے اور اس میں یوں ہے کہ ''اہل سمرقند نے امام بخاری کی طرف لکھا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں...... الخ'' ۴۶۴/۱۲ واللہ اعلم۔

[5] سیر اعلام النبلاء ۴۶۴/۱۲۔

[6] امام ابن کثیر نے امام بخاری کے خرتنک آنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''چنانچہ امام بخاری خرتنک میں موجود اپنے بعض رشتہ ←

ہونے پر اتفاق کیا اور آپ کے سمرقند لے جانے پر بہت زور دیا۔ آپ نے سواری طلب کی اور چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ [1] موزے پہنے، عمامہ باندھا۔ میں اور ایک دوسرے آدمی نے مل کر ان کے دونوں بازو تھامے۔ سواری کی طرف پندرہ بیس قدم بڑھے ہوں گے کہ فرمایا، مجھے چھوڑ دو۔ مجھ میں ضعف بڑھا جاتا ہے۔ ہم نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ نے دست مبارک اٹھا کر کچھ دعائیں کیں اور لیٹ گئے۔ آپ کے جسم سے بے اندازہ پسینہ جاری ہو گیا۔ [2] یہاں تک کہ آپ نے شب عید الفطر ۲۵۶ھ کو تیرہ دن کم ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ [3] انا للہ و انا الیہ راجعون۔

← داروں کے ہاں آ بسے اور دین میں کئی فتنوں کے ظاہر ہونے پر دعا گو رہنے لگے کہ الٰہی مجھے اپنے پاس بلا لو، یہ بھی بمصداق حدیث ہی تھا: واذا اردت بقوم فتنة فتوفنا الیك غیر مفتونین" جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنے لگے تو ہمیں بغیر امتحان فوت کر لینا۔(البدایة والنهایة ۲۷/۱۱) چنانچہ یہاں بھی انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی مخالفت نہیں کی۔ کہ:''تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت میں گھر جانے پر موت کی تمنا نہ کرے...... الحدیث (صحیح البخاری ۱۲۷/۱۰ ، ح:۵۶۷۱) ابن حجر کا کہنا ہے کہ: سلف میں سے ایک جماعت نے اسے دنیوی مصیبت پر محمول کیا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے دین میں فتنہ پائے تو وہ اس حدیث کی نہی میں داخل نہیں ہوگا (فتح الباری ۱۲۸/۱۳)۔

رستہ کہتے ہیں: میں نے مہدی سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنے دین کے معاملے میں فتنے میں مبتلا ہونے پر موت کی تمنا کر رہا ہو؟ تو انھوں نے کہا: میں اس میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ لیکن وہ اس کی تمنا کسی مصیبت یا فاقہ کی بنا پر نہ کرے موت کی تمنا تو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور ان کے بعد بھی کئی لوگوں نے کی تھی'' حلیة الاولیاء ۱۳/۹ ، سیر اعلام النبلاء ۲۰۷/۹ ترجمہ ابن مہدی میں دیکھیں۔

[1] سیر اعلام النبلاء ۴۶۴/۱۲ ، تاریخ الاسلام ص ۲۷۱۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۴۶۶/۱۲۔۴۶۷، طبقات الشافعیة للسبکی ۲۳۳/۲، تغلیق التعلیق ۴۴۱/۵ ، مقدمة الفتح ص ۴۹۳۔
آپ کی وفات کے قصہ میں یہ مشہور روایت ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے اعتماد کیا ہے اور کسی دوسرے نے اسے روایت بھی نہیں کیا، البتہ ایک روایت حاکم نے خلف بن محمد الخیام عن مہیب بن سلیم الکرمینی سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: ''بخاری ہمارے ہاں عید الفطر کی رات فوت ہوئے' اس وقت وہ گھر میں اکیلے تھے۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے انہیں مردہ پایا''۔(تاریخ الاسلام ص ۲۷۳ ، سیر اعلام النبلاء ۴۶۸/۱۲، طبقات السبکی ۲۳۲/۲) اور غالب بن جبریل کی روایت زیادہ معتبر ہے کیونکہ امام بخاری اس کے ہاں قیام پذیر تھے اور انھوں نے بتایا کہ وہ (غالب) ان کی وفات کے وقت ان کے پاس ہی تھے اور انھوں نے ان کو بازو سے پکڑ رکھا تھا تا کہ انہیں جانور پر سوار کرائیں۔ واللہ اعلم۔

[3] ثقات ابن حبان ۱۱۳/۹ ، اسامی من روی عنهم البخاری لابن عدی ص ۶۸، اس نے ذکر کیا ہے کہ یہ ہفتے کی رات تھی اور نماز عشاء کا وقت تھا۔ تدفین عید الفطر کے روز نماز ظہر کے بعد ہفتے کے روز عمل میں آئی اور یہ شوال کا آغاز ۲۵۶ھ تھا۔ تاریخ مولد العلماء ووفیاتهم لابن زبر ۵۶۴/۲، تاریخ بغداد ۶/۲، ۳۴ ، طبقات الحنابلة ۲۷۸/۱، الانساب للسمعانی ۸۹/۵، ترجمة غالب بن جبریل، تاریخ ابن عساکر ۵۴/۱۵/ب، المنتظم ۱۱۹/۱۲، التقیید ۱۳/۱، اسامی الشیوخ للصغانی ص۶ ، تهذیب الاسماء واللغات ۶۸/۱/۱ ، ماتمس الیه حاجة القاری ص ۲۳ ، وفیات الاعیان ۱۹۰/۴ ، تهذیب الکمال ۴۳۸/۲۴ ،۴۶۷، طبقات علماء الحدیث لابن عبدالهادی ۲۴۵/۲ ، تاریخ الاسلام ص ۲۷۳، تذکرة الحفاظ ۵۵۶/۲، سیر اعلام النبلاء ۴۶۸/۱۲، الوفیات لابن قنفذ ص۱۸۰، تحفة الاخباری ص ۲۱۴، تغلیق التعلیق ۴۴۱/۵، مقدمة الفتح ص۴۹۳۔ اور صغانی نے لکھا ←

روح پرواز کر جانے کے بعد بھی برابر جسم سے پسینہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ غسل دے کر کفن میں لپیٹ دیئے گئے۔ [۱] کچھ لوگ سمرقند لے جانے کے خواہاں ہوئے اور تدفین کی جگہ میں اختلاف ہوا لیکن بعد اختلاف اسی پر اتفاق ہو گیا کہ اسی موضع خرتنک میں دفن کیے جائیں۔ عید الفطر کے دن بعد نماز ظہر دفن کر دیئے گئے اور اس طرح وہ آفتاب عالمتاب، احادیث رسول اللہ ﷺ کا خادم تمام دنیا کے مسلمانوں کا محسن، حامل علوم نبویہ خاک میں چھپ گیا اور دنیا میں تاریکی چھا گئی۔

ایک شاعر نے دلچسپ اختصار کے ساتھ امام صاحب کا سال ولادت و سال وفات اور تعداد سن ذیل کے دو شعروں میں یوں نظم کیا ہے۔ ؎

كان البخاری حافظا و محدثا   جمع الصحيح مكمل التحرير
ميلاده "صدق" و مدة عمره   فيها "حميد" وانقضى فی "نور"

۱۹۴ھ   ۶۲   ۲۵۶ھ

دفن کے بعد قبر سے ایک نہایت تیز خوشبو پھیلی جس کو مؤرخین عنبر اور مشک سے بھی بڑھی ہوئی لکھتے ہیں۔ اور اس خوشبو کا اس قدر شہرہ ہونا بیان کرتے ہیں کہ دور دراز سے لوگ اس خبر کی تصدیق کے لیے آتے اور مٹی لے جاتے تھے۔ بستی والوں کو خوف ہوا کہ قبر کی مٹی بچ نہیں سکتی۔ اس لیے کوئی حفاظت چاہیے۔ مجبور ہو کر قبر گھیر دی گئی اور اس طرح سے مٹی کی حفاظت کی گئی۔ [۲]

وراق کہتے ہیں کہ امام صاحب نے مرنے سے پہلے وصیت فرمائی کہ مجھے (مطابق سنت) تین کپڑوں میں دفنانا، ان میں کرتہ عمامہ نہ ہو۔ [۳]

← ہے کہ: "وہ مسافر بن اسد کے گھر فوت ہوئے اور یہ بھی قول ہے کہ ابو منصور غالب بن جبریل کے گھر وفات ہوئی" ص ۶۔

[۱] الفوائد الدرای وفی سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۷ ، طبقات السبکی ۲/۲۳۳ اور ان کے علاوہ نے بھی روایت کی ہے کہ "ان کا پسینہ بہہ رہا تھا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی تعبیر مشکل ہے اور جب تک ہم نے انہیں کپڑے میں نہیں لپیٹ دیا ان کا پسینہ خشک نہیں ہوا"۔

[۲] جب ہم نے انہیں دفن کر دیا تو ان کی قبر سے کستوری جیسی خوشبو اٹھنے لگی جو کئی روز تک جاری رہی اور لوگوں کا ان کی قبر پر کئی روز تک تانتا بندھا رہا۔ وہ قبر کی مٹی ساتھ لے جانے لگے حتیٰ کہ ہم نے اس پر ایک لکڑی کا جال رکھ دیا۔ مقدمة الفتح ص ۴۹۳، تغليق التعليق ۵/۱۴۱ اور مزید دیکھیے: اسامی شیوخ البخاری ص ۲ ، تاريخ الاسلام ص ۲۷۲، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۷، الوافی بالوفیات ۲/۲۰۸ ، طبقات السبکی ۲/۲۳۳، مقدمة القسطلانی ۱/۳۳۔ اس طرح کے واقعات اور بھی بسند صحیح ثابت ہیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ مجھ سے مالک بن دینار نے بیان کیا کہ عبداللہ بن غالب جب شہید ہوئے اور دفن کیے گئے تو ان کی قبر سے ایسی تیز خوشبو پھیلی جو مشک سے بڑھ کر تھی۔ تاریخ صغیر بخاری۔ التاريخ الاوسط (۲/۳۱۵۔۳۱۶، تهذيب التهذيب ۵/۳۵۴)۔

[۳] حوالہ جات سابقہ، صغانی اور ذہبی نے تاریخ اور سیر میں امام بخاری کی وفات اور تدفین کا واقعہ ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ انھوں نے وراق عن غالب بن جبریل کے واسطہ سے ذکر کیا بالکل اس طرح جیسے یہاں مصنف نے بیان کیا اور یہ اضافہ بھی کیا: "امام بخاری کی وفات کے بعد ان کے مخالفین کے درمیان کھلبلی مچ گئی اور چند مخالف تو نکل کر ان کی قبر پر بھی گئے اور وہاں جا کر اپنی مذموم حرکات پر توبہ کرنے لگے اور ←

خطیب اپنی سند سے عبدالواحد بن آدم الطواویسی [1] کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کو آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ دیکھا کہ آپ ایک جگہ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے سلام کر کے عرض کیا کہ کس کا انتظار ہے؟ فرمایا، انتظر محمد بن اسماعیل۔ محمد بن اسماعیل کا منتظر ہوں۔ چند روز کے بعد جب امام بخاری کے انتقال کی خبر مجھے معلوم ہوئی تو میں نے اپنے خواب اور وقت کو ملایا تو امام صاحب کے انتقال کا وہی دن اور وقت نکلا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ [2]

گو تاریخی حیثیت سے خواب چنداں اعتبار کی چیز نہ ہو مگر شریعت نے مستند اور سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں جز بتایا ہے۔ بالخصوص وہ خواب جس میں کسی نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہو۔ امام بخاری کی وفات پر علمائے امت نے بڑی حسرتیں ظاہر کیں۔

یحییٰ بن جعفر بیکندی [3] فرمایا کرتے، امام بخاری کی موت علم کی موت ہے۔ [4]

← اپنی غلط روش پر ندامت کا اظہار کرنے لگے" اسامی شیوخ البخاری للصغانی ص ۲، تاریخ الاسلام ص ۲۷۳، سیر اعلام النبلاء ۴۶۷/۱۲، طبقات السبکی ۲۳۴/۲۔

ابن ناصر الدین کا کہنا ہے: "ابن یونس نے تاریخ الغرباء میں لکھا ہے کہ بخاری ۲۵۰ھ کے بعد مصر میں فوت ہوئے" ابوالفضل ابن العراقی کا کہنا ہے: کہ ایسی بات کسی اور نے نہیں کہی اور یہ واضح بات ہے کہ انہیں وہم ہوا، (تحفۃ الاخباری ص ۲۱۳)۔

[1] الطواویسی: یہ طواویس کی طرف نسبت ہے اور یہ ایک بستی ہے جو بخارا سے آٹھ فرسخ فاصلے پر ہے اور سمرقند جانے کا دوسرا بڑا راستہ ہے (الانساب ۹۱/۹)۔

[2] تاریخ بغداد ۳۴/۲، تاریخ دمشق ۱۵/۵۴/ب، تہذیب الکمال ۴۶۶/۲۴، سیر اعلام النبلاء ۴۶۸/۱۲، طبقات السبکی ۲۳۲/۲، تغلیق التعلیق ۴۴۱/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۹۳، تحفۃ الاخباری ص ۲۱۴، طبقات المفسرین للداؤدی ۱۰۸/۲۔

[3] مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴ یحییٰ بن جعفر بیکندی وہ ابوزکریا ازدی، البخاری ہیں جو کہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں۔ امام بخاری نے ان سے اپنی صحیح میں حدیث روایت کی ہے۔ یحییٰ امام بخاری سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے اور یہ ۲۴۳ھ تھا (التہذیب ۱۹۳/۱۱، التقریب ۱۰۵۱، ثقۃ من العاشرۃ/ خ)۔

[4] یہ بات یحییٰ بن جعفر بیکندی امام بخاری کی زندگی میں ہی کہا کرتے تھے، الفاظ یہ ہیں: "اگر مجھے یہ طاقت مل جائے کہ میں اپنی عمر لگا کر محمد بن اسماعیل کی عمر میں اضافہ کر سکوں تو میں ضرور کر لوں کیونکہ میری موت تو ایک آدمی کی موت ہوگی جب کہ محمد بن اسماعیل کی موت میں علم کی رخصتی ہے" مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴، مزید دیکھیے: تاریخ بغداد ۲۴/۲، تہذیب الکمال ۴۶۰/۲۴، تاریخ الاسلام ص ۲۵۴، سیر اعلام النبلاء ۴۱۸/۱۲، تغلیق التعلیق۔

امام بخاری نحیف جسم اور میانہ قامت انسان تھے۔ ابن عدی کا کہنا ہے: میں نے حسن بن حسین البزاز سے سنا وہ کہتے تھے: "میں نے محمد بن اسماعیل صاحب کو دیکھا وہ کمزور جسم تھے نہ زیادہ لمبے اور نہ چھوٹے قد کے تھے" اسامی من روی عنہم البخاری ص ۶۰، تاریخ بغداد ۶/۲، تہذیب الاسماء واللغات ۶۸/۱/۱، وفیات الاعیان ۱۹۰/۴، تہذیب الکمال ۴۳۸/۲۴، سیر اعلام النبلاء ۴۵۲/۱۲۔

کیا بخاری نے کوئی اولاد چھوڑی؟

علامہ ولی الدین خطیب مؤلف مشکوۃ المصابیح [1] نے اکمال میں اور ملا علی قاری [2] نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ [3]

علامہ عجلونی نے اس پر یہ سوال پیش کیا ہے کہ ابوعبداللہ آپ کی کنیت کیوں کر صحیح ہوسکتی ہے لیکن خود علامہ نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے کہ کنیت کے لیے اولاد کا ہونا شرط نہیں۔ عرب کا قدیم دستور ہے کہ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی کنیت بلا اولاد ہوئے، صغرسنی ہی میں رکھ دیا کرتے جس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ امام صاحب گو عجمی النسل ہیں لیکن بلاد خراسان میں بالخصوص اہل علم پر جو اثر اہل عرب کا تھا، مخفی نہیں ہے۔

افسوس ہمیں اس بارے میں قدیم سے قدیم شخص کا جو قول مل سکا ہے، وہ ولی الدین عراقی ہیں جو بہت متاخر صدی کے آدمی ہیں۔ [4]

علامہ عجلونی نے تو نکاح ہی میں شبہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر امام صاحب نے نکاح کیا ہوتا تو ضرور اس کا ذکر ہوتا۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مؤرخین کا یہ قاعدہ نہیں کہ نکاح کا حال بھی لکھا کریں۔ سیکڑوں نام ایسے تاریخ کی کتابوں میں ملیں گے جن کے نکاح کا ذکر نہیں۔ پھر ایسے ضعیف احتمالات کی وجہ سے ایک سنت مؤکدہ سے امام صاحب

---

[1] ولی الدین، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی جنھوں نے مشکوۃ المصابیح لکھی ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے محدثین میں سے ہیں۔ انھوں نے ۷۳۷ھ میں اپنی کتاب کی تالیف مکمل کی جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب کے آخر میں اس کی وضاحت کی ہے (۱۷۷۲/۳) ان کا تفصیلی ترجمہ تو نہ مل سکا البتہ ان کی کتاب کی شرح لکھنے والوں نے انہیں بہت بڑے علم وفضل والے بیان کیا ہے اور ان کی کتاب اس کی گواہ ہے مزید دیکھیے: مقدمة استاد زهير شاويش لمشكاة المصابيح ۱/و-ھ۔

[2] علی بن سلطان محمد الهروی القاری الحنفي، مختلف علوم وفنون کے ماہر عالم دین تھے۔ مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے۔ یہ ۱۰۱۴ھ تھا۔ ان کی سب سے مشہور کتاب مرقاة المفاتيح لمشكوة المصابيح " معجم المؤلفين ۱۰۰/۷۔

[3] قاری کا کہنا ہے: یہ لاولد فوت ہوئے، المرقاة ۱۵/۱، صاحب الاکمال نے کہا: ان کا بیٹا کوئی نہ تھا، الاکمال ۱۴۹۔ (مراجع)

[4] ذہبی نے ایک روایت غنجار کے واسطے سے نقل کی ہے۔ انھوں نے کہا: ہمیں ابوعمرو احمد بن محمد المقریٔ نے، انھوں نے کہا میں نے بکر بن منیر سے سنا اور محمد بن حاتم نے ایسا ہی معناً ذکر کیا ہے اور الفاظ بکر کے ہیں۔ انھوں نے کہا: "امام بخاری کے پاس ان کے بیٹے احمد کا بھیجا ہوا مال تجارت لایا گیا تو کئی تاجر وہاں اکٹھے ہوگئے...... الخ" ایسا ہی سیر اعلام النبلاء ۴۴۷/۱۲ اور طبقات السبكی ۲۲۷/۲ میں بیان ہو چکا ہے۔ تو اس روایت میں ان کے بیٹے کا تذکرہ ہوا جن کا نام احمد تھا۔ اب اگر یہ روایت معتبر ہے تو ان کے بیٹے کے وجود کا ثبوت مل گیا لیکن یہ بات خطیب نے اپنی تاریخ (۱۱/۲) میں ذکر کی ہے اور اس میں ہے کہ "فلاں نے ان کی طرف یہ مال بھیجا تھا" حافظ ابن حجر نے اسے تغلیق ۳۹۵/۵ میں اور مقدمة الفتح ص ۴۷۹ میں نقل کیا ہے لیکن وہاں لکھا ہے کہ: "یہ مال انہیں ابوحفص نے بھیجا تھا"
جب کہ امام حاکم نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں صراحتاً یہ بات لکھی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم میں سے کسی کا بھی بیٹا موجود نہ تھا۔ انھوں نے النوع السابع عشر میں لکھا ہے: "البخاری اور مسلم اپنے پیچھے کوئی بیٹا نہ چھوڑ سکے (ص ۵۲، الحطة ص ۴۴۴)

کیوں کر محروم کہے جا سکتے ہیں جب تک صحیح سند سے ترک ثابت نہ ہو۔ ❶

میں یہ کہتا ہوں کہ امام صاحب نے گو کوئی صلبی اولاد نہ چھوڑی ہو، تاہم آج دنیا میں امام بخاری کی روحانی اولاد کی تعداد ۲۲ کروڑ ۶ لاکھ ۴ ہزار کے قریب پہنچتی ہے۔ ❷ اگر ان میں سے ان بے نصیب مسلمانوں کو مستثنیٰ بھی کر دیا جائے جو موجودہ قرآن پر بوجہ ترتیب عثمانی یقین کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں اور اپنے لیے صحیح قرآن کسی غار میں بند سمجھتے ہیں تو بھی ان معدودے چند کی نفی سے امام صاحب کی معنوی اولاد میں کسی طرح کمی نہیں ہو سکتی۔ خدا کے فضل سے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے ماننے والوں کی تعداد یوماً فیوماً ترقی ہی کرتی جاتی ہے۔

امام بخاری کے اشعار

امام بخاری شاعر نہ تھے لیکن کبھی کبھی کلام منظوم سے دلچسپی لے لیا کرتے تھے اور ان کی زبان سے نصیحت آمیز اشعار موزوں ہو جاتے تھے جس کو شاعری نہیں کہتے۔ اور نہ اس پر (فی کل وادٍ یھیمون) صادق آتا ہے۔ خود رسالت مآب ﷺ سے برجستہ الفاظ موزوں نکل پڑتے جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں۔ ابو عبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ میں نے بخط مستملی امام بخاری کا یہ شعر لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ❸

اِغْتَنِمْ فِی الْفَرَاغِ فَضْلَ رُکُوْعٍ ۔۔۔ فَعَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ مَوْتُکَ بَغْتَۃً
کَمْ صَحِیْحٍ رَاَیْتَ مِنْ غَیْرِ سُقْمٍ ۔۔۔ ذَھَبَتْ نَفْسُہُ الصَّحِیْحَۃُ فَلْتَۃً ❹

---

❶ مصنف رحمہ اللہ کا گمان سچ نکلا، ہمیں ایک خبر مل گئی ہے کہ امام بخاری کی بیوی اور بیٹیاں تھیں۔ ان کے وراق نے ایک واقعہ درج کیا ہے کہ میں نے ایک گھر خریدا۔ امام بخاری نے میری مساعدت کرنا چاہی اور مجھے اس حدیث کی مصداق کچھ مال دینا چاہا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان مواخات کرائی تھی تو اس وقت امام بخاری نے وراق سے کہا، ''دیکھو! میری بیوی اور بیٹیاں موجود ہیں اور تو غیر شادی شدہ کنوارہ ہے، اب مجھ پر واجب ہے کہ ہم اپنے مال میں برابر کے حصے دار بنیں اور میرا نفع اس پر میری بیوی اور بیٹیاں ہیں...... الخ'' سیر اعلام النبلاء ۱۲/ تاریخ الاسلام للذھبی ص ۲۶۵۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی بیوی تھی۔ ایک اور خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک بیٹی چل رہی تھی کہ اچانک ہاتھ میں پکڑی دوات کے ساتھ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر گئی...... الخ'' السیر ۱۲/۴۵۲

❷ مسلمانوں کی یہ تعداد ۱۸۹۷ء کی شماریات کے مطابق ہے (جریدہ المؤید) سابق لیگ اقوام کی رپورٹ ۱۹۴۲ء کے مطابق مسلمانانِ عالم کی تعداد ۷۰۳ ملین یعنی ۶۰ کروڑ ۳۰ لاکھ ہے۔ البتہ آج تو مسلمانوں کی تعداد اسی کروڑ سے ایک ارب کے درمیان ہے۔ جبکہ ۲۰۰۸ء میں سوا ارب کے قریب ہے۔

❸ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے: ''امام بخاری عربی ادب اور فنون صرف ولغت کے ماہر تھے'' پھر انھوں نے چند اشعار ذکر کیے جو مصنف نے بھی یہاں ذکر فرمائے ہیں۔ تغلیق التعلیق ۵/۴۰۰۔

❹ تغلیق التعلیق ۵/۴۰۰ مقدمۃ الفتح ص ۴۸۱، حافظ ابن حجر نے اس مقام پر لکھا ہے کہ: ''تعجب کی بات یہ ہے کہ اس وقت یا اس کے کچھ دیر بعد ہی امام بخاری رحمہ اللہ وفات پا گئے''۔

یعنی فراغت کے وقت رکوع (نماز) کی فضیلت حاصل کرنے کو غنیمت جانو۔ کیا معلوم تمہاری موت اچانک پہنچ جائے، بہتیرے صحیح اور تندرست آدمیوں کو میں نے دیکھا کہ ان کی جان ہر طرح صحیح سالم تھی، اچانک جاتی رہی۔

جب امام المحدثین کو ان کے تلمیذ حافظ امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی صاحب السنن کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے یہ عبرت آموز شعر فرمایا اور بہت دیر تک اپنا سر جھکائے رہے ۔

اِنْ عِشْتَ تُفْجَعُ بِالْاَحِبَّةِ كُلِّهِم   وَبَقَاءُ نَفْسِكَ لَا اَبَالَكَ اَفْجَعُ

اگر حیات طویل ہوئی تو تم کو اپنے کل احباب کی موت کے غم اٹھانے ہوں گے، اس وجہ سے تمہارا زندہ رہنا بڑا دردمند ہوگا۔

نصیحت سے بھرا ہوا امام المحدثین کا ایک شعر یہ ہے ۔

مثلُ البهائم لا ترى آجالَها   حتى تساقِ الى المجازر تنحر [1]

یعنی غافلوں کی مثال چارپایوں جیسی ہے کہ منحر تک لے جا کر ذبح کرنے تک انہیں موت کی کچھ حس نہیں ہوتی۔

ایک شعر حکمت آموز یہ ہے ۔

خالق الناس بخلق واسع   لا تكن كلبا على الناس تهرّ

وسیع خلق کے ساتھ لوگوں سے ملتے جلتے رہو اور خندہ پیشانی سے برتاؤ رکھو۔ کتے کی طرح لوگوں پر بھونکتے نہ رہو۔

فی الحقیقت یہ اشعار حکیمانہ مقولے ہیں جو ''اِنَّ من الشعر لحكمة'' کے مصداق ہیں۔

یہ اشعار علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں نقل کیے ہیں۔ [2]

---

[1] مقدمة الفتح ص ۴۸۱، تغليق التعليق ۵/۴۰۰۔ تهذيب الكمال میں مزی نے دارمی کے ترجمہ (۱۵/۲۱۷) میں یہی خبر ذکر کی ہے۔ اسی طرح ذہبی نے سير اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۹ میں اسحاق بن خلف البخاری کی روایت بیان کی کہ انھوں نے کہا: ''ہم محمد بن اسماعیل کے پاس تھے کہ ان کے پاس ایک خط آیا جس میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی وفات کی اطلاع تھی، اس پر انھوں نے اپنا سر جھکا لیا، پھر سر اٹھایا اور انا لله وانا اليه راجعون پڑھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ان کے گالوں پر گرنے لگے، پھر وہ گویا ہوئے:

''اگر تو باقی رہا تو اس طرح دوستوں کی خبروں سے پریشان ہوگا جب کہ تیرا خود کا رخصت ہونا شاید اس قدر دہشت ناک نہ ہو''۔

اسحاق بن احمد کا کہنا ہے: ''ہم نے سوائے حدیث میں آ جانے والے اشعار کے، انہیں کبھی شعر کہتے ہوئے نہیں سنا''۔

مزید دیکھیے: التقييد ۲/۴۵، التهذيب ۵/۲۹۶، طبقات المفسرين ۱/۲۴۴، دارمی کی وفات آٹھ ذوالحجہ یوم الترویہ ۲۵۵ میں تھی، یعنی خود امام بخاری کی وفات سے قبل ایک سال سے بھی کم۔

[2] طبقات الشافعية للسبكي ۲/۲۳۵

امام بخاری اپنے شیوخ کی نظر میں

شیخ کی رائے اس کے تلمیذ کی نسبت جیسی معتبر اور صحیح ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، دوسرے لوگوں کی نہیں ہوسکتی، نہ معاصرین کی نہ متاخرین کی۔ شیخ تلمیذ کی ذہانت، طباعی، محنت، شوق، جفاکشی، سمجھ، فراست سے بہت کچھ واقف ہوتا ہے۔ استاد کو شاگرد کے کسی یا طبعی جوہر کے جانچنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں۔ وہ درس دینے میں اچھی طرح تلمیذ کی ہر ادا پر نگاہ رکھتا ہے۔

ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ امام صاحب کے طبعی یا کسبی جوہر کے اندازہ کے لیے امام صاحب کے اساتذہ کے اقوال پیش کریں۔ [1]

۱۔ سلیمان بن حرب:

سلیمان بن حرب کا قول "بین لنا اغلاط شعبة" [2] پہلے گزر چکا ہے۔ سلیمان بن حرب کے رتبہ سے کون واقف نہیں۔ باوجود استاد ہونے کے امام بخاری سے ان کا یہ جملہ فرمانا کہ مجھے شعبہ کی غلطیوں پر متنبہ کردیا کرو، امام بخاری کے تبحر علمی کی بڑی قوی دلیل ہے۔ [3]

۲۔ اسماعیل بن اُویس:

موصوف امام مالک کے شاگرد اور امام بخاری و مسلم کے شیخ ہیں۔ ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ [4] امام بخاری جب ان کی کتابوں سے صحیح حدیثوں کو چنتے تو وہ خود بھی اپنے لیے ان منتخب حدیثوں کو لکھ لیتے اور فخریہ بیان کرتے کہ "یہ حدیثیں محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کی منتخب کردہ ہیں"۔ [5] ایک روز امام بخاری سے فرمایا کہ "تم میری ساری کتابوں کو دیکھ

---

[1] اساتذہ کی یہ شہادتیں اور اقوال زیادہ تر مقدمة الفتح ۴۸۲، ۴۸۵، تقیید المهمل، الطبقات للسبکی ۲/۲۱۶، ۲۲۷ اور تهذیب التهذیب ۹/۴۸، ۵۵ سے لیے گئے ہیں۔ البتہ میں نے ہر قول کے ساتھ دیگر مصادر کے حوالہ جات بھی دے دیئے ہیں۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۹، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۰، مقدمة الفتح ص ۴۸۲ وغیرہ۔

[3] سلیمان بن حرب براہ راست شعبہ سے روایت کرتے ہیں جب کہ بخاری نے اسے پایا ہی نہیں۔ سلیمان کی وفات ۲۲۴ھ میں ہوئی۔ ابو حاتم ان کے متعلق کہتے ہیں: "بڑے امام تھے، تدلیس نہیں کرتے تھے۔ علم رجال اور علم فقہ پر ان کو دسترس حاصل تھی۔ میں بغداد میں سلیمان کی مجلس میں حاضر ہوا تو اندازہ لگایا گیا کہ اُن کی مجلس میں حاضرین کی تعداد چالیس ہزار ہے......الخ الجرح والتعدیل ۴/۱۰۸، التهذیب ۴/۱۸۷۔

[4] وہ اسماعیل بن عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی ہیں۔ ان کی تاریخ وفات خزرجی نے الخلاصه (۳۵) میں ذکر کی ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے بھی یہ تاریخ وہیں سے اخذ کی ہے لیکن تقریب میں ہے کہ ان کی وفات ۲۲۶ھ میں ہوئی (ص ۱۴۱) اس طرح تہذیب وغیرہ میں بھی درج ہے اور ایک تیسرا قول یہ ہے کہ وہ ۲۲۷ھ میں فوت ہوئے۔

[5] تاریخ بغداد ۲/۱۹، تهذیب الکمال ۲۴/۴۵۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۴، تغلیق التعلیق ۵/۴۰۱، تهذیب التهذیب ←

دو۔ اور جس قدر مال و دولت میرے پاس ہے، وہ سب تمہارا ہے اور میں تمہارا تمام عمر ممنون رہوں گا"۔ [1]

ایک دن محدثین نے جمع ہو کر امام بخاری سے (اس وجہ سے کہ امام صاحب کو اسماعیل بن اویس بہت مانتے ہیں) کہا کہ آپ شیخ سے سفارش کیجیے کہ آج کچھ حدیث کا درس بڑھا دیں۔ امام نے سفارش کی تو شیخ نے اس سفارش کی یہ قدر کی کہ لونڈی کو بلایا اور حکم دیا کہ اشرفیوں کی ایک تھیلی لے آ۔ جب اشرفیوں کی تھیلی آ گئی تو امام صاحب سے فرمایا کہ آپ اس کو تقسیم کر دیجیے۔ امام نے عرض کیا، میں نے حدیث کے درس میں زیادتی کی عرض کی تھی، اس کی درخواست نہ کی تھی۔ اسمٰعیل نے کہا، آپ کی سفارش منظور ہے اور یہ اس پر اضافہ ہے۔ [2]

۳۔ ابو مصعب احمد بن ابو بکر الزہری:

ابو مصعب الزہری امام مالک کے شاگرد ہیں۔ خلیفہ مامون الرشید کی طرف سے مدینہ کے عہدہ قضا پر مامور تھے۔ ذہبی نے لکھا ہے: "كان اماما فی السنة والاحكام". زبیر بن بکار کہتے ہیں: "ابو مصعب بلا شرکت غیرے فقیہہ ہیں" یعنی ان کا کوئی ہم پایہ نہ تھا۔ مؤلفین صحاح ستہ کے شیخ ہیں۔ ۲۴۲ھ میں وفات پائی۔ [3] وہ فرماتے ہیں:

"**محمد بن اسماعيل افقه عندنا و ابصر بالحديث من احمد بن حنبل**".

یعنی امام بخاری ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل سے فقاہت میں زیادہ کمال اور حدیث میں زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔

ایک شخص نے اعتراض کیا کہ ابو مصعب! آپ نے تو انہیں خود سے بھی بڑھا دیا۔ ابو مصعب بولے، اگر تم امام مالک سے ملے ہوتے اور امام بخاری اور امام مالک دونوں کے چہروں پر غور کیا ہوتا تو تم بول اٹھتے کہ دونوں فقاہت اور بصارت فی الحدیث میں برابر ہیں۔ [4]

۴۔ عبدان بن عثمان مروزی: [5]

امام بخاری کے یہ استاد کہتے ہیں: "میں نے اس نوجوان (امام بخاری) سے بڑھ کر مبصر نہیں دیکھا"۔ [6]

← ۵۰/۹، مقدمة الفتح ص ۴۸۲۔

[1] سیر اعلام النبلاء ۴۲۹/۱۲ ، تغلیق التعلیق ۴۰۱/۵ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۲ اور لفظ بھی مقدمہ کے ہیں۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۴۱۹/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۱/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[3] تذكرة الحفاظ ۴۸۲/۲۔ ۴۸۳۔

[4] تاريخ بغداد ۱۹/۲ ، تاريخ دمشق ۵۰/۱۵/ب، تهذيب الكمال ۴۵۵/۲۴، تاريخ الاسلام ص ۲۵۶ ، سير اعلام النبلاء ۴۲۰/۱۲، تحفة الاخبارى ص ۲۰۱، تغليق التعليق ۴۰۱/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۲۔

[5] عبداللہ بن عثمان بن جبلة بن ابی رواد العتکی ابو عبدالرحمٰن المروزی، ان کا لقب "عبدان" ہے، ثقہ اور حافظ ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۱ھ/ خ م د ت س (التقریب ۴۳۲/۱)۔

[6] تاريخ بغداد ۲۴/۲، تاريخ دمشق ۵۰/۱۵/ب، تهذيب الكمال ۴۵۹/۲۴، تاريخ الاسلام ص ۲۵۵ ، سير اعلام ←

۵۔محمد بن قتیبہ البخاری: [1]

ابن قتیبہ البخاری فرماتے ہیں:

''ایک روز میں ابو عاصم النبیل کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے ان کے پاس ایک لڑکے کو دیکھا اور پوچھا کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ وہ بولا، بخارا۔ پوچھا، کس کے بیٹے ہو؟ کہا، اسماعیل کے۔ میں نے کہا، تم میرے قرابت دار ہو۔ امام ابو عاصم کے سامنے اسی مجلس میں حاضرین سے ایک شخص نے کہا:''**هذا الغلام يناطح الكباش، يعني يقاوم الشيوخ**''۔ [2] یعنی یہ لڑکا تو شیوخِ وقت کا مقابلہ کرتا ہے۔

حالانکہ ابو عاصم النبیل کا مرتبہ جو فن حدیث میں تسلیم کیا گیا ہے، ظاہر ہے۔ امام شعبہ باوجود اس فضل و کمال کے فرماتے:''**والله ما رايت مثله**''. یعنی ابو عاصم النبیل جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ بڑے بڑے اہل کمال کو ان کی شاگردی پر ناز تھا۔ [3]

۶۔قتیبہ بن سعید ثقفی:

امام مالک، لیث اور اسماعیل بن جعفر کے شاگرد ہیں۔ امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کے شیخ ہیں۔ یہ بہت بڑے امام مانے جاتے ہیں۔ علامہ حمیدی اور امام احمد ان کے ساتھیوں سے ہیں۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ قتیبہ فرماتے ہیں:''میں فقہاء، محدثین، زہاد، عبّاد کی خدمتوں میں مدتوں رہا۔ اور ایک زمانہ تک ان کی خوشہ چینی کی لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا، محمد بن اسماعیل (امام بخاری) جیسا جامع کمالات نہیں دیکھا۔ امام بخاری اپنے زمانہ میں (فہم و فراست، عقل، دانش، حق گوئی کے اعتبار سے) ویسے ہی تھے جیسے خلیفہ عمر اپنے زمانہ میں۔ اگر امام بخاری صحابہ میں ہوتے تو خدا کی ایک بڑی نشانی ہوتے۔ [4]

← النبلاء ۱۲/۴۱۹، تحفة الاخباری ص ۲۰۰، تغليق التعليق ۵/۴۰۱، مقدمة الفتح ص ۴۸۲۔

[1] ابن حجر نے اس قول کو امام بخاری کے شیوخ کے اقوال کے ضمن میں جگہ دی ہے (تغليق التعليق ۵/۴۰۲، مقدمة الفتح: ۴۸۲، مزی نے انہیں بخاری سے روایت کرنے والوں میں شمار کیا ہے (تهذيب الكمال ۲۴/۴۳۵) جب کہ خود مجھے ان کا ترجمہ نہیں مل سکا ماسوائے اس کے کہ یہ خبر دلالت کر رہی ہے کہ یہ شیخ امام بخاری سے عمر میں بڑے تھے۔

[2] تاريخ بغداد ۲/۱۸، تهذيب الكمال ۲۴/۴۵۴، تغليق التعليق ۵/۴۰۲، مقدمة الفتح ص ۴۸۲۔

[3] ابو عاصم الضحاک بن مخلد الشیبانی، ثقہ ثبت ہیں۔ ان کی وفات ۲۱۲ھ میں ہوئی یا پھر اس کے کچھ بعد میں (التقريب ۱/۳۷۳)۔ خلیلی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ان کے زھد، علم، دین اور اتقان پر سبھی متفق ہیں (سیر اعلام النبلاء ۹/۴۸۲) مصنف رحمہ اللہ نے جو قول شعبہ سے نقل کیا ہے وہ دراصل عمر بن شعبہ کا ہے کیونکہ التهذيب اور السير میں ایسے ہی وارد ہوا ہے۔ جب کہ ''شعبہ'' تو ان کے شیوخ میں سے ہیں اور وہ ان سے پہلے ہی ۱۶۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ یہی بات الخلاصہ میں تحریف شدہ ہے جو کہ ''ابن شعبہ'' کا بیان کرتی ہے، ہوسکتا ہے مصنف نے وہیں سے اخذ کیا ہو۔

[4] مقدمة الفتح ۴۸۲۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فرقۂ شیعی امام المحدثین سے بہت ناخوش ہیں۔ پرچہ اصلاح (جو برعکس نہند نام زنگی کافور کی سچی ←

۷۔ محمد بن یوسف ہمدانی:

شیخ ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ قتیبہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شعرانی نے جس کا نام ابو یعقوب تھا، آ کر قتیبہ سے امام بخاری کی تعریف پوچھی۔ قتیبہ نے فرمایا، لوگو! سنو میں نے فن حدیث میں مہارت حاصل کی، فقہ ورائے میں بھی تبحر حاصل کیا، فقہا، زہاد، عباد کی مجلسوں میں بھی مدتوں بیٹھا لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا، محمد بن اسماعیل جیسا کسی کو نہیں پایا"۔ ❶

فرماتے ہیں کہ ایک بار قتیبہ بن سعید سے مسئلہ پوچھا گیا کہ نشہ میں جو شخص طلاق دے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس وقت اتفاقاً محمد بن اسمٰعیل پہنچ گئے۔ قتیبہ نے سائل کو مخاطب کر کے کہا، دیکھو! "احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، علی بن مدینی کو خدا نے تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ ان سے مسئلہ پوچھو"۔ ❷

۸۔ ابو عمر الکرمانی: ❸

امام بخاری کے شیخ ابو عمر نے مہیار ❹ سے بیان کیا کہ میں بصرہ میں قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میری درس گاہ میں پورب، پچھم غرض ساری دنیا کے طلباء اور محدثین دور دراز کی مسافت طے کر کے پہنچے لیکن اب تک محمد بن اسمٰعیل (امام بخاری) جیسا شخص نہیں آیا۔

مہیار کہتے ہیں کہ قتیبہ نے صحیح کہا۔ میں نے یحییٰ بن معین اور قتیبہ دونوں کو دیکھا کہ امام بخاری کے یہاں آتے جاتے تھے اور یحییٰ بن معین حدیث اور معرفت اسناد میں امام بخاری کے منقاد رہتے۔ ❺

← مثال ہے) کو امام المحدثین کی نسبت بہت زبان درازی کرتے دیکھا۔ اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ امام ثقفی کے مقولہ کو دیکھنے اور بخاری کے حالات پڑھنے سے بین وجہ معلوم ہوگئی۔ وہ کیا؟ حق گوئی اور فہم وفراست میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشابہت۔ (مؤلف) تغلیق التعلیق ۴۰۲/۵، سیر اعلام النبلاء ۴۳۱/۱۲ اور اس کے الفاظ یہ ہیں "محمد بن اسماعیل اپنے دوستوں میں ایسے ہی جانے جاتے تھے اپنی سچائی اور دین داری میں جیسے صحابہ کرام کے درمیان حضرت عمرؓ تھے" رضی اللہ عنہم اجمعین۔

❶ مقدمة الفتح ۴۸۲، تغلیق التعلیق ۴۰۲/۵، سیر اعلام النبلاء ۴۳۱/۱۲۔

❷ مقدمة الفتح ص ۴۸۲، تغلیق التعلیق ۴۰۲/۵۔ ذہبی نے تاریخ ص ۲۵۵ میں اور سیر اعلام النبلاء ۴۱۸/۱۲ میں اور سبکی نے الطبقات ۲۲۲/۲ میں اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ: "محمد کا مذہب یہ تھا کہ طلاق دینے والا اگر مغلوب بالسکر ہے اور اسے اپنے نشے کی حالت کی کوئی بات یاد نہ ہو تو اس کا کوئی معاملہ نوٹ نہیں کیا جائے گا"۔

❸ یہ شخص ابو عمر حفص بن عمر بن ھبیرۃ البخاری الکرمانی ہے۔ یہ جس بستی سے تعلق رکھتے تھے اسے کرمینیہ کہا جاتا تھا۔ یہ بستی بخارا سے کوئی اٹھارہ فرسخ کے فاصلے پر تھی۔ یہ بغداد میں حج کے سفر کے دوران آئے اور انہیں شجاع بن شجاع الکشانی سے احادیث بیان کر گئے۔ ابو القاسم ابن الثلاج نے ان سے روایت کی (تاریخ بغداد ۲۰۵/۸، الأنساب للسمعانی ۸۶/۱۱، معجم البلدان ۴۵۶/۴)۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مذکورہ خبر ان سے محمد بن ابی حاتم بخاری کے وراق نے روایت کی ہے۔

❹ مہیار، دیکھیے ان کا اگر کسی نے ترجمہ کیا ہو تو۔

❺ سیر اعلام النبلاء ۴۲۹/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۲/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۲۔

۹۔ابراہیم بن محمد بن سلام: [1]

فرماتے ہیں کہ روسائے محدثین مثلاً سعید بن ابی مریم ،حجاج بن منہال، اسماعیل بن ابی اویس، حمیدی، نعیم بن حماد، العدنی یعنی محمد بن یحییٰ بن ابی عمر، الخلال یعنی حسین بن علی الحلوانی، محمد بن میمون الخیاط، ابراہیم بن المنذر، ابوکریب محمد بن العلاء، ابوسعید عبداللہ بن سعید الاشج اور ابراہیم بن موسیٰ الفراء وغیرہم محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کو بصیرت اور معرفت الحدیث میں اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے۔ [2]

۱۰۔امام احمد بن حنبل:

امام بخاری کے یہ وہ شیخ ہیں جو مذہب کے ایک رکن مانے جاتے ہیں، فرمایا کرتے تھے: ''خراسان کی زمین نے امام بخاری جیسا کوئی شخص پیدا نہیں کیا''۔ [3] امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنے والد سے حفاظ حدیث کا سوال کیا تو امام احمد نے سب سے اول امام المحدثین کا ہی نام لیا۔ [4]

امام المحدثین کی فقاہت کا اندازہ فقہا و محدثین کی شہادتوں سے کیا جا سکتا ہے۔تو یہ محولہ بالا محدثین جو بجائے خود ایسے ایسے منازل پر پہنچے ہیں، جن کے متعلق تذکرے لکھے گئے ہیں۔ امام بخاری کی فقاہت کی کن پرزور لفظوں میں شہادت دے رہے ہیں لیکن امام کی فقاہت کا معیار ہم اقوال الرجال کو بنانا نہیں چاہتے۔ بلکہ اس کی جانچ کا طریقہ اور ہے۔اس کی مستقل بحث حصہ ثانیہ میں آتی ہے۔

---

[1] بیکندی، سلمی، ابواسحاق، بخارا آئے اپنے باپ سے روایت کی، ان سے ابوالہیثم خالد بن احمد البخاری نے روایت کی، ابن ابی حاتم نے ان کا تذکرہ کیا مگر سکوت فرمایا(الجرح و التعدیل ۲/۲۹) البتہ ان کے والد امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں اور ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

[2] تهذيب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۰ ، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۵، تحفة الاخباری ، ص ۲۰۲ ، تغليق التعليق ۵/۴۰۳ ، مقدمة الفتح ص۴۸۲۔

[3] تاریخ بغداد ۲/۲۱، طبقات الحنابلة ۱/۲۷۷، تاریخ دمشق ۱۵/۴۹/أ، المنتظم ۱۲/۱۱۶ ، التقیید ۱/۱۰، تهذيب الاسماء واللغات ۱/۱/۶۸، تهذيب الكمال ۲۴/۴۵۶، تاريخ الاسلام للذهبی ص ۲۵۶، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۱، طبقات السبکی ۲/۲۲۳، تحفة الاخباری ص ۲۰۰، تغليق التعليق ۵/۴۰۴، تهذيب التهذيب ۹/۵۱، مقدمة الفتح ص ۴۸۲، ۴۸۳۔

[4] مقدمة الفتح ۴۸۳، امام احمد نے یہ بھی کہا ہے کہ ''چار خراسانیوں پر حافظہ ختم ہے، ابوزرعہ رازی، محمد بن اسماعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن سمرقندی اور حسن بن شجاع بلخی۔ تاریخ بغداد ۲/۲۱، ماتمس اليه حاجة القاری ص ۲۶، تهذيب الاسماء واللغات ۱/۱/۶۸ ، تهذيب الكمال ۲۴/۴۵۶ ، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۳

امام احمد کا یہ بھی کہنا ہے: ''خراسان سے محمد بن اسماعیل جیسی کوئی اور شخصیت ہمارے پاس نہیں آئی''۔ تاریخ الاسلام ص ۲۵۷، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۱۔

اور صغانی کا قول ہے کہ ابو حامد انماطی نے کہا ہے: ''میرے قیام بغداد کے دوران میں دیکھتا کہ یحییٰ بن معین، احمد بن محمد بن حنبل اور امام بخاری آپس میں بحث مباحثہ کرتے۔ جب امام بخاری کھڑے ہوتے تو احمد بن حنبل یحییٰ بن معین سے کہتے: یہ خراسانی ہم پر فائق ←

۱۱، ۱۲۔ یعقوب بن ابراہیم دورقی [۱] اور نعیم بن حماد خزاعی:

امام بخاری کے دونوں شیوخ فرماتے ہیں: ''محمد بن اسماعیل فقيه هذه الامة''. [۲]

محمد بن اسماعیل اس اُمت کے فقیہ ہیں۔

۱۳۔ محمد بن بشار:

(جو بلقب بندار مشہور ہیں) فرماتے ہیں: ''محمد بن اسماعيل افقه خلق الله في زماننا''. [۳]

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں، میں بصرہ میں موجود تھا کہ محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کی آمد کی خبر پہنچی۔ محمد بن بشار نے سن کر فرمایا: ''قدم اليوم سيّد الفقهاء''. [۴] آج سید الفقہاء آئے ہیں۔

محمد بن ابراہین بوشنجی [۵] کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن بشار کو ۲۴۸ھ میں فرماتے ہوئے سنا: ''انا افتخر به (محمد بن اسماعيل) منذ سنين''. [۶] میں امام بخاری کی وجہ سے برسوں سے فخر کرتا ہوں حالانکہ امام بخاری محمد بن بشار کے تلامذہ میں سے ہیں۔ [۷]

← ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا بہت زیادہ۔ (اسامی شیوخ البخاری ص ۳)۔

[۱] ثقہ، وفات ۲۵۲ھ اور یہ حفاظ میں سے تھے تقریب ص ۱۰۸۷۔

[۲] تاریخ بغداد ۲/۲۲ ، ۲۴ ، تهذيب الكمال ۲۴/۴۵۷، ۴۵۹ ، تاريخ الاسلام ص ۲۵۵، ۲۵۷، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۹۔ ۴۲۴ تحفة الاخبارى ص ۲۰۰ (قول الدورقی) تغليق التعليق ۵/۴۰۴، طبقات السبكى ۲/۲۲۳ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[۳] سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۹، تغليق التعليق ۵/۴۰۴، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[۴] تاريخ بغداد ۲/۱۶، تهذيب الاسماء واللغات ۱/۱/۶۸ ، ماتمسّ اليه حاجة القارئ ص ۲۶ ، تهذيب الكمال ۲۴/۴۴۹ ، تاريخ الاسلام ص ۲۵۶، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۲ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[۵] ثقہ، حافظ، فقیہ ، وفات ۲۹۰ یا ۲۹۱ھ (التقریب ۸۱۹) نیشاپور تشریف لائے اور یہیں وفات پائی۔ بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں اور بخاری کے بعد وفات پائی۔ مزید دیکھیے: تهذيب الكمال ۲۴/۳۰۸، سير اعلام النبلاء ۱۳/۵۸۱۔ اور بوشنج کو بعض نے سین سے لکھا ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳/۵۸۹۔ بوشنج: باء کی پیش، شین نقطہ دار، نون اور جیم کی سکون کے ساتھ ھرات کے نواح میں ایک شان دار شاداب شہر ہے۔ ھرات سے دس فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ معجم البلدان ۱/۵۰۸۔ (مؤلف)

[۶] مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔ اور اس میں قصہ مذکور ہے دیکھیے: تاريخ بغداد ۲/۱۷، ماتمسّ اليه حاجة القارئ ص ۲۶ ، تهذيب الكمال ۲۴/۴۵۰، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۳۔

[۷] انہی کا لقب ''بندار'' ہے اور ان سے امام بخاری نے ۲۰۵ احادیث بیان کی ہیں التہذیب (۹/۷۳) محمد بن بشار کا بھی قول ہے: ''محمد بن اسماعیل جیسا محدث ہمارے پاس کوئی نہ آیا'' تاريخ بغداد ۲/۱۷، تهذيب الكمال ۲۴/۴۵۰ ، تاريخ الاسلام ص ۲۵۶، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۱ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔ محمد بن بشار نے یہ بھی کہا: ''دنیا کے چار بڑے حفاظ ہیں: ابوزرعہ رے میں، دارمی سمرقند میں، محمد بن اسماعیل بخارا میں اور مسلم نیشاپور میں'' تاريخ بغداد ۲/۱۶ ، تهذيب الاسماء واللغات ۱/۱/۶۸ ، ماتمس اليه حاجة ←

۱۴۔علی بن حُجر :

علی بن حُجر جو بڑے پایہ کے محدث ہیں۔شریک اور اسماعیل بن جعفر کے تلمیذ اور امام بخاری، نسائی، مسلم اور ترمذی کے شیخ ہیں۔۲۴۴ھ میں وفات پائی۔ [1] فرماتے ہیں کہ خراسان نے تین شخصوں کو پیدا کیا۔اول ان میں امام بخاری ہیں اور امام بخاری سب میں زیادہ فقیہہ اور علم میں سب سے زیادہ ہیں، ان جیسا میرے علم میں کوئی نہیں۔ [2]

۱۵۔احمد بن اسحٰق سرماری:

سُرماری بہت بڑے ذی علم اور زاہد تھے، امام المحدثین کے شیخ تھے اور یعلی بن عبید جیسے لوگوں کے تلمیذ تھے۔۲۴۲ھ میں وفات پائی [3] فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ سچے اور واقعی فقیہہ کو دیکھے تو وہ محمد بن اسمٰعیل کو دیکھے۔ [4]

۱۶، ۱۷۔عمر بن زرارۃ اور محمد بن رافع :

ہر دو شیوخ کے متعلق حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں ایک روز امام بخاری صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کے پاس عمر بن زرارہ [5] اور محمد بن رافع [6] موجود تھے اور امام المحدثین پر علل حدیث کے سوالات پیش کر رہے تھے۔وقت رخصت ان دونوں نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا، امام بخاری کی شان میں غلطی نہ کرنا۔جس پایہ کے وہ فقیہہ ہیں، ان کی قدر شناسی کرو۔ان پر ہمارا رتبہ نہ بڑھاؤ۔وہ ہم سے فقاہت اور بصیرت اور علم میں بڑھے ہوئے ہیں۔ [7]

۱۸۔عبداللہ بن محمد بن سعید بن جعفر:

امام کے یہ استاد فرماتے ہیں کہ جب احمد بن حرب نیشاپوری [8] کا انتقال ہوگیا تو امام اسحٰق بن راہویہ اور امام

← القاری ص ۲۶، تهذيب الكمال ۴۴۹/۲۴، سير اعلام النبلاء ۴۲۳/۱۲، تذكرة الحفاظ ۵۸۹/۲، تهذيب التهذيب ۱۲۸/۱۰۔

[1] ثقہ، حافظ/ خ م ت س (التقریب ۱۹۱)۔

[2] تاريخ بغداد ۲۸/۲، تهذيب الاسماء واللغات ۶۹/۱/۱، تاريخ الاسلام ۲۵۶، سير اعلام النبلاء ۴۲۱/۱۲، تغليق التعليق ۴۰۸/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۴۔

[3] سُرماریؒ: سین کے پیش راء کی جزم میم مفتوح اس کے بعد الف اور راء۔یہ ''سرماری'' کی طرف نسبت ہے۔بخارا سے تین فرسخ کے فاصلہ پر ایک بستی تھی۔معجم البلدان ۲۱۵/۳ (مؤلف) مزی نے تهذيب الكمال ۲۶۱/۱ اور ذہبی نے سير اعلام النبلاء میں ۳۷/۱۳ پر ان کا ترجمہ رقم کیا ہے۔ان دو کے علاوہ بھی لوگوں نے ان کا تعارف بیان کیا ہے۔

[4] مقدمة الفتح ص ۴۸۴، تغليق التعليق ۴۰۸/۵ اور مزید دیکھیے: سير اعلام النبلاء ۴۱۷/۱۲ اور اس میں کچھ اضافے بھی ہیں۔

[5] ابو محمد نیشاپوری، ثقہ، ثبت، وفات ۲۳۸ھ/ خ م س التقریب ۷۳۵۔

[6] القشیری، نیشاپوری، ثقہ، عابد، وفات ۲۴۵ھ/ خ م د ت س التقریب ۸۴۴۔

[7] تاريخ بغداد ۲۷/۲، سير اعلام النبلاء ۴۲۹/۱۲، تغليق التعليق ۴۰۸/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۴۔

[8] ان کی وفات ۲۳۴ھ میں ہوئی۔ذہبی کا کہنا ہے: یہ کبار الفقہاء اور بڑے عبادت گزار لوگوں میں شامل تھے۔سير اعلام النبلاء ۳۲/۱۱ ←

بخاری جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے۔ میں نے اہل علم اور اہل بصیرت کو کہتے سنا کہ امام بخاری، اسحق بن راہویہ سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ ❶

۱۹۔ عبداللہ بن محمد فرھیانی: ❷

شیخ فرھیانی لکھتے ہیں کہ میں ابن اشکاب ❸ کی درس گاہ میں حاضر تھا۔ (ابن شکاب بڑے پایہ کے محدث، امام وقت تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں، الحافظ الامام۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔) ایک شخص نے (جو حفاظ حدیث میں گنا جاتا تھا) آ کر یہ کہا کہ ہم کو محمد بن اسماعیل (بخاری) کی حاجت نہیں۔ ابن شکاب یہ جملہ سن کر سخت رنجیدہ ہوئے۔ درس کو بند کر دیا اور ناخوش ہو کر مجلس درس سے اٹھ گئے۔ ❹

۲۰۔ موسیٰ بن قریش: ❺

آپ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن یوسف تنیسی ❻ نے امام بخاری سے کہا، انظرفی کتبی و اخبرنی بما فیھامن السقطِ. آپ میری کتابوں کو دیکھیے اور مجھے ان کی غلطیوں پر متنبہ کر دیجیے۔ امام بخاری نے فرمایا، نعم. ہاں۔ ❼

← اور مزید دیکھیے: تاریخ بغداد ۱۱۸/۴، المتفق والمفترق للخطیب البغدادی ۱۷۰/۱، میزان الاعتدال ۸۹/۱ وغیرہ بعض کتب۔

❶ تاریخ الاسلام ص ۲۵۵، سیراعلام النبلاء ۴۱۸/۱۲، طبقات السبکی ۲۲۳/۲، تغلیق التعلیق ۴۰۹/۵ مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴۔

❷ انہیں ''فرھاذان'' کی طرف نسبت کی وجہ سے ''الفرھاذانی'' بھی کہتے ہیں، حموی کا کہنا ہے: ''میرا خیال ہے خراسان میں نسا کے قرب و جوار میں یہ بستی واقع ہے، ابن عدی کا کہنا ہے: ''یہ امام نسائی کے دوستوں میں سے تھے، انہیں رجال کی خوب سمجھ تھی، ثبت تھے، ذہبی کا کہنا ہے: یہ تقریباً تین سو ہجری کے قریب فوت ہوئے۔ معجم البلدان ۲۵۸/۴، اللباب ۴۲۷/۲، سیراعلام النبلاء ۱۴۶/۱۴۔

❸ حافظ، امام، ثقہ، ابوجعفر محمد بن حسین بن ابراہیم بغدادی اور ان کے والد جو کہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے ''اشکاب'' لقب رکھتے تھے۔ تھذیب الکمال ۷۹/۲۵، تذکرۃ الحفاظ ۵۷۴/۲، سیراعلام النبلاء ۳۵۲/۱۲۔

❹ تاریخ بغداد ۲۳/۲، تغلیق التعلیق ۴۰۹/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴۔

❺ موسیٰ بن قریش بن نافع التمیمی البخاری، یہ امام مسلم کے استاد ہیں۔ ان کی وفات ۲۵۴ھ میں ہوئی، تھذیب الکمال ۱۳۳/۲۹، سیر اعلام النبلاء ۴۹/۱۳۔

❻ تنیسی: تاء کی زیر، نون کی زیر اور شد کے ساتھ، یاء ساکن اس کے بعد سین مھملہ تنیس کی طرف نسبت ہے۔ یہ بحر مصر میں خشکی کے قریب فرما اور دمیاط کے درمیان ایک جزیرہ ہے۔ معجم البلدان ۵۱/۲ (مؤلف)۔ یہ عبداللہ بن یوسف امام بخاری کے استاد ہیں۔ انھوں نے امام مالک سے مؤطا بھی روایت کی ہے۔ ابن معین کا کہنا ہے مؤطا میں عبداللہ بن یوسف اور قعنبی اثبت الناس ہیں۔ ان کی وفات ۲۱۸ھ میں ہوئی۔ سیر اعلام النبلاء ۳۵۸/۱۰۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے وقت امام بخاری کی عمر صرف ۲۴ برس کے قریب تھی۔

❼ سیر اعلام النبلاء ۴۱۹/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۴/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۳۔

یہ حیرت سے دیکھا جائے گا کہ امام بخاری اپنے شیوخ کے علمی مباحث چکانے کے لیے حکم مانے جاتے ہیں اور جو فیصلہ کرتے ہیں، بے تامل ان کے شیوخ مان لیتے ہیں حالانکہ وہ خود اس فن کے ماہر ہیں۔

۲۱۔الحمیدی:

امام المحدثین ایک روز اپنے شیخ علامہ حُمیدی کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ اتفاقاً علامہ حمیدی اور ایک دوسرے محدث کے مابین ایک حدیث میں اختلاف ہو رہا تھا۔ جب علامہ حمیدی نے امام بخاری کو دیکھا تو فرمایا کہ اب ہمارا فیصلہ ہو جائے گا۔ جب وہ بحث امام بخاری پر پیش کی گئی تو امام بخاری نے علامہ حمیدی کو ڈگری دی کیونکہ حق بجانب وہی تھے۔ [1] علامہ حمیدی بہت بڑے امام فن تھے۔ ان کی روایت بڑے پائے کی سمجھی جاتی ہے۔

۲۲۔ابوبکر المدینی: [2]

المدینی کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن اسحاق بن راہویہ کی مجلس درس میں موجود تھے۔ وہ ایک حدیث پر پہنچے جس کی سند میں صحابی کے شاگرد عطا کیخارانی [3] تھے۔ اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری سے پوچھا: "ایشٍ ھی"؟ کیخاران کیا ہے؟

امام المحدثین نے فرمایا، یمن کا ایک گاؤں ہے۔ اس کے بعد تفصیل بیان کی کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں ایک صحابی کو یمن بھیجا تھا۔ اسی وقت عطا کیخارانی نے یہ حدیثیں اس صحابی سے سنی تھیں۔ اسحاق بن راہویہ نے اس تحقیق کو سن کر امام المحدثین سے فرمایا کہ آپ نے ایسا مفصل بیان کیا کہ گویا آپ وہاں موجود تھے۔ [4]

۲۳۔فتح بن نوح نیشاپوری: [5]

کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ علی بن مدینی کی درس گاہ میں موجود تھا۔ امام المحدثین (بخاری) علی بن مدینی کے دائیں جانب بیٹھے تھے۔ جب علی بن مدینی کوئی حدیث بیان کرتے تو مرعوب ہو کر امام المحدثین کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے کہ

---

[1] مقدمۃ الفتح ۴۸۳، تغلیق التعلیق ۴۰۴/۵۔

[2] محمد بن عبداللہ بن نعیم المدینی نیشاپوری، حاکم نے انہیں اسحاق ابن راھویہ سے روایت کرنے والوں میں شمار کیا ہے (دیکھیے تعلیق دکتور بشار عواد بر تھذیب الکمال ۳۷۷/۲)، الاسامی والکنیٰ میں ان کی کنیت ابواحمد بیان کی ہے (۲۰۶/۲، ترجمۃ ۷۵۴)۔

[3] کَیْخَارَانِی: کاف اور خاء کے زبر کے ساتھ اور درمیان میں یائے ساکن۔ خلاصۃ تھذیب تھذیب الکمال ۲۶۷۔ الانساب ۱۹۳/۱۱ (مؤلف)

[4] تاریخ بغداد ۸/۲، تھذیب الکمال ۴۴۱/۲۴، سیر اعلام النبلاء ۴۱۵/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۶/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۳، تھذیب التھذیب ۴۹/۹۔

[5] ابونصر، انھوں نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کی اور ان سے احمد بن سلمہ نیشاپوری نے روایت کی (الجرح والتعدیل ۹۳/۷)

کہیں کوئی غلطی تو اس میں نہیں ہوئی۔ [1] امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے کسی ذی علم کے پاس سوائے علی بن مدینی کے اپنے کو بیٹھا نہ جانا کیونکہ وہ بڑے اہل کمال سے تھے۔ [2]

حامد بن احمد کہتے ہیں، جب اس کا ذکر علی بن مدینی سے کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"دعوا قوله فانه مارای مثله". [3]

یعنی امام بخاری کی بات چھوڑ دو کیونکہ انھوں نے اپنے جیسا کسی کو نہیں پایا۔

امام المحدثین کہتے ہیں، علی بن مدینی مجھ سے مشائخ خراسان کے حالات پوچھتے۔ جب میں محمد بن سلام بیکندی (امام بخاری کے قدیم شیخ ہیں) کا ذکر کرتا تو وہ اُسے نہ پہچانتے۔ آخر ایک دن کہنے لگے کہ اے ابو عبداللہ! جس کی تم خوبی بیان کرو وہ ہمارے نزدیک بھی اچھا ہے۔ [4] (نہ پہچاننے کے معنی ہوئے مستور الحال، نا قابل حجت ہونا۔ یہ ایک قسم کی جرح ہے۔) [5]

۲۴۔ عمرو بن علی الفلاس: [6]

ایک دفعہ عمرو بن علی فلاس کے شاگردوں نے ایک حدیث امام المحدثین سے پوچھی۔ امام نے فرمایا، لا اعرفه. مجھے نہیں معلوم۔ یہ سن کر سائلین کو بڑی خوشی ہوئی اور یہ سمجھے کہ امام بخاری کو یہ حدیث معلوم نہیں۔ وہ لوگ اپنے شیخ عمرو بن علی فلاس کے پاس گئے اور عرض کیا کہ ہم نے ایک حدیث امام بخاری سے پوچھی مگر وہ حدیث ان کو معلوم نہ

---

[1] تاریخ بغداد ۱۸/۲ ، تهذیب الکمال ۴۵۴/۲۴، تغلیق التعلیق ۴۰۶/۵، مقدمة الفتح ۴۸۳ .

[2] تاریخ بغداد ۱۷/۲ ، سیر اعلام النبلاء ۴۱۱/۱۲، تاریخ الاسلام ص ۲۵۲ ، تهذیب الکمال ۴۵۱/۲۴ ، الوافی بالوفیات ۲۰۸/۲ اور مندرجہ ذیل تعلیق بھی دیکھیں۔

[3] تاریخ بغداد ۱۸/۲، تهذیب الاسماء واللغات ۶۹/۱/۱ ، ماتمس الیه حاجة القاری ص ۲۶، تهذیب الکمال ۴۵۴/۲۴ ، تاریخ الاسلام ص ۲۵۵، سیر اعلام النبلاء ۴۲۰/۱۲ ، تغلیق التعلیق ۴۰۶/۵ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[4] بِیکَندِی باء کی زیر، یاء کی سکون، کاف کی زبر کے ساتھ۔ بیکند کی طرف نسبت ہے۔ بخارا و رجیحون کے درمیان بخارا سے ایک مرحلہ کے فاصلہ پر شہر ہے۔ معجم البلدان۔ تاریخ بغداد ۱۷/۲ ، تهذیب الکمال ۴۵۱/۲۴، تغلیق التعلیق ۴۰۶/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[5] کبھی کبھی محدث لفظ "لااعرف" اس کے لغوی مفہوم میں ہی استعمال کرتا ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک محدث کسی راوی کو نہیں پہچانتا حالانکہ دوسرے محدثین اس راوی سے متعارف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس خبر میں ہوا ہے۔ میں نے اپنی تحقیق کے مقدمہ میں اس موضوع پر بحث لکھی ہے جو میں نے "سوالات الآجری ابا داؤد" کتاب پر لکھی ہے۔ ۵۹/۱۔۶۱۔

[6] عمرو بن علی الفلاس، جرح وتعدیل کے آئمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق حافظ نے تقریب میں کہا، ثقہ، حافظ، وفات ۲۴۹ھ/ ع (ص ۷۴۱)۔

تھی۔ ابن فلاس نے کہا، جس حدیث کو امام بخاری نہ پہچانیں، وہ حدیث ہی نہیں۔ [1] یہ تمہاری خوشی بے موقع ہے۔ ابن فلاس کہا کرتے، میرے دوست محمد بن اسماعیل جیسا خراسان میں کوئی نہیں۔ [2]

۲۵۔ حافظ رجاء بن المرجّا:

موصوف بڑے پایہ کے محدث ہیں، خطیب کہتے ہیں، [3] **امام فی علم الحدیث.** ان کے اوصاف جوّال، رحّال اور مصنف مشہور اوصاف ہیں۔ ۲۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔ [4] فرمایا کرتے: ''**فضل محمد بن اسماعیل علی العلماء کفضل الرجال علی النساء**''. امام بخاری کی فضیلت سارے علماء (فقہاء محدثین) پر ایسی ہے جیسے مردوں کو عورتوں پر۔ اور فرماتے:

''**هو آیة من آیات الله تمشی علی ظَهْرِ الارض**''. [5]

یعنی امام بخاری خدا کی ایک نشانی ہیں جو زمین پر چلتی پھرتی ہے۔

۲۶۔ حسین بن حریث:

موصوف امام بخاری، ترمذی اور مسلم کے شیخ ہیں اور عبداللہ بن مبارک، فضل بن موسیٰ اور نضر بن شمیل جیسے تبع تابعیوں کے شاگرد ہیں، بہت بڑے شخص ہیں۔ ۲۴۴ھ میں وفات پائی [6] فرمایا کرتے:

''**ما رایت مثل محمد بن اسماعیل کانه لم یخلق الا للحدیث**''. [7]

میں نے امام بخاری جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ تو گویا رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں ہی کی خدمت کے لیے پیدا

---

[1] تاریخ بغداد ۱۸/۲ ، تهذیب الاسماء واللغات ۶۹/۱/۱ ، ماتمس الیه حاجة القاریٔ ص ۲۶ ، تهذیب الکمال ۴۵۴/۲۴ ، تاریخ الاسلام ص ۲۵۶، تغلیق التعلیق ۴۰۷/۵ ، التهذیب ۵۰/۹ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۴۲۹/۱۲ ، تغلیق التعلیق ۴۰۷/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۳۔

[3] تاریخ بغداد ۴۱۰/۸، ۴۱۱ ، الفاظ اس طرح ہیں: ''امام فی علم الحدیث و حفظه والمعرفة به'' ۔

[4] الخلاصه ص ۱۱۷، اور وہ شیوخ البخاری کے طبقہ سے ہیں اور حافظ ابن حجر نے ان کا یہ قول بھی شیوخ البخاری کے اقوال کے ضمن میں ذکر کیا ہے لیکن صحیح میں ان کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ البتہ امام ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ان کی روایات نقل کی ہیں۔ دیکھیے: تهذیب الکمال ۱۶۸/۹ ، تذکرة الحفاظ ۵۴۲/۲ ، سیر اعلام النبلاء ۹۸/۱۲۔

[5] تاریخ بغداد ۲۵/۲، سیر اعلام النبلاء ۴۲۷/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۶/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۳، ۴۸۴

ذہبی کی تاریخ السلام ص ۲۵۳ اور سیر اعلام النبلاء ۴۱۳/۱۲ میں رجاء الحافظ اور امام بخاری کے درمیان ہونے والے علمی مکالمہ سے امام بخاری کی وسعت علم، حفظ اور ذہنی سوچ کی رسائی کا پتہ چلتا ہے۔ دیکھیے: تاریخ بغداد ۲۶/۲ ۔

[6] ان کے ترجمہ اور مصادر ترجمہ کے لیے دیکھیے تهذیب الکمال ۳۵۸/۶، سیر اعلام النبلاء ۴۰۰/۱۱ ۔

[7] سیر اعلام النبلاء ۴۲۲/۱۲ ، مقدمة الفتح ص ۴۸۴۔

کیے گئے ہیں۔

۲۷، ۲۸۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن عبداللہ بن نمیر:

ان عظیم شیوخ سے کون ناواقف ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے امام بخاری جیسا اہل کمال کسی کو نہیں دیکھا۔ [1] امام ابوبکر بن ابی شیبہ امام صاحب کو بازل یعنی کامل کہا کرتے۔ [2]

۲۹۔ عبداللہ بن منیر:

فربری کہتے ہیں [3] کہ میں نے عبداللہ بن منیر کو دیکھا کہ امام بخاری سے احادیث لکھ رہے ہیں اور فرماتے ہیں، انا من تلامذته. حالانکہ وہ امام صاحب کے شیوخ سے ہیں۔ امام صاحب نے صحیح بخاری میں بہت سی حدیثیں ان سے روایت کی ہیں۔ امام المحدثین خود ان کی مدح میں فرماتے: "لم ارمثله". ان کی وفات اور امام احمد بن حنبل کی وفات ایک سنہ میں واقع ہوئی۔ [4]

۳۰۔ یحییٰ بن جعفر بیکندی:

محمد بن ابوحاتم وراق کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن جعفر بیکندی کو کہتے ہوئے سنا، کاش! میں اپنی عمر کا ایک حصہ امام بخاری کی حیات میں بڑھا دیتا۔ میری موت ایک عام آدمی کی موت ہوگی اور امام بخاری کی موت علم کی موت ہے۔ [5] اور میں نے انہیں امام بخاری سے فرماتے ہوئے سُنا: اگر آپ نہ ہوتے تو بخارا میں زندگی خوش گوار نہ ہوتی۔ [6]

---

[1] تاریخ بغداد ۱۹/۲ ، المنتظم ۱۱۶/۱۲، تہذیب الکمال ۴۵۲/۲۴ ، تاریخ الاسلام ص ۲۵۶، سیر اعلام النبلاء ۴۲۲/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۷/۵ ، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴۔

[2] مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴ ، تغلیق التعلیق ۴۰۷/۵، تہذیب التہذیب ۵۱/۹۔

ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں وراق کے واسطہ سے ابن ابی شیبہ والی پوری بات نقل کرتے ہوئے کہا: میں نے ابراہیم بن محمد بن سلام سے سنا وہ کہتے تھے: میں ابوبکر ابن ابی شیبہ کے ہاں حاضر ہوا تو ایک آدمی کو ان کی مجلس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوبکر نے ابوعبداللہ سے سفیان کی احادیث پر مناظرہ کیا تو سب حدیثیں جان لیں۔ پھر محمد اس کے پاس آئے اور اُسے دوسو غریب حدیثیں دیں تو اس کے بعد ابوبکر یہ لفظ کہا کرتے تھے: "ذلك الفتى البازل" (وہ تجربہ کار نوجوان) بازل: بوڑھے اونٹ کو بھی کہتے ہیں لیکن یہاں علمی بصیرت والا اور بہادر مراد ہے (سیر اعلام النبلاء ۴۲۵/۱۲)۔

[3] یہ جعفر محمد الفربری ہیں جیسا کہ سیر اعلام النبلاء میں اس موقع پر درج ہے ۴۲۴/۱۲ ، یہ صحیح بخاری کے راوی محمد بن یوسف الفربری کے علاوہ الگ راوی ہے۔

[4] تغلیق التعلیق ۴۰۷/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴. اور ان کا یہ قول کہ "کان من شیوخ البخاری...... الخ" حافظ ابن حجر کی تعلیق ہے۔ مزید دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۴۱۴/۱۲، ۴۱۵۔

[5] اس کی تخریج امام بخاری کی وفات کے ذکر پر گزر چکی ہے۔

[6] امام ذہبی کی تاریخ الاسلام ص ۲۵۵ ، سیر اعلام النبلاء ۴۱۸/۱۲ ، تغلیق التعلیق ۴۰۸/۵، مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۴۔

۳۱۔عبداللہ بن محمد المسندی:

امام المحدثین کے شیخ المسندی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل بخاری امام ہیں۔ جو ان کو امام نہ جانے، اُسے متّہم سمجھو۔[1] اور یہ بھی فرمایا کہ حفاظ (دنیا میں) تین ہیں۔ اوّل ان میں امام بخاری ہیں۔[2]

۳۲۔اسحاق بن راھویہ:

حاشد کہتے ہیں، ایک دفعہ ہم لوگ امام بخاری کی درس گاہ میں حاضر تھے۔ اسحاق بن راھویہ اور عمرو بن زرارہ بھی موجود تھے، عمرو بن زرارہ امام بخاری کے مستملی تھے اور محدثین امام بخاری سے حدیثیں لکھ رہے تھے۔ اسحاق بن راھویہ لوگوں سے کہتے جاتے تھے: ''محمد بن اسماعیل ابصر منی''. امام بخاری مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاری اس وقت سبزہ آغاز جوان تھے۔[3]

امام بخاری اپنے اقران ومعاصرین کی نظر میں

''المعاصرۃ سبب المنافرۃ'' ایک مشہور مقولہ ہے۔ معاصرین کی چشمک سے بچنا بہت ہی مشکل امر ہے۔ یہ عادت قریباً طبیعت میں داخل ہوتی ہے کہ جو اہل فن اہل کمال ایک زمانہ میں ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف کما حقہ نہیں کرتے، الا ماشاء اللہ۔ جب ایک ہی عہد کے دو ہم فن اہل کمال کے دل ٹٹولے جاتے ہیں تو ان کی باہمی بے پروائی رقابت کے اثر سے کم وبیش پرخاش ومغائرت کی حد تک ترقی کی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام بخاری کے بارے میں ان کے ان معاصرین کی آراء واقوال کو نقل کریں جن کا فضل وکمال مانا ہوا ہے اور وہ باوجود معاصرت کے امام صاحب کے کمالات کو صرف حیرت ہی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے فضل وکمال کا اعتراف ایسے الفاظ میں کرتے ہیں جن سے امام صاحب کی اعلیٰ درجہ کی علمی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور ہر منصف مزاج کے لیے ان کی خداداد فقاہت اور قوت حافظہ اور فہم وتبحر علمی کے اندازہ کرنے کا پیمانہ ہاتھ لگتا ہے۔ گو صحیح بخاری کے ہوتے ہوئے ان خارجی شہادتوں کی ضرورت نہیں۔

---

[1] تغلیق التعلیق ۴۰۸/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴، تھذیب الاسماء واللغات ۶۹/۱/۱، ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۲۷۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۴۲۴/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۸/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴ اور ان میں ''حاشد بن اسماعیل'' کو بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا کہ وہ امام بخاری کے مناقب عموماً بیان کرتے رہتے تھے۔
حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے: ''حاشد بن اسماعیل بن عیسیٰ بخاری، الغزال الحافظ شاش کے محدث، عصر حاضر کے ایک بڑے امام، وفات ۲۶۱ھ اور ان کے ترجمہ میں ابوجعفر المسندی کا بھی یہی قول ذکر ہوا ہے (۵۶۴/۲) انہی سے حافظ سیوطی نے بھی طبقات الحفاظ میں نقل کیا ص ۲۴۳۔

[3] سیر اعلام النبلاء ۴۲۹/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۰۸/۵، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۴۔

۱۔امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ خراسان میں امام بخاری جیسا کوئی احفظ نہیں ہوا اور نہ خراسان سے عراق کی طرف امام بخاری جیسا کوئی ذی علم آیا۔ [1]

۲۔محمد بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوزرعہ سے ابن لہیعہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا، تَرَکَہٗ ابو عبدالله۔یعنی امام بخاری نے اسے متروک کر دیا ہے۔پھر اس کے بارے میں کیا پوچھنا ہے۔ [2]

۳۔حسین بن محمد معروف بہ عُبَیْدا لعجل [3] کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔امام مسلم سب کچھ تھے لیکن امام بخاری کے رتبے کو نہ پہنچ سکے اور میں نے امام ابوزرعہ اور ابو حاتم رازی کو امام بخاری کی باتوں پر کان لگا کر دھیان سے سنتے دیکھا۔امام المحدثین کی نسبت العجل کے اور الفاظ یہ ہیں:

”کان امة من الامم دَیِّنا فاضلا یحسن کل شئی و کان اعلم من محمد بن یحییٰ بکذا و کذا“۔ [4]

یعنی امام بخاری ایک امت تھے۔بڑے دیانت دار اور ہر فن کو اچھا جانتے تھے۔اور محمد بن یحییٰ ذہلی سے کئی گونہ بڑھ کر تھے۔

۴۔عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی صاحب السنن فرماتے ہیں کہ میں حرمین، حجاز، شام، عراق سب جگہ پھرا۔اور علماء سے ملاقات کی لیکن امام بخاری جیسا جامع کسی کو نہیں پایا۔ [5] امام بخاری ہم سے کہیں بڑھ کر فقیہہ طالب علم حدیث

---

[1] تغلیق التعلیق ۴۰۹/۵، مقدمة فتح الباری ص ۴۸۴، نیز دیکھیے تاریخ بغداد ۲۳/۲، تقیید المهمل ۱/۱۰، تاریخ دمشق ۴۳/۱۵/ب، تهذیب الکمال ۴۵۹/۲۴، تاریخ الاسلام ص ۲۴۷، ۲۵۸ سیر اعلام النبلاء ۴۳۱/۱۲، ۴۳۳، طبقات السبکی ۲۲۳/۲، تحفة الاخباری ص ۲۰۱، ان بعض مصادر میں یہ بات اوپر متن میں مذکور سے زیادہ بلکہ پوری لکھی ہوئی ہے۔

[2] مقدمة فتح الباری ص ۴۸۴، تغلیق التعلیق ۴۰۹/۵ اور خطیب بغدادی نے اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ میں نے ان سے محمد بن حمید رازی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اسے ابوعبداللہ (بخاری) نے ترک کیا ہے۔محمد بن حریث نے کہا میں نے یہ بات محمد بن اسماعیل (بخاری) کو بتائی تو انھوں نے کہا ہمارے ساتھ (ابوزرعہ) کی یہ نیکی یا ان کا یہ احسان قدیم ہے۔ (۲۳/۲) نیز محمد بن حمید کے حالات تهذیب الکمال ۴۵۸/۲۴، سیر اعلام النبلاء ۳۴/۱۲ اور تهذیب التهذیب ۱۳۰/۹ میں دیکھیے۔

[3] فتح الباری کے مقدمہ میں ”الحسین بن محمد بن عبید المعروف بالعجلی“ لکھا گیا ہے ہم نے تغلیق التعلیق لابن حجر اور دیگر مصادر سے اس کی تصحیح کی ہے۔اور وہ حسین بن محمد بن حاتم بغدادی ہیں، امام اور حافظ نیز تجوید کے ماہر تھے۔یحییٰ بن معین کے شاگرد تھے۔ابن معین ہی نے ان کا لقب عبید العجل رکھا تھا۔۲۹۴ھ میں وفات پائی۔خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ، متقن اور حافظ تھے۔ تاریخ بغداد ۹۳/۸، تذکرۃ الحفاظ ۶۷۲/۲، سیر اعلام النبلاء ۹۰/۱۴

[4] تغلیق التعلیق ۴۰۹/۵، مقدمة الفتح ص ۴۸۳ ۔ ان دونوں مراجع میں کچھ اختصار ہے اور تاریخ بغداد ۳۰/۲ اور سیر اعلام النبلاء ۴۳۶/۱۲ میں مکمل بات ہے۔

[5] تاریخ بغداد ۲۸/۲، تهذیب الاسماء واللغات ۶۹/۱/۱، ماتمس الیه حاجة القاری ص۲۷، تاریخ الاسلام ص ۲۵۷، سیر اعلام النبلاء ۴۳۲/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۱۰/۵، مقدمة فتح الباری ص ۴۸۵۔بعض میں عراقین کا لفظ ہے یعنی کوفہ اور بصرہ ←

تھے۔ ❶

امام دارمی سے ایک حدیث کی صحت کا سوال کیا گیا جس کی تصحیح امام بخاری کر چکے تھے۔ امام دارمی نے امام صاحب کی تصحیح مان کر سائل سے فرمایا۔ امام بخاری مجھ سے کہیں بڑھ کر بصیرت والے ہیں۔ امام دارمی کے اور الفاظ یہ ہیں:

"ھو اکیس خلق اللہ، عقل عن اللہ ما امر به و نھی عنه فی کتابه و علی لسان نبیه ﷺ،اذا قرأ محمد القرآن شغل قلبه و بصره و سمعه و تفکر فی امثاله و عرف حلاله من حرامه" ❷

یعنی امام بخاری خدا کی مخلوق میں بڑے ہوشیار و دانا ہیں۔ خدا نے قرآن میں یا اپنے نبی کی زبان پر (احادیث نبویہ میں) جو احکام فرمائے یا جس سے منع کیا' ان کو امام بخاری نے خوب سمجھا۔ جب وہ قرآن

← تھذیب التھذیب ۹/۵۳۔

❶ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۶ اور اس میں (وَاَغْوَصُنَا) کا لفظ بھی ہے یعنی علمی جواہرات کی تلاش میں سب سے زیادہ غوطہ زنی کرنے والے۔ تغلیق التعلیق ۵/۴۱۰ ، مقدمة فتح الباری ص ۴۸۵۔

❷ تغلیق التعلیق ۵/۴۱۰، مقدمة الفتح ص ۴۸۵، اور پوری عبارت سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۵ میں ہے اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام دارمی کا کہنا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل (بخاری) مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں اور یہ ان سے کئی طرق سے مروی ہے۔ تاریخ الاسلام ص ۲۵۷ للذھبی۔

اور السیر میں ہے کہ امام دارمی سے سالم بن ابی حفصہ کی حدیث کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے یہ حدیث محمد (امام بخاری) کے ساتھ لکھی تھی، وہ فرماتے تھے کہ سالم ضعیف راوی ہے ۔دارمی سے سوال ہوا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا محمد (بخاری) مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ نیز دارمی نے کہا کہ امام بخاری نے حدیث کا علم ہماری طرح طلب نہیں کیا۔ ہماری طلب حدیث اور ان کی طلب حدیث میں بڑا فرق ہے۔ جب بھی کسی راوی کی حدیث میں نظر کرتے تھے تو تحقیق میں انتہا کر دیتے تھے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۷۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام دارمی سے امام بخاری کی کتاب الادب المفرد کے بارے سوال ہوا کہ کیا آپ نے اس میں کوئی بے فائدہ بات یا کمزور حدیث دیکھی ہے؟ تو جواب دیا کہ محمد بن اسماعیل (بخاری) تو لوگوں پر صحیح حدیث ہی پیش کرتے ہیں، کیا امام بخاری پر انکار کیا جائے؟ السیر ۱۲/۴۲۷۔

یہ اکثر واغلب پر محمول ہے کیوں کہ یہ بات معروف ہے کہ امام بخاری نے الادب المفرد میں صحت حدیث کا التزام نہیں کیا جیسا کہ جامع صحیح میں کیا ہے اور الادب المفرد کی اغلب احادیث صحیح یا حسن ہیں لیکن اس میں کچھ احادیث ضعیف بھی ہیں جیسا کہ علامہ شیخ البانی نے ان کی تحقیق کی ہے اور دو قسموں میں کر دیا ہے صحیح الادب المفرد اس میں ۹۹۳ احادیث ہیں اور ضعیف الادب المفرد اس میں ۲۱۷ احادیث ہیں۔

لیکن اس میں کوئی سخت ضعیف یا موضوع من گھڑت حدیث نہیں ہے سوائے ایک حدیث کے جس کے بارے میں شیخ البانی نے "ضعیفٌ جدًا" کہا ہے دیکھیں حدیث نمبر ۸۹ الشاۃ فی البیت برکة۔

پڑھتے، ان کی آنکھ، ان کا کان اور ان کا دل قرآن میں گڑ جاتا۔ وہ اس کے کلمات میں غور کرتے۔ اس کے حلال وحرام کو پہچانتے۔

۵۔ ابوالطیب حاتم بن منصور فرماتے ہیں: ''امام بخاری بوجہ علمی بصیرت اور عبور کے خدا کی ایک نشانی ہیں''۔ [1]

۶۔ ابوسھل محمود بن النضر فقیہہ کہتے ہیں کہ میں بصرہ، کوفہ، شام، حجاز سب جگہ پھرا اور ہر جگہ کے علماء سے ملا۔ جب امام بخاری کا تذکرہ ان کے درمیان میں ہوتا تو سب کے سب بالاتفاق امام بخاری کو اپنے اوپر فضیلت دیتے۔ [2]

مزید کہتے ہیں کہ میں نے مصر میں تیس اہل کمال سے زیادہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ہماری آرزو دنیا میں صرف یہی ہے کہ امام بخاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہیں۔ ان کی زیارت سے ہماری آنکھیں منور ہوتی رہیں۔ [3]

۷۔ صالح بن محمد جزرہ [4] کہتے ہیں: ''ما رایت خراسانیا افھم من محمد بن اسماعیل''۔ [5]

یوں بھی فرمایا: ''کان احفظھم للحدیث''۔ [6]

جب امام بخاری نے دارالعلوم بغداد میں درس حدیث کی مجلس املاء منعقد کی تو صالح بن محمد امام صاحب کے مستملی تھے۔ صالح بن محمد کہتے ہیں کہ امام صاحب کی درس گاہ کے حاضرین کی تعداد بیس ہزار تھی۔ [7]

---

[1] تاریخ الاسلام ص ۲۵۷، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۷، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۰، مقدمۃ فتح الباری ۴۸۵۔

[2] تاریخ بغداد ۲/۱۹، تقییدالمھمل ۹/ب، تاریخ دمشق ۱۵/۵۱ ب، تہذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۶۹، ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۲۷، تہذیب الکمال ۲۴/۴۵۲، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۲، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۲، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۰، تہذیب التہذیب ۹/۵۱، مقدمۃ فتح الباری ۴۸۵۔

[3] تغلیق التعلیق ۵/۴۱۰، مقدمۃ الفتح ۴۸۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۲۶ میں ہے ''النظر الی تاریخ محمد بن اسماعیل''۔

[4] وہ امام، حافظ کبیر، حجت اور محدث مشرق ابوعلی اسدی بغدادی تھے۔ لقب ان کا جزرہ تھا اور بخارا کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ یعنی امام بخاری کے ہم وطن تھے۔ ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۳۔

[5] تاریخ بغداد ۲/۲۲، التقیید ۱/۱۱ تہذیب الاسماء اللغات ۱/۱/۶۸۔ الکمال ۲۴/۴۵۷، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۱، مقدمۃ الفتح ۴۸۵۔

[6] تغلیق التعلیق ۵/۴۱۱، مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۵ اور سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۳ میں ہے کہ صالح جزرہ سے دارمی، بخاری اور ابوزرعہ کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے کہا: حدیث کا علم اور فہم تو امام بخاری کو زیادہ ہے اور حفظ ابوزرعہ کا زیادہ ہے، اور تاریخ بغداد ۲/۲۲ اور تہذیب الکمال ۲۴/۴۵۷ میں اس سے بھی زیادہ مکمل لکھا ہے۔ اسی طرح ابن نقطہ کی التقیید ۱/۱۰ میں بھی زیادہ ہے۔ ان میں یہ ہے کہ صالح جزرہ نے کہا محمد بن اسماعیل اور ابوزرعہ ان سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے اور کثرت احادیث میں بھی سب سے زیادہ تھے۔ تہذیب الاسماء واللغات ۱/۶۸۔

[7] مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۵، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۱ نیز دیکھیے: الجامع لاخلاق الراوی ۲/۱۲ بتحقیق دکتور رأفت، ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص ۱۷، تہذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۰، ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۲۹، تہذیب الکمال ۲۴/۴۵۲، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۳، تحفۃ الاخباری ص ۱۹۲۔

۸۔محمد بن عبدالرحمٰن الدغولی [1] کہتے ہیں، بغداد کے اہل علم نے امام بخاری کو ایک خط لکھا جس میں امام صاحب کو مخاطب کر کے یہ شعر لکھا ؂

المسلمون بخیرٍ ما بَقِیتَ لھم
و لیس بعدك خیر حین تُفْتَقَدُ [2]

''یعنی امام بخاری جب تک تم زندہ ہو، مسلمانوں میں خیر و برکت ہے۔ خدانخواستہ آپ جس وقت نہیں رہیں گے تو اس وقت خیر و برکت کہاں۔''

۹۔امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کہتے ہیں، امام بخاری سے بڑھ کر احادیث رسول اللہ ﷺ کا عالم آسمان کے نیچے کوئی نہیں ہے۔ [3]

۱۰۔ابو عمرو خفاف کہتے ہیں [4] کہ امام بخاری علم حدیث میں امام احمد و اسحاق سے بیسیوں درجہ بڑھ کر ہیں۔ جو

---

[1] وہ امام، علامہ، حافظ اور تجوید کے امام شیخ خراسان ابو العباس سرخسی دغولی ہیں۔ ۳۲۵ھ میں وفات پائی۔ فرماتے ہیں کہ چار مجلدات ایسی ہیں جو سفر اور حضر میں مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ ان میں سے ایک تاریخ بخاری ہے، طبقات علماء الحدیث ۱۰/۳، سیر اعلام النبلاء ۵۵۷/۱۴، طبقات الحفاظ ص ۳۴۳، ان کا پوتا بھی ابو العباس محمد بن عبدالرحمٰن دغولی کے نام سے معروف ہے۔ اس کی تاریخ وفات ۳۶۵ھ ہے۔ دیکھیے: الانساب ۳۵۹/۵، دغولی کسی شخص کا نام ہے اور سرخس شہر میں موٹی روٹی کو دغول کہا جاتا ہے۔ شاید اس کے آباء واجداد میں کوئی ایسا شخص گزرا ہو جو اس طرح کی روٹی پکاتا ہو۔ الانساب ۳۵۹/۵ اور اللباب ۵۰۴/۱۔

[2] تاریخ بغداد ۲۲/۲، تقیید المھمل ۹/ب، تاریخ دمشق ۱/۵۲/۱۵، التقیید ۱۱/۱، الصغانی ص ۳، تھذیب الکمال ۴۵۸/۲۴، سیر اعلام النبلاء ۴۳۴/۱۲، البدایۃ والنھایۃ ۲۶/۱۱، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۳، تغلیق التعلیق ۴۱۱/۵، التھذیب ۵۱/۹، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۵۔

[3] تاریخ بغداد ۲۷/۲، التقیید ۱۰/۱، الصغانی ص ۳، تھذیب الاسماء واللغات ۷۰/۱/۱، ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۲۹، تاریخ الاسلام ۲۴۶، ۲۵۷، سیر اعلام النبلاء ۴۳۱/۱۲، طبقات السبکی ۲۱۸/۲، البدایۃ والنھایۃ ۲۶/۱۱ تغلیق التعلیق ۴۱۱/۵، تھذیب التھذیب ۵۲/۹، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۵ مذکورہ الفاظ اسی کے ہیں۔ اور السیر میں ہے: میں نے آسمان کے نیچے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے بڑھ کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالم اور حافظ کسی کو نہیں دیکھا۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی کا قول ہے کہ آپ کو امام الائمہ امام ابن خزیمہ کی گواہی ہی کافی ہے کیونکہ مشرق و مغرب میں ان کی ملاقات بڑے بڑے مشائخ اور آئمہ سے ہوئی ہے، وہ امام صاحب کے حق میں یہ مذکورہ گواہی دے رہے ہیں، نیز ابو الفضل نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ بات کچھ قابل تعجب نہیں ہے کیونکہ امام ابن خزیمہ نے تو امام بخاری سے اس وقت ملاقات کی تھی جب کہ ان کی جوانی ڈھل چکی تھی۔ امام بخاری کے حق میں تو تمام مشائخ نے گواہی دی ہے اور ان کے جوانی کے عالم میں انھوں نے ان کو اپنے سے مقدم سمجھا اور اس پر انھوں نے اجماع کیا ہے یہ بات امام نووی نے ذکر کی ہے۔ دیکھیے: ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۲۹ تھذیب الاسماء واللغات ۷۰/۱/۱۔

[4] وہ حافظ کبیر، قدوہ، شیخ الاسلام ابو عمرو احمد بن نصر بن ابراہیم نیشاپوری المعروف بہ خفاف ہیں ۲۹۹ھ میں وفات پائی اور ان کی عمر ۸۰ سال ہوئی۔ سیر الاعلام ۵۶۰/۱۳۔

شخص امام بخاری کے بارے میں کلام کرے گا، اس پر میری طرف سے ہزاروں لعنتیں ہیں۔ [1] اگر امام بخاری اس دروازہ سے گزر جائیں اور میں حدیث بیان کرتا ہوں تو میں رعب سے بھر جاؤں۔ [2]

۱۱۔ عبداللہ بن حماد آملی [3] کہتے ہیں، میری یہی تمنا تھی کہ میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا اور جو شرف اس بال کو حاصل ہے، مجھے حاصل ہوتا۔ [4]

۱۲۔ سُلیم بن مجاہد کہتے ہیں، ساٹھ برس گزر گئے کہ میں نے کسی کو امام بخاری سے زیادہ فقیہ اور پرہیزگار نہیں دیکھا۔ [5]

۱۳۔ حافظ موسیٰ بن ہارون حمال بغدادی کہتے ہیں کہ میری تحقیق ہے کہ اگر کل اہل اسلام مجتمع ہو کر امام بخاری جیسا شخص دکھلانا چاہیں تو نہ دکھلا سکیں۔ [6]

---

[1] تاریخ بغداد ۲/۲۷، تاریخ دمشق ۱۵/۴۸/۱، تاریخ الاسلام ص ۲۵۰،۲۵۸، سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۳۵، ۴۳۶، طبقات السبکی ۲۲۱، ۲۲۵، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۲، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۲ ، مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۵۔

[2] تاریخ بغداد ۲/۲۸، تاریخ دمشق ۱۵/۴۸/۱، طبقات السبکی ۲/۲۲۱/۲۲۵، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۳، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۲، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۵، تہذیب التہذیب ۹/۵۴.

ابوعمرو خفاف نے امام صاحب سے روایت بیان کرتے وقت ان کے لیے تعریفی کلمات یوں بھی کہے ہیں: حدثنا محمد بن اسماعیل التقی النقی العالم الذی لم ار مثلہ یعنی ہمیں محمد بن اسماعیل نے حدیث بیان کی جو کہ متقی اور ایسے عالم ہیں کہ جن کی مثل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

تاریخ بغداد ۲/۲۸، تاریخ دمشق ۱۵/۵۱/ب ، تہذیب التہذیب ۹/۵۴، تہذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۶۹، ماتمس الیہ حاجۃ القاریٔ ص ۲۸، تاریخ الاسلام ۲۵۸، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۶، ۴۴۲، طبقات السبکی ۲۲۵، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۲، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۵۔

[3] ماہر امام حافظ اور ثقہ تھے ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن آملی ہے۔ آمل جیحون بلاد مرو میں سے چھوٹا سا شہر ہے۔ ۲۷۳ھ میں وفات پائی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۲۶۹ ھ میں فوت ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے لیکن امام ذہبی نے اس کی نفی کی ہے۔ تہذیب الکمال ۱۴/۴۲۹، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۶۱۱، تقریب ص ۵۰۱، اصل اردو سیرت بخاری اور مقدمہ فتح الباری میں آملی کی جگہ ایلی لکھا گیا ہے جو محرف ہے۔

[4] تاریخ بغداد ۲/ ۲۸، تاریخ دمشق ۱۵/۵۱/ ب، تہذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۷۰، ماتمس الیہ حاجۃ القاریٔ ص ۲۸، تاریخ الاسلام ۲۵۸، سیر الاعلام ۱۲/۴۳۷،۴۴۲ ، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۳، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۲، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۵۔

[5] تاریخ الاسلام ص ۲۶۳، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۹، طبقات الشافعیۃ للسبکی ۲/۲۲۷، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۲، مقدمۃ الفتح ۴۸۵۔

[6] تاریخ بغداد ۲/۲۲، تاریخ دمشق ۱۵/۴۹/ب، التقیید ۱/۱۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۴، تحفۃ الاخباری ص ۲۰۳، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۳.

تقیید المہمل اور مقدمہ فتح الباری وغیرہ سے بخیال اختصار مشاہیر فضلاء کے چند نام گنائے گئے جن کا علم و فضل مسلم ہے اور جن کی تحقیقات پر اہل اسلام ناز کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ لکھنے کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ اس کے لیے طبقات کبریٰ، الفوائد الدراری، مقدمہ فتح الباری کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام بخاری فضلائے متأخرین کی نظر میں

امام بخاری کی مدح و ثنا میں اگر متأخرین کے اقوال نقل کیے جائیں تو کتنے دفتر لکھنے پڑیں۔ حافظ ابن حجر کا یہ مقولہ نہایت صحیح ہے:

"ولو فتحت باب ثناء الائمة عليه ممن تاخر عن عصره لَفَنِيَ القرطاس و نفدت الانفاس، فذالك بحر لا ساحل له، و انماذكرت كلام ابن عقدة [1] و ابی احمد [2] عنوانا لذلك. و بعد ما تقدم من ثناء كبار مشائخه عليه لا يحتاج الى حكاية من تأخر، لانَّ اولئك انما اثنوا بما شاهدوا و اوصفوا بما علموا بخلاف من بعدهم فان ثناؤهم ووصفهم مبنى على الاعتماد و على ما نقل اليهم و بين المقامين فرق ظاهر و ليس العيان كالخبر". [3]

"یعنی امام بخاری کی مدح میں اگر متأخرین کے اقوال نقل کرنا شروع کروں تو کاغذ ختم ہو جائے اور عمر صرف ہو جائے۔ متأخرین کی مدح سرائی بحر بے پایاں ہے۔ متأخرین میں ابن عقدہ اور ابو احمد کے اقوال میں نے بطور نمونہ کے نقل کیے ہیں کیونکہ مشائخ کبار کی مدح کے بعد متأخرین نے وہی باتیں کہیں جو متقدمین سے

---

[1] وہ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید کوفی ہیں۔ حافظ علامہ اور کبار علمائے حدیث میں سے تھے اور ان میں کچھ ضعف ہے۔ ۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ سیر اعلام النبلاء ۱۵/۳۴۰۔
اور ان کا یہ کہنا کہ اگر کوئی شخص تیس ہزار احادیث بھی لکھ لے تو پھر بھی محمد بن اسماعیل کی تاریخ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ بغداد ۲/۸، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۳، تہذیب التہذیب ۹/۴۸، مقدمة الفتح ۴۸۵۔

[2] ابو احمد حاکم کبیر محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ۳۷۸ھ کو وفات پانے والے مشہور کتاب الاسامی والکنی کے مصنف ہیں۔ انھوں نے بخاری کے بارے میں فرمایا ہے کہ امام بخاری حدیث کی معرفت اور اس کو جمع کرنے میں یکتا امام تھے۔ اگر میں کہوں کہ میں نے حسن و خوبصورتی اور انتہائی تحقیق میں کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جو محمد بن اسماعیل کی کتاب کے مشابہ ہو تو میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں۔ مقدمة الفتح ص ۴۸۵ اور تغلیق التعلیق ۵/۱۳ کے آخر میں مزید ہے کہ میں اپنی اس بات میں سچا ہونے کی امید رکھتا ہوں۔

[3] مقدمة الفتح ص ۴۸۵ امام نووی نے کہا ہے کہ جان رکھو کہ امام بخاری کا بلندیٔ مقام اور علم حدیث میں افاضل اور اپنے ساتھیوں پر مقدم ہونا پہلے اور بعد کے زمانہ میں متفق علیہ ہے اور ان کی فضیلت میں اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی تعریف اور اُن کے مناقب کو پھیلانے والے زیادہ تر ان کے بڑے بڑے ممتاز شیوخ ہیں جو علم میں ماہر اور مضبوط تھے۔ تہذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۱۷، ماتمس اليه حاجة القاریٔ ص ۳۰۔

دیکھیں یا سنیں اور ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔"

ہمارا پختہ ارادہ تھا کہ امام المحدثین کی شان میں فضلائے متاخرین کے اقوال بالتفصیل لکھیں اور ہر صدی کے اہل علم کے اقوال ملتقط کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ عنوان قائم کریں لیکن ایسا کرنے میں تطویل لاطائل تھی جس سے ہم کو ہمارے احباب نے بزور روکا اور حقیقت میں کتاب کا حجم اس قدر بڑھ جاتا کہ طبع کے بار کا متحمل ہونا مشکل تھا۔ اس لیے ہم نے مجبور ہو کر شیخ الاسلام کے فقرات مذکورہ بالا پر اکتفا کی۔ جس کا جی چاہے، شروح صحیح بخاری اور کتب تاریخ و رجال سے ان اقوال کو ملتقط کرے۔

تاہم اس خصوصیت کے لحاظ سے کہ یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور زیادہ حصہ اس زبان کے سمجھنے والوں کا ہے جو انہیں بزرگوں کے اقوال کا پابند ہے جو ان کے ہم مشرب ہوں۔ اس لیے ان کے ہم مشرب علماء کے چند اقوال ان کی تشفی کے لیے نقل کر دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

"الحافظ الحفیظ الشهیر الممیز الناقد البصیر الذی شهدت بحفظه العلماء الثقات، واعترفت بضبطه المشائخ الاثبات، ولم ینکر فضله علماء هذا الشأن ولا تنازع فی صحة تنقیده اثنان: الامام الهمام حجة الاسلام ابو عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری". [۱]

امام بخاری حدیثوں کے پرکھنے والے اہل بصیرت و اہل شہرت ہیں۔ امام ہیں۔ اہل اسلام کے لیے حجت ہیں۔ علمائے ثقات نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ ان کی کی ہوئی تنقید کے متعلق دو شخصوں میں بھی نزاع نہیں یعنی امام ہمام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ

ایضاً صحیح بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اتفق علماء الشرق والغرب علی انهٗ لیس بعد کتاب الله اصح من صحیح البخاری و مسلم". [۲]

تمام دنیا کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ خدا کی کتاب کے بعد صحیح بخاری و مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں۔

یوں بھی فرمایا:" قد اطبق علی قبوله بلا خلاف علماء الاسلاف و الاخلاف"۔ [۳]

یعنی علمائے متقدمین و متاخرین صحیح بخاری کی مقبولیت پر متفق ہیں۔

---

[۱] عمدة القاری ۵/۱

[۲] عمدة القاری ۸/۱

[۳] عمدة القاری ۵/۱

۲۔علامہ ابن عابدین شامی صاحب ردالمحتار شرح الدرالمختار کا قول ہے:

"الامام البخاری معجزة للرسول البشیر النذیر، حیث وجد فی امته مثل هذا الفرد العدیم النظیر، من کان وجوده من النعم الکبرٰی علی العالم، امیرالمؤمنین فی الحدیث، احد سلاطین الاسلام الامام المجتهد: ابو عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری بن ابراهیم بن المغیرة بن بردزبة الجعفی مولاهم، امیرالمؤمنین وسلطان المحدثین الحافظ الشهیر والناقد البصیر و قد اجمع الثقات علی حفظه و اتقا نه و جلالة قدره عما عداه من اهل عصره".

یعنی امام بخاری آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں۔ حضرت کی امت میں ایسا بے نظیر شخص پایا گیا ہے جو بے مثل ہے، جس کا وجود ایک نعمت کبریٰ ہے، جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں، سلطان المحدثین ہیں، امام ہیں، مجتہد ہیں، ناقد اور بصیر ہیں۔ آگے لکھتے ہیں۔ (امام بخاری کی جلالت قدر، حفظ پر) پختگی ومہارتِ فن پر تمام دنیا کے ثقہ لوگوں نے اتفاق کیا ہے۔

ایضاً صحیح بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وکتابه اصح الکتب بعد کتاب الله ذی الجلال واصح من صحیح مسلم علی اصح الاقوال". [1]

صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب ہے اور صحیح مسلم سے اس کا اصح اور بلند پایہ ہونا یہی صحیح قول ہے۔

۳۔الشیخ نور الحق پسر الشیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی کا قول ہے:" وے (امام بخاری) در زمان خود در حفظ احادیث و اتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وحدّت ذہن و جودت قریحہ ووفور فقہ وکمال زہد و غایت ورع و کثرت اطلاع بر طرق حدیث وعلل آں ودقتِ نظر وقوت اجتہاد واستنباطِ فروع از اصول نظیرے نداشت۔ [2]

وہ (امام بخاری) اپنے زمانے میں احادیث کے حفظ، ان کی پختگی، کتاب وسنت کے معانی کی سمجھ، ذہن کی براقی، طبیعت کی دراکی، فقہ پر عبور، تقویٰ کے کمال، پرہیزگاری کی انتہا، حدیث کی راہوں سے واقفیت، ان (احادیث میں اختلاف) کے اسباب، باریک بینی، اجتہاد کی قوت اور اصول سے فروع کے استنباط میں بے نظیر تھے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ متاخرین علماء کے اقوال سے امام المحدثین کی تبحر علمی، وسعت معلومات، ذکاوت قوت اجتہاد، سیلان ذہن، قوت حافظہ پر روشنی ڈالنا بے شبہ آفتاب کو مشعل دکھانا ہے۔ بے ساختہ یہ مصرع زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ [3]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی یا علامہ بحرالعلوم لکھنوی یا دیگر فضلاء کے اقوال سے امام المحدثین کی رفعت شان دکھلانی

---

[1] عقود اللآلی فی مسند العوالی طبعة مصر. (مؤلف)

[2] تیسیر القاری فی شرح صحیح البخاری فارسی ۱/۳۔

[3] سورج کا طلوع ہونا ہی سورج کے ہونے کی نشانی ہے۔

ایک فعل عبث ہے بلکہ امام المحدثین کی شان کو گھٹانا ہے۔ علامہ سبکی کا یہ فرمانا بہت صحیح ہے:

علا عن المدح حتی ما یزان به
کانما المدح من مقداره یضع [1]

مدح کرنے والوں کی مدح ان کے ہم رتبہ نہیں ہو سکتی کیونکہ مدح ان کے رتبہ سے نیچی رہ جاتی ہے۔

امام بخاری کی نسبت بلند خیال لوگوں کی باتیں

جہاں بلند خیال اہل تقلید نے اپنی وسعت دماغی اور بلند پروازی سے حضرت عیسیٰ اور امام مہدی [2] جیسے لوگوں سے اپنے آئمہ کی تقلید کرا چھوڑی، حنفیوں نے کہا، امام آخر الزماں حنفی ہوں گے، [3] شافعیوں نے کہا، شافعی ہوں گے

[1] طبقات الشافعية الكبرىٰ للسبکی ۲/۲۱۲ میں اس کے بعد سات اور شعروں کا ذکر ہے لیکن ان اشعار کی نہ تو اپنی طرف نسبت کی اور نہ ہی کسی اور کی طرف اور یہ اشعار سخاوی نے بھی عمدۃ القاری والسامع ص ۵۶ میں ذکر کیے ہیں اور ان کی نسبت کسی قائل کی طرف نہیں کی۔

[2] امام مہدی منتظر اور ان کے بارے وارد احادیث معلوم کرنے کے لیے کتاب: "المهدی المنتظر فی ضوء الاحادیث الصحیحة و اقوال اهل العلم وآراء الفرق والمذاهب المختلفة" اور "الموسوعة فی احادیث المهدی الضعیفة والموضوعة" کی طرف رجوع کیجیے۔

[3] درمختار میں لکھتے ہیں: وقد جعل الله الحکم لاصحابه و اتباعه من زمنه الی هذه الایام الی ان یحکم بمذهبه عیسیٰ علیه السلام۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب برابر رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام انہیں کے مذہب کے مقلد ہوں گے۔ اور علامہ طحاوی لکھتے ہیں: ادّعٰی بعض الحنفیة اَنّ کُلًّا من عیسٰی والمهدی یُقَلِّدَانِ مذهب الامام ابی حنیفة۔ یعنی بعض حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور امام مہدی دونوں امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں: اِلَّا اَنَّ الشافعیة یقولون بموافقة اجتهاده للشافعی۔ یعنی شافعیہ کہتے ہیں کہ وہ امام شافعی کے اجتہاد کے مطابق فیصلے کریں گے۔ نیز دیکھیے: الدرالمختار للحصکفی ۱/۵۶ مع شرحه المعروف بحاشیة ابن عابدین طبعه مصطفی البابی حلبی قاهرة. ۱۳۸۶ھ۔

ابن عابدین نے کہا ہے کہ صاحب درمختار نے قہستانی کا قول ذکر کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ گویا اس نے یہ بات اہل کشف کے ذکر کرنے سے اخذ کی ہے کہ عیسیٰ کا مذہب وہی ہوگا جو دنیا میں ختم ہونے والے مذاہب میں آخری مذہب ہوگا۔ پھر انھوں نے میزان سے شعرانی کی بات نقل کی ہے کہ اس میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ عیسیٰ نبی اللہ حنفی مذہب کے مطابق فیصلہ کریں گے اگرچہ ان کے دور میں علماء موجود ہوں گے لیکن پھر بھی اس بات پر دلیل کا ہونا ضروری ہے (کیوں کہ بغیر دلیل کے کوئی بات قبول نہیں ہوتی) اسی لیے حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ "الاعلام" میں کہا ہے کہ یہ بات "کہ عیسیٰ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے مطابق فیصلہ کیا کریں گے" باطل ہے اس کا کوئی اصل نہیں ......" پھر ابن عابدین نے کہا ہے کہ یہ بات کہ امام مہدی ابوحنیفہ کی تقلید کریں گے اس کا رد ملا علی قاری نے اپنے رسالہ "المشرب الوردی فی مذهب المهدی" میں کر دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ مجتہد مطلق ہوں گے اور اس رسالہ میں انھوں نے ایک لمبے قصے کا رد بھی کیا ہے جو کذاب لوگوں نے وضع کیا ہے......"

جس سے صوفی وقت علامہ محی الدین ابن عربی [۱] جیسے صاف طینت کو اس قدر تکلیف پہنچی کہ ان سے بھی باوجود سادہ دلی کے نہ رہا گیا اور فتوحات مکیہ میں صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے۔ خلاف عقل تھا کہ ایسے بلند خیال لوگ امام المحدثین سے چوک جائیں۔

علامہ عجلونی لکھتے ہیں کہ امام بخاری کے مذہب میں (اہل تقلید نے) اختلاف کیا ہے۔ [۲]

بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ امام صاحب شافعی تھے۔ ابو عاصم نے امام صاحب کو طبقات شافعیہ میں شمار کیا اور وجہ یہ لکھی: **انه سمع من الكرابيسي** [۳] **وابي ثور** [۴] **و الزعفراني** [۵] **و تفقه على الحميدى وكلهم من**

---

[۱] ابن عربی: وہ ابوبکر محمد بن علی بن محمد طائی حاتمی مُرسی ہیں۔ دمشق میں آنے اور رہنے والے، ربیع الآخر ۶۳۸ ھ میں وفات پائی۔ تصوف کے پیشواؤں اور وحدت الوجود کی دعوت دینے والوں میں سے تھے۔ ان کے عقیدہ اسلامیہ کے خلاف انحرافات بکثرت ہیں بالخصوص ان کی کتاب **فصوص الحکم** میں جن کی نشان دہی علامہ برھان الدین بقاعی شافعی متوفی ۸۸۵ھ نے اپنی کتاب **تنبیہ الغبی** میں اور دیگر اہل علم حضرات نے کر دی ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: **الفصوص** اس کی گھٹیا ترین کتب میں سے ہے اس میں لکھی ہوئی باتیں اگر کفریہ باتیں نہیں ہیں تو پھر دنیا میں کوئی کفر نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور نجات کا سوال کرتے ہیں۔ **سیر اعلام النبلاء ۴۸/۲۳**۔

[۲] اصل عبارت یہ ہے۔ تنبیہ: **ما تقدم أنفا من اخذ البخاری عن الكرابيسي و الزعفراني و ابی ثوران يكون شافعيا و قد اختلف فی مذهبه فقيل انه شافعي المذهب و جرى عليه التاج سبكي فی طبقاته فقال وذكره ابوعاصم فی طبقات اصحابنا الشافعية وقال انه سمع من الكرابيسي و ابی ثور والزعفراني و تفقه على الحميدى و كلهم من اصحاب الشافعي .انتهى .و قيل: انه حنبلي وذكره ابوالحسن بن العراقي فی اصحاب الامام احمد بن حنبل. و اسند عن البخاری انه قال: دخلت بغداد ثمان مرات و فی كل ذلك اجالس احمد بن حنبل ، فقال لی أخر ما ودعته: "يا ابا عبدالله تترك العلم والناس و تصير الى خراسان". قال البخاری فانا الأن اذكر قوله.**

[۳] ابوعلی حسین بن علی بن یزید بغدادی کئی کتابوں کے مصنف ہیں فقہ کا علم امام شافعی سے حاصل کیا۔ امام احمد اور ان کے اصحاب نے ان کو مسئلہ لفظ کی وجہ سے ترک کر دیا تھا۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے لفظ کی بحث چھیڑی تھی اور جب یحییٰ بن معین کو یہ خبر پہنچی تھی کہ یہ کرابیسی امام احمد کے بارے میں کلام کرتا ہے تو انھوں نے کہا کہ یہ کس قدر اس لائق ہے کہ اسے سزا دی جائے اور انھوں نے اسے برا بھلا بھی کہا" **سیر اعلام النبلاء ۸۰/۱۲، میزان الاعتدال ۵۴۴/۱، تهذیب التهذیب ۳۵۹/۲**۔

[۴] امام حافظ حجۃ مجتہد اور مفتی عراق ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی بغدادی فقیہ تھے۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ ان سے ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام مسلم نے صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب میں روایت کی ہے۔ امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ انھوں نے علم فقہ امام شافعی اور امام احمد اور ان کے طبقے کے علماء سے حاصل کیا ہے۔ **تهذیب الکمال ۸۰/۲، سیر اعلام النبلاء ۷۲/۱۲، طبقات الفقهاء الشافعیین لابن کثیر ۹۸/۱**۔

[۵] وہ امام علامہ شیخ الفقہاء والمحدثین ابوعلی حسن بن محمد الصباح زعفرانی بغدادی ہیں۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ انھوں نے امام شافعی پر ان کی قدیم کتاب پڑھی اور علم حدیث میں وہ مقدم اور جلیل القدر ثقہ اور روایت میں بلند اور بڑے مرتبہ و مقام کے حامل تھے۔ ان سے امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم نے روایت کی ہے۔ ۲۶۰ھ میں وفات پائی، **سیر اعلام النبلاء ۲۶۲/۱۲**۔

اصحاب الشافعی. [1] یعنی امام بخاری اس جرم میں شافعی ہیں کہ انھوں نے کرابیسی، ابوثور، زعفرانی سے حدیثیں سنیں اور حمیدی سے تفقہ حاصل کیا اور یہ سب امام شافعی کے تلامذہ ہیں۔ [2]

ابو عاصم کے خلاف علامہ ابوالحسن ابن عراقی [3] یہ فرماتے ہیں کہ نہیں، امام صاحب حنبلی المذہب تھے۔ اس لیے کہ امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں سے ہیں۔ [4] امام بخاری کا خود اپنا بیان ہے کہ میں آٹھ بار بغداد گیا ہوں اور ہر بار امام احمد کے پاس بیٹھا۔ آخری بار جب میں رخصت ہونے لگا تو آپ نے اجازت دینے میں تامل فرمایا تھا۔ [5]

لیکن افسوس یہ ہے کہ امام صاحب کو کسی نے حنفی نہیں لکھا حالانکہ جب تفقہ کے خیال سے حنبلی یا شافعی کہا جا سکتا ہے تو امام صاحب کو حنفی بھی ضرور کہنا چاہیے کیونکہ ابتدائے تحصیل میں قبل از سفر امام صاحب نے فقہ حنفی اور اس کے اصول تخریج کو حاصل ہی نہیں بلکہ اچھی طرح ازبر کر لیا تھا۔ خود امام صاحب کا بیان ہے۔ عَرَفْتُ کلام ھولاء. یعنی اصحاب الرأی [6] افسوس کسی صاحب نے اس طرف توجہ نہ کی۔ شاید صحیح بخاری کے بعض الناس نے اس طرف سے خیال پھیر دیا۔

ہمیں افسوس ہے ان لوگوں پر جن کو طبقات شافعیہ کے مطالعہ کی بھی نوبت آئی ہے اور پھر امام بخاری کو شافعی المذہب قرار دیتے ہیں حالانکہ ابو عاصم [7] اور ....

---

[1] صحیح بخاری میں امام شافعی پر مسائل فقہیہ میں نجاسة غسالة الشعر و صلوة الجمعة عن الاربعین وغیرہ میں صراحتاً رد موجود ہے۔

[2] یہ بات سبکی نے طبقات الشافعیہ ۲/۲۱۴ میں ذکر کی ہے۔

[3] ابوالحسن بن العراقی کو میں جان نہیں سکا۔ اصحاب امام احمد کے تراجم کے بارے ۳۹ کتب کا تذکرہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن عثیمین نے ابن مفلح ت ۸۸۴ھ کی کتاب "المقصد الارشد فی ذکر اصحاب الامام احمد" کی تحقیق کے مقدمہ میں کیا ہے۔ ان میں ابوالحسن ابن العراقی کی کتاب کا ذکر تک نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ابوالحسین بن ابی یعلی ہو اور غلطی سے ابوالحسن ابن العراقی لکھا گیا ہو اور امام بخاری کا تعارف حنابلہ کی طبقات کی کتب میں ملتا ہے دیکھیے۔

۱. طبقات الحنابلة لا بن ابی یعلیٰ متوفی ۵۲۶ھ ۱/۲۷۱۔ ۲. المقصد الارشد لابن مفلح متوفی ۸۸۴ھ ۲/۳۷۵۔

۳. المنہج الاحمد للعلیمی متوفی ۹۲۸ھ ۱/۲۰۴۔

[4] اگر سلسلہ تلمذ سے مقلد ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کس جرم میں اس قانون سے الگ کیے جاتے ہیں حالانکہ امام ابو حنیفہ کا تلمذ امام مالک سے کتب اصول حدیث (تدریب وغیرہ) میں بصراحت موجود ہے، اور امام شافعی کا تلمذ محتاج بیان نہیں۔ پھر یہ لوگ کیوں کر مالکی نہ ہوئے۔

[5] تاریخ بغداد ۲/۲۲، ۲۳، الطبقات للسبکی ۲/۲۱۷، اس کی تخریج پہلے بھی ہو چکی ہے۔ مصنف نے جو عجلونی سے عربی الفاظ نقل کیے تھے اس جگہ ان کی انتہا ہو چکی ہے لیکن میں عجلونی کی کتاب پر مطلع نہیں ہو سکا۔

[6] مقدمة فتح الباری ۴۷۸۔ اس کی تخریج بھی گزر چکی ہے۔

[7] ابو عاصم محمد بن احمد عبادی ھروی ہیں ۴۵۸ھ وفات پائی۔ ان کی طبقات الفقہاء کتاب چھپی ہوئی ہے اور سیر اعلام النبلاء ۱۸/۱۸۰ وغیرہ میں ان کا تعارف موجود ہے۔

سبکی وابن الملقن ❶ وغیرہ کی ایک خاص اصطلاح ہے وہ یہ کہ جن کو امام شافعی یا امام احمد سے علاقہ تلمذ کا ہوتا ہے، ان کو طبقات شوافع وطبقات حنابلہ میں شمار کرتے ہیں۔ اگرچہ اس نے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے مذہب میں مخالفت کی ہو اور اگرچہ وہ مذہب مستقل رکھتا ہو اور صاحب اجتہاد ہو۔ اسی بنا پر ابو عاصم اور علامہ سبکی نے طبقات شوافع میں امام احمد بن حنبل ❷ اور داؤد ظاہری ❸ وغیرہ کو شمار کیا حالانکہ یہ لوگ بلا نکیر صاحب اجتہاد اور صاحب مذہب مستقل ہیں۔ ❹

اصل بات یہ ہے کہ جب اہل تقلید نے آئمہ کی تقلید کے وجوب کا دعویٰ کیا، وہ بھی آئمہ اربعہ کی تقلید کا۔ تو اب اس دعوائے وجوب کے بعد کسی کو محقق کیوں کر کہہ سکتے تھے اور اپنے آئمہ کی تخریجات کے سامنے کسی کے علم وقوت اجتہاد کو کیوں کر تسلیم کر سکتے تھے۔ شاید اور بھی ممکن ہوتا تو ترقی کر کے تابعین وصحابہ کو اپنے آئمہ کا مقلد بتاتے۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر اولوالعزم کو اور امام مہدی کو حنفی اور شافعی بنا دیا۔

علامہ عجلونی ان دو قولوں کے بعد ایک تیسرا قول لکھتے ہیں: ''**و قیل کان مجتهدا مطلقا واختاره السخاوی قال والمیل بکونه مجتهدا مطلقا صرح به تقی الدین ابن تیمیة فقال انه امام فی الفقه من اهل الاجتهاد**''. یعنی امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ اسی کو علامہ سخاوی نے مختار کہا ہے اور کہا اسی کو ترجیح ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ ان کے مجتہد مطلق ہونے کی تصریح کی ہے علامہ تقی الدین ابن تیمیہ نے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام المحدثین امام فی الفقہ تھے اور اہل اجتہاد تھے۔ ❺

---

❶ سراج الدین عمر بن علی معروف بہ ابن الملقن ۸۰۴ ھ میں وفات پائی۔ ان کی ایک کتاب **العقد الذهب فی طبقات حملة المذاهب**'' ہے (**معجم المؤلفین** ۷/۲۹۷) اور یہ مطبوع ہے۔

❷ **الطبقات للسبکی** (۲/۲۷، ۶۳)۔

❸ **الطبقات للسبکی** (۲/۲۸۴، ۲۹۳)۔

❹ اس بات کی صراحت حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب ''**طبقات الفقهاء الشافعیین**'' میں کی ہے:
چنانچہ انھوں نے پہلے طبقہ کے آغاز میں کہا ہے کہ ''...... پھر یہ بات جان لی جائے کہ ان فقہاء میں وہ بھی ہیں جن کا شافعی المذھب ہونا مشہور ہے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو شہرت میں بہ نسبت پہلی قسم کے کم ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جن کے اھل مذھب میں ہونے کے بارے میں شک ہے اور ان میں وہ بھی ہیں جن کے بارے میں معروف ہے کہ وہ شافعی المذھب نہیں تھے بلکہ دوسرے مذھب پر تھے اور ان میں آئمہ حدیث کی ایک جماعت کا ذکر بھی ہے ہم نے اس کتاب میں ان کا ذکر کرنا صرف اس لیے پسند کیا کہ ان کی امام شافعی سے (بالواسطہ یا بلا واسطہ) روایت ہے......)۱/۹۷۔

❺ اسی طرح علامہ شامی وشیخ نور الحق وشیخ الاسلام ودیگر لوگوں نے امام صاحب کے مجتہد مطلق ہونے کی تصریح کی ہے۔ صاحب فیض الباری انور شاہ کشمیریؒ نے کہا ہے کہ ''امام بخاری رحمہ اللہ کے مجتہد ہونے میں کوئی شک نہیں اور جو یہ مشہور ہو چکا ہے کہ وہ شافعی تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی امام شافعی کے ساتھ مشہور مسائل میں کثرت موافقت ہے'' ...... الخ۔ اور ہمارے شیخ (عبدالرحمٰن مبارک پوری) نے صحاح ستہ کے مؤلفین کے مذاہب پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ دیکھیے: **مقدمة تحفة الاحوذی** ۱/۳۵۰، ۳۵۵۔ (عبیداللہ رحمانی)

میں کہتا ہوں کہ عجلونی کے یہ الفاظ مقدمہ تحفہ ۱/۳۵۵ میں بھی موجود ہیں۔ اور سخاوی نے ''**عمدة القاری والسامع فی ختم** ←

طبقات صوفیہ میں امام صاحب کا شمار

یہ بات کچھ کم حیرت سے نہیں دیکھی جائے گی کہ مشہور محقق علامہ شعرانی [1] نے امام المحدثین کو ان صوفیوں میں شمار کیا ہے جن کا تصوف مانا ہوا ہے اور جن کی پیروی کی جاتی ہے۔ علامہ موصوف اپنی اس قابل قدر تصنیف [2] کے بارے میں (جس میں انھوں نے امام صاحب [3] و دیگر صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کے بارے انتخاب فرمائے ہیں) لکھتے ہیں: ''لخصت فيه طبقات جماعةٍ من الاولياء الذين يقتدى بهم فى طريق الله عزوجل من الصحابة والتابعين الى آخر القرن التاسع و بعض العاشر''. [4] خلاصہ یہ ہے کہ میں نے اس کتاب میں صحابہ اور تابعین اور نویں صدی تک کے تمام تر اور دسویں صدی کے بعض ان اولیاء اللہ کی جماعت کو منتخب کیا ہے جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ یہ کتاب علامہ موصوف کی مشہور کتاب الطبقات الکبریٰ کا ایک حصہ ہے۔ اس حصہ کا نام محقق موصوف نے لواقح الانوار فی طبقات الاخیار رکھا ہے۔ [5] علامہ کے قول سے واضح ہے کہ اس کتاب کا موضوع ہی علامہ نے مانے ہوئے اولیاء اللہ کے نفوس قدسیہ کو قرار دیا ہے۔ پھر علامہ نے اپنی اس تالیف کی غایت یہ بتائی:

''و مقصودى من هذا التاليف فقه طريق القوم فى التصوّف من آداب المقامات والاحوال لاغير''. [6]

یعنی میرا مقصود اس تالیف سے سلف کا طریقہ بتانا ہے کہ ان کا طریقہ تصوف میں کیا تھا۔ ان کے مقامات اور

← الصحیح الجامع'' ص۵۹۔۷۰ پر امام بخاری کے تعارف میں کہا ہے کہ جو کوئی صحیح بخاری میں امام بخاری کے اختیار کردہ فقہی مسائل میں غور کرے گا وہ لازمی جان لے گا کہ امام بخاری ایسے مجتہد تھے جنھیں اللہ کی توفیق حاصل تھی اور ان کی درست رہنمائی کی گئی تھی اگرچہ امام شافعی سے کثرت موافقت تھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ آئمہ حدیث کا مذہب کیا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ بخاری اور ابوداؤ د تو فقہ (الکتاب و السنة) کے امام اور اھل اجتہاد میں سے تھے......'' مجموع الفتاویٰ ۲۰/۴۰۔

[1] عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی علماء متصوفین میں سے تھے۔ مصر کے شہر قلقشندہ میں ۸۹۸ھ کو پیدائش ہوئی اور ۹۷۳ھ کو قاہرہ میں وفات ہوئی۔ ان کی تالیفات میں سے (۱) المیزان الکبری، (۲) لواقح الانوار فی طبقات الاخیار معروف به طبقات الشعرانی الکبری وغیرہ ہیں۔ الاعلام ۴/۱۸۰

[2] اس کتاب میں بہت بے معانی باتیں ہیں۔ اس کی مثالیں دیکھنی ہوں تو التصوف بين الحق و الخلق ص ۱۰۴۔۱۰۵ میں دیکھ لیں۔

[3] الطبقات الکبری ص ۹۴ طبعه دار الکتب العلمية بيروت۔

[4] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ۱/۳ ص ۶ طبعه دار الکتب العلمية بيروت۔

[5] بعض مترجمین اور ناشرین کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ شعرانی کی الطبقات الکبریٰ اور لواقح الانوار فی طبقات الاخیار دونوں ان کی ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں لیکن مؤلف رحمہ اللہ نے لواقح کو طبقات کا ایک جزء قرار دیا ہے۔

[6] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ۱/۳ الطبقات الکبری ص ۲۔

ان کے احوال کیسے تھے۔

امام بخاری کو طبقات صوفیہ میں شمار کرنے کو دو جماعتیں سخت حیرت کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ ان میں پہلی جماعت موجودہ صوفیوں کی ہے۔ اس لیے کہ موجودہ زمانہ کے عملی تصوف اور مروجہ صوفیت پر نظر کرتے ہوئے یہ جملہ کہ امام بخاری مانے ہوئے کامل صوفی تھے، نہایت بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ امام بخاری کے دربار میں نہ عرس تھا نہ محفل قوالی، نہ تصور شیخ نہ آنکھیں بند کرنی، نہ چلہ کشی نہ رسم گاگر، نہ مردوں سے مدد مانگنی، نہ کوئی درگاہ، نہ قل نہ فاتحہ، نہ مریدوں کے نذرانے پر گزارہ، نہ قبروں کا چڑھاوا، نہ قیام مولد نہ مجلس مولود کی ہیئت کذائی، نہ گلے ملا ملا کر غزلیات گانے نہ اہل حال کا اچھل کود، نہ وحدت وجود کا عقیدہ، نہ صلوٰۃ غوثیہ، نہ مراقبہ کشف قبور بلکہ صرف احادیث رسول اللہ ﷺ کا درس۔ اسی کی پابندی، اسی کا چرچا تھا جو موجودہ تصوف کی بیخ و بنیاد کا استیصال کرتا ہے۔

دوسری جماعت اہل حدیث کی ہے۔ امام بخاری کی نسبت یہ جماعت یقین کرتی ہے کہ وہ سیرۃ رسول اللہ کے دلدادہ تھے۔ اسی کی تدوین اور اشاعت و پابندی میں اپنی عمر کا سارا حصہ تمام کر دیا۔ وہ بدعات سے محترز تھے۔ اسی وجہ سے جس قدر فرقے نئے نئے پیدا ہو گئے تھے، ان کو امام صاحب بدعتی اور محدث کہتے تھے اور ان کا رڈ نہایت جوش سے صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ یہاں تک کہ اعمال کے جز وایمان ہونے کا صراحتاً ان حدیثوں میں تذکرہ وارد ہوا۔ اس وجہ سے جو اس کا قائل نہ ہوتا، اس کو امام صاحب مرجی کہتے۔ امام صاحب کی اس طرز زندگی پر نظر کرتے ہوئے کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ وہ صوفی تھے کیونکہ تصوف بھی ایک محدث چیز ہے۔ امام صاحب کو صوفی کہنا امام صاحب کے دامن تقدس پر بدعت کا دھبہ لگانا ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ تصوف جس نے آج اپنے اتباع کو حد سے زیادہ بدنام کر رکھا ہے، کسی زمانہ میں بڑی خیر و برکت اور بہت محمود چیز تھی۔ احکام شرعی کی سختی سے پابندی، ایثار نفس ہدایت مخلوق میں سعی کرنی۔ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی پیروی کا شوق، مصائب پر صبر و استقامت، جہاد کے لیے ہمہ تن مستعد رہنا، اپنے نفس کا انتقام نہ لینا، مکارم اخلاق کا پھیلانا، دنیا سے بے رغبتی، پابندی تقویٰ، بدعات سے اجتناب۔ غرض شریعت نے جن باتوں کو عزم امور تاکیدی باتیں اور اصلی مقاصد فرمائی ہیں، انہیں کا اصلی مرقع تھا۔ ان کو کون محمود نہ کہے گا۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ انہیں باتوں سے خاک سے اکسیر اور مس سے کندن بن گئے۔ ان کا تصوف نام رکھنا اصطلاح جدید تو بے شک ہے لیکن مقصود واضح ہو جانے پر چنداں مضائقہ نہیں۔ ولا مشاحة في الاصطلاح۔ [1]

---

[1] مصنف آگے چل کر بہترین انداز میں تصوف کے متعلق پر مغز اور مفید گفتگو فرمائیں گے۔
لیکن ان کی گفتگو کا اصل مقصد اصل تصوف اور متاخرین صوفیا کے غلط تصوف کے درمیان فرق کرنا ہے۔ مجھے اس جگہ بہت اچھا لگا کہ میں استاد مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''محمد بن عبدالوھاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' سے ایک اقتباس پیش کروں کیونکہ انھوں نے ان غلط نظریات پر تنقید کی ہے جو یونانی فلسفہ سے آ کر اسلامی زھد میں مخلوط ہو کر ان سے ایک مرکب کھچڑی پک چکی ہے، جس کا نام ←

اس عالم کا ایک عام قانون ہے ''تغیر''۔ اس عام قانون سے تصوف کیوں کر مستثنیٰ رہ سکتا ہے۔ اختلاط اقوام و مذاہب و امتداد زمانہ سے اس نے بھی کئی رنگ اختیار کیے۔ اگر ہمارے وہ برادران جو صاف اور بے لوث مسلمان رہنا پسند فرماتے ہیں ہمیں اجازت دیں تو ہم کہہ سکتے ہیں (گو اصطلاح جدید ہے) کہ ابتدائی حالت تصوف کی وہی تھی جس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے عملی برتاؤ سے دکھایا جو آج تک کتب احادیث و دفاتر حدیثیہ میں بے کم و کاست محفوظ ہے۔ جب تک فلسفۂ یونان نے مسلمانوں میں زور نہیں پکڑا تھا، رومن کیتھولک کا اختلاط نہیں ہوا تھا، تصوف اپنی اصلی صورت پر باقی تھا لیکن فلسفہ کی یورش، رومن کیتھولک کے اختلاط نے تصوف میں بہت بڑا اثر پیدا کیا۔ وحدت وجود خاص فلسفۂ یونان کا مسئلہ ہے۔ تصوف کا جز اور لازمی امر مانا گیا ہے۔ ابن منصور الحلاج کا [1] ''انا الحق'' کہنا اور ایک دوسرے صوفی کا یہ شعر ؎

پنچہ در پنچہ خدا داریم ماچہ پروائے مصطفیٰ داریم [2]

اسی تصوف کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ یا دوسرے بزرگان دین کو حاضر ناظر جاننا مخلوق کو خالق میں اور خالق کو مخلوق میں گھٹ میل کرنا اسی کے تخیلات کا نتیجہ ہے۔ فصوص الحکم [3] و تالیفات محقق طوسی [4] وغیرہ اسی فلسفہ کے اختلاط

← لوگوں نے تصوف رکھ دیا ہے۔ پھر انھوں نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

بعض دوستوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں تصوف کی علی العموم مخالفت نہ کروں بلکہ غلط تصوف کا رد کرتے ہوئے صوفیا سوء کا لفظ استعمال کروں تا کہ اس سے حیلہ باز اور بدعتی صوفیا کا رد ہو جس طرح علمائے سوء کا لفظ بے عمل علماء پر بولا جاتا ہے اگر میرے مشاہدے میں وہ خرابیاں اور بربادیاں نہ آچکی ہوتیں جو تصوف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں تو میرے نزدیک اس مشورہ کو قبول کرنے میں کوئی مانع نہ تھا۔ رہے وہ لوگ جو اسلامی طریقہ کے مطابق احسان اور تزکیہ کی دعوت دیتے ہیں تو ان کی مخالفت کون کرتا ہے؟

اختلاف تو اس بدعتی اصطلاحی تصوف سے ہے جس کے پس پردہ دن دہاڑے دھوکے اور دجل وفریب کے بازار گرم ہیں اور اس اندھے فتنے سے بچنے اور چھٹکارا حاصل کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ہم اس تصوف کا جبہ بالکل اتار پھینکیں۔ ص ۱۳۴

[1] اصل اردو میں منصور ہے اور ہم نے دوسرے مصادر سے تصحیح کر کے ابن منصور الحلاج لکھا ہے اور وہ جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان میں کہا ہے حسین بن منصور حلاج ہیں جنہیں زندیق ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔ الحمد اللہ انھوں نے علم کی کوئی شئی روایت نہیں کی۔ اس کی ابتداء اچھی تھی عبادت گزار اور متصوف تھا پھر دین سے نکل گیا تھا۔ جادو سیکھ کر لوگوں کو خرق عادت شعبدہ بازیاں دکھانے لگا تھا۔ علماء نے اس کے قتل کا فتوی دیا تو ۳۱۱ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔ المیزان ۱/۵۴۸ اور سیر اعلام النبلاء ۱۱/۳۱۳، ۳۵۴ میں اس کا طویل تعارف ہے۔

[2] ہم نے اپنا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں دے دیا ہے اب ہمیں مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کیا پرواہ ہے۔

[3] یہ ابن عربی حاتمی کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے اس کا ذکر ابن عربی کے تعارف میں ہو چکا ہے۔

[4] وہ محمد بن محمد بن حسن ابو جعفر نصیر الدین طوسی فلسفی ہیں ۵۹۷ھ۔ ۱۲۰۱م میں ولادت اور بغداد میں ۶۷۲ھ ۱۲۷۴م میں وفات ہوئی۔ الاعلام ۷/۲۵۷، ۲۵۸، معجم المؤلفین (۱۱/۲۰۷) [محقق]

کے نتائج ہیں۔ تصوف نے فلسفۂ یونان سے وہ وہ دقیق ابحاث لیے جو عام ذہنوں سے کہیں بالاتر تھے۔ اسی وجہ سے تصوف بہت مشکل امر سمجھا گیا اور بات یہ بنائی گئی کہ یہ علم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے سینہ بسینہ آتا ہے۔ جو جس قدر فلسفی تھا، اسی قدر کامل صوفی سمجھا گیا، اور تصوف ایک نہایت دقیق فن شمار کیا گیا۔ یہ ہے تصوف کا دوسرا دور جو درحقیقت فلسفۂ یونان ہے۔

اس کے بعد تصوف نے ہنود، برہموں، جوتشیوں، جوگیوں، مجوسیوں کے اختلاط سے ایک تیسرا رنگ اختیار کیا۔ [1] تصور شیخ جو کہ ﴿ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون﴾ [2] کا پورا عکس ہے، جزو تصوف قرار دیا گیا۔ اپنے ایجاد کردہ ریاضیات، عملیات اور زیادہ تر جوگیوں، جوتشیوں، برہموں، مجوسیوں کے عملیات ریاضیات کی مشاقی سے سروکار رہ گیا۔ اس کے علاوہ عرس کرنا، طواف قبر کرنا، مردوں کو پکارنا، قبروں پر غلاف چڑھانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں کو غیب دان یقین کرنا، چلہ کشی کرنی، [3] آنکھیں بند کرنی، کاکلیں بڑھانی، قوالی کرانی، کشف قبور کے لیے مراقبہ کرنا، غرض اسی طرح کی بیسیوں باتیں ہیں جو آج کل تصوف کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ جس شخص میں یہ باتیں نہیں ہیں، نہ عام طور سے لوگ اسے صوفی جانتے ہیں نہ وہ اپنے آپ کو صوفی سمجھتا ہے۔ یہ تصوف کا تیسرا دور ہے۔

تصوف کی پچھلی دو صورتوں کے لحاظ سے ایک ایسے محدث کو صوفی کہنا جو تنقید رجال میں متشدد ہو، تنقید حدیث میں سخت شروط کا پابند ہو، فن تاریخ میں مقدم قوم ہو، امام المحدثین کے لقب سے ممتاز ہو، احادیث کے خلاف عمل کرنے والے کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہو، کیا حیرت بخش نہیں ہے؟ بہرحال علامہ شعرانی لکھتے ہیں۔

''وہ صوفی بزرگان اور اولیاء اللہ جن کی آج عالم میں پیروی ہوتی ہے اور مانے ہوئے صوفی ہیں، ان میں امام

---

[1] ہمارے اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے شبلی نعمانی صاحب کی وہ شہادت کافی ہے جو آپ نے الندوہ جلد ۲ نمبر ۱۱ میں دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں، بہت سے مسلمانوں کے فضلاء نے آذر کیوان (یہ مجوسی شخص ہے۔) کی شاگردی کی اور چونکہ وہ موحد صوفی تھا، اس لیے سلوک کے مقامات اس سے طے کیے۔ ان میں سے محمد علی شیرازی، محمد سعید اصفہانی، عاشور بیگ، محمود بیگ کا حال مصنف دبستان نے تفصیل سے لکھا ہے۔ لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ شیخ بہاء الدین عاملی نے بھی آذر کیوان کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔ آذر کیوان کا موبدان سے سلوک کے مقامات حل کرنا یہ بین دلیل ہے کہ یہ تصوف نہ تو اسلامی چیز ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ بسینہ آیا ہے۔ اسی واسطے آج دنیا میں یہود، نصاریٰ، مجوسی، ہنود وغیرہ تمام فرقوں میں صوفی پائے جاتے ہیں۔ پھر نعمانی صاحب لکھتے ہیں، موبد سروشی زردشت کی نسل سے تھا۔ اکثر خوارق عادات اس سے صادر ہوتے تھے۔ پھر لکھتے ہیں، موبد خوشی مجوسی ایک مدت تک حق کی تلاش میں تمام دنیا میں پھرتا رہا۔ آخر آذر کیوان کی خدمت میں پہنچا اور اس سے مقامات سلوک تحصیل کیے۔ دیکھو رسالہ الندوہ نمبر ۱۱ جلد ۲۔ یہ ہے تصوف کی حالت جس کو سینہ بسینہ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے چلے آنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

[2] الانبیاء ۲۱:۵۲۔

[3] دیکھیے: التصوف بین الحق والخلق للاستاذ فھر محمد شقفه ص۱۲۹. ص۔۲۲۴

بخاری بھی ہیں۔ (رضی اللہ عنہم) امام بخاری ان علمائے عاملین سے ہیں جن کے تذکرے کے وقت خدا کی رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔ امام بخاری صائم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) تھے۔ اس خیال سے کہ بیت الخلاء میں بار بار جانے میں بے ستر ہونا پڑتا ہے، خداوند عالم سے حیا چاہیے، آپ نے غذا کم کرنی شروع کر دی۔ چند روز میں عادت کرتے کرتے یہ نوبت پہنچی کہ ایک خرما یا ایک بادام پر گزارا دینے کی عادت ہوگئی۔ ۱۹۴ ہجری میں ولادت ہوئی۔ ۲۵۶ھ میں عید الفطر کی شب میں وفات پائی۔ سمرقند سے دو میل کے فاصلہ پر قریہ خرتنک میں مدفون ہوئے''۔

علامہ موصوف مزید فرماتے ہیں: ''امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک میری مدح اور ذم کرنے والے دونوں برابر ہیں اور فرماتے ہیں، مجھے امید ہے کہ میں خدا سے ایسی حالت میں ملوں گا کہ مجھ سے اس امر کا سوال نہیں ہو گا کہ تو نے فلاں شخص کی غیبت کی تھی۔ کبھی آپ خرید و فروخت کے معاملے میں نہیں پڑے۔ (دوسرے لوگ انجام دیتے تھے) انتہا درجہ کے پرہیز گار تھے۔ اندھیرے میں سوتے اور راتوں کو بیسیوں بار اٹھ کر چقماق سے چراغ روشن کر کے احادیث لکھتے یا صحیح حدیثوں پر نشان دیتے اور سو رہتے۔ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز تیرہ رکعتیں پڑھتے۔ ان میں ایک رکعت وتر علیحدہ پڑھتے۔ رمضان کی راتوں میں ثلث قرآن روزانہ اکیلے تہجد کی نماز میں پڑھتے اور تیسرے روز ختم قرآن کرتے۔ فرمایا کرتے کہ ہر ختم قرآن پر دعا مقبول ہوتی ہے۔ امام بخاری نے جب کوئی حدیث صحیح بخاری میں داخل فرمائی تو شکرانہ کی دو رکعتیں ادا کیں۔ اپنے والد کے مال سے کھاتے رہے۔ اس وجہ سے کہ ان کے والد کا مال غیر مشتبہ تھا۔ ان کے علاوہ امام صاحب کے اوصاف بکثرت ہیں اور مشہور ہیں''۔ [1]

علامہ شعرانی نے امام صاحب کے ولی اللہ اور برگزیدہ خدا ہونے کے وجوہات نہایت اختصار کے ساتھ تلخیص کیے ہیں۔ ہماری اس کتاب کے ناظرین کو امام صاحب کے وہ حالات مفصل معلوم ہوں گے جو تصوف کی روح رواں ہیں مثلاً احادیث کی تحقیق، تنقید، جمع، نشر میں عمر عزیز کو ختم کر دینا۔ سیرت رسول اللہ ﷺ کا دلدادہ ہونا، ساری عمر اسی دھن میں رہنا، اس میں تکلیفوں کو راحت جاننا، بدعات اور خلاف طریقہ رسول اللہ ﷺ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا، ان کی تردید کرنا، اشاعت احادیث اور فقہ الحدیث میں سرگرم رہنا۔ سنن کی پابندی میں مضبوط رہنا وغیرہ وغیرہ۔

جب ایک مشہور علامہ نے امام صاحب اور نیز دیگر اکابر ملت و صحابہ و تابعین و تبع تابعین (آئمہ مجتہدین) کی ایک جماعت کو صوفیوں میں شمار کیا ہے تو مناسب ہے کہ تصوفِ مُحْدَث پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے۔ جس سے ان اکابر ملت کا اس مروجہ تصوف سے بے زاری کا یقین کیا جائے اور یہ یقین کیا جائے کہ اگر یہ اکابر ملت صوفی تھے تو وہ تصوف مروجہ تصوف سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ کچھ اور ہی تھا۔

عام طور پر اب تصوف کے سلسلۂ بیعت بالخصوص قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ، صابریہ، شاذلیہ، نظامیہ، سہروردیہ وغیرہ کا ہونا شرط بتایا جاتا ہے۔ اب تک سلسلۂ بیعت کے سیکڑوں طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور ایجاد ہوتے جاتے ہیں اور

[1] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ۱/۶۲، ۶۳ ص ۹۲ طبعة بیروت۔

کتنے آئندہ ایجاد ہوں گے اور ہر ایک کے آداب و اشغال اور وظائف جداگانہ تھے۔ لیکن جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور اس کے بعد خلفائے راشدین و نیز تابعین و تبع تابعین اور اس کے بعد کئی صدیوں تک تو بجز بیعت امارت اور بیعت توبہ کے دوسری بیعتوں کا پتہ نہیں اور ان دونوں بیعتوں کے لیے بھی خود عہد مبارک نبوی میں اور اس کے بعد کے عہد صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں نہ سلسلۂ بیعت تھا نہ اس کا ثبوت کہیں سے پایا جاتا ہے۔ بیعت امارت کے وقت نہ سلسلہ بیعت ملاتا کہ اس کا کوئی سلسلہ ہوتا۔ اسی طرح بیعت توبہ کے وقت توبہ کرالیتا اور ترک معاصی پر اقرار لے لیتا۔ اور اس بیعت کا لینے والا بھی وہی خلیفہ یا امام ہوتا۔ لیکن آگے چل کر جب خلافت سلطنت کی صورت میں بدل گئی اور دنیاوی فرماں رواؤں اور دینی مقتداؤں کے دو گروہ جداگانہ قائم ہو گئے تو بیعت توبہ حاکم وقت سے منتقل ہو کر دینی مقتداؤں میں چلی آئی۔ لوگ کسی مقتدائے وقت (جو اعلیٰ درجہ کا متقی ہوتا) کے ہاتھ پر توبہ کر لیتے۔ وہ بیعت توبہ لے لیتا لیکن پھر بھی سلسلۂ بیعت نہیں ملاتا کہ مجھے فلاں کے ہاتھ پر بیعت توبہ حاصل ہے اور ان کو فلاں کے ہاتھ پر۔ رفتہ رفتہ گدیاں قائم ہو گئیں۔ خانقاہیں بنیں تو سلسلۂ بیعت بھی ملایا جانے لگا۔ اب جس قدر مسلمان ہیں، قریب قریب سب اس کے خوگر ہو گئے ہیں۔ یہ ہے بیعت کی مختصر کیفیت۔ [1]

جب سلسلہ بیعت قائم ہوا تو ہر ایک کے آداب، اشغال، وظائف، طریقے جداگانہ قائم ہو گئے اور ہر گدی نشین نے اپنے مذاق کے موافق جو چاہا، اپنے عقیدت مندوں میں جاری کیا اور آئندہ چل کر وہ خدائی چیز ٹھہر گئی۔

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس تصوف پر سنن دارمی کی ایک حدیث سے روشنی ڈالیں جس سے اس کے محدث اور خلاف طریقۂ اسلام ہونے اور اصحاب رسول اللہ ﷺ کی بے زاری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے کون واقف نہیں؟

[روی الدارمی بسنده قال: "اخبرنا الحكم بن المبارك أنا عَمرو بن يحيٰی قال سمعتُ ابی يُحدث عن ابیه قال: [2]

---

[1] بیعت کی پوری بحث دیکھنی ہو تو "رسالة البيعة" (مصنفہ مولانا سلامت اللہ صاحب جیراج پوری) دیکھی جائے۔ یہ کتاب اپنے باب میں بے مثل اور نہایت مکمل ہے۔ بڑے سلیس پیرائے میں محققانہ اور مدلل لکھی گئی ہے۔ (مؤلف)

[2] بریکٹ میں درج عبارت ہماری طرف سے زیادہ ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ امام دارمی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ ہمیں حکم بن مبارک نے بیان کیا انھوں نے کہا ہمیں عمرو بن یحییٰ نے بیان کیا انھوں نے کہا میں نے اپنے باپ (یحییٰ) سے سنا وہ اپنے باپ سے بیان کر رہے تھے کہ انھوں نے کہا ہم عبداللہ بن مسعود کے دروازے پر بیٹھتے تھے...... الخ دارمی میں یہ سند اسی طرح ہے اور مصنف نے یہ دارمی سے لی ہے لیکن انھوں نے حبرِ امت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازے پر ان کے انتظار میں بیٹھتے تھے...... الخ حالانکہ عبداللہ بن عباسؓ کا ذکر اس سند میں نہیں ہے۔ اس کے راوی عمرو بن یحییٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے باپ سے۔ سنن دارمی کے طبعہ دھمان کے مطبوعہ نسخہ ۱/ ۵۸ اور طبعہ عبداللہ ہاشم یمانی ۱/ ۶۰ میں عمرو کی جگہ عمر ہے لیکن علامہ مزی نے حکم بن مبارک کے شیوخ میں عمرو بن یحییٰ بن سلمہ بن حارث کوفی کا ذکر کیا ہے۔ تهذیب الكمال ۷/ ۱۳۲ بظاہر عمرو ہی درست معلوم ←

عمرو بن یحییٰ اپنے باپ یحییٰ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ قبل نماز فجر عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازہ پر ان کے انتظار میں بیٹھتے اور ساتھ ہو کر مسجد میں آتے۔ ایک روز ابوموسیٰ اشعریؓ (گھبرائے ہوئے) آئے اور ہم سے پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود کی کنیت ہے) نکلے؟ ہم نے کہا، نہیں۔ وہ بھی انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب ابن مسعودؓ نکلے تو ابوموسیٰؓ نے کہا، ابھی ابھی میں نے مسجد نبوی میں ایک امر منکر (خلاف طریقہ رسول اللہ ﷺ یعنی بدعت) دیکھا ہے لیکن دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ابن مسعودؓ نے پوچھا، کیا دیکھا؟ ابوموسیٰؓ نے جواب دیا، میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ہمارے انتظار میں مسجد نبوی میں حلقے باندھ کر بیٹھی ہے اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں۔ ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے: ''كبروا مائة تكبيرة فيكبرون مائة''. یعنی سو بار تکبیر کہو۔ وہ سو بار تکبیر کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے: ''هللو مائة فيهللّون مائة'' یعنی سو بار لا اله الا الله کہو۔ وہ لا اله الا الله کہتے ہیں۔ پھر اسی طرح سو بار سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے، وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ ابن مسعود نے پوچھا، تو تم نے کیا کہا؟ ابوموسیٰ نے کہا کہ آپ کے انتظار میں میں نے کچھ نہیں کہا۔ بات کرتے کرتے دونوں مسجد میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابوموسیٰ کے بیان کے موافق مسجد نبوی میں ذکر جاری ہے۔ ابن مسعود نے ایک حلقہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ کنکریاں ہیں (جب تک تسبیح اور مالا وغیرہ ایجاد نہیں ہوا تھا) ان پر اللہ کی تکبیر، تہلیل، تسبیح پکارتے ہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا، تم بجائے تکبیر، تہلیل، تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسنات کو ضائع نہیں کرے گا۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد ﷺ کس قدر جلد تمہاری خرابی پہنچ گئی۔ ابھی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب تم میں کثرت سے موجود ہیں۔ ابھی رسول اللہ ﷺ کے ملبوس کپڑے بھی نہ پھٹے۔ ابھی آپ کے استعمال کے باسن بھی نہ ٹوٹے (اور تم میں بدعتیں شروع ہو گئیں) تو شاید تم ایسے طریقہ پر ہو جو محمد ﷺ کے طریقہ سے عمدہ ہے اور زیادہ ہدایت والا ہے۔ کیا تم اس بدعت سے ضلالت کا دروازہ کھول رہے ہو؟ لوگوں نے معذرۃً کہا:

''والله ما اردنا به الا الخير''۔ خدا کی قسم! اس سے ہم نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے۔

ابن مسعود نے فرمایا:

''کم من مرید للخیرلن یصیبه''۔ کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں جو ہرگز خیر کو نہیں پہنچتے۔ [إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَنَا أَنَّ قَوْمًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ ، وَايْمُ اللّٰهِ مَا أَدْرِي لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ ، ثُمَّ

← ہوتا ہے ان کے دادا کا نام بھی عمرو بن سلمہ ہے لام کے کسرہ کے ساتھ دیکھیے: توضیح المشتبه ۱۳۶/۶۔ دراصل عمرو بن سلمہ یہ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود کے دروازے پر بیٹھتے تھے...... الخ جیسا کہ حدیث کے آخر میں ان کے نام کی صراحت ہے۔ پھر بعد میں جب میں نے حافظ ابن حجر کی کتاب اتحاف المهرة ۱۰ ص ۳۹۹ دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ واقعتاً عمرو ہی ہے کیونکہ انھوں نے یہی سند دارمی کے حوالہ سے لکھی ہے اور اس میں عمرو ہی ہے نہ کہ عمر۔

تَوَلّٰی عَنْهُمْ، فَقَالَ عَمْرُو ابْنُ سَلِمَةَ :رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولٰئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُوْنَنَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ] [۱]

اس سے ان اوراد و اشغال اور ذکر کے طریقوں کا اندازہ کرو جو سیکڑوں برس بعد گدی نشینوں نے ایجاد کر کے اپنے عقیدت مندوں میں جاری کیے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس کو کس نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ صحابی کے اس اثر سے مسلمان کو عموماً اور صوفیوں کو خصوصاً عبرت پکڑنی چاہیے۔ آج ہزاروں وظائف، اوراد، اذکار نئے نئے ایجاد ہو گئے۔ ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت۔ [۲] یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ اگر کسی کو جناب رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور وظیفہ بتایا جائے جو صحیح سند سے ثابت ہے تو اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا لیکن اگر کسی بیعت والے پیر کا وظیفہ بتایا جاتا ہے تو عمل کے لیے تیار۔ اللہ تعالیٰ ملت بیضا کو اپنی اصلی حالت پر لائے اور مسلمانوں کو ان جالوں سے نجات دے کہ وہ قعر مذلت سے نکلیں اور ترقی کریں اور قرون اولیٰ کا سماں ان میں بھی نظر آئے۔ سچ ہے۔

خیر الهدی هدیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم [۳]

یعنی سب سے بہتر طریقہ آنحضرت ﷺ کا ہے۔

---

[۱] سنن دارمی ۱/۶۸۔۶۹ باب کراهیة اخذ الرأی، یہ طبرانی میں بھی ہے الکبیر ۹/۱۳۶ حدیث نمبر ۸۶۳۶۔ طبرانی نے اسے بطریق مجالد بن سعید عن عمرو بن سلمه روایت کیا ہے جیسا کہ انھوں نے اسے دیگر طرق سے بھی مختصر روایت کیا ہے ۹/۱۳۳۔۱۳۷۔ حدیث ۸۶۲۸۔۸۶۳۹ اور علامہ جمال الدین قاسمی نے اصلاح المساجد میں دارمی سے ہی ذکر کیا ہے۔ شیخ البانی نے اس پر تعلیق لگائی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ میں نے اس کی تحقیق اپنے ایک رسالے میں کی ہے جو کہ شیخ حبشی کے رد میں ہے ص ۴۵۔۴۸، اصلاح المساجد ص ۱۱۔۱۲۔

اس ٹکڑے کا ترجمہ یہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوم سے آگے نہیں گزرے گا، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ شاید ان کی اکثریت تم میں سے ہی ہو۔ عبداللہ بن مسعود یہ کہہ کر اُن کے پاس سے چلے گئے۔ عمرو ابن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ انہی ذکر کے حلقوں کے عام لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ جنگ نہروان میں خوارج کے ساتھی بن کر ہمیں نیزے مار رہے تھے۔

[۲] یعنی جو بھی آیا اس نے نئی عمارت کی تعمیر کی۔

[۳] صحیح مسلم ۲/۵۹۲۔

تصوف اور متصوفین کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیجیے:۔

۱۔ مصرع التصوف از علامہ برہان الدین بقاعی متوفی ۸۸۵ھ تحقیق شیخ عبدالرحمٰن الوکیل۔

۲۔ هذه هی الصوفية تالیف شیخ عبدالرحمٰن الوکیل۔ ۳۔ التصوف بین الحق والخلق للاستاذ محمد فهر شقفه۔

۴۔ الفکر الصوفی فی ضوء الکتاب والسنة للشیخ عبدالرحمن عبدالخالق۔

تصوف کے بارے میں اردو میں لکھی گئی کتب میں سے درج ذیل کتب کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

۱۔ مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں ڈاکٹر غلام قادر لون ۲۔ شریعت وطریقت مولانا عبدالرحمٰن کیلانی۔

۳۔ منہاج العقائد (تصوف عقائد کی روشنی میں) از آفتاب کریمی۔ ۴۔ دین تصوف از یحییٰ گوندلوی۔

۵۔ التصوف از علامہ احسان الٰہی ظہیر ۶۔ تزکیہ نفس از امین احسن اصلاحی

۷۔ تاریخ تصوف از علامہ محمد اقبال ۸۔ تاریخ تصوف از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

امام صاحب کے ملفوظات

قاضی ولید بن ابراہیم امام بخاری کے تلامذہ میں ہیں۔ ری کی قضا پر مامور تھے۔ کہتے ہیں کہ جب میری عزیز عمر کا بہت سا حصہ گزر چکا تو مجھے علم حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت امام بخاری کا عالم میں غلغلہ تھا۔ میری نگاہ بھی امام صاحب کی ہی درس گاہ کی جانب اٹھی کیونکہ شرق سے غرب تک انہیں کا چرچا تھا۔ میں نے حاضر ہو کر امام صاحب سے اپنے دلی مقصد کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے میری درخواست سن کر فرمایا:

"یا بُنَیَّ! لا تدخل فی امرٍ الّا بعد معرفة حدوده والوقوف علی مقادیره".

یعنی پیارے صاحب زادے! کسی کام میں ہرگز نہ ہاتھ لگاؤ جب تک اس کے حدود اور اُس کے مقادیر سے واقفیت نہ حاصل کر لو۔

پھر فرمایا:

"واعلم ان الرجل لا یصیر محدثاً کاملا فی حدیثه الا بعد ان یکتب اربعًا مع اربعٍ کاربع مثل اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لاربع وکل هذه الرباعیات لا تتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له کلها هان علیه اربع و ابتلی باربع فاذا صبر علی ذلك اکرمه الله فی الدنیا باربع و اثابهُ فی الاخرة باربع.

خلاصہ یہ کہ بغیر ان بارہ رباعیات کے انسان محدّث کامل نہیں ہو سکتا اور جب یہ بارہ رباعیات کسی کو حاصل ہو جائیں تو اس کے لیے فلاح دارین ہے۔

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ میں ان بارہ رباعیات کو سن کر (گھبرا گیا) عرض کیا کہ آپ اس اجمال کی تفصیل فرمایئے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ہاں، ابھی تفصیل لو۔ پھر امام صاحب نے اس کی تفصیل فرمائی۔

پہلی رباعی ان یکتب اربعاً یعنی چار چیزیں لکھے۔ **اول** احادیث رسول اللہ ﷺ، **ثانی** حالات صحابہ اور ان کی تعداد، **ثالث** تابعی اور ان کے حالات، **رابع** بقیہ علمائے امت اور ان کی تواریخ۔

دوسری رباعی۔ مع اربع. چار کے ساتھ لکھے۔ **اول** رجال حدیث کے نام، **ثانی** ان کی کنیت، **ثالث** ان کی جائے سکونت، **رابع** ان کے سنوات ولادت و وفات۔

تیسری رباعی کا ربع چار کی طرح لکھے۔ جس طرح خطیب کے لیے حمد لازم ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نام کے لیے درود ضروری ہے۔ سورتوں کے لیے بسم اللہ اور نماز کے لیے تکبیرات لازم ہیں، ایسے ہی رجال کے نام ان کی کنیت، ان کی جائے سکونت، ان کے سنواتِ ولادت و وفات لکھنے کو لازم جانے۔

چوتھی رباعی مثل اربع چار کے مثل لکھے۔ مسندات وہ حدیثیں جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔

مرسلات (وہ حدیثیں جن میں صحابی مذکور نہ ہوں) موقوفات (وہ حدیثیں جو صحابی یا تابعی کے اقوال ہیں) مقطوعات (جس حدیث کا بیچ سے کوئی راوی چھوٹ گیا ہو) غرض ہر قسم کی حدیث کا استقصا کرے۔

پانچویں رباعی فی اربع چار وقتوں میں لکھے۔ کم سنی میں، جوانی میں، سن کہولت یعنی ادھیڑ پن میں، بڑھاپے میں۔ غرض کسی سن میں تحصیل کا جوش کم نہ ہو اور نہ کسی سن میں قلم رکے اور طلب سے سیری ہو۔

چھٹی رباعی عند اربع چار حالتوں میں، عدیم الفرصتی، فرصت، فراغ دستی، تنگ دستی۔ جس حالت میں ہو، خیال بندھا رہے۔

ساتویں رباعی با ربع۔ چار میں لکھے۔ پہاڑ، سمندر، آبادی، جنگل، غرض جہاں پائے لکھے۔

آٹھویں رباعی علی اربع چار چیزوں پر لکھے۔ پتھر، چمڑے، ہڈی، سیپ۔ جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

نویں رباعی عن اربع چار سے لے کر لکھے۔ جو سن میں بڑے ہوں اور جو سن میں کم ہوں اور جو سن میں برابر ہوں اور اپنے والد کے خط سے بشرطیکہ خط کا یقین ہو۔

دسویں رباعی لا ربع چار کاموں کے لیے لکھے۔ اللہ کی رضامندی کے لیے، عمل کے لیے بشرطیکہ کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو، طالبین حدیث میں اشاعت کے لیے، تالیفات میں جمع کرنے کے لیے کیونکہ تالیفات کی وجہ سے اس کا قیام رہتا ہے۔

ہاں یہ دس رباعیات جن کے بغیر نہیں پوری ہوتیں، وہ دوسری دو رباعیاں ہیں۔ پہلی کسبی ہے۔ فن کتابت، علم لغت، صرف ونحو میں ماہر ہونا۔

دوسری رباعی وہبی اور خدا کی عطا یعنی صحت، قدرت، علم کا شوق، قوت حافظہ۔ جب یہ بارہ رباعیاں کسی کو نصیب ہو جائیں تو ان کی خوشی میں وہ چار چیزوں کو جو نہایت پیاری ہیں (یعنی بیوی، اولاد، مال، وطن) بے وقعت سمجھتا ہے اور چار چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ دشمنوں کی شماتت میں، دوستوں کی ملامت میں، کوتاہ بینوں کی طعن زنی میں، علمائے عصر کے حسد میں، جب ان چار پر صبر کرتا ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اس کو چار چیزوں سے معزز کرتا ہے۔ قناعت کی عزت سے، ایمانی رعب سے (ہیبت حق است ایں از خلق نیست) علمی لذت سے اور دائمی خوشی سے ﴿ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً: النحل:۹۷﴾۔ آخرت میں چار دولتوں سے مالا مال کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اپنے بھائیوں کے شفیع بننے کا درجہ ملنے سے، عرش اعظم کے سایہ سے (حیث لا ظل الا ظله)، حوض کوثر پر پانی پلانے کے درجہ سے (حیث لا ماء الا ماؤه) انبیاء اور مرسلین کی ہمسائیگی سے ﴿اولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين: النساء:٦٩﴾. یہ کہہ کر فرمایا، لو صاحبزادے ہم نے جو شیوخ سے متفرق سنے تھے، تم کو ایک ہی بار سنا دیا۔ اب چاہو علم حدیث حاصل کر دیا چھوڑ دو۔ [1]

---

[1] سیوطی نے اسے تدریب الراوی ۲/ ۱۵۷۔۱۵۹ میں ذکر کیا ہے اور نہیں سے مصنف رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ امام سیوطی نے یہ ←

قاضی ابو العباس کہتے ہیں، امام بخاری کا یہ کلام سن کر میں متفکر اور ساکت ہو گیا اور دیر تک سر نیچے کیے رہا کیونکہ فن حدیث کی تحصیل کے بار گراں کا جس کو امام صاحب نے رباعیات مذکورہ بالا میں بیان کیا تھا، میں متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ امام صاحب نے میرے سکوت اور تفکر کو دیکھ کر فرمایا: ''فان لم تطق احتمال المشاق کلها فعلیك بالفقه الذی یمکنك تعلّمُهُ و انت فی بیتك قارٌّ ساکنٌ لا تحتاج الی بعد الا سفار و وطئ الأبار و رکوب البحار وهو مع ذا ثمرةُ الحدیث. خلاصہ یہ کہ اگر تم سے علم حدیث کی تحصیل بوجہ مشقتہائے کثیرہ ممکن نہ ہو تو تم علم فقہ ہی حاصل کرو جس میں سفر کی تکلیفوں سے نجات مل جائے گی اور علم فقہ باوجود سہل الحصول ہونے کے حدیث ہی کا ثمرہ ہے۔[1]

← رباعیات بخاری اپنی سند کے ساتھ لکھی ہیں اور وہ سند ابو المظفر محمد بن احمد بن حامد بخاری تک پہنچتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب ابو العباس ولید بن ابراہیم بن زید ہمدانی کو دیّ شہر میں عہدۂ قضاء سے معزول کر دیا گیا تو وہ بخارا میں آئے تو میرے معلم ابو ابراہیم خُتّلی مجھے اٹھا کر ان (ابو العباس) کے پاس لے گئے۔ اور انہیں کہنے لگے کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ ہمارے مشائخ سے سنا وہ اس بچے کو بیان کر دیجیے تو انھوں نے کہا میں نے سنا نہیں تو ختلی نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے سماع نہ کیا ہو حالاں کہ آپ فقیہ ہیں؟ تو انھوں نے کہا اس لیے کہ جب میری عزیز عمر کا بہت سا حصہ گزر گیا...... الخ اور اس کے بعد میں آنے والا حاشیہ دیکھیے

[1] القسطلانی ۱/۱۶ قاضی عیاض اور علامہ مزی وغیرہ نے اس کے بعد یہ بھی زیادتی بیان کی ہے کہ: آخرت میں فقیہ کا ثواب محدّث کے اجر وثواب سے کم نہیں ہوگا، اسی طرح فقیہ کی عزت وتکریم محدث سے کم نہیں ہوگی۔ ابو العباس کا کہنا ہے کہ جب میں نے یہ باتیں سنیں تو طلب حدیث میں میرا عزم کم پڑ گیا اور علم حدیث سے جو کچھ میرے لیے ممکن تھا اللہ کی توفیق واحسان کے ساتھ اس کو حاصل کرنے میں لگ گیا۔ اے ابو ابراہیم! اسی وجہ سے میرے پاس وہ کچھ نہیں جو میں اس بچے کو املاء کراؤں۔ ابو ابراہیم نے کہا بے شک وہ ایک حدیث جو آپ کے پاس موجود ہے اور کسی کے پاس موجود نہیں وہ ایک ہی ان ہزار احادیث سے بہتر ہے جو دوسروں کے ہاں موجود ہیں۔ یہ الفاظ مزی کے ہیں اور یہ قصہ قاضی عیاض ت ۵۴۴ھ نے غنیة ۱۳۶۔۱۳۹ میں اپنے شیخ ابو بکر ابن العربی کے تعارف میں اور الالماع باب شرف علم الحدیث وشرف اهله ص ۲۹۔۳۴ میں اپنی سند سے ابو المظفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جبریل ابن مت خزرجی اور ابو بکر محمد بن عیسیٰ بخاری سے بھی مسند بیان کیا ہے۔

اور حافظ مزی متوفی ۷۴۲ھ نے تهذیب الکمال ۴۶۱/۲۴۔۴۶۴ پر امام بخاری کے تعارف وحالات میں ابو بکر محمد بن احمد بن محمد بن صالح بن خلف اور ابو الحسن علی بن احمد بن خضاج بن ابراہیم الکاتب اور ابو الحسن علی بن احمد بن یونس بن عبید تمیمی سے مسند بیان کیا ہے۔

اور امام سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے تدریب الراوی ۱۵۷/۲۔۱۵۹ نوع ۲۸ معرفة آداب طالب الحدیث میں ابو بکر محمد بن احمد بن محمد بن صالح بن خلف کے طریق سے بیان کیا ہے اور مقری متوفی ۱۰۴۱ھ نے نفح الطیب ۶۲۲/۱ پر ابو حیان اندلسی کے حالات میں قاضی عیاض کے طریق اور ایک دوسری سند سے بیان کیا ہے۔ دونوں سندیں قاضی ابو بکر ابن العربی سے ہیں جیسا کہ وہ قاضی عیاض کے ہاں بھی ابن العربی سے ہیں اور وہ سب ابو ذر عمار بن محمد بن مخلد تمیمی سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا میں نے ابو المظفر محمد بن احمد بن حامد بن ابراہیم بن فضل بخاری سے سنا کہ جب ابو العباس ولید بن ابراہیم بن زید ہمدانی ریّ کے عہدہ قضاء سے معزول کر دیے گئے...... الخ

میں کہتا ہوں کہ عمار بن محمد بن مخلد تمیمی کے حالات تاریخ بغداد ۲۵۶/۱۲ پر موجود ہیں۔ ان سے امام حاکم اور غنجار وغیرہ نے روایت کی ہے، انھوں نے بخارا میں ۳۸۷ھ کو وفات پائی۔ خطیب بغدادی نے ان میں نہ کوئی جرح نقل کی اور نہ ہی تعدیل اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں ان کا ذکر کیا ہے ۲۷۴/۴ اور کہا ہے کہ حافظ شیرازی نے کتاب الالقاب میں ان سے ایک حدیث روایت کی ہے ←

ایک دوسرا ملفوظ امام بخاری کا حافظ ابن حجر نے یہ نقل کیا ہے:

"لا اعلم شیئاً یُحتاجُ الیه الا وهو فی الکتاب والسنة قیل له یمکن معرفة ذلك قال نعم". ❶

یعنی کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کی حاجت ہو اور وہ قرآن وحدیث میں نہ ہو۔ پوچھا گیا کیا ان کا جاننا بھی ممکن ہے؟ فرمایا، ہاں۔

خلاصہ یہ کہ کسی امام یا عالم کے قواعد مخترعہ یا سکوت کو نص کے برابر تسلیم کر کے ان سے مسائل اور پیش آنے والی جزئیات کی تخریج کرنا اور پھر ان مسائل مستخرجہ کو بجائے نص مان کر تخریج در تخریج کرتے رہنا اس کا حکم اللہ اور رسول نے

← پھر کہا ہے کہ: ''میرا یہی گمان ہے کہ انھوں نے اس حدیث میں وہم کیا ہے اور وہ اھل الحدیث میں سے نہ تھے''۔ رہے ان کے شیخ ابو المظفر محمد بن احمد بخاری اور ابو المظفر کے شیخ ابو العباس ولید بن ابراہیم ہمذانی تو میں ان کے تعارف وحالات پر مطلع نہیں ہو سکا۔

اور حافظ سخاوی نے اپنی کتاب ''الجواهر والدرر فی ترجمة شیخ الاسلام ابن حجر'' میں حافظ ابن حجر کے بعض کتب اور اجزاء پر لکھے ہوئے تعاقبات کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر کے تعاقبات میں سے وہ بھی ہے جو کہ انھوں نے یونارتی کے جزء کے آخر میں امام بخاری کی طرف منسوب رباعیات کے بارے حکایت کا تعاقب کیا ہے۔ اس کے متعلق حافظ صاحب نے کہا ہے کہ: ''فقیر احمد بن علی بن حجر کہتا ہے کہ بے شک میں نے جب سے یہ حکایت پڑھی ہے اس وقت سے لے کر ان سطور کے لکھنے تک میرا دل اس کی صحت سے دور ہے اس کو قبول کرنے کے لیے مستعد نہیں ہے۔ وضع (بناوٹی) ہونے کی علامت اس پر ظاہر ہے اور جعل سازی کے اشارے اس میں چمک رہے ہیں۔ میرے دل میں یہ کبھی نہیں آ سکتا کہ امام بخاری محمد بن اسماعیل یہ بات یا اس میں سے بعض کہیں۔ رہا اس کے آخر میں کسی کہنے والے کا یہ قول کہ بے شک یہ ایک ہزار حدیث سے بہتر ہے تو یہ ایسا کذب ہے جس سے بڑا کذب نہیں ہو سکتا''۔

الجواهر والدرر ۱/ ۳۰۷، ۳۰۸ نشر المجلس الاعلی للشئو ن الاسلامیة القاهرة ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء۔

اور یہ بات حافظ سخاوی سے شیخ عبد الهادی نجا ابیاری نے نیل الامانی فی توضیح مقدمة القسطلانی میں بھی الفاظ میں کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے ص ۸۷۔

جیسا کہ استاذ سید احمد صقر رحمہ اللہ نے کتاب الالماع للقاضی عیاض کی تعلیقات ص ۳۴ میں نقل کیا ہے۔

از مترجم: اور اس کی سند میں ابوعصمہ بن نصر فرغانی ہے بعض کا کہنا ہے کہ صاحب مناکیر وغرائب تھا اس کا ذکر امام ذہبی نے میزان میں کیا ہے دیکھیے: تعلیق فضیلة الشیخ محمد رفیق الری علی اسبال المطر علی قصب السکر ص ۳۰۳۔

❶ مقدمة فتح الباری ص ۴۸۸، تاریخ الاسلام للذهبی ص ۲۵۲ سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۱۲، تغلیق التعلیق ۵/ ۴۱۹۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے ملفوظات میں سے وہ بھی جو پیچھے گزرا کہ: مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ وہ ایسی حالت میں رہے کہ اگر وہ دربار الٰہی میں سوال کرے تو اس کا سوال رد نہ کیا جائے۔

نیز ان کے ملفوظات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میرے نزدیک میری تعریف کرنے اور میری مذمت کرنے والا برابر ہیں۔

تاریخ بغداد ۲/ ۳۰ اس میں مادح کی جگہ حامد ہے۔ تهذیب الاسماء واللغات ۱/ ۱/ ۶۸، ماتمس الیه حاجة القاری ص ۲۵۔

نہیں دیا ہے۔ ❶ امام المحدثین کا خلاصہ زندگی یہ ہے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ پر عمل کر کے سیرت رسول اور سیرت صحابہ کا نمونہ عالم کے سامنے پیش کر دیا اور اہل اسلام کو بتا گئے کہ یہ ہیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ اور ان پر عمل اس طرح کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں آراء الرجال کو اس طرح بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور ان سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

زائر از کشکول اہل الرائے نتواں لقمہ خورد
برسر خوان رسول اللہ مہمانیم ما ❷

✦✦✦

❶ مؤلف رحمہ اللہ ساتویں باب میں اس موضوع میں تفصیلی گفتگو کریں گے جبکہ وہ امام بخاری کی فقاہت کے متعلق بات کریں گے۔

❷ ہم اہل رائے کے کشکول (بھیک مانگنے کے برتن) سے نہیں کھاتے کیوں کہ ہم تو رسول اللہ کے دسترخوان کے مہمان ہیں۔

باب : ۲

امام المحدثین کی تصنیفات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

قطع نظر تواتر اور شہرت کے امام بخاری کی تصنیفات کا سلسلہ سند امام صاحب تک ایک دو نہیں، سیکڑوں طریقے سے ملتا ہے جو ہر طرح صحت کا جامع ہے اور آج تک علمائے اسلام نے (خواہ کسی مذہب کے ہوں، باستثناء بعض فرق) اپنے سلسلہ سند کو امام صاحب تک پہنچانے کا التزام رکھا ہے۔ ان سب میں صحیح بخاری کو ایک خصوصیت خاص اور امتیاز خاص حاصل ہے۔ جس کتاب کو مؤلف کی حیات میں مؤلف سے نوے ہزار شاگردوں نے پڑھا ہو، اس کے تواتر کا کیا پوچھنا ہے۔ [1] ایک امام نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی التوفی ۵۳۷ھ [2] نے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے (جس کا نام النجاح فی اخبار الصحاح ہے) لائق شارح نے اس شرح میں لکھا ہے کہ میرا سلسلہ سند امام بخاری تک پچاس طریق سے پہنچتا ہے۔ [3]

آج ایسی تالیفات سینکڑوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں لیکن اس وجہ سے قابل وثوق نہیں سمجھی جاتیں کہ ان کا سلسلہ سند ان کے مؤلفین تک قابل اعتبار نہیں۔ اولاً تو سلسلہ سند قائم ہی نہیں اور بعض معتقدین نے سلسلہ ملانا بھی چاہا تو بیچ میں کتنے رجال مجہول مستور بے اعتبار آتے ہیں جو سند کو پایہ وثوق سے گرا دیتے ہیں۔ اگر شک ہو تو مسند خوارزمی کو

---

[1] مقدمة فتح الباری ۴۹۱، مقدمة القسطلانی ۳۳/۱۔

[2] امام ذہبی نے کہا ہے (نسفی حنفی) صاحب فنون تھے۔ انھوں نے حدیث، تفسیر اور شروط میں تالیف کی ہے اور ان کی تقریباً ایک سو کتابیں ہیں۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲۶/۲۰ اور سمعانی نے ان پر ان کی کتابوں میں کثرت تحریفات و اخطاء اور اوہام کے واقع ہونے کی وجہ سے تنقید کی ہے۔ التحبیر (۵۲۸/۱) اور ان کی تالیفات میں سے "القند فی ذکر علماء سمر قند" ہے جو کہ نظر محمد فاریابی کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ الکوثر ریاض کی طرف سے ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء کو آخری بار چھپی ہے اور جس نسخہ سے چھپی ہے وہ ہے تو اچھا لیکن شروع اور آخر سے ناقص ہے۔

[3] دیکھیے: کشف الظنون ۴۷۱/۱، ۳۷۱/۲، ۵۸۶/۲ (۹۲۹/۲) مصورة دار الفکر ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

اس میں اس کا نام "النجاح فی شرح اخبار کتاب الصحاح" ہے اور هدية العارفين میں اس نام کے ساتھ "ای من البخاری ومسلم" کا اضافہ بھی ہے۔ ۷۸۳/۱۔

دیکھو۔ [1] ہم عصر نعمانی صاحب [2] اس مسند کے بارے میں لکھتے ہیں: ''جو لوگ امام ابوحنیفہ صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں، وہ انہیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل امر ہے''۔

کچھ آگے چل کر پھر لکھتے ہیں: ''مسند خوارزمی کو امام ابوحنیفہ کی مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے، وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد، قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہم عصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ، امام ابوحنیفہ کا مسند کہا جا سکتا ہے لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے ثابت نہ ہو، اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے''۔

وہ حجۃ اللہ بالغہ میں فرماتے ہیں: ''طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے ان کو بلند نام کرنا چاہا حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایہ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار تھے یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکماء اور واعظین کے

---

[1] وہ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد بن حسن خوارزمی خطیب ہیں۔ ۵۹۳ھ میں پیدائش ہوئی اور ۶۵۵ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ ابن قطلوبغا متوفی ۸۷۹ھ کا کہنا ہے کہ خوارزمی نے امام ابوحنیفہ کی مسانید کو دو جلدوں میں جمع کیا ہے۔ ان دو جلدوں میں ۱۵ کتب کو جمع کر دیا ہے اور ان کا تعارف قرشی نے الجواھر المضیئۃ ۳/۳۶۵ اور عبدالحئی لکھنوی نے الفوائد البھیۃ ص ۲۰۰ میں کرایا ہے لیکن انھوں نے ان کی کسی تصنیف شدہ کتاب کا تذکرہ نہیں کیا اور الفوائد البھیۃ میں ان کی تاریخ ولادت ۶۰۳ھ لکھی ہے جیسا کہ کشف الظنون (۲/۱۶۸۰) میں ان کی تاریخ وفات ۶۶۵ھ ہے۔ واللہ اعلم۔ افسوس اور حیرت ہے لکھنو کے بعض اہل مطبع پر کہ مسند خوارزمی کو طبع کر کے اسے امام ابوحنیفہ کی طرف بلا تامل منسوب کر دیا اور ذرا تحقیق سے کام نہیں لیا۔ حالاں کہ وہ بڑے بڑے محققین پر نکتہ چینی کرتے ہوئے حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ کسی کو جاہل بناتے ہیں، کسی کو بے وقوف۔ امام ابوحنیفہ کی جس قدر مسندات کہی جاتی ہیں، ان کے رواۃ کی جانچ میزان الاعتدال اور فوائد وغیرہ سے کر کے دیکھ لو، کیا حالت ہے۔ (مؤلف)

[2] علامہ شیخ شبلی بن حبیب اللہ بندولی معروف بہ شبلی نعمانی۔ امام ابوحنیفہ نعمانؒ کی طرف نسبت ہے۔ معروف حنفی محقق عالم ہیں۔ اردو زبان میں ادبی مدرسہ کے سرخیل ہیں۔ ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ وہ ہندوستان میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھنے والوں میں سے تھے اور ان کے تفصیلی حالات شیخ عبدالحئی حسنی کی کتاب نزھۃ الخواطر ۸/۱۸۹۔۱۹۱ میں موجود ہیں اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شروع شروع میں تو مذہب حنفی میں بڑے سخت تھے اور اہل حدیث کے ساتھ کچھ مدت بحث و مباحثہ کرتے رہے......'' نیز دیکھیے ''حیات شبلی'' از سید سلیمان ندوی

لیکن جب وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے ساتھ متعلق ہوئے تو ان کی توجہ اور سوچ بدل گئی اور تاریخ اور سیرت وغیرہ کی طرف مائل ہو گئے۔ ان کی مشہور تالیفات ہیں۔ ان میں سے ایک ''سیرۃ النعمان'' ہے۔ کتاب سیرۃ البخاری کا مطالعہ کرنے والا اس میں شبلی نعمانی کی امام بخاری اور صحیح بخاری کے متعلق بعض آراء اور مباحث کا رد معلوم کر سکے گا۔

مقولے تھے جن کو راویوں نے رسول اللہ ﷺ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا یا قرآن اور حدیث کے متحمل مضامین تھے جن کو ان نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے۔ ان کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے۔ اس قسم کی حدیثیں **کتاب الضعفاء** ابن حبان، کامل ابن عدی، تصنیفات خطیب و ابونعیم و جورقانی و ابن عساکر و ابن نجار اور الدیلمی میں مل سکتی ہیں۔ اور مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے‘‘۔ [1]

شاہ صاحب کے فیصلہ کے بعد ہم عصر موصوف لکھتے ہیں: ’’بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے، ان کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں، جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن ان کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں۔ مسند حصکفی [2] میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جن کو انھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے، حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے۔ بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی کی ہیں، اس لیے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابوحنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں۔ اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہو گا‘‘۔ [3]

صحیح بخاری کے علاوہ امام بخاری کی ایک تصنیف (جن کی تفصیل آگے آتی ہے) نہایت وقعت اور وثوق کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ امام ابوعلی غسانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے تاریخ کبیر لکھی تو امام اسحاق بن راہویہ جیسے باکمال شیخ نے اس نادر تالیف کو امیر عبداللہ بن طاہر حاکم رَے کے دربار میں پیش کر کے فرمایا، **الا اریك سِحرًا**. کیا میں تمہیں ایک بڑا جادو نہ دکھاؤں؟ [4]

---

[1] **حجة الله البالغة ۲۸۴/۱ (۳۰۹/۱، طبعه دار المعرفة بیروت)**۔

[2] **حَصْكَفِي** حاء مہملہ کے فتحہ صاد مہملہ کے سکون اور کاف کے فتح کے ساتھ یہ **حصكفا** کی طرف نسبت ہے۔ یہ دیار بکر میں ایک شہر ہے یا یہ حصن کیفا (قلعہ) کی طرف نسبت ہے اور وہ موسیٰ بن زکریا بن ابراہیم الامام صدر الدین ہیں، ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ۶۵۰ھ میں وفات پائی دیکھیے: **الجواهر المضية ۱۸۵/۲، ۲۹۹، ۵۱۶/۳، ۱۸۰/۴** اور **الانساب ۱۷۴/۴**۔
اور اردو میں **حصفکی** لکھا گیا ہے جو کہ خطاً ہے اور درست **حصکفی** ہے

[3] سیرۃ النعمان ۶۷، ۶۸ یہ کتاب اردو میں ہے۔

[4] **تقييد المهمل** ۴/أ صاحب تقیید نے **تاريخ بغداد ۷/۲** سے اخذ کیا ہے دیکھیے: **تاريخ دمشق ۴۷/۱۵/ أ۔ تهذيب الكمال** ←

علامہ تاج الدین سبکی اسی تاریخ کی نسبت لکھتے ہیں:

"وکتاب محمد بن اسمٰعیل فی التاریخ کتاب لم یسبق الیه و من الف بعده شیئا من التاریخ اوالا سماء اوالکنی لم یستغن عنه، فمنهم من نسبه الی نفسه مثل ابی زرعة و حاتم و مسلم و منهم من حکاه عنه فالله یرحمه فانه الذی اصل الاصول. ◆

← ۴۴۰/۲۴، تاریخ الاسلام ص ۲۴۹، سیراعلام النبلاء ۴۰۳/۱۲، طبقات السبکی ۲۲۱/۲، تحفة الاخباری ص ۱۸۲، تغلیق التعلیق ۴۰۵/۵، مقدمة فتح الباری ص ۴۸۳ اور خطیب اور غسانی وغیرہ نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ عبداللہ نے اس میں دیکھ کر تعجب کیا اور کہا کہ میں ان کی اس تصنیف کو سمجھ نہیں پایا"۔

◆ طبقات السبکی ۲۲۵/۲۔۲۲۶۔ سبکی نے یہ بات امام ابو احمد حاکم کبیر سے ذکر کی ہے اور یہ ان کی کتاب "الکنی" (۲۷۴/۲) پر ابو بشر عبداللہ بن دیلمی کے تعارف نمبر ۸۶۷ میں اس سے بھی زیادہ کامل ذکر کیا گیا ہے لیکن اس میں کچھ تشویشناک تحریف ہو چکی ہے) اور خلیلی نے حاکم سے اپنی سند کے ساتھ ارشاد ۹۶۲/۳ میں ذکر کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے بھی تغلیق التعلیق ۴۲۵/۵ پر اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز دیکھیے: تاریخ الاسلام للذهبی ۲۵۹، المقتنی فی سرد الکنٰی ۱۰۷/۱، تحفة الاخباری ص ۲۰۰، تهذیب التهذیب ۳۵۸/۵، النکت علی ابن الصلاح لابن حجر ۲۸۵/۱، مقدمة الفتح ۴۹۰۔

اور امام ذہبی نے یہ سیر اعلام النبلاء ۴۷۳/۱۹ پر ابو عبداللہ حاکم کے واسطہ سے ان کے شیخ ابو احمد حاکم کبیر سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رَیّ میں تھا اور اہل ری عبدالرحمٰن بن ابی حاتم سے ان کی کتاب "الجرح والتعدیل" پڑھ رہے تھے۔ میں نے ابن عبدویہ الوراق سے کہا کہ یہ بہت ہنسی کی بات ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ اپنے شیخ سے تاریخ بخاری پڑھتے ہو اور تم نے اس کی نسبت ابوزرعہ اور ابو حاتم کی طرف کر رکھی ہے تو اس پر وراق نے کہا: اے ابو احمد! آپ یہ بات جان لیں کہ ابوزرعہ اور ابو حاتم تک جب امام بخاری کی کتاب التاریخ پہنچی تو انھوں نے کہا تھا کہ اس کتاب میں وہ علم ہے جس کے بغیر چارہ نہیں اور یہ بھی اچھا نہیں کہ ہم یہ علم اپنے غیر سے ذکر کریں، تو انھوں نے عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کو بٹھایا تو اس نے ان دونوں سے ایک ایک راوی کے بارے میں یکے بعد دیگرے سوالات کیے تو انھوں نے اس میں (تعارف میں) کچھ باتوں کا اضافہ کیا اور کچھ میں کمی بھی کی"۔ یہ بات تذکرة الحفاظ میں بھی ہے (۱۹۷۸/۳) اور خطیب بغدادی نے "موضح اوهام الجمع و التفریق" (۸/۱) میں بھی ذکر کیا ہے۔

اور خطیب نے یہ بھی کہا ہے کہ "بہت تعجب ہے کہ ابن ابی حاتم نے امام بخاری کی کتاب پر یورش کر کے اسے اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" میں نقل کیا ہے اور اس میں جتنے رجال کے اسماء ہیں ان کے متعلق اپنے باپ اور ابوزرعہ سے سوالات کیے اور ان کے جوابات مدوّن کر دیے۔ پھر ان کی نظر میں امام بخاری سے جو اوہام ہوئے تھے وہ جمع کیے اور وہ اوہام بغیر کسی عذر بیان کرنے کے ذکر کر دیے۔ مثلاً وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم نے یہ اوہام صرف اس لیے ذکر کیے ہیں تا کہ درست بات معلوم ہو جائے، ہماری غرض قارئین کے سامنے امام بخاری کی تنقیص یا عیب جوئی نہیں۔ خطیب نے کہا ہے کہ ہم ان کے بارے یہی گمان رکھتے ہیں کہ ان کا مقصد امام بخاری کی تنقیص یا عیب جوئی نہ تھا کیوں کہ دین داری میں ان کا ایک خاص مقام تھا اور آئمہ مسلمین میں ایک بلند امام تھے اللہ ان پر اور دیگر مثلاً بخاری، ابو حاتم اور ابوزرعہ ان سب پر رحمت کرے۔ موضح ۸/۱۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں ابو حاتم اور ابوزرعہ امام بخاری کی کتاب التاریخ سے واقف تھے اور انھوں نے اس سے ←

امام بخاری کی تاریخ وہ کتاب ہے کہ اس سے پہلے کسی نے ایسی مبارک تالیف نہیں لکھی اور جس شخص نے امام بخاری کے بعد تاریخ، اسماء یا کنیتوں میں تالیف کرنی چاہی، وہ اس سے کسی طرح مستغنی نہیں ہوسکا۔ بعض اہل علم نے پیرایہ بدل کر اسے اپنی طرف منسوب کرلیا جیسے ابوزرعہ، ابوحاتم، امام مسلم، اور بعض نے بحوالہ نقل کیا۔

اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کیونکہ انھوں نے تاریخی اصول کی بنیاد ڈالی۔

حافظ ابوالعباس بن عقدہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیس ہزار حدیثوں کو لکھے تو بھی امام بخاری کی تاریخ سے اس کو استغنا نہیں ہوسکتا۔ [1]

امام بخاری کا اپنی تالیف میں کسی کو ذکر کردینا یہی اس کے لیے باعث فخر سمجھا جاتا ہے۔ مؤرخین اس کو جس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، امام فخر الدین رازی اور صاحب سیرۃ النعمان کے کلام سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ صاحب سیرۃ النعمان رقم طراز ہیں: ''لیکن رجال اور تاریخ کی مستند کتابیں جن میں امام ابوحنیفہؒ کا ذکر ہے، اکثر میری نظر سے گزریں جن میں تاریخ صغیر بخاری، معارف ابن قتیبہ اور فلاں فلاں کتابیں ہیں''۔ [2] حالانکہ تاریخ صغیر میں جس طرح جناب امام ابوحنیفہؒ کا ذکر ہے، اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ باوجود اس کے صاحب سیرۃ النعمان اسے افتخاراً لکھتے ہیں۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں امام شافعی کا بھی تعارف دیا ہے۔ چنانچہ صاحب سیرۃ النعمان کہتے ہیں:

''اسی طرح تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر ہے لیکن جس بے پرواہی سے کیا ہے، اس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ اُن کی تضعیف نہیں کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں:

''واما الامام محمد بن اسماعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر، فقال فی باب

← کافی حد تک فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے اس کی غلطی کی اصلاح کی ہے اور ان کی ایک مستقل کتاب بھی ہے جس کا نام ''بیان خطاء البخاری فی تاریخہ'' ہے اور اس بات سے قطع نظر کہ ان کی بات درست ہے یا امام بخاری کی بہرحال اس میں یہ دلیل ہے کہ ان دونوں نے اپنی کتاب کی بنیاد امام بخاری کی کتاب پر رکھی ہے۔ لیکن جیسا کہ محترم مصنف آگے چل کر ذکر کریں گے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں بنیادی طور پر جس چیز کی طرف توجہ دی ہے وہ یہ ہے کہ راوی نے اپنے مروی عنہ سے سنا ہے یا نہیں، یہ متصل ہے یا منقطع، مرسل ہے یا غیر مرسل وغیرہ۔ باقی رہا جرح وتعدیل اور راوی کا درجہ بیان کرنا تو یہ اس کتاب میں قلیل ہے۔ ابوحاتم اور ابوزرعہ نے اس چیز کا اضافہ بھی کیا ہے اور ابوحاتم نے متقدمین آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال کا احاطہ کرنے پر انتہائی کوشش صرف کی ہے، تو اس طرح اس کتاب میں عظیم فوائد کا اضافہ ہوگیا ہے۔ جن سے جرح وتعدیل میں تحقیق کرنے والا مستغنی نہیں ہوسکتا۔

دیکھیے: الجرح والتعدیل کا مقدمہ للشیخ عبدالرحمن المعلمی (ا/ی۔ ید)

[1] **تاریخ بغداد ۸/۲، تقیید المہمل ۴/ا، تاریخ دمشق ۱۵/۴۷/ا، تہذیب الکمال ۲۴/۴۴۱، تحفۃ الاخباری ص ۱۸۴، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۳، مقدمۃ الفتح ص ۴۸۵، تہذیب التہذیب ۹/۴۸۔**

[2] سیرۃ النعمان ص ۱۱۔

المحمديين: محمد بن ادريس ابو عبدالله الشافعي القرشي،سكن مصر، مات سنة اربع و مأتين ، ثم انه ما ذكره في باب الضعفاء مع علمه بانه قد روى شيئا كثيرا من الحديث ولو كان من الضعفاء لذكره". ◆

امام بخاری نے امام شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے۔ چنانچہ محمدیین کے باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبداللہ محمد شافعی القرشی نے ۲۰۴ ہجری میں وفات پائی لیکن ان کو ضعفاء کے باب میں نہیں ذکر کیا حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ امام شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور ان کو ضعیف لکھتے۔

علامہ تاج الدین سبکی شافعی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں: ''وذكر الشافعي في موضعين من صحيحه، في "باب في الركاز الخمس" و في باب "تفسير العرايا من البيوع" و رقَم شيخنا المُزّي في "التهذيب" للشافعي بالتعليق و ذكر هذين المكانين". یعنی امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں امام شافعی کا ذکر دو مقاموں میں کیا ہے۔ اول باب في الركاز الخمس، دوم باب تفسير العرايا كتاب البيوع میں اور علامہ مزی نے ان دونوں مقاموں کا ذکر تہذیب میں کیا ہے۔ ◆

امام بخاری کا اپنی جامع صحیح میں شافعی کو ذکر کرنا ہی از بس غنیمت شمار کیا گیا۔ پھر دفع دخل کے طور پر علامہ سبکی اس سوال کے جواب میں کہ امام شافعی سے روایت کیوں نہیں کی، اسی الطبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں:

''ولم يرو عن الشافعي في الصحيح، لانه ادرك اقرانه والشافعي مات مكتهلا فلا يرويه نازلًا''◆

یعنی امام بخاری نے کوئی حدیث امام شافعی کے واسطے سے اپنی جامع صحیح میں اس لیے نہیں روایت کی کہ امام بخاری نے امام شافعی کے اقران کو پایا اور ان کے معاصرین سے اخذ روایت کیا چونکہ امام شافعی کا انتقال سن کہولت ہی میں ہو گیا تھا، اگر امام شافعی کے واسطے سے روایت کرتے تو حدیث کے سلسلہ سند میں واسطہ بڑھ جاتا اور سند نازل ہو جاتی۔ اس لیے امام شافعی کے واسطہ سے امام بخاری نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری یا مؤلفین صحاح ستہ کی تنقیدی نگاہ میں کسی راوی کا نہ ٹھہرنا یا مجرد ترک کر دینا یا صحاح میں اس سے روایت نہ کرنا یہ ایک ایسی بات تھی جو اس کی طرف شبہ پیدا کرتی تھی اور اس کے دامن ثقاہت پر دھبہ

◆ سیرۃ النعمان ص ۸۰ اس میں یہ بات امام رازی سے عربی الفاظ میں منقول اور مذکور ہے اور یہ مناقب الامام الشافعي للرازی ص ۲۲۳ پر ہے لیکن بعض کلمات میں کچھ اختلاف ہے اور اس کے آخر میں ایک جملے کی زیادتی ہے۔ اور امام شافعی کا تعارف تهذيب الكمال ۳۸۱، ۳۵۵/۲۴ پر ہے اور امام صاحب کا مذکورہ قول ان کے تعارف کے آخر میں ہے۔

◆ الطبقات للسبکی ۲۱۵/۲، صحیح بخاری مع فتح الباری ۳۶۴/۳، ۳۹۰/۴۔

◆ الطبقات للسبکی ۲۱۵/۲۔

لگاتی تھی۔ اسی وجہ سے امام شافعی اور جناب امام ابوحنیفہ کے اتباع میں بڑی کھلبلی مچ گئی اور اس کی توجیہات میں انہیں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ صاحب سیرۃ النعمان نے تو یہ کہہ کر ٹالا کہ اس الزام میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ امام شافعی بھی شریک ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی۔ (دو ایک روایتیں مستثنیٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور آئمہ بھی شریک ہیں۔ امام شافعی جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، ابوثور، حمیدی، ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم نے حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے، ان کی سند سے صحیحین میں ایک بھی روایت موجود نہیں۔ بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی نے بخاری اور مسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ [1] مگر کوئی معقول وجہ نہیں بتا سکتے۔ صحیحین پر موقوف نہیں، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو''۔ [2]

صاحب سیرۃ النعمان، امام رازی کی توجیہات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے خود بخاری اور مؤلفین صحاح کے اہل کوفہ سے روایت نہ لینے کی یہ وجہ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استناد کا جو معیار قرار دیا تھا، اس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لیے گنجائش تھی۔ علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے: ''میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا: **الایمان قول و عمل**''۔ اگر یہ قول صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو ان کے دربار میں پہنچنے کی کیوں کر امید ہو سکتی ہے''۔ [3]

ایک اور وجہ لکھتے ہیں: ''لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، وہ دقت نظر، قوت استنباط، استخراج مسائل، تفریع احکام ہے لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب اور نقص میں داخل ہیں۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، قاضی ابویوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے اسی بنا پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی۔ [4] اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے۔ ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے۔ اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں''۔ [5]

---

[1] امام رازی کی بات مناقب الامام الشافعی ص ۲۳۲ اور ص ۲۳۴ پر ہے۔

[2] سیرۃ النعمان ۷۹۔۸۰۔

[3] سیرۃ النعمان ۸۰۔

[4] دراصل رائے کے غلبہ اور فروع احکام کی تفریع اور بادشاہ کی صحبت کے انہماک کی وجہ سے فن حدیث کی طرف سے بے اعتنائی ہو گئی تھی۔ محدثین کے انہیں چھوڑ دینے کا حقیقی سبب یہی ہے۔ اور علامہ ابن جریر کا لکھنا بہت صحیح ہے۔ (مؤلف)

[5] سیرۃ النعمان ۸۰۔

افسوس اور حیرت ہے کہ ایک مؤرخ ایسی تحقیق سے گری ہوئی بات لکھے جس کو دیکھ کر تھوڑی نظر والا آدمی بھی انگشت بدنداں ہو۔ ہم عصر موصوف کی یہ دونوں توجیہیں امام بخاری اور مؤلفین صحاح ستہ کی نسبت کسی طرح صحیح نہیں مانی جاسکتیں۔ تکثیر مسائل استنباط، فروع تفریع احکام، دِقتِ نظر، یہ تو خود مؤلفین صحاح ستہ بالخصوص امام بخاری کا مہتم بالشان مقصود ہے/ان کے تراجم ابواب ایسے کھلے شواہد موجود ہیں جن سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا۔ جس کے معترف تمام شراح حدیث ہیں۔ خود صحاح ستہ موجود ہے۔ ان کے مؤلفین کی دِقتِ نظر، قوت استنباط، تفریع احکام، تکثیر مسائل، استنباطِ فروع آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہیں اور علامہ ابن خلدون کا یہ جملہ نہایت جامع ہے: ''ولذالك يحتاج الى امعان النظر فی التفقه فی تراجمه''. یعنی انہیں وجوہات سے امام بخاری کے تراجم ابواب میں بڑی غور کی نگاہ اور نظر دقیق کی ضرورت پڑتی ہے۔ [1]

رہی پہلی توجیہہ یہ بات ہر خاص و عام کے نزدیک مسلم ہے کہ امام بخاری اور مؤلفین صحاح ستہ کا ایک بے نظیر وصف ان کی بے تعصبی ہے۔ ان کے سلسلہ اسانید کو پڑھو تو سیکڑوں رواۃ ایسے ملتے ہیں جو ان سے مذہب میں اختلاف رکھتے ہیں بلکہ عام اہل سنت سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن عدل، صدق، دیانت، حافظہ وغیر مقررہ شرائط کے پائے جانے پر بلاتامل ان سے روایت لیتے ہیں۔ خود صحیح بخاری کے سلسلۂ اسانید میں رواۃ موجود ہیں جن کی نسبت ''مرجی'' لکھا گیا ہے جو اعمال کو جزو ایمان نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح رمی بالتشیع یا دیگر امور ایسے مذکور ہیں جن سے اعتقاداً امام بخاری کو اختلاف ہے لیکن شرائط روایت موجود ہونے پر کمال بے تعصبی سے ان سے روایت کرتے ہیں۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ امام بخاری کو ''الایمان قول و عمل'' میں خاص قسم کا کد اور تشدد تھا جس کی شہادت صحیح بخاری کی کتاب الایمان سے بھی ملتی ہے۔ اور امام بخاری کا یہ مقولہ کہ میں نے ہزار سے زائد شیوخ سے حدیث لی، لیکن ایسے شیوخ کے پاس نہیں گیا جو ''الایمان قول و عمل'' کے قائل نہ تھے۔ [2] جیسا کہ مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں مذکور ہے، بہت صحیح ہے کسی طرح سے انکار نہیں کیا جاسکتا [3] لیکن یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اس قول سے امام بخاری کا تشدد امام

[1] مقدمة ابن خلدون ۱۱۴۱/۳ . (۴۸۴/۱ طبعه دار الكتب العلمية بيروت ۱۴۱۳ھ)۔

[2] مقدمة فتح البارى ۴۷۹، الطبقات للسبكى ۲۱۷/۲ ، تاريخ بغداد ۱۰/۲ ، القسطلانى ۲۷/۱۔

[3] امام بخاری نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں نے ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ شیوخ سے روایت کی ہے یہ ان سے متعدد طرح مروی ہے:
(الف) میں نے ایک ہزار اور اس سے زیادہ شیوخ سے حدیث لکھی ہے، ان میں سے ہر ایک سے دس ہزار یا اس سے زیادہ احادیث لکھی ہیں اور میرے پاس جتنی بھی احادیث ہیں ان میں سے ہر ایک کی اسناد مجھے یاد ہے۔
امام صاحب کا یہ مذکورہ بالا قول غنجار نے بطریق کرمینیہ کی جامع مسجد کے امام جعفر بن محمد قطان روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔
دیکھیے: تاريخ دمشق ۴۱/۱۵/ب، تاريخ الاسلام للذهبى ص ۲۵۱ ، سير اعلام النبلاء ۴۰۷/۱۲ ، طبقات الشافعية للسبكى ۲۲۲/۲ اور تحفة الاخبارى ص ۱۸۵۔

←

(ب) میں نے ایک ہزار اور اس سے زیادہ شیوخ سے حدیث لکھی ہے میرے پاس جو بھی حدیث ہے مجھے اس کی سند یاد ہے۔ یہ قول بھی غنجار نے بطریق جعفر بن محمد قطان روایت کیا ہے۔

دیکھیے: **تاریخ بغداد ۱۰/۲، طبقات الحنابلة ۲۷۵/۱، تهذیب الکمال ۴۴۵/۲۴، تغلیق التعلیق ۳۸۹/۵، تهذیب التهذیب ۴۹/۹**۔

مذکورہ بالا دونوں اقوال کی اسناد ایک ہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ غنجار نے دو طرح روایت کیا ہے۔ یا پھر خطیب نے اسے اختصار سے ذکر کیا ہے اور بعد والوں نے خطیب سے اسی طرح اختصار سے ہی نقل کر دیا ہے۔

(ج) میں بلخ شہر میں داخل ہوا تو وہاں کے محدثین نے مجھے کہا کہ میں ان کو اپنے ان اساتذہ کی حدیث املاء کراؤں جن سے میری ملاقات ہوئی ہے تو میں نے ان کو اپنے ایک ہزار شیوخ کی (کہ جن سے میں نے حدیث لکھی ہے) ایک ہزار احادیث املاء کرائی۔

یہ قول امام بخاری سے اُن کے وراق نے روایت کیا ہے اور ذہبی نے **سیر اعلام النبلاء ۳۹۵/۱۲، ۴۱۴** پر ذکر کیا ہے اور امام ذہبی وراق سے ان کی کتاب "**شمائل البخاری**" اپنی سند سے روایت کرتے ہیں اور یہ قول حافظ ابن حجر نے **تغلیق التعلیق** میں بھی ذکر کیا ہے ۳۸۹/۵۔

(د) میں نے ہزار اور اس سے زیادہ شیوخ سے حدیث لکھی ہے اور لکھی بھی صرف ان سے ہے جو "قول اور عمل" کو ایمان کہتے تھے اور جو یہ کہتے تھے کہ ایمان صرف قول ہے اُن سے میں نے حدیث نہیں لکھی۔

یہ بات غنجار نے تاریخ بخاری میں روایت کی ہے اور اسی کے طریق سے ابن عساکر نے **تاریخ دمشق ۱۵/۴۱/ب** میں روایت کی ہے اس کی سند اس طرح ہے: **قال غنجار حدثنا خلف بن محمد قال سمعت الحسن بن الحسن بن الوضاح و مکی بن خلف بن عفان قالا سمعنا محمد بن اسماعیل یقول: فذکرہ**۔

یہ قول امام لالکائی نے **شرح اعتقاد اهل السنة والجماعة ۸۸۹/۵** میں روایت کیا ہے۔ اور غنجار سے ابن ناصر الدین نے **تحفة الاخباری ص ۱۸۵** میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے **تغلیق التعلیق ۳۸۹/۵** اور **مقدمة فتح الباری ص ۴۷۹** میں آخری جملے "**ولم اکتب عمن قال: الایمان قول**" کے بغیر ذکر کیا ہے۔

اور اس سند میں خلف بن محمد بخاری خیام راوی ہے اس سے محمد بن احمد غنجار اور ابو سعد ادریسی متوفی ۳۶۱ھ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ خلیلی نے ارشاد میں کہا ہے کہ: اس کے لیے حفظ اور معرفت تھی لیکن وہ بہت ضعیف تھا۔ اس نے ابواب (مسائل) میں ایسے تراجم (عناوین) روایت کیے ہیں جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی اور غیر معروف متون بھی روایت کیے ہیں۔ میں نے حافظ ابن ابی زرعہ اور حافظ ابو عبداللہ حاکم سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہم نے اس سے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ہم اس کے صحیح ہونے کی ضمانت نہیں دیتے۔ ہم نے اس سے صرف اعتبار کی غرض سے لکھا ہے (احتجاج کی غرض سے نہیں) **الارشاد ۹۷۲/۳**۔

امام حاکم نے کہا اس کی حدیث اس حدیث: کہ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیوی کے ساتھ کھیل کود کرنے سے پہلے جماع کرنے سے منع کیا ہے) کے روایت کرنے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں رہی۔ **لسان المیزان ۴۰۴/۲، ۴۰۵**۔

سمعانی نے کہا کہ وہ اہل بخارا کی حدیث کے لیے بندار تھا اور کہا گیا ہے کہ وہ قابل اعتماد نہ تھا۔ حافظ ابو سعد ادریسی نے اس میں کلام کیا ہے۔ **الانساب ۲۵۱/۵** (الخیام)۔

← اس کا تعارف لباب ۱/۷۵، ۴۷۵، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۷۰، ۲۰۴، میزان الاعتدال ۱/۲۲۲ اور شذرات الذہب ۴/۶۴ وغیرہ میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

خلف بن محمد کے شیخ حسن بن حسن بن وضاح ہیں اور تحفۃ الاخباری میں حسین بن حسن بن واضح جب کہ لالکائی کے ہاں حسین بن محمد بن محمد بن وضاح ہیں اور دوسرے شیخ مکی بن خلف بن عفان ہیں۔ان دونوں کا تعارف مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے اور اس میں وارد یہ الفاظ ''کہ میں نے صرف انہیں سے حدیث لکھی ہے جو یہ کہتے تھے کہ ایمان قول ہے'' منکر ہیں اور اس زیادتی سے پہلے مذکور الفاظ اختصار مخل ہیں جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

(ہ) میں نے ایک ہزار اسی شیوخ سے حدیث لکھی ہے وہ سب اصحاب الحدیث تھے وہ کہتے تھے کہ ایمان، قول اور عمل ہے، اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔ یہ قول ابوجعفر وراق نے روایت کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے ان کی وفات سے ایک ماہ قبل یہ قول سنا ہے۔ یہ بات وراق سے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۵ میں نقل کی ہے اور بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ تحفۃ الاخباری ص ۱۸۵ میں بھی ہے، اس میں ''وہ سب اصحاب الحدیث تھے'' کے الفاظ نہیں اور یہ قول از اول تا آخر پورا تغلیق ۵/۳۸۹ اور مقدمۃ الفتح ۴۷۹ میں بھی ہے۔

(و) امام لالکائی نے شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ و الجماعۃ ۲/۱۷۲ میں اور ابن عساکر نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ غنجار سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوالحسین محمد بن عمران بن موسیٰ جرجانی سے سنا انھوں نے ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بخاری سے شاش میں سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا فرماتے تھے کہ: ''میں نے حجاز، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، واسط، بغداد، شام اور مصر کے علما میں سے ہزار سے زیادہ علماء سے ملاقات کی ہے اور انہیں کئی بار ملا ہوں زمانہ بعد زمانہ پھر زمانہ بعد زمانہ میں انہیں ملا ہوں، میں نے چھیالیس سال سے بھی زیادہ مدت میں اتنی کثیر تعداد میں اہل علم کو پایا چنانچہ دو دفعہ اھل جزیرہ، اہل شام اور اھل مصر اور متعدد سالوں میں چار دفعہ اھل بصرہ اور چھ سال اھل حجاز اور بے شمار دفعہ کوفہ اور بغداد میں محدثین اھل خراسان کی معیت میں گیا۔ان میں سے مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن یحییٰ اور علی بن حسن بن شقیق بھی ہیں......''

انھوں نے تقریباً پنتالیس شخصیات کا ذکر کیا پھر فرمایا ہم نے انہیں ناموں کے ذکر پر اکتفاء کیا تاکہ بات مختصر ہو طول نہ پکڑ جائے۔فرماتے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ ان اشیاء میں اختلاف کرتا ہو کہ دین قول اور فعل کا نام ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ و ذالك دین القیمة o** (البینۃ) اور انہیں صرف اس کا حکم دیا گیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی دین ہے سیدھی ملت کا۔ اور یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ابوعبداللہ (بخاری رحمہ اللہ) نے کہا ہے کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے......الخ یہ ایک لمبی حدیث ہے، اس کو ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۵/۴۱/ب، ۴۲/ا) میں ذکر کیا ہے نیز انھوں نے اس میں کئی مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔اور اسی طرح لالکائی نے بھی ذکر کیا ہے اور یہ خبر امام ذہبی نے بھی اپنی سند کے ساتھ مختصر ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو اس چیز میں اختلاف کرتا ہو کہ دین ''قول اور عمل'' کا نام ہے اور یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۷۔

حافظ ابن حجر نے یہ خبر ابوحاتم سہل بن سری کے طریق سے ذکر کی ہے کہ محمد بن اسماعیل (بخاری) نے کہا کہ ہزار شیوخ سے زیادہ سے میری ملاقات ہوئی ہے...... الخ ''خراسان کے محدثین'' کی معیت میں۔ تغلیق التعلیق ۵/۳۸۸۔اور مقدمۃ فتح الباری ص ۴۷۸ ←

بخاری کے اپنے شیوخ تک محدود معلوم ہوتا ہے ◆ کیونکہ امام بخاری کو ایسے شیوخ کے پاس جانے میں البتہ احتراز تھا جن میں کسی طرح کی بے اعتنائی یا مخالفت صحیح حدیثوں کے ساتھ پائی جاتی تھی اور یہ امام صاحب کا کمال اتقاء تھا۔ لیکن

← میں "مع المحدثین" کا لفظ ہے۔

غنجار کا شیخ: ابوالحسن محمد بن عمران بن موسیٰ جرجانی ہے اس کا تعارف سہمی نے تاریخ جرجان ص ۴۳۴ پر کرایا ہے اور اس کے طریق سے ایک حدیث بھی ذکر کی ہے لیکن انھوں نے اس کے بارے میں کوئی جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی اور اس سے ابومحمد مسلم بن حسن بن مسلم مروزی نے بھی روایت کی ہے۔

جرجانی کے شیخ ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بخاری کا تعارف مجھے نہیں ملا لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۱/۴۷ میں ان اسناد کی تصحیح کی ہے اور کہا ہے کہ ابوالقاسم لالکائی نے کتاب السنۃ میں اپنی صحیح سند کے ساتھ امام بخاری سے روایت کیا ہے کہ میں مختلف شہروں میں علماء میں سے ہزار سے زیادہ کو ملا ہوں لیکن ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ ایمان کے قول وعمل ہونے اور اس میں کمی اور زیادتی کے ہونے میں اختلاف کرتا ہو"

اس روایت کو ابوجعفر وراق کی اس سے قبل ذکر کی گئی روایت سے قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

اور امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد کے ص ۶۱ پر اس کے قریب قریب ایک قول ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مذکورہ بحث و تحقیق سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ امام بخاری کا اس سے مقصود یہ ہے کہ مشرق ومغرب کے علماء اسلام اور آئمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے...... الخ، کیوں کہ امام صاحب خود آپ عالم اسلام میں علم کے تمام مراکز کے ہزار سے زیادہ علماء اور آئمہ سے ملے ہیں جو کہ اپنے دور میں امت کے سربرآوردہ اور فقہاء حدیث تھے۔ ان میں سے امام صاحب نے کسی کو بھی ان مسائل میں اختلاف کرنے والا نہیں پایا"۔

رہی یہ روایت کہ "میں نے اس سے حدیث نہیں لکھی جو یہ کہتا ہو کہ ایمان صرف قول ہے" تو اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ اس معاملہ میں اس وقت محدثین میں اختلاف تھا اور امام بخاری نے صرف ان شیوخ سے حدیث لکھی جو ایمان کے قول وعمل کے قائل تھے اور جو اس کے قائل نہ تھے اُن سے حدیث نہیں لکھی، تو یہ بات امام بخاری کی مراد کے خلاف ہے۔ اور اس سے پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ یہ مخالف روایت سخت ضعیف ہے امام صاحب سے ثابت نہیں ہے۔

میں قارئین حضرات سے اس مقام پر طویل کلام کرنے کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں اور طول کلامی کا اصل سبب یہی ہے کہ یہ مقام بہت اہم تھا اور مجھ سے پہلے اس میں کسی نے تحقیق نہیں کی۔ اگر میں نے اس کی صحیح تحقیق پیش کی ہے تو الحمد للہ وحدہ اور اگر مجھ سے خطا ہوگئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں۔ یہ تو امام بخاری سے نقل کی تحقیق تھی اور امام بخاری اس دعوائے اتفاق میں کوئی منفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر علماء نے بھی یہ دعویٰ کیا ہے۔ دیکھیں: امام ابوحاتم رازی اور ابوزرعہ رازی جو دونوں امام بخاری کے ہم عصر ہیں انھوں نے کہا ہے کہ ہم نے تمام شہروں کے علماء مثلاً حجاز، عراق، مصر، شام اور یمن کو پایا ہے کہ ان کا مذہب یہی تھا کہ ایمان قول اور عمل ہے اور کم اور زیادہ ہوتا ہے...... الخ۔ (اصل السنۃ واعتقاد الدین لابن ابی حاتم ص ۲۰ جو کہ کتاب روائع التراث کے ضمن میں مطبوع ہے)۔ اور یہی قول ابن ابی حاتم سے امام لالکائی نے بھی شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ ص ۵/۹۶۳، ۹۶۴ پر ذکر کیا ہے۔

دیگر اور اقوال بھی اس کی تائید میں اسی کتاب شرح اصول ۵/۹۶۳، ۹۶۴ پر دیکھ لیجئے۔

◆ یہ قول اگر ثابت ہو جائے تو پھر ہے ورنہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ یہ امام بخاری سے ثابت نہیں۔

اوپر کے شیوخ میں اس قسم کی پابندی نہیں۔ اسی وجہ سے شیوخ الشیوخ یا اور بھی اوپر کے شیوخ ان کے سلسلہ روایت سے ایسے مل سکتے ہیں جن کا قول الایمان قول و عمل نہ تھا۔[۱] لہذا یہ توجیہہ امام بخاری کے بلاواسطہ شیوخ میں چل سکتی ہے ،اوپر کے سلسلہ میں یہ توجیہہ بالکل غلط معلوم ہوتی ہے اور توجیہہ القول بما لا یرضٰی به قائله کی مصداق بن جاتی ہے۔ امام بخاری کے شرائط میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔ لہذا یہ دونوں توجیہیں پایۂ تحقیق سے ساقط ہیں۔

دراصل مؤلفین صحاح ستہ اور امام بخاری کے اہل کوفہ سے احتراز کرنے اور ان کی روایات کے ساتھ اعتنا نہ کرنے کی وجہ دوسری ہے اور درحقیقت یہی وجہ صحیح ہے۔ وہ یہ ہے کہ آئمہ کوفہ کا میلان اقوال الرجال سے تخریج مسائل اور تفریع احکام کی طرف کچھ اس طرح بڑھا کہ اور فنون اسلامیہ سے ان کو یوماً فیوماً بُعد ہوتا گیا۔ شدہ شدہ یہ نوبت پہنچی کہ خود اہل کوفہ کو اپنے آئمہ کی روایت اور ان کی تنقید اور تحقیق پر اعتماد نہ رہا۔ اسی واسطے امام محمد کو مدینہ جا کر امام مالک سے فن حدیث پڑھنا پڑا۔ امام محمد نے مدینہ جا کر امام مالک کی خدمت میں تین برس سے اوپر حاضری دی۔[۲] بعد فراغ جب کوفہ پہنچے تو وہاں مجلس درس قائم کی۔ حالت یہ ہوئی کہ اہل کوفہ کو ان کی حدیثوں پر نہایت اعتماد ہوا۔ جس روز امام محمد اپنے شیخ امام مالک سے روایت بیان کرتے، ان کا مکان بالکل بھر جاتا۔ لوگ ٹوٹے پڑتے لیکن جس روز آئمہ کوفہ سے روایت کرتے تو بہت تھوڑے لوگ درس گاہ میں آتے، وہ بھی بکراہت۔ یہ حالت دیکھ کر امام محمد کو بہت غصہ آیا۔ وہ نہایت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا:

"ما اعلم سوء ثناء علی اصحابه منکم اذا حدثتکم عن مالك ملاتم علی الموضع واذا حدثتکم عن اصحابکم انما تاتون متکارهین".[۳]

کوفہ والو! تم سے بڑھ کر اپنے شیوخ سے بدخیال میں نے کسی کو نہیں سمجھا۔ جب امام مالک سے حدیث بیان کرتا ہوں تو تم لوگوں سے میرا گھر بھر جاتا ہے اور جب کوفہ کے آئمہ اور شیوخ سے روایت کرتا ہوں تو بکراہت مجلس میں آتے ہو۔

اہل کوفہ کو اس میں مجبوری تھی۔ اہل کوفہ آئمہ کوفہ کو بدنام نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ آئمہ کوفہ سے فن حدیث و روایت کا

---

[۱] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ ص ۴۵۹ میں صحیح بخاری کے ان راویوں کے نام ذکر کیے ہیں جن پر ارتکاب بدعت کا الزام تھا اور ان میں کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن پر مرجئی ہونے کا الزام ہے مثلاً: ابراہیم بن طہمان، ایوب بن عائذ طائی، ذر بن عبداللہ مرھبی اور شبابہ بن سوار وغیرہم۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان سب کا بالاستیعاب ذکر کیا ہے۔

[۲] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ محمد بن حسن نے کہا میں تین سال سے کچھ اوپر امام مالک کے پاس رہا ہوں اور ان کے لفظ سے میں نے سات سو احادیث سنی ہیں۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳۴/۹۔

[۳] تهذیب الاسماء واللغات ۸۱/۱/۱۔
اور یہ بات امام ابن ابی حاتم رازی نے امام شافعی سے اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب آداب الشافعی ومناقبه ص ۱۷۴ میں اس سے ملتے جلتے الفاظ سے روایت کی ہے اور ابونعیم نے حلیة الاولیاء ص ۳۳۰/۶ پر امام مالک کے احوال میں اور ابن عبدالبر نے الانتقاء ص ۲۵ اور بیہقی نے کتاب مناقب الشافعی ۱۸۳/۱ میں روایت کی ہے۔

اہتمام ہی جاتا رہا تھا۔ گو ابتداً تھا مگر جب سے اساتذہ کے قواعدِ مستنبطہ پر اس درجہ وثوق ہوا کہ اس کے جنب میں صحیح حدیثوں کے ساتھ اعتنا نہ رہا اور انہیں شیوخ و اساتذہ کے اقوال کی تخریج در تخریج رہ گئی تو خود اہل کوفہ کو فن حدیث و روایت وتنقید میں اپنے آئمہ پر اعتماد باقی نہ رہا۔ اسی قلت اہتمام کی وجہ سے اہل کوفہ کے سلسلہ سند کو اسناد مشرقی [1] کا خطاب ملا اور امام ابوداؤد کو امام احمد کا یہ قول نقل کرنا پڑا کہ "لیس لحدیث اهل الکوفة نور" [2] اور یہ ضرب المثل ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مصفیٰ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مصفیٰ شرح موطا میں لکھتے ہیں۔ و در عصر تبع تابعین نبودند مگر ابوحنیفہ و امام مالک۔ [3]

آں امام ابوحنیفہ یک شخصے است کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم وترمذی و ابوداؤد ونسائی و ابن ماجہ و دارمی از وے در کتاب ہائے خود روایت نہ کردہ اند ورسم روایت حدیث از وے بطریق ثقاۃ جاری نشدہ۔

وآں دیگر (امام مالک) شخصے است کہ اہل نقل اتفاق دارند برآنکہ چوں حدیث بروایت او ثابت شد بذروۂ اعلیٰ صحت رسید۔ [4]

امام ابوحنیفہ ایسے شخص ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی اپنی کتابوں میں ان سے روایت نہیں کرتے اور انھوں (امام ابو حنیفہ) نے ثقہ لوگوں کے انداز میں روایت حدیث کی رسم جاری نہیں کی۔

اور امام مالک ایسے شخص ہیں جن پر حدیث کی روایت، تثبیت اور صحت کے حوالے سے اہل نقل کا اتفاق ہے۔

امام المحدثین کی تصنیفات کی اجمالی فہرست اور ان کا مختصر تذکرہ

۱۔ التاریخ الکبیر:

یہ وہی تاریخ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی عمر کے اٹھارہویں سال چاندنی راتوں میں جناب رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں حجرۂ مبارک اور منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھا تھا [5] جس کو امام اسحاق بن راہویہ نے دیکھ کر فرط مسرت سے امیر

---

[1] جامع ترمذی مع التحفة ۱/۱۹۳

[2] سنن ابی داؤد ۱۴/۱۸، ۴/۳۳۰ کتاب الادب: باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه

[3] جناب امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کی بابت شمس العلماء نعمانی صاحب نے تو دعوے بڑے لمبے چوڑے اور بڑے جوش آئند الفاظ میں کیے مگر افسوس ثبوت کچھ نہ پیش کر سکے۔ کہیں کہیں جو عقود الجمان کے حوالہ سے کچھ لکھا ہے تو اس کتاب کو خود وہ غیر معتبر کہہ چکے ہیں اور محققین کی نگاہ میں یہ کتاب ہے بھی ایسی ہی۔
امام ابوحنیفہ کے قلیل الحدیث ہونے کی مکمل بحث دیکھنی ہو تو الارشاد ص ۱۲۰ تا ص ۱۴۰ دیکھو جس میں امام صاحب کے قلیل الحدیث ہونے کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں اور نعمانی صاحب کی کل توجیہات کا بے سود ہونا اور ان کا محض تکلفات باردہ ہونا بہت انصاف سے بیان کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص ہم عصر موصوف کی باتوں کا وزن کر سکتا ہے۔ افسوس بیس صفحے کا مضمون ہم بخوف طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔

[4] المصفی بشرح المؤطا ص ۶، ۷۔ یہ شرح فارسی زبان میں ہے۔

[5] امام بخاری نے کہا کہ میں جب اپنی عمر کے اٹھارہویں سال میں داخل ہوا تو صحابہ و تابعین کے فیصلے اور ان کے اقوال لکھنے لگا اور اس ←

عبداللہ بن طاہر خراسانی کے سامنے پیش کر کے فرمایا تھا: ''ایھا الامیر الا اریك سحرا''. کیا تم کو جادو نہ دکھاؤں؟ (۱) اور اسی کی نسبت ابن عقدہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ دس ہزار حدیثیں بھی لکھیں تو بھی اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ (۲) یہ تاریخ الرجال میں بحیثیت جامعیت کے فرد ہے۔ (۳)

اس تاریخ کو امام بخاری سے ابو احمد محمد بن سلیمان بن فارس اور ابوالحسن محمد بن سہل اللغوی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ (۴)

← وقت میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے پاس چاندنی راتوں میں کتاب التاریخ لکھی تھی۔ تاریخ بغداد ۲/۷، تقیید المهمل ۴/أ، تاریخ دمشق ۱۵/۴۱/أ وغیرہ اور اس کی تخریج پہلے پر گزر چکی ہے۔ امام بخاری کہا کرتے تھے کہ میں جس بھی صحابی یا تابعی کی حدیث بیان کرتا ہوں، ان میں سے اکثر کی ولادت، وفات اور مسکن بیان کرتا ہوں۔ (مقدمۃ الفتح ۴۸۷) مزید فرماتے ہیں کہ تاریخ میں ایسے نام بہت کم ہیں جن کا میرے پاس کوئی قصہ نہ ہو مگر میں کتاب کی طوالت پسند نہیں کرتا۔ (مؤلف) مقدمۃ الفتح ۴۸۷، طبقات سبکی ۲/۲۱۷، تاریخ بغداد ۲/۷۔

(۱) مقدمة الفتح ۴۸۳، طبقات السبکی ۲/۲۲۱، تاریخ بغداد ۲/۷ اس کی تخریج ص پہلے پر گزر چکی ہے۔

(۲) مقدمة الفتح ۴۸۵، تاریخ بغداد ۲/۸ اس کی تخریج بھی گزر چکی ہے۔

(۳) اس جلیل القدر کتاب کی یہ صفت طبقات سبکی میں بیان ہوئی ہے۔ ۲/۲۲۵-۲۲۶ (مؤلف) اس سے مؤلف امام ابو حاکم کبیر کے اس قول کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو انھوں نے امام بخاری کی کتاب التاریخ کی اہمیت اور امام مسلم، ابو حاتم اور ابو زرعہ کے اس سے اپنی کتب حدیث میں استفادہ کے متعلق کہا ہے۔ دیکھیے ص ۲۸۷، من هذا الكتاب۔

(۴) دیکھیے: تغلیق التعلیق ۴۳۶/۵، مقدمه فتح الباری ص ۴۹۲، طبقات المفسرین للداوٗدی ۲/۱۰۷، اصل اردو میں کشف الظنون ۱/۲۸۷ کی پیروی میں اللغوی لکھا گیا ہے۔ اور حاشیے میں دوسرے نسخہ سے الفسوی لکھا ہے اور فسوی ہی صحیح ہے جیسا کہ ان کے تعارف میں آئے گا اور ابن فارس کا نام ابو احمد محمد بن سلیمان بن فارس دلال نیشاپوری ہے۔

اس نے محمد بن یحییٰ، احمد بن یوسف، ابوالازھر، محمد بن اسماعیل بخاری، محمد بن رافع، ابو سعید الاشج، محمد بن علی بن حسن بن شقیق، حسین بن عیسیٰ بسطامی اور عمر بن شبہ وغیرھم سے روایت کی ہے اور اس سے امام حاکم کے شیخ حافظ ابو بکر بن علی اور محمد بن عطیہ بن خالد قزوینی نے روایت کی ہے اور ابن فارس نے امام بخاری سے ان کی کتاب التاریخ روایت کی ہے اور اس (ابن فارس دلال) سے ابوالحسن علی بن ابراہیم مستملی معروف بہ نجار نے بھی روایت کی ہے اور یہ نجار، ابن خزیمہ کے شاگردوں اور دارقطنی متوفی ۳۵۳ھ وغیرہ کے شیوخ میں سے ہے۔ خطیب نے کہا کہ وہ ثقہ تھا۔ تاریخ بغداد ۱۱/۳۳۸، ۳۳۹ اور امام دارقطنی امام بخاری کی کتاب تاریخ کبیر علی بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن فارس سے اور ابن فارس امام بخاری سے۔

اور امام دارقطنی کی کتاب المؤتلف و المختلف کے محقق نے کہا ہے کہ: امام دارقطنی نے امام بخاری کی تاریخ کبیر سے بہت سے اقتباسات ذکر کیے اور اس سے علمی چلو بھرے ہیں اور راویوں کے تراجم و احوال میں بابوں کے باب ہی نقل کر دیے ہیں اور تراجم رواۃ کے ان ابواب پر بہت سے اضافے بھی کیے ہیں۔ اسی سے ہمارے لیے یہ بات کہنا ممکن ہو جاتا ہے کہ امام دارقطنی کی یہ کتاب امام بخاری کی تاریخ کبیر پر ذیل ہے اور اس میں کون سی تعجب کی بات ہے جبکہ یہ پہلے گزرا ہے کہ امام دارقطنی کی ایک کتاب کا نام ہی ''الذیل علی التاریخ الکبیر'' ہے دیکھیے: سیرت بخاری ۱/۱۰۱۔ اسی مستملی معروف بہ نجار سے محمد بن سلیمان بن فارس کے طریق سے خطیب ←

← بغدادی نے تاریخ کبیر کی ۱۶۵ نصوص روایت کی ہیں۔ دیکھیے (موارد الخطیب البغدادی ص ۳۴۷، ۳۴۸)۔
اور خطیب نے اپنی کتاب موضح اوھام الجمع والتفریق ۲۸۸/۱ میں اسی سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد خود صراحت کی ہے کہ یہ امام بخاری کی تاریخ کبیر سے ہے اور اپنی کتاب السابق واللاحق کے ص ۱۱۵ پر ایک اور اقتباس ذکر کیا ہے۔ امام حاکم نے ایک شخص کے واسطے سے ابن فارس سے کتاب التاریخ روایت کی ہے اور ابن خیر اشبیلی تین طرق سے امام بخاری سے تاریخ کبیر روایت کرتے ہیں ان میں سے ایک طریق طریقِ مستملی ہے اور ایک طریق طریقِ ابی الحسن علی بن اسماعیل طوسی ہے اور یہ دونوں ابو احمد ابن فارس سے اور وہ بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ دیکھیے: فھرست لابن الخیر ص ۲۰۵۔
اور حافظ ابن حجر نے تاریخ کبیر للبخاری اپنی سند سے عن ابی بکر محمد بن سھل الشیرازی عن ابن فارس عن البخاری روایت کی ہے دیکھیے: المجمع المؤسس ۵۵/۲ المعجم المفھرس ص ۱۲۶۔
اور ابن فارس کا تعارف الانساب للسمعانی میں موجود ہے اور اس میں لکھا ہوا ہے کہ: ان کے پاس نمایاں دولت اور وسیع تجارت تھی اور بغداد میں کئی سال تجارت کرنے کے بعد دلالی کا شغل اختیار کر لیا تھا۔ انھوں نے علم کی نشر و اشاعت میں بہت سے اموال خرچ کر دیئے تھے اور امام بخاری سے التماس کی تھی کہ وہ ان کے گھر تشریف لے آئیں تو امام صاحب ان کے ہاں ایک مدت تک رہے اور انھوں نے امام صاحب پر ان کی کتاب تاریخ کبیر کی از اول تا بابِ فضیل قرأت کی تھی"۔
اور حافظ ابو عبداللہ محمد بن یعقوب بن اخرم سے محمد بن سلیمان بن فارس کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے اس سے کسی چیز کو برا نہیں سمجھا سوائے اس کی زبان کے کیوں کہ وہ زبان سے فحش بات کہہ دیا کرتے تھے۔ امام ذہبی نے عبر میں کہا ہے کہ ابن فارس نے طلب علم میں بڑا مال خرچ کیا ہے اور امام بخاری جب نیشاپور آئے تھے تو ان کو اپنے پاس ٹھہرایا تھا...... اور وہ علم میں فہم رکھتا اور اس کا مذاکرہ کیا کرتا تھا"
اور خلیلی نے کہا ہے کہ اس نے ۳۱۰ھ سے پہلے وفات پائی اور انساب میں ہے کہ اس نے نیشاپور میں ۳۱۲ھ میں وفات پائی اور امام ذہبی نے تذکرہ، عبر اور سیر میں اسی پر جزم کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابو احمد حاکم اپنی کتاب الاسامی والکنی میں بطریق ابی احمد بن فارس دلال عن البخاری کئی نصوص روایت کرتے ہیں۔
دیکھیے: الارشاد للخلیلی ۸۵۸/۳ (تعارف نمبر ۷۶۷)، الانساب ۴۳۱/۵، (الدلال)، تذکرۃ الحفاظ ۷۸۷/۳، سیر اعلام النبلاء ۳۸۸/۱۴، العبر ۴۶۴/۱، شذرات الذھب ۲۶۵/۲، المجمع المؤسس ۵۵/۲، المعجم المفھرس ص ۱۲۶ نمبر ۶۳۰، مقدمۃ کتاب الاسامی والکنی لابی احمد الحاکم ۱۱۳/۱، ۱۱۴۔
اور کتاب الارشاد کے محقق نے مختصر تاریخ نیشاپور ص ۵۵ کا حوالہ دیا ہے۔
اور امام بخاری سے تاریخ کبیر روایت کرنے والے دوسرے راوی ابو الحسن محمد بن سھل فسوی ہیں۔ حافظ مزی نے تھذیب الکمال ۴۳۵/۲۴ میں بخاری سے روایت کرنے والوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور تاریخ کا جو نسخہ مطبوع ہے وہ انہیں کے طریق سے ہے۔ اس میں ان کا نام ابو الحسن محمد بن سھل بن کردی بصری مقریٔ فسوی لکھا ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بخاری جعفی نے بصرہ میں ۲۴۶ھ کو بیان کیا۔ التاریخ الکبیر جلد ۱ ص ۳۰۲۔
اور اس فسوی سے حافظ ابو بکر احمد بن عبدان بن محمد بن فرج شیرازی نے روایت کی ہے اور یہ روایت بلاد فارس میں سے فسا شہر میں قرأت علی الشیخ کے طریقے سے ہے۔ جیسا کہ تاریخ کبیر کے مطبوعہ نسخہ ۳/۱ میں ہے اور اس کے طریق سے ابن عطیہ اندلسی نے بھی ←

صاحب کشف الظنون کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس تاریخ پر ابوالقاسم مسلمہ بن قاسم (جو امام دارقطنی کے معاصر ہیں) نے ذیل لکھا ہے [1] اور سعد بن جناح نے بھی اس پر ایک ذیل لکھا ہے۔ [2]

افسوس کہ یہ نادر کتاب اب تک طبع نہیں ہوئی۔ [3] حیدرآباد کے کتب خانہ میں اس کا ایک ٹکڑا موجود ہے جو (ق)

← روایت کی ہے۔ دیکھیے: فهرست ابن عطیه ص ۱۰۰۔ اور قاضی عیاض نے بھی: دیکھیے الغنیه ص ۱۹۹ اور ابن خیر اشبیلی نے بھی دیکھیے فهرست ابن خیر ص ۲۰۵ اور اسی طرح ابن حجر نے بھی دیکھیے: تغلیق التعلیق ۴۵۹/۵ لیکن اس میں محمد بن سہل ہے نسبت اور کنیت مذکور نہیں اور ابن حجر کی المعجم المفهرس ص ۴۲ اور المجمع المؤسس ۵۵/۲ میں مذکور سند میں ابوبکر محمد بن سہل وارد ہوا ہے۔ اور معجم میں آخر میں الشیرازی کا اضافہ کیا ہے۔ سند اس طرح ہے: ابوبکر محمد بن سهل الشیرازی حدثنا یا انبانا محمد بن سلیمان بن فارس عنه (ای البخاری)

میں نہیں جانتا کہ یہ ابوبکر محمد بن سہل شیرازی وہ ابوالحسن محمد بن سہل فسوی ہی ہیں اور ابن فارس کا ذکر سند کے درمیان میں زائد ہے یا شیرازی فسوی کا غیر ہے جو دونوں ایک نام یعنی محمد بن سہل میں شریک ہیں لیکن حافظ ابن حجر کی اسناد تاریخ کبیر کے مطبوعہ نسخہ کی اسناد کے ساتھ صرف تین شیوخ کے بعد مل جاتی ہے واللہ اعلم۔

اور تاریخ کبیر امام بخاری سے حافظ فضل بن عباس صائغ نے بھی روایت کی ہے۔ اور یہی وہ نسخہ ہے جو حافظ ابوزرعہ رازی کے پاس تھا اور اسی پر ان کے انتقادات بھی ہیں۔ دیکھیے: کتاب بیان خطاء البخاری کے محقق کا مقدمہ۔

اور بخاری کی تاریخ کبیر کی بعض نصوص حافظ ابواحمد حاکم نے بطریق ابواسحاق محمد بن اسحاق ثقفی عن البخاری روایت کی ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے: ابواحمد کی "کتاب الاسامی والکنی ۶۸/۴ بشر بن حاتم رقی کے حالات و تعارف۔ ابن خیر اشبیلی کی ان دو سندوں کے علاوہ اس کی ایک تیسری سند بھی ہے اور وہ ابومحمد عبدالرحمٰن بن فضل بن عبداللہ بن محمد فسوی عن البخاری کا طریق ہے۔ فهرست ابن خیر ص ۲۰۵۔ اور تاریخ کبیر اور اس کی روایات اور ہر روایت میں پائے جانے والے اختلاف اور فرق کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے خطیب بغدادی کی کتاب "موضح اوهام الجمع والتفریق" کے محقق علامہ معلمی کا مقدمہ دیکھیے کیوں کہ انھوں نے اس میں ان امور کی تفصیل بیان کی ہے۔ (۱/۱۰۔۱۲)

[1] مسلمہ بن قاسم ابوالقاسم اندلسی قرطبی ہیں۔ انھوں نے ۳۵۳ھ میں وفات پائی، محدث ہیں، طلب حدیث کے لیے بڑے سفر کیے لیکن وہ ضعیف ہیں۔ امام ذہبی نے المیزان میں انہیں ضعیف کہا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مشبہ میں سے تھے۔

ابوجعفر مالقی نے کہا ہے کہ ابوالقاسم نے رجال میں تاریخ جمع کی ہے اور اس میں شرط لگائی کہ میں صرف وہی راوی لکھوں گا جو بخاری کی تاریخ کبیر میں نہ ہوگا، یہ فوائد کثیرہ کی حامل کتاب ہے۔

تاریخ علماء الاندلس لأبن الفرضی ۱۲۸/۲، سیر اعلام النبلاء ۱۱۰/۱۶، میزان الاعتدال ۱۱۲/۴، لسان المیزان ۳۵/۶۔

[2] سعد بن جناح، کشف الظنون میں اسی طرح ہے ۲۸۷/۱۔ اور میں نے اس کا ترجمہ و تعارف نہیں پایا۔ ابھی یہ بات گزری ہے کہ امام دارقطنی کی ایک کتاب "الذیل علی التاریخ الکبیر" بھی ہے بالخصوص ان راویوں پر جو محمد نام کے ہیں۔ مقدمہ تحقیق المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۴۶/۱۔

[3] اس کتاب کریم کی طبع حیدرآباد میں علامہ عبدالرحمٰن معلمیؒ کی تحقیق و تصحیح کے ساتھ ۱۹۴۱۔۱۹۶۳ کے وسط میں چار جلدوں میں آٹھ اجزاء کی صورت میں مکمل ہوئی۔ پھر اس کے بعد کئی طبعات معرض وجود میں آئے اور اس کے آخر میں امام بخاری کی کتاب الکنی بطور نواں ←

سے ختم کتاب تک ہے۔ مگر محمد بین میں سے ایک بھی اس میں نہیں ہیں۔ غالباً ابتدائے کتاب میں محمد بین کا ذکر ہے۔ تاریخ کبیر میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین رواۃ حدیث کا استیعاب کیا ہے اور ناموں کے لکھنے میں حروف تہجی کی ترتیب رکھی ہے۔ اگر ایک ہی نام کے متعدد لوگ ہیں تو ان کے باپ کے ناموں میں حروف تہجی کی ترتیب رکھی ہے۔ اگر باپ کا نام معلوم نہیں ہے جیسے مولیٰ وغیرہ تو ان کو ردیف کے خاتمہ میں (من افناء الناس) کے تحت لکھا ہے اور جو نام مشترک نہیں ہیں، ان کو (باب الواحد) کے تحت لکھا ہے۔ تاریخ کبیر میں زیادہ تر سلسلہ روایت تلمذ، سماعت کا ذکر ہے۔ اکثر جرح و تعدیل بھی ہے گو بالاستیعاب نہیں۔ اس کا کچھ حصہ نقل کرا کے حیدرآباد سے ہم نے بھی منگوایا تھا۔

۲۔التاریخ الاوسط:[1]

اس کو امام بخاری سے عبداللہ بن احمد بن عبدالسلام خفاف، [2] ابومحمد زنجویہ بن محمد اللباد [3] روایت کرتے ہیں۔

← جزء ملحق کر دیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم رازی کی بیان خطاء البخاری فی تاریخه بھی ساتھ ملا دی گئی ہے۔ اور اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں جو کہ ابھی تک دنیا کی مختلف لائبریریوں میں پڑے مخطوطات ہی ہیں۔ دیکھیے: تاریخ الادب العربی لبرو کلمان ۱۷۸/۳ اور تاریخ التراث العربی لسزکین ۲۰۴/۱۔

[1] اس کا ذکر ابن ندیم کی فہرست ص ۳۲۲ اور ابن خیر کی فہرست ص ۲۰۵ میں موجود ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ سات اجزاء میں ہے۔ تحفة الاخباری ص ۱۸۲، تغلیق التعلیق ۴۳۶/۵، مقدمة فتح الباری ۴۹۲، طبقات المفسرین ۱۰۷/۲، کشف الظنون ۲۲۰/۱ (۲۸۷/۱)۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ کے ص ۴۹۲ پر امام بخاری کی تالیفات (جو کہ موجود ہیں اور جن کا حافظ ابن حجر کو سماع ہوا یا اجازت ہوئی) کے ضمن میں اس کا ذکر بھی کیا ہے اور میں نے امام بخاری کی کتب کی اس فہرست میں اس کا ذکر نہیں دیکھا جو کہ المجمع المؤسس کے محقق نے اس کتاب کے آخر میں ثبت کی ہے۔ شاید حافظ ابن حجر نے اس کی سند اس میں ذکر نہ کی ہو جیسا کہ انھوں نے تغلیق التعلیق کے آخر میں ذکر نہیں کی حالانکہ انھوں نے تاریخ کبیر اور صغیر دونوں کی سند ذکر کی ہے (۴۵۹/۵)۔ لیکن انھوں نے اس کی سند المعجم المفهرس کے ص ۱۶۶ ارقم ۶۳۱ میں ذکر کی ہے اور حافظ صاحب یہ کتاب امام بخاری سے ان کے دو شاگردوں کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ الخفاف اور ابن زنجویہ ہیں لیکن حافظ صاحب کی سند میں ابومحمد بن زنجویہ (بن) کی زیادتی کے ساتھ واقع ہوا ہے اور انھوں نے اس سند کے آخر میں کہا ہے کہ یہ تاریخ سالوں پر مرتب ہے اور ابن زنجویہ کی روایت خفاف کی روایت سے بہت مختلف ہے...... المعجم المفهرس (ص۱۲۶)۔

[2] وہ حافظ، عالم، ثقہ ابومحمد عبداللہ بن احمد بن عبدالسلام نیشاپوری خفاف مصر میں آکر رہنے والے ہیں۔ محمد بن اسماعیل بخاری اور ان کے طبقہ کے علماء سے حدیث بیان کی اور امام بخاری کے ساتھ ہی رہے، ان سے امام نسائی نے "الکنیٰ" میں حدیث بیان کی۔ اسی طرح ابوجعفر محمد بن عمرو عقیلی وغیرہ نے بھی بیان کی۔ مصر میں ۲۹۴ھ کو وفات پائی۔ وہ علم حدیث میں اہل بصیرت میں سے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۸۸/۱۴، ملخصاً)۔

[3] وہ شیخ، قدوہ، زاہد، عابد، ثقہ ابومحمد زنجویہ بن محمد بن حسن نیشاپوری لباد ہیں۔ عبادت میں بڑی محنت و کوشش کرنے والوں میں سے تھے۔ امام حاکم کا کہنا ہے کہ میں نے ابوالحسین حجاجی کے سوا اپنے تمام شیوخ کو پایا کہ وہ سب اس کی تعریف و مدح کرتے تھے۔ انھوں نے ←

اس کے مفصل حال معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ مل سکا نہ اس کے کسی نسخہ کا وجود ہی معلوم ہو سکا ہے۔ ❶

← ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔ الانساب للسمعانی ۱۱/۱۹۸، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۵۲۲۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں طریق (یعنی خفاف اور ابو محمد زنجویہ) سے ابن خیر اشبیلی کتاب التاریخ الاوسط روایت کرتے ہیں جیسا کہ انھوں نے خود اپنی فہرست ص ۲۰۵ میں ذکر کیا ہے۔

❶ التاریخ الاوسط کا قلمی کامل نسخہ جنگ عظیم دوم تک جرمنی کے سرکاری کتب خانہ میں موجود تھا۔ (عبیداللہ) بروکلمان نے تاریخ الادب العربی (۳/۱۷۸) اور سزگین نے تاریخ التراث العربی ۱/۲۰۴ میں ذکر کیا ہے کہ اس کا ایک نامکمل نسخہ ہندوستان کے کتب خانہ بانکی پور میں موجود ہے۔ یہ تو بیان تھا ان کی تحقیق کے مطابق، اب سنیے التاریخ الاوسط استاذ محمد بن ابراہیم لحیدان کی تحقیق سے ابھی حال ہی میں مکتبہ دار النشر ریاض کی جانب سے پہلی بار ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۸ء میں چھپی ہے اور اس کے محقق نے دو قلمی نسخوں پر اعتماد کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو مکمل تھا اور وہ امام بخاری سے عبداللہ بن احمد بن عبدالسلام خفاف نیشاپوری نے روایت کیا ہے جو دمشق کے مکتبہ ظاہر یہ میں موجود ہے۔ اس مخطوطہ پر یہ لکھا ہوا ہے "الجزء الاول من التاریخ تالیف محمد بن اسماعیل البخاری ......الخ"

دوسرا نسخہ ناقص ہے اور وہ عنیزہ میں شیخ سلیمان بسام کے مکتبہ میں موجود ہے اور وہ بخاری سے زنجویہ بن محمد نیشاپوری نے روایت کیا ہے اور اس کے مخطوطے پر التاریخ الاوسط تصنیف الامام الحافظ / البخاری رحمہ اللہ" لکھا ہوا ہے اور ان دونوں روایتوں میں بعض اماکن پر کچھ اختلاف بھی ہے۔ اور اس کے محقق فاضل نے علمی تحقیقات کی بناء پر اس چیز کا انکشاف کیا ہے کہ جو کتاب مدت سے تاریخ صغیر کے نام سے مطبوع ہے لوگوں میں عام دستیاب ہے وہ بعینہ تاریخ اوسط ہے لیکن اس کے پہلے ناشر کو اس کا جو مخطوطہ ملا تھا اس پر کوئی نام درج نہیں تھا تو اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ تاریخ صغیر ہے تو اس نے اسی نام سے اسے طبع کر دیا اور لوگوں میں مشہور ہوگئی۔ اس بات کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ جو تاریخ صغیر مطبوع ہے وہ بھی زنجویہ بن محمد نیشاپوری کی ہی روایت سے ہے جو انھوں نے بخاری سے کی ہے اور حافظ ابن حجر نے تاریخ صغیر کا بروایۃ زنجویہ ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا کیوں کہ وہ تو عبداللہ اشقر کے طریق سے معروف ہے جیسا کہ محترم مصنف کچھ دیر بعد خود ذکر کریں گے۔ لیکن اس مذکورہ تحقیق پر یہ اعتراض آتا ہے کہ ابن رُشید فھری متوفی ۷۲۱ھ نے اپنی کتاب السنن الابین کے ص ۱۴۰ پر ایک حدیث ذکر کر کے امام بخاری کی تاریخ صغیر کی طرف منسوب کی ہے پھر وہ حدیث انھوں نے زنجویہ بن محمد نیشاپوری سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور زنجویہ نے امام بخاری سے ......الخ اور یہی الفاظ تاریخ صغیر کے مطبوعہ نسخہ کے ص ۲/۴۱۔۴۲ پر موجود ہیں۔

اور پھر ۱۳۲۴ھ میں طبع ہونے والی تاریخ صغیر کے ناشر شیخ محمد محی الدین جعفری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ہم نے اس کی چھپائی میں چار قلمی نسخوں پر اعتماد کیا ہے اور اس کو چھاپنے سے قبل علامہ محدث شیخ شمس الحق عظیم آبادی صاحب عون المعبود رحمہ اللہ سے مراجعہ کرایا یعنی نظر ثانی کرائی تھی۔

فواد سزگین کی تاریخ التراث العربی کے دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعۃً ہندوستان کے مختلف شہروں میں اس کے چار قلمی نسخے پائے جاتے ہیں اور ایک پانچواں نسخہ جرمنی اور چھٹا نسخہ دمشق کے ظاہری کتب خانہ میں پایا جاتا ہے۔ کیا یہ سارے نسخے کسی بھی نام لکھنے کے بغیر ہی تھے، اور قبل اس کے کہ ہم اس بات کا کوئی قطعی فیصلہ کریں کہ پہلی طبع کے ناشر نے التاریخ الصغیر نام اختیار کیا یا کسی اور نے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ ان نسخوں کے بارے میں تحقیقی نظر ڈالی جائے اور ان کے درمیان تقابل کیا جائے تاکہ اصل موضوع کے بارے میں کوئی تحقیقی رائے قائم کی جائے بالخصوص جبکہ عنیزہ شہر کا نسخہ جس میں التاریخ الاوسط کا نام لکھا ہوا ہے اس پر نہ لکھنے والے کا نام ہے اور نہ ہی ←

۳۔التاریخ الصغیر:[1]

فن تاریخ میں امام بخاری کی یہ بھی ایک بے مثل تصنیف ہے۔فن حدیث کوفن رجال کے ساتھ وہی تعلق ہے جو روح کو جسد سے ہے۔اس لیے امام صاحب کو اس کے ساتھ خاص شغف تھا۔اس کو امام بخاری سے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاشقر نے روایت کیا ہے[2] اور جو طبع ہوئی ہے، وہ بروایت ....

← لکھنے کی کوئی تاریخ درج ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی نیا نسخہ ہو۔واللہ اعلم۔

اب اس کے بعد ایک سوال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر تاریخ صغیر کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ: ابن خیر اشبیلی نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری کی کتاب الضعفاء و المتروکین ہی تاریخ صغیر ہے۔ (الفھرست ص۲۰۶) لیکن ابن خیر پر یہ اعتراض آتا ہے کہ ابن ندیم نے اس سے بھی پہلے امام بخاری کی مستقل چار کتب کا ذکر کیا ہے (۱) التاریخ الکبیر، (۲) التاریخ الصغیر، (۳) التاریخ الاوسط، (۴) الضعفاء، فھرست ابن ندیم ۳۲۱۔۳۲۲، اور حافظ ابن حجر نے بھی امام صاحب کی ان چار کتب کا علی الاستقلال ذکر کیا ہے اور ساتھ اپنے سماع اور اجازت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مقدمۃ فتح الباری ص۴۹۲ اور اپنی کتاب المعجم المفھرس میں ان کتب تک اپنی اسانید کا ذکر بھی کیا ہے۔اگر کتاب الضعفاء ہی التاریخ الصغیر ہوتی تو وہ ان کو علیحدہ علیحدہ نہ ذکر کرتے بالخصوص جبکہ انھوں نے ان دونوں کو دیکھا بھی ہو، اور رودانی نے صلۃ الخلف کے ص۱۵۵ پر لکھا ہے کہ امام بخاری کی التاریخ الصغیر صحابہ کے ذکر کے ساتھ خاص ہے اور وہ اس بارے میں پہلی کتاب ہے جیسا کہ تاریخ اوسط کے محقق نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

[1] التاریخ الصغیر ہندوستان کے شہرالہ آباد میں شیخ محمد محی الدین جعفری الہ آبادی کی تحقیق اور علامہ محدث شیخ شمس الحق عظیم آبادی صاحب عون المعبود رحمهما الله کے افادات کے ساتھ چھپی تھی۔پھراس کی کئی اور طبعات معرض وجود میں آئیں اور بروکلمان نے ۳/۱۷۸۔۱۷۹ اور سزگین نے ۱/۲۰۴۔۲۰۵ میں اس کے قلمی نسخوں کا تذکرہ کیا ہے۔

[2] مقدمۃ فتح الباری ص ۴۹۲ ، تغلیق التعلیق ۵/۴۳۶ ، المعجم المفھرس لابن حجر ص۱۲۶ نمبر ۶۳۲ اور وہ شیخ، عالم، صدوق ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن خلیل بن الاشقر ہیں۔انھوں نے تاریخ صغیر امام بخاری سے روایت کی ہے۔ نیز انھوں نے محمد بن سلیمان لُوَین، حسن بن عرفہ وغیرہ سے روایت کیا ہے اور ان سے ابوحفص بن شاہین، ابوالعباس احمد بن زنبیل اور دوسروں نے روایت کیا ہے۔امام ذہبی نے کہا ہے کہ یہ لمبی عمر پانے والے محدث، امام، مفتی تھے۔ بغداد کے کرخ شہر کے قاضی بنائے گئے تھے...... تین سودس سے کچھ اوپر سن ہجری میں وفات پائی۔

ذکر اخبار اصبھان ۲/۷۲، تاریخ بغداد ۱۰/۱۱۷، الاکمال لابن ماکولا ۱/۹۵، الانساب للسمعانی ۱/۲۷۹ (الاشقر)، اللباب ۱/۶۵ ، سیر اعلام النبلاء ۱۵/۳۰۳ حافظ ابن حجر نے اپنی سند ان تک ذکر کی ہے دیکھیے :تغلیق التعلیق ۵/۴۵۹ ، المعجم المفھرس ۱۲۲ ، اور امام ذہبی نے مشکان کے خطیب ابوالحسن علی بن محمد مشکانی کے تعارف میں کہا ہے کہ وہ ۴۲۰ھ میں مشکان میں پیدا ہوئے۔ اور شیخ معمر ابومنصور محمد بن حسن بن محمد بن یونس نہاوندی ۴۷۰ھ سے کچھ اوپر اھل مشکان کے پاس آئے تو خطیب مشکان نے ان سے یہ تاریخ صغیر للبخاری کا سماع کیا اور انھوں نے یہ کتاب قاضی ابو العباس بن زنبیل نہاوندی سے سنی اور نہاوندی نے قاضی عبداللہ بن محمد بن اشقر سے سماع کیا اور قاضی عبداللہ نے امام بخاری سے سماع کیا۔ چنانچہ خطیب مشکان اس کتاب کی عالی سند کے ساتھ ایک مدت تک منفرد رہے اور کم ہی علماء ہیں جنہوں نے یہ کتاب ان سے سنی کیوں کہ ان کا علاقہ دور کا تھا"۔

اور ان سے ابوسعد سمعانی اور ابن عساکر نے بھی اس کتاب کا سماع کیا ہے۔(سیر اعلام النبلاء ۲۰/۳۱۲ اور ۱۷/۹۹)۔

ابو محمد زنجویہ بن محمد نیشاپوری مروی ہے۔ [1] اس تاریخ میں امام بخاری مشاہیر صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے سنوات وفات ونسب ولقاء کا ذکر کرتے ہیں اور اکثر جرح وتعدیل کرتے ہیں چنانچہ عنوان تالیف اس کا سنوات ہی پر رکھا ہے۔ ایک سنہ کے مشاہیر کی وفات وغیرہ کو لکھ کر دوسرے سنہ کو شروع کر دیتے ہیں۔ خطبہ میں فرماتے ہیں: ''**کتاب مختصر من تاریخ النبی ﷺ والمهاجرین والانصار و طبقات التابعین لهم باحسان و من بعد هم وو فاتهم و بعض نسبهم و کنا هم و من یُرغب فی حدیثه**''. [2]

۴۔الجامع الکبیر:

اس کا ذکر ابن طاہر نے کیا ہے۔ [3] اس کتاب کا بھی مفصل حال کچھ نہیں معلوم ہو سکا نہ اس کے کسی نسخہ [4] کے وجود کا پتہ چل سکا۔ صاحب کشف الظنون نے اسی قدر لکھ کر سکوت کیا ہے۔ [5]

۵۔خلق افعال العباد: [6]

صحابہ و تابعین جس طرح آیات واحادیث سے فرق باطلہ کا رد کرتے تھے، وہی طرز عنوان اس کتاب کا بھی ہے اور یہی علم کلام قدیم ہے۔ امام بخاری سے اس کو یوسف بن ریحان اور علامہ فربری نے روایت کیا ہے۔ [7] اس کتاب

---

[1] ان کا تعارف گزر گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ یہ امام بخاری سے تاریخ اوسط کے راوی ہیں۔ اور امام ابن عدی نے اس کتاب کی بہت سی نصوص محمد بن عبداللہ جنیدی متوفی ۳۴۷ھ سے ذکر کی ہیں۔ سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۷اور جنیدی نے وہ امام بخاری سے روایت کی ہیں۔ دیکھیے: ابن عدی و منهجه فی کتاب الکامل ۱/۳۰۳) اور امام دارقطنی نے امام بخاری سے بطریق ابی بکر محمد بن حسن نقاش حد ثنا محمد بن شاذان نیشاپوری حدثنا البخاری کئی نصوص ذکر کی ہیں۔ کتاب المؤتلف والمختلف کے محقق نے ذکر کیا ہے کہ یہ نصوص امام بخاری کی تاریخ صغیر سے ہیں اور ان کی جگہوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ دیکھیے: مقدمة المحقق ۱/۱۰۲ او الفهرس ۵/۲۵۶۰

[2] یعنی یہ ایک مختصر تاریخ ہے۔ آنحضرت ﷺ اور مہاجرین وانصار وطبقات تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کی۔ اس کتاب میں ان کی وفات، ان کے نسب، ان کی کنیت وغیرہ اور جن سے حدیث لینے میں رغبت کی گئی ہے، سب کا بیان ہے۔ التاریخ الصغیر ص ۳ طبع هند اور ۱/۱ طبع محمود زاید، اور تاریخ اوسط ۱/۱۶۸س میں یہ الفاظ ہیں: ''ومن یرغب عن حدیثه'' یعنی جن کی حدیث لینے سے اعراض کیا گیا۔ اور دیکھیے: کتاب تاریخ اوسط پر تعلیق جو ابھی گزری ہے۔

[3] جیسا کہ یہ ابن طاہر سے حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ کے صفحہ ۴۹۲ پر ذکر کیا ہے

[4] الجامع الکبیر کا ایک قلمی نسخہ حافظ ابن کثیر کے خط کا لکھا ہوا جرمنی کے دارالعلوم کے مکتبہ مخطوطات میں جنگ عظیم دوم سے پہلے موجود تھا۔ خدا کرے وہ نسخہ محفوظ ہو۔ (عبیداللہ)

[5] کشف الظنون ۱/۵۷۱۔

[6] یہ دونوں کتابیں خلق افعال العباد، کتاب الضعفاء الصغیر طبع ہو چکی ہیں۔ (مؤلف) امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں تین مقامات پر اس کا نام افعال العباد ذکر کیا ہے، دیکھیے: ۱۰/۵۰۷، ۱۱/۴۰۵، ۱۲/۱۱۳۔

[7] تعلیق التعلیق ۵/۴۳۶، مقدمة فتح الباری ۴۹۲ ، کشف الظنون ۱/۴۷۳۔

←

میں فرقہ باطلہ جہمیہ اور معطلہ کا رد ہے اور آیات واحادیث کے ساتھ آثار صحابہ واقوال تابعین بھی درج ہیں۔ ❶

۶۔ کتاب الضعفاء الصغیر:

حروف تہجی کی ترتیب پر ضعیف راویوں کے نام گنائے ہیں۔ اکثر وجہ تضعیف اور راوی کے تلمذ کا بھی ذکر ہے۔ تضعیف صغیر کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے کتاب الضعفاء الکبیر بھی لکھی ہے یا لکھنے کا ارادہ کیا ہو۔ ❷ اس کو امام بخاری سے ....

← اور فربری ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح فربری صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ ۲۳۱ھ کو ولادت ہوئی اور ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ اور مؤلف ان کا تعارف کتاب کے آخر میں ذکر کریں گے، دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۳/۷۹۸، الانساب ۱۰/۱۷۰، ۱۷۱ (المحقق)

رہے یوسف بن ریحان بن عبدالصمد تو میں ان کا تعارف ابھی تک معلوم نہیں کر سکا۔ لیکن خطیب بغدادی تاریخ ۲/۱۱۷ اور ان سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق ۱۵/۷/۴ب میں اور مزی نے تہذیب الکمال ۲۴/۴۵۱ میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن نعیم ضبی سے انھوں نے ابوالفضل محمد بن یوسف بن ریحان سے جو کہ بخارا میں امیر تھے۔ انھوں نے اپنے باپ یوسف بن ریحان سے، انھوں نے کہا: میں نے امام بخاری سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ علی بن مدینی مجھ سے خراسان کے شیوخ کے بارے میں سوال کر رہے تھے...... (الخ) اور اس میں یہ بھی ہے کہ علی بن مدینی نے کہا: اے ابوعبداللہ (بخاری) جس راوی کی آپ تعریف ومدح کریں وہ ہمارے نزدیک بھی پسندیدہ ہے"

یہ خبر دلالت کرتی ہے کہ یوسف بن ریحان کا خاندان بخارا شہر میں ایک مرتبہ ومقام رکھتا تھا۔ واللہ اعلم۔

❶ بروکلمان نے ۳/۱۷۹ اور سزگین نے ۱/۲۰۶ پر کتاب خلق افعال العباد کے تین نسخوں کا دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جانے کا ذکر کیا ہے اور دہلی میں ۱۳۰۶ھ کو علامہ شیخ شمس الحق عظیم آبادی کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی ہے پھر اس کے بعد اس کے اور طبعات بھی آچکے ہیں۔

❷ لیکن ابن ندیم کے فہرست میں ص ۳۲۲ پر اور محمد بن احمد مالکی اندلسی نے اپنی کتاب تسمیۃ ماورد بہ الخطیب من الکتب من روایتہ کے ص ۲۹۰ پر، اور حافظ ابن حجر نے تغلیق التعلیق ۵/۴۳۷ اور مقدمۃ فتح الباری کے ص ۴۹۲ اور المعجم المفہرس ص ۱۷۳ پر صرف "الضعفاء" کا نام ذکر کیا ہے الصغیر ساتھ ذکر نہیں کیا اور ابن خیر اشبیلی نے الضعفاء والمتروکین نام ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: الفہرست ۲۰۶، لیکن طبع شدہ ضعفاء کے آخر میں لکھا ہوا ہے "آخر کتاب الضعفاء الصغیر للامام البخاری رحمہ اللہ"۔

اور حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ کے ص ۱۰۹ پر الصغیر اور الکبیر دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابن ناصر الدین نے تحفۃ الاخباری کے ص ۱۸۲ پر ذکر کیا ہے اور حافظ مزی نے تہذیب کے ص ۱/۱۵۱ مقدمہ میں بخاری کی دونوں کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور سیر اعلام النبلاء میں بعض ایسی نصوص پائی جاتی ہیں جو امام ذہبی نے بخاری کی کتاب الضعفاء کی طرف منسوب کی ہیں، دیکھیے: السیر ۴/۱۵۵، ۶/۳۲۲، ۹/۴۲۷۔ لیکن میں نے وہ نصوص بخاری کی طبع شدہ کتاب الضعفاء الصغیر میں نہیں پائیں۔

اور امام ذہبی نے ابن میلہ کے احوال وتعارف میں بطریق ثابت بن محمد ایک حدیث ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث اپنی سند کی قوت کے باوجود بھی منکر ہے اور امام بخاری سے تعجب ہے کہ انھوں نے ثابت بن محمد زاہد سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے حالانکہ انھوں نے خود اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۷/۲۹۹)۔ ←

اور ثابت بن محمد زاہد کا ذکر مطبوعہ کتاب الضعفاء الصغیر میں نہیں پایا جاتا۔
اور ذہبی نے امام بخاری کے تعارف کے آخر میں فرمایا ہے کہ امام بخاری کی کتاب التاریخ چالیس ہزار سے زیادہ رجال پر اور ان کی کتاب الضعفاء سات سو سے کم راویوں پر مشتمل ہے، سیر ۱۲/۴۷۰۔
لیکن طبع شدہ الضعفاء الصغیر میں صرف ۴۱۸ راوی ہیں۔ یہ تمام دلائل دلالت کرتے ہیں کہ امام بخاری کی طبع شدہ کتاب الضعفاء الصغیر کے علاوہ بھی ضعفاء میں ایک کتاب ہے اور امام ذہبی نے ابوتمیلہ کے احوال میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے کہا ہے کہ ابو حاتم نے وھم کیا ہے اس لیے کہ انھوں نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے ابوتمیلہ میں کلام کیا ہے اور یہی رائے ابو الفرج ابن جوزی نے اختیار کی ہے۔
اور میں نے کتاب الضعفاء للبخاری میں ابوتمیلہ کا تذکرہ نہیں دیکھا نہ ہی کبیر میں اور نہ صغیر میں۔ پھر بے شک امام بخاری نے ابو تمیلہ کے ساتھ احتجاج کیا ہے۔ سیر ۹/۲۱۱ اور ذہبی نے عبداللہ بن ابی الخوارزمی کے تعارف میں کہا ہے کہ امام بخاری نے ابن ابی سے کتاب الضعفاء میں کئی احادیث روایت کی ہیں کچھ مسند اور کچھ معلق۔ اس کو خوارزمی اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ یہ خوارزم میں آیا تھا اور اس شخص کے ہاں ٹھہرا تھا اس لیے خوارزمی کہلایا۔ سیر الاعلام النبلاء ۱۳/۵۰۳۔
اور سلیمان بن بنت شرحبیل کے تعارف میں خود صراحت کی ہے کہ میرا اس سے مقصود ضعفاء کبیر ہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: امام بخاری نے عبداللہ سے بھی روایت کی ہے اور عبداللہ سلیمان سے روایت کرتا ہے اور عبداللہ سے مراد میرے نزدیک عبداللہ بن ابی الخوارزمی قاضی ہے کیونکہ امام بخاری اس کے ہاں ایک مدت تک آکر رہے تھے اور اس کی کتب میں دیکھا اور غور کیا اور اپنی کتاب الضعفاء الکبیر میں اس سے کئی تعلیقات بھی لگائی تھیں۔ السیر ۱۱/۱۳۹۔
یہ امام ذہبی جیسی شخصیت کی طرف سے صراحت ہے کہ امام بخاری کی ایک کتاب الضعفاء الصغیر اور دوسری کتاب الضعفاء الکبیر ہے اور انھوں نے ان دونوں پر اطلاع پائی اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ یہ بات ذہبی نے میزان میں بھی کہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر دمشقی کے تعارف میں کہا ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہو ہاں البتہ امام ابو عبداللہ بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء الکبیر میں ذکر کیا ہے...... الخ (میزان الاعتدال ۲/۵۹۸)
اور یہ بات بھی عیاں ہے کہ امام بخاری کتاب الضعفاء الکبیر میں بعض راویوں کے احوال میں ان راویوں کی مروی احادیث بھی ذکر کر دیتے ہیں چنانچہ امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں بطریق حارث عن علی مرفوعاً نکالا ہے کہ مریض کا رونا تسبیح ہے...... الخ'' پھر کہا کہ یہ حدیث شدید منکر ہے میرا خیال نہیں ہے کہ اسرائیل نے یہ حدیث بیان کی ہو۔ سیر ۴/۱۵۵ (حارث اعور کا تعارف)۔
امام ذہبی نے ابوالفتح محمد بن حسین ازدی کے تعارف میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جب بھی آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے دو بندوں میں سے ایک دوسرے کا استقبال کرتا اور اس سے مصافحہ کرتا ہے...... الخ'' پھر کہا کہ یہ حدیث غریب منکر ہے۔ امام بخاری نے یہ کتاب الضعفاء میں خلیفہ سے دوست کے تعارف میں نکالی ہے السیر ۱۶/۳۴۹۔
اور ضعفاء صغیر میں یہ طریقہ بہت قلیل ہے اور ذہبی نے میزان میں عبداللہ بن جریر کے تعارف میں ایک حدیث بیان کر کے اس کی نسبت بخاری کی کتاب الضعفاء الکبیر کی طرف کی ہے۔ (المیزان ۲/۴۰۰، اللسان ۳/۲۶۷)۔

امام ابوبشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی [1] اور ابوجعفر مُسبّح بن سعید [2] اور آدم بن موسیٰ الخواری [3] وغیرہ روایت کرتے

[1] وہ امام، حافظ، ماھر ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم انصاری دولابی رازی وراق ہیں ۲۲۴ھ میں ولادت ہوئی اور جوزجانی اور محمد بن بشار وغیرہ سے سماع کیا۔ اوران سے ابن ابی حاتم، ابن عدی اور طبرانی اور دیگر نے روایت کیا ہے ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ اوروہ مشہور کتاب الکنی کے مؤلف ہیں۔ ان کا تعارف تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۵۹، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۰۹، میزان الاعتدال ۳/۴۵۹، لسان المیزان ۵/۴۱ وغیرہ میں ہے۔

اور ابن عدی نے دولابی کے طریق سے امام بخاری کی مکمل کتاب الضعفاء الصغیر اپنی کتاب الکامل فی الضعفاء میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ بس تھوڑے سے راوی درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ کتاب ''ابن عدی و منھجہ فی کتاب الکامل'' کے مؤلف نے ان کی نشان دہی کی ہے ۱/۲۲۰۔

مثلاً امام بخاری نے ابراہیم نام کے باب میں بارہ ابراہیم نامی راوی ذکر کیے ہیں تو ابن عدی نے ایک کے علاوہ باقی ۱۱ کا ذکر اپنی کتاب الکامل میں کردیا ہے اور وہ ایک ابراہیم بن محمد ہے میرے خیال میں وہ ابن ابی عطاء ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ابراہیم بن ابو یحییٰ ہے۔ اسی بنا پر وہ ضعفاء صغیر میں مکرر ذکر ہوگیا ہے۔ شاید ابن عدن نے اسی وجہ سے اس کا الگ تعارف نہیں دیا۔ اس نے ایک تعارف کے علاوہ ان تراجم میں اقوال بخاری دولابی کے طریق سے جنیدی عن البخاری ذکر کیے ہیں۔ اور امام بخاری کے ان گیارہ پر اضافہ بھی کیا ہے اوران کے بارے بھی امام بخاری کے اقوال ذکر کئے ہیں شاید وہ تاریخ صغیر یا کتاب الضعفاء الصغیر سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[2] اصل اردو میں مسبح بن سعید کی جگہ شیخ بن سعید لکھا گیا ہے اور میں نے تھذیب الکمال سے درستی کی ہے۔ انھوں نے امام بخاری سے روایت کرنے والے راویوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے (۲۴/۴۳۶) اور السیر ۱۲/۴۳۲۔۴۳۸ میں کئی مقامات پر اسی طرح ہے نیز طبقات المفسرین للداؤدی ۲/۱۰۷ میں ایسے ہی ہے۔ اس کا مستقل تعارف میں نے نہیں پایا اور بخاری سے روایت کرنے والوں میں سے مسبح بن داؤد نخشی اور مسبح بن عصمہ ابو یوسف بھی ہیں ان کے متعلق مسبح بھی کہا گیا ہے ابن نقطہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیے: تکملۃ الاکمال ۵/۳۳۹، ۳۴۰ اور توضیح المشتبہ ۸/۱۵۷۔

[3] آدم بن موسیٰ خواری کا ذکر ابن نقطہ نے تکملۃ الاکمال میں کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے سعید بن عنبسہ اور امام محمد بن اسماعیل بخاری سے حدیث بیان کی ہے اوران سے ابواحمد محمد بن احمد بن غطریف اور عقیلی نے بھی بیان کی ہے ۲/۵۱۷ ترجمہ نمبر ۲۱۳۶ اور حافظ ابن حجر نے بھی تبصیر المنتبہ ۲/۵۵۳ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور ضعفاء صغیر کا مطبوعہ نسخہ اسی آدم بن موسیٰ خواری کی روایت سے ہے۔ ان سے ابواحمد محمد بن غطریف نے روایت کیا ہے جیسا کہ حافظ عقیلی بھی اسی آدم بن موسیٰ کے طریق سے امام بخاری کے ضعفاء صغیر سے بہت سے اقوال نقل کرتے ہیں۔ مثال کے طور امام بخاری نے باب ابراہیم میں ۱۲ ابراہیم نامی راویوں کا ذکر کیا ہے حافظ عقیلی نے ان میں سے ۱۰ کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: نمبر: ۲۷۔ ۴۸۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۷۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳ از کتاب الضعفاء للعقیلی۔

اور جونصوص حافظ عقیلی نے ذکر کی ہیں یہ بخاری کی ضعفاء کے بالکل مطابق ہیں مگر بعض تراجم میں بعض کلمات میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ الضعفاء للبخاری کے طبع شدہ نسخہ کی سند عقیلی کے طریق کے علاوہ ہے اور حافظ عقیلی نے اسی باب ابراہیم میں آٹھ ابراہیم نامی ایسے راویوں کا ذکر بھی کیا ہے جو بخاری کی ضعفاء میں نہیں ہیں لیکن عقیلی نے ان کے متعلق امام بخاری کے اقوال اسی سند کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ دیکھیے: نمبر ۳۰۔ ۳۶۔ ۴۲۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۸۔ ۶۰۔ ۶۸ از ضعفاء عقیلی۔

←

ہیں۔ [1]

۷۔۸۔المسند الکبیر، التفسیر الکبیر:

ان دونوں کا ذکر علامہ فربری (امام بخاری کے تلمیذ) نے کیا ہے۔ ان دونوں کا مفصل حال کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ ان کے کسی نسخہ [2] کے وجود کا پتہ چل سکا نہ ان کے راوی کا پتہ چل سکا۔ [3]

۹۔کتاب الھبة:

اس کا ذکر امام بخاری کے کاتب محمد بن ابو حاتم نے کیا ہے۔ [4] وہ کہتے ہیں، **و عمل کتابافی الھبة فیه نحو خمس مائة حدیث و قال لیس فی کتاب وکیع فی الھبة الاحدیثان مسندان او ثلثة و فی کتاب ابن**

← ہاں البتہ ان کا ذکر امام بخاری کی تاریخ کبیر میں ہے لیکن الفاظ میں قدرے اختلاف ہے یا تو حافظ تاریخ بھی اسی سند سے روایت کرتے ہیں اور انھوں نے اقوال بخاری اختصار کے ساتھ ذکر کر دیئے ہیں یا پھر امام بخاری نے ہی اپنی ضعفاء کبیر میں ان کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہوگا اور اسی طرح عقیلی نے ذکر کر دیا ہوگا اور اصل علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

[1] خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں دو طریق سے امام بخاری کی ضعفاء سے ۴۴ نصوص روایت کی ہیں۔ وہ دونوں طرق محمد بن ابراہیم بن شعیب غازی سے ہیں اور غازی نے بخاری سے روایت کیا ہے۔ **موارد الخطیب ص ۳۱۹۔۵۵۹۔**

اور غازی کے طریق سے ہی ابن حجر **کتاب الضعفاء الصغیر للبخاری** روایت کرتے ہیں اور انھوں نے غازی تک اپنی سند **المعجم المفهرس** کے صفحہ ۷۳ نمبر ۶۷۹ پر ذکر کی ہے۔

غازی کا تعارف یہ ہے: امام ثقہ، حافظ ابوالحسین محمد بن ابراہیم بن شعیب جرجانی غازی سروی۔ غازی کفار کے ساتھ جہاد اور غزوہ لڑنے کی طرف نسبت ہے اور سروی طبرستان کے شہر ساریہ کی طرف نسبت ہے۔ انھوں نے عمرو بن علی فلاس بخاری، ابو حاتم اور ابوزرعہ وغیرہ سے سماع کیا ہے اور ان سے ابن عدی، ابو احمد، حاکم اور ابو بکر اسماعیلی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ۳۱۰ھ سے کچھ اوپر میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: **معجم الاسماعیلی ۱/۴۷۷، الانساب ۱۰/۴ (الغازی) اللباب ۲/۳۷۲، تذکرة الحفاظ ۲/۷۶۰،** تذکرہ میں ابوالحسین کی جگہ ابو الحسن لکھا ہے، **سیر اعلام النبلاء ۱۴/۴۰۷، توضیح المشتبه ۵/۹۰** توضیح میں ان کی کنیت ابوالخیر لکھی ہے، **طبقات الحفاظ ص ۳۲۰۔**

میں کہتا ہوں کہ محمد بن ابراہیم غازی امام بخاری سے **کتاب الکنیٰ** کا راوی بھی ہے جیسا کہ اس کے شروع میں آیا۔ **(التاریخ الکبیر ۹/۳)**

[2] **مقدمة فتح الباری ص ۴۹۲، طبقات المفسرین للداوٗدی ۲/۱۰۷** اور امام بخاری کے وراق نے امام بخاری کی تفسیر کا ذکر بھی کیا ہے۔ **تاریخ بغداد ۲/۱۴، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۳، تهذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۵، طبقات السبکی۔ ۲/۲۲۶)** اور بروکلمان نے **تاریخ الادب ۳/۱۷۹** میں امام بخاری کی تفسیر کے ایک نسخہ کا پیرس کی لائبریری میں ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس کے ایک حصے کا جزائر میں ہونے کا پتہ دیا ہے جبکہ سزگین نے یہ ذکر نہیں کیا واللہ اعلم۔

[3] **المسند الکبیر** کا ایک نسخہ امام ابن تیمیہؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے دارالعلوم کے مکتبہ مخطوطات میں جنگ عظیم دوم سے پہلے تک موجود تھا۔ (عبیداللہ)

[4] **مقدمة فتح الباری ص ۴۹۲۔**

المبارك خمسة او نحوها۔ [1] یعنی امام بخاری نے ہبہ کے مسائل میں ایک کتاب لکھی تو اپنے باب میں وہ اس قدر جامع تھی کہ وکیع ابن جراح اور عبداللہ بن مبارک کی کتاب سے اس کو کچھ نسبت نہیں۔ وکیع کی کتاب الھبۃ میں دو یا تین حدیثیں مرفوع تھیں اور عبداللہ بن مبارک کی کتاب میں صرف پانچ اور امام بخاری کی کتاب میں قریب پانچ سو کے۔ اس کے بھی کسی نسخہ کا پتہ نہ چل سکا۔

۱۰۔ اسامی الصحابة:

اس کا ذکر ابوالقاسم بن مندہ نے کیا ہے [2] اور وہ خود اس کو ابن فارس کے طریق سے روایت کرتے ہیں [3] اور اکثر اس سے نقل کرتے ہیں اور ابوالقاسم بغوی [4] بھی اس سے اپنی کتاب **معجم الصحابہ** [5] میں نقل کرتے ہیں۔ اس موضوع (اسامی الصحابہ) پر اس سے پہلے کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ [6] اس کے بعد ابن مندہ، ابن عبدالبر، ابن

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۰، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۸، مقدمة الفتح ص ۴۸۸۔

[2] وہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن ابراہیم عبدی اصبہانی معروف بہ ابن مندہ اور یہ ان کے جداعلیٰ ابراہیم کا لقب ہے۔ وہ محدث اور حافظ تھے۔ ۴۷۰ھ کو وفات پائی۔ المنتظم ۸/۳۱۵ شذرات الذهب ۳/۳۳۷، ۳۳۸، معجم المؤلفین ۵/۱۷۱۔ (مراجع) میں کہتا ہوں کہ مؤلف سیرت علیہ الرحمۃ کا اسے ابوالقاسم ابن مندہ بتانا مقدمة فتح الباری ص ۴۹۲ پر ہے، پھر اس سے قسطلانی نے اپنے مقدمة ۱/۳۶ میں نقل کیا ہے لیکن معروف یہ ہے کہ **معرفة الصحابة** کتاب ان کی نہیں ہے بلکہ ان کے والد ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ متوفی ۳۹۵ھ کی ہے۔ مقدمة الاصابة ۱/۳ میں حافظ ابن حجر نے اور ان سے قبل ابن اثیر نے اپنے اہم ترین مصدر اسدالغابة ۱/۱۰ میں انہی کی طرف نسبت کی ہے۔ اور امام ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء ۱۷/۳۳ میں ان کے ترجمہ میں معرفة الصحابة کی نسبت ان کے والد ابوعبداللہ کی طرف کی ہے۔ اور سزگین نے تاریخ التراث ۱/۳۵۴ پر اس کے کئی ایک قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے۔

[3] وہ ابواحمد محمد بن سلیمان بن فارس دلال ہیں ان کا تعارف تاریخ کبیر کے تذکرہ میں پہلے ہو چکا ہے۔

[4] وہ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن مرزبان بن شابور بن شاہنشاہ بغوی ابن بنت احمد بن منیع بغوی یعنی احمد بن منیع بغوی کے نواسہ ہیں اور انہیں بغوی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا نانا احمد بن منیع بغ سے ہے۔ وہ بغداد میں پیدا ہوئے، وہیں نشو ونما پائی اور لمبی عمر پائی حتیٰ کہ لوگوں نے ان کی طرف سفر کیا اور ان سے دادوں، نانوں، پوتوں، نواسوں، باپوں اور اولاد سب نے لکھا۔ انھوں نے بخاری ومسلم کے شیوخ مثل احمد بن حنبل، علی بن مدینی سے سماع کیا ہے۔
اور صحابہ کے اسماء کی ترتیب پر معجم کبیر لکھی ہے۔ ۲۱۳ھ میں پیدائش ہوئی۔ الانساب ۲/۲۷۴، ۲۷۵ (محقق) اور اس کی کتاب کا ایک حصہ ابھی تک قلمی نسخہ کی شکل میں موجود ہے جیسا کہ سزگین نے ۱/۲۸۰ پر ذکر کیا ہے۔

[5] مقدمة الفتح ۴۹۲ اور بغوی کی اس کتاب سے ابونعیم بھی معرفة الصحابہ میں نقل کرتے ہیں۔ دیکھیے: ۲/۲۴۸، ۲۸۹ اور ۳/۲۶ تحقیق ڈاکٹر راضی عثمان۔

[6] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہماری معرفت کے مطابق اسماء صحابہ کے متعلق سب سے پہلے تصنیف کرنے والے امام بخاری ہیں انھوں نے سب سے پہلے اس بارے تصنیف کی پھر ان سے بغوی وغیرہ نے نقل کیا۔ امام بخاری نے صحابہ کے اسماء کے ساتھ غیر صحابہ کے اسماء ←

الاثیر، حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسماء صحابہ اور ان کے تاریخی حالات میں تصنیفیں لکھیں۔ یہ موضوع جس قدر ضروری ہے، مخفی نہیں۔ [۱]

۱۱۔ کتاب الوحدان:

اس کتاب سے ابن مندہ اکثر نقل کرتے ہیں۔ کتاب الوحدان میں امام بخاری نے ان رواۃ صحابیوں کا ذکر کیا ہے جن سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے۔ [۲] امام نسائی نے بھی کتاب الوحدان لکھی ہے۔ امام نسائی کی کتاب الوحدان آگرہ میں طبع ہوگئی ہے۔ [۳] امام مسلم نے بھی کتاب الوحدان لکھی ہے۔ وہ بھی آگرہ میں طبع ہوئی ہے۔ [۴] غالباً امام بخاری سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کوئی تصنیف نہیں لکھی۔

← بھی ذکر کیے ہیں اور اپنے مشائخ کے طبقہ سے ابتداء کی ہے جیسا کہ خلیفہ بن خیاط، محمد بن سعد، اور اپنے ساتھیوں کا ذکر کیا ہے مثل یعقوب بن سفیان، ابوبکر بن ابی خیثمہ پھر امام بخاری کے بعد ایک جماعت نے اسی بابت تالیفات لکھی ہیں۔ الاصابۃ ۱/۳ طبعہ زیلی۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ سخاوی وغیرہ نے علی بن مدینی متوفی ۲۳۴ھ کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے جس کا نام "معرفة من نزل من الصحابة سائر البلدان" ہے۔(الاعلان بالتوبیخ ضمن کتاب علم التاریخ عند المسلمین) ص ۵۴۰۔ یہ بات سخاوی نے خطیب سے نقل کر کے بتائی ہے۔ اسی طرح اس کا ذکر امام حاکم نے علوم الحدیث ص ۷۱ پر کیا ہے۔

علی بن مدینی کی وفات امام بخاری سے پہلے ہوئی ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام بخاری نے اپنی عمر کے اٹھارویں سال تاریخ اور صحابہ و تابعین کے فیصلے لکھنے شروع کر دیئے تھے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس موضوع پر اپنے شیخ علی بن مدینی سے بھی پہلے تالیف کی ہے۔ واللہ اعلم۔

[۱] اس کتاب کا ایک قلمی مکمل نسخہ جنگ عظیم دوم سے قبل جرمنی کے دارالعلوم میں موجود تھا۔ اس کتاب کا ذکر ابن ناصرالدین دمشقی نے "اصحاب النبی صلی الله علیه و آله وسلم" کے نام سے کیا ہے اور ساتھ کہا ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تحفة الاخباری ص ۱۸۳۔

[۲] مقدمة فتح الباری ص ۴۹۲۔

[۳] شاید مؤلف کی مراد اس سے امام نسائی کی کتاب "تسمية من لم يروعنه الا واحد" ہو۔ ڈکتور سزگین نے اس کے دو قلمی نسخوں کے ترکی میں ہونے کا ذکر کیا ہے، ایک چار ورقوں میں اور دوسرا ۱۴۱ اوراق میں ہے۔ تاریخ التراث ۱/۲۶۸۔ اور وہ امام نسائی کی "کتاب الضعفاء والمتروکین" کے آخر میں کئی دفعہ طبع ہو چکی ہے۔ وہ "مجموعة رسائل فی علوم الحدیث للنسائی" کے ضمن میں بھی بیروت میں مؤسسة الکتب الثقافية کی طرف سے ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۰ء کو طبع ہو چکی ہے اور اس میں صرف ۱۲۶ اسماء ہیں اور ان کا تعارف ہے۔ لیکن ان میں کوئی ایک بھی صحابی نہیں ہے۔ یہ تو بیان ہو چکا تاہم سزگین نے امام نسائی کی کسی ایسی کتاب کا ذکر نہیں کیا جس کا نام "الوحدان" ہو۔

[۴] یہ کتاب آگرہ میں ۱۳۲۳ھ کو طبع ہوئی ہے جیسا کہ استاذ سزگین نے ۱/۲۲۲ پر ذکر کیا ہے اور ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء کو بیروت میں دارالکتب العلمیہ کی طرف سے "المنفردات والوحدان" نام کے ساتھ چھپی ہے اور اس کا موضوع بھی یہی ہے کہ اس میں ان صحابہ کا ذکر ہے جن سے صرف ایک شخص نے روایت کی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ امام بخاری کی کتاب کا موضوع امام مسلم و نسائی کی کتابوں سے مختلف ہے (واللہ اعلم)۔

۱۲۔ کتاب المبسوط:

اس کا ذکر خلیلی نے الارشاد میں کیا ہے [1] اور مہیب بن سلیم [2] نے اس کو امام بخاری سے روایت کیا ہے۔ کتاب المبسوط کے موضوع بحث کا کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ کتاب میں بسط کے ساتھ وہ فقہی مسائل [3] ہوں گے جو احادیث سے مستنبط کیے گئے ہیں۔ [4]

۱۳۔ کتاب العلل:

ابوالقاسم بن مندہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور وہ اس کو محمد بن عبداللہ ابن حمدون سے، وہ ابو محمد عبداللہ بن الشرقی سے [5] وہ امام بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ [6] یہ فن نہایت دقیق اور شریف ہے۔ اس کے لیے جس قدر وسعت معلومات کی ضرورت ہے، اس کا بیان پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ غالباً اس موضوع میں بھی یہ پہلی کتاب ہے۔ [7]

---

[1] الارشاد ۹۷۳/۳ (ترجمہ وتعارف نمبر ۹۰۲) اور یہ تعارف ابوحسان مہیب بن سلیم بخاری کا ہے۔ خلیلی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ بخاری ثقہ ہے اور اس کی ثقاہت پر اتفاق ہے اور یہ محمد بن اسماعیل بخاری سے بہت ہی روایت کرنے والا ہے۔ امام بخاری سے اس نے مبسوط اور دیگر کتب روایت کی ہیں جو کسی دوسرے نے روایت نہیں کیں اور اس کی ولادت ۲۳۳ھ میں ہوئی اور وہ یہی سال ہے جس میں یحییٰ بن معین فوت ہوئے۔ سیر اعلام النبلاء ۹۱/۱۱، ترجمة وتعارف یحییٰ بن معین۔

[2] مقدمة فتح الباری ۴۹۲ اور تاریخ بغداد ۳۴/۲ میں مہیب ہی ہے جبکہ کشف الظنون میں وھب ہے (المولف) اور یہ وھم ہے مہیب صحیح ہے اور وھب تحریف ہے اور اس کا تعارف ابھی گزر رہا ہے۔

[3] ابن ناصر الدین دمشقی نے اس کا ذکر امام بخاری کی تالیفات کے ضمن میں کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ امام بخاری نے مبسوط میں اپنی کتب ابواب پر جمع کی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ تحفة الاخباری ص ۱۸۲ اور حافظ ابوالفضل بن طاہر نے کہا ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری سے پہلے ایک ایسی کتاب تیار کی تھی جسے مبسوط کہا جاتا ہے اور اس میں اپنی تمام احادیث کو ابواب پر جمع کیا تھا پھر صحیح ترین حدیث کو دیکھ کر اس کے تمام طرق سمیت اسے نکال لیا...... الخ۔ تغلیق التعلیق ۴۲۰/۵۔

[4] حافظ ابن مندہ کے خط سے اس کا ایک مکمل قلمی نسخہ دوسری جنگ عظیم تک جرمنی کے کتب خانہ میں موجود تھا (عبیداللہ رحمانی)

[5] ابو محمد عبداللہ بن محمد بن حسن بن شرقی نیشاپوری ۳۲۸ھ میں فوت ہوئے۔
امام حاکم نے کہا ہے: وہ فن طب میں بڑے ماہر تھے، اور حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔ الانساب ۸۵/۸، الاکمال لابن ماکولا ۵۲/۵، سیر اعلام النبلاء ۴۰/۱۵، المیزان ۴۹۴/۲ اللسان ۳۴۱/۳۔

[6] مقدمة فتح الباری ص ۴۹۲ اور اسی سے مقدمة القسطلانی ۳۷/۱ اور فتح المغیث ۳۱۱/۳ میں نقل کیا گیا ہے اور حافظ ابن حجر نے المعجم المفهرس ۴۶۷/۱، ۴۶۸ میں امام بخاری تک اپنی سند بھی ذکر کی ہے۔ دیکھیے: مقدمة علل الدار قطنی ۵۰/۱۔

[7] دیکھیے: کتاب العلل للدارقطنی کی تحقیق از ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن سلفی رحمہ اللہ جلد ۴۷/۱۔ ۵۶ اور سلفی صاحب نے اس میں علل حدیث کے بارے تصنیف کردہ کتب کی ایک طویل فہرست لکھی ہے۔

۱۴۔ کتاب الکنی:

اس کا ذکر ابو احمد حاکم نے کیا ہے اور وہ اس سے اپنی تصنیفات میں نقل بھی کرتے ہیں۔ [۱] محدثین کے لیے اس فن سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اس موضوع میں رواۃ حدیث کی کُنیّتوں کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جس سے ایک راوی کا اختلاط دوسرے سے نہ ہو جس کے بغیر بڑے بڑے محدثین دھوکا کھا جاتے تھے۔ [۲]

۱۵۔ کتاب الفوائد:

اس کا ذکر امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی کی کتاب المناقب میں کیا ہے [۳] لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کتاب الفوائد میں امام المحدثین نے کس قسم کے فوائد ودیعت رکھے ہیں لیکن قرینہ یہ ہے کہ اس میں وہ نکات حدیثیہ

---

[۱] مثال کے طور پر ابو احمد حاکم کی کتاب الاسامی والکنی کے مندرجہ مقامات دیکھیے: ۱/۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶۔ وعلی هذا القیاس، اسی طرح آگے اور بھی ہیں۔ ابن ندیم نے اپنی فہرست میں بھی اس کا ذکر کیا ہے ص ۳۲۲ اور ابن مندہ نے بھی اپنی کتاب فتح الباب فی الکنی والالقاب میں امام بخاری کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن کی تخریج محقق نے امام بخاری کی تاریخ کبیر اور کتاب الکنی سے کی ہے۔

[۲] فن علل الحدیث کے متعلق امام بخاری کی مہارت کے بارے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ ہم اس جگہ بھی ذکر کرنا اچھا سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ امام بخاری کے شیخ علامہ فریابی نے ایک ایسی حدیث پڑھی جس کی سند میں سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ تھا۔ اب مجلس حدیث میں موجود محدثین میں سے ان کنیتوں کا کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ ان کے نام کیا ہیں اور کون مراد ہیں اور امام بخاری نے سب کے نام بتا دیے۔

مقدمۃ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے امام بخاری کی کتاب الکنی نہیں دیکھی لیکن وہ اس کتاب سے اپنی کتب میں بہت کچھ نقل کرتے ہیں اور اس کا نام الکنی المفردہ یا الکنی المجردہ رکھتے ہیں۔ معلمی نے کہا ہے کہ حافظ ابن حجر کے کئی مقامات پر کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب پر واقف تھے اور کئی جگہوں میں وہ اس سے بواسطہ کتاب الکنی للحاکم ابی احمد نقل کرتے ہیں۔ الکنی للبخاری ص ۹۶۔

اور امام بخاری کی کتاب الکنی حیدر آباد سے ۱۳۶۰ھ کو علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے طبع ہو چکی ہے اور وہ بطریق ابی الحسن محمد بن ابراہیم ابن شعیب معروف بہ غازی ہے اور غازی امام بخاری سے روایت کرتے ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ وہ تاریخ کبیر کا جزء ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مستقل کتاب ہے، جو بھی ہو بہر حال یہ کنیتوں پر مشتمل جزء قطعی طور پر امام بخاری کا ہی ہے اور اگر وہ تاریخ کبیر کا جزء نہیں تو اس کا تتمہ البتہ ضرور ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب الکنی للبخاری کے آخر میں علامہ معلمی کی تحقیق ص ۹۴۔۹۷، اور کتاب الاسامی والکنی لابی احمد حاکم کبیر کا مقدمہ للدکتور یوسف دخیل ۱/۶۰، ۱۱۳-۱۱۵۔

[۳] جامع الترمذی کتاب المناقب باب مناقب ابی محمد طلحۃ بن عبید اللہ ۱۰/۲۴۴ (المحقق) ۵/۶۴۵ حدیث نمبر ۳۷۴۲۔ امام ترمذی سے ہی حافظ ابن حجر نے مقدمۃ فتح الباری ص ۴۹۲ اور ان سے قسطلانی نے ۱/۳۶ پر ذکر کیا ہے۔

ہیں جو فن علل سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۶۔الادب المفرد:[1]

یہ وہ کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و آداب سکھاتی ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت انسان انسان بن جاتا ہے۔ بالخصوص آج کل جب کہ رہی سہی اسلامی تہذیب یورپ کی آزادی کی بدولت رخصت ہو رہی ہے اور ایک یورپی تہذیب کا تعلیم یافتہ ہوائے نفسانی اور پالیسی کا دلداہ والدین کے آداب کو بھی خیر باد کہہ بیٹھتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کی بڑی حاجت ہے۔[2] اس کو امام بخاری سے احمد بن محمد بن الجلیل (بالجیم) البزار روایت کرتے ہیں۔[3]

۱۷۔جزء رفع الیدین:[4]

رفع الیدین کے باب میں بڑی جامع کتاب ہے۔ اثباتِ رفع الیدین کے علاوہ روایات عدم رفع کی بھی بخوبی

---

[1] دیکھیے: الفہرست لابن ندیم ص ۳۲۲، سیر اعلام النبلاء ۴۲۷/۱۲ ، تحفة الاخباری ص ۱۸۲ ، تغلیق التعلیق ۴۳۶/۵ ، مقدمة الفتح ص ۴۹۲ مقدمة القسطلانی ۳۶/۱، طبقات المفسرین للداوٗدی ۱۰۷/۲، بروکلمان ۱۷۹/۳۔ اور سزگین نے تاریخ التراث ۲۰۵/۱ میں اس کے متعدد قلمی نسخے ذکر کیے ہیں۔

[2] یہ کتاب کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔نواب علامہ صدیق حسن خاں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور آگرہ میں طبع ہوئی۔ اور شیخ عبدالغفار نے اردو میں "سلیقہ" نام سے ترجمہ کیا ہے۔ شیخ فضل اللہ جیلانی نے (فضل الله الصمد فی توضیح الادب المفرد) نام کے ساتھ اس کی ایک شرح لکھی ہے جو کہ مطبوع ہے اور اس کی احادیث کی تحقیق محدث شام علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے کی ہے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اسانید کو حذف کر دیا ہے جو صحیح الادب المفرد اور ضعیف الادب المفرد نام کے ساتھ سعودی عرب کے جبیل شہر میں مکتبہ نشر دار الصدیق کی طرف سے ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴م کو طبع ہوئی۔ اور صاحب کشف الظنون نے ذکر کیا ہے کہ سیوطی نے اس کا اختصار کیا ہے۔ کشف الظنون ۴۹/۱۔

[3] وہ ابو الخیر احمد بن محمد بن جلیل بن خالد بن حریث بن خالد بن منذر بن جارود عبدی بزار بخاری ہیں اور عبدالقیس کی طرف منسوب کرتے ہوئے انہیں عبقسی بھی کہا جاتا ہے اور وہ عبداللہ بن احمد بن شبویہ مروزی، محمد بن اسماعیل بخاری اور محمد بن ضوء شیبانی وغیرہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو نصر احمد بن محمد نیازکی بخاری کرمینی اور ابو بکر محمد بن خالد حسن مطوعی نے روایت کی ہے۔
نیازکی نے ان سے بخاری کی الادب المفرد ۳۲۲ھ کو روایت کی ہے جیسا کہ اس کے شروع میں لکھا ہوا ہے۔
اور اسی کے طریق سے حافظ ابن حجر نے الادب المفرد روایت کی ہے جیسا کہ المجمع المؤسس ۵۵۳/۱ میں ہے۔ دیکھیے: الاکمال لابن ماکولا ۱۷۹/۳ ، المشتبه ۲۹۸/۱، تبصیر المنتبه ۵۳۶/۲ ، توضیح المشتبه ۴۴۵/۳ ، اور نیازکی کا تعارف الانساب ۲۲۹/۱۳ پر دیکھیں اور ابن جوزی نے نیازکی ہی کے طریق سے الادب المفرد کی بعض احادیث کتاب البر والصلة میں روایت کی ہیں۔ نیازکی احمد بن محمد بن جلیل بزار اور بزار بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے ص ۴۹ ح ۱۹، ص ۵۴، ۵۵ ۔ حدیث نمبر ۲۷، ۳۰، ص ۶۵ ح ۵۰، ۵۱ وغیرہ (طبعة مکتبة السنة قاهره طبعة اولی ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء۔

[4] الانساب للسمعانی ۵۰۸/۱۲ ، سیر اعلام النبلاء ۸۶/۱۷ ، تحفة الاخباری ص ۱۸۲ ، مقدمة فتح الباری ص ۴۹۲، تغلیق التعلیق ۴۳۶/۵ ، طبقات المفسرین للداوٗدی ۱۰۷/۲۔

تنقید کی ہے۔ امام بخاری سے اس کو محمود بن اسحاق الخزاعی روایت کرتے ہیں۔ [1] یہ امام بخاری کے ان شاگردوں میں سے ہیں جنھوں نے بخارا شہر میں سب سے پیچھے امام بخاری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ [2]

۱۸۔ بِرُّ الوالدین:

امام بخاری سے محمد بن دلویہ روایت کرتے ہیں۔ [3] نام سے موضوع بحث ظاہر ہے لیکن اس کے وجود کا بھی پتہ نہیں چل سکا۔ [4]

---

[1] ابواسحاق محمود بن اسحاق (بن محمود بن منصور) الخزاعی القواس البخاری۔
خلیلی نے ان کا ذکر ارشاد میں محمد بن حسن بن جعفر بخاری کے ترجمہ وتعارف میں کیا ہے اور کہا ہے کہ محمود نے سب سے آخر میں امام بخاری سے بخارا شہر میں کئی اجزاء روایت کیے ہیں اور محمود ۳۳۲ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ الارشاد ۹۶۸/۳۔ ان کے نسب میں جو قوسین میں اضافہ مذکور ہے یہ حافظ ابن حجر کی کتاب المعجم المفهرس ص ۶۱ سے منقول ہے۔ محمود نے امام بخاری اور محمد بن حسن بن جعفر بخاری سے روایت کی ہے اور محمود سے امام محدث ابونصر محمد بن احمد بن محمد بن موسیٰ بخاری ملاحمی متوفی ۳۹۵ھ نے امام بخاری کی ''رفع الیدین'' اور ''القراءۃ خلف الامام'' دو کتابیں روایت کی ہیں۔ سیر اعلام النبلاء ۸۶/۱۷ اور ان کے علاوہ بھی کتابیں روایت کی ہیں۔ الارشاد ۹۶۸/۳۔ ان (محمود) سے ابونصر احمد بن محمد بن حسن بن حامد بن ہارون نیازکی راوی کتاب (الادب المفرد) نے بھی روایت کی ہے اور محمود نے احمد بن محمد بن جلیل سے روایت کیا اور احمد بن محمد نے امام بخاری سے۔ جیسا کہ الانساب ۲۲۹/۱۳ میں نیازکی کے ترجمہ وتعارف میں لکھا ہے، اور ملاحمی عن الخزاعی کے طریق سے ہی حافظ ابن حجر امام بخاری کی کتاب رفع الیدین اور قراءت خلف الامام روایت کرتے ہیں جیسا کہ انھوں نے المجمع المؤسس ۱۹۰/۲ اور المعجم المفهرس ص ۶۱ پر اپنی سند ذکر کی ہے۔

[2] سزگین نے جزء رفع یدین کے دو قلمی نسخے ذکر کیے ہیں۔ دیکھیے: تاریخ التراث ۲۰۵/۱) اور یہ کتاب چھپی ہوئی عام دستیاب ہے۔ اس کی احادیث کی تخریج علامہ شیخ بدیع الدین راشدی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کی ہے اور وہ اجلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین، کے نام سے ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد پاکستان سے ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۴ء کو چھپی ہے۔
(مکتبہ اسلامیہ لاہور کی طرف سے حافظ زبیر علی زئی کی تخریج کے ساتھ ۲۰۰۳م کو بھی طبع ہوئی ہے)

[3] ابوبکر محمد بن احمد بن دُلُّویہ، دقّاق۔ دُلُّوِیی (دادے (دُلُّوَیہ) کی طرف نسبت ہے) اھل نیشاپور میں سے ہیں احمد بن حفص سلمی اور محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہ سے سماع کیا اور ان سے ابوبکر احمد بن اسحاق صبغی اور ابوعلی حسین بن علی الحافظ اور دیگر نے روایت کی ہے۔ سمعانی نے کہا ہے شیخ، صالح، ثقہ اور مامون تھے اور ان کی وفات ۳۲۹ھ کو نیشاپور میں ہوئی۔ الانساب ۳۷۰/۵، اللباب ۵۰۷/۱، تبصیر المنتبه ۵۷۱/۲

[4] حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی تالیفات کے ضمن میں اپنی ان مرویات میں اس کا ذکر بھی کیا ہے جن کا ان کو سماع اور اجازت حاصل ہوئی ہے۔ مقدمه فتح الباری ص ۴۹۲، اور وہ اسے بطریق محمد بن دلویہ اور بطریق فربری عن البخاری روایت کرتے ہیں۔ المجمع المؤسس ۳۹۲/۲ اور المعجم المفهرس ص ۸۳، ۸۴ میں صرف بطریق ابن دلویہ۔ یہ تغلیق التعلیق ۴۳۶/۵، تبصیر المنتبه ۵۷۱/۲ اور فتح الباری ۹۵/۴، ۲۱۹/۵ میں بھی مذکور ہے اور تغلیق ۱۳۵/۳ کتاب فضائل المدینة میں اس کی ایک حدیث بھی اپنی سند کے ساتھ بطریق ابن دلویہ ذکر کی ہے۔

←

۱۹۔ کتاب الاشربہ:

اس کا ذکر امام دارقطنی نے اپنی کتاب المؤتلف والمختلف کیسہ (راوی) کے ترجمہ میں کیا ہے۔ [1]

۲۰۔قضایا الصحابۃ والتابعین:

امام بخاری نے یہ مبارک کتاب تاریخ کبیر کے قبل ۲۱۲ ہجری میں تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب نہایت مفید اور کارآمد ہے اس لیے کہ تعامل صحابہ کو دیکھ کر افراد امت کو ایک قلبی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ لیکن افسوس جس طرح متقدمین کی ہزاروں یادگاریں مٹ گئیں۔ اسی طرح اس کا بھی آج کہیں پتہ نہیں ہے۔ [2]

۲۱۔ کتاب الرقاق:

اس کا ذکر صاحب کشف الظنون نے کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ کتاب الرقاق للبخاری من کتب

← اور دوسری حدیث ۳/۳۵۸ میں کتاب الھبۃ: باب، بمن یبدا الھدیۃ میں ذکر کی ہے اور اس کتاب کا داؤدی نے بھی طبقات المفسرین ۲/۱۰۷ میں ذکر کیا ہے اور عصر حاضر میں اس کتاب کا وجود معروف نہیں ہے اور بروکلمان اور سزگین نے بھی اس کے کسی نسخے کا ذکر نہیں کیا۔

[1] مقدمۃ فتح الباری ص ۴۹۲ ، طبقات المفسرین للداؤدی ۲/۱۰۷ کیسۃ بنت ابی کثیر نے اپنی والدہ سے انھوں نے عائشہ سے روایت کی ہے اور مقدمہ فتح الباری میں یہ کلمہ (کیسہ) (ابی کبشہ) میں تبدیل ہوگیا ہے اور طبقات المفسرین للداؤدی میں (کبشہ) کے ساتھ بدل گیا ہے۔
امام دارقطنی نے کہا ہے کہ کَیْسَۃ یاء مخفف کے سکون کے ساتھ ہے یعنی کَیِّسَہ نہیں ہے۔ امام بخاری نے ان کا ذکر کتاب الاشربۃ میں کیا ہے۔ وہ سند اس طرح ہے: حدثنا موسٰی بن اسماعیل، حدثنا عبدالسلام بن سلیمان، قال حدثتنی کیسۃ بنت ابی کثیر عن امہا سمعت عائشۃ فی المرأۃ تَطَیَّبُ بالخمر وتستشفی بہ؟ قالت: لا طَیَّب اللہ من تَطَیَّب بھا ولا شفی من استشفی بھا" (المؤتلف والمختلف ۴/۱۹۷۳۔ ۱۹۷۴) اور اکمال لابن ماکولا ۷/۱۵۷ میں بھی اسی طرح ہے لیکن کچھ اختصار کے ساتھ۔ اور ذہبی کی مشتبہ ۳/۵۴۱ میں ہے کہ کَیْسَۃ کاف کی زبر یاء کے سکون کے ساتھ ہے اور اس کی روایت اپنی والدہ سے اور انھوں نے عائشہ سے طیب (خوشبو) کے بارے ذکر کی ہے۔ تبصیر المنتبہ ۳/۱۱۸۴ میں بھی اسی طرح ہے۔
ابن ناصر الدین نے امام ذہبی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث طِیْبٌ کے بارے نہیں بلکہ تَطَیُّبٌ کے بارے ہے اور بخاری نے اسے کتاب الاشربۃ میں روایت کیا ہے اور یہ امام بخاری کی ایک مستقل کتاب ہے صحیح بخاری کا جزء نہیں۔ یہ الادب المفرد وغیرہ کی طرح ہے......الخ۔ اور ابن ناصر الدین نے حدیث اسی طرح ذکر کی ہے جس طرح دارقطنی نے ذکر کی ہے لیکن تطیب کی جگہ تطبّب اور لا طَیَّب اللہ کی جگہ لا طَبَّب اللہ من تطبّب بھا لفظ ذکر کیا ہے۔ توضیح المشتبہ ۷/۲۷۵۔
اور دارقطنی نے محمد بن غُوَیر بن ولید کے ترجمہ وتعارف میں کہا ہے کہ اس سے امام بخاری نے "الاشربۃ" میں روایت کی ہے اور اس سے ابن شعیب نے روایت کی ہے۔ المؤتلف والمختلف ۴/۱۷۵۰۔

[2] یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ جب میری عمر اٹھارہویں سال میں داخل ہوئی تو میں نے کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین تصنیف کی۔ مقدمۃ فتح الباری ۴۷۸ وغیرہ۔

الحدیث. [1] علامہ موصوف نے نہ اس کی ابتدا بتائی نہ اور کچھ تفصیل لکھی۔

۲۲۔ایک لاکھ احادیث کا مجموعہ:

علامہ ابن الملقن [2] اپنی شرح توضیح میں امام بخاری کی ایک اور تصنیف کا پتہ دیتے ہیں اور علامہ ابن الملقن کے ہم صفیر علامہ عینی بھی ہیں۔علامہ ابن الملقن کے الفاظ یہ ہیں: ''**و من الغریب ما فی کتاب الجهر بالبسملة لابی سعد اسمٰعیل بن ابی القاسم البوشنجی** [3] **عن البخاری انه صنف کتابا فیه مائة الف حدیث**". **انتهی.** [4] یعنی ایک غیر مشہور بات امام ابو سعد اسماعیل بن ابی القاسم البوشنجی اپنی کتاب ''**کتاب الجهر بالبسملة**'' میں امام بخاری کے متعلق کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک حدیث کی کتاب تصنیف کی تھی جس میں ایک لاکھ حدیثیں جمع کی تھیں۔ابن الملقن اور علامہ عینی تو اس بات کو غیر مشہور بتاتے ہیں اور افسوس آج تک کہیں دنیا کے کتب خانوں میں اس کا پتہ بھی نہیں چلا نہ اس کا کوئی راوی معلوم ہوا اور نہ کسی دوسرے محدث نے سوا ابو سعد بوشنجی کے اس کو نقل کیا ہے۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے جب صحیح بخاری کو چھ لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے تو کون سی تعجب کی بات ہے کہ ایک لاکھ حدیثوں کا کوئی علمی خزانہ جمع کیا ہو۔ممکن ہے کوئی تصنیف ایسی رہی ہو اور مرور زمانہ سے ناپید ہوگئی ہو جس طرح آج سیکڑوں نہیں بلکہ سلف کی ہزاروں یادگاریں معدوم ہوگئیں جن کا آج دنیا میں کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔اگرچہ جس قدر امام بخاری کی تصنیفات موجود ہیں، وہ کچھ کم نہیں۔تاہم ایسے علمی خزانہ کے مفقود ہونے پر جتنا افسوس کیا جائے، بجا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہی تصنیف ہو جس کو **المسند الکبیر** اور **التفسیر الکبیر** کے نام سے امام کے تلمیذ، فربری نے بیان کیا ہے لیکن آج **المسند الکبیر** اور **التفسیر الکبیر** کا بھی پتہ نہیں ہے۔زمانہ کے دست تعدی نے جہاں اور سلف کے خزانے برباد کر دیئے ہیں، ان جواہرات کو بھی تلف کر دیا ہو تو کوئی تعجب کی جگہ نہیں۔آج امام عبداللہ بن مبارک امام ثوری جیسے لوگوں کی بے مثل تالیفات کا دنیا میں کہیں وجود نہیں [5] حالانکہ یہ وہ تالیفات ہیں جن کو لوگ ازبر

---

[1] **کشف الظنون** ۲/۲۷۸ (۲/۱۴۲۰) اور **صحیح بخاری** میں بھی ''**کتاب الرقاق**'' کا عنوان پایا جاتا ہے ۱۱/۲۲۹۔
لیکن **کشف الظنون** سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کی یہ مستقل کتاب بھی ہے لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ نے امام بخاری کی مؤلفات کے ضمن میں اس کا ذکر نہیں کیا (واللہ اعلم)۔

[2] ان کا اور علامہ عینی اور ان دونوں کی کتابوں کا ذکر شروحات صحیح بخاری میں آئے گا۔

[3] ابو سعد اسماعیل بن عبدالواحد بوشنجی شافعی فقیہ ہیں، بہت بڑے فاضل تھے، اچھے طریقے (مذہب) والے، بہت عبادت گزار اور علم کی اشاعت میں رغبت رکھنے والے، سنت کو لازم پکڑنے والے تھے......الخ۔۵۳۶ھ میں وفات پائی۔ان کی ایک کتاب کا نام **المستدرك فی فروع الفقه الشافعی**" اور ایک کا نام ''**الجهر بالبسملة**'' ہے **شذرات الذهب** ۴/۱۱۲، **معجم المؤلفین** ۲/۲۷۸۔

[4] **عمدة القاری** ۱/۹۔

[5] یہ بات ان دونوں کی بعض تالیفات کے ظاہر ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

رکھتے تھے۔

۲۳۔الجامع الصغیر فی الحدیث:

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ بقول ابن حجر اس کتاب کو امام بخاری سے عبداللہ بن محمد الاشقر نے روایت کیا ہے اور یہ امام صاحب کی ان تالیفات میں سے ہے جو موجود ہیں۔ [1]

۲۴۔جزء القراءۃ خلف الامام: [2]

امام صاحب کا مشہور رسالہ ہے۔ امام صاحب نے اس رسالہ میں قراءۃ خلف امام کو بدلائل احادیث و آثار ثابت

---

[1] میں کہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون نے جو ذکر کیا ہے میں نے اسے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کی ان مصنفات کے ذکر میں نہیں پایا جو کہ موجود ہیں اور حافظ ابن حجر کی مسموعات میں سے ہیں یا ان کے علاوہ ہیں، فتح الباری کے مقدمہ میں تو التاریخ الصغیر کا ذکر ہے جو امام بخاری سے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن اشقر روایت کرتے ہیں ص۴۹۲ واللہ اعلم۔

[2] اس موضوع پر بہت سی تالیفات ہیں۔ امام بیہقی کی ''کتاب القرأۃ'' متاخرین میں سے علامہ عبدالحی لکھنوی کی ''امام الکلام'' اور ہمارے استاد ابوعلی محمد بن عبدالرحمٰن مبارک پوری کی ''تحقیق الکلام'' یہ تمام جامع اور قابل قدر لائق مطالعہ کتب ہیں۔ میں کہتا ہوں ہمارے بھائی ڈاکٹر وصی اللہ وفقہ اللہ نے علامہ محدث شیخ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب ''تحقیق الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام'' کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جو کہ سعودی عرب کے ثقبہ شہر میں واقع مکتبہ دارالھجرۃ للنشر والتوزیع نے ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء میں دوسری بار چھاپا ہے اور یہ کتاب اس مسئلہ میں بہت اچھی ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ ۵۶۶ صفحات میں مکمل ہوا۔ رہی امام بخاری کی کتاب '' جزء القرأۃ خلف الامام'' تو وہ بھی ان کے شاگرد محمود بن اسحاق خزاعی (جو کہ جزء رفع الیدین کے راوی ہیں) نے روایت کی ہے اور ان کا تعارف ابھی جزء رفع الیدین کے ذکر میں گزرا ہے اور حافظ ابن حجر نے ان تک اپنی سند المجمع المؤسس ۱۸۹/۲ ،۱۹۰ اور المعجم المفهرس ۶۱ میں ذکر کی ہے۔

بروکلمان نے ۱۷۹/۳ اور سزگین نے ۲۰۶/۱ میں اس کے تین قلمی نسخے ذکر کیے ہیں اور یہ کتاب کئی بار چھپی ہے۔ اور فهرست ابن ندیم ۳۲۲ ، الانساب ۵۰۸/۱۲ ، سیر اعلام النبلاء ۸۶/۱۷ ، تحفۃ الاخباری ص ۱۸۲ ، تغلیق التعلیق ۴۳۶/۵ ، مقدمۃ الفتح ص ۴۹۲ اور طبقات المفسرین للداؤدی ۱۰۷/۲ کو بھی دیکھ لیا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی دیگر مؤلفات

میں کہتا ہوں کہ سیرت بخاری کے مصنف رحمہ اللہ نے امام بخاری کی مؤلفات کے ضمن میں ۲۴ کتب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ۹ کتب چھپی ہوئی اور عام متداول ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) جامع صحیح بخاری، (۲) الادب المفرد (۳) خلق افعال العباد (۴) جزء رفع الیدین (۵) جزء القرأۃ خلف الامام (۶) التاریخ الکبیر (۷) التاریخ الصغیر او الاوسط (۸) الضعفاء الصغیر (۹) الکنی۔

اور ان کے علاوہ باقی دوسری کتب پر ابھی تک اطلاع نہیں ہوسکی اگرچہ حافظ ابن حجر کے دور تک ان میں سے بعض موجود تھیں جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا ہے اور امام بخاری کے کتب رجال کے ترجمہ و تعارف میں ان کی کچھ دیگر کتب کا ذکر بھی ملتا ہے، اس جگہ ان کا ذکر اتمام فائدہ کے لیے بہت اچھا ہوگا۔

۲۵۔ الضعفاء الکبیر اور اس کا ذکر ان کی کتاب الضعفاء الصغیر کے تذکرہ کے تعلیق میں گزر گیا ہے اور یہ امام ذہبی وغیرہ کے دور ←

تک موجود رہی ہے اور انھوں نے اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔

۲۶۔**الکنی المجردۃ** یہ تب ہے جب یہ مان لیا جائے کہ امام صاحب کی الکنی جو چھپی ہے وہ تاریخ کبیر کا جزء ہے واللہ اعلم۔
اور یہ کتاب **الکنی المجردۃ** نام کے ساتھ امام ابو احمد حاکم نے اپنی کتاب **الاسامی والکنی** ۱۵۵/۴ پر ابوحریز کے تعارف نمبر ۱۸۳۴ میں ذکر کی ہے اور حاکم سے حافظ ابن حجر نے **الاصابۃ** ۸۲/۱۱ بھی ابوحریز کے تعارف میں ذکر کی ہے لیکن **الکنی المفردۃ** نام لکھا ہے اور تہذیب ۱۶۱/۱۲ میں ابوعبیدہ عن انس عنوان میں **الکنی المجردۃ** لکھا ہے اور یہ مثالیں علامہ معلمی نے **تاریخ کبیر** ۹۵/۹ کے آخر میں چھپنے والی کتاب الکنی میں بیان کی ہیں۔

۲۷۔ **کتاب الاعتصام** جامع صحیح میں بھی امام بخاری نے **کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ** ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: جلد ۱۳ ص ۲۴۵۔اس میں حدیث نمبر ۷۲۷۱ میں ابو برزہ کا قول نقل کیا ہے **ان اللہ یغنیکم او نعشکم بالاسلام و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**" امام بخاری فرماتے ہیں اس جگہ "**یغنیکم**" واقع ہوا ہے اور صحیح "**نعشکم**" ہے۔ اصل کتاب **الاعتصام** میں دیکھ لیا جائے۔
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام بخاری نے **کتاب الاعتصام** مستقل طور پر تصنیف کی ہے اور اس سے اپنی صحیح میں وہ احادیث درج کی ہیں جو ان کی شرط کے مطابق تھیں جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب **الادب المفرد** کے ساتھ کیا ہے۔
جب امام صاحب نے دیکھا کہ یہ لفظ یعنی **یغنیکم** ان کی اصل سے مختلف ہے تو اصل کی طرف رجوع کرنے کے لیے حوالہ دے دیا گویا وہ اس وقت غائب تھا تو اس کی طرف مراجعت کا حکم دے دیا اور اس سے اس کی اصلاح کا حکم دے دیا۔ **فتح الباری** ۲۴۶/۱۳۔
امام بخاری کے وراق محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے **کتاب الاعتصام** ایک رات میں لکھی تھی۔ **سیر اعلام النبلاء** ۴۳۲/۱۲۔

۲۸۔**کتاب الرد علی الجھمیۃ** حافظ ابن ناصر الدین دمشقی نے اس کا ذکر "کتاب خلق افعال العباد" سے علیحدہ ہی کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے امام بخاری کی مؤلفات کے ضمن میں "**کتاب الرد علی الجھمیۃ**" اور "**کتاب خلق افعال العباد**" کا ذکر فرمایا ہے۔ **تحفۃ الاخباری** ص ۱۸۳۔
اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے **الفتوی الحمویۃ الکبری** میں عقیدہ میں سلف کے اقوال بیان کرنے کے متعلق لکھی گئی مؤلفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **والرد علی الجھمیۃ لجماعۃ مثل البخاری و شیخہ...... الخ**. یعنی **الرد علی الجھمیۃ** علماء کی ایک جماعت نے لکھی ہے جیسا کہ امام بخاری اور ان کے شیخ عبداللہ بن محمد بن عبداللہ جعفی۔ پھر اس کے بعد انھوں نے کئی ایک دوسری کتب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "**وکتاب خلق افعال العباد للبخاری**" (ص ۱۷، ۱۸ من **الحمویۃ**)۔
کتاب **خلق افعال العباد** جو چھپی ہوئی ہے اس کے پہلے جزء کے اختتام کے بعد ص ۸۵ پر لکھا ہوا ہے: **الجزء الثانی من کتاب افعال العباد والرد علی الجھمیۃ واصحاب التعطیل للبخاری** اور اس کے آخر میں لکھا ہوا ہے: "**تم کتاب خلق افعال العباد والرد علی الجھمیۃ اصحاب التعطیل تالیف امام الائمۃ**" واللہ اعلم۔

۲۹۔ **کتاب السنن فی الفقہ**: اس کتاب کا ذکر ابن ندیم نے فہرست میں کیا ہے ص ۳۲۲۔

۳۰۔**المشیخۃ**: امام ذہبی نے **تاریخ الاسلام** ص ۲۴۱ میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے لفظ ہیں کہ امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے سماع کیا ہے اور امام صاحب نے وہ بیان بھی کیا لیکن ہم نے وہ دیکھا نہیں اور سبکی نے یہ کلام بعینہٖ **طبقات** ۲۱۴/۲ میں ذکر کیا ہے۔

کیا ہے اور فریق کے جوابات نہایت عمدگی سے دیئے ہیں جس سے امام صاحب کا کامل مناظرہ داں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ فریق کا نام نہیں لیا ہے لیکن فریق خود سمجھتا ہے کہ یہ میرا جواب ہے اور کمال احتیاط اور علو ہمتی و حق پرستی ہے جو محدثین کی خصوصیات سے ہے۔

اہل کوفہ کا استدلال آیہ کریمہ ''واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا'' سے ہے اور (اس) استدلال پر گویا اہل کوفہ کا بالکل تکیہ ہے۔ امام صاحب نے اس استدلال کے جوابات عموم لفظ اور خصوص مورد دونوں اعتبار سے دیئے ہیں۔ مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ کلام خصم کی تشقیق کر کے ہر شق کا جواب دیتے ہیں۔ اسی قاعدہ پر امام صاحب نے اس آیت کا جواب اولاً باعتبار عموم لفظ کے اس طرح دیا ہے کہ ''تم خود اس عموم کو سنت فجر میں نہیں قائم رکھتے کیونکہ تمہارا مسئلہ ہے کہ اگر امام صبح کی نماز میں قراءت کر رہا ہو، اس وقت اگر کوئی نمازی آئے اور اس نے سنت نہ پڑھی ہو تو اولاً سنت پڑھ لے۔ اس صورت میں یہ آیت اپنے عموم پر نہیں رہتی۔ تم نے جب سنن میں اس آیت کی تخصیص کی تو فرض یعنی قراءت میں عموم آیت کی تخصیص کیوں نہیں ہو سکتی۔ سنت فجر کی صورت میں تو کوئی مخصص صحیح بھی موجود نہیں اور یہاں تو عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کی صحیح روایات مخصص موجود ہیں۔

اور اگر خصوص مورد کے اس اعتبار سے تمہارا استدلال ہے تو یہ خصوص مورد ثابت نہیں کیونکہ اس کا مورد خطبہ ہے نہ صلوۃ اور اس کو امام نے روایات متعددہ سے ثابت کر کے دکھایا ہے اور کوئی صحیح روایت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ یہ آیت نماز میں نازل ہوئی۔

اسی مسئلہ میں اب تم اس مناظرہ کو ملاؤ جس کی نسبت جناب امام ابوحنیفہؒ کی طرف کی جاتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی کمال زیرکی اور فطانت ثابت کی جاتی ہے جس کو ہم عصر (شبلی) نعمانی صاحب نے نہایت فخریہ الفاظ میں لکھا ہے۔ خاص

۳۱۔ انتقاء البخاری من حدیثه لاهل بغداد: حافظ ابن حجر نے اس کا ذکر المعجم المفهرس ص ۲۴۰ نمبر ۱۰۰۶ پر کیا ہے اور بتایا ہے کہ میں نے اس کا پہلا اور دوسرا جزء بطریق عبداللہ بن محمد بن شرقی عن الامام البخاری سنا ہے اور انھوں نے ابن بشکوال سے ذکر کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی احادیث ہیں جنہیں الٹ پلٹ کر کے اہل بغداد نے امام بخاری کے حفظ کا امتحان لیا تھا۔ واللہ اعلم۔

۳۲۔ ''التاریخ فی معرفة رواة الحدیث ونقلة الآثار والسنن وتمییز ثقاتهم من ضعفائهم و تاریخ وفاتهم''

۳۳. التواریخ والانساب

۳۴. ''العقیدة'' أو ''التوحید''

۳۵. اخبار الصفات۔

ان آخری چار کتابوں کا ذکر سزگین نے تاریخ التراث العربی ۱/۲۰۵۔۲۰۶ پر امام بخاری کی مؤلفات کے ضمن میں کیا ہے۔ اور ان کے قلمی نسخوں کے پائے جانے کی جگہوں کا بھی بتایا ہے۔ میں نے علمائے متقدمین کے ہاں ان کا کوئی ذکر نہیں دیکھا شاید ان کی نسبت امام صاحب کی طرف غلطی سے ہو یا یہ ان کی دوسری کتب سے علیحدہ کی گئی ہوں اور ان کے یہ نام رکھ دیئے گئے ہوں اور اصل حقیقت تو اسی وقت کھلے گی جب ان مخطوطوں کو دیکھا جائے اور غور کیا جائے۔

انہیں کے الفاظ یہ ہیں، ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا، اتنے آدمیوں سے میں تنہا کیوں کر بحث کر سکتا ہوں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں کسی کو انتخاب کرلیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے۔ لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا، آپ نے یہ تسلیم کرلیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے مختار کردیا، اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے۔"[1]

ایک سمجھ دار کہہ سکتا ہے کہ اس مناظرہ میں امام ابوحنیفہؒ نے کوئی شرعی دلیل نہیں بیان کی۔ عقلی طور پر جو بھی تقریر کی ہے، کیسی گری ہوئی ہے۔ مدار اس مناظرہ کا اس پر ہوا کہ جس طرح سب کی طرف ایک شخص کو بحث کا مختار کردیا، اسی طرح امام نماز تمام مقتدیوں کی طرف سے قراءت کا کفیل ہے۔ حالانکہ وجہ شبہ (مختار کرنا) نماز میں نہیں پائی جاتی۔ مقتدی یہ نہیں کہتا کہ امام میری طرف سے نماز کا مختار ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اقتدا کرنا یہی مختار ہے تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ صحیح نہیں ہے بلکہ اقتدا سے معیت فی العبادۃ مقصود ہے جس پر آیت کریمہ "واركعوا مع الراكعين" شاہد عدل ہے اور اگر اقتدا سے معیت فی العبادۃ مقصود نہ ہو بلکہ مختار کرنا مقصود ہو تو قراءۃ کی کیا خصوصیت ہے۔ لازم یہ ہے کہ کوئی رکن نماز کا مقتدی نہ بجالائے تکبیر تحریمہ، ثناء، التحیات مقتدی کچھ نہ پڑھے حالانکہ یہ امام ابوحنیفہؒ بھی نہیں کہتے پھر یہ تقریر امام ابو حنیفہؒ (جس پر ناز ہے) کس قسم کی ہوئی۔[2]

---

[1] سیرۃ النعمان: ۶۸۔

[2] افسوس امام بخاری کے طرز جواب کو حیرت انگیز فرماتے ہیں لیکن ان کو حیرت نہ ہوئی امام ابوحنیفہؒ کے اس طرز جواب سے۔ ہم عصر موصوف کو مناسب تھا کہ جو مناظرہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس کو مناظرہ کے قواعد سے ٹھیک کرتے خصوصاً مسائل شرعیہ میں جن میں دلائل شرعیہ کا ہونا فرض ہے۔ ہمارے خیال میں اس قصہ کی نسبت ہی امام صاحب کی طرف غلط ہے۔
یہاں ایک اور بات ہے جو اس قصہ کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے غیر صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے، وہ یہ کہ کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اللہ رب جل وعلا کو اپنے نفس پر قیاس کریں۔ امام صاحب میں اگر اتنی طاقت نہیں کہ وہ ایک ہی وقت میں سب کے ساتھ بات کرسکیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ میں بھی اس کی طاقت نہیں؟ حاشا وکلا! کیوں کہ اللہ تو سب کی سننے والا اور قبول کرنے والا ہے اور ایک ہی آن میں سب کی سن لیتا ہے۔

باب : ۳

صحیح بخاری کی مقبولیت اور اس کی رفعتِ شان

امام صاحب کی کل تصنیفات میں ''الجامع الصحیح'' جو آج صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے اور دنیا کے تمام حصوں میں جہاں جہاں اسلامی اثر پہنچا ہے، شائع ہے۔ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ جن وجوہات سے مسلمانوں نے امام بخاری کو امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا، ان میں ایک یہ مبارک کتاب بھی ہے۔ یہ رتبہ، یہ فضیلت، یہ شرف، یہ اعتبار متقدمین سے لے کر متاخرین تک اسلام میں نہ کسی محدث کی تصنیف کو حاصل ہوا نہ کسی فقیہہ اور امام کی تالیف کو۔ آج اسلام میں کتاب اللہ کے بعد کس کی تالیف اور کون سی کتاب ہے جس کے آگے کل اسلامی دنیا سرِ تسلیم خم کرتی ہے ؎

له الكتاب الذی يتلوا الكتاب هدی
هدی السيادة طود ليس ينصدع [1]

[کتاب اللہ کے بعد امام بخاری کی صحیح بخاری کا درجہ ہے اور یہ سیادت ایسا عظیم الشان کوہ ہے جو کسی طرح ہل نہیں کھا سکتا۔]

صحیح بخاری ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر صرف اسی کی تاریخ لکھی جائے اور ہر پہلو سے اس پر مستقل بحث کی جائے تو کئی ضخیم جلدیں لکھنا پڑیں۔ علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں (جس میں انھوں نے علم تاریخ کے حکیمانہ اصول اور فلسفیانہ نکات اور تمدنی قواعد ضبط کیے ہیں) فرماتے ہیں:

''ولقد سمعت كثيرا من شيوخنا رحمهم الله يقولون: شرح كتاب البخاری دين علی الامة''. [2]

یعنی میں نے اپنے اکثر اساتذہ اور شیوخ کو فرماتے سنا کہ صحیح بخاری کی شرح لکھنے کا قرض امت پر اب تک باقی ہے۔ علمائے ملت اسلام میں سے کسی نے اس کی ایسی شرح نہیں لکھی جس سے امت کا یہ قرض ادا ہوا اور امت کو فرض دین سے سبک دوشی حاصل ہو۔ گو شروح بہت ہو چکیں لیکن وہ نکاتِ فقہیہ جو امام بخاری نے تراجم ابواب میں ودیعت رکھے ہیں

---

[1] الطبقات للسبکی ۲/ ۲۱۲۔

[2] مقدمة ابن خلدون ۳/ ۱۱۴۲ (۱/ ۴۷۴ طبع دار الكتب العلمية بيروت)

اور وہ علمی خزائن اور فنون حدیثیہ و تاریخیہ کے دقائق جو انھوں نے ایک ہی تکرار، تعلیق، موقوف، موصول لانے میں رکھے ہیں۔ کسی نے ان کا استیعاب نہیں کیا اور نیز علامہ موصوف امام بخاری کی دقتِ نظر اور تفقہ و صحیح بخاری کے عنوان تالیف و ابواب فقہیہ پر ریمارک فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لیکن صحیح بخاری فن حدیث کی تمام کتابوں سے درجے میں بلند ہے۔ اس کا پایہ نہایت بلند ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے اس کی شرح کو نہایت مشکل خیال کیا ہے اور اس کے مطالب تک راہ یابی کو نہایت دشوار سمجھا ہے کیونکہ اس کے مقاصد پر راہ یابی کے لیے ضرورت ہے کہ ایک ایک حدیث کی متعدد سندوں کے سلسلے سے واقفیت حاصل کی جائے اور ان کے رجال سے جن میں کوئی شامی ہے، کوئی عراقی، کوئی حجازی، کوئی بصری ہر ایک سے پوری پوری واقفیت پیدا کی جائے۔ ان کے موالید، ان کے وفیات، ان کے لقاء وغیرہ کے حالات کے ماسوا اس سے بھی واقفیت حاصل کی جائے کہ لوگ ان کے بارے میں کیا اختلاف رکھتے ہیں۔ اسی لیے صحیح بخاری کے ابواب میں غائر نظر کی ضرورت ہے۔ امام بخاری ایک ترجمة الباب لکھ کر اس کے تحت میں ایک حدیث کسی سند سے لاتے ہیں۔ پھر دوسرا باب لکھتے ہیں اور اس میں بھی وہی حدیث دوسری سندوں سے لاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ دوسرے باب کے مناسب بھی اس حدیث میں معنی مابه الاستدلال موجود ہوتا ہے۔ اس طرح کئی کئی ترجمة الباب میں ایک ہی حدیث لاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ظاہر نظر میں وہ حدیث مکرر سہ کرر ہو جاتی ہے۔ حالانکہ واقع میں تکرار نہیں بلکہ یہ ظاہری تکرار علاوہ مسئلہ فقہیہ کے کسی نکتہ حدیثیہ یا تاریخیہ کی وجہ سے نہایت مفید ہوتی ہے۔ پس جس نے صحیح بخاری کی شرح لکھی اور ان باتوں پر اس نے کامل بحث نہ کی، اس نے صحیح بخاری کی شرح کا حق ادا نہیں کیا۔ جس طرح علامہ ابن ابطال یا علامہ ابن المھلب [1] یا علامہ ابن التین کی شرحیں ہیں''۔ [2]

علامہ ابن خلدون آٹھویں صدی کے مؤرخ ہیں۔ نویں صدی کے ابتدا میں وفات پائی ہے۔ مقدمہ تاریخ کو انھوں نے ۷۷۹ ہجری میں ختم کیا ہے۔ [3] اس وقت تک صحیح بخاری کی شروح کثرت سے لکھی جا چکی تھیں۔ تیسری صدی کے بعد ہی سے اس کی شرح کی طرف اہل علم متوجہ ہو گئے لیکن اس فاضل مؤرخ کے تتبع و استقراء اور تحقیق میں کوئی شرح اس قسم کی نہیں لکھی گئی جو صحیح بخاری کے نکات فقہیہ اور تدقیقات حدیثیہ و تاریخیہ کی طرف پوری طرح رہبر ہو سکے۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے، زمانہ موجودہ تک صحیح بخاری کے شروح کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ چکی ہے اور اہل علم نے کوئی پہلو یا کوئی موضوع ایسا نہیں چھوڑا جس پر بحث نہ کی ہو۔ کسی نے نحوی تحقیقات سے بحث کی، کسی نے صرف تراجم ابواب کو

---

[1] مقدمہ ابن خلدون میں اسی طرح ہے اور معروف یہ ہے کہ صاحب شرح بخاری مھلب بن ابی صفرہ ہے اور شروحات بخاری کے تذکرے میں ان کے تراجم و احوال کا ذکر بھی آ جائے گا۔

[2] مقدمة ابن خلدون ۱/۱۱۴۱، ۱۱۴۲ (۱/۴۷۴ اور طبعة دار الكتب العلمية ۔ بعض کلمات ساقط ہیں)۔

[3] مقدمہ کے آخر میں علامہ ابن خلدون کی یہ عبارت موجود ہے۔ قال مؤلف الكتاب عفا الله عنه اتممت هذا الجزء الاول بالوضع والتاليف قبل التنقيح والتهذيب في مدة خمسة اشهر آخرها منتصف عام تسعة و سبعين و سبع مائة. (مؤلف)

موضوع ٹھہرا کر کتاب لکھی۔ کسی نے لغات سے بحث کی، کسی نے رجال سے، کسی نے تعلیقات کو موصول کیا، کسی نے متابعات سے بحث کی، کسی نے استخراج کیا، کسی نے استدراک کیا۔ کسی نے تنقید پر کتاب لکھی۔

تاہم امام بخاری کے دقیق خیال اور لطیف استدلال تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوئی۔ علامہ ابوالخیر سخاوی "التبر المسبوك في ذيل السلوك" میں علامہ ابن حجر کے ترجمہ میں فتح الباری کی نسبت رقم طراز ہیں:

"ولو وقف عليه ابن خلدون القائل: "بان شرح البخارى الى الآن دَين على هذه الامة" لقرت عينه بالوفاء والاستيفاء". یعنی اگر فاضل ابن خلدون کو فتح الباری سے واقفیت ہوئی ہوتی جنہوں نے یہ لکھا تھا کہ صحیح بخاری کی شرح کا قرض اُمت پر باقی ہے تو اس شرح کو دیکھ کر ان کی آنکھیں اس قرض کے وفا ہونے سے ٹھنڈی ہوتیں لیکن [1] بقول ہمارے بعض شیوخ کے [2] کیا معلوم کہ فاضل مؤرخ کے بلند خیال میں بھی دَین ادا ہوا یا ابھی باقی ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ:

يزيدك وجهه حسنا اذا مازدته نظراً

یہ مصرع شاید اسی مبارک کتاب کے لیے موزوں ہوا ہے، جس قدر جس کو زیادہ غور کا موقع ملتا ہے اسی قدر نکات فقہیہ اور تدقیقات حدیثیہ سے اس کے دل و دماغ کو بہرہ یابی ہوتی ہے۔ اس کی رفعت شان کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تیس کروڑ افراد انسانی (باستثنائے معدودے چند) اس کو مایہ ناز سمجھتے ہیں [3] اور یقین کرتے ہیں کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات اس تنقید اور تحقیق کے ساتھ اس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں کہ اس سے بڑھ کر ہونا غیر ممکن ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی جانفشانی، اپنی محنت، اپنی سعی، اپنی جان نثاری، اپنے خداداد حافظہ کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اگلی امتوں کو چھوڑ دو، اس امت میں بھی اس دل و دماغ اور اس خیال کے چیدہ اشخاص ہوئے جن کا شمار انگلیوں پر کیا جاتا ہے۔ کوئی رائے و قیاس میں لپٹ کر رہ گیا۔ کوئی دوسرے فنون میں۔ آج حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی یہ چار فرقے اہل سنت کے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی ضمنی تقسیمیں ہیں اور ان کے اقسام الگ

[1] یہ بات التبر المسبوك ص ۲۳۱ میں ہے دیکھیے: ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم کی کتاب ابن حجر و دراسته ص ۳۲۳۔

[2] یعنی جناب استاذ الاساتذہ فخر الہند باقر العلوم حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری ثم الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ ایک مدت تک مدرس اعلیٰ کے عہدے پر مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور مدرسہ احمدیہ آرہ میں رہے۔ آخر عمر میں باصرار علمائے دین دہلی میں بجائے شیخ الکل درس دیتے رہے۔ اور بقیہ زندگی وہیں گزاری۔ ممالک مغربی و شمالی و صوبہ بہار و بنگال کے لوگ کثرت سے فیض یاب ہوئے۔ آخر میں پنجاب کا بخت بیدار ہوا۔ قرآن تفسیر و حدیث و ریاضی، ہیئت، فلسفہ، منطق، فقہ و اصول فقہ، اقلیدس، ان فنون میں آپ کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ آخر عمر میں صرف فنون اسلامیہ کے درس کا شوق رہا اور اسی کی دھن رہی۔ لکھنو میں ۱۳۳۷ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کے مفصل حالات تراجم علماء حدیث ہند میں ملاحظہ فرمائیں۔ (عبید)

[3] مصنف نے مسلمانوں کی یہ تعداد اس دور میں بتائی جب کہ وہ یہ کتاب لکھ رہے تھے اس دور حاضر میں تو تقریباً ایک ہزار ملین سے زیادہ ہو گئی ہے یعنی تقریباً سوا ارب۔

الگ ناموں سے نامزد ہیں۔ اسی طرح عقائد تصوف کے اعتبار سے کتنی تقسیمیں ہیں لیکن قرآن کے بعد اس کتاب کی صحت کا اقرار کرتے اور ماننے میں متساویۃ الاقدام ہیں اور عرب وعجم، اہل حجاز، اہل شام، اہل عراق، اہل ہند، ترکی، کابلی، بربری، افریقی، رومی، روسی، بدوی، شہری، محدث، فقیہہ، متکلم، صوفی سب مانتے ہیں۔ وہ اہل تقلید جن کو چشم بصیرت نہیں، ان کے لیے مقتداؤں کے اقوال کافی ہیں۔ افسوس کہ ہم ان شہادتوں کے نقل کرنے سے مجبور ہیں۔ ہماری اس کتاب کے حجم کے اضعافاً مضاعفہ ہونے سے بھی ان کا استیعاب نہیں ہوسکتا۔ ہاں کسی موقع پر ناظرین کی تشفی کے لیے نمونہ از خروارے نقل ہوں گے۔

اسلام میں خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ بالخصوص وہ خواب جس میں کسی نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ اس بنا پر وہ مستند خواب جس کا سلسلہ سند امام بخاری تک پہنچتا ہے، بہت ہی باوقعت ہوگا۔

فربری، وراق سے ناقل ہیں کہ وراق (امام بخاری کے کاتب) بیان کرتے ہیں:

''میں نے امام بخاری کو خواب میں دیکھا کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور جب رسول اللہ ﷺ اپنا قدم مبارک اٹھاتے ہیں تو امام بخاری اپنا قدم حضرت کے نشان قدم پر رکھتے جاتے ہیں''۔ [1]

نجم بن فضیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کسی بستی سے باہر تشریف لائے اور امام بخاری آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے نشان قدم پر چلے جارہے ہیں۔ [2]

ان دونوں خوابوں کے علاوہ ابوسہل مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوزید مروزی سے سنا۔ وہ بیان کررہے تھے: ''میں رکن بیت اللہ (حجر اسود) اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول

---

[1] تاریخ بغداد ۱۰۹/۲، تقیید المهمل ۱۳/أ، تاریخ دمشق ۴۷/۱۵/ب، تهذیب الاسماء واللغات ۶۸/۱/۱، ماتمسّ الیه حاجة القارئ ص ۲۵، تحفة الاخباری ۲۰۶، تغلیق التعلیق ۴۲۱/۵، مقدمة فتح الباری ص ۷، ۴۸۹۔

[2] یہ ابن عدی نے "اسامی من روی عنهم البخاری" ص ۶۰ پر روایت کی ہے۔ محمد بن یوسف بن بشر فربری کے طریق سے، فربری نے کہا میں نے مجم بن فضیل سے سنا اور وہ اہل معرفت وفضل میں سے تھے، آگے وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور یہ الکامل فی الضعفاء ۱۴۰/۱ میں بھی ہے۔

اس میں وارد لفظ ''من قریة'' بستی سے نکلے زیادہ صحیح ہے۔ تغلیق التعلیق میں اسی طرح ہے ۴۲۲/۵، اور فتح الباری کے مقدمہ میں ''من قبره'' کا لفظ ہے اور یہ بظاہر تحریف ہی معلوم ہوتا ہے اصل اردو میں اسی کا ترجمہ ہے۔ اس کے تحریف اور غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ خبر مقدمہ ص ۴۸۹ پر خطیب بغدادی سے ابن عدی تک اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور تاریخ بغداد میں قریة ماستی اور تهذیب الکمال میں ''من قریه ماستین'' کا لفظ ہے اور یہ بخارا کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ جیسا کہ معجم البلدان (۴۱/۵) میں ہے۔ نیز دیکھیے: الانساب للسمعانی ۲۹/۱۲، ذم الکلام للهروی ۱۸۸/۲، تقیید المهمل ۱۳/أ، اسامی شیوخ البخاری للصغانی ص ۴، تاریخ دمشق ۴۷/۱۵/أ، تهذیب الکمال ۴۴۴/۲۴، تاریخ الاسلام للذهبی ص ۲۴۹، ۲۵۰، سیر اعلام النبلاء ۴۰۵/۱۲، طبقات السبکی ۲۲۱/۲، تحفة الاخباری ص ۲۰۷۔

اللہ ﷺ مجھے فرما رہے ہیں: اے ابوزید! شافعی کی کتاب کا درس میری کتاب رہتے ہوئے کب تک دیا کرو گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی کون سی کتاب ہے؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**جامع محمد بن اسمٰعیل**"۔ [1] [2]

ٹومس ولیم بیل اورینٹل جیوگریفیکل ڈکشنری مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء میں لکھتے ہیں، امام بخاری کی تصنیف صحیح بخاری کی سب سے زیادہ قدر کی جاتی ہے اور روحانی و دنیاوی معاملات غرض دونوں حیثیت سے قرآن کے بعد معتبر سمجھی جاتی ہے۔ آگے لکھتے ہیں، اس کتاب میں محمد ﷺ کی وحی والہامات اور افعال و اقوال ہی نہیں مندرج ہیں بلکہ قرآن کے اکثر مشکل مقامات کی تفسیر بھی ہے۔

امام بخاری کو صحیح بخاری کی تالیف کا خیال کیوں کر پیدا ہوا

صحابہ کے زمانہ کو ہم آفتاب نصف النہار یا روز روشن کے ساتھ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانہ کو شفق کے ساتھ

---

[1] مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۹ حافظ ابن حجر نے اپنی سند کے ساتھ ھروی سے اور ھروی نے اپنی سند کے ساتھ ابوزید مروزی سے اور اسی طرح ذھبی نے ابوزید کے ترجمہ و تعارف میں۔ **سیر اعلام النبلاء** ۱۶/۳۱۴ اور امام بخاری کے تعارف میں ۱۲/۴۳۸ ذکر کیا ہے اور ھروی نے اپنی کتاب **ذم الکلام و اھلہ** ۲/۱۹۰ پر روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حکایت کی سند صحیح ہے۔ اس کے راوی ثقہ اور آئمہ ہیں اور ابوزید کبار شافعیہ میں سے ہیں۔ ان کا مذھب شافعی میں ایک مقام ہے۔ انھوں نے بخاری شریف فربری سے سنی ہے اور اس سے بیان بھی کی ہے اور فربری سے بیان کرنے اور صحیح بخاری روایت کرنے والوں میں سب سے جلیل القدر تھے۔ **تغلیق** ۵/۴۲۲، ۴۲۳۔
امام ذہبی نے کہا ہے وہ شیخ، امام مفتی، قدوہ، زاہد اور شافعیہ کے شیخ ابوزید محمد بن احمد بن عبداللہ بن محمد مروزی ہیں، اور فربری سے صحیح بخاری کے راوی ہیں ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ **سیر اعلام النبلاء** ۱۶/۳۱۳، **تھذیب الاسماء و اللغات** ۱/۱/۷۵، **ماتمس الیہ حاجۃ القاریٔ** ص ۴۲۔

[2] امام بخاری کے بارے میں جو اچھے خواب دیکھے گئے ہیں ان میں سے وہ بھی ہے جو خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ فربری سے بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے مجھے کہا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس جانے کا ارادہ ہے، تو آپؐ نے مجھے فرمایا کہ: اسے میری طرف سے سلام کہہ دینا۔ **تاریخ بغداد** ۲/۱۰، **تقیید المھمل** ۴/ب، **تاریخ دمشق** ۱۵/۴۸/أ، **تھذیب الاسماء و اللغات** ۱/۱/۶۸ **ماتمس الیہ حاجۃ القاریٔ** ص۲۵، **تھذیب الکمال** ۲۴/۴۴۴، **السیر** ۱۲/۴۴۳، **تغلیق التعلیق** ۵/۴۲۲، **طبقات السبکی** ۲/۲۲۳، **مقدمۃ الفتح** ص۴۸۹۔ اور ان خوشخبری سنانے والے خوابوں میں سے وہ بھی ہے جو محمد بن ابی حاتم وراق نے بیان کیا کہ میں نے ابوذر سے سنا، کہہ رہے تھے کہ میں نے محمد بن حاتم خلقانی کو خواب میں دیکھا--- وہ محمد بن حفص کے اصحاب میں سے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں--- میں نے ان سے اپنے شیخ رحمہ اللہ کا حال پوچھا کہ کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں دیکھا ہے اور پھر گھر کی کسی چھت کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ یہ ہے۔ پھر میں نے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا میں نے اسے دیکھا ہے اور پھر آسمان کی طرف اس انداز سے اشارہ کیا کہ قریب تھا کہ وہ انتہائی بلندی کی طرف اشارہ کرتے کرتے گر جاتے۔ دیکھیے: **تاریخ الاسلام للذھبی** ص ۲۷۳، **سیر اعلام النبلاء** ۱۲/۴۶۸، **الوافی بالوفیات** ۲/۲۰۸۔

تشبیہ دیں تو نہایت بجا ہے۔ روز روشن میں اندھیری کا خیال اور اس کی روشنی کی فکر چیدہ لوگوں کو ہوتی ہے۔ آفتاب غروب ہونے پر جو روشنی باقی رہتی ہے، اسی کا نام شفق ہے۔ گو ابتدا میں اس وقت بھی روشنی بقدر معتد بہ رہتی ہے لیکن جس قدر وقت گزرتا جاتا ہے، روشنی دھیمی ہوتی جاتی ہے اور شب کی اندھیری کا خیال ہر کس و ناکس کو ہوتا جاتا ہے۔

صحابہ ہی کے زمانہ میں کتابت حدیث کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ [1] عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ وغیرہ کے پاس حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔ تابعین اور تبع تابعین میں ضرورت محسوس ہوئی اور تبع تابعین کے زمانہ میں بہ نسبت تابعین کے زیادہ تر اس کا خیال ہوا کیونکہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت کی بدولت جس قدر مغز و حقیقت سے آگاہ تھے، ظاہر ہے۔ چنانچہ ان کے اوصاف افضل، اعرف، اعلم، اعمق (بصیغہ تفضیل) وارد ہوئے۔ تابعین ان کی صحبت سے فیض یاب ہو کر بہت کچھ حقائق شرع سے خبردار تھے لیکن رفتہ رفتہ کمی ہوتی جاتی تھی۔ محاورات بدلتے جاتے تھے۔ مفاہیم میں تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے اور ایک ایسا اندھیرا وقت چلا آتا تھا جس کے لیے ان کو پہلے سے غیر معمولی قوت سے روشنی کا اہتمام کرنا تھا۔ تبع تابعین نے کمر ہمت چست باندھ کر یہ کام وسیع پیمانہ پر شروع کیا اور محدثین نے جان توڑ سعی سے اس کی تکمیل کر ڈالی۔

ابتداً جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کتابت حدیث کی ممانعت کر دی گئی تھی اور صاف کہہ دیا گیا تھا۔

لا تكتبوا عني و من كتب عني غير القران فليمحه. [2]

یعنی مجھ سے بجز قرآن اور کوئی چیز نہ لکھا کرو۔ اگر کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹا دو۔

یہ اہتمام اس واسطے کیا گیا کہ قرآن کا اور چیزوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو جائے۔ لیکن زبانی تبلیغ کی وہی تاکید رہی۔ [3] صرف کتابت کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ جب ایک معتد بہ زمانہ گزر گیا اور اس اختلاط کا اندیشہ جاتا رہا تو آگے

---

[1] کتابت و تدوین حدیث کے لیے دیکھیں: مقدمہ تحفة الاحوذی علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری اور جامعہ کلکتہ کے استاد اسلامیات ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث۔ اس بحث میں مفید کتب میں سے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی کتاب "دراسات فی الحدیث النبوی" بہت مفید ہے۔

[2] صحیح مسلم ۲۲۹۸/۴ حدیث ۳۰۰۴ ، نسائی (کتاب فضائل القرآن) ص ۷۲ حدیث نمبر ۳۳ ، مسند احمد ۳/۱۲، ۲۱، ۳۹، ۵۶ ، سنن دارمی ۱/۶۸ حدیث ۴۵۶، صحیح ابن حبان ۱/۲۶۵ حدیث ۶۴، مسند ابی یعلی ۲/۴۶۶ حدیث ۱۲۸۸، تقیید العلم للخطیب ۲۹، ۳۲، جامع بیان العلم و فضلہ ۱/۲۶۸ حدیث ۲۳۵، مستدرك حاکم ۱/۱۲۷ و صححه علی شرط الشیخین اور امام ذہبی نے امام حاکم کی تصحیح کی موافقت کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے امام بخاری سے اس کا مرفوع ہونا معلول ہونا نقل کیا ہے۔ فتح الباری ۱/۲۰۸۔

[3] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا یہ فرمان "نضر الله امراء سمع منا شيئا فبلّغه كما سمع فرُبّ مبلّغ اوعى من سامع" اللہ تعالیٰ ہم سے کوئی حدیث سن کر اسی طرح آگے پہنچا دینے والے کو تر و تازہ رکھے...... الخ تواتر سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ۲۴ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جیسا کہ ہمارے شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد نے اپنی کتاب "دراسة حديث نضر الله ←

چل کر کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی اور جب ابوشاہ یمنی نے حجۃ الوداع کے خطبے لکھنے کی درخواست کی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور صاف لفظوں میں فرمایا:

"اکتبوا لابی شاہ"۔ ❶ یعنی ابوشاہ کے لیے یہ خطبہ لکھ دو۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ان کو بعض لوگوں نے منع بھی کیا لیکن عبداللہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کی تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، لکھ لیا کرو۔ ❷ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ وتابعین نے اس کی سخت تاکید کی ❸ لیکن اس اجازت اور صحابہ وتابعین کی تاکید پر بھی قرون اولیٰ میں چنداں کتابت حدیث کا رواج نہ ہوا۔ وہ لوگ ابتدا کی ممانعت کی وجہ سے حفظ کے اس قدر خوگر ہو گئے تھے کہ کتابت ان کو جبر ہوتی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے کہا کہ ہمیں یاد میں دقت پڑتی ہے۔

← امرءً سمع مقالتی" میں ذکر کیا ہے اور اوپر ذکر کیے ہوئے الفاظ ترمذی کی عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے ہیں ۴/۳۹۴ حدیث ۲۶۵۷ تحقیق ڈاکٹر بشار عواد۔

❶ بخاری جلد ۱ ص ۲۰۵ کتاب العلم باب کتابة العلم حدیث ۱۱۲، نیز جلد ۵ ص ۸۷ کتاب اللقطة باب کیف تعرف لقطة اهل مكة حدیث ۲۴۳۴۔

مسلم ۲/۹۸۸ کتاب الحج باب تحریم مکة ......الخ حدیث ۴۴۸ (۱۳۵۵) اور بخاری ومسلم کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

میں نے اس کی تخریج اپنی دکتوراۃ (پی ایچ ڈی) کی ڈگری کے رسالہ میں کی ہے کیوں کہ سنن ابوداؤد کی کتاب العلم سے متعلق احادیث کی تخریج پر بھی میرا یہ رسالہ متضمن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کا چھپنا آسان بنا دے آمین۔

❷ اور سنن ابوداؤد میں اس کا لفظ اس طرح ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بات بھی سنتا تھا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اور اس کو یاد کرنا چاہتا تھا تو قریش نے مجھے (ہر بات لکھنے سے) روکا اور کہا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات جو سنتا ہے لکھ لیتا ہے؟ حالانکہ آپ ایک بشر ہیں غصے اور راضی ہونے کی حالت میں بات کرتے ہیں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اپنے منہ (مبارک) کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا: (میری ہر بات) لکھتے رہا کرو، اس لیے کہ مجھے اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے صرف حق ہی نکلتا ہے (غلط بات نہیں نکلتی)۔ سنن ابی داؤد ۳/۳۱۸، کتاب العلم باب فی کتاب العلم حدیث ۳۶۴۶ اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ میں نے اپنے مذکورہ رسالہ میں بیان کیا ہے۔

❸ گویا مؤلف "قیدوا العلم بالکتاب" کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مرفوع (قول نبی) اور موقوف (قول صحابی) ہو کر وارد ہوئی ہے اور اس کے طرق خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تقیید العلم ص ۸۸، ص ۹۲، ص ۹۶، ص ۹۷ میں بیان کیے ہیں۔

اسی طرح ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں۔ دیکھیے: ص ۱/۳۰۶، ۳۱۰ اور ان کے علاوہ دیگر آئمہ نے بھی۔ اور شیخ البانی نے اس کے طرق کے مجموعی لحاظ سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة حدیث ۲۰۲۶۔

رسول اللہ ﷺ سے زبانی یاد کیا ہے، تم بھی ہم سے زبانی یاد کرو۔ ◆١ ہم حدیثوں کو قرآن بنانا نہیں چاہتے۔ آپ لکھا دیجیے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سخت انکار کے لہجے میں فرمایا، ہم لکھائیں گے نہیں۔ جس طرح ہم نے حدیثوں کو اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی درخواست کی گئی تو انھوں نے بھی وہی جواب دیا۔ ◆٢

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس قرن کے مسلمانوں میں سیلان ذہن، خداداد حافظہ کچھ ایسا تھا کہ ان کو لکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کا کام یوں با آسانی چلتا تھا اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اکثر ان قرون کے مسلمان کتابت نہیں جانتے تھے۔ ◆٣

تابعین کے آخر زمانہ میں جب کہ علمائے اسلام دور دراز ممالک میں منتشر ہو گئے اور روافض و خوارج اور منکرین تقدیر کی بدعتوں کا شور اٹھا۔ گویا شفق کی روشنی بھی اب غائب ہونے لگی تو آثار و احادیث کی تدوین شروع ہوئی اور ہر فن کی ابتدائی حالت جیسی رہتی ہے، اس کی بھی رہی لیکن خلیفۂ وقت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تاکید نے ایک ہل چل مچادی ◆٤ اور آنا فانا احادیث کا دفتر تیار ہو گیا۔ ربیع بن صبیح، ◆٥ سعید بن ابی عروبہ ◆٦ اور ان کے ....

◆١ اس کو دارمی نے سنن ١/١٢٢ میں روایت کیا ہے طبعہ دھمان۔ مذکورہ الفاظ دارمی کے ہی ہیں دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبہ ٩/٥٢ الادب، باب من کان یکرہ کتاب العلم اور کتاب العلم لابن ابی خیثمۃ ص ١٣١ حدیث ٩٥۔
المحدث الفاصل للرامھرمزی ص ٣٧٩ باب من کان لایری ان یکتب حدیث ح ٣٦٣، اور خطیب نے تقیید العلم ٣٦، ٣٨ اور ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم ١/٢٧٢، ٢٧٣ پر اس کے متعدد طرق لکھے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔

◆٢ کتاب العلم لابن ابی خیثمۃ ص ١٤٣ حدیث ١٤٠، سنن دارمی ١/١٢٢، تقیید العلم للخطیب ٤١، ٤٢، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ١/٢٨٢ حدیث ٣٥٧ اور اس میں لفظ اس طرح ہے: ''ہم نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی لکھواتے ہیں'' اور دارمی میں ہے: ''وہ نہ لکھتے تھے اور نہ ہی لکھواتے تھے'' اور ابن ابی خیثمہ کے ہاں یہ ہے کہ: ''بے شک ابو ہریرہ نہ چھپاتے تھے اور نہ لکھواتے تھے'' شیخ البانی نے کہا ہے کہ ابو ہریرہ تک اس کی سند صحیح ہے العلم ص ١٤٢۔

◆٣ امام نووی نے قاضی عیاض سے ذکر کیا ہے کہ سلف (صحابہ اور تابعین) کے درمیان علم کی کتابت کے بارے بہت اختلاف رہا ہے۔ ان میں بہت سے علماء نے مکروہ سمجھا اور اکثر نے اسے جائز قرار دیا۔ پھر اس کے جواز پر مسلمانوں نے اتفاق کر لیا اور وہ اختلاف ختم ہو گیا'' شرح مسلم شریف للنووی ١٨/١٢٩ کتاب الزھد باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابۃ العلم۔

◆٤ فتح الباری ١/٢٠٨۔

◆٥ ربیع بن صبیح سعدی ابو بکر بصری اور (ابو حفص بھی کہا جاتا ہے) سعد بن زید مناۃ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ حسن، حمید طویل وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ثوری، ابن مبارک اور وکیع وغیرہ نے روایت کی۔ ارض سندھ میں ١٦٠ھ کو وفات پائی۔ رامھرمزی نے کہا ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے اسی نے تصنیف کی۔ تھذیب التھذیب ٣/٢٤٦، ٢٤٧۔

◆٦ سعید بن ابی عروبہ کا نام مہران عدوی ہے، ابو نضر کنیت ہے، بصرہ کے رہنے والے تھے بنو عدی بن یشکر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ قتادہ، نضر بن انس اور حسن بصری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے شیخ اعمش، شعبہ اور عبدالاعلیٰ وغیرہ نے روایت کی۔ ١٥٥ھ کو وفات پائی۔ اپنی عمر کے آخر میں ان کو اختلاط ہو گیا تھا۔ تھذیب التھذیب ٤/٦٣، ٦٦۔

چند معاصرین [1] نے اس کام میں پہلے حصہ لیا۔ اس ابتدائی دور میں تدوین کا طریقہ یہ رہا کہ ہر باب کو علیحدہ اجزا میں بلکہ ہر قسم کے آثار واحادیث کو بلالحاظ ترتیب اکٹھا کر دیتے۔ [2]

ان کے بعد تبع تابعین اٹھے اور احکام جمع کیے۔ مدینہ میں امام مالک نے مؤطا لکھی جس میں یہ التزام کیا کہ اہل حجاز کی قوی قوی حدیثیں لائے۔ لیکن اس کے ساتھ صحابہ اور تابعین کے فتاوی بھی شامل کیے۔ مکہ میں ابن جریج، شام میں امام اوزاعی، کوفہ میں سفیان ثوری، بصرہ میں حماد بن سلمہ نے اپنی اپنی طرز پر تصنیفیں کیں۔ ان کے بعد ان کے بہت سے معاصرین نے انہیں کی طرز اختیار کی۔ اور علم حدیث کی تدوین وترتیب کی۔

جب اور کچھ ترقی ہوئی تو بعض آئمہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ صرف حدیث نبوی بلا اختلاط آثار صحابہ وتابعین جمع کریں۔ اس خیال پر عبید اللہ بن موسیٰ کوفی نے ایک مسند لکھی۔ اسی طرح مسدد بن مسرہد اور اسد بن موسیٰ اموی اور نعیم بن حماد نزیل مصر نے بھی اپنی اپنی مسندیں جمع کیں اور آئمہ بھی انہیں کے نشان قدم پر چلے۔ حتیٰ کہ حفاظ حدیث میں بمشکل ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے اپنی مرویات احادیث کو مسند کے طور پر جمع نہ کیا ہو۔ منجملہ ان جامعین کے امام احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ نہایت ممتاز لوگوں میں ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی جو مسند آج طبع ہو کر شائع ہے اور اہل اسلام اس سے نفع اٹھا رہے ہیں، ان مسندوں میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ [3] بعض حفاظ نے مسند اور ابواب دونوں طریقوں پر جمع کیا جیسے ابوبکر بن ابی شیبہ۔ [4]

امام بخاری نے ان تصانیف کو دیکھا اور ان کو جانچا اور ان میں ہر قسم کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کو مخلوط پایا۔ تو ان کا قصد یہ ہوا کہ صرف صحیح صحیح احادیث کو جمع کریں جن میں کسی کو شک نہ ہو۔ علاوہ بریں امام اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری کو اس کی فرمائش بھی کی تھی۔ ابراہیم بن معقل نسفی [5] کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بیان کیا کہ ہم لوگ ایک روز امام اسحاق بن راہویہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا:

امام بخاری کہتے ہیں، **فوقع ذلك في قلبي.** میرے جی میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اور آگ میں روغن کا کام دے

---

[1] مقدمة فتح الباری۔٦۔

[2] مقدمة فتح الباری۔ ٦۔

[3] مجھے مسند اسحاق بن راہویہ کا چھپا ہوا ایک ٹکڑا ملا جس میں مسند ابی ہریرہ اور مسند ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی قسم موجود ہے اور یہ مسند ڈاکٹر عبدالغفور عبدالحق بلوشی کی تحقیق سے پہلی بار ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء کو مدینہ منورہ میں مکتبۃ الایمان کی طرف سے چھپی تھی۔

[4] مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ کافی مدت سے چھپی ہوئی ہے ہندوستان کی ریاست بمبئی میں مکتبہ الدار السلفیہ نے طبع کا اہتمام کیا اور مسند ابن ابی شیبہ بھی ریاض میں مکتبہ دار الوطن کی طرف سے ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء کو دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

[5] امام، حافظ، فقیہ، قاضی ابو اسحاق ابراہیم بن معقل نسفی، نسف شہر کے قاضی ہیں۔
خلیلی نے کہا کہ وہ ثقہ اور حافظ تھے۔ ماہ حج میں ۲۹۵ھ کو وفات پائی۔ ذہبی نے کہا ہے کہ انھوں نے امام بخاری سے صحیح بخاری کی تحدیث کی ہے اور وہ فقیہ مجتہد تھے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۹۳۔

"لو جمعتم کتابا مختصرا لصحیح سنة رسول اللهﷺ".

کاش! نبی ﷺ کی صحیح صحیح حدیثوں سے ایک مختصر کتاب تم تیار کرتے۔

گئی۔ میں نے اسی وقت سے جامع صحیح کی تدوین شروع کر دی۔ [1]

ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ امام بخاری نے جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میں آپؐ کے حضور میں کھڑا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس سے میں آپ کے اوپر سے مکھیوں کو اڑا رہا ہوں۔ بیدار ہو کر معترین سے تعبیر پوچھی۔ تعبیر دینے والوں نے یہ تعبیر دی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف جن جھوٹی حدیثوں کی نسبت کی جاتی ہے، تم ان کو رفع کرو گے۔ پس یہی وہ چیز ہے جس نے مجھے **الجامع الصحیح** لکھنے پر برانگیختہ کیا۔ [2]

حدیث میں وارد ہے کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ [3] اور جس نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، اس نے واقعی صحیح دیکھا۔ [4] اس لیے اس متبرک خواب نے امام المحدثین کے شوق کو اور بھی دوگنا کر دیا اور جامع صحیح کی تالیف میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

---

[1] مقدمة فتح الباری ص ۷ حافظ ابن حجر نے یہ بات بطریق خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ بیان کی ہے۔ خطیب نے ابراہیم بن معقل نسفی سے بیان کی لیکن تاریخ بغداد وغیرہ میں اس طرح ہے کہ ہمارے بعض اصحاب (اساتذہ) میں سے کسی نے ہمیں کہا اگر تم کوئی مختصر کتاب جمع کر دو......الخ

دیکھیے: **تاریخ بغداد ۸/۲، تاریخ دمشق ۱۵/۳۶/أ، تهذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۴، ماتمسّ اليه حاجة القاری ص ۴۱، تهذیب الکمال ۲۴/۴۴۲، تاریخ الاسلام للذهبی ص ۲۴۹، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۱، طبقات السبکی ۲/۲۲۱ ، تغلیق التعلیق ۵/۴۱۹۔**

یہ ابوالولید الباجی کی **التعدیل و التجریح ۱/۳۰۹** میں اسی طرح ہے۔

[2] حافظ ابن حجر نے محمد بن سلیمان بن فارس والی سند کو ثابت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرما رہے تھے......الخ **مقدمة فتح الباری ص۷، تهذیب الاسماء ۱/۱/۷۴، ماتمس اليه حاجة القاری ص ۴۱ ، تغلیق التعلیق ۵/۴۲۰، مقدمة القسطلانی ۱/۲۹۔**

[3] امام بخاری نے کئی صحابہ سے اسے اپنی صحیح کی کئی جگہوں میں روایت کیا ہے اور اوپر مذکور الفاظ ابوسعید خدری سے مرفوع ہیں **صحیح بخاری ۱۲/۳۷۳ ، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحة حدیث ۶۹۸۹**، اور **مسلم** وغیرہ **عن ابی هریرہ جلد ۴/۱۷۷۴، کتاب الرؤیا حدیث ۲۲۶۳**۔

[4] **بخاری ۱۲/۳۸۳ ، کتاب التعبیر باب من رأی النبی صلی الله علیه وآله وسلم فی المنام حدیث ۶۹۹۶، مسلم ۴/۱۷۷۶ کتاب الرؤیا باب قول النبی صلی الله علیه وآله وسلم من رآنی......** الخ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث **"من رآنی فقد رأی الحق"** حافظ ابن حجر فرماتے ہیں الحق سے مراد المنام الحق ہے یعنی سچا خواب۔ **فتح الباری ۱۲/۳۸۹**۔

مدتِ تالیف اور کیفیتِ تالیف

صحیح بخاری کو امام بخاری نے کب اور کتنی مدت میں تالیف کیا؟ اور تالیف کی کیفیت کیا تھی؟ اور تالیف کرنے کے بعد کن کن فحول محدثین اور اکابر علماء کی خدمتوں میں پیش کیا؟ ان میں سے ہر ایک عنوان پر علیحدہ بحث کی (جیسا کہ اکثر شراح بخاری کا دستور ہے) اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ تاہم اس کو بالکل چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔

وراق نے امام صاحب کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ میں نے جامع صحیح کو سولہ برسوں میں لکھا [1] اور یہ بھی امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے جامع صحیح کو تین بار تالیف کیا۔ [2] لیکن یہ قول امام صاحب کے پہلے قول کے منافی نہیں ہے۔ ایک ہی تصنیف کو مصنف کئی بار تہذیب و ترتیب دیتا ہے۔

ابوالہیثم کُشْمِیْہَنی [3] کہتے ہیں کہ میں نے امام فربری سے سنا۔ وہ امام صاحب سے ناقل تھے۔ امام صاحب

---

[1] امام نووی نے کہا ہے کہ ہمیں امام بخاریؒ سے مختلف طرق سے یہ خبر پہنچی ہے کہ میں نے سولہ سال میں صحیح جامع لکھی ہے اور میں نے اس کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا ہے اور میں نے اس کتاب کو اپنی ذات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک حجت بنایا ہے (یعنی اپنی نجات کے لیے) تهذيب الاسماء و اللغات ۱/۱/۷۴، ماتمس اليه حاجة القارئ ص ۴۱، اسی طرح یہ بات امام ذہبی نے بھی ذکر کی ہے۔ تاریخ الاسلام ص ۲۴۹ پھر انھوں نے کہا ہے کہ امام بخاری سے دو ثابت سندوں سے یہ بات ہمیں پہنچی ہے اور امام سبکی نے بھی امام ذہبی سے یہ بات نقل کی ہے۔ طبقات الشافعية ۲/۲۲۱ نیز دیکھیے: تاريخ بغداد ۲/۸، ۱۴، طبقات الحنابلة ۱/۲۷۶، تقييد المهمل ۴/۱، ۵/أ، تاريخ دمشق ۱۵/۴۶/أ۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں امام بخاری سے تین اسانید سے یہ بات ذکر کی ہے۔ اسامی شيوخ البخاری للصغانی ص ۴، وفيات الاعيان ۴/۱۹۰، تهذيب الكمال ۲۴/۲۴۲، ۴۴۸، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۲، ۴۰۵، تغليق التعليق ۵/۴۲۱، مقدمة الفتح ص ۴۸۹ اور ص ۷۔ وراق کا طریق اگلے حاشیہ نمبر میں آ رہا ہے۔

[2] وراق نے کہا میں نے امام بخاری سے سنا، کہہ رہے تھے کہ میں نے اپنی تمام کتب کو تین بار لکھا ہے۔ سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۳۔ اور یہ قول نام لے کر تاریخ کبیر کے بارے خاص طور پر بھی آیا ہے۔ وراق نے کہا کہ امام بخاری نے کہا ''اگر میرے بعض شیوخ دوبارہ زندہ کر دیے جائیں تو میری تاریخ کبیر کی کیفیت تصنیف نہیں سمجھ سکیں گے اور نہ ہی اس کی معرفت رکھ سکیں گے'' پھر انھوں نے کہا ''میں نے اسے تین بار لکھا ہے'' تاريخ بغداد ۲/۷، سير اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۳ وغیرہ۔ یہ قول مقدمة فتح البارى میں بھی ہے لیکن اس میں تاریخ کبیر کی جگہ بخاری کا ذکر ہے اور ساتھ یہ بھی ہے کہ میں نے اسے تین بار لکھا ہے۔ مقدمة فتح البارى ص ۴۸۷۔ ظاہر یہی ہے کہ مقدمہ میں التاريخ لفظ میں تحریف ہو کر البخاری ہو گیا اور صحیح وہی ہے جو دوسرے مصادر میں ہے یعنی التاريخ۔

[3] کُشْمِیْہَنِیٌّ: بضم الكاف و سكون الشين المعجمة و كسر الميم بعدها تحتية ساكنة ثم هامفتوحة ثم نون نسبته الى كُشْمِيْهَنْ قرية بمرو۔ یہ محمد بن مکی بن محمد بن زارع بن ہارون بن زراع کشمیہنی ادیب ہیں، صحیح بخاری روایت کرنے کے ساتھ مشرق و مغرب میں مشہور تھے کیوں کہ انھوں نے غالباً خراسان میں سب سے آخر میں صحیح بخاری کی تحدیث کی ہے اور فربر میں ابوعبداللہ محمد بن یوسف فربری وغیرہ سے سنا۔ کشمیہن میں ۳۸۹ھ میں وفات پائی۔ الانساب ۱۱/۱۱۶، ۱۱۷ اور ذہبی نے کہا: انھوں نے ابوعبداللہ فربری سے کئی بار صحیح بخاری کی تحدیث کی...... اور صدوق تھے۔ سير اعلام النبلاء ۱۶/۴۹۱۔

نے فرمایا کہ "میں نے کوئی حدیث "جامع صحیح" میں اس وقت تک داخل نہیں کی جب تک غسل کر کے دو رکعت نماز ادا نہ کر لی۔ [1] اور ایک دوسری روایت میں (عن عمربن محمد بن بُجَیر البجیری) [2] اس قدر اور بھی وارد ہوا کہ مسجد حرام (بیت اللہ) میں میں نے اس کو تالیف کیا اور دو رکعت پڑھ کر ہر حدیث پر استخارہ کرتا۔ جب مجھے ہر طرح اس کی صحت کا یقین ہو جاتا تو الجامع الصحیح میں داخل کرتا۔ [3] اس کو میں نے اپنی نجات کے لیے حجت بنایا ہے اور چھ لاکھ حدیثوں سے صحیح صحیح حدیثیں چن چن کر لکھی ہیں"۔ [4]

علامہ ابن عدی اپنے شیوخ کی ایک جماعت سے ناقل ہیں کہ امام بخاری نے الجامع الصحیح کے تراجم ابواب کو حجرہ نبوی اور منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھا۔ اور ہر ترجمہ الباب کو دو رکعت نماز پڑھ کر صاف کرتے۔ [5]

وراق نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں امام بخاری کے ساتھ تھا۔ میں نے آپ کو کتاب التفسیر لکھنے میں دیکھا کہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھتے اور چقماق سے آگ روشن کر کے چراغ جلاتے اور حدیثوں پر نشان دے کر سو رہتے۔ [6] اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب سفر و حضر ہر جگہ برابر اسی کی دھن میں رہتے تھے اور جب کسی

---

[1] مقدمة الفتح ص ۷. ص۴۸۹۔ نیز دیکھیے: تاریخ بغداد ۹/۲، تقیید المهمل ۴/أ، طبقات الحنابلة ۲۷۴/۱، تاریخ دمشق ۴۶/۱۵/أ، المنتظم ۱۱۵/۱۲، تهذیب الاسماء واللغات ۷۴/۱/۱، ماتمس الیه حاجة القاریٔ ص ۴۱، وفیات الاعیان ۱۹۰/۴ تهذیب الکمال ۴۴۳/۲۴، تاریخ الاسلام للذهبی ۲۴۸، سیر اعلام النبلاء ۴۰۲/۱۲، الوافی بالوفیات ۲۰۸/۲، طبقات السبکی ۲۲۰/۲، تغلیق التعلیق ۴۲۱/۵، طبقات الحفاظ ص ۲۴۹، طبقات المفسرین للداؤدی ۱۰۶/۲۔ میں کہتا ہوں صحیح بخاری میں بغیر تکرار تقریباً ۲۶۰۰ احادیث ہیں دیکھیے: مقدمة فتح الباری ص ۴۷۷۔ ان کے انتخاب پر ۱۶ سال صرف ہوئے ہیں تو ۱۶ سال میں ۲۶۰۰ دفعہ غسل کرنے میں کون سی بات قابل تعجب ہے یعنی ہر حدیث کے لیے غسل کرنا اور دو رکعتیں پڑھنا کوئی بعید نہیں اور پھر امام بخاری سے یہ قول دو سندوں سے وارد ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] وہ ابوحفص عمر بن محمد بن بُجَیر ہمدانی سمرقندی ماوراء النہر کے محدث ہیں۔ متبحر عالم تھے۔ ابوسعد ادریسی کہتے ہیں کہ وہ ایک بہترین فاضل ثبت فی الحدیث تھے۔ احادیث کی طلب میں بہت کوشش کی اور سفر کیے۔ وفات ۳۱۱ھ میں ہوئی۔ سیر اعلام النبلاء ۴۰۳/۱۴۔

[3] مقدمة الفتح ص ۴۸۹، تغلیق التعلیق ۴۲۱/۵ اور یہ بات مصنف تاریخ سمرقند و تاریخ استر آباد متوفی ۴۰۵ھ نے امام بخاری تک اپنی سند کے ساتھ ابوسعد ادریسی سے ذکر کی ہے اور امام نووی نے ماتمس الیه حاجة القاریٔ ص ۴۲ میں ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ بات حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی نے اپنی کتاب "جواب متعنت البخاری" میں عمر بن محمد بن بجیر سے روایت کی ہے۔

[4] اس کی تخریج گزر چکی ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ امام بخاری سے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے اس کا انتخاب تقریباً چھ لاکھ احادیث سے کیا ہے۔ تغلیق التعلیق ۴۲۱/۵ اور یہ تاریخ بغداد ۸/۲ وغیرہ میں بھی ہے۔

[5] مقدمة فتح الباری ص ۴۸۹۔ یہ بات ابن عدی کی کتاب "اسامی من روی عنه البخاری" میں دوّن اور دیگر مصادر میں حوّل لفظ کے ساتھ ہے، دیکھیے: تاریخ بغداد ۹/۲، تاریخ دمشق ۴۶/۱۵/أ، التعدیل و التجریح للباجی ۳۱۰/۱، تهذیب الاسماء واللغات ۷۴/۱/۱، ماتمس الیه حاجة القاریٔ ص ۴۱، تهذیب الکمال ۴۴۳/۲۴، سیر اعلام النبلاء ۴۰۴/۱۲۔

[6] خطیب نے تاریخ بغداد ۱۳/۲، ابن عساکر نے تاریخ دمشق ۴۵/۱۵/ ب میں ذکر کیا ہے، اور نووی نے تهذیب الاسماء ←

حدیث کے صحیح ہونے کا یقین ہو جاتا، اس پر نشان دیتے۔ رہی کتاب کے تراجم ابواب کی ترتیب اور تہذیب اور ہر بات کے تحت میں حدیثوں کو داخل کرنا، اس کو امام صاحب نے ایک بار حرم محترم میں اور دوسری بار **بین المنبر والمحراب** (جو **روضة من رياض الجنة** ہے) انجام دیا اور اسی تراجم ابواب کی ترتیب وتہذیب کے وقت جو حدیثیں تراجم ابواب کے تحت لکھنے لگتے، پہلے غسل کر کے استخارہ کر لیتے۔ ◆

ابوجعفر عقیلی فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے صحیح بخاری کو تالیف کر کے اس وقت کے ان شیوخ کے سامنے جن کا فضل وکمال مسلمانوں میں مسلم تھا اور بڑے پایہ کے لوگ گنے جاتے تھے (یعنی امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحییٰ بن

← و اللغات ۱/۱/۷۵ میں ایک ہی سیاق میں دونوں قصے ذکر کیے ہیں۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ کتاب التفسیر کی تالیف کے دوران امام بخاری نے ایسا صرف ایک ہی مرتبہ کیا ہے۔ لیکن مصادر میں ان دونوں کو مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ امام بخاری کے ایک ہی رات کو بار بار کھڑے ہونے کی روایت کی تخریج گزر چکی ہے۔

فربری نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں محمد بن اسماعیل بخاری کے گھر میں ایک رات ان کے ساتھ تھا تو میں نے ان کا اٹھنا اور چراغ جلانا اور اپنی کتاب میں نشانات لگانا شمار کیا تو وہ ۱۸ دفعہ تھا۔ **سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۴**۔

وراق اور فربری کی خبروں کو ملا کر یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ امام بخاری کا اس طرح کرنا ان کی سفر اور حضر میں عام عادت تھی۔ فربری کی روایت **تاریخ بغداد ۲/۱۴، تاریخ دمشق ۱۵/۴۵/ب، تہذیب الکمال ۲۴/۴۴۸، تاریخ الاسلام للذہبی ۲۴۸، طبقات السبکی ۲/۲۲۰** میں دیکھی جا سکتی ہے۔

◆ امام حاکم نے بطریق ابی عبداللہ محمد بن علی روایت کیا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں پانچ سال قیام کیا، میرے پاس میری کتب بھی تھیں۔ وہ میں تصنیف کرتا تھا اور ہر سال حج بھی کرتا تھا اور مکہ سے بصرہ کی طرف واپس آتا تھا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری تصنیفات میں برکت ڈالے گا۔ محمد بن علی کہتے ہیں البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں میں واقعی برکت ڈال دی ہے۔ **تاریخ دمشق ۱۵/۴۶/أ، تہذیب الاسماء واللغات ۱/۱/۷۴، ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۴۲**۔

امام نووی فرماتے ہیں ان بیانات میں کوئی تعارض نہیں، سب ممکن ہے بلکہ متعین ہے کیوں کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی تصنیف سولہ سال کی مدت میں مکمل کی مکہ، مدینہ، بصرہ اور بخارا کے شہروں میں لکھتے رہے واللہ اعلم۔ **ماتمس الیہ حاجۃ القاری ص ۴۲**۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی تصنیف، ترتیب اور تبویب کی ابتداء مسجد حرام میں کی پھر اس کے بعد احادیث کی تحقیق اور انتخاب بخارا اور دیگر شہروں میں کرتے رہے اور اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے جو امام بخاری کے بارے میں آیا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں سولہ سال لگائے کیوں کہ آپ مکہ شہر میں یہ تمام مدت نہیں رہے۔ **مقدمۃ فتح الباری ۴۸۹**۔

نیز حافظ ابن حجر نے امام بخاری کے قبر نبوی اور منبر نبوی کے درمیان تراجم ابواب لکھنے کی روایت ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ بھی پہلے مذکور بات کے منافی نہیں کیوں کہ انھوں نے پہلے مسودہ میں لکھے تھے اور اب مسودہ سے مبیضہ میں منتقل کیے ہیں۔ **مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۹**۔

معین وغیرہم) پیش کیا۔ سب نے نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور بالاتفاق صحت کی شہادت دی مگر چار حدیثوں میں کلام کیا۔ عقیلی کہتے ہیں، ان چار حدیثوں میں بھی امام بخاری کی بات صحیح نکلی اور وہ چاروں حدیثیں صحیح ٹھہریں۔ [1]

تالیفِ صحیح بخاری کی بنیادی غرض وغایت

صحیح بخاری کی تالیف میں امام بخاری کو دو باتیں مدنظر تھیں۔ اولاً ان حدیثوں کا انتخاب اور جمع کرنا جن کی صحت اور مقبولیت پر امام صاحب کے قبل کے محدثین کا یا امام صاحب کے وقت میں جو محدثین تھے، ان کا اتفاق ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے اس تالیف کا نام انھوں نے ”الجامع الصحیح (المسند) من احادیث رسول اللہ ﷺ و سننه و ایامه“ رکھا۔ [2] ثانیاً استنباطِ مسائل فقہیہ اور استخراجِ نکات حکمیہ جن کو امام بخاری کی دقت پسند طبیعت کے نتائج کہنا زیادہ مناسب ہے۔ جن کو موقع ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں اور اس مقصود (استخراج مسائل فقہیہ) کی وجہ سے متن میں اگر تکرار بھی ہو تو اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے لیکن التزام یہ ہے کہ متن اور اسناد دونوں ہر طرح مکرر نہ ہوں۔ تکرار صرف مضمون حدیث میں ہوتی ہے۔ تبدیلِ اسناد سے حدیث درجہ آحاد سے تواتر معنوی یا شہرت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور یہ تکرار قند مکرر کا مزا دے جاتی ہے ؂

متن و مضمون احادیث بہ تبدیل رواۃ
چوں مکرر شود آں قند مکرر گیرند

استخراج مسائل میں ایک بہت ہی عمدہ التزام یہ ہے کہ پہلے آیات سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث اور آیت کی تطبیق وتوفیق کا خیال مقدم رہتا ہے۔ ضمناً آیت کی تفسیر حدیث سے یا حدیث کی تفسیر آیت سے ہو جاتی ہے۔ استدلال کا پیرایہ بہت ہی لطیف اور دقیق ہوتا ہے۔ اکثر ناواقف لوگ حیرت میں پڑ کر امام کو نشانہ اعتراض بناتے ہیں۔

چونکہ استخراج مسائل فقہیہ اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس لیے بہتیرے ابواب میں صرف فیه عن فلاں سے اس حدیث کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جو پہلے گزر چکی ہے۔ خواہ قریب گزری ہو یا بعید۔ کبھی کسی باب کے تحت میں متن حدیث مذکور ہے لیکن سلسلہ سند محذوف یا حدیث معلق ذکر کی ہے۔ بہتیرے تراجم ابواب ایسے ہیں جن کے تحت میں متعدد حدیثیں مذکور ہیں۔ کبھی ایک ہی حدیث کبھی صرف قرآن کی آیتیں یہ سب انداز بتاتے ہیں کہ استخراج مسائل فقہیہ

---

[1] مقدمة الفتح ص ۷، ۴۸۹، تغليق التعليق ۵/۴۲۳۔ اور یہ بات ابن خیر اشبیلی نے اپنی فہرست ص ۹۵ میں مسلمہ بن قاسم سے ذکر کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے سنا جو ابو جعفر عقیلی سے بیان کرتا تھا پھر آگے بیان کی۔

[2] مقدمة الفتح ص ۸، ”المسند“ لفظ کی زیادتی اسی سے ہے اور حافظ ابن صلاح نے اس کا نام ”الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم و سننه و ايامه“ رکھا ہے۔ علوم الحدیث ص ۲۲ اور اسی طرح نووی نے ماتمسّ اليه حاجة القاری ص ۳۹ میں بیان کیا ہے۔

بھی صحیح بخاری کی تالیف کے اہم مقاصد سے ہے۔

بعض تراجم ابواب کے تحت میں نہ کوئی حدیث ہے نہ قرآن کی آیت نہ اثر صحابی نہ قول تابعی بلکہ بالکل بیاض ہے۔ یہ ایسا موقع ہے کہ کوئی مسئلہ پیش آیا لیکن اس کی دلیل، بروقت نہ مل سکی۔ صورت مسئلہ بعنوان ترجمۃ الباب لکھ لیا اس خیال سے کہ اس پر غور کریں گے اور حدیث یا آیت عقب سے استدلالاً یا تردیداً ترجمۃ الباب کے تحت میں درج کی جائے گی لیکن موت نے مہلت نہ دی۔ بعض مقام میں حدیث ہے، ترجمۃ الباب ندارد۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ حدیث صحیح کا تیقن ہوگیا جس کو کتاب میں داخل کرلیا لیکن استنباط مسئلہ کی نوبت نہ آئی ہے۔ [1]

صحیح بخاری کے تراجمِ ابواب

امام صاحب نے صحیح بخاری کے تراجم ابواب میں بڑے بڑے اعلیٰ مقاصد پیش نظر رکھے ہیں۔ کہیں تو وہ نہایت ہی دقیق فقہی نکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کسی جگہ محدثانہ اصول اور حدیث کی علت غامضہ بتاتے ہیں، جن کے حل کے لیے نظر غائر، فہم صائب اور ذکاوت و فطانت کے علاوہ کثرت اطلاع اور وسعت نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن کی طبیعتیں اوچھی یا کج ہیں جن کے دماغ تنگ اور نظر محدود ہے یا وہ لوگ جو رسمی اصول اور اہل الرائے کی تخریجات کے پابند ہیں، امام صاحب کے تراجم کی تہہ تک پہنچنے سے محروم رہتے ہیں اس لیے کہیں تو صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر، کہیں تراجم اور حدیثوں کی تطبیق پر اعتراض جمانے لگتے ہیں۔

و کم من عائب قولا صحیحا

و آفته من الفهم السقیم

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شان میں فقہاء اور محدثین کا مشہور مقولہ ’’فقه البخاری فی تراجم ابوابه‘‘ ضرب المثل ہے۔

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کے مہتم بالشان ہونے کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اجلّہ محدثین اور فحول مصنفین نے تراجم کے مقاصد جلیلہ اور اشارات غامضہ کے حل کرنے میں مستقل تصنیفیں لکھی ہیں۔

تراجمِ ابواب کے متعلق مستقل تصنیفات

فصل ۳

۱۔ علامہ ناصر الدین احمد بن المُنَیِّر [2] خطیب اسکندریہ [ت ۶۸۳ھ] نے تراجم ابواب پر ایک مبسوط

---

[1] حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ بہت تھوڑی جگہیں ہیں۔ مقدمة الفتح ص ۸۔

[2] اَلْمُنَیِّر: بالیاء المشدّدۃ، جیسا کہ ہمارے شیخ حسین عرب یمنی نے فرمایا ہے (مؤلف) یہ ناصر الدین ابو العباس احمد بن محمد بن منصور بن ابی القاسم بن مختار بن ابو بکر جذامی جروی اسکندری مالکی معروف بہ ابن المنیر ہیں۔ ۶۸۳ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: شذرات الذهب ۳۸۱/۵، معجم المؤلفین ۱۶۱/۲۔ (مراجع)

مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "المتواری علی تراجم البخاری" رکھا۔ [1] اس کتاب میں علامہ موصوف نے چارسو ابواب صحیح بخاری کے ایسے چنے ہیں جو نہایت دقت طلب ہیں۔ پھر ان کو نہایت بسیط بحثوں میں حل کیا ہے۔ [2]

۲۔ علامہ محمد بن منصور [بن الحمامة] المغربی السجلماسی نے بھی ایک مستقل تصنیف لکھی ہے جس کا نام رکھا ہے:

"فك اغراض البخاری المبهمة في الجمع بين الحديث والترجمة"۔ [3]

۳۔ علامہ ابوعبداللہ بن رُشَید السبتی متوفی ۷۲۱ھ [4] نے ایک ضخیم اور مبسوط کتاب صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر لکھی جس کا نام ترجمان التراجم ہے۔ لیکن افسوس یہ عزیز اور مفید کتاب ناتمام رہی اور ایک ضخیم جلد میں صرف باب الصوم تک پہنچی۔ گو یہ کتاب ناتمام رہی لیکن پھر بھی جس قدر عدم سے وجود میں آئی، صحیح بخاری کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ [5]

۴۔ علامہ زین الدین علی بن المُنَیّر متوفی ۶۹۵ھ [6] نے بھی ایک مستقل تصنیف تراجم پر لکھی جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے ھدی الساری میں کیا ہے۔ [7]

۵۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ایک ضروری اور جامع رسالہ ہے۔ جناب شاہ ولی اللہ

---

[1] مقدمة الفتح ۱۴، ارشاد الساری ۱/۴۳، کشف الظنون ۱/۵۴۶، تاریخ التراث ۱/۱۹۸۔

[2] المتواری ہمارے بھائی صلاح الدین مقبول احمد کی تحقیق سے کویت میں مکتبہ المعلا کی طرف سے ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء کو طبع ہوئی۔

[3] مقدمة الفتح ۱۴ ارشاد الساری للقسطلانی ۱/۴۳، کشف الظنون ۱/۵۵۱ اور انھوں نے "فكّ اغراض البخاری" کی جگہ "حلّ اغراض البخاری" نام بتایا ہے۔

[4] محبّ الدین ابوعبداللہ محمد بن عمر بن محمد ابن رُشید فہری سبتی ۷۲۱ھ میں وفات پائی۔ ان کی تالیفات میں سے "ملء العيبة" چھ جلدوں میں ہے بعض طبع ہو چکی ہیں۔ دیکھیے: "الاحاطة فی اخبار غرناطة" للسان الدین بن خطیب ۳/۱۳۵، طبقات الحفاظ للسیوطی ۵۲۴۔

[5] مقدمة الفتح ص ۱۴۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو انتہائی مفید ہوتی، یہ نامکمل ہونے کے باوجود بھی کثیر الفوائد ہے۔

[6] زین الدین ابوالحسن علی بن محمد بن منیّر۔ یہ ناصر الدین ابن المنیر کے بھائی ہیں۔ عید الاضحیٰ کے دن ۶۹۵ھ کو فوت ہوئے۔ الوافی بالوفیات ۲۲/۱۴۲، معجم المؤلفين ۷/۲۳۴۔

[7] مقدمة الفتح ص ۱۴۔ ان کی بخاری کی ایک شرح بھی ہے اور اس کے علاوہ تراجم بخاری کی شرح میں ایک مستقل کتاب بھی ہے جیسا کہ شیخ محمد مخلوف نے "شجرة النور الزكية" ۱/۱۸۸ اور شیخ صلاح الدین مقبول نے متواری کے مقدمہ میں ص ۱۳، ۱۷ پر بیان کیا۔ اور بعض نے غلطی سے متواری ان کی طرف منسوب کر دی ہے حالانکہ وہ ان کے بھائی ناصر الدین ابن المنیّر کی ہے۔ دیکھیے متواری کے محقق کا مقدمہ ص ۱۴، ۱۶۔

صاحب ◆ کا جو حیدرآباد کے مطبع ''دائرۃ المعارف'' میں طبع ہو کر شائع ہے ◆ اور اس سے پہلے **تیسیر القاری** شرح فارسی صحیح بخاری کے حاشیہ پر لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔ اس رسالہ کے ابتدا میں تراجم ابواب کے متعلق چند اصول جامع اور مختصر تقریروں میں بیان کیے گئے ہیں۔ پھر فرداً فرداً چار سو سے زائد تراجم پر مفصلاً (لیکن نہایت ایجاز کے ساتھ) بحث کی گئی ہے۔ اور جا بجا بہت ہی مفید نکات ودیعت رکھے گئے ہیں جو مصنف کے تبحر اور صفائی ذہن وحکیم الامت ہونے کے شاہد عدل ہیں۔ ◆

ان مستقل تصنیفات کے علاوہ صحیح بخاری کی شروح میں تراجم ابواب پر بڑی تفصیلی بحث کی جاتی ہے اور اپنی وسعت کے موافق ہر شارح نے اپنے علم وفہم کا تموج دکھلایا ہے۔ ان میں شیخ الاسلام ابن حجر اور ان کے بعد علامہ عینی نے خاص حصہ لیا ہے۔ علامہ ابن خلدون صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر ریمارک فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فاما البخاری فهو اعلاها رتبة، فاستصعب الناس شرحه، واستغلقوا منحاه من اجل ما يحتاج اليه من معرفة الطرق المتعددة ، و رجالها من اهل الحجاز والشام والعراق، و معرفة

◆ علامہ شیخ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین دھلوی عمری ھندی معروف بہ ولی اللہ دھلوی ۔۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی مشہور ترین کتب میں سے حجة الله البالغة اور مسوی شرح المؤطا وغیرہ ہیں۔ **ابجدالعلوم ۳/۲۴۱، نزهة الخواطر ۶/۴۱۰ ، معجم المؤلفين ۱/۲۷۲۔**

◆ پھر اس سے لیا گیا عکس بیروت میں کئی بار طبع ہوا۔

◆ تراجم بخاری کی شرح میں اور بھی کئی کتب لکھی گئی ہیں:۔

۶۔ ''**مناسبات تراجم البخاری لاحادیث الابواب**'' اور یہ ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن ابراہیم بن جماعۃ کنانی حموی کی کتاب ہے۔ انھوں نے ۷۳۳ھ کو وفات پائی۔ ان کی یہ کتاب المتواری کی تلخیص ہی ہے۔ ہندوستان کے شہر بمبئی میں دارالسلفیہ سے چھپی ہے۔ اور علی بن عبداللہ الزبن نے جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں ۱۴۰۴ھ کو ایم اے اسلامیہ کی ڈگری حاصل کرنے کی خاطر اس کی تحقیق کی ہے۔ دیکھیے: ''**دليل الرسائل الجامعية الصادر من مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الاسلامية**'' نمبر ۶۳۵۳۔

۷۔ ''**تعليق المصابيح على ابواب الجامع الصحيح**'' یہ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر دمامینی نے لکھی ہے جو کہ ۸۲۸ھ کو فوت ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز دھلوی نے بستان المحدثین میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مقدمہ محقق المتواری ص۱۳ اور دمامینی نے بخاری کی ایک شرح بھی لکھی ہے جس کا نام **مصابیح الجامع** ہے۔ دیکھیے: **الدمامينی حياته و آثاره للدكتور محمد بن عبدالرحمن مفدی۔**

۸۔ ''**مناسبات تراجم ابواب البخاری**'' یہ ابوحفص عمر بن رسلان کنانی بلقینی مصری نے لکھی ہے جو کہ ۸۰۵ھ میں فوت ہوئے **الاعلام للزركلی ۵/۴۶**۔ حافظ ابن حجر کی اس کی تلخیص سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابواب بخاری اور احادیث بخاری کے درمیان مناسبات نہیں بلکہ بخاری میں مذکورہ ابواب کی ترتیب میں مناسبات ہیں۔ **مقدمة فتح الباری ص ۴۷۰** اور بلقینی نے تراجم بخاری کی مناسبات کے متعلق ایک نظم بھی لکھی ہے اور **مقدمة شرح قسطلانی طبعة احياء التراث ص ۱/۴۴** میں وہ نظم موجود ہے۔

۹۔ ''**الابواب والتراجم**'' شیخ محمد زکریا کاندھلوی کی مطبوع ہے۔

احوالهم، واختلاف الناس فيهم ، وكذلك يحتاج الى إمعان النظر في التفقه في التراجم ، لانه يترجم الترجمة ويورد فيها الحديث بسند او بطريق ثم يترجم اُخرٰى و يورد فيها ذلك الحديث بعينه لما تضمنه من المعنى الذى ترجم به الباب ،و كذلك في ترجمة و ترجمة الى ان يتكرر الحديث في ابواب متفرقة بحسب معانيه واختلافها". [1]

صحیح بخاری حدیث کی کتابوں میں سب سے بلند پایہ ہے۔ اس لیے اہل علم اس کی شرح کو سخت مشکل کام خیال کرتے ہیں اور اس کے مقاصد تک پہنچنا بہت مشکل جانتے ہیں کیونکہ صحیح بخاری کے مقاصد تک پہنچنے کے لیے چند باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ۱۔ ایک ہی حدیث کے اسانید متعددہ سے آگاہ ہونا۔ ۲۔ ان اسانید کے رجال کا علم ہونا اس طرح کہ کون ان میں شامی ہے، کون حجازی، کون عراقی۔ ۳۔ ان کے حالات سے آگاہ ہونے کے علاوہ یہ جاننا کہ لوگ ان میں کیا اختلاف رکھتے ہیں اور امام صاحب نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس وجہ سے تراجم ابواب کے سمجھنے میں بڑی دقیق نگاہ اور دقت نظر کی ضرورت پڑتی ہے۔ امام بخاری ایک ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور اس میں ایک سند سے حدیث لاتے ہیں۔ پھر دوسرا ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور اس میں وہی حدیث دوسری سند سے لاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ دوسرے ترجمۃ الباب کی بھی دلیل ہے۔ اسی طرح متعدد تراجم ابواب میں بوجہ کثرت معانی واختلاف سند حدیث مکرر ہو جاتی ہے۔

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کو دعاوی اور ان کے ماتحت حدیثوں یا آیتوں وغیرہ کو دلائل یا بمنزلہ دلائل خیال کر لینا ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے اکثر صحیح بخاری کے مطالعہ کرنے والوں کو دھوکا ہوتا ہے۔

مقاصد تراجم کی تفصیل

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی مختلف صورتیں اور مختلف اغراض ہیں۔ [2]

۱۔ کبھی امام صاحب ترجمۃ الباب میں اس حدیث کے الفاظ ذکر کرتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہے اور اس حدیث کی صحت کی شہادت کے لیے باب کے تحت میں وہ حدیثیں لاتے ہیں جو امام صاحب کی شرط پر صحیح ہیں۔ جس سے ترجمۃ الباب کی تائید اور تصحیح ہوتی ہے۔

۲۔ کبھی ایسا مسئلہ ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں جس کو امام صاحب نے کسی صحیح حدیث سے جو ان کی شرط پر ہے، مستنبط کیا ہے خواہ صریح الفاظ یا اشارۃ النص یا اقتضاء سے اب اس کے تحت میں جو حدیث یا آیت لاتے ہیں، وہ

---

[1] مقدمة ابن خلدون ۳/۱۱۴۱ (۱/۴۷۴ طبعة دار الكتب العلمية بعض کلمات کے کچھ اختلاف کے ساتھ)

[2] تراجم بخاری کے اغراض و مقاصد غور و فکر کے بعد تیس سے بھی زائد ثابت ہوئے۔ حضرت مؤلف نے بطور نمونہ چند اغراض کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے۔ (عبید اللہ)

مسئلہ ترجمۃ الباب کی دلیل ہوتی ہے لیکن وجہ استدلال پر حاوی ہونا ہر ایک کا کام نہیں۔

۳۔ ترجمۃ الباب میں کبھی وہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس کی قائل پہلے سے مسلمانوں کی کوئی جماعت تھی اور اس مسئلہ کی امام صاحب کی تحقیق و اجتہاد میں، دلیل یا شہادت یا ترجیح ثابت تھی۔ ایسے مقامات کو امام صاحب ترجمۃ الباب کی صورت میں بایں لفظ لکھا کرتے ہیں۔ باب من قال کذا او ذھب الی کذا۔

۴۔ کسی ترجمۃ الباب میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس میں حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ اس باب کے تحت میں ان مختلف حدیثوں کو جمع کر دیتے ہیں جس سے وجہ تطبیق و ترجیح و استنباط میں آسانی منظور ہوتی ہے۔

۵۔ کسی مسئلہ میں مثل سابق کے ادلہ متعارض ہوتے ہیں اور امام صاحب کے نزدیک صورت تطبیق متعین یا راجح ہوتی ہے۔ پہلے ترجمۃ الباب میں توفیق ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان دلائل متعارضہ کو لاتے ہیں جس سے متعلم میں قوت توفیق و تطبیق پیدا ہوتی ہے۔

۶۔ کسی ترجمۃ الباب کے اثبات میں متعدد حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ ان حدیثوں میں کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جس میں امام صاحب کے خیال میں کوئی مفید و ضروری بات ہوتی ہے جس پر متنبہ کرنا وہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایسی جگہ بجائے فائدہ یا تنبیہ کے ''باب'' کا لفظ ذکر کرتے ہیں۔ یہاں صحیح بخاری پڑھنے والوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہاں سے نیا مسئلہ شروع ہوا۔ حالانکہ وہ کوئی باب علیحدہ نہیں ہوتا بلکہ جس طرح عام مؤلفین کا قاعدہ ہے کہ ایسے موقع پر لفظ فائدہ یا قف یا تنبیہ لاتے ہیں۔ امام صاحب نے لفظ باب کے سوا دوسرے الفاظ پسند نہ فرمائے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح جیسے کتاب بدء الخلق ترجمۃ الباب (باب قول اللہ عز و جل: و بث فیھا من کل دابۃ) [1] کے تحت میں پہلے ایک حدیث اس باب کے مطابق ذکر کر کے (باب خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال) ذکر کیا۔ [2]

۷۔ کبھی باب کو بجائے (ح) تحویل یا بہذا الاسناد کے قائم کرتے ہیں جس طرح اسی کتاب بدء الخلق میں ''باب ذکر الملٰئکۃ'' ہے۔ [3] پہلے ترجمۃ الباب کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں پیش کیں اور سعید کے واسطہ سے حدیث ''یتعاقبون فیکم ملٰئکۃ باللیل و ملٰئکۃ بالنھار'' لائے۔ [4] اس کے بعد باب کا لفظ لکھ کر حدیث ''اذا قال احد کم آمین والملٰئکۃ فی السماء آمین ''الحدیث ذکر کی۔ [5] جس سے مطلب یہ تھا کہ بھذا الاسناد یعنی اس

[1] صحیح البخاری ۶/۳۴۷۔
[2] صحیح البخاری ۶/۳۵۰۔
[3] صحیح البخاری ۶/۳۰۲۔
[4] صحیح البخاری ۶/۳۰۶۔
[5] صحیح البخاری ۶/۳۱۱۔

اسناد سے ذیل کی حدیث بھی ہے۔

۸۔ ترجمۃ الباب کے تحت میں کبھی وہ حدیث لاتے ہیں جو خود ترجمۃ الباب پر دلالت نہیں کرتی نہ بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق اس کے مذکورہ الفاظ کو ہوتا ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے طریق ہوتے ہیں اور ان میں بعض طرق کے الفاظ ترجمۃ الباب پر دال ہوتے ہیں جس سے یہ جتانا مقصود ہوتا ہے کہ اس باب کے لیے کچھ اصل ہے اور یہ مسئلہ بالکل بے اصل نہیں ہے۔

۹۔ کسی ترجمۃ الباب میں تردیداً وہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو کسی خاص شخص کا مسلک ہے یا امام صاحب کے خیال میں شاید آئندہ کوئی اس کا قائل ہو جائے لیکن امام صاحب کے نزدیک غلط ہے۔

۱۰۔ اسی طرح کسی ترجمۃ الباب میں ایسی حدیث لاتے ہیں جو امام صاحب کے نزدیک ثابت نہیں۔ ایسے مقامات میں باب کے تحت میں صحیح حدیثوں کے لانے سے اس مسلک یا اس حدیث کا رد کرنا منظور ہوتا ہے۔

۱۱۔ کبھی ترجمۃ الباب کے بعد بجائے مسند حدیث کے صرف کسی صحابی یا تابعی کا اثر یا قرآن کی کوئی آیت کریمہ لاتے ہیں۔ ایسا اس مقام میں کرتے ہیں جہاں ترجمۃ الباب کا لفظ کسی حدیث کا ٹکڑا ہوا کرتا ہے لیکن وہ حدیث امام صاحب کی شرط پر نہیں ہوتی۔ وہاں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اس باب میں گو یہ حدیث آئی ہے لیکن امام صاحب کی شرط پر صحیح ثابت نہیں ہوئی اور حدیث ترجمۃ الباب میں قابل عمل ہے۔

۱۲۔ کبھی ترجمۃ الباب میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو بظاہر نہایت قلیل النفع ہے لیکن کسی خارجی وجہ سے وہ مہتم بالشان بن گیا ہے جس طرح "باب قول الرجل ما صلینا"۔ [1] بظاہر کوئی نتیجہ خیز بات نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ یہ ملاؤ کہ ایک جماعت "ماصلینا" کہنے کو بہت برا جانتی ہے تو اس باب کا کثیر النفع ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں، اس قسم کے تراجم ابواب میں امام بخاری نے مصنف ابن شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے تراجم ابواب پر قدح کی ہے اور ان دونوں کتابوں کے تراجم ابواب کے استدلالات میں جو آثار وشواہد پیش کیے گئے ہیں، ان کو رد کیا ہے:

"قلت واكثر ذلك تعقّبات و تنكيتات على عبدالرزاق وابن ابى شيبة فى تراجم مُصَنَّفَيهِمَا، اذشواهد الآثار تُرْوَى عن الصحابة والتابعين فى مصنفيهما و مثل هٰذا لا ينتفع به الا من مارس الكتابين واطلع على ما فيهما". [2]

ان ابواب کے فوائد اور خوبیوں سے کچھ وہی شخص منتفع ہو سکتا ہے جس نے ان دونوں مصنفات کا مطالعہ کیا ہے اور ان دونوں کتابوں سے اس کو ممارست ہے۔

---

[1] صحیح البخاری ۲/۱۲۳۔

[2] شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ص ۵ (طبعہ دار الحدیث بیروت ص ۱۲)۔

۱۳۔ کبھی ترجمۃ الباب میں قرآن کی کسی آیت کو ذکر کرتے ہیں اور حدیث سے اس کی شرح کرتے ہیں، یا عموم کی تخصیص کرتے ہیں یا مطلق کو مقید، یا اس کے بعض محتملات کی تعیین، کبھی ترجمۃ الباب میں حدیث ذکر کرتے ہیں اور آیت سے اس کی تخصیص یا بعض محتملات کی تعیین یا شرح۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

''و کثیرا ما یاتی بشواھد الحدیث من الأیات، و شواھد الأیة من الاحادیث تظاھرًا، لتعیین بعض المحتملات دون البعض فیکون کقول المحدث: ''المراد بھذا العام المخصوص'' او''بھذا الخاص العموم'' و نحو ذلك، و مثل ھذا لا یدرك الا بفھم ثاقبٍ و قلبٍ حاضر''. [1]

اکثر اوقات حدیثوں کی شہادت میں آیات اور آیت کی شہادت میں احادیث لاتے ہیں۔ اس سے مقصود یا تو ایک کو دوسرے سے قوت دینا ہوتا ہے یا آیت و حدیث کے کئی احتمالوں میں ایک کی تعیین مقصود ہوتی ہے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ اس لفظ سے خاص مراد ہے یا لفظ خاص سے عمومیت مقصود ہے۔ اسی طرح اور باتیں ہیں، اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کی سمجھ روشن اور دل حاضر ہو۔

۱۴۔ کہیں صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ طالبین حدیث کو مسئلہ کے مطابق حدیث پیش کرنے کا انداز مشق ہو جائے۔

۱۵۔ امام صاحب نے بہتیرے ابواب میں اہل سیر و مؤرخین کا طریقہ اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ طرق روایات سے کسی واقعہ کے متعلق کوئی خاص بات نکالنی۔ فقیہ تو عدم ممارست فن کے باعث اس پر متعجب ہوتا ہے لیکن اہل سیر کو اس انداز کے ساتھ خاص اعتنا ہوتا ہے۔

شروطِ صحیح بخاری [2]

امام ابوعبداللہ حاکم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے صحیح بخاری کی مسند حدیثوں کے لیے (جو اصل موضوع کتاب ہیں) یہ شروط معین فرمائے ہیں کہ ہر صحابی سے دو مشہور تابعین نے روایت کی ہو۔ اور ہر تابعی سے دو دو راوی ثقہ عادل ضابط جامع شروط صحت نے روایت کی ہو۔ اسی طرح سلسلہ روایت ہر طبقہ میں چلا جائے۔ یہاں تک کہ امام بخاری تک وہ حدیث پہنچی ہو۔ [3]

---

[1] مصدر سابق۔

[2] صحاح ستہ کی شروط کے بیان میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک کتاب علامہ حازمی ہمدانی کی ہے، اور علامہ ابوالفضل محمد بن طاہر کی ''شروط الائمۃ'' نہایت مفید ہے۔ (شرح الفیہ عراقی ۲۴/۱) [مؤلف]

[3] المدخل الی کتاب الاکلیل للحاکم ص ۳۳۔

اس سے ابن طاہر مقدسی نے شروط الائمۃ الستۃ ص ۱۵ اور ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی نے شروط الائمۃ الخمسۃ ص ۲۰، ۲۱ میں نقل کیا اور ابن طاہر سے ابن حجر نے تغلیق التعلیق ۴۲۳/۵ پر ذکر کیا۔ نیز دیکھیے: النکت لابن حجر ۲۳۹/۱ فتح المغیث للسخاوی ۵۴/۱ وغیرہ کتب مصطلحات۔

علامہ ابو معمر مبارک بن احمد [1] نے حاکم کے اس دعوے سے مخالفت کی اور کہا کہ یہ دعویٰ حاکم کا صحیح بخاری کی بہتیری مسند حدیثوں میں ٹوٹ جاتا ہے جن کو صحابی سے صرف ایک ہی مشہور تابعی نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مبارک بن احمد کا یہ اعتراض حاکم کے کلیہ پر تو ضرور پڑتا ہے جس سے بعض صحابی سے روایت لینے والوں (تابعیوں) میں آکر یہ قاعدہ کلیہ سالم نہیں رہتا لیکن تابعی سے نیچے والے راویوں میں یہ شرط ضرور پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے دوسرے محدثین نے حاکم کی طرح یہ دعویٰ نہیں کیا۔ انھوں نے صحیح بخاری کی حدیثوں کے لیے ذیل کے شروط بیان کیے۔

۱۔ سب ناقلین و رواۃ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر اتفاق ہو یعنی رواۃ مسلم، صادق، غیر مدلس، غیر مختلط، متصف بصفات عدالت، ضابط، متحفظ، [2] سلیم الذہن قلیل الوہم، سلیم الاعتقاد ہوں [3] اور یہ صفات اعلیٰ درجہ کی ہوں۔

۲۔ سلسلہ روایت منقطع نہ ہو۔

۳۔ اگر معنعن روایت ہو تو راوی کا اپنے شیخ سے لقاء ضرور ثابت ہونا چاہیے۔

۴۔ اس حدیث کی صحت اور مقبولیت پر امام بخاری سے پہلے کے محدثین کا اتفاق ہو یا امام بخاری کے معاصرین کا اتفاق ہو۔

۵۔ علت اور شذوذ سے خالی ہو۔

باوجود ان صفات کے جو راویوں کے لیے اوپر مذکور ہوئے، رواۃ اعلیٰ طبقے کے ہوں۔ ادنیٰ یا وسط غیر کافی ہیں۔

طبقات رواۃ کے امتیاز اور وضاحت کے لیے علامہ حافظ ابن حجر کی یہ مثال کافی ہے۔ [4] وہ کہتے ہیں کہ ''زہری کے تلامذہ کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ اپنے سے نیچے کے طبقے پر فضیلت رکھتا ہے۔ طبقہ اولیٰ اعلیٰ درجہ کی صحت کا موجب ہے اور یہی امام بخاری صاحب کا مقصد ہے''۔

طبقہ ثانیہ پہلے طبقے کے ساتھ ثبت ثقاہت وغیرہ میں تو شرکت رکھتا ہے لیکن پہلا طبقہ حفظ و اتقان اور زہری کی

---

[1] وہ ابو معمر مبارک بن احمد بن عبدالعزیز انصاری ازجی ہیں۔ شیوخ کی تاریخ وفات پر ایک جلد میں ایک معجم تیار کی۔ ان سے سمعانی، ابن عساکر، ابن جوزی اور کندی نے سماع کیا۔ ابن نقطہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ ۵۴۹ھ کو وفات پائی۔ سیر اعلام النبلاء ۲۶۰/۲۰، معجم المؤلفین ۱۷۰/۸، مقدمة فتح الباری ص ۹ پر ان کے الفاظ موجود ہیں۔

[2] مُتَیَقِّظًا اصل اردو میں مُتَحَفِّظًا لفظ ہے جیسا کہ مقدمة الفتح ص ۹ میں ہے اور ہم نے شروط الائمة للحازمی ص ۵۶ سے تصویب کی ہے۔

[3] فتح الباری کا مقدمہ ص ۹، حافظ ابن حجر نے حازمی کے کلام کا ملخص لکھا ہے۔ شروط الائمة ۵۱۔۵۶۔

[4] حافظ ابن حجر نے حازمی سے نقل کیا ہے۔

طول صحبت میں طبقہ ثانیہ سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ زہری کے ساتھ اور حضر میں اس نے ملازمت اختیار کی اور ان حدیثوں کی بخوبی ممارست کی اور اچھی طرح ان کی جانچ پڑتال کی۔ اس وجہ سے طبقہ اولیٰ کی حدیثیں زیادہ قابل وثوق ہوئیں۔ طبقہ ثانیہ نے چند روز زہری کی صحبت پائی۔ اس لیے یہ بات حاصل نہ ہوسکی۔ نہ ان کو زہری کی حدیثوں سے چنداں ممارست ہوئی۔ پس یہ اتقان میں پہلے طبقہ سے ادنیٰ ہیں، اور یہ امام مسلم کی شرط پر ہیں۔
طبقہ اولیٰ کے رواۃ یونس بن یزید الایلی، عقیل بن خالد الایلی، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ ہیں۔

طبقہ ثانیہ کے رواۃ اوزاعی، لیث ابن سعد، عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر اور ابن ابی ذئب ہیں۔
طبقہ ثالثہ کے رواۃ جعفر بن برقان، سفیان بن حسین اور اسحاق بن یحییٰ کلبی ہیں۔
طبقہ رابعہ کے رواۃ زمعہ بن صالح، معاویہ بن یحییٰ الصدفی اور مثنی بن الصباح ہیں۔
طبقہ خامسہ کے رواۃ عبدالقدوس بن حبیب، حکم بن عبداللہ الایلی اور محمد بن سعید المصلوب ہیں۔
طبقہ اولیٰ ہی کے رواۃ امام بخاری کی شرط ہیں۔ کبھی کبھی طبقہ ثانیہ کے رواۃ کی حدیثوں کو بھی (جن پر ان کو اعتماد ہے) صحیح بخاری میں لاتے ہیں لیکن بالاستیعاب نہیں۔ بخلاف امام مسلم کے کہ وہ دونوں طبقوں کی حدیثوں کو بالاستیعاب لاتے ہیں اور طبقہ ثالثہ (جن کو امام بخاری نے ہاتھ بھی نہیں لگایا) کی حدیثوں کو بھی لاتے ہیں گو بالاستیعاب نہیں۔ ہاں طبقہ ثانیہ اور ثالثہ کے رواۃ کی حدیثوں کو امام بخاری تعلیقاً ذکر کرتے ہیں۔ ثانیہ سے زیادہ ثالثہ سے کم۔ اسی طرح امام نافع اور امام اعمش اور امام قتادہ کے تلامذہ کے پانچ طبقے ہیں اور ان میں بھی وہی صورتیں ہیں۔ یہ ان رواۃ کی حالت ہے جو کثیر الحدیث ہیں۔ وہ رواۃ جو قلیل الحدیث ہیں ان میں امام صاحب کبھی متفرد راوی کی حدیث نہیں لیتے جب تک سلسلہ رواۃ میں اس کا کوئی دوسرا راوی شریک نہ ہو۔ ہاں کبھی کسی راوی پر باوجود تفرد کے جب قوی اعتماد ہوجاتا ہے تو اس کی حدیث لیتے ہیں۔ جیسے یحییٰ بن سعید انصاری لیکن ایسا بہت کم بلکہ شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔ [1]

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح اور فضیلت

ان شرائط اور نیز وجوہات مذکورہ بالا کے لحاظ سے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوکر یہ ایک اصولی مسئلہ بن گیا ہے کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم و نیز تمام کتب حدیثیہ پر ترجیح ہے۔ خواہ باعتبار صحت کے ہو یا جودت فقاہت کے، غرض ہر اعتبار سے اس کو فضیلت ہے۔ تدریب الراوی میں ہے: **"والبخاری اصحھما و اکثرھما فوائد و قیل مسلم اصح، والصواب الاول"**۔ [2] اور کیوں نہ ہو، امام مسلم نے اسی تصنیف کو دیکھ کر اسی پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی اور کچھ اضافہ کیا

[1] مقدمۃ الفتح ۹، ۱۰، مقدمۃ القسطلانی ۱۸، ۲۱ اور یہ حازمی کے کلام سے ماخوذ ہے۔
[2] تدریب الراوی ۱/۹۱، مقدمۃ ابن الصلاح ۱۴، ۱۵، التبصرۃ و التذکرۃ ۱/۳۹، فتح المغیث للسخاوی ص ۱/۲۸۔

لیکن پھر بھی اس کے رتبہ کو ان کی کتاب نہ پہنچ سکی۔ امام بخاری کے وہ تلمیذ تھے اور شہادت دیتے تھے کہ امام بخاری اس فن میں ہر طرح متفرد ہیں اور ان کو سید المحدثین کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ حاکم ابو احمد نیشاپوری لکھتے ہیں:

"رحم الله محمد بن اسماعیل فانه الف الاصول یعنی اصول الاحکام من الاحادیث و بین للناس و کل من عمل بعده انما اخذه من کتابه کمسلم ابن الحجاج"۔ [1]

خدا رحمت نازل کرے امام بخاری پر کہ انھوں نے اصول قائم کیے یعنی احادیث سے احکام کے اصول اور لوگوں کو تعلیم کر گئے اور جن لوگوں نے لیا، انہیں کی کتاب سے لیا جیسے امام مسلم۔

و قال الدارقطنی لماذکر عنده الصحیحان:

" لولا البخاری ما ذهب مسلم ولا جاء "و قال مرة اخری:"وای شئی صنع مسلم انما اخذ کتاب البخاری فعمل علیه مستخرجا وزاد فیه زیادات"۔ [2]

امام دارقطنی کے سامنے جب صحیحین کا تذکرہ ہوا تو امام دارقطنی نے کہا کہ اگر امام بخاری کا فیض صحبت نہ ہوتا تو مسلم کا کوئی نام بھی نہ لیتا۔ ایک مرتبہ اور امام دارقطنی نے یہ فرمایا کہ امام مسلم نے کیا کیا، صحیح بخاری کو لے کر اسی کی حدیثوں کا استخراج کیا اور کچھ اضافہ کیا۔

بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو ترجیح دی تھی۔ لیکن علمائے اسلام قدیماً و حدیثاً اس کی مخالفت کرتے آئے اور بعض مغاربہ کے قول کی تاویل اس طرح کی کہ صحیح مسلم کو آسانی کے اعتبار سے ترجیح دی جاسکتی ہے کیونکہ نہ اس میں اس قدر تدقیقات فقہیہ ہیں نہ نکات اصولیہ نہ انتشار سلسلہ اسانید نہ اس قدر اشارات غامضہ جن کے حل کرنے کے لیے سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ اور اس پر بھی علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ کے ذمہ اس کی شرح کا قرض باقی ہے۔

حافظ عبدالرحمن بن علی بن الدیبع [3] کا فیصلہ یہ ہے:

تنازعَ قومٌ فی البخاری و مسلمٍ   لدیّ و قالوا ایُّ هٰذا مقدمُ

---

[1] مقدمة الفتح ص ۱۱، النکت علی ابن الصلاح ۲۸۵/۱۔ ابن حجر نے ان دونوں کتابوں میں خلیلی کی ارشاد ۹۶۲/۳ سے نقل کیا ہے اور حافظ سے ابن رُشید نے السنن الابین ص ۴۷ پر نقل کیا ہے۔

[2] مقدمة فتح الباری ص ۱۱ اور قول ثانی انھوں نے النکت میں بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ہم نے دارقطنی سے نقل کیا ہے۔ یہی بات ابو العباس قرطبی نے المفهم شرح صحیح مسلم میں حزم کے ساتھ بیان کی ہے اور امام بخاری کی امام مسلم پر فضیلت کے متعلق آئمہ کا کلام بہت زیادہ ہے اور اس کے لیے اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام بخاری فن حدیث میں امام مسلم سے زیادہ بڑے عالم تھے اور امام مسلم خود ان کے اس فن میں مقدم اور امام ہونے اور معرفت حدیث میں متفرد ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ مقدمة فتح الباری ص ۱۱۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے صحیح بخاری کے صحیح مسلم سے افضل ہونے کی وجوہات ذکر کی ہیں۔

[3] یہ زبیدی شافعی ہیں، ۹۴۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی تالیفات میں سے "تمییز الطیب من الخبیث ممایدور علی السنة الناس من الحدیث" ہے۔ معجم المؤلفین ۱۵۹/۵ اور یہ کتاب ان کے شیخ سخاوی کی "المقاصد الحسنة" کا اختصار ہے۔

فقلت لقد فاز البخاری صحۃً　　کما فاق فی حسن الصناعۃ مسلمٌ[۱]

ایک قوم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ترجیح میں بحث کرتی ہوئی میرے پاس فیصلہ کے لیے آئی اور پوچھا کہ کون ان میں سے مقدم ہے؟ میں نے جواب دیا کہ صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری کو ترجیح ہے اور حسن ترتیب کے اعتبار سے صحیح مسلم کو۔

لیکن اس فیصلہ میں صحیح بخاری کی صرف صحت کے اعتبار سے فوقیت بتائی گئی ہے۔ حالانکہ علاوہ صحت کے امام بخاری کی فقاہت سونے میں سہاگہ اور خاتم کے لیے نگینہ ہے۔[۲]

حدیثوں کی تکرار اور اختصار و تقطیع کے فوائد

بعض کوتاہ بینوں نے صحیح بخاری پر یہ اعتراضات کیے تھے کہ اس میں اکثر حدیثیں مکرر ہیں۔ بعض حدیثیں مختصر ہیں۔ کہیں کہیں امام بخاری حدیثوں کو ٹکڑے کر کے لاتے ہیں۔ یہ تینوں اعتراضات کچھ آج ہی کے نہیں، آج سے بہت پہلے ہو چکے ہیں۔

علامہ محمد بن طاہر مقدسی نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام "جواب المتعنت" ہے۔ اس رسالہ میں علامہ موصوف نے ان باتوں پر مفصل بحث کی ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے اپنے مقدمۃ الفتح میں اس کے ابحاث کچھ نقل کیے ہیں۔ ہم بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ ہماری اردو زبان اس سے بے نصیب نہ رہے۔

امام بخاری کا طرز عمل صحیح بخاری کی تالیف میں یہ ہے کہ ایک ہی حدیث کو کئی کئی باب میں ذکر کرتے ہیں لیکن ہر باب میں سلسلہ سند بدلا ہوا ہوتا ہے۔ وہ ایک حدیث سے متعدد مسائل استخراج کرتے ہیں اور تبدیل سند سے حدیث کی قوت کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ ایک حدیث کو بلا تبدیل سند اور بلا تغایر الفاظ امام بخاری نے دہرایا ہو۔ تکرار سے چند فائدے حسب ذیل مقصود ہیں۔

۱۔ کسی حدیث کو پہلے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں۔ پھر دوسری جگہ دوسرے صحابی سے۔ تیسری جگہ تیسرے صحابی سے جس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث غربت کے درجے سے نکل کر شہرت یا تواتر معنوی کے درجے کو پہنچ جائے۔ اسی طرح وہ دوسرے طبقے اور تیسرے طبقے کے راویوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے شیوخ تک اس سلسلے کو لے

---

۱. الفوائد الدراری، الحطۃ ۱۹۲۔

۲. امام نووی نے کہا ہے کہ علماء رحمہم اللہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ قرآن عزیز کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح کتابیں بخاری اور مسلم کی صحیحین ہیں اور امت نے ان دونوں کو قبولیت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لے لیا ہے اور صحیح بخاری صحیح مسلم سے زیادہ صحیح ہے اور اس میں فوائد بھی زیادہ ہیں اور یہی قول مختار ہے جو کہ اکثریت نے اختیار کیا ہے اور اسی پر اہلِ اتقان اور حذّاق (بڑے ماہر سمجھ دار) اور احادیث کے اسرار و رموز کی غوطہ زنی کرنے والے ہیں......الخ مقدمۃ صحیح مسلم ۱/۱۴

جاتے ہیں۔ جو لوگ اس فن سے نابلد ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث کو مکرر، سہ مکرر کر دیا ہے۔ حالانکہ اس تکرار میں علاوہ استنباط مسائل فقہیہ کے اہل فن کی نگاہ میں بہت سے فائدے ہیں۔

۲۔ امام بخاری نے اس قاعدہ کی بنا پر بہتیری حدیثوں کی تصحیح اپنی شدید شرطوں کے مطابق کر ڈالی جو معانی متغائرہ اور مفاہیم متفرقہ عدیدہ رکھتی تھیں اور ان سے ہر باب میں جداگانہ مسائل مستنبط کیے۔

۳۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو راوی مکمل روایت کرتا ہے اور دوسرا مختصر۔ امام بخاری اس حدیث کو جس طرح جس سلسلہ سے وارد ہوئی، مکرر لاتے ہیں جس سے شبہ ناقلین کی جانب سے رفع ہو جاتا ہے کہ یہی ایک راوی کبھی تو مختصر روایت کرتا ہے اور کبھی مکمل۔ حالانکہ اس اختصار اور تکمیل میں اس کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس حدیث کو صحابی یا تابعی نے بعض شاگردوں سے مکمل اور بعض سے مختصر بیان کیا ہوتا ہے۔

۴۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقلین صحابہ ایک ہی واقعہ یا حدیث کو روایت بالمعنی کے قاعدہ پر مختلف الفاظ میں روایت کرتے ہیں جن سے مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں۔ امام بخاری ان سب الفاظ کو جداگانہ بابوں میں ذکر کرتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ وہ تمام الفاظ امام بخاری کی شروط کے مطابق ہوں اور ہر ایک کی سند بھی مختلف ہو۔

۵۔ بعض احادیث ایسی ہوتی ہیں جن کے ارسال اور اتصال میں اختلاف ہوتا ہے اور اتصال امام بخاری کے نزدیک راجح ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں سلسلہ اسانید کو ذکر کر کے اشارہ کرتے ہیں کہ یہاں ارسال کچھ مضر نہیں۔

۶۔ بعض حدیثیں ایسی ہوتی ہیں جن کے موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہوتا ہے اور امام بخاری کے نزدیک مرفوع ہونا راجح ہوتا ہے۔ یہاں بھی دونوں سلسلہ اسانید کو لا کر متنبہ کر دیتے ہیں کہ موقوف روایت کرنے سے رفع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا۔

۷۔ بعض اوقات کسی حدیث کے سلسلہ سند میں کسی نیچے کے راوی نے کسی شیخ کو بڑا کر دیا۔ دوسرے راوی نے اس کو حذف کر کے روایت کیا۔ امام بخاری نے ان دونوں سلسلہ اسانید کو ذکر کر کے یہ بتایا کہ فلاں راوی نے اپنے شیخ سے حدیث سنی اور اس کے بعد شیخ الشیخ سے بھی سنی۔ لہذا ان دونوں راویوں کا قول صحیح ہے۔ جس نے شیخ کو بڑھایا ہے۔ وہ پہلے سماع کے اعتبار سے ہے جس نے حذف کر دیا، وہ دوبارہ شیخ الشیخ کے سماع کے اعتبار سے ہے۔

۸۔ کبھی معنعن کے اتصال ثابت کرنے کے لیے حدیث کو مکرر لاتے ہیں۔ [1]

بعض شیوخ حدیث نے صحیح بخاری کی شرح میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ ''**باب قصر الخطبة بعرفة**'' کے بعد ''**باب تعجيل الوقوف بعرفة**'' ہے۔ امام بخاری نے (اپنے کسی تلمیذ سے) فرمایا، اس باب میں امام مالک کی وہ حدیث لانی مناسب ہے جو زہری سے مروی ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ حدیث بالکل مکرر ذکر کی جائے۔ [2]

---

[1] مقدمة فتح الباری ص ۱۵. ۱۶. اس میں مؤلف رحمہ اللہ نے بعض کلمات وضاحت کی خاطر اپنی طرف سے لکھے ہیں۔

[2] فتح الباری ۳/ ۵۱۴. ۵۱۵۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ امام بخاری حدیث کو بلا کسی فائدہ کے مکرر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اگر (صرف مسئلہ فقہی کے ثابت کرنے کے لیے) بلا نکتہ حدیثیہ کے تکرار ہوگئی ہو تو محض شاذ ہوگا۔ اور محض کسی اتفاقی وجہ سے ہوا ہوگا۔ [1]
اگر متن حدیث کے الفاظ قلیل ہیں یا ایک جملہ کو دوسرے جملوں سے ایسا ارتباط ہے کہ الگ کرنے سے معنی میں خلل پڑ جاتا ہے اور ساتھ اس کے حدیث سے کئی مسئلے بھی مستنبط ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں حدیث کو بلا اختصار اور تقطیع کے مکرر لاتے ہیں لیکن فائدہ حدیثیہ کو ملحوظ رکھ کر سند کو بدل دیتے ہیں اور کم از کم شیوخ ہی بدل جاتے ہیں اور سند قوی ہو جاتی ہے۔ اور اگر سند بالکل ایک ہوتی ہے اور کوئی نکتہ حدیثیہ خیال میں نہیں آیا تو اس صورت میں ایک جگہ حدیث کو موصول پوری سند سے ذکر کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فیہ عن فلان صرف اشارہ سے کام لیتے ہیں۔

اور اگر متن طویل ہے اور ایک باب کو دوسرے سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ ان کو الگ کرنے میں معنی میں خلل واقع ہو تو ایسی حالت میں ہر ٹکڑے کو علیحدہ باب میں نئی نئی سند سے لاتے ہیں اور ان سے مسئلے ثابت کرتے ہیں اور پوری حدیث کسی مقام میں ذکر کر دیتے ہیں لیکن یہ صورت کہ حدیث کے ایک ٹکڑے کو ذکر کیا ہو اور بقیہ کہیں نہیں مذکور ہو۔ یہ صورت وہیں پیش آئی ہے جہاں مرفوع (حقیقی یا حکمی) اور موقوف دونوں ٹکڑے ملے ہوئے ہوں۔ امام بخاری مرفوع کو ذکر کرتے ہیں اور موقوف کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ان کے موضوع کتاب سے خارج ہے مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ''انّ اهل الاسلام لا يسيبون و انّ اهل الجاهلية كانوا يسيبون'' کو لے لو۔ چونکہ یہ ٹکڑا حکماً مرفوع ہے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا اور بقیہ الفاظ اس حدیث کے موقوف تھے۔ ان کو حذف کر دیا۔ پوری حدیث مرفوع اور موقوف مل کر یہ ہے، ''جاء رجل الى عبدالله بن مسعود فقال انى اعتقت عبدالى سائبة فمات و ترك ما لا ولم يدع وارثا فقال عبدالله ان اهل الاسلام لا يسيبون و ان اهل الجاهلية كانوا يسيبون فانت ولى نعمة فلك ميراثه فان تاثمت وتحرجت فى شئى فنحن نقلبه منك و نجعله فى بيت المال''. اس میں صرف وہ ٹکڑا جو حکماً مرفوع تھا، اس کو امام بخاری نے ذکر کیا۔ بقیہ کو کتاب بھر میں کہیں ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ان کی کتاب کا موضوع نہیں ہے۔ [2] اور اس اختصار سے کسی طرح کا خلل پیدا نہیں ہوا۔ یہاں ہم صحیح بخاری کی تعلیقات جس کو امام بخاری نے ترجمة الباب میں یا ترجمة الباب کے استدلال یا تائید میں پیش کیا ہے و نیز متابعات جو سندوں کو قوت دینے کی غرض سے یا سند کا اتصال ثابت کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں، ہم ان دونوں کی بحث بوجہ اس کے کہ صاحبان اردو خوان کے لیے یہ بحث چنداں مفید نہیں و نیز طویل بھی ہے، ترک کرتے ہیں۔ [3]

✦✦✦

---

[1] مقدمة الفتح ص ۱۲۔

[2] مقدمة الفتح ص ۱۲ اور مذکور حدیث بخاری کتاب الفرائض باب ميراث السائبة ۱۲/۴۰ ح ۶۷۵۳ پر موجود ہے۔

[3] اس غرض کے لیے حافظ ابن حجر نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام تغليق التعليق رکھا ہے تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع ممکن ہے۔ کیوں کہ وہ بحمد اللہ مطبوع ہے۔

باب : ۴

صحیح بخاری کے شروح وحواشی اوران کی کیفیات

صحیح بخاری کے جلیل القدر اور بلند پایہ ہونے کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک علمائے اسلام بلا امتیاز کسی فرقہ کے برابر اس کی خدمت میں مصروف رہے ہیں۔ کسی نے شرح لکھی، کسی نے صرف اس کے رجال پر توجہ کی، بعضوں نے اس کے ابواب فقہیہ اور تراجم ابواب کے دقائق کی چھان بین کی، کسی نے اس کی تجرید کی، کسی نے اختصار۔ بعض اہل علم نے اس کے تعلیقات کو موصول کیا۔ اکثر اہل علم نے الفاظ غریبہ مشکلہ کے لغات لکھے۔ کسی نے نحوی مسائل کے شواہد جمع کیے۔ بعض شیوخ نے اس کے شروط پر بحث لکھی۔ بعض محدثین نے اس کی حدیثوں کی تنقید پر کتابیں لکھیں۔ اکثر اساتذہ فن نے حواشی وتعلیقات لکھے۔ کسی نے مستدرک لکھی۔ شروح میں بھی کسی نے مبسوط لکھی، کسی نے متوسط اور ہر ایک کے مقاصد اور عنوان الگ الگ۔

صحیح بخاری کی شروح اور جو کتابیں اس کے متعلق لکھی گئی ہیں، ان کا استقصا کرنا ایک دشوار امر ہے۔ اس بے مائیگی پر بھی جس قدر شروح وحواشی کا پتہ چل سکا۔ وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ افسوس وہ شروح جن کا ذکر محدثین نے اپنی تالیفات میں کیا ہے لیکن ان کے نام اور مفصل حالات نہیں بتائے، ان کے مفصل تذکرہ سے مجبوری رہی۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمن بن سلیمان الاہدل الیمانی [1] اپنی کتاب النفس الیمانی میں لکھتے ہیں کہ ہمارے شیوخ میں علامہ عمر بن عبدالقادر بلغاری بھی ہیں جو مدتوں ہمارے وطن میں مقیم رہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے قاضی بلخ کے کتب خانہ میں صحیح بخاری کی گیارہ شروح بچشم خود دیکھی ہیں۔ جو ہر ایک حجم میں فتح الباری کے برابر تھیں۔ [2]

مگر افسوس کہ ان گیارہ شروح کے نام اور مفصل حالات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں۔

---

[1] وہ عبدالرحمٰن بن سلیمان اہدل یمانی، امام شوکانی کے شیوخ میں سے ہیں۔ انھوں نے متعدد کتب لکھی ہیں ان میں "المنہج السوی حاشیۃ المنھل الروی" علامہ نواب صدیق حسن خان نے کہا ہے کہ اس کتاب میں ان کے علم حدیث میں کمال مہارت رکھنے اور ان کے جلیل القدر آئمہ حدیث میں سے ہونے کی دلیل ہے۔ ان کی وفات زبید میں ۱۲۵۰ھ کو ہوئی۔ ابجدالعلوم ۳/۱۸۸ التاج المکلل ص ۴۱۴، معجم المؤلفین ۵/۱۴۰۔

[2] النفس الیمانی کا ایک نسخہ علامہ شمس الحق کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ [مؤلف]

عربی شروح وحواشی [1]

۱۔ اعلام السنن : [2]

الامام ابو سلیمان حمد بن محمد البُستِی [3] المعروف بالخطابی المتوفی ۳۸۸ ھ۔ [4]

یہ ایک نہایت پاکیزہ شرح ہے۔ ابتدا کا لفظ "الحمد لله المنعم" ہے۔ مصنف نے اپنی مشہور کتاب معالم السنن [5] سے فارغ ہو کر بلخ میں لوگوں کے بڑے تقاضے پر ایک جلد میں لکھی۔ محمد تمیمی نے ان ضروری متروکات کے پورا کرنے کا التزام کیا جو خطابی سے واقع ہوئے تھے اور جس قدر اوہام خطابی سے اس شرح میں صادر ہوئے، اس پر بھی بحث کی۔ [6] اس کا نسخہ کتب خانہ ایا صوفیا واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ [7]

۲۔ شرح المُهَلَّب : [8]

---

[1] شرح وحواشی وتعلیقات زیادہ تر کشف الظنون، مقدمہ قسطلانی، الحطة، اتحاف النبلاء، الفوائد الدراری اور مختلف کتب خانوں کی فہرستوں سے ماخوذ ہیں جو پٹنہ کے مشہور کتب خانہ میں موجود تھیں۔ ان کے سوا میرا تتبع اور استقراء ہے۔ [مؤلف]

[2] کشف الظنون ۱/۳۶۵، الحطة ۲۱۲، تاریخ التراث ۱/۱۷۷، معجم المؤلفین ۴/۷۴، مقدمة القسطلانی ۱/۳۵، تاریخ الادب بروکلمان ۳/۱۶۷۔

[3] بست بضم الباء، ایک علاقہ جو بجستان غزنی اور ہرات کے درمیان واقع ہے۔ (عبید اللہ)

[4] اصل اردو میں ان کی تاریخ وفات ۳۰۸ھ تھی شاید وہ طبع کی غلطی ہو۔ جو میں نے سیر اعلام النبلاء سے ۳۸۸ھ نقل کی وہ صحیح ہے اور امام ذہبی نے اس میں اور قول نقل نہیں کیا اور بعض نے ان کی وفات ۳۸۶ھ بتائی ہے۔ اسی طرح ان کا نام اصل اردو میں احمد لکھا گیا ہے جبکہ حافظ سلفی نے حمد بتایا ہے اور جمہور بھی حمد ہی بتاتے ہیں اور ابو عبید ھروی اور ثعالبی نے احمد بتایا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۱۷/۲۳، مقدمة محقق کتاب اعلام الحدیث، "الامام الخطابی و منهجه فی العقیدة" للحسن بن عبدالرحمن العلوی جو کہ دار الوطن، ریاض نے ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷م کو طبع کیا۔

[5] یہ سنن ابو داؤد کی شرح ہے اور مطبوع ہے۔

[6] کشف الظنون ۱/۵۴۵۔

[7] اعلام السنن کا قلمی نسخہ کتب خانہ قلمی دار العلوم جرمنی میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا۔ (عبید اللہ) سزگین نے عالمی لائبریریوں میں اس کے اور نسخے بھی بتائے ہیں تاریخ التراث ۱/۱۷۷۔ اور یہ کتاب ہمارے دوست بھائی ڈاکٹر امیر محمد بن سعد بن عبدالرحمن آل سعود کی تحقیق سے بعد میں چھپ چکی ہے۔ انھوں نے اس کی تحقیق کر کے جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اور اس محقق ساتھی نے اس کتاب کے کئی نام ذکر کیے ہیں۔ جن کی تعداد ۱۱ تک پہنچ چکی ہے اور انھوں نے "اعلام الحدیث" نام اختیار کیا ہے۔ جامعہ ام القری میں مرکز احیاء التراث الاسلامی کی طرف سے ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸م کے مطابق چار جلدوں میں چھپی ہے۔

[8] کشف الظنون ۱/۳۶۵، الحطة ۲۱۲، مقدمة القسطلانی ۱/۳۵۔

مهلب بن ابی صفرة الازدی المتوفی [1] سنة ۴۳۵ ھ۔ [2]
علاوہ شرح کے مہلب نے صحیح بخاری کی تجرید بھی کی ہے۔

۳۔مختصر شرح المهلب : [3]
ابو عبدالله محمد بن خلف المرابط تلميذ مهلب المتوفی سنة ۴۸۵ھ۔
اسی شرح مہلب کومختصر کر کے اس پر بہت سے فوائد بڑھائے ہیں۔ [4]

۴۔الاجوبة علی المسائل المستغربة من البخاری : [5]
ابن عبدالبر المالکی المولود فی سنة ۳۶۸ھ [6] والمتوفی ۴۶۳ ھ۔ [7]

---

[1] چند شارحین کے سن وفات کا پتہ نہیں چل سکا۔صاحب کشف الظنون نے بھی باوجود اس خوش قسمتی کے کہ ان کے پاس مراجع کا وسیع ذخیرہ تھا، بیاض چھوڑ دیا اور جس قدر ان کے پاس مواد تھے، وہ کام نہ دے سکے۔علامہ نواب صدیق حسن خان بھی رقم طراز ہیں۔لم اقف علی سنة الوفات ھٰهنا و كذا فيما بعد فی مواضع متعددة فمن وقف عليه فليثبتہٗ و كذالك لم يذكرها صاحب كشف الظنون فيه لانه لم يقف عليها .(الحطة ۲۱۳[مؤلف]
میں کہتا ہوں کہ ہم نے کوشش کی ہے کہ شارحین بخاری میں سے جن کی تاریخ پیدائش ہمیں ملی ہے وہ ان کے نام کے ساتھ ہی لکھ دی جائے اور حاشیہ میں ہر دفعہ اس کا ذکر ملال کا سبب ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔اسی طرح ان کے نسب میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور ان کو قوسین میں لکھ دیا گیا ہے۔اسی لیے ہم ہر دفعہ ان پر تعلیقات نہیں لکھیں گے کیوں کہ یہ طول کا سبب بن سکتا ہے۔

[2] یہ مہلب بن احمد بن ابی صفرہ اسید بن عبداللہ اسدی اندلسی مَرِیّی ہیں مَرِیّہ کی طرف نسبت ہے۔اندلس کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔یہ شرح بخاری کے مصنف ہیں ۴۳۵ھ میں وفات پائی، سیر اعلام النبلاء ۵۷۹/۱۷۔

[3] کشف الظنون ۱/۳۶۵(۵۴۵۱) مقدمة القسطلانی ۱/۳۵ ، الحطة ص ۲۱۳۔

[4] اس شرح کا ذکر ابن بشکوال نے بھی الصلة ۵۵۷/۲ میں کیا ہے اور ابن فرحون نے کہا ہے کہ ان کی بخاری کی ایک بڑی شرح ہے جو کہ اچھی شرح ہے اور لوگوں نے اس سے اس شرح کا سماع کرنے کی خاطر سفر کیے۔الدیباج المذهب ۲/ ۲۴۰ نیز دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۵۲۷/۱۸ ، الوافی بالوفیات ۳/ ۴۶،معجم المؤلفین ۲۸۴/۹۔

[5] کشف الظنون ۱/ ۳۶۵، ۵۴۵/۱، الحطة ۲۶۳۔

[6] اصل اردو میں ۳۲۸ھ تھی۔اس کی تصویب اس کے مصادر ترجمہ سیر اعلام النبلاء ۱۵۳/۱۸ وغیرہ سے کی گئی ہے۔

[7] وہ امام علامہ حافظ المغرب شیخ الاسلام ابو عمر یوسف بن عبدالبر نمری اندلسی قرطبی ہیں۔ کتاب التمهید، کتاب الاستذكار وغیرہ کے مصنف ہیں۔امام ذہبی نے ان کی کتاب کا نام الاجوبة الموعبة ذکر کیا ہے۔ السیر ۱۵۹/۱۸۔ اسی طرح کشف الظنون ۱۲/۱ میں ہے۔اور "ابن عبدالبر الاندلسی وجهوده فی التاريخ " کے مؤلف نے اس کا نام "الاجوبة الموعبة فی المسائل المستغربة فی كتاب البخاری" ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کا ایک نسخہ ترکی میں ہے ص ۲۱۳، ۲۱۴۔ کشف الظنون میں ایک جگہ ۱/ ۵۴۵ اور ھدیة العارفین ۲/ ۵۵۰ میں الاجوبة المرعبة ......الخ لکھا ہوا ہے۔

مہلب نے جن سوالوں کے جوابات دیے تھے انہیں کو علیحدہ ضبط کیا ہے۔علامہ ابن حزم کے جوابات بھی ہیں۔ [1]

۵۔ شرح السراج : [2]

العلامة ابو الزنادالمتوفی سنة ۴۲۲ھ۔

اس شرح کے متعلق نہ صاحب کشف الظنون کچھ بولے نہ علامہ قسطلانی اور نہ علامہ عجلونی نے کچھ لکھا۔

۶۔شرح ابن بطال : [3]

الامام ابو الحسن علی بن خلف (بن عبدالملك) ابن بطّال المتوفی ۴۴۴ یا ۴۴۹ھ۔ [4]

اس شرح کا اکثر حصہ مذہب مالکیہ کے مسائل سے مملو ہے۔گویا مؤلف نے اصل موضوع (شرح) سے الگ ہو کر اس شرح کو مالکی مذہب کا گنجینہ بنایا ہے۔

۷۔ شرح صحیح البخاری : [5]

ابو حفص عمر بن الحسن بن عمر الهَوْزنی الاشبیلی المتوفی ۴۶۰ھ۔ [6]

صاحب کشف الظنون وصاحب حطہ وغیرہ نے اس کا مفصل حال نہیں لکھا۔

۸۔ شرح صحیح البخاری : [7]

---

[1] اسی طرح کشف الظنون ۱/۵۴۵ میں ہے اور اسی سے الحطة ص ۲۲۳ میں بتحقیق حلبی منقول ہے اور ارشاد الساری ۱/۴۳ میں ہے کہ مہلب نے ان سے ان مسائل کے بارے میں سوالات کیے۔

[2] داراحیاء التراث العربی کے عکس مقدمة القسطلانی ۴۱۱ میں اسی طرح ہے، کشف الظنون ۱/۳۶۵ (۱/۵۴۵)، الحطة ۲۱۳۔ یہ سراج شاید ابوالزناد سراج بن سراج بن محمد بن سراج ہی ہو جو کہ اہل قرطبہ میں سے ہیں انھوں نے ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم اصیلی وغیرہ سے روایت کی ہے اور وہ فقیہ، ثقہ اور صدوق تھے۔ ان کی وفات ۴۲۲ھ کو ہوئی۔ ان کا تعارف ابن بشکوال نے اپنی کتاب الصلة ۱/۲۲۶ میں کرایا ہے۔دیکھیے: تعارف وترجمہ نمبر ۵۱۷۔

[3] مقدمة قسطلانی ۱/۳۵۔ قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے اس شرح کا مطالعہ کیا ہے۔ کشف الظنون ۱/۳۶۵ (۱/۵۴۵) الحطة ص ۲۱۳ اور اس شرح کے کئی قلمی نسخے پائے جاتے ہیں دکتور فواد سزگین نے ان کا ذکر تاریخ التراث ۱/۱۷۸ پر کیا ہے اور بعد میں یہ چھپ چکی ہے۔

[4] اس کا ترجمہ وتعارف کتاب الصلة ۲/۴۱۴ لابن بشکوال میں ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ ابن بطال نے بخاری کی چند اجزاء میں شرح لکھی ہے اور لوگوں نے ان سے وہ روایت کی ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۸/۴۷ اور انھوں نے کہا وہ ۴۴۹ھ میں فوت ہوئے دیکھیے شجرة النور الزكية ۱/۱۱۵ وغیرہ۔

[5] مقدمة قسطلانی ۱/۳۵، کشف الظنون ۱/۳۶۵، هدية العارفين ۱/۷۸۲، الحطة ۲۱۳،معجم المؤلفين ۷/۲۸۲۔

[6] ان کا تعارف ابن بشکوال کی کتاب الصلة ۲/۴۰۲، المغرب فی حلی المغرب ۱/۲۳۹ اور نفح الطيب ۲/۹۳ وغیرہ میں ہے اور اس کے تعارف کے مصادر میں "الهوزنی" ہی لکھا ہے۔مقدمة القسطلانی میں "الفوزنی" اور کشف الظنون کی اتباع میں اصل اردو میں "العوزی" لکھا گیا ہے۔

[7] مقدمة القسطلانی ۱/۳۵، کشف الظنون ۱/۳۶۵، الحطة ۲۱۳ اور ان کے نزدیک یہ ایک بہت وسیع شرح ہے۔

ابو القاسم احمد بن محمد بن عمر بن ورد التمیمی المتوفی سنة ۵۴۰ھ۔ ❶

یہ شرح بہت بسیط ہے لیکن مقاصد کا پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔

۹۔شرح ابن التین :

الامام عبدالواحد بن التین السَّفاقِسیّ ❷ المتوفی ۶۱۱ھ۔ ❸

حافظ فتح الباری میں اس شرح کے اقوال ردًّا یا اثباتاً پیش کرتے ہیں۔

۱۰۔شرح ابن المُنَیِّر : ❹

الامام ناصر الدین علی بن محمد بن المنیر الاسکندرانی ❺ المتوفی سنة ۶۹۵ھ۔

یہ بہت بڑی شرح دس ضخیم جلدوں میں ہے۔امام ناصر الدین نے ابن بطال کی شرح پر حواشی بھی لکھے ہیں۔

---

❶ وہ احمد بن محمد بن عمر بن یوسف بن ادریس بن عبداللہ بن ورد تمیمی ہیں۔ اندلس میں اہل مَرِیّہ میں سے ہیں، ابن ورد کے نام سے معروف ہیں۔ ملاحی نے کہا ہے کہ جلیل القدر فقہاء محدثین میں سے تھے۔ انھوں نے ابوعلی غسانی وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان کی ایک خاص مجلس ہوتی تھی جس میں بخاری ومسلم کی توضیح کیا کرتے اور گفتگو فرماتے، ۵۴۰ھ میں وفات پائی۔ الاحاطة ۱/۱۷۹، ۱۷۱ اس میں احمد بن عمر لکھا ہے۔ الدیباج المذهب ۱/۱۸۵، شجرۃ النور الزکیة ۱/۱۳۴۔

❷ کشف الظنون ۱/۵۴۶، الحطة ۲۱۳، مقدمة القسطلانی ۱/۳۵، قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔

❸ وہ ابومحمد عبدالواحد بن تین صفاقسی ہیں۔ ان کی بخاری پر مشہور شرح ہے۔ اس کا نام "المخبر الفصیح فی شرح البخاری الصحیح" ہے۔ شجرۃ النور الزکیة ۱/ ۱۶۸ میں ہے کہ اس میں فقہی مسائل کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں خوبصورت عبارات اور لطیف اشارات کے ساتھ ساتھ مدوّنہ کتب اور ان کے شارحین کا بہت سا کلام شامل کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان کی شرح پر اعتماد کیا اور اسی طرح ابن رشید وغیرہ نے بھی کیا ہے۔ وہ ۶۱۱ھ میں فوت ہوئے اور سفاقسی سفاقس کی طرف نسبت ہے اور وہ افریقہ کے نواح میں سمندر کے کنارے پر ایک شہر ہے۔ اس کے اور مهدیہ شہر کے درمیان تین دن اور اس کے اور سوسہ شہر کے درمیان دو دن اور قابس شہر کے درمیان تین دن کی مسافت ہے اور وہ سمندر پر ہے اور اس کے گرد فصیل محیط ہے۔ معجم البلدان ۳/۲۲۳ اور شجرۃ النور میں صاد کے ساتھ صفاقسی لکھا گیا ہے۔

❹ مقدمة فتح الباری ص ۱۴، مقدمة القسطلانی ۱/۳۵، کشف الظنون ۱/۵۴۶، معجم المؤلفین ۷/۲۳۴

❺ ان کا ترجمہ وتعارف گزر چکا ہے کشف الظنون اور حطة میں ناصر الدین ہی لکھا ہے۔ وہیں سے مؤلف نے نقل کیا ہے حالانکہ ناصر الدین ان کے بھائی احمد بن محمد بن المنیر کا لقب ہے اور حافظ ابن حجر نے مقدمہ میں اور ان سے قسطلانی نے نقل کر کے صراحت کی ہے کہ یہ شرح زین الدین ابن المنیر کی ہے اور قسطلانی نے کہا ہے کہ یہ شرح تقریباً دس جلدوں میں ہے۔

اور ابن فرحون نے زین الدین کے احوال میں کہا ہے کہ ان کی کئی اجزاء میں بخاری کی ایک شرح ہے۔ بخاری پر اس کی مثل کام نہیں ہوا۔ بخاری کا ترجمة الباب ذکر کر کے اس پر کئی طرح کے مشکل سوالات وارد کرتے ہیں اور سوالات بھی بہت ضروری ہوتے ہیں پھر ان سوالات کا جواب دیتے ہیں پھر فقہ الحدیث اور مذاہب فقہاء پر گفتگو کرتے ہیں پھر ایک مذہب کو ترجیح دیتے ہیں اور فروع کا ذکر کرتے ہیں۔ الدیباج المذهب ۲/۱۲۳ اور سیوطی نے حسن المحاضرۃ ۱/۳۱۷ پر کہا ہے کہ ان کی بخاری پر ایک عظیم شرح ہے۔

۱۱۔المتواری علی تراجم البخاری :
ایضاًالامام ناصر الدین علی بن محمد بن المنیر الاسکندرانی المتوفی سنة ۶۹۵ھ۔ [1]
امام موصوف نے صحیح بخاری کے چارسوسوالات مشکلہ کوچن کران کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔

۱۲۔شرح صحیح البخاری : [2]
ابو الاصبغ عیسٰی بن سھل بن عبداللہ الاسدی المتوفی سنة ۴۸۶ھ۔ [3]
اس شرح کا حال بھی صاحب کشف الظنون اورصاحب حطہ وعلامہ عجلونی نے کچھ نہیں لکھا۔

۱۳۔[البدر المنیر الساری فی الکلام علی البخاری] شرح صحیح البخاری للحلبی : [4]
قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور ابن منیر [5] الحلبی الحنفی المتوفی سنة ۷۳۵ھ۔
یہ شرح دس جلدوں میں صرف نصف کتاب تک پہنچی ہے۔علامہ حلبی نے ایک طویل شرح لکھنے کا قصد کیا تھالیکن اس کے

---

[1] کشف الظنون ۱/۳۶۵ ، الحطة ۲۱۳ ،معجم المؤلفین ۷/۲۳۷ میں اسی طرح ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ شرح ابوالعباس احمد بن محمد بن منصور بن المنیر کی ہے جن کا لقب ناصر الدین ہے، ۶۸۳ھ میں وفات پائی اور یہ زین الدین علی بن المنیر متوفی ۶۹۵ھ کے بھائی ہیں۔ دیکھیے:تاریخ التراث ۱/۱۹۸، مقدمة الفتح ص ۱۴۔ ہمارے پاس ان کے موجود مخطوطہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے (المراجع) میں کہتا ہوں کہ اس کا ذکر تراجم بخاری پرلکھی گئی کتب میں ہو چکا ہے اور یہ شیخ صلاح الدین مقبول احمد کی تحقیق سے چھپ چکی ہے۔

[2] مقدمة القسطلانی ۱/۳۵ ، کشف الظنون ۱/۳۶۵ ، الحطة ۲۱۳، معجم المؤلفین ۲۵/۸ ۔

[3] ان کا تعارف کتاب الصلة لابن بشکوال ۲/۴۳۸، الدیباج المذھب ۲/۷۰ ، سیر اعلام النبلاء ۱۹/۲۵ وغیرہ میں ہے۔

[4] کشف الظنون ۱/۳۶۵، الحطة ۲۱۳ ، مقدمة القسطلانی ۱/۳۵ ، تاریخ التراث ۱/۱۷۸ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۸ (المراجع)
البدر سے لےکرالبخاری تک قوسین میں مذکورالفاظ کا میں نے سزگین کی تاریخ التراث سے اضافہ کیا ہے۔

[5] کشف الظنون میں منیر کی جگہ مسیر کا لفظ ہے اور منیر صحیح ہے اسی طرح ان کی تاریخ وفات ۷۳۵ھ صحیح ہے جیسا کہ الدرر الکامنة ۲/۳۹۸ میں ہے۔
میں کہتا ہوں کہ میں نے مصنف کے بتانے کے مطابق اس کی تصحیح کر دی ہے اور دوسرے مصادر میں بھی اسی طرح ہی ہے اور یہ امام ذہبی کے شیخ ہیں۔امام ذہبی نے ان کا تعارف المعجم المختص ص ۱۵۰ اور معجم الشیوخ ۱/۴۱۲ اور تذکرة الحفاظ ۴/۱۵۰۲ میں کیا ہے۔
ان کے شاگرد ابن جابر وادی آشی نے کہا ہے کہ ان کی اب دو کتابیں ہیں ان میں سے ایک بخاری کی شرح ہے، وہ اندازہ ہے کہ ۱۱۵جزاء میں ہوگی برنامج ابن جابر ص ۸۳۔
اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ بخاری کی شرح لکھنے میں شروع ہوئے اور وہ طویل شرح ہے اس کے اوائل کا نصف کے قریب مبیضہ تیار کیا ہے الدرر الکامنة ۲/۳۹۸۔
ابن العماد نے کہا ہے کہ انھوں نے بخاری کی بہت اچھی شرح لکھی ہے۔شذرات الذھب ۱/۴۰۲، اور دور حاضر میں اس کتاب کے دو نسخے پائے جاتے ہیں۔سزگین نے ان کا ذکر تاریخ التراث العربی ۱/۱۷۸ میں کیا ہے۔

مقاصد کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

۱۴۔التلویح :[1]

الامام الحافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج الترکی المصری الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ۔[2]

یہ شرح نہایت طویل ہے۔[3] اس کے شروع کا لفظ ہے :" **الحمدلله الذی أیقظ من خلقه**"۔ صاحب الکواکب اسی شرح کی تقریظ میں رقم طراز ہیں[4] :"**و شرحه بتتمیم الاطراف اشبه. و بصحف**[5] **تصحیح التعلیقات امثل، و کانه من اخلاء ه من مقاصد الکتاب علی ضمان ومن شروح الفاظه و توضیح معانیه علی امان**".[6]

۱۵۔مختصر شرح مغلطائی :[7]

جلال الدین رسولا بن احمد(بن یوسف) التبّانی المتوفی ۷۹۳ھ۔[8]

اس شرح کا حال بھی صاحب کشف الظنون نے بالتفصیل نہیں بتایا۔شرح بالا کا اختصار ہے۔

۱۶۔الکواکب الدراری :[9]

---

[1] الدرر الکامنة ۳۵۳/۴، تاج التراجم ص ۳۰۶ ، مقدمة القسطلانی ۳۵/۱ ، کشف الظنون ۳۶۶/۱ ، الحطة ۲۱۳ ، الاعلام للزرکلی ۱۹۶/۸ ، معجم المؤلفین ۳۱۳/۱۲ ۔

[2] ان کی تاریخ وفات اصل اردو میں ۷۸۲ھ تھی اور کشف الظنون اور حطة میں ۷۹۲ھ لکھی گئی ہے جو کہ غلط ہے۔دیکھیے: الدرر الکامنة ۳۵۲/۴ ، تاج التراجم ص ۳۰۴، طبقات الحفاظ للسیوطی ۵۳۴ ، البدر الطالع ۳۱۲/۲، شذرات الذھب ۱۹۷/۶ اور لسان المیزان ۷۲/۶ میں ۷۶۱ھ لکھا گیا ہے۔

[3] حافظ ابن حجر نے لسان میں کہا ہے کہ یہ شرح تقریباً ۲۰ جلدوں میں ہے۔

[4] یعنی الکواکب الدراری للکرمانی جس کا ذکر ابھی آ رہا ہے۔

[5] اصل اردو میں "بتصحیف" کا لفظ ہے اور کشف الظنون اور حطة میں بھی اسی طرح ہے جبکہ مقدمة الکواکب الدراری ص ۳۱۱ اور مقدمة القسطلانی میں "بصحف" کا لفظ ہے

[6] کشف الظنون ۳۶۶/۱ ، الحطة ۲۱۳۔۲۱۴ ، مقدمة القسطلانی ۳۵/۱ اور اس کلام میں مغلطائی کی شرح پر نقد کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔

[7] مقدمة القسطلانی ۳۵/۱، قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے اس شرح کو دیکھا ہے، کشف الظنون ۳۶۶/۱، شذرات الذھب ۳۲۸/۶، الحطة ۲۱۴۔

[8] شوکانی نے البدر الطالع ۱۸۶/۱ میں کہا ہے کہ جلال الدین احمد بن یوسف تبریزی معروف بہ تبانی ہے یہ تبانہ کی طرف نسبت ہے جو کہ قاہرہ کے نواح میں ہے،انھوں نے مغلطائی کی شرح بخاری کا اختصار دیا ہے۔(عبیداللہ) اور ان کے نام میں جلال بن احمد اور جلال بن رسول بن احمد وغیرہ بھی کہا گیا ہے۔دیکھیے :النجوم الزاھرة ۱۲۳/۱۲ ، الضوء اللامع ۲۸۲/۱۰ اور الاعلام ۳۲/۲ وغیرہ۔

[9] مقدمة قسطلانی ۳۵/۱، کشف الظنون ۳۶۶/۱ ، الحطة ۲۱۴ ، تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۱۶۸/۳ ، تاریخ التراث العربی ۱۷۹/۱ ، معجم المؤلفین ۱۲۹/۱۲۔

العلامة شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرماني المتوفى ٧٨٦ھ۔ [1]

یہ ایک مشہور اور متوسط شرح جامع فوائد و زوائد و نافع اہل علم ہے۔ پہلے اس شرح میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علم حدیث افضل علوم اور صحیح بخاری علم حدیث کی کتابوں میں سب سے اعلیٰ اور تعدیل اور ضبط کے اعتبار سے سب کتابوں پر فائق ہے۔ لائق مصنف نے اعراب نحویہ بعیدہ الفاظ مشکلہ غریبہ کا حل خوب کیا ہے۔ روایات، اسماء رجال اور القاب رواۃ کو بھی خوب ضبط کیا ہے۔ احادیث سے تعارض کو اٹھایا ہے۔ ۷۷۵ھ میں مکہ معظمہ میں اس کی تالیف سے فراغت پائی لیکن حافظ ابن حجر نے دُررِکامنہ ص ۳۱۱ ج ۴ میں یہ لکھا ہے کہ اس میں بہت سے اوہام واقع ہوئے ہیں [2] اگرچہ شرح بہت مفید ہے۔ [3] قسطنطنیہ کے متعدد کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ [4] اس شرح میں علامہ یحییٰ نے اپنے والد کی شرح الکواکب الدراری سے مدد لی ہے اور ابن ملقن کی شرح اور زرکشی اور دمیاطی اور فتح الباری اور البدر سے اضافہ کیا ہے۔

۱۷۔مجمع البحرين وجواهر الحبرين : [5]

علامه تقی الدين يحيٰی بن (محمد بن يوسف) الكرماني المتوفى ۸۳۳ھ۔ [6]

انھوں نے اپنے والد کی شرح الکواکب الدراری سے استفادہ کیا۔اسی طرح اس میں ابن ملقن ،زرکشی،دُمیاطی، فتح الباری [7] اور البدر سے مفید اضافے کیے۔ یہ شرح آٹھ جلدوں میں ہے۔ [8]

---

[1] ان کا تعارف دیکھیے :الدرر الکامنة ۴/ ۳۱۰ ، البدر الطالع ۲/ ۲۹۲ اور معجم المؤلفین ۱۲/ ۱۲۹۔

[2] یعنی اوہام نقل کرنے میں واقع ہوئے ہیں کیونکہ زیادہ تر اس کی گفتگو دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے۔ (مؤلف)

میں کہتا ہوں کہ یہ اصل الفاظ اس طرح ہیں: یہ شرح (باوجود یکہ اس میں نقل میں اوہام واقع ہوئے ہیں) مفید ہے کیوں کہ انھوں نے یہ شرح دوسری کتب سے نقل کر کے لکھی ہے۔ اس کے خطبے میں شرح ابن بطال، پھر شرح القطب الحلبی اور شرح مغلطائی پر عیب لگایا ہے۔ الدرر الکامنة ۴/ ۳۱۱ ۔

[3] یہ مفصل شرح مصر میں طبع ہو چکی ہے اور پھر کئی اور طباعتیں بھی ہوئی ہیں۔ (عبیداللہ)

[4] بعض شروح کا ذکر اور ان کے نام اور ان کے وجود کا پتہ ان فہرستوں (کیٹالاگ) کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے جو پٹنہ کے اورینٹل پبلک خدا بخش خان بہادر کے کتب خانہ میں ہندوستان اور قسطنطنیہ،لندن، جرمن وغیرہ کی موجود ہیں۔ (مؤلف) فواد سزگین نے اس کتاب کے بہت سے قلمی نسخوں کی نشان دہی کی ہے۔ تاریخ التراث ۱/ ۱۷۹۔

[5] کشف الظنون ۱/ ۳۶۶، الحطة ۲۱۴ ، تاریخ التراث ۱/ ۱۸۲۔ ۱۸۳ ، مقدمة قسطلانی ۱/ ۳۵. قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے یہ شرح دیکھی ہے آٹھ بڑی جلدوں میں ہے اور کرمانی کے خط سے اس کا مسودہ ہے۔معجم المؤلفین ۱۳/ ۲۳۰، الاعلام ۹/ ۲۱۱۔

[6] ان کا ترجمہ وتعارف الضوء اللامع ۱۰/ ۲۵۹، شذرات الذهب ۷/ ۲۰۶ اور معجم المؤلفین ۱۳/ ۲۳۰ میں ہے۔

[7] کشف الظنون میں اسی طرح لکھا ہے حالانکہ حافظ ابن حجر فتح الباری کے مؤلف ان کے بعد ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے ہیں اسی طرح بدر الدین عینی ۸۵۵ھ میں فوت ہوئے ہیں۔

[8] یہ شرح مؤلف کے خط سے ترکی کے کتب خانہ سرائے احمد ثالث میں آٹھ جلدوں میں موجود ہے جیسا کہ سزگین نے تاریخ التراث ۱/ ۱۸۳ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۸۔شواھد التوضیح :[1]

سراج الدین عمر بن علی بن احمد بن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ۔[2]

بڑی ضخیم شرح بیس جلدوں میں ہے۔مصنف نے ایک ضروری مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ ہر حدیث کے مقاصد دس اقسام میں منحصر ہیں۔علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ اس شرح میں ابن ملقن کا اعتماد زیادہ تر اپنے شیخ مغلطائی کی شرح تلویح پر ہے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ شرح اخیر حصہ میں بالکل قلیل النفع ہے۔[3]

۱۹۔اللامع الصبیح :[4]

العلامة شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالدائم بن موسیٰ البِرْمَاوِی المتوفی ۸۳۱ھ۔[5]

خود مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ میری شرح زرکشی کی شرح تنقیح اور کرمانی کی شرح سے ماخوذ ہے۔ ہاں اس میں

---

[1] کشف الظنون ۱/۵۴۶، الحطة ۲۱۴، الاعلام ۵/۲۱۸، مقدمة قسطلانی ۱/۳۶،قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے اس کے بہت سے حصے کا مطالعہ کیا ہے،تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/۱۶۹۔

[2] ان کا تعارف انباء الغمر ۵/۴۱، الضوء اللامع ۶/۱۰۰، حسن المحاضرۃ ۱/۴۳۸ اور البدر الطالع ۱/۵۰۸ میں ہے۔

[3] کشف الظنون ۱/۵۴۶، الحطة ۲۱۴،اوراس کا ایک قلمی نسخہ بخط حافظ سیوطی کتب خانہ قلمی دارالعلوم جرمنی میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا۔[عبیداللہ]

میں کہتا ہوں کہ حافظ سخاوی نے اپنے شیخ حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ ابن ملقن نے بیس جلدوں میں بخاری کی شرح لکھی ہے۔ زیادہ تر انھوں نے اپنے شیخ قطب اور مغلطائی کی شرحوں پر اعتماد کیا ہے اور کچھ تھوڑا سا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ اوائل میں اواخر کی بہ نسبت بلکہ نصف ثانی میں تو قلیل الفائدہ رہ گئی ہے۔ سخاوی فرماتے ہیں کہ ابن ملقن نے خود کہا ہے کہ میں نے یہ شرح اپنے شیخ مغلطائی کی شرح سے ملخص کی ہے اور مغلطائی کی شرح قطب حلبی کی شرح سے ملخص ہے اور انھوں نے اس پر اضافہ کیا ہے الضوء اللامع ۶/۱۰۲۔

فواد سزگین نے اس کے عالمی مکتبات میں چند نسخوں کے وجود کی خبر دی ہے اوران میں سے ایک ۹۰۰ ھ میں لکھا گیا تھا۔ تاریخ التراث ۱/۱۸۸ اور ہوسکتا ہے کہ یہ نسخہ سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو کیوں کہ سیوطی کی وفات ۹۱۱ ھ کو ہوئی ہے واللہ اعلم۔

اور تاریخ التراث میں ان کا نام عثمان اوران کی کتاب کا نام التوضیح کی بجائے التوحید لکھا ہے۔ہوسکتا ہے کہ یہ ان کے حالات لکھنے والوں کی غلطی سے ایسے ہوگیا ہو۔ جیسا کہ فواد سزگین اور بروکلمان نے ان کی تاریخ وفات ۸۰۵ھ لکھی ہے جبکہ دوسرے مصادر میں ۸۰۴ ھ ہے اور کشف الظنون اور حطة میں ان کی کتاب شرح بخاری کا نام شواھدالتوضیح لکھا ہے جبکہ سزگین اور بروکلمان کے ہاں التوضیح شرح الجامع الصحیح ہے، اور یہ تحریف ہے اور شواھد التوضیح ابن مالک کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ نام دونوں میں مشترک ہو ایسے بہت دفعہ ہو جاتا ہے۔

[4] کشف الظنون ۱/۵۴۶، الحطة ۲۱۵، تاریخ التراث ۱/۱۸۲، مقدمة قسطلانی ۱/۳۶، قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے اس کا اس طرح مکمل مطالعہ کیا ہے جس طرح کرمانی کی شرح کا کیا ہے۔ تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/۱۶۹ ، معجم المؤلفین ۱۰/۱۳۲ ، الاعلام ۷/۶۰۔

[5] البرماوی: برمہ کی طرف منسوب ہے اور یہ ارض مصر سے فسطاط سے سکندریہ کے راستے میں مغربی علاقہ بازار والا چھوٹا سا شہر ہے۔ مراصدالاطلاع ۱/۱۸۹۔اوران کا ترجمہ وتعارف الضوء اللامع ۷/۲۸۰ اور البدر الطالع ۲/۱۸۱ میں دیکھیے۔

ایضاحات اور تنبیہات اور فوائد بڑھے ہوئے ہیں۔ عمدہ شرح ہے۔ چار جلدوں میں ہے۔ [1] کتب خانہ ایا صوفیا واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ [2]

۲۰۔ التلقیح لفهم قارئ الصحیح : [3]

برهان الدین ابراهیم بن محمدبن خلیل الحلبی المعروف بسبط ابن العجمی المتوفی ۸۴۱ھ۔ [4]

مؤلف کے خط سے دو جلدوں میں ہے اور کارآمد شرح ہے۔ امام الکاملیہ محمد بن محمد الشافعی المتوفی ۸۷۴ھ [5] نے اس شرح کو مختصر کیا ہے اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے اس سے التقاط کیا ہے۔

۲۱۔ فتح الباری : [6]

شیخ الاسلام ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی سنة ۸۵۲ھ۔

یہ وہی شرح ہے جس کی نسبت لاهجرة بعد الفتح مشہور ہے۔ [7] علامہ ابن خلدون نے اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں فرمایا تھا کہ بخاری کی شرح کا دَین امت پر باقی ہے [8] حالانکہ علامہ موصوف کے عصر تک کتنی شرحیں ہو چکی

---

[1] سخاوی نے کہا ہے کہ ان کی تصانیف میں سے چار جلدوں میں بخاری کی شرح ہے اور اس میں جن بنیادی کتابوں سے مدد لی ہے وہ ہمارے شیخ حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری کا مقدمہ ہے اور ان کا مبیضہ ان کی وفات کے بعد تیار ہوا تھا اور باوجودیکہ اس سے بخاری کی شرح کی ضرورت پوری نہیں بھی ہوتی پھر بھی فضلاء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ الضوء اللامع ۷/۲۸۱، ۲۸۲۔

[2] اس کا ایک نسخہ جنگ عظیم دوم سے پہلے دار العلوم جرمنی میں موجود تھا۔ اور سزگین نے بھی نسخہ ایا صوفیا اور دیگر نسخوں کا ترکی وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہونا ذکر کیا ہے اور اس کا نام اس نے "اللامع الصبیح علی الجامع الصحیح" بتایا ہے۔ تاریخ التراث العربی ۱/۱۸۲۔

[3] مقدمة القسطلانی ۱/۳۶، کشف الظنون ۱/۳۶۶، الحطة ۲۱۵، الاعلام ۱/۶۲، معجم المؤلفین ۱/۹۳، ۹۲، تاریخ التراث ۱/۱۸۳۔

[4] ان کا تعارف الضوء اللامع ۱/۱۳۸ لحظ الالحاظ لابن فهد المکی ص۳۰۸، الشذرات ۷/۲۳۷ اور البدر الطالع ۱/۲۸ میں دیکھیے۔ امام شوکانی نے کہا ہے کہ وہ تصنیف میں مشغول ہوئے اور انھوں نے صحیح بخاری پر ایک مختصر شرح لکھی جس کا نام انھوں نے "التلقیح لفهم قارئ الصحیح" رکھا اور یہ چار جلدوں میں ہے اور الضوء اللامع میں اس شرح کے بارے میں کئی فوائد کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے فتح الباری کے مقدمہ سے اخذ کیے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی اس شرح سے کچھ فوائد حاصل کیے ہیں اور سزگین نے اس کے ترکی کے کتب خانہ میں تین نسخوں کا موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔ تاریخ التراث ۱/۱۸۳۔

[5] البدر الطالع ۲/۲۴۴، کشف الظنون ۱/۵۴۷، طبعه دار الفکر بیروت۔

[6] کشف الظنون ۱/۳۶۶، الحطة ۱۲۵، تاریخ التراث ۱/۱۸۳، مقدمة قسطلانی ۱/۳۶. تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۶۹، اور یہ شرح تعارف کی محتاج نہیں ہے (المراجع)

[7] یہ قول امام شوکانی کا ہے جیسا کہ فهرس الفهارس ۱/۲۳۸ سے پتہ چلتا ہے دیکھیے: "ابن حجر ودراسة مصنفاته" ص۳۲۳ للدکتور شاکر محمود عبدالمنعم۔

[8] مقدمة ابن خلدون ۳/۱۱۳۲۔

تھیں۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ صحیح بخاری کے وہ نکات جو فن حدیث اور رجال کے متعلق ہیں اور تدقیقات فقہیہ جو تراجم ابواب سے تعلق رکھتے ہیں، ان پر آج تک کسی نے محققانہ بحث نہیں لکھی ہے۔ اس شرح کے بعد حافظ سخاوی صاحب فرماتے ہیں کہ غالبًا امت سے یہ دَین ادا ہوگیا۔ [1] صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: ''وشهرته و انفراده بما يشتمل عليه من الفوائد الحديثية والنكات الادبية والفوائد الفقهية تغني عن وصفه'' . [2] احادیث مکررہ کی شرح کرنے کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جس مقصد کے لیے جہاں اس حدیث کو امام بخاری لاتے ہیں، اسی کی شرح و بسط سے وہاں کام لیتے ہیں اور پوری حدیث کی شرح کا حوالہ دوسری جگہ پر محول کر دیتے ہیں جہاں پوری حدیث کی شرح لکھی ہے۔ تحقیقات اور تدقیقات کے اعتبار سے یہ شرح اپنی نظیر آپ ہے۔ محققین جس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس کے لیے ''لا هجرة بعد الفتح'' کا جملہ کافی ہے۔ ابتدائے تالیف ۸۱۷ھ سے ہوئی۔ [3] اس کے پہلے ایک مقدمہ لکھا۔ جب مقدمہ پورا ہوگیا تو شرح کی تالیف اس طرح شروع کی کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتے جب ایک معتد بہ حصہ پورا ہو جاتا تو آئمہ محدثین کی ایک جماعت اس کو نقل کر لیتی۔ ہر ہفتہ میں ایک روز اس پر مباحثہ اور معارضہ ہوتا اور مقابلہ کیا جاتا۔ علامہ برہان بن خضر پڑھتے [4] اور لوگ اپنے اعتراضات وسوالات ومباحثات پیش کرتے۔ حافظ صاحب جواب دیتے۔ اسی طرح جس قدر لکھی جاتی، سب مقابلہ کر کے مہذب اور محرر کر لی جاتی اور اسی وقت اطراف عالم میں پھیل جاتی۔ یہاں تک کہ ۸۴۲ ہجری میں مکمل ہوگئی۔ بعد تکمیل مصنف نے کچھ اضافہ کیا لیکن اختتام تالیف مصنف کی عمر کے ساتھ ہوا۔ اختتام کے بعد ولیمہ کی عام دعوت کی جس میں پانچ سو اشرفیاں خرچ کی گئیں اور بڑے بڑے علماء کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی۔ اور اس قدر مقبول ہوئی کہ سلاطین زمانہ نے اشرفیوں سے تول کر خریدی [5] اور چشم زدن میں تمام

---

[1] یہ بات التبر المسبوك ص۲۳۱ میں ہے۔ نیز دیکھیے: ابن حجر و دراسة مصنفاته ۲۲۱ از ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم اور اس میں یہ بھی ہے کہ سخاوی نے کہا کہ اگر ابن خلدون فتح الباری دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

[2] كشف الظنون ۱/۳۶۷۔

[3] كشف الظنون میں اسی طرح ہے اور حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب انتقاض الاعتراض کے مقدمہ میں کہا ہے کہ میں نے ۸۱۳ھ میں شرح بخاری لکھنا شروع کی تھی ۱/۷۔

[4] وہ ابراہیم بن خضر بن احمد بن عثمان بن کریم الدین جامع بن محمد بن جامع برہان الدین ابو اسحاق بن زین عثمانی قصوری صعیدی معروف بہ ابن خضر ہیں ۷۹۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۸۵۲ھ میں وفات پائی۔ الضوء اللامع ۱/۴۵، ۴۷، معجم المؤلفين ۱/۲۸، ۲۹۔ (المراجع)

[5] تاریخ ''قرة العيون في يمن الميمون'' کے مصنف نے سال کے دوران وقوع پذیر ہونے والے بڑے واقعات کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ فتح الباری ہزاروں دینار کے عوض خرید کر یمن کی شاہی لائبریری میں رکھی گئی۔ [مؤلف] تفصیل کے لیے دیکھیے: الضوء اللامع ۲/۳۶، ۴۰ شذرات الذهب ۷/۲۷۰، ۲۷۳، البدر الطالع ۱/۸۷، ۹۲، ابن حجر و دراسته ۳۰۶، ۳۲۳ اور فتح الباری کئی دفعہ چھپی ہے اور سب سے زیادہ متداول طبعہ وہ ہے جو استاذ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ کی نگرانی میں چھپی اور اس کے بعض اجزاء پر سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی تعلیقات بھی ہیں اور قاہرہ میں مطبعہ سلفیہ نے ۱۳ جلدوں میں مقدمہ (هدى السارى) سمیت چھاپی ہے۔

ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی۔ آنے والے شارحین کا قلم توڑ دیا۔ و کل من جاء بعد فھو عیال علیه، جو ان کے بعد آیا، انہیں کی تحقیقات کا خوشہ چیں رہا۔

۲۲۔غایة التوضیح للجامع الصحیح : [1]

العلامة عثمان بن (عیسٰی بن) ابراھیم الصدیقی الحنفی المتوفی (فی نھایة القرن العاشر)۔ [2]

شاہی کتب خانہ رام پور میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ جلد اول ص ١١٧٦ میں از اول "کتاب بداء الوحی "تا "باب القران فی التمر عندالاکل" ہےاور جلد ثانی از باب رقیة النبی ﷺ تا آخر کتاب ہے۔

۲۳۔الکوکب الساری فی شرح الجامع الصحیح للبخاری : [3]

شیخ ابوالحسن علی بن حسین بن عروة المَوْصِلی [4] الحنبلی المتوفی سنة ۸۳۷ھ۔ [5]

شاہی کتب خانہ رام پور میں قلمی بخط و کاغذ عرب ص ۴۷۰ میں موجود ہے۔ [6]

۲۴۔شرح صحیح البخاری : [7]

العلامة عبدالرحمٰن البھرة

جلد اول قلمی ص ۴۹۲ ناقص از" باب کیف کان بدء الوحی" الی" باب القراء ة" ایضاً قلمی جلد اول

---

[1] تاریخ التراث ۱۸۹/۱ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۱۷۳/۳ اور اس کے کئی نسخوں کا متعدد کتب خانوں میں ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے نسخہ رامپور کا ذکر نہیں کیا جو کہ مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں بتایا ہے۔

[2] یہ صدیقی سندھی برھانپوری ہیں ان کا تعارف نزھة الخواطر ۲۹۳/۵ میں ہے اور اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ یہ شارح شعبان کے مہینے میں ۱۰۰۸ھ کو اپنے اھل وعیال کے سترہ افراد کے ساتھ ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے تھے۔

[3] تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۱۷۴/۳ ، تاریخ التراث العربی ۱۸۳/۱۔

[4] میم کی فتح، واؤ ساکن، صاد کی زیر کے ساتھ۔ موصل کی طرف نسبت ہے جو ایک مشہور شہر ہے۔ (مؤلف)

[5] یہ ابن زکنون کے ساتھ بھی معروف ہیں اور انباء الغمر ۳۱۹/۸، الضوء اللامع ۲۱۴/۵، شذرات الذھب ۲۲۲/۷ اور معجم المؤلفین ۷۴/۷ میں ان کا تعارف موجود ہے۔

حافظ سخاوی نے کہا ہے کہ انھوں نے مسند احمد کی ترتیب صحیح بخاری کے ابواب کے مطابق کردی ہے اور اس کا نام "الکواکب الدراری فی ترتیب مسند الامام احمد علی ابواب البخاری" رکھا ہے اور ایک سو بیس (۱۲۰) جلدوں میں اس کی شرح لکھی ہے۔ اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً جب حدیث افک آئی تو قاضی عیاض کی شرح والا نسخہ لے کر مکمل نقل کر دیتے ہیں اور جب کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا ہے جس میں حافظ ابن القیم یا ان کے شیخ شیخ الاسلام ابن تیمیہ یا ان کے علاوہ کسی اور نے کوئی مستقل کتاب لکھی ہو تو وہ پوری کتاب نقل کر دیتے ہیں اور مغنی ابن قدامہ اور اس طرح کی دیگر کتب سے اس مسئلہ کی پوری تفصیل دے دیتے ہیں۔ (الضوء اللامع ۲۱۴/۵)۔

[6] بروکلمان اور سزگین نے اس کے رامپور والے نسخے کے علاوہ اور کوئی نسخہ ذکر نہیں کیا لیکن سزگین نے کہا ہے کہ وہ ۲۱۰ اوراق میں ہے واللہ اعلم۔

[7] بروکلمان اور سزگین میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

از"باب بدء الوحی" تا "باب القراءۃ" بخط نسخ کتب خانہ شاہی میں دو نسخے موجود ہیں۔

۲۵۔شرح صحیح البخاری :

لم اقف علی اسم مؤلفہ۔ مجھے اس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

یہ شرح بھی کتب خانہ شاہی رام پور میں ص ۳۹۴ پر از ابتدا تا **باب الشروط** قلمی بخط نستعلیق موجود ہے۔

۲۶۔شرح البخاری : [1]

عبدالکریم بن عبدالنور ابن منیر بن عبدالکریم بن علی بن عبدالحق الحلبی المتوفی ۷۳۵ھ۔

علامہ سیوطی نے اس کا ذکر **حسن المحاضرہ** میں کیا ہے۔(**حاشیۃ الفوائد البھیۃ**)۔

۲۷۔الداؤدی : [2]

ابو جعفر احمد بن سعید الداؤدی

اس شرح کا پتہ شیخ الکل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے نسخہ عتیقہ کے حواشی سے چلتا ہے۔ [3] اس عتیق نسخہ کے حواشی اس شرح سے مملو ہیں جس پر علامت (د) بنائی گئی ہے۔ بعض مقامات میں **قال الداؤدی** بھی لکھا ہے۔ اس شرح سے ابن التین اکثر نقل کرتے ہیں۔ شیخ الکل علامہ سید نذیر حسین کے نسخہ پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شرح داؤدی بڑی مفید شرح ہے۔ حل مطالب و دفع اشکالات و دفع تعارض وتطبیق احادیث میں مصنف نے نہایت عمدہ پیرایہ اختیار کیا ہے۔ اس لیے اس نسخہ پر اس کے حواشی بہت ہیں۔

۲۸۔العثمانی :

---

[1] مؤلف رحمہ اللہ سے تسامح ہوگیا ہے کیونکہ اس شرح کا بعنوان "۱۳۔**شرح صحیح البخاری للحلبی**" کے تحت ذکر ہو چکا ہے۔ یہ شرح کوئی دوسری شرح نہیں ہے۔ چلپی نے **کشف الظنون** میں صرف شرح نمبر ۱۳ کو ذکر کیا ہے اور شارح یعنی قطب الدین عبدالکریم کے دادا کا نام مسیر اور سنہ وفات ۷۴۵ غلط لکھا ہے۔ صحیح نام منیر ہے اور سنہ وفات ۷۳۵ ہے۔ حافظ الدنیا ابن حجر الدرر الکامنہ ص ۳۹۸، ج ۲ میں قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، **و شرع فی شرح البخاری وھو مطول ایضا بیض او اللہ الی قریب النصف (الی ان قال) مات فی رجب ۷۳۵ انتھی**،[عبیداللہ]

میں کہتا ہوں کہ شاید اس کے دادا اور تاریخ وفات کے بارے **کشف الظنون** میں ہونے والی تحریف ہی مصنف کے لیے ان دونوں شرحوں کے حقیقتا مختلف دو شرحیں ہونے کا سبب بنی۔ واللہ اعلم، اور دیکھیے :**حسن المحاضرۃ** ۱/۳۵۸، **الفوائد البھیۃ** ص ۱۰۱۔

[2] **کشف الظنون** ۱/۳۶۵، **مقدمۃ قسطلانی** ۱/۳۵ اور قسطلانی نے بتایا ہے کہ اس نے خطابی کی شرح سے نقل کا اہتمام کیا ہے اور داؤدی کی شرح سے ابن تین بھی نقل کرتے ہیں۔

[3] یہ نسخہ ان دنوں "ہمدرد" لائبریری' دہلی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔(عبدالجبار شاکر)

علی حاشیة صحیح البخاری لمولانا احمد علی المتوفی ۱۲۹۸ھ۔

مولانا احمد علی صاحب (جو اس نام کے لینے والے ہیں) وہ بھی اس کا کچھ حال نہ پتا سکے بجز اس کے کہ نسخہ منقول عنہ میں ایسا ہی تھا۔

۲۹۔شرح صحیح البخاری :[1]

علی بن مصطفٰی الشافعی الحلبی المتوفی سنة ۱۱۷۴ھ تلمیذ العلامة السندی۔

یہ شرح غزوات تک پہنچی اور مکمل نہ ہو سکی۔ اس شرح کا ذکر سلك الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر میں علامہ فاضل مؤرخ ادیب محمد خلیل آفندی نے کیا ہے۔

۳۰۔هدی الساری مقدمة فتح الباری :

شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر العسقلانی، المتوفی ۸۵۲ھ۔[2]

یہ وہی مقدمہ ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ مقدمہ ایک ضخیم جلد میں ہے اور بجائے خود ایک مستقل اور جامع شرح ہے اور اس قدر ضروری ہے کہ اگر کہا جائے کہ بغیر اس کے صحیح بخاری کی حقیقت سے آگاہی غیر ممکن ہے تو غالباً بہت صحیح ہوگا۔ اس مقدمہ میں دس فصلیں ہیں اور ہر فصل کے ضمن میں بہت سی فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں صحیح بخاری کی تالیف کے اسباب اور بہت سی کام کی باتیں مثلاً یہ کہ حدیث کی تدوین رائج نہ تھی، کیوں کر شروع ہوئی اور ترقی کرتے کرتے کس حد تک پہنچی۔ دوسری فصل میں یہ مذکور ہے کہ صحیح بخاری کا اصل موضوع کیا ہے اور اس کتاب کی حدیثوں کے لیے کیا کیا شروط ہیں۔ یہ کتاب اصح الکتب کیوں کر ہوئی۔ اس کے تراجم ابواب میں کیا کیا نکات اور کس کس قسم کی تدقیقات فقہیہ ہیں جن کی وجہ سے صحیح بخاری کو تمام کتب حدیثیہ پر فوقیت ہوئی۔ تیسری فصل میں حدیثوں کی تقطیع اور اختصار اور تکرار کی صورتیں اور حکمتیں اور فوائد بیان ہیں۔ چوتھی فصل میں احادیث مرفوعہ کے معلق لانے اور آثار موقوفہ

---

[1] سلك الدرر ۲۲۴/۳، طبعة دار الکتب العلمیة بیروت ۱۴۱۸ھ اور یہ شرح غزوات تک ہے۔ معجم المؤلفین ۲۴۲/۷، الاعلام ۱۷۴/۵۔

[2] ان کا تعارف الضوء اللامع ۳۶/۲، البدر الطالع ۸۷/۱ اور شذرات الذهب ۲۷۰/۷ میں ہے اور کئی علماء نے ان کی سیرت میں مستقل کتب لکھی ہیں مثلاً:

۱. الجواهر و الدرر للسخاوی۔

۲. ابن حجر و دراسة مصنفاته ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم۔

اور قابل تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ مقدمہ فتح الباری سے پہلے لکھا ہے جیسا کہ انھوں نے فتح الباری ۵/۱ میں ذکر کیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری بہت ہی تحقیق اور گہری نظر سے پڑھی پھر شرح لکھی اور ۸۱۳ھ میں مقدمہ سے فارغ ہو چکے تھے (انتقاض الاعتراض ۷/۱) اور اس کے بعد شرح لکھنا شروع کی تھی (انتقاض الاعتراض ۷/۱)۔

کے ذکر کرنے کے وجوہات بیان ہیں۔ اسی ضمن میں کل احادیث مرفوعہ معلقہ کے سلسلہ سند کو بھی بیان کر دیا ہے اور جس محدث نے ان کو موصول کیا ہے، ان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ پانچویں فصل میں الفاظ مشکلہ غریبہ جو متون حدیث میں آئے ہیں، ان کو بہ ترتیب حروف تہجی حل کیا ہے۔ یہ فصل ایک خاصی لغت کی کتاب ہے۔ چھٹی فصل میں بہ ترتیب حرف تہجی ان اسماء اور القاب وکنیتوں کا ذکر ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں۔ جن کی صورتیں تو یکساں ہیں اور تلفظ مختلف۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کا اشتباہ صحیح بخاری ہی کے رواۃ کے ساتھ ہے۔ دوم وہ جن کا اشتباہ ان رواۃ سے ہے جو صحیح بخاری سے خارج ہیں۔ اس تحقیق کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ راوی کس کتاب اور باب اور کس حدیث وسند میں ہے۔ ساتویں فصل میں امام بخاری کے ان شیوخ کی توضیح ہے جن کو امام بخاری نے مبہم ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ مشترک ہیں جیسے محمد۔ اس لیے جن میں اشتراک کم ہے، ان کو ذکر نہیں کیا۔ بقیہ جس قدر مہمل ومبہم تھے، سب کو بہ ترتیب حروف تہجی ذکر کیا ہے۔ آٹھویں فصل میں ان احادیث کا سلسلہ السند مذکور ہے جن پر امام دار قطنی یا دیگر نقاد فن نے تنقید کی تھی۔ پھر ایک ایک حدیث ذکر کر کے ان کے تسکین بخش جواب دیئے ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ امام بخاری کی شرط کے خلاف کوئی حدیث نہیں ہے۔ نویں فصل میں ان رواۃ کا ذکر کیا ہے جن پر بعض محدثین نے کلام کیا تھا۔ ان کو بہ ترتیب حروف تہجی ذکر کر کے ہر ایک کے جواب دیئے ہیں اور جواب میں بڑے انصاف سے کام لیا ہے۔ جہاں قدح کو رجحان ہے، وہاں یہ دکھایا ہے کہ یا تو جس جہت سے قدح ہے، اس حیثیت سے امام بخاری نے احتراز کیا ہے یا اس کے راوی کی موافقت میں اس سے کوئی بڑھا ہوا راوی مذکور ہے یا کسی دوسری وجہ سے اس حدیث کو صحیح بخاری میں لائے ہیں۔ دسویں فصل میں کتاب کے ابواب کی خاصی فہرست ہے اور ہر باب میں جس قدر احادیث ہیں اُن کو گنایا ہے جس سے احادیث مکررہ کا پتہ چلتا ہے۔ پھر صحیح بخاری میں جس قدر حدیثیں مذکور ہیں اُن کی فہرست ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ کس صحابی سے کس قدر حدیث اس کتاب میں ہے۔ مقدمہ کے خاتمہ میں امام بخاری کی سیرت اور سوانح عمری و بقیہ تالیفات وتلامذہ کا ذکر ہے۔

۳۱۔الاعلام بمن ذکر فی البخاری من الاعلام : [1]

شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر۔

تہذیب الکمال میں جو رواۃ مذکور ہیں، ان کے علاوہ اس میں ذکر کیے گئے ہیں۔ [2]

۳۲۔تغلیق التعلیق : [3]

---

[1] کشف الظنون ۱/۳۷۰، الحطۃ ۲۲۱، مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۷۔

[2] مقدمۃ قسطلانی ۱/۴۴ طبعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں ان رجال کا تعارف کرایا ہے جن کا ذکر صحیح بخاری میں ہوا ہے اور وہ رجال اسانید کے علاوہ ہیں اور اس کتاب کا نام " فوائد الاحتفال ببیان احوال الرجال"، بھی ہے جیسا کہ ڈاکٹر شاکر محمود نے اپنی کتاب "ابن حجر و دراسۃ مصنفاتہ" میں بتایا ہے ص ۵۳۱۔

[3] کشف الظنون ۱/۳۷۰، الحطۃ ۲۲۱، مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۷ تاریخ التراث العربی ۱/۲۰۱، شذرات الذہب ۷/۲۷۱۔

شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر۔

اس میں صحیح بخاری کے تعلیقات کو موصول کیا ہے اور احادیث مرفوعہ اور آثار اور موقوفات ہر ایک کی صحت وضعف و متابعات سے پوری بحث کی ہے اور جن جن محدثین نے ان تعلیقات، آثار اور موقوفات کا اخراج کیا تھا، سب کو مفصل بتایا ہے۔ مقدمۃ الفتح میں اس کی تلخیص کی ہے۔ ۸۰۴ھ میں اس کی تسوید سے فراغت پائی۔ [1]

۳۳۔ انتقاض الاعتراض: [2]

شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر۔

اس میں ان اعتراضات کے جواب ہیں جو علامہ عینی نے اپنی شرح میں حافظ ابن حجر پر کیے تھے [3] لیکن افسوس یہ کتاب تمام نہ ہونے پائی اور مصنف نے داعی موت کو لبیک کہا۔ [4]

۳۴۔ تجرید التفسیر: [5]

شیخ الاسلام ابن حجر۔

سورتوں کی ترتیب سے تفسیرات صحیح بخاری کو علیحدہ کیا ہے جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے۔

۳۵۔ عمدۃ القاریٔ:

العلامۃ بدرُ الدین ابو محمد محمود بن احمد (بن موسیٰ) العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ۔ [6]

---

[1] حافظ ابن حجر نے یہ کتاب بھی فتح الباری شروع کرنے سے پہلے لکھی تھی جیسا کہ انھوں نے خود مقدمہ اور انتقاض الاعتراض کے مقدمہ ۱/۷ میں بتایا ہے اور حافظ نے خود آپ اس کا خلاصہ بھی نکالا ہے جس کا نام "التشویق الی وصل المھم من التعلیق" رکھا ہے۔
اس کے بعد انھوں نے اس کا بھی اختصار کیا جس کا نام ".التوفیق لوصل المھم من التعلیق' رکھا (کتاب تغلیق التعلیق کے محقق کا مقدمہ ۱/۲۱۵)۔
کتاب تغلیق التعلیق پانچ جلدوں میں چھپی ہے لیکن پہلی جلد میں اس کتاب کے متعلق پوری تحقیق، تعارف اور حجیت حدیث اور علم حدیث اور امام بخاری کے حالات اور حافظ ابن حجر کے متعلق تفصیل ہے۔ اس کے محقق ڈاکٹر سعید عبدالرحمٰن موسیٰ قزقی ہیں۔ مکتبہ اسلامیہ بیروت اور دار عمار اردن کی جانب سے پہلی بار ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں چھپی تھی۔

[2] کشف الظنون ۱/۳۷۰، الحطۃ ۲۲۱، مقدمۃ القسطلانی ص ۱/۳۷، تاریخ التراث ۱/۱۸۵، تاریخ الادب العربی ۳/۱۷۰۔

[3] وجہ تالیف یہ لکھی ہے کہ فتح الباری مکمل ہوگئی تو اس قدر لوگوں کی رغبتیں ہوئیں کہ سلاطین وقت نے فرمائشیں بھیجیں۔ ایک نسخہ کی فرمائش سلطان ملک مغارب ابی فارس کی جانب سے دوسری فرمائش بادشاہ شاہ رُخ کی طرف سے اور تیسری فرمائش ملک الظاہر کی طرف سے پے درپے پہنچیں تو علامہ عینی کو حسد نے گرفتار کیا اس وجہ سے یہ اعتراضات واہیہ کیے۔ اتحاف النبلاء ۵۴، ۵۵ [مؤلف]
یہ بات اسی طرح حافظ ابن حجر نے اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کی ہے (۱/۸۔۱۱)۔

[4] اس کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ رام پور میں ہے۔ [عبیداللہ] میں کہتا ہوں کہ انتقاض الاعتراض شیخ حمدی عبدالمجید سلفی اور شیخ صبحی جاسم سامرائی کی تحقیق سے ریاض میں مکتبۃ الرشد کی طرف سے ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء کو طبع ہو چکی ہے۔

[5] کشف الظنون ۱/۳۷۲، الحطۃ ص ۲۲۶ ابن حجر و دراسۃ مصنفاتہ ص ۲۸۵۔

[6] ان کا تعارف الضوء اللامع ۱۰/۱۳۱، شذرات الذھب ۷/۲۸۶، البدر الطالع ۲/۲۹۴ وغیرہ کتب میں ہے۔

یہ ایک مشہور شرح دس جلدوں میں ہے اور بیروت میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔ خود علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ میں بلاد شمالیہ میں قبل ۸۰۰ھ کے اپنے ہمراہ صحیح بخاری لے کر پہنچا تو بعض شیوخ سے مجھے اس کتاب کے متعلق بڑی بڑی نادر باتیں ہاتھ لگیں۔ پھر جب میں مصر پلٹا تو جامع ازہر کے قریب محلہ خارہ کتامیہ ۸۲۱ھ میں اس کی شرح لکھنا شروع کی اور ۸۴۷ھ تک ایک سدس مکمل ہو گئی۔ [1]

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: " **واستمد فيه من فتح الباري بحديث ينقل منه الورقة بكمالها و كان يستعيره من البرهان بن خضر باذن مصنفه له و تعقبه في مواضع**". [2] یعنی علامہ عینی نے اپنی شرح میں فتح الباری سے بہت کچھ مدد لی یہاں تک کہ ورق کا ورق نقل کرتے ہیں۔ برہان بن خضر سے مصنف کی اجازت سے عاریتًا لیتے۔ علامہ موصوف نے حافظ ابن حجر پر تعقبات بھی کیے ہیں اور جن باتوں کو حافظ ابن حجر نے بالقصد ترک کر دیا تھا، ان میں بہت طول دیا ہے۔ مثلاً:

(الف) پوری حدیث متن میں نقل کرنا

(ب) ہر راوی کا پورا ترجمہ لکھنا

(ج) انساب رواۃ کی بحث

(د) معانی اور بیان۔

صاحب کشف الظنون بیان کرتے ہیں کہ "کسی نے حافظ ابن حجر سے عرض کیا کہ علامہ عینی کی شرح کو آپ پر فوقیت ہے کیونکہ اس میں معانی بیان بدیع وغیرہ زائد ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے بے ساختہ جواب دیا کہ ان باتوں کو علامہ رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے۔ مجھے شیخ رکن الدین کی شرح پہلے ہاتھ لگی تھی لیکن کتاب ناتمام تھی۔ اس وجہ سے میں نے اس سے نقل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ چنانچہ علامہ عینی اس ٹکڑے کے ختم ہونے کے بعد سے معانی بیان بدیع نوادر وغیرہ سے بالکل ساکت ہیں" [3] کیونکہ جو ماخذ تھا، اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ پھر علامہ چلپی صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: "**وبالجملة فان شرحه حافل كامل في معناه لكن لم ينتشر كالتشار فتح الباري في حيوة مؤلفه و هلم جرًّا.**" [4]

خلاصہ یہ کہ شرح عینی مطالب کی توضیح خوب کرتی ہے لیکن اسے فتح الباری کی سی شہرت نصیب نہ ہوئی نہ مؤلف کی حیات میں نہ آج تک۔ کسی ماہر فن کا یہ قول بہت صحیح ہے۔ "**الاول (فتح الباري) مفيد للكَمَلَةِ والثاني**

---

[1] عمدة القاري ۱/۵۔

[2] كشف الظنون ۱/۳۶۷، الحطة ۲۱۷، مقدمة القسطلاني ۱/۳۶۔

[3] كشف الظنون ۱/۳۶۸، الحطة ۲۱۷، مقدمة القسطلاني ۱/۳۶۔

[4] المصادر السابقة۔

(العینی) مفید للطلبۃ"۔ فاضل لکھنوی کا فیصلہ اسی کے ہم معنی ہے۔ "حیث قال و یفضل الاول (فتح الباری) علی الثانی (عمدۃ القاری) تحقیقا و تنقیدا و الثانی علی الاول توضیحا و تفصیلا"[1]

۳۶۔شرح صحیح البخاری :[2]

العلامۃ رکن الدین احمد بن محمد بن عبدالمؤمن القُریمی المتوفی ۷۸۳ھ۔[3]

یہ وہی شرح ہے جس کا ذکر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے عینی کی شرح بخاری کی تفصیل کے جواب میں کیا ہے۔

۳۷۔التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح :[4]

الشیخ بدر الدین محمد بن بہادر بن عبداللہ الزَرْکَشِی الشافعی المتوفی ۷۹۴ھ۔[5]

یہ ایک مختصر شرح ہے۔ لائق مصنف نے اس میں الفاظِ مشکلہ کی شرح اور اعراب غامضہ کا ایضاح اور جن انساب رواۃ یا اسمائے رواۃ میں تصحیف یا اشتباہ کا خیال تھا، اس کا ضبط کیا ہے اور مختلف اقوال سے جو قول صحیح تھا، مختلف معانی سے جو واضح تر تھا، اسی کو اختیار کیا اور ایسے فوائد ایزاد کیے ہیں جن پر حاوی ہو جانے سے ایک ہوشیار شخص بڑی بڑی شروح سے مستغنی ہو جاتا ہے۔[6] پٹنہ کے کتب خانہ اورینٹل پبلک لائبریری میں موجود ہے و نیز کتب خانہ ایا صوفیہ واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔[7]

۳۸۔النکت :[8]

شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر العسقلانی ۔

---

[1] تقریظ تیسیر القاری طبع مطبع علوی سنۃ ۱۲۹۸ھ۔[مؤلف]

[2] کشف الظنون ۱/۵۴۸، شذرات الذھب ۶/۲۷۹ الحطۃ ۲۱۷، معجم المؤلفین ۲/۱۲۵۔

[3] ان کا تعارف شذرات الذھب ۶/۲۷۹ اور معجم المؤلفین ۲/۱۲۵ میں ہے۔

[4] مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۶ ، کشف الظنون ۱/۵۴۸،الحطۃ ۲۱۷،۲۱۸ ، تاریخ الادب العربی ۳/۱۶۸ ، تاریخ التراث العربی ۱/۱۸۰۔

[5] ان کا تعارف الدرر الکامنۃ ۳/۳۹۷، شذرات الذھب ۶/۳۳۵، معجم المؤلفین ۹/۱۲۱۔ تاریخ التراث میں ان کی تاریخ وفات ۷۴ھ لکھی گئی ہے جو کہ طبع کی غلطی ہو سکتی ہے۔

[6] حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ انھوں نے بخاری کی شرح لکھنا شروع کی تھی اور اس کا مسودہ ہی چھوڑا تھا اس کے بعض حصے پر میں نے واقفیت حاصل کی ہے اور شارح نے اس شرح سے ایک جلد میں تنقیح تلخیص کی ہے۔الدرر الکامنۃ ۳/۳۹۸۔

[7] بروکلمان اور سزگین نے اس کے اور بھی بہت سے نسخے ذکر کیے ہیں اور یہ شرح قاہرہ میں ۱۳۵۱ھ کو طبع ہوئی پھر اس کے بعد کئی طبعات معرض وجود میں آئے۔

[8] مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۶، کشف الظنون ۱/۵۴۸، الحطہ ۲۱۸، تاریخ التراث ۱/۱۸۱۔

علامہ زرکشی کی شرح تنقیح پر نکت لکھے ہیں لیکن افسوس بقول صاحب کشف الظنون پوری نہ ہوئی۔ [1]

۳۹۔النکت : [2]

القاضی محب الدین احمد بن نصر اللہ(بن احمد) البغدادی الحنبلی المتوفی ۸۴۴ھ۔ [3]

اسی علامہ زرکشی کی شرح پر یہ بھی نکت لکھے گئے ہیں۔

۴۰۔مصابیح الجامع : [4]

العلامۃ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدَّمَا مِینی [5] المتوفی ۸۲۸ھ۔ [6]

مشہور تو یہ ہے کہ یہ شرح سلاطین ہند میں احمد شاہ بن محمد بن مظفر شاہ کے لیے لکھی گئی لیکن صاحب کشف الظنون تحریر فرماتے ہیں کہ مصنف نے اس کتاب کے دیباچہ میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ مصنفین کے عام قاعدہ کے خلاف ہے۔ ۸۲۸ھ میں روز شنبہ بوقت ظہر بمقام زبید یمن میں اختتام کو پہنچی۔ [7] کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریفی واقع قسطنطنیہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

۴۱۔التوشیح علی الجامع الصحیح : [8]

جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ ھ۔ [9]

---

[1] اس سے پہلے قسطلانی نے اسی طرح کہا ہے۔

[2] مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۶، کشف الظنون ۱/۳۶۸ ، الحطۃ ۲۱۸، تاریخ التراث ۱/۱۸۱

[3] ان کا تعارف المقصد الارشد لابن مفلح ۱/۲۰۲، الضوء اللامع ۲/۲۳۳، شذرات الذھب ۷/۲۵۰ میں ہے۔

[4] الضوء اللامع ۷/۱۸۵ ، مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۶ ،قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے اس کا مکمل مطالعہ کیا ہے جیسا کہ فتح الباری شرح عینی اور برماوی کا کیا ہے، کشف الظنون ۱/۳۶۸، شذرات الذھب ۷/۱۸۱، الحطۃ ۲۱۸، تاریخ الادب العربی ۳/۱۲۹ ، تاریخ التراث ۱/۱۸۲، الاعلام ۶/۲۸۲۔

[5] یہ دمامین کی طرف نسبت ہے۔دال پر زبر، بعد میں میم اور الف،اس کے بعد دوسری میم مکسورہ ،یائے ساکنہ اور آخر میں نون،دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر ایک بڑی بستی ہے۔[عبیداللہ]

[6] اس کا تعارف الضوء اللامع ۷/۱۸۴، البدر الطالع ۲/۱۵۰، شذرات الذھب ۷/۱۸۱ میں ہے۔اسی طرح ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن مفدی کی "الدمامینی حیاتہ و آثارہ" ص ۵۵ جو الجمعیۃ العربیۃ للثقافۃ والفنون کی طرف سے ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲م کو طبع ہوئی اور دمامینی ہندوستان کے شہر گلبرگہ میں فوت اور دفن ہوئے۔نزھۃ الخواطر ۳/۹۷۔

[7] سخاوی نے کہا ہے کہ انھوں نے بخاری کی شرح لکھی ہے۔ وہ میں نے دیکھی ہے ایک جلد میں ہے اور اس میں زیادہ تر اعراب (ترکیب نحوی) اور نحو پر زور دیا ہے۔ الضوء اللامع ۷/۱۸۵۔

[8] مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۶، کشف الظنون ۱/۳۶۸ ، الحطۃ ۲۱۸ ، تاریخ الادب العربی ۳/۱۷۰ ، تاریخ التراث العربی ۱/۱۸۶۔

[9] سیوطی نے اپنے حالات زندگی خود لکھے ہیں۔ حسن المحاضرۃ ۱/۳۳۵،۳۴۴ اور انھوں نے اپنی مصنفات کے ضمن میں اپنی ←

یہ ایک نہایت مختصر، جامع اور لطیف شرح ہے، اس کا حجم تقریباً شرح زرکشی کے برابر ہے۔ان کی ایک اور شرح "التوشیح" کے نام سے ہے مگر نامکمل ہے اور یہ مکتبہ سلطان احمد خاں ثالث میں موجود ہے۔ [1]

۴۲۔فتح الباری: [2]

الحافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی المتوفی ۷۹۵ھ۔ [3]

صحیح بخاری کے ایک ٹکڑے کی شرح ہے۔مصنف نے اس کا نام بھی فتح الباری رکھا۔صرف کتاب الجنائز تک پہنچی۔صاحب "الجوهر المنضد فی طبقات متاخری اصحاب احمد" نے اس شرح کا ذکر کیا ہے۔ [4]

۴۳۔شرح صحیح البخاری: [5]

العلامة النواوی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ۔ [6]

← شرح بخاری "التوشیح علی الجامع الصحیح" کا ذکر کیا ہے ۱/۳۴۰۔

اور سیوطی کے تعارف واحوال کے لیے ان کتب تراجم کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے:

۱۔ الکواکب السائرۃ ۱/۲۲۶، ۲۔شذرات الذهب ۸/۵۱۱، ۳۔البدر الطالع ۱/۳۲۸ اور ڈاکٹر مصطفیٰ الشکعہ نے سیوطی کے حالات زندگی پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔اس کا نام "جلال الدین السیوطی سیرته العلمیة ومباحثه اللغویة" ہے۔یہ کتاب مصطفیٰ البابی حلبی نے ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء کو طبع کی تھی۔

[1] (توشیح) کے اور بھی کئی نسخے ہیں جن کا ذکر سزگین نے تاریخ التراث العربی ۱/۱۸۶ میں ذکر کیے ہیں اور توشیح کا اختصار شیخ علی بن سلیمان دمنتی باجمعوی (متوفی ۱۳۰۶ھ) نے کیا ہے اور قاہرہ میں ۱۲۹۸ھ کو طبع ہوا جیسا کہ تاریخ التراث میں ہے۔

[2] مقدمة القسطلانی ۱/۳۶۔قسطلانی نے کہا ہے کہ میں نے اس کی ایک جلد دیکھی ہے۔ کشف الظنون ۱/۳۶۸، شذرات الذهب ۶/۳۳۹، ۳۴۰، البدر الطالع ۱/۳۲۸، الحطة ۲۱۸۔

[3] ان کا تعارف انباء الغمر ۳/۱۷۵، الدرر الکامنة ۲/۳۲۱، المنهج الاحمد ۲/۱۳۲ وغیرہ میں ہے۔

اور اس کے احوال لکھنے والوں میں سے عام مؤلفین نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ بخاری کے ایک حصے کی شرح ہے۔

[4] یہ قول صاحب کشف الظنون کا ہے ۱/۳۶۸۔

اور الجوهر المنضد (لیوسف بن عبدالهادی متوفی ۹۰۹ھ) کے صفحہ ۵۰ اور تعارف نمبر ۵۷ میں ہے کہ انھوں نے بخاری کے ایک حصے کی کتاب الجنائز تک شرح کی ہے اور یہ شرح زمانے کے عجائبات وحیرت انگیز امور میں سے ہے، اگر مکمل ہو جاتی تو واقعۃً ایک منفرد اور مثالی شرح ہوتی۔

میں کہتا ہوں کہ وہ شرح بعد میں محمود شعبان اور دیگر محققین کی تحقیق سے دار الغرباء الاثریة مدینہ منورہ کی طرف سے ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء میں دس جلدوں میں چھپی ہے۔

[5] مقدمة القسطلانی ۱/۳۶، انھوں نے کہا کہ میں نے اس کا مطالعہ کیا اور اس کی برکت سے فائدہ اٹھایا۔ کشف الظنون ۱/۳۶۸، الحطة ۱۲۹، تاریخ الادب العربی ۳/۱۶۷۔

[6] وہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی ہیں۔ان کا تعارف طبقات الشافعیة لابن قاضی شهبة ۲/۱۹۴، طبقات ←

اس شرح کا ذکر علامہ موصوف نے مسلم کی شرح کے مقدمہ میں کیا ہے۔ افسوس یہ شرح کامل نہیں ہوئی۔ صرف کتاب الایمان تک پہنچی۔ مصنف نے اس کی تعریف یوں کی ہے: "انه جمع فيه جملا مشتملة على نفائس من انواع العلوم"۔ یہ شرح انواع علوم کی بڑی بڑی نفیس باتوں کے مجموعہ پر مشتمل ہے۔ ❶

۴۴۔ شرح صحيح البخاری: ❷

الحافظ عماد الدين اسماعيل بن عُمر بن كثير الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ۔ ❸

یہ بھی صحیح بخاری کے صرف ایک ٹکڑے کی شرح ہے۔ اختتام کو نہ پہنچ سکی۔

۴۵۔ الفيض الجاری: ❹

العلامة سراج الدين عمر بن رَسْلان البُلْقِينی الشافعی المتوفی ۸۰۵ھ۔ ❺

یہ بھی صحیح بخاری کے صرف ایک ٹکڑے کی شرح ہے ناتمام، پچاس اجزاء میں کتاب الایمان تک پہنچی ہے۔ ❻

← السبکی ۸/۳۹۵، تذکرة الحفاظ ۱۴/۱۴۷۰ اور شذرات الذهب ۵/۳۵۴ وغیرہ میں ہے۔

❶ مقدمة شرح مسلم للنووی ۱/۴ اور ان کے اس میں الفاظ یہ ہیں:
صحیح بخاری کی شرح میں میں نے بہت کثیر ایسے جملے جمع کر دیے ہیں جن کے بارے میں اور زیادہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ وہ علوم کی نفیس انواع پر مشتمل ہیں۔ میں نے ان کو مختصر عبارات کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اس کتاب کے دو قلمی نسخے پائے جاتے ہیں جن کا ذکر سزگین نے تاریخ التراث الاسلامی ۱/۱۷۸ میں کیا ہے اور اس شرح کا مقدمہ "ماتمس اليه حاجة القاری لصحيح الامام البخاری" کے نام کے ساتھ چھپا ہے۔

اور اس کی تحقیق کا کام استاذ علی حسن عبدالحمید نے کیا ہے اور انھوں نے وہ نسخہ لیا جو مصر میں قدیم زمانے میں چھپا تھا اور یہ کتاب دار الفکر عمان، اردن کی طرف سے چھپی ہے

❷ طبقات الشافعية لابن قاضی شهبة ۳/۸۷۔۸۸، الدرر الكامنة ۱/۳۷۴، مقدمة القسطلانی ۱/۳۶، كشف الظنون ۱/۳۶۸، شذرات الذهب ۶/۲۳۱، الحطة ۲۱۹۔

❸ ان کا ترجمہ وتعارف المعجم المختص للذهبی ص ۷۴، انباء الغمر ۱/۴۵، الدرر الكامنة ۱/۳۷۴، طبقات الحفاظ ص ۵۲۹، البدر الطالع ۲/۱۵۰ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

❹ مقدمة القسطلانی ۱/۳۶ اور انھوں نے کہا ہے کہ میں نے اس کی ایک جلد دیکھی ہے، كشف الظنون ۱/۳۶۸، شذرات الذهب ۶/۳۲۱، الحطة ۲۱۹۔

❺ اصل اردو میں ان کی تاریخ وفات ۸۰۴ھ لکھی ہوئی ہے اور جو میں نے لکھی ہے وہ ۸۰۵ھ صحیح ہے دیکھیے: انباء الغمر ۵/۱۰۷، البدر الطالع ۱/۵۰۶، طبقات الحفاظ ۵۳۸ وغیرہ۔

❻ علامہ شوکانی نے البدر الطالع ۱/۵۰۷ میں عمر بن رسلان کے تعارف میں کہا ہے کہ انھوں نے بخاری کی تقریباً بیس احادیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے۔ [عبیداللہ] اور انباء الغمر ۵/۱۰۸ اور الضوء اللامع ۶/۸۸ میں بھی اسی طرح ہے۔ اس شرح کا نام کشف الظنون اور الحطة سے لیا گیا ہے اور سخاوی اور قسطلانی نے اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اور ان کی ایک اور کتاب ہے جس کا موضوع ←

۴۶۔منح الباری بالسیح الفسیح الجاری :[1]

العلامة مجد الدین ابو طاهر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی الشیرازی صاحب القاموس المتوفی ۸۱۷ھ۔[2]

صرف ربع عباوات تک یہ شرح بیس جلدوں تک پہنچی۔ علامہ موصوف نے اس کے اختتام کا اندازہ چالیس جلدوں میں کیا تھا۔ علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ اس شرح میں ابن عربی کی فتوحات مکیہ کے اکثر مضامین درج کیے گئے۔ اس وجہ سے محدثین کے مرغوب خاطر نہ ہوئی۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی نظر سے اس کا کچھ حصہ گزرا تھا لیکن نہایت کرم خوردہ تھا۔[3]

۴۷۔هدایة الباری :[4]

شیخ الاسلام زکریا الانصاری تلمیذ الحافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۹۲۶ھ۔[5]

یہ شرح مصر میں طبع ہوگئی ہے اور عنوان شرح قوله قوله کر کے ہے۔ بعض مؤرخین نے بجائے هدایة الباری

← تراجم ابواب بخاری کی مناسبات بیان کرتا ہے اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور ان کی ایک کتاب "شرح زوائد مسلم علی البخاری" بھی ہے۔ تاریخ التراث ۱/۲۰۳۔

[1] مقدمة القسطلانی ۱/۳۶، ۳۷، کشف الظنون ۱/۳۶۹، الحطة ۲۱۹ اور معجم المؤلفین ۱۲/۱۱۸ میں اس کا نام "فتح الباری بالسیل الفسیح الجاری فی شرح صحیح البخاری" مذکور ہے۔ (المراجع)
اور الضوء اللامع ۱۰/۸۲ اور العقد الثمین ۲/۳۹۵ میں السیل کی جگہ الشیح کا لفظ ہے اور السِّیح کا معنی ظاہر جاری پانی اور السَّیح کا معنی زمین میں عبادت کے لیے جانا، اسی سے مسیح ابن مریم ہے اور میں نے اس کے اشتقاق کے متعلق پچاس قول اپنی بخاری کی شرح میں بیان کیے ہیں۔ (کذافی القاموس المحیط ص ۲۸۸)۔

[2] ان کا ترجمہ و تعارف انباء الغمر ۷/۱۵۹، الضوء اللامع ۱۰/۷۹، البدر الطالع ۲/۲۸۰ اور العقد الثمین ۲/۳۹۵ وغیرہ میں ہے۔

[3] الضوء اللامع ۱۰/۸۵ میں ہے کہ فیروز آبادی کی بخاری کی یہ شرح تو عجیب و غریب منقولات سے بھری پڑی ہے بالخصوص جب یمن میں ابن عربی کا نظریہ مشہور ہوا اور ان علاقوں کے علماء پر غالب آیا تو اس کی قباحات هلکیه کو اپنی کتاب میں داخل کرنے کی وجہ سے ان کی مذکورہ شرح کے عیب اور خامی کا سبب بن گیا۔ اسی لیے ہمارے شیخ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ میں نے اس کا وہ ٹکڑا دیکھا ہے جو کہ اس کے مؤلف کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا اور وہ پورا مکمل طور پر دیمک کھا گئی تھی پڑھا نہیں جا سکتا تھا۔

[4] مقدمة القسطلانی ۱/۳۷ انہوں نے اس کا نام ذکر نہیں کیا اور نجم الدین غزی نے کہا ہے کہ اس نے بخاری کی ایک ایسی جامع شرح لکھی ہے جس میں دس شروحات بخاری کو ملخص کیا ہے۔ الکواکب السائرة ۱/۱۹۹۔

[5] ان کی تاریخ وفات ۹۲۶ھ ہے۔ دیکھیے: الکواکب السائرة ۱/۲۰۶، البدر الطالع ۱/۲۵۲، الاعلام للزرکلی ۳/۸۰ اور معجم المؤلفین ۴/۱۸۲۔
اور شذرات الذهب میں ان کا ذکر ان علماء میں کیا ہے جو ۹۲۵ھ کو وفات پانے والے ہیں اور اصل اردو میں ۹۲۸ھ تھا جو کہ طبع کی غلطی لگتی ہے۔

هداية القاری لکھا ہے۔ [1]

۴۸۔المتجر الربیح والمسعی الرجیح : [2]

العلامة ابوعبدالله محمدبن(احمد بن محمد بن) مرزوق التِلِمْسانی [3] المالکی شارح البُرْدَةِ المتوفی ۸۴۲ھ۔ [4]

بقول صاحب کشف الظنون یہ شرح بھی ناتمام رہی۔ [5]

۴۹۔شرح صحیح البخاری : [6]

برهان الدین ابراهیم بن[علی] النعمانی المتوفی سنة۸۹۸ھ۔ [7]

صرف کتاب الصلوٰۃ تک پہنچی اور جس کا التزام کیا تھا، پورا نہ ہوسکا۔ [8]

۵۰۔شرح صحیح البخاری : [9]

---

[1] بروکلمان ۱۷۲/۳ اور سزگین ۱۸۸/۱نے اس کا نام ”تحفة الباری بشرح صحیح البخاری“ ذکر کیا ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی بتائے ہیں اور سزگین نے کہا ہے کہ قاہرہ میں ۱۳۲۶ھ کو یہ بارہ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ اور اس کا اختصار ابوالحسن سندھی ت ۱۱۳۶ھ کے حاشیہ بخاری کے ساتھ قاہرہ سے ۱۳۰۰ھ میں چھپی۔

[2] مقدمة القسطلانی ۳۷/۱، کشف الظنون ۵۳۹/۱، الحطة ۲۳۰۔

[3] یہ تِلِمْسان کی طرف نسبت ہے۔شروع میں دو کسر،میم کی سکون،سین مہملہ پر زبر،ایک شہر ہے۔[عبیداللہ]

[4] ان کا ترجمہ وتعارف الضوء اللامع ۵۰/۷، البدر الطالع ۱۱۹/۲، نفح الطیب ۲۰۰/۳ اور شذرات الذهب ۲۷۱/۶ میں ہے۔

[5] حافظ ابن حجر اپنی معجم میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھ سے اور میں نے ان سے سماع کیا اور انھوں نے مجھ سے صحیح بخاری کی شرح کا ایک حصہ سنا۔امام سخاوی نے یہ بات الضوء اللامع میں مذکور جگہ پر ذکر کی ہے اور امام شوکانی نے کہا ہے کہ ان کی کئی مؤلفات ہیں۔ان میں سے ایک المتجر الربیح والمسعی الرجیح والمرحب الفسیح فی شرح الجامع الصحیح، اور یہ مکمل نہیں ہوئی، اور ایک کتاب: انواع الدراری فی مکررات البخاری“ ہے۔ البدر الطالع ۱۲۰/۲ اور سزگین نے اس کا ایک نسخہ ذکر کیا ہے جو کہ قاہرہ کے دارالکتب (کتب خانہ) میں محفوظ ہے۔ تاریخ التراث ۱۸۳/۱۔

[6] مقدمة القسطلانی ۳۷/۱، کشف الظنون ۵۶۹/۱، الحطة ۲۲۰۔

[7] اس کا ترجمہ وتعارف الضوء اللامع ۷۸/۱۔۷۹ میں ہے۔

[8] مقدمة القسطلانی میں اسی طرح ہے اور ظاہر یہی ہے کہ صاحب کشف الظنون نے اسی سے اخذ کیا ہے اور سخاوی نے کہا ہے کہ نعمانی صاحب ہمارے شیخ کی فتح الباری اور شرح عینی کو جمع کرنے میں شروع ہوئے تو انھوں نے ایک مجموعہ لکھا اور ساتھ انتقاض الاعتراض کے ماحصل کا اضافہ کیا ۷۹/۱۔سزگین نے اس کا نام ”مزید فتح الباری“ لکھا ہے اور اس کا ایک نسخہ اسکوریال میں موجود ہونا ذکر کیا ہے، تاریخ التراث ۱۸۵/۱۔

[9] کشف الظنون ۵۶۹/۱، الحطة ۲۲۰، تاریخ التراث ۱۸۶/۱ اور اس میں اس کا نام ”الباری الفصیح فی الجامع الصحیح“ بتایا ہے۔ معجم المؤلفین ۸۰۷/۱۱۔

ابو البقامحمد بن علی بن خلف الاحمدی المصری الشافعی نزیل المدینۃ المتوفی بعد سنۃ ۹۰۹ھ۔[1]

یہ ایک طویل شرح ہے۔ابتدائے تالیف ۹۰۹ھ ہے۔شرح کرمانی،شرح عینی اور فتح الباری وغیرہ سے ملخص کر کے ایک عمدۃ شرح تیار کی ہے۔ لائق مصنف کا اپنی اس شرح کے بارے میں یہ مقولہ بہت درست ہے: ’’ جعلته كالوسيط برزخا بين الوجيز والبسيط‘‘۔[2]

۵۱۔نجاح القاریٔ :[3]

ابو عبداللہ محمد الشہیر بیوسف آفندی[زادہ] المتوفی سنۃ ۱۱۶۷ھ۔[4]

کتب خانہ ولی الدین سلطان بایزید واقع جامع شریفی قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔علامہ یوسف آفندی نے صحیح مسلم کی شرح بھی لکھی ہے۔[5]

۵۲۔بغیۃ السامع فی شرح الجامع :[6]

جمال الدین ابو یوسف[بن عمر بن حسن] المتوفی (فی القرن العاشر الھجری)۔

ایضاً مذکورہ بالا کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔[7]

۵۳۔شرح صحیح البخاری :[8]

العلامۃ زین الدین عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن بن احمد العباسی الشافعی المتوفی ۹۶۳ھ۔[9]

اس شرح کی ترتیب بالکل انوکھی اور نئے انداز کی ہے۔علامہ ابن اثیر جزری کی جامع الاصول کی طرز پر ہے۔

---

[1] ان کا ترجمہ وتعارف ھدیۃ العارفین ۲/۲۲۴، الاعلام ۶/۲۸۹ ؛ معجم المؤلفین ۱۱/۸ میں ہے۔

[2] کشف الظنون ۱/۳۶۹۔

[3] تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۷۲ ،اوراس نے کہا ہے کہ وہ تیس اجزاء میں ہے۔ تاریخ التراث ۱/۱۹۱۔

[4] وہ اصل میں عبداللہ بن محمد بن یوسف حلمی حنفی اسلامبولی (استنبولی) ہیں سلک الدرر ۳/۸۷۔

[5] سزگین نے اس کے اور بھی کئی نسخوں کا ذکر کیا ہے ۱/۱۹۱۔

[6] سزگین نے اس کا نام ”بغیۃ السامع و القاریٔ بشرح صحیح البخاری“ بتایا ہے، ۱/۱۹۰

[7] سزگین نے اس کا ایک اور نسخہ بتایا ہے جو دارالکتب قاہرہ میں پایا جاتا ہے۔

[8] کشف الظنون ۱/۳۶۹ ،الحطۃ ۲۲۰_۲۲۱ ،مقدمۃ القسطلانی ۱/ ۴۷ ،تاریخ التراث ۱/۱۸۹ ،اوراس نے اس کا نام ”فیض الباری فی شرح غریب صحیح البخاری ‘‘ رکھا۔اس کتاب کا ایک اور نسخہ بھی ہے جس کا عنوان ہے ” ضوء الساری فی شرح صحیح البخاری“۔ یہ کتاب ۳۳۴ اوراق پر مشتمل ہے اور ۹۰۶ھ میں مؤلف کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔(مراجع)

[9] ان کا تعارف الضوء اللامع ۴/ ۱۷۸ میں ہے۔ اس میں شرح بخاری کا ذکر نہیں کیا۔ شذرات الذھب ۸/۲۳۵ میں کہا ہے کہ ان کی مؤلفات میں سے شرح البخاری بھی ہے جو انھوں نے قاہرہ میں لکھی۔ایک اور مبسوط شرح بھی ہے جو روم میں لکھی اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکمل نہیں ہوسکی۔ یہ شرح انھوں نے سلطان بایزید کو پیش کی تو اس نے بیش قیمت انعام دیا۔ الکواکب السائرۃ ۲/۱۶۴۔

لائق مصنف نے احادیث کو سلسلہ سند سے مجرد کر کے ہر حدیث کے مقابل حاشیہ پر ایک حرف یا کئی حرف بطور علامت لکھے ہیں جس سے انھوں نے صحاح خمسہ کے مخرجین کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے امام بخاری کی اس حدیث کی تخریج میں موافقت کی ہے۔ پھر کتاب کے خاتمہ پر الفاظ غریبہ کی شرح کا باب قائم کیا ہے اور ہر لفظ کی شرح میں حاشیہ پر اس لفظ کو بعینہٖ درج کر دیا ہے۔ اس شرح پر علامہ برھان الدین بن ابو شریف [1] اور علامہ عبدالبر بن الشحنۃ نے تقریظیں لکھی ہیں۔ [2]

۵۴۔ترجمان التراجم : [3]

ابو عبداللہ (محب الدین) محمد بن عمر بن (محمد بن) رُشید السبتی المتوفی ۷۲۱ھ۔ [4]

لائق مصنف نے صرف صحیح بخاری کے ابواب پر بحث کی ہے لیکن افسوس یہ نادر کتاب ناتمام رہی۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رقم طراز ہیں کہ باوجود ناتمام ہونے کے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ [5]

۵۵۔حل اغراض البخاری المبھمۃ فی الجمع بین الحدیث والترجمۃ : [6]

الفقیہ ابو عبداللہ محمد بن منصور بن حمامۃ المغراوی السجلماسی [7]

انھوں نے تقریباً ایک سو تراجم ابوابِ بخاری کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے۔

۵۶۔ارشاد الساری : [8]

شہاب الدین احمد بن محمد (بن ابی بکر) الخطیب القسطلانی المصری صاحب المواھب اللَّدُنِّیۃ المتوفی ۹۲۳ھ۔ [9]

---

[1] اردو اصل میں "برھان الدین ابو شریف" ہے۔ اس کی تصحیح کشف الظنون اور الحطۃ سے کی ہے۔ یہ ابو اسحاق برھان الدین ابراہیم بن محمد ابن ابی شریف القدسی المصری ہیں۔ ۹۲۳ھ میں وفات پائی۔ ان کا تعارف الکواکب السائرۃ ۱/۱۰۲ وغیرہ میں ہے۔

[2] یہ عبدالبر بن محمد بن محمد ابن الشحنۃ الحنفی ہیں۔ ۹۲۱ھ میں وفات پائی۔ الکواکب السائرۃ ۱/۲۱۹، الشذرات ۸/۹۸۔

[3] کشف الظنون ۱/۳۶۹، الحطۃ ۲۲۱، مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۷، مقدمۃ الفتح ص ۱۴، الاعلام ۷/۲۰۵، معجم المؤلفین ۱۱/۹۳ اس کا ذکر جامع صحیح کے تراجم کے موضوع میں ہو چکا ہے۔

[4] اصل اردو میں ۷۲۲ھ ہے اور عام مصادر و تراجم میں ۷۲۱ھ ہے جیسا کہ گزرا ہے

[5] مقدمۃ الفتح ۱۴۔

[6] کشف الظنون ۱/۳۶۹، ۳۷۰، الحطۃ ۲۲۱، مقدمۃ القسطلانی ۱/۳۷، مقدمۃ الفتح ۱۴۔

[7] سِجِلْمَاسَہ کی طرف نسبت ہے۔ پہلے دو حروف کے نیچے کسرہ، لام ساکن، بعد میں میم مفتوح اور الف پھر سین مہملہ، سوڈان کے جنوب مغرب میں ایک شہر ہے۔ [عبیداللہ]

[8] تاریخ التراث ۱/۱۸۷، کشف الظنون ۱/۳۷۰، الحطۃ ۲۲۲۔

[9] ان کا ترجمہ و تعارف الکواکب السائرۃ ۱/۱۲۶، شذرات الذھب ۸/۱۲۱ اور البدر الطالع ۱/۱۰۲ میں ہے۔

یہ شرح حامل متن ہے۔ شرح اور متن کا اس طرح امتزاج کیا گیا ہے کہ اگر حدیث کے الفاظ خطوط کے نیچے نہ ہوں تو اکثر مقام میں متن اور شرح کا امتیاز مشکل ہو۔ مشکلات کو حل کیا ہے۔ مہملات کو مقید کیا ہے اور مبہمات کو واضح اور جو الفاظ مشکلہ مکرر آئے ہیں، ان کی شرح بھی ویسی ہی مکرر کی ہے۔ اس وجہ سے صحیح بخاری کے درس دینے والوں کو اس شرح کا سامنے رکھنا بہت آسانی بخشتا ہے۔ کوئی وقت باقی نہیں رہتی۔ مکرر سہ کرر ایک ہی لفظ کی شرح چلی آ رہی ہے۔ خود مصنف کا قول ہے: "ولم اتحاش عن الاعادة فی الافادة عندالحاجة الی البیان"۔ [1] یہ شرح بڑی بڑی شروح کی تلخیص ہے بالخصوص فتح الباری تو اس کا اصل ماخذ ہے۔ اس شرح میں پہلے ایک مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں کئی فصلیں ہیں۔ فضیلت علم حدیث، جن لوگوں نے فن وحدیث کو پہلے جمع کیا اور جو ان کے بعد آئے، اصول حدیث، صحیح بخاری کی شروط اور ترجیح، امام بخاری کی سوانح عمری وشروح بخاری مقدمہ مع ایک مختصر شرح کے علیحدہ بھی طبع ہو گیا ہے۔ [2]

۵۷۔ الخیر الجاری: [3]

العلامة یعقوب البنانی المتوفی ۱۰۰۳ھ۔

صحیح بخاری کی یہ شرح قسطلانی، عینی، فتح الباری وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ عنوان تالیف **قوله قوله** کے ساتھ ہے۔ [4] حل عمدہ ہے۔ لائق مصنف نے علاوہ ان شروح کے بہت سی کارآمد باتیں لکھی ہیں۔ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے کتب خانہ میں کتاب الزکوٰۃ تک ایک جلد کلاں موجود ہے اور مصنف کے اندازے سے چار جلدوں میں ہے۔ [5]

---

[1] مقدمة القسطلانی ۱/۳۔

[2] قسطلانی کے مقدمہ کی شرح کا نام: "نیل الامانی فی توضیح مقدمة القسطلانی" ہے اور اس کے شارح کا نام شیخ عبدالھادی بیاری ہے۔ انھوں نے ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی اور یہ شرح ہندوستان میں بہت پرانی چھپی ہوئی ہے۔ اور "ارشاد الساری للقسطلانی" کے سزگین نے بہت سے نسخوں کی دنیا کی مختلف لائبریوں میں نشان دہی کی ہے۔ اور یہ شرح مطبوع ومعروف ہے۔

[3] تاریخ الادب العربی ۳/۱۷۴، تاریخ التراث العربی ۱/۱۹۰ اور ان دونوں نے اس شرح کے مصنف کا نام محمد یعقوب ذکر کیا ہے اور بنانی کی جگہ بنبانی لکھا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ گیارہویں صدی ہجری میں تھے۔ (المراجع)
میں کہتا ہوں صاحب نزھة الخواطر نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے شیخ، عالم، محدث ابو یوسف یعقوب بنانی لاھوری۔ ان کی مؤلفات میں سے "الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری"، "المعلم فی شرح صحیح الامام مسلم" اور "المصفّٰی فی شرح المؤطا" وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ان کی وفات ۱۰۹۸ھ ذکر کی ہے۔ نزھة الخواطر ۵/۴۷۴۔۴۷۵۔

[4] یعنی حدیث کے متن سے جس کی شرح کرنی ہوتی ہے اس کا ایک ٹکڑا ذکر کرتے ہیں اور شروع میں قولہ: لکھتے ہیں پھر وہ ٹکڑا لکھتے ہیں پھر شرح کرتے ہیں۔

[5] بروکلمان نے اس کے ایک نسخہ کی نشان دہی کی ہے کہ وہ رامپور میں پایا جاتا ہے جبکہ سزگین نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

۵۸۔تحفة السامع و القارئ لختم صحيح البخاری :[1]

العلامة القسطلانی المتوفی سنة ۹۲۳ھ۔

اس کا ذکر علامہ سخاوی نے الضوء اللامع [2] میں کیا ہے۔موضوع بحث معلوم نہ ہو سکا۔غالباً صحیح بخاری کے ختم کا طریقہ بتایا ہے۔

۵۹۔شرح صحیح البخاری :[3]

الامام رضی الدین حسن بن محمد الصغانی الحنفی صاحب المشارق [4] المتوفی سنة ۶۵۰ھ۔ [5]

ایک مختصر شرح صرف ایک جلد میں ہے۔علامہ صغانی کی تالیفات سے ایک موضوعات بھی ہے جو مصر میں طبع ہو گئی ہے۔

۶۰۔الكوثر الجاری علی رياض البخاری :[6]

الفاضل احمد بن اسماعيل(بن عثمان) الگوُرانی الحنفی المتوفی سنة ۸۹۳ھ۔ [7]

ایک متوسط شرح ہے۔اکثر اس شرح میں علامہ کرمانی اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کا رد بھی ہے۔ان رواۃ کے اسماء (جن میں اشتباہ کا خوف ہے) ضبط کیے گئے ہیں۔لغات مشکلہ کا حل بڑی خوبی سے کیا ہے۔قبل شرح کے جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارک اور مصنف کے مناقب جمیلہ اور صحیح بخاری کی خوبی کا ذکر کیا گیا ہے۔۸۷۴ھ جمادی الاولی میں مصنف نے تالیف سے فراغت پائی۔ [8] کتب خانہ ایا صوفیا واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ [9]

---

[1] كشف الظنون ۳۷۱/۱، الحطة ۲۲۳۔

[2] الضوء اللامع ۱۰۴/۲۔

[3] كشف الظنون ۳۷۱/۱ ، الحطة ۲۲۳ ، الاعلام ۲۳۲/۲ بروکلمان اور سزگین نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

[4] اس سے مراد "مشارق الانوار النبوية من صحاح الاخبار المصطفوية" ہے جو کئی دفعہ چھپی ہے اور یہ قاضی عیاض کی "مشارق الانوار على صحاح الاخبار" کی غیر ہے اور یہ بھی مطبوع ہے اور صغانی کی ایک کتاب کا نام "اسامی شیوخ البخاری" بھی ہے جو کہ بعد میں دار عالم الفوائد (مکہ مکرمہ) کی طرف سے ترکی میں موجود قلمی نسخہ کا عکس چھپا تھا۔

[5] ان کا ترجمہ وتعارف معجم الادباء ۱۸۹/۹، بغية الوعاة ۵۱۹/۱ اور شذرات الذهب ۲۵۰/۵ میں ہے۔

[6] مقدمة القسطلانی ۳۷/۱، كشف الظنون ۳۷۱/۱ ،الحطة ۲۲۳ ، تاريخ الادب العربی ۱۷۰/۳ اور تاريخ التراث العربی ۱۸۶/۱۔

[7] ان کا ترجمہ وتعارف الضوء اللامع ۲۴۱/۱ میں ہے۔امام سخاوی نے ان کی مؤلفات میں شرح بخاری کا ذکر کیا ہے۔نظم العقيان للسيوطی ص ۳۸ ، معجم المؤلفين ۱۲۶/۱۔

[8] كشف الظنون ۳۷۱/۱۔

[9] اس کے اور بھی نسخے ہیں جن کا ذکر سزگین نے کیا ہے۔۱۸۶/۱۔

۶۱۔شرح صحیح بخاری : [1]

الامام عفیف الدین سعید بن(محمد بن) مسعود الکازرونی المتوفی ۷۵۸ھ۔

مصنف نے شیراز شہر میں اقامت اختیار کی اور وہیں اپنی شرح کی تالیف فرمائی۔

۶۲۔شرح صحیح بخاری : [2]

الامام زین الدین ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی بکر العینی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ۔ [3]

یہ شرح تین جلدوں میں ہے اور صحیح بخاری اس کے حاشیہ پر ہے۔

۶۳۔التوضیح للاوھام الواقعة فی الصحیح : [4]

ابو ذر احمد بن ابراھیم (بن محمد بن خلیل)ابن السبط الحلبی المتوفی ۸۸۴ھ۔ [5]

اس کے مصنف نے شرح کرمانی اور فتح الباری اور شرح برماوی سے تلخیص کی ہے۔

۶۴۔التوضیح لمبھمات الجامع الصحیح :

ابو ذر احمد بن ابراھیم (بن محمد بن خلیل)ابن السبط الحلبی المتوفی ۸۸۴ھ۔

نام سے موضوع بحث ظاہر ہے۔صاحب کشف الظنون نے کچھ تفصیل نہیں لکھی۔ [6]

۶۵۔شرح صحیح البخاری : [7]

فخر الاسلام علی بن البزدوی الحنفی المتوفی ۸۹۴ھ۔ [8]

---

[1] کشف الظنون ۳۷۱/۱ ،الحطة ۲۲۳ ، معجم المؤلفین ۲۳۱/۴، ھدیة العارفین ۳۹۱/۱۔

[2] کشف الظنون ۳۷۱/۱ ،الحطة ۲۲۴۔

[3] ان کا تعارف الضوء اللامع ۷۱/۴ میں ہے، اور سخاوی نے کہا ہے کہ یہ بھی اپنے سلف کی طرح ابن العینی کے نام سے معروف ہیں۔ھدیة العارفین ۲۱۵/۲. یہ عمدة القاری کے مصنف عینی کے علاوہ ہیں۔

[4] کشف الظنون ۳۷۱/۱ ،الحطة ۲۲۴ ، تاریخ التراث ۱۸۶/۱ اور ان کی بخاری کی ایک شرح کا نام " الدرفی شرح صحیح البخاری" ہے۔دیکھیے :تاریخ الادب لبروکلمان ۱۷۰/۳ (الراجع)۔

[5] ان کا تعارف الضوء اللامع ۱۹۸/۱ میں ہے۔سخاوی نے کہا ہے کہ انھوں نے بخاری کے مبہمات میں علیحدہ اور اعراب میں علیحدہ کتاب لکھی ہے اور بخاری پر عمدہ تعلیق جمع کی ہے جو کہ کرمانی، برماوی اور ہمارے شیخ کی فتح الباری سے ملخص کی ہیں اور پھر ایک اور تعلیق اس سے اختصار کر کے لکھی ہے اور ان کی ایک کتاب کا نام "التوضیح للاوھام الواقعة فی الصحیح و مبھمات مسلم" بھی ہے۔ الضوء ۱۹۸/۱۔۱۹۹،شذرات الذھب ۳۳۹/۷۔

[6] اس کتاب کا ایک نسخہ جنگ عظیم دوم سے پہلے جرمنی کے دار العلوم کے مکتبہ مخطوطات میں موجود تھا۔[عبیداللہ]

[7] کشف الظنون ۳۷۱/۱ ،الحطة ۲۲۴ ۔

[8] صاحب کشف الظنون اور صاحب حطہ نے ان کی تاریخ وفات ۸۹۴ ھ ہی لکھی ہے اور صاحب مفتاح السعادة ۵۵/۲، ←

یہ شرح بھی ایک مختصر شرح ہے۔

۶۶۔فیض الباری فی غریب صحیح البخاری :[1]

العلامۃ عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن العباسی المتوفی ۹۶۳ھ۔

اس کا نسخہ کتب خانہ جامع شریفی سلطان عبدالحمید خان اول واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے۔

۶۷۔کتاب النجاح فی شرح کتاب اخبار الصحاح :[2]

الامام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی الحنفی المتوفی ۵۳۷ھ۔[3]

سلسلہ سند امام بخاری تک پچاس طریقوں سے بیان کیا ہے۔صاحب کشف الظنون نے اور کچھ تفصیل نہیں لکھی۔[4]

۶۸۔شواھد التوضیح و التصحیح لمشکلات الجامع الصحیح :[5]

← معجم المؤلفین ۷/۱۹۲، الاعلام ۱۴۸/۵ نے ان کی تاریخ وفات ۴۸۲ھ ذکر کی ہے۔ نیز انھوں نے ان کی ایک کتاب "شرح الجامع الصحیح" کے نام کے ساتھ ذکر کی ہے اور ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن حسین بن عبدالکریم بن موسیٰ بن عیسیٰ بن مجاھد بزدوی ۔صاحب کشف ظنون نے جہاں ان کی کتاب المبسوط کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی وفات کی تاریخ یہی ذکر کی ہے، دیکھیے :۱/۳۸۱۔۲/۱۳۷۲۔(الراجع)

[1] اس کا ذکر گزر چکا ہے اور وہاں یہ بات بھی ذکر ہوچکی ہے کہ صاحب شذرات الذھب نے ان کی دو شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ایک مصر میں لکھی تھی اور دوسری مبسوط شرح روم میں لکھی تھی، اور ظاہر یہی ہے کہ یہ بعد والی شرح نامکمل ہے اور صاحب تاریخ تراث نے ان کی شرح اسی نام سے ذکر کی ہے اور ایک اور نسخہ "ضوء الساری فی شرح صحیح البخاری" کے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے ۱/۱۸۹۔

[2] کشف الظنون ۱/۵۷۱ ،الحطۃ ۲۲۴ ، معجم المؤلفین ۷/۳۰۶۔

[3] یہ نسفی عقائد نسفی کے مصنف ہیں۔اصل نسف سے ہیں اور سمرقند میں رہائش رکھی۔ان کا ترجمہ وتعارف سیر اعلام النبلاء ۲۰/۱۲۶ میں ہے۔اور نسفی کی کتاب "القند فی ذکر علماء سمر قند" ایک ایسے نسخے سے جو کہ اول وآخر سے ناقص ہے نظر محمد فاریابی کی تحقیق سے مکتبہ الکوثر ریاض کی طرف سے ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء میں طبع ہوئی۔ان کا تعارف لسان المیزان ۳۲۷/۴ اور الفوائد البھیۃ ۱۴۹ میں بھی ہے۔

[4] امام ذہبی نے کہا ہے کہ ان کی تقریباً سو کتابیں ہیں۔سمعانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اور طلب سے محبت رکھتے تھے لیکن حدیث کا فہم نصیب نہیں ہوا نیز فرمایا کہ میں نے ان کے حدیث کے مجموعہ جات میں سے بہت سے مجموعات کا مطالعہ کیا ہے اور ورق گردانی کی تو ان میں بہت سی اخطاء اور اسماء میں تغییر اور بعض کا سقط اور بے شمار اوھام پائے لیکن انہیں جمع اور تصنیف کی توفیق ملی ہے۔ التحبیر ۱/۵۲۷،۵۲۸۔

[5] کشف الظنون ۱/۵۷۱ ،الحطۃ ۲۲۴ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۱۶۸/۳، انھوں نے کہا کہ ان کی ایک کتاب "التوضیح فی اعراب البخاری" بھی ہے،تاریخ التراث ۱۷۸/۱۔(الراجع)

الشیخ جمال الدین محمد بن عبداللہ بن مالک النحوی المتوفی ۶۷۲ھ۔ [1]

صحیح بخاری کے ان اعراب مشکلہ کے دلائل وشواہد بیان کیے ہیں جو ظاہر میں مروجہ قواعد نحویہ کے خلاف نظر آتے ہیں۔شہر الٰہ آباد میں طبع ہوگئی ہے۔ [2]

۶۹۔فیض الباری : [3]

السید العلامۃ عبدالاول الجونفوری المتوفی ۹۶۸ھ۔ [4]

۷۰۔نور القاری : [5]

الشیخ نور الدین(احمد بن محمد صالح) الاحمد آبادی المتوفی ۱۱۵۵ھ۔ [6]

ان دونوں مذکورہ بالا شرحوں کا ذکر علامہ ابوالطیب نواب صدیق حسن خاں نے اپنی قابل قدر تاریخ (اتحاف النبلاء) میں کیا ہے۔اور یہ انھوں نے ماثر الکرام مصنفہ آزاد بلگرامی سے لیا ہے۔

۷۱۔شرح صحیح البخاری : [7]

القاضی مجدالدین(ابو الفداء) اسماعیل بن ابراھیم البِلْبِیسی [8] المتوفی ۸۰۲ھ۔ [9]

---

[1] ان کا تعارف الوافی بالوفیات ۳۵۹/۳ ، طبقات السبکی ۶۷/۸، السلوک لمعرفۃ دول الملوک ۱۸۸/۲ اور شذرات الذھب ۳۹۹/۵ وغیرہ میں ہے۔

[2] پھر اس کے کئی ایک اور طبعات آچکے ہیں۔

[3] اتحاف النبلاء ۳۰۲، نزھۃ الخواطر ۱۵۰/۴ اور صاحب ھدیۃ العارفین نے ۴۹۳/۵ میں اس کا نام:"فتح الباری شرح الجامع الصحیح للبخاری" اور اس کے مؤلف کا نام عبدالاول بن میر علائی حسینی زید پوری بتایا ہے۔یہ دھلی میں ۹۶۸ھ کو فوت ہوئے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں لیکن سزگین نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

[4] شیخ عالم محدث عبدالاولی بن علی بن علاء حسینی جونپوری کبار فقہاء حنفیہ میں سے ہیں۔ان کا اصل وطن زید پور تھا جو کہ جونپور ضلع کی تحصیل ہے۔ ان کے آباء واجداد میں سے کوئی ایک حیدر آباد دکن منتقل ہوگیا تھا۔۹۶۸ھ کو دھلی میں ان کی وفات ہوئی۔ نزھۃ الخواطر ۱۴۹/۴۔۱۵۰۔

[5] اتحاف النبلاء ص ۳۲۷۔ ان کا تذکرہ ایضاح المکنون ۶۸۶/۲ ، ابجد العلوم ۲۴۰/۳ اور نزھۃ الخواطر ۴۰۲/۶ میں بھی ہے۔

[6] ان کا تعارف ھدیۃ العارفین ۱۷۳/۱، ابجد العلوم ، نزھۃ الخواطر اور معجم المؤلفین ۱۱۱/۲ میں بھی ہے۔

[7] کشف الظنون ۵۴۷/۱، ھدیۃ العارفین ۲۱۵/۱ ، الحطۃ ۲۲۴ ، معجم المؤلفین ۲۵۷/۲۔

[8] بلبیس بکسر البائین وسکون اللام والیاء وسین مھملۃ۔اسکندری نے اسے اسی طرح ہی ضبط کیا ہے۔عام لوگ بلبیس بفتح الباء الثانیۃ بولتے ہیں۔[مؤلف]

[9] اصل اردو میں اس کی تاریخ وفات صاحب کشف الظنون کی پیروی میں ۸۱۰ھ لکھی گئی ہے اسی طرح حطہ میں، اور ۸۰۲ھ ہی صحیح ہے جیسا کہ اس کے تعارف کے مصادر میں ہے۔ان کے تعارف کے لیے انباء الغمر ۱۵۸/۴، الضوء اللامع ۲۸۷/۲ ، حسن المحاضرۃ ۳۷۱/۱ اور الحطۃ ۲۲۴ دیکھیں۔

۷۲۔شرح صحیح البخاری : [1]

القاضی زین الدین عبدالرحیم ابن الرکن احمد المتوفی سنة ۸۶۴ ھ۔

ان مذکورہ بالا دونوں شرحوں کا حال بھی صاحب حطہ نے کچھ نہیں لکھا اور صاحب کشف الظنون نے بھی سکوت کیا۔

۷۳۔الفیض الجاری ۔ [2]

اسماعیل (بن محمد بن عبدالھادی) العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ [3] تلمیذ العلامة السندی ۔ [4]

ابتدائے تصنیف ۱۱۴۱ھ ہے۔ علامہ موصوف نے جامع اموی کے قبہ نسر میں صحیح بخاری کی تدریس کے زمانہ میں اس شرح کو شروع کیا۔ علامہ موصوف نے الفوائد الدراری فی ترجمة البخاری میں اس کی تالیف کا سبب بھی لکھا ہے۔ [5]

۷۴۔شرح غریب صحیح البخاری : [6]

ابوالحسن محمد بن احمد الجَیَّانِی [7] النحوی المتوفی ۵۴۰ھ۔

اس کا بھی کچھ مفصل حال صاحب حطہ اور علامہ عجلونی نے نہیں بتایا اور نہ صاحب کشف الظنون اور علامہ قسطلانی نے کچھ لکھا ہے۔

۷۵۔شرح صحیح البخاری : [8]

---

[1] کشف الظنون ۱/۲۲۰ الحطة ۲۲۴۔

[2] ھدیة العارفین ۱/۲۲۰، سلك الدرر ۱/۲۵۶، اس میں لکھا ہوا ہے کہ انھوں نے اپنی شرح کے مسودات سے ۱۲۹۲ اجزاء لکھے ہیں اور اس میں کتاب المغازی میں امام بخاری کے قول: "باب مرجع النبی صلی اللہ علی وآلہ وسلم من الاحزاب و مخرجه الی بنی قریظة و محاصرته ایاھم" تک پہنچ سکے ہیں اور اگر یہ شرح مکمل ہو جاتی تو زمانے کے ثمرات میں سے ایک مفید ثمر ہوتا"۔

[3] یہ عجلونی مشہور کتاب "کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتھرمن الحدیث علی السنة الناس" کے مصنف ہیں۔ معجم المؤلفین ۲/۲۹۲ پر ان کا تعارف ہے۔

[4] ابوالحسن بن عبدالھادی سندھی ثم مدنی ۱۱۳۶ھ کو وفات پائی۔ صاحب "سلك الدرر" نے سندھی کو عجلونی کے شیوخ میں ذکر کیا ہے اور معجم المؤلفین ۳/۲۴۳ میں بھی ان کا ترجمہ وتعارف ہے۔

[5] بروکلمان نے ۳/۱۷۴ اور سزگین نے ۱/۱۹۱ اس کے کئی قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے۔

[6] کشف الظنون ۱/۳۷۱ ، ھدیة العارفین ۲/۸۹، الحطة ۲۲۴، اور معجم المؤلفین ۸/۲۴۸۔

[7] جیان اندلس میں ایک شہر ہے۔ معجم البلدان ۲/۱۹۵۔

[8] کشف الظنون ۱/۳۷۱ ، ھدیة العارفین ۲/۹۰ اور الحطة ۲۲۴۔

القاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ العربی المالکی الحافظ المتوفی ۵۴۳ھ۔ [1]

اس شرح کا بھی مفصل حال نہ صاحب کشف الظنون نے بتایا نہ صاحب حطہ نے۔ [2]

۷۶۔صیانۃ القاریٔ عن الخطأ فی صحیح البخاری: [3]

ابوالحسن علی بن ناصر الدین المتوفی سنۃ۹۳۹ھ۔

۷۷۔معونۃ القاریٔ: [4]

ابو الحسن علی بن ناصر الدین محمد بن محمد المالکی المتوفی سنۃ (۹۳۹ھ)۔ [5]

ان دونوں مذکورہ بالا شروحات کا ذکر علامہ عجلونی نے اپنی کتاب الفوائد الدراری میں کیا ہے، علی بن ناصر الدین امام سیوطی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۷۸۔شرح صحیح البخاری: [6]

شہاب الدین احمد بن رَسْلان المقدسی الرملی الشافعی المتوفی ۸۴۴ھ۔ [7]

یہ شرح تین جلدوں میں ہے۔ [8]

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۱۹۷/۲۰ اور العبر میں ۵۴۶ھ میں وفات پانے والوں کے تذکرہ میں ان کا ذکر ہے۔اسی طرح شذرات الذھب میں بھی انہی لوگوں میں اس کا ذکر ہے ۱۴۱/۴ ، اور تذکرۃ ۱۲۹۷/۴میں ذہبی نے کہا ہے کہ اول ہی صحیح ہے اور وہ "عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی" کے مصنف ہیں جو عام چھپی ہوئی ہے، اور ان کی ایک شرح مؤطا کی بھی ہے جو کہ "کتاب القبس فی شرح مؤطا مالك بن انس" کے نام کے ساتھ ڈاکٹر محمد عبداللہ ولد کریم کی تحقیق سے دار الغرب الاسلامی بیروت کی طرف سے ۱۹۹۲ء میں طبع ہوئی۔

[2] کتاب القبس کے محقق نے مختلف مصادر سے ابن العربی کی مؤلفات کے شمار کا احاطہ کیا ہے۔ان میں ایک کتاب "النیّرین فی شرح الصحیحین" اور ایک کتاب "شرح الصحیح" کے نام سے ذکر کی ہے اور پہلی کا ذکر صاحب شجرۃ النور الزکیۃ ۱۳۶/۱ نے کیا ہے۔

[3] اس کے بعد والی تعلیق دیکھیے۔

[4] میرا خیال ہے کہ یہ دونوں شرحیں دراصل ایک ہی مصنف کی ہیں اور وہ ابوالحسن علی بن ناصر الدین محمد بن محمد بن خلف منوفی مصری شاذلی ہیں۔انھوں نے ۹۳۹ھ میں وفات پائی۔دیکھیے: الاعلام ۱۶۴/۵ اور معجم المؤلفین ۲۳۰/۷ دوسری شرح بروکلمان نے بھی ۱۷۳/۳ اسی نام کے ساتھ ذکر کی ہے لیکن تاریخ التراث ۸/۱ میں اس کا نام مؤنۃ القاری ہے ہمزہ کے ساتھ۔(الراقم)

[5] ان کا تعارف ھدیۃ العارفین ۷۴۳/۱ ، شجرۃ النور الزکیۃ ۲۷۲/۱ میں ہے۔

[6] الضوء اللامع ۲۸۵/۱، کشف الظنون ۳۷۱/۱ ، شذرات الذھب ۲۴۹/۷، البدر الطالع ۵۱/۱، الحطۃ ۲۲۴ اور معجم المؤلفین ۲۰۴/۱۔

[7] وہ احمد بن حسین بن حسن بن علی بن یوسف بن علی بن ارسلان ہیں۔کبھی شروع والا الف حذف کر دیا جاتا ہے اور ابن رسلان سے معروف ہیں۔الضوء اللامع ۲۸۲/۱ اور طبقات المفسرین للداؤدی ۳۸/۱ اور الانس الجلیل ۱۷۴/۲ میں ان کا ترجمہ وتعارف موجود ہے۔

[8] سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ شرح کتاب الحج کے آخر تک پہنچ سکی ہے۔کہا گیا ہے کہ یہ تین جلدوں میں ہے، اسی طرح شوکانی نے ←

۷۹۔اضاءۃ الدراری : [1]

العلامۃ الشھاب احمد (بن علی بن عمر بن صالح) المَنِیْنی [2] العثمانی المتوفی ۱۱۷۲ھ۔

اس کا ذکر ابن عابدین صاحب ردالمحتار نے اپنی ثبت میں کیا ہے۔ [3]

۸۰۔مصباح القاری : [4]

الامام عبدالرحمٰن الاھدل [5] الیمنی المتوفی سنة ۸۵۵ھ۔

ان دونوں مذکورہ بالا شرحوں کا ذکر علامہ نواب صدیق حسن خاں نے الحطہ میں کیا ہے۔ [6]

۸۱۔شرح صحیح البخاری : [7]

ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبھانی الحافظ المتوفی ۵۳۵ھ۔ [8]

اس شرح کے حال سے بھی مؤرخین ساکت ہیں۔ [9]

← البدر الطالع ۱/۵۱ میں ذکر کیا ہے۔

[1] سلك الدرر ۱/۱۳۵ میں ہے کہ یہ کتاب الصلوۃ تک پہنچ سکی، مکمل نہیں ہوئی۔ ھدیة العارفین ۱/۱۷۵ اور معجم المؤلفین ۲/۱۵۔

[2] یہ مَنِین کی طرف نسبت ہے۔ مَنِیْن بالفتح ثم بالکسر ثم یاء مثناة ونون اُخری ۔شام یا دمشق کے علاقہ جبل سنیر میں ایک بستی ہے۔[مؤلف] نیز دیکھیے :اللباب ۳/۲۶۶۔

[3] اس کا ایک نسخہ ظاہریہ کتب خانہ میں پایا جاتا ہے جیسا کہ سزگین نے ذکر کیا ہے اور اس کا نام "الدراری" بتایا ہے۔

[4] کشف الظنون ۱/۵۷۱ ، الحطة ۲۲۴۔

[5] امام شوکانی نے البدر الطالع ۱/۲۱۸ میں کہا ہے کہ وہ حسین بن عبدالرحمٰن حسینی علوی شافعی معروف بہ اھدل ہیں ۔انھوں نے بخاری پر ایک حاشیہ لکھا جو شرح کرمانی سے کچھ اضافے کے ساتھ منتخب کیا اور اس کا نام "مفتاح القاری لجامع البخاری" رکھا اور انھوں نے ۸۵۵ھ میں وفات پائی (عبیداللہ رحمانی) سخاوی نے الضوء اللامع ۳/۱۴۵۔۱۴۷ اور کحالہ نے معجم المؤلفین ۴/۱۵ میں اسی طرح ذکر کیا ہے وہ یمن کے شہر نخریہ میں پیدا ہوئے۔[مراجع]

میں کہتا ہوں کہ علماء میں ایک عبدالرحمٰن بن سلیمان بن یحییٰ الاھدل بھی ہیں جو کہ ۱۲۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ یہ صاحب کشف ظنون کے بعد ہوئے ہیں اسی لیے ان کا ذکر کشف میں نہیں آیا اور یہی دلیل ہے اس بات کی کہ اوپر مذکور ابن الاھدل وہ یہ نہیں ہیں کیوں کہ ان کا ذکر کشف میں آیا ہے۔ صاحب کشف نے ۱۰۶۷ھ کو وفات پائی اور اس ابن اھدل نے ۱۲۵۰ھ کو۔علامہ نواب صدیق خاں نے ابجد العلوم میں ان کا ترجمہ وتعارف ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے ان کی بخاری کی شرح کا ذکر نہیں کیا۔ابجد ۳/۱۸۸ واللہ اعلم۔

[6] الحطة ۲۲۴۔

[7] کشف الظنون ۱/۵۷۱، الحطة ۲۲۴، الاعلام ۱/۳۲۲ ، معجم المؤلفین ۲/۲۹۳۔

[8] ان کا ترجمہ وتعارف سیر اعلام النبلاء ۲۰/۸۰ وغیرہ میں موجود ہے۔

[9] امام ذہبی نے سیر ۲۰/۸۴ میں کہا ہے کہ: انھوں نے صحیحین کی شرح کا ایک مجموعہ املاء کرایا اور طبقات الشافعیة للاسنوی میں ابوموسیٰ مدینی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرح لکھی ہے جو ان کے بیٹے نے شروع کی تھی ،بیٹا ان کی زندگی میں وفات پا گیا تو باپ نے دونوں کو مکمل کیا۔ طبقات ۱/۳۶۰ نیز دیکھیے: طبقات الفقھاء الشافعیین لابن کثیر ۲/۵۹۲، طبقات ←

۸۲۔ضوء الدراری :

العلامة غلام علی البلجرامی الادیب صاحب التصانیف المتوفی ۱۲۰۰ھ۔ [1]

ابتدا سے آخر کتاب الزکوٰۃ تک ہے۔خود مؤلف نے اس شرح کا ذکر اپنی قابل قدر تصنیف سبحة المرجان [2] میں کیا ہے۔نواب صدیق حسن خان رقم طراز ہیں کہ یہ شرح بڑے وسیع پیمانہ پر لکھنی شروع ہوئی تھی لیکن ناتمام رہی۔ [3]

۸۳۔ضیاء الساری : [4]

العلامة عبداللہ بن الشیخ سالم(بن محمد) البصری المالکی المتوفی ۱۱۳۴ھ۔ [5]

اس شرح کا ذکر علامہ نواب صدیق حسن خان نے الحطه میں اور علامہ عجلونی نے الفوائد الدراری میں کیا ہے اور کتب خانہ قسطنطنیہ نور عثمانیہ جامع شریفی میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ [6]

← الحفاظ للسیوطی ۴۶۴،طبقات المفسرین للسیوطی ص ۳۸ ، طبقات المفسرین للداؤدی ۱/۱۱۴، شذرات الذهب ۱۰۶/۴ اور هدية العارفين ۲۱۱/۱۔

[1] ابجد العلوم ۲۵۱/۳ میں ان کا ترجمہ وتعارف موجود ہے اور اس میں ان کی تاریخ وفات ۱۱۹۴ھ لکھی ہے اور نزهة الخواطر میں ۱۲۰۰ھ ہے اور ان کی اس شرح کا ذکر بھی ہے، اور انھوں نے کہا ہے کہ کتاب الزکوٰۃ کے آخر تک ہے نیز یہ بھی کہا ہے کہ اس شرح کو میں نے سید نور الحسن بن صدیق حسن خاں قنوجی کے خزینۃ الکتب میں مصنف کے خط سے دیکھا ہے......الخ (نزهة ۲۰۹/۶)

[2] سبحة المرجان ص ۱۱۲۔

[3] الحطة ۲۲۷، ابجد العلوم ۲۵۱/۳ ، الاعلام ۳۱۴/۵ اور حطه میں اس شرح کے مصنف کے مقدمہ شرح سے نقل کیا ہے کہ جب میں اس شہر میں پہنچا جس کی بنیاد ۱۱۵۱ھ کو رکھی گئی تھی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے صحیح بخاری پڑھنے اور اس کی شرح ارشاد الساری کے مطالعہ کے شوق کا اتفاق ہوگیا تو پکا ارادہ کرلیا کہ متن حدیث کے متعلق اصول ومبانی کا حل اور معانی کی تحقیق اس شرح سے اخذ کرنے پر اکتفاء کروں گا اور اسماء الرجال کی بحثوں میں نہیں پڑوں گا اور طول کلامی سے اپنے قلم کو محفوظ رکھوں گا اور جو کچھ مجھے روزانہ اس شرح سے پڑھنا ہو وہی منتخب کروں گا اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو اور اس پر کچھ فوائد کا اضافہ بھی کروں گا......الخ''۔اس بیان میں صریح دلیل ہے کہ ضوء الدراری کچھ زیادات کے ساتھ ساتھ ارشاد الساری کی تلخیص ہے۔واللہ اعلم۔

[4] الحطة ۲۲۷، ایضاح المکنون ۷۵/۲ ، هدية العارفين ۴۸۰/۱، الاعلام ۲۱۹/۴ اور معجم المؤلفین ۵۶/۶۔

[5] ابجد العلوم ۱۷۷/۳ میں بھی ان کا ترجمہ وتعارف ہے اور اس میں ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری کعبہ کے اندر پڑھی تھی اور ان کے دوسرے کام بھی ذکر کیے ہیں جو انھوں نے صحیح بخاری پر کیے ہیں۔

[6] قسطلانی سے بسیط اور فتح الباری سے چھوٹی ہے۔ثلث تک پہنچی ہے۔[مؤلف] اور سزگین نے اس کے دو قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے جو کہ ترکی میں پائے جاتے ہیں ان میں بایزید والا نسخہ نہیں۔ تاریخ التراث ۱۹۰/۱۔

۸۴۔سلم القاری: ①

السید العلامۃ محمد بن احمد الاھدل الیمنی المتوفی ۱۲۹۸ھ۔ ②

اس کا ذکر نواب صدیق حسن خاں نے حطہ میں کیا ہے۔

۸۵۔النور الساری: ③

العلامۃ شیخ حسن العدوی (الحمزاوی المالکی) المتوفی ۱۳۰۳ھ۔

قاہرہ میں جو صحیح بخاری ۱۲۷۹ ہجری میں دس جلدوں میں طبع ہوئی، اس کے حاشیہ پر یہ شرح بھی طبع ہوئی۔ اس کا ذکر صاحب اکتفاء القنوع نے کیا ہے۔ ④

۸۶۔حل صحیح بخاری: یعنی نسخۃ عتیقۃ صحیحۃ مع حل مشکلات و حواشی و جمیع نسخ من خزانۃ الکتب للعلامۃ شمس العلماء (مولانا السید نذیر حسین المحدث الدھلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ)

یہ نسخہ بہت عتیق نہایت واضح خوش خط ہے۔ مع جمیع نسخ وحل مشکلات وحواشی ورق کلاں پر تین ضخیم جلدوں میں ختم ہوا ہے۔ اس نسخہ کی صورت اس کی قدامت کی دلیل روشن ہے۔ یہ وہ نسخہ ہے جو بڑے بڑے اساتذہ اور شیوخ کے درس و تدریس میں رہا۔ اور ہر زمانہ میں بڑے بڑے افاضل نے اس پر حواشی و نکات چڑھائے۔ مختلف اوقات میں حواشی چڑھانے کی وجہ سے حاشیہ لکھنے کا کوئی نظم نہیں رہا۔ جس نے جس طرف جگہ پائی، لکھ دیا۔ حضرت شیخ الکل کے خاص ہاتھ کے حواشی لکھے ہوئے بھی اس پر موجود ہیں۔ ⑤ اس طرح مدت کے بعد یہ نسخہ اس کمال کو پہنچا۔ حضرت شیخ الکل اس نسخہ

---

① الحطۃ ۲۲۸، الاعلام ۶/۲۴۴، معجم المؤلفین ۸/۲۷۳۔ ابن زبارہ نے نیل الوطر ۲/۲۲۵ میں ذکر کیا ہے کہ یہ صحیح بخاری پر حاشیہ ہے۔

② ان کا تعارف ھدیۃ العارفین ۲/۳۸۰ اور نیل الوطر میں ہے ۲/۲۲۴۔

③ تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۷۶، تاریخ التراث ۱/۱۹۲، معجم المؤلفین ۳/۲۴۴، الاعلام ۲/۲۱۴، انھوں نے کہا کہ یہ پانچ جلدوں میں ہے۔

④ اکتفاء القنوع ۱۳۶، انھوں نے کہا ہے کہ یہ قاہرہ سے بخاری کے حاشیہ پر ۱۲۷۹ھ میں دس اجزاء میں چھپی اور ۱۳۰۳ھ میں قاہرہ سے ہی چار اجزاء میں چھپی تھی۔ (المراجع)

⑤ شیخ الکل یہ امام محدث سید نذیر حسین دھلوی اور برصغیر ہندوستان میں سنت نبویہ کے مجدد اور خاندان ولی اللھی کے علمی وارث کا لقب ہے۔ ۱۲۲۰ھ میں ریاست بہار کی ایک بستی میں پیدا ہوئے وہاں کے علماء سے پڑھا پھر ہندوستان کے علمی اور سیاسی دارالحکومت دھلی کی طرف سفر کیا اور شیخ محمد اسحاق دھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۶۲ھ) سے ۱۳ سال تک وابستہ رہے۔ جب شیخ اسحاق رحمہ اللہ نے شوال ۱۲۵۸ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کی تو اپنے نابغہ (فائق) شاگرد سید نذیر حسین رحمہ اللہ کو اپنی مسند تدریس میں اپنا نائب بنا کر گئے۔ چنانچہ سید صاحب ان کی جگہ ساٹھ سال کی مدت سے زیادہ تدریس کرتے رہے، کتاب وسنت کے علوم کی نشر واشاعت کرتے رہے اور فتوی ←

کی بڑی حفاظت فرماتے اور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے۔ الحمدللہ کہ اس نسخہ کے دیدار سے ہماری آنکھیں بھی منور ہوئیں اور اس کی جلدیں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں اور تیسوں جلدیں الگ الگ ہیں تحشی میں ذیل کے علامات لکھے ہوئے ملتے ہیں: ❶

د، م، ک، تو، ج، جامع الاصول، ق، ف، ع، ز، ذ، تن، توسل، تق، ھب، توصل، ن، ب، خ، انساب، صحاح، اکمال، استیعاب، کاشف، قاضی خاں۔

اکثر بلا علامت حواشی لکھے ہیں۔ یہ نسخہ بحیثیت صحت قدامت جامعیت نسخ وحل مشکلات وحواشی یادگار سلف ہے اور لعل بے بہا، جابجا حل مشکلات کا یہ طریقہ ہے کہ جب کسی مشکل مقام کو اٹھایا ہے تو متعدد شروح سے حل کر دیا ہے۔ اس طرح ایک ایک حاشیہ میں فتح الباری، کرمانی، قسطلانی، داؤدی، توشیح، تنقیح، خیر جاری، کئی کئی شرحیں موجود ہیں۔ پہلے پہل ہندوستان میں جو نسخہ مولانا احمد علی صاحب نے محشی کر کے شائع کیا، ❷ وہ اسی نسخہ کا خوشہ چین ہے۔ بوجہ اتحاد وارتباط زمانہ قدیم حضرت مولانا شیخ الکل سے یہ نسخہ عاریتاً لے کر اپنا نسخہ طبع کرایا۔ شرح داؤدی جس کی نسبت مولانا سہارنپوری نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ شرح داؤدی اصل منقول عنہ میں موجود تھی اور ذ سے اسی کی طرف اشارہ ہے بجز اس نسخہ کے اس کے وجود کا پتہ نہیں چلتا۔ مولانا سہارنپوری نے اس پر عینی شرح بخاری اور کتب

← نویسی، دعوت الی اللہ اور وعظ ونصیحت کا کام کرتے رہے حتیٰ کہ برصغیر ہندوستان وغیرہ میں ہزاروں طالب علم ان سے پڑھ کر فارغ ہوئے۔ ان کے متعلق ان کے شاگرد علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ان کی صحبت میں رہا اور تقریباً تین سال تک ان سے وابستہ رہا ہوں۔ میں نے ان سے بہت سے فیوض حاصل کیے ہیں اور میں نے انہیں تفسیر، حدیث اور فقہ میں امام پایا اور اُن پر عمل بھی کرتے تھے۔ عقیدہ ان کا اچھا تھا، دن رات ان کا مشغلہ قرآن وحدیث کی تدریس تھا۔ نفل نوافل، تلاوت قرآن پاک، خشوع اور آہ وبکا کثرت سے کرتے تھے۔ حسن خلق کے مالک تھے، بہت ہی ملنسار، محبت والے تھے، نہ حسد کرتے نہ کینہ رکھتے، مزاج میں انکسار تھی۔ میں نے اپنے دور میں ان سے زیادہ عبادت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ بہت ہی لمبی نماز پڑھتے تھے، لمبا رکوع وسجدہ کرتے تھے۔ ہر دن مسجد میں صبح کی نماز کے بعد لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے۔ ان کی مجلس میں کثیر مخلوق حاضر ہوتی تھی۔ اگر میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر قسم کھاؤں کہ میں نے اپنی آنکھوں کے ساتھ ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی انھوں نے علم، عبادت، زہد، صبر، سخاوت، حسن خلق اور حلم و بردباری میں کسی کو اپنے جیسا دیکھا تو میری قسم صحیح رہے گی ٹوٹے گی نہیں، اور وہ معصوم بھی نہیں ہیں لیکن میں نے ان کے اچھے اوصاف میں ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا...... الخ مقدمة غاية المقصود ۱/۵۴،۵۵۔

آئمہ اور علماء نے سید صاحب کی بہت تعریف کی ہے۔ اس جگہ اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ سید رحمہ اللہ نے ۱۳۲۰ھ کو وفات پائی اور انہیں تصنیف وتالیف کے لیے فراغت نہیں ملی لیکن ان کی ایک بہت مفید کتاب ہے جو اجتہاد، اتباع، تقلید کے مباحث پر مشتمل ہے، اس کا نام معیار الحق ہے اور ایک ان کا فتاویٰ نذیریہ ہے جو دو جلدوں میں ہے اس میں دوسری ابحاث اور رسائل بھی ہیں۔

❶ شیخ الکل کا ذاتی کتب خانہ "ہمدرد" لائبریری دہلی میں ہزاروں کتب اور مخطوطات کی شکل میں موجود ہے۔ مجھے ۲۰۰۵ء میں ان کی زیارت نصیب ہوئی۔ کاش کوئی ان کے حواشی کو مدون کرے۔ (عبدالجبار شاکر)

❷ اس کا ذکر ابھی تھوڑی دیر بعد ان کے حاشیہ علی البخاری کے ذکر میں آجائے گا۔

اصول حنفیہ سے مذہب حنفی کی تائید اور حدیثوں کی تاویل کا اضافہ کر دیا۔ گو دونوں حضرات مولانا شیخ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ میں تھے لیکن جب مولانا احمد علی صاحب دہلی تشریف لاتے تو حضرت میاں صاحب کی درس گاہ میں جب تک طلبہ کا سبق ہوتا، دو زانو ساکت بیٹھتے اور درس سے فراغت ہوتی تو بات چیت کرتے اور نہایت اخلاص مندانہ باتیں ہوتیں۔ اکثر فتاویٰ پیش کرتے یا کوئی اور علمی تذکرہ رہتا اور جب تک بقید حیات رہے، اس وضع کو نباہا۔ اس کے شواہد وہ خطوط ہیں جو مولانا احمد علی صاحب کے خاص ہاتھ کے لکھے ہوئے (جو انھوں نے بنام شیخ الکل لکھے تھے) مولانا شمس الحق صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔ [1]

۸۷۔حل صحیح بخاری:

مولانا احمد علی السھارنفوری تلمیذ شیخ شیخنا مولانا محمد اسحاق المحدث الدھلوی المتوفی ۱۲۹۸ھ۔ [2]

اس کا منقول عنہ نسخہ (جو حضرت مولانا سید علامہ نذیر حسین محدث دہلوی سے عاریتاً لیا گیا تھا) اصل مایہ ناز ہے۔ اصل نسخہ منقول عنہ کی کیفیت اوپر گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ صحیح بخاری کو صحت بلیغ کے ساتھ مع حل کے طبع کر کے تمام ہندوستان میں شائع کر دیا جہاں بجز فقہ حنفی دوسرے فنون اسلامیہ کا بہت کم چرچا تھا۔ (یہ خاندان ولی اللہ کا اثر اور فیض ہے) [3] لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مولانا احمد علی صاحب باوجود اس کے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان سے ان کو تلمذ تھا، لیکن مقلدین کی عام روش سے وہ نہ بچ سکے۔ علمائے مقلدین کا عام قاعدہ ہے کہ حدیث کی شرح کرنے بیٹھتے تو منجملہ اور مقاصد کے ایک ضروری مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ نصوص کو اپنے امام کے مذہب یا امام کے قواعد مخترعہ کا پابند کریں گے۔ چونکہ یہ روش پہلے سے چلی آتی ہے، پھر مولانا احمد علی صاحب اس سے کیوں کر بچ سکتے تھے۔ صحیح بخاری کو شرح عینی اور دیگر کتب اصول حنفیہ سے اول سے آخر تک مذہب حنفی کا پابند کر دیا اور نصوص کی تاویل کرنے میں کس کس طرح کی دقتیں اٹھائیں اور کیسی کیسی تاویلات باردہ سے کام لیے۔ اگر مولانا سہارنپوری نسخہ منقول عنہ کے حل پر کفایت کرتے یا دقائق حدیثیہ کا اضافہ کرتے اور نصوص کو اپنے مذہب کا پابند نہ کرتے تو ہندوستان میں آج محدثین کی بڑی جماعت نظر آتی اور تحقیق کا مذاق عام ہوتا۔ مولانا احمد علی صاحب نے اس حاشیہ کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ فن حدیث کے اصول کے علاوہ صحیح بخاری کے متعلق بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں۔ یہ مقدمہ تمام تر مقدمہ فتح

---

[1] اس کے علاوہ حضرت میاں صاحب کے قدیم طلبہ اس کے شاہد موجود ہیں۔ الشیخ شمس الحق علامہ محدث عظیم آبادی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد اور التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی وغیرہ عظیم مشہور کتب کے مصنف ہیں۔ ان کی وفات ۱۳۲۹ھ کو ہوئی۔

[2] ان کا تعارف نزھۃ الخواطر ۷/۵۰ پر ہے اور ۱۲۹۷ھ ان کی تاریخ وفات ہے۔

[3] یہ خاندان فقہی جمود کے دائرے سے باہر ہو کر کتاب و سنت کے علوم کی نشر و اشاعت کرنے لگا۔ یہ خاندان لوگوں کی بصیرتیں منور کرنے اور ان کے افق کا دائرہ وسیع کرنے اور کتاب و سنت کے علوم لوگوں میں متعارف کروانے اور ان سے استفادہ کرنے کا سبب بنا۔

الباری اور مقدمہ قسطلانی سے ماخوذ ہے اور بعض مضامین شاہ ولی اللہ صاحب کے رسالہ تراجم ابواب بخاری سے بھی ماخوذ ہیں۔ [1]

۸۸۔ تعلیقة علی صحیح البخاری : [2]

مولی لطف الله بن حسن التوقانی المقتول ۹۰۰ھ۔
یہ تعلیق صرف اوائل صحیح بخاری کے متعلق ہے۔ [3]

۸۹۔تعلیقة : [4]

العلامة شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی ۹۴۰ھ۔ [5]
اس کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔

۹۰۔تعلیقة : [6]

مولی فُضَیل بن علی الجمالی المتوفی ۹۹۱ھ۔ [7]
اس کا بھی کچھ مفصل حال صاحب کشف الظنون وعلامہ قسطلانی وعلامہ عجلونی نے نہیں بتایا۔

۹۱۔تعلیقة : [8]

مصلح الدین المصطفٰی بن شعبان السروری المتوفی سنة ۹۶۹ ھ۔ [9]
یہ ایک کبیر حاشیہ ہے۔نصف صحیح بخاری تک۔

۹۲۔تعلیقة : [10]

---

[1] یہ حاشیہ ہندوستان میں صحیح بخاری کے متن کے ساتھ مطبوع ہے۔

[2] کشف الظنون ۱/۳۷۱، الحطة ۲۲۵، ۲۲۳، هدیة العارفین ۱/۸۳۹، ، معجم المؤلفین ۸/۱۵۴۔

[3] ان کا ترجمہ وتعارف الکواکب السائرة ۱/۳۰۱ اور شذرات الذهب ۸/۲۳ میں ہے اور ان کی تاریخ قتل ۹۰۴ھ ہے۔

[4] کشف الظنون ۱/۳۷۱، الحطة ۲۲۵، اور هدیة العارفین ۱/۱۴۱ میں ہے کہ انھوں نے جامع صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے۔

[5] ان کا ترجمہ وتعارف الکواکب السائرة ۲/۱۰۷ اور شذرات الذهب ۸/۲۳۸ میں ہے۔

[6] کشف الظنون ۱/۳۷۲، اور الحطة ۲۲۵۔

[7] ان کا ترجمہ وتعارف هدیة العارفین ۱/۸۲۲، شذرات الذهب ۸/۴۲۳، الاعلام ۵/۱۵۳، معجم المؤلفین ۸/۷۷ میں ہے۔
اور اصل اردو میں ان کا نام فضیل کی جگہ فضل اور الجمالی کی جگہ الجمال ہے اور ان کے تعارف کی کتب ومصادر سے تصحیح کی گئی ہے۔

[8] کشف الظنون ۱/۳۷۲، شذرات الذهب ۸/۳۵۶، الحطه ۲۲۵، هدیة العارفین ۲/۴۳۴ اس میں اس کا نام شرح الجامع الصحیح لکھا ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔

[9] یہ ''سرور'' قهستان کے ایک شہر کی طرف نسبت ہے۔[مؤلف]

[10] کشف الظنون ۱/۳۷۲، الحطة ۲۲۵، هدیة العارفین ۱/۳۲۱، معجم المؤلفین ۳/۷۔

مولی حسین (بن رستم) الکفوی المتوفی ۱۰۱۲ھ۔ [1]

اس کا حال بھی مفصل معلوم نہ ہوسکا۔ صرف علامہ زرقانی نے **شرح مواھب اللدنیة** میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۹۳۔ تعلیقة : [2]

العلامة السندی الحنفی المتوفی ۱۱۳۸ھ۔ [3]

صحیح بخاری مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہوئی۔ [4]

۹۴۔ حل صحیح البخاری :

مرزا حیرت الدھلوی المتوفی ۱۸۹۹م۔

متن مولانا حافظ احمد علی مرحوم کا رکھا ہے لیکن صحیح بخاری کے حل میں **قسطلانی** اور **فتح الباری** سے کچھ زیادہ مدد لی ہے۔ صحت و صفائی کے اعتبار سے بھی اچھی ہے۔ حل لغات علیحدہ دیا ہے۔ لیکن بین السطور کے حواشی نکال دیئے ہیں۔ اس سے حل مشکلات میں کمی ہوئی ہے۔

۹۵۔ عون الباری لحل ادلة البخاری : [5]

العلامة النواب ابوالطیب صدیق حسن خاں بھادر المتوفی ۱۳۰۷ھ۔ [6]

---

[1] ان کی تاریخ وفات **کشف الظنون** اور **الحطة** میں ۱۰۱۲ھ لکھی ہے جبکہ **ھدیة العارفین** اور **معجم المؤلفین** میں ۱۰۱۰ھ ہے۔

[2] **سلك الدرر** میں ہے کہ ان کے کتب ستہ پر حواشی ہیں مگر ان کا ترمذی کا حاشیہ نامکمل ہے ۸۱/۴۔

[3] وہ نورالدین ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی ہیں۔ ان کا تعارف **فھرس الفھارس** ۱۴۸/۱، **الاعلام** ۲۵۳/۶ چھٹا ایڈیشن مطبوعہ **دار العلم للملاتین**، اور **فھرس الفھارس** میں ان کی تاریخ وفات ۱۱۳۹ھ لکھی ہوئی ہے۔

[4] **تاریخ التراث** ۱۹۸/۱، انہوں نے کہا ہے کہ یہ زکریا انصاری کی مختصر **تحفة الباری** کے ساتھ قاہرہ میں ۱۳۰۰ھ کو طبع ہوئی اور ان کی ایک کتاب: **الفوائد المتعلقة بصحیح البخاری** بھی ہے۔ دیکھیے: **تاریخ التراث** ۱۸۸/۱، ۱/ ۱۹۸۔ اس میں تاریخ وفات ۱۱۳۶ھ لکھی ہے۔ (الراجع)

[5] **ابجد العلوم** ۲۷۷/۳، **ایضاح المکنون** ۱۳۰/۲، **ھدیة العارفین** ۳۸۹/۲، **نزھة الخواطر** ۲۱۰/۸، **جلاء العینین** ص ۳۹۔

[6] وہ اپنے زمانے کی منفرد اور باکمال شخصیت تھے۔ دین و دنیا اور علم و عمل میں بلند مقام کی چوٹی کو پہنچے ہوئے تھے اور محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے خود آپ اپنی سوانح حیات لکھی ہے اور اپنی کئی کتب میں اپنے حالات زندگی سپرد قلم کیے ہیں۔ ان میں سے **ابجد العلوم** ۲۷۱/۳، **التاج المکلل** ص ۵۴۱ اور **الحطة** ۴۷۱، محقق علی حسن حلبی اور عالم عرب میں بہت سے علماء اور کتّاب نے ان کا تعارف لکھا ہے۔ دیکھیے: **کتاب الحطة فی ذکر صحاح الستة** کے محقق کا مقدمہ ص ۲۰۔ ان کی سیرت، کارناموں اور کوششوں کے متعلق مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب: "**السید صدیق حسن القنوجی آراءهٗ الاعتقادیة وموقفه من عقیدة السلف**" کے نام سے ہمارے بھائی ڈاکٹر اختر جمال لقمان نے لکھی ہے۔

ان کی خود نوشت سوانح حیات اردو میں **ابقاء المِنَن بالقاء المِحَن** کے نام سے ۳۹۴ صفحات میں دار الدعوۃ السلفیہ لاہور کی طرف سے چھپی ہے۔ (عبدالجبار شاکر)

علامہ زبیدی نے جو تجرید کی تھی، اسی کی یہ شرح عربی میں ہے۔ [1] علاوہ اس کے اس تجرید کی شرح علامہ شرقاوی اور الشیخ الغزیؔ نے بھی لکھی ہے۔ [2]

۹۶۔شرح تجريد الصحيح للزبيدى : [3]

الشيخ عبدالله(بن حجازى بن ابراهيم) الشرقاوى المتوفى سنة ۱۲۲۷ھ۔

۹۷۔شرح تجريد الصحيح للزبيدى :

الشيخ ابن القاسم الغزى المتوفى سنة (۹۳۸ھ یا ۹۱۸ھ)۔ [4]

ان دونوں مذکورہ بالا شرحوں کا ذکر علامہ ابو الطیب نواب صدیق حسن خاں نے اپنی شرح عون البارى میں کیا ہے۔ [5] عون البارى نيل الاوطار فى شرح منتقى الاخبار کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہوئی۔ [6]

۹۸۔مختصر صحيح البخارى : [7]

الامام جمال الدين ابوالعباس احمد بن عمر(بن ابراهيم) الانصارى القرطبى المتوفى ۶۵۶ھ۔

اس مختصر کی کوئی کیفیت صاحب کشف الظنون نے نہ بتائی، نہ اس کی شرح کا حال معلوم ہو سکا نہ اختصار کی غرض معلوم ہوئی۔ [8]

---

[1] زین الدین ابو العباس احمد بن احمد بن عبد اللطیف شرجی زبیدی ہیں۔ انھوں نے ۸۹۳ھ کو وفات پائی اور ان کی کتاب "التجريد الصريح لاحاديث الجامع الصحيح" چھپی ہے اور وہ معروف و مشہور ہے۔ زبیدی کا تعارف سخاوی نے الضوء اللامع ۲۱۴/۱ میں ذکر کیا ہے اور اسی کتاب میں تھوڑی دیر بعد نمبر ۹۹ میں آنے والا ہے۔

[2] شرقاوی او غزی کا ذکر ابھی بعد میں آنے والا ہے۔ عون البارى کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ان میں سے ایک قطر میں ادارة الشئون الدينية نے ۱۴۰۱ھ میں چھ جلدوں میں چھپایا تھا اور دوسرا ایڈیشن دار الرشید (حلب) نے ۱۴۰۴ھ میں پانچ جلدوں میں طبع کرایا تھا۔

[3] هدية العارفين ۴۸۸/۱، الاعلام ۲۰۶/۴، تاريخ التراث ۱۹۶/۱ اور اس کا نام "فتح المبدى لشرح مختصر الزبيدى" ہے اور سزگین نے اس کے کئی نسخوں کا ذکر کیا ہے اور یہ کئی دفعہ چھپی چکی ہے تاريخ الادب لبرو كلمان ۱۷۶/۳ اور انھوں نے اس تجرید کا بھی اختصار کیا ہے جس کا نام المختار ہے۔ [مراجع]

[4] وہ محمد بن قاسم بن محمد بن محمد شمس ابو عبداللہ غزی پھر قاهری، شافعی ہیں۔ اور ابن القاسم اور ابن الغرابیلی سے معروف ہیں۔ ۹۳۷ھ کو وفات پائی جیسا کہ ابن العماد نے کہا ہے دیکھیے: شذرات الذهب ۲۲۶/۸، الضوء اللامع ۲۸۶/۸، اور زر کلی اور عمر رضا کحالہ کا کہنا ہے کہ اس نے ۹۱۸ھ میں وفات پائی۔ الاعلام ۲۲۸/۷، معجم المؤلفين ۱۴۷/۱۱۔ [مراجع]

[5] عون البارى ص ۳۔

[6] دیکھیے حاشیہ نمبر (۲)۔

[7] البداية و النهاية ۲۱۳/۱۳، الديباج المذهب ۲۴۱/۱، كشف الظنون ۳۷۲/۱، الحطة ۲۲۵، هدية العارفين ۹۶/۱، الاعلام ۱۷۹/۱، معجم المؤلفين ۲۷/۲

[8] الديباج المذهب میں ہے کہ ان کی صحیح مسلم پر ایک اچھی شرح ہے اور اس کا نام المفهم ہے اور انھوں نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کا اختصار بھی کیا ہے اور بروکلمان اور سزگین نے اس کے کئی قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی صحیح مسلم کی شرح بعد میں تو چھپ چکی ہے۔

۹۹۔ التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح : [1]

زین الدین ابو العباس احمد بن احمد بن عبداللطیف الشرجی الزبیدی المتوفی ۸۹۳ھ۔

اس تجرید میں مرفوع حدیثوں کو اسناد سے الگ کر کے مکررات کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور احادیث متفرقہ کو جمع کیا ہے۔ اکثر صحیح بخاری کی حدیثوں کے تلاش کرنے والے بعض حدیثوں کے نہ ملنے سے گمان کر بیٹھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ جس حدیث کی تلاش میں وہ ہوتے ہیں، وہ حدیث بوجہ استنباط مسئلہ فقہیہ ایسے باب میں مذکور ہوتی ہے جس کی طرف ان کا ذہن بالکل نہیں جاتا۔ اس مختصر سے یہ دقت جاتی رہی۔ قاہرہ سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔ [2]

۱۰۰۔ ارشاد السامع والقارئ المنتقٰی من صحیح البخاری : [3]

العلامة بدر الدین حسن بن عمر بن حبیب الحلبی المتوفی ۷۷۹ھ۔ [4]

گو اس کا کچھ مفصل حال معلوم نہ ہو سکا تاہم نام سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیثوں کو لے کر شروح صحیح بخاری سے ان کو حل کیا ہے۔

۱۰۱۔ النھایة فی بدء الخیر والغایة : [5]

عبداللہ بن سعد بن ابی جمرة الازدی المتوفی ۶۷۵ھ۔ [6]

یہ بھی صحیح بخاری کا ایک اختصار ہے۔ اس کی تحشی علامہ محمد شنوانی المتوفی ۱۲۳۳ھ نے کی [7] اور یہ مختصر مع حاشیہ

---

[1] الضوء اللامع ۱/۲۱۴، کشف الظنون ۱/۳۷۲، الحطة ۲۲۵، ھدیة العارفین ۱/۱۳۶، الاعلام ۱/۸۷، معجم المؤلفین ۱/۱۵۰، تاریخ الادب العربی ۳/۱۷۶ اور تاریخ التراث العربی ۱/۱۹۵۔

[2] ۱۲۸۷ھ کو بولاق میں چھپی پھر بعد میں اس کے کئی نئے ایڈیشن چھپے۔

[3] کشف الظنون ۱/۳۷۲، الحطة ۲۲۵، ھدیة العارفین ۱/۲۸۷، معجم المؤلفین ۳/۲۶۶۔

[4] ان کا تعارف الدرر الکامنة ۲/ ۲۹، البدر الطالع ۱/ ۲۰۵ اور شذرات الذھب ۶/ ۲۶۲ میں بھی ہے۔

[5] کشف الظنون ۱/۵۵۱ دار الفکر سے لیا گیا عکس، الحطة ۳۳۶ طبع علی حلبی، ان دونوں نے اس مختصر کا نام ذکر نہیں کیا۔ ھدیة العارفین ۱/۴۶۲، شجرة النور الزکیة ص ۱۹۹، الاعلام ۴/۲۲۱، معجم المؤلفین ۶/۵۷، تاریخ الادب العربی ۳/۱۷۵، تاریخ التراث العربی ۱/۱۹۳۔ اس مختصر کا نام رکھنے میں ان مذکورہ مصادر میں اختلاف ہے اور کشف الظنون میں ہے کہ اس میں تقریباً ۳۰۰ احادیث ہیں اور اسی طرح حطہ میں ہے۔

[6] ان کی تاریخ وفات ۶۷۵ھ ہی ھدیة العارفین اور معجم المؤلفین میں ہے لیکن البدایة والنھایة ۱۳/۳۴۶ اور اعلام زرکلی میں ۶۹۵ھ میں وفات پانے والوں میں ان کا ذکر کیا ہے، اور برو کلمان و سزگین کے ہاں ۶۹۹ھ ہے اور شجرة النور الزکیة میں بھی اسی طرح ہے۔ دیکھیے: ص ۱۹۹۔

[7] وہ محمد بن علی ازھری شنوانی ہیں۔ یہ مصر میں منوفیہ شہر کی بستی شنوان کی طرف نسبت ہے۔ معجم المؤلفین ۱/۶۳ میں ہے کہ ان کا ابن ابی جمرہ کی "مختصر البخاری" پر ایک حاشیہ بھی ہے۔

قاہرہ میں ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی۔ صاحب اکتفاء القنوع لکھتے ہیں والمختصر هذا مع حاشية هذه مرغوبان عند طلبة علم الحديث یعنی یہ مختصر اور یہ حاشیہ دونوں طالبان حدیث کو بہت پسند ہیں۔ [1]

۱۰۲۔شرح مختصر البخاری: [2]

العلامة احمد بن العلامة الشيخ احمد (بن محمد) السُجاعی المتوفی ۱۱۹۷ھ۔ [3]

۱۰۳۔بهجة النفوس (وتحليلها ومعرفة ما عليها ولها): [4]

عبدالله بن سعد بن ابی جمرة الازدی المتوفی ۶۷۵ھ۔ [5]

مذکورہ بالا "نهاية في بدء الخير والغاية" کی شرح ہے۔ اس کے ابتدا کے الفاظ یہ ہیں: "الحمد لله الذى فتق رتق ظلمات جهالات القلوب"۔ خود صاحب الاختصار نے یہ شرح بھی لکھی۔ کتب خانہ ولی الدین سلطان بایزید جامع شریفی واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ [6]

۱۰۴۔حاشية صحيح بخاری: [7]

ابو العباس السندی احمد زروق شارح الحکم۔ [8]

---

[1] اکتفاء القنوع ص ۱۲۶ اور اس مختصر سے مراد مختصر ابن ابی جمرہ ہے اور سزگین نے اس مختصر کے کئی نسخوں کا ذکر کیا ہے اور یہ کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔

[2] هدية العارفين ۱/۱۷۹، معجم المؤلفين ۱/۱۵۴ اور اس میں اس کا نام "النور السارى على متن مختصر البخارى" لابن ابی جمرہ ہے۔ تاریخ التراث میں اسی طرح ہے۔

[3] السجاعی یہ غربی مصر میں واقع سجاعیہ علاقہ کی طرف منسوب ہے۔

[4] كشف الظنون (دارالفکر کا عکس) الحطة ۳۳۷، تحقیق علی حلبی، هدية العارفين ۱/۴۶، تاريخ الادب العربى ۳/۱۷۵، تاريخ التراث العربى ۱/۱۹۳ اور كشف الظنون اور حطہ میں اس کا نام "بهجة النفوس و غايتها بمعرفة مالها وعليها" ذکر کیا ہے۔

[5] اس کا ذکر اور ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ابھی گزرا ہے۔

[6] اس کے اور بھی کئی نسخے ہیں جن کا ذکر بروکلمان اور سزگین نے کیا ہے اور یہ چھپی ہوئی ہے اور اس کتاب پر اس کے مصنف نے خود دو کتابیں لکھی ہیں:

۱۔مقتضى وضعه جمع النهاية ......الخ

۲۔ المرائى الدالة على فضل مختصر البخارى المسمى بهجة ......الخ

[7] ۔هدية العارفين ۱/۱۳۶، اور انھوں نے اس کا نام "تعليق على البخارى فى ضبط الالفاظ" بتایا ہے۔

[8] وہ احمد بن احمد بن محمد بن عیسیٰ شہاب برنسی مغربی فاسی مالکی معروف بہ زَرُّوْق ہے۔ الضوء اللامع ۱/۲۲۲، شذرات الذهب ۷/۳۶۳ پر بھی "البرنسی" ہے اور انھوں نے لکھا ہے کہ ان پر تصوف کا غلبہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے حکم پر تیس سے زیادہ شرحیں لکھی ہیں۔ ۸۹۹ھ کو وفات پائی: شجرة النور الزكية ص ۲۶۷، اور اس میں بھی "البرنسی" لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل اردو کتاب میں "السندھی" تحریف شدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ عجلونی نے لکھا ہے کہ یہ ایک حاشیہ صحیح بخاری کے حل میں ہے۔

۱۰۵۔شرح صحیح بخاری : [1]

العلامة الكفيري محمد بن احمد(بن موسٰی) المتوفی سنة۸۳۱ھ۔

علامہ کفیری نے اس شرح کے خطبہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس شرح کو سعید بن مسعود گازرونی کی مقاصد التنقیح سے لیا ہے۔ [2]

۱۰۶۔شرح صحیح البخاری :

العلامة عبدالباقی المتوفی سنة ۱۰۷۱ھ۔ [3]

حسب بیان علامہ عجلونی یہ صحیح بخاری کے ایک بڑے حصے کی شرح ہے۔ [4]

۱۰۷۔شرح صحیح البخاری :

العلامة السيد ابراهيم الشهير بابن حمزة نقيب اشراف دمشق المتوفى سنة (؟)

علامہ عجلونی لکھتے ہیں کہ اس شرح کو اثناء کتاب الصلوٰۃ تک میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ ہر باب کے شروع میں خطبہ یعنی حمد وصلوٰۃ لکھتے ہیں۔

۱۰۸۔شرح صحیح البخاری :

الشيخ علی الشامی الحديدی

علامہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں: ایں شرح پارہ ازاول اواست وشیخ علی را در ۱۲۸۵ھ ملاقات کردم ورسالہ ''الحطة'' بطور ہدیہ دادم۔ [5]

یہ اس (صحیح بخاری) کے ابتدائی حصے کی شرح ہے میری شیخ علی کے ساتھ ۱۲۸۵ھ میں ملاقات ہوئی تھی اور میں نے رسالہ الحطۃ ان کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔

---

[1] تاریخ التراث ۱/۱۸۲، تاریخ الادب العربی ۳/۱۷۹۔ اس میں اس کا نام ''الکوکب الساری فی شرح صحیح البخاری'' لکھا ہوا ہے اوران کی ایک اور کتاب ہے جس کا نام ''المجتبٰی فی معرفة اسماء من ذکرهم البخاری بالانساب والالقاب والکنٰی''۔دیکھیے: تاریخ التراث ۱/۲۰۱، اورامام سخاوی نے ان کی ایک اور شرح بخاری ''التلويح الی معرفة الجامع الصحيح'' کا نام ذکر کیا ہے جو پانچ مجلدات میں ہے۔دیکھیے: الضوء اللامع ۷/۱۱۰ اور ابن العماد نے کہا ہے کہ انھوں نے چھ مجلدات میں بخاری کی شرح لکھی ہے۔ شذرات الذھب ۷/۱۹۶[مراجع] اورھدیة العارفین ۲/۱۸۶ میں ان دونوں کا ذکر ہے۔

[2] شذرات ۷/۱۹۶ میں ہے کہ انھوں نے ابن ملقن اور کرمانی کی شرح بخاری ملخص کر کے دونوں کو جمع کر کے یہ شرح تیار کی ہے۔

[3] وہ عبدالباقی بن عبدالقادر بعلی، ازھری، دمشقی ہیں۔ان کی جامع صحیح بخاری کی ایک شرح ہے جو نامکمل ہے۔ معجم المؤلفین ۵/۷۲ اور الاعلام ۴/۴۵ (المراجع) اوران کا خلاصة الاثر ۲/۲۸۳ اور السحب الوابلة ۲/۴۳۹ میں بھی ترجمہ وتعارف ہے۔

[4] صاحب ھدیة العارفین ۱/۴۹۷ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

[5] اتحاف النبلاء ۵۶.

شروح فارسی واردو تراجم وغیرہ[1]

۱۰۹۔تیسیر القاری :[2]

علامہ نورالحق بن مولانا عبدالحق الدہلوی المتوفی ۱۰۷۳ھ۔[3]

جس زمانہ میں شیخ عبدالحق نے شرح فارسی مشکوۃ لکھنا شروع کی، صاحب زادہ موصوف نے صحیح بخاری کی شرح فارسی میں لکھنا شروع کی۔

۱۱۰۔شرح ثلاثیات البخاری :[4]

ملاعلی بن محمد سلطان القاریٔ الھروی ثم المکی المتوفی سنۃ ۱۰۱۴ھ۔

مؤرخ احمد المحبی نے اپنی تاریخ "خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر" میں اس کا ذکر کیا ہے۔[5]

۱۱۱۔شرح فارسی :[6]

شیخ الاسلام نبیرہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔[7]

---

[1] مصنف رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت مختلف کتب کا ذکر کیا ہے جو کہ صحیح بخاری کے متعلق لکھی گئی ہیں: بعض تو دوسری زبانوں میں شروحات بخاری ہیں اور بعض تعلیقات وحواشی ہیں اور بعض صرف ثلاثیات بخاری کی شروح ہیں اور بعض کا تعلق رجال بخاری کے ساتھ ہے اور بعض کا اطراف بخاری وغیرہ کے ساتھ ہے۔

[2] الحطۃ ۲۲۷، ھدیۃ العارفین ۳۹۹/۲، تاریخ التراث ۱۹۰/۱، تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۱۷۴/۳ اور سرگین نے ذکر کیا ہے کہ ہندوستان کے شہر لکھنو میں ۱۳۰۵ھ میں پانچ جلدوں میں چھپی ہے۔

[3] ان کا ترجمہ وتعارف ابجدالعلوم ۲۲۹/۳، نزھۃ الخواطر ۴۵۸/۵ میں ہے اور اس میں ہے کہ یہ شرح ضخیم چھ جلدوں میں ہے۔

[4] تاریخ الادب العربی ۱۷۸/۳، تاریخ التراث العربی ۱۹۷/۱، صاحب ھدیۃ العارفین ۷۵۲/۱ نے اس کا نام "تعلیقات القاری علی ثلاثیات البخاری" لکھا ہے اور انھوں نے ان کی ایک اور کتاب "اعراب القاری علی اول باب البخاری" کا ذکر بھی کیا ہے۔

[5] خلاصۃ الاثر ۱۸۵/۳ اور ان کا تعارف "لطف السمرو قطف الثمر" ۵۷۸/۲، البدر الطالع ۴۴۵/۱، التاج المکلل ص ۳۹۸ اور الفوائد البھیۃ ص ۸ میں بھی ہے "التعلیقات السنیۃ"۔

[6] تاریخ الادب العربی ۱۷۴/۳۔

[7] نزھۃ الخواطر ۱۱۹/۶ میں ہے وہ شیخ الاسلام بن فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن شیخ محدث عبدالحق بخاری دھلوی ہیں۔ ان کی فارسی میں صحیح بخاری کی چھ جلدوں میں مبسوط شرح ہے۔ نزھۃ الخواطر کی چھٹی جلد بارھویں صدی کے علماء کے تراجم میں ہے۔
اس بنا پر ان کے اور شیخ عبدالحق دھلوی کے درمیان چار واسطے ہیں جبکہ مصنفؒ کے کلام سے ایک ہی واسطہ معلوم ہوتا ہے۔ ←

یہ شرح فارسی تیسیر القاری سے مختصر ہے۔ گویا ایک مطلب خیز ترجمہ ہے اور جا بجا ایضاحات اور ضروری باتیں بھی ہیں۔

۱۱۲۔ منح الباری :

ملا حسن صدیقی پنجابی معروف بہ علامہ دراز پشاوری التوفی ۱۲۶۰ھ۔

یہ شرح بھی فارسی میں بہت مفید ہے لیکن کچھ ایسی ضخیم نہیں۔ شیخ الاسلام کی شرح کے قریب قریب ہے۔ [۱]

۱۱۳۔ فضل الباری :

اردو ترجمہ صحیح بخاری ہے۔ یہ ترجمہ صرف ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک طویل شرح سمجھنی چاہیے۔ لاہور سے طبع ہو کر شائع ہوا۔

۱۱۴۔ صحیح بخاری مترجم :

میرزا حیرت دہلوی متوفی ۱۸۹۹م۔

ترجمہ نہایت مطلب خیز ہے اور بریکٹ (قوس) میں جا بجا حل بھی کر دیا ہے اور زیادہ وضاحت کے لیے حاشیہ اور نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس کی فہرست کلاں ص: ۱۴۴ ترجمہ متن سے علیحدہ چھپی ہے۔

۱۱۵۔ تیسیر الباری :

مولانا وحید الزماں المخاطب بہ نواب وقار نواز جنگ بہادر۔

یہ ترجمہ مطلب خیز ہے اور صحیح بخاری کے ساتھ چھپا ہے۔ لائق مؤلف نے اس کے ابتدا میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ جس میں اپنا سلسلہ سند امام بخاری تک دس طریقوں سے ملایا ہے۔ جا بجا حواشی اور حل بھی لکھے ہیں اور نہایت آب و تاب بڑی خوش اسلوبی سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔

۱۱۶۔ صحیح بخاری کا ترجمہ انگریزی زبان میں : [۲]

← بروکلمان نے حدائق الحنفیۃ ۴۶۸ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ صاحب تیسیر القاری کے بیٹے ہیں۔ اور ان کی شرح کا اکثر حصہ اپنے باپ کی تیسیر سے ماخوذ ہے اور لکھنو میں چھپنے والی تیسیر القاری کے حاشیے پر چھپی ہوئی ہے۔ تاریخ الادب العربی ۳/۱۷۴۔
اور سزگین نے یہ شرح محمد شیخ الاسلام بن عبد الصمد دہلوی کی طرف منسوب کی ہے جو کہ بارہویں صدی ہجری کے نصف ثانی میں فوت ہوئے ہیں۔ تاریخ التراث ۱/۱۹۱۔

[۱] یہ تینوں شروح معہ تراجم ابواب شاہ ولی اللہ و مع رجال البخاری بحکم نواب ٹونک لکھنو سے طبع ہو کر شائع ہوئے۔ [مؤلف]

[۲] صحیح بخاری کے دو حصوں کا انگریزی ترجمہ مع مختصر نوٹ و حواشی کے علامہ اسد جرمنی نومسلم کے قلم سے شائع ہو چکا ہے۔ ملک کے مؤقر اسلامی جرائد و رسائل نے ترجمہ کے متعلق اچھی رائے ظاہر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جلد پورا کرے۔ [عبید اللہ] افسوس مکمل نہ ہو ←

اس کا مترجم کریزن ایک یورپی ہے۔

۱۲۹۶ ہجری میں یورپ کے شہر بلک میں طبع ہوئی ہے اور دس جلدوں میں ختم ہوئی۔ [1]

۱۱۷۔معلّم القاریٔ شرح ثلاثیات البخاری : [2]

مولوی رضی الدین ابوالخیر عبدالمجید خان ٹونکی [3]

مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۸ صفحات میں ۱۲۶۱ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۱۸۔الریاض المستطابة فی جملة من روی فی الصحیحین من الصحابة : [4]

الامام عماد الدین یحیٰی بن ابی بکر العامری الیمانی المتوفی سنة ۸۹۳ ھ۔

علامہ عمادالدین نے اس کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ پہلے ان صحابیوں کے نام گنائے ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں اوران کے لیے شرف روایت یا رؤیت ثابت ہے۔ پھر متفق علیہ کو ذکر کیا پھر افراد بخاری پھر افراد مسلم۔

۱۱۹۔الافهام بما وقع فی البخاری من الابهام : [5]

← سکا (شاکر)

اسی طرح ڈاکٹر محمد محسن خان نے بخاری شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو کہ چھپا ہوا ہے اور لیفی پروفیشنل نے زنکوگراف میں صحیح بخاری کا ایسے نسخے سے ترجمہ کر کے شائع کیا جو کہ ۴۹۲ھ میں مریہ مقام پر لکھا گیا تھا اور یہ ترجمہ فرانسیسی زبان میں ۱۹۰۳م اور ۱۹۱۳م کو اوھوداس اور مارکوئیس نے کیا جیسا کہ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور رامنفرید نے بھی اس کی ایک قسم کا فرانسیسی سے ترجمہ کیا ہے اور صحیح بخاری کی بعض کتب مثلاً کتاب البیوع ،سلم، خیار کا بلیتیہ نے ترجمہ کیا ہے۔

اور کتاب الفرائض (الموراییث) کا ترجمہ باسکیہ اور تکرلی نے کیا اور ساتھ تعلیقات اور شرح بھی لکھی۔ اور گیوم نے کتاب القدر کا انگریزی میں ترجمہ کیا، ملاحظات اور تعلیقات بھی درج کیں۔

دیکھیے: تاریخ الادب لبروکلمان ۱۶۶/۳۔۱۶۷ اور احمد نعیم نے التجرید الصریح کی پہلی اور دوسری جلد کا ۱۹۲۸م کو استنبول میں ترکی زبان میں ترجمہ کیا اور کامل میراس نے ۱۹۳۹م کے بعد یہ ترجمہ مکمل کیا۔ دیکھیے: تاریخ التراث ۱۹۵/۱ [مراجع]

[1] دیکھیے: دائرۃ المعارف برطانیہ۔ [مؤلف]

[2] تاریخ التراث ۱۹۸/۱، تاریخ الادب العربی ۱۷۸/۳۔

[3] نواب وزیرالدولۃ بہادر کے داماد ہیں۔ [مؤلف]

[4] الضوء اللامع ۲۲۴/۱۰، کشف الظنون ۹۳۷/۱ طبعة دارالفکر، البدرالطالع ۳۲۷/۲، التاج المکلل ص ۴۷۳، هدیة العارفین ۵۲۹/۲، معجم المؤلفین ۱۸۷/۱۳ اور تاریخ التراث العربی ۲۰۲/۱۔

[5] الضوء اللامع ۱۰۹/۴ اور اس میں اس کتاب کے منہج (اسلوب) اور اس کے مصادر کے بارے تفصیل ذکر ہے۔ لحظ الالحاظ لابن فهد ص ۲۸۳، کشف الظنون ۳۷۲/۱، الحطة ۲۲۶، هدیة العارفین ۵۲۹/۱، تاریخ الادب العربی ۱۶۹/۳، تاریخ التراث العربی ۱۸۲/۱۔

جلال الدین عبدالرحمٰن بن عمر (بن رسلان) البُلْقِینی المتوفی ۸۲۴ھ۔ ①

ماہ صفر ۸۲۲ میں فراغت پائی۔ اس کا نسخہ کتب خانہ ولی الدین سلطان بایزید جامع شریفی واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے و نیز کتب خانہ ایا صوفیہ واقع قسطنطنیہ میں بھی ہے۔ ②

۱۲۰۔ اسماء الرجال صحیح البخاری: ③

الامام ابو نصر احمد بن محمد بن حسین الکلاباذی المتوفی ۳۹۸ھ۔ ④

صاحب کشف الظنون نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن تفصیلی حالت کچھ نہیں لکھی۔ ⑤

۱۲۱۔ کتاب التعدیل والتجریح لرجال البخاری: ⑥

---

① نسبته الی بلقینة بالضم وکسر القاف و یاء ساکنة و نون، قریة من حوف مصر من کورة "بنا" یقال لها البوب ایضاً. [عبیدالله]

② سزگین نے بایزید والا نسخہ ذکر نہیں کیا لیکن انھوں نے مزید دو اور نسخے ذکر کیے ہیں۔

③ ذہبی نے سِلَفِی سے نقل کرتے ہوئے اس کا نام: "الارشاد فی معرفة رجال البخاری" ذکر کیا ہے۔ تذکرة الحفاظ ۱۰۲۷/۳، سیر اعلام النبلاء ۹۵/۱۷، اور بغدادی نے ایضاح المکنون ۱۷۲۴/۲ میں اس کا نام: "الهدایة والارشاد فی معرفة اهل الثقة والسداد" ذکر کیا ہے۔ اسی طرح هدیة العارفین ۶۹/۱ میں ہے لیکن ہدیہ میں نام کچھ لمبا ہے یعنی "الهدایة والارشاد فی معرفة اهل الثقة والسداد الذین اخرج لهم البخاری فی جامعه" نیز دیکھیے: کشف الظنون ۳۷۲/۱، شذرات الذهب ۱۵۱/۳، الحطة ۲۲۶، تاریخ الادب العربی ۱۷۷/۳، تاریخ التراث العربی ۲۰۰/۱ اور معجم المؤلفین ۹۵/۲۔

④ کلاباذی کے ترجمہ وتعارف اور اس کے مصادر کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۹۴/۱۷ امام ذہبی نے کہا ہے کہ کلاباذ بخارا شہر کا ایک محلہ ہے۔

⑤ یہ کتاب بعد میں رجال صحیح البخاری کے نام کے ساتھ پہلی بار ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۷۸م کو عبداللہ لیثی کی تحقیق سے دار المعرفۃ بیروت کی جانب سے دو جلدوں میں چھپی ہے۔ اس کتاب کے غلاف کی پشت پر تو محقق کا نام عبداللہ لیثی لکھا ہوا ہے لیکن اس کے مقدمہ کے آخر میں محمد عید محمد لکھا ہوا ہے، مجھے علم نہیں ہو سکا کہ یہ دونوں ایک ہیں یا علیحدہ علیحدہ ہیں۔
اس کتاب میں محقق کتاب کی گنتی اور نمبر شمار کے مطابق ۱۵۲۵ رواۃ کا تعارف ہے۔
اس کتاب کا مصنف کسی راوی کا نام اور اس کے بعض شیوخ اور اس سے روایت کرنے والے اس کے شاگرد اور ان کی تاریخ وفات ذکر کرتا ہے اور بسا اوقات صحیح بخاری کا وہ باب بتا دیتا ہے جس باب میں امام بخاری نے اس کی روایت ذکر کی ہوتی ہے اور یہ کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔ سب سے پہلے ان راویوں کا ذکر ہے جن کا نام احمد ہے پھر ان کے بعد وہ ہیں جو حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق "أ" کے بعد آئے ہیں "یا" تک۔

⑥ کشف الظنون ۳۷۲/۱، شذرات ۳۴۵/۳، الحطة ۲۲۶، هدیة العارفین ۳۹۷/۱، الاعلام ۱۷۶/۳ اور تاریخ التراث العربی ۲۰۰/۱۔

القاضی ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المتوفی ۴۷۴ھ۔ [1]

نام سے موضوع بحث ظاہر ہے۔ صاحب کشف الظنون نے کچھ مفصل حال نہیں لکھا۔ [2]

۱۲۲۔ المنهل الجاری : [3]

الشیخ قطب الدین محمد بن محمد الخضیری الدمشقی الشافعی المتوفی ۸۹۴ھ۔

کچھ سوال و جواب کے طور پر لکھا ہے جو فتح الباری سے ماخوذ ہے۔

۱۲۳۔ رفع الالتباس : [4]

العلامة ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی المتوفی ۱۳۲۹ھ مصنف غایة المقصود شرح سنن ابی داؤد وغیرہ۔ [5]

ایک رسالہ کسی نے عربی زبان میں صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی کے ساتھ علامہ عینی کی ان تقریرات کو لے کر شائع کیا تھا جن میں امام بخاری کے ان اعتراضات کے جوابات ہیں جو امام بخاری صحیح بخاری میں قال بعض الناس لکھ کر کیا کرتے ہیں۔ اس رسالہ کا نام دفع الوسواس عن بعض الناس ہے۔ علامہ ابو الطیب نے اس رسالہ کا جواب بنام رفع الالتباس شائع فرمایا اور اخلاص سے اپنا نام ظاہر نہ فرمایا۔ اس رسالہ میں بعض بعض تحقیقات قابل دید ہیں۔ علامہ

---

[1] ان کے تعارف اور اس کے مصادر کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۵۳۵/۱۸ اور باجی باجہ کی طرف نسبت ہے جو اندلس میں اشبیلیہ کے قریب چھوٹا سا شہر ہے اور اب یہ شہر پرتگال میں ہے۔

[2] باجی کی یہ کتاب "التعدیل و التجریح لمن خرج له البخاری فی الجامع الصحیح" نام کے ساتھ ڈاکٹر ابولبابہ حسین کی تحقیق سے دار اللواء ریاض کی طرف سے پہلی بار ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء کو دو جلدوں میں چھپی تھی۔ مؤلف نے اپنی یہ کتاب ایک مقدمہ سے شروع کی اس میں انھوں نے اس کتاب میں اپنا طریق کار بتایا ہے اور جرح و تعدیل میں جن آئمہ کے اقوال ذکر کیے ہیں ان تک اپنی اسانید کا ذکر کیا ہے پھر اس کے بعد امام بخاری کا مختصر تعارف ذکر کیا ہے پھر حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق راویوں کے تراجم و تعارفات ذکر کیے ہیں۔ اور اس کتاب کے محقق کی نمبر شمار کے مطابق اس میں ۱۷۳۳ رواۃ کے تراجم ہیں لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ بعض تراجم مکرر ہیں کیوں کہ کبھی مصنف کسی ایسے راوی کو جو کنیت سے مشہور ہے کنیت کے باب میں بھی ذکر کر دیتے ہیں حالانکہ اسماء کی ترتیب میں بھی وہ مذکور ہوتا ہے محقق اس پر بھی نمبر لگا دیتے ہیں۔

[3] الضوء اللامع ۱۲۰/۹، کشف الظنون ۳۷۲/۱، الحطة ۲۲۶، ھدیة العارفین ۲۱۵/۲، اس کتاب کا پورا نام: المنهل الجاری المجرد من فتح الباری شرح الجامع الصحیح للبخاری" ہے۔

[4] اس کا مکمل نام "رفع الالتباس عن بعض الناس" ہے۔

[5] نزهة الخواطر ۱۹۴/۸ میں ان کا تعارف ہے اور ہمارے بھائی محمد عزیر شمس نے ان کی حیات اور خدمات کے متعلق ایک خاص کتاب "المحدث شمس الحق العظیم آبادی حیاته و خدماته" لکھی ہے۔ ص۔ ۴۴۱

عینی کی ان غلط فہمیوں کو نہایت تحقیق سے دکھایا ہے جن کی بنا پر امام بخاری کے اعتراضات کو وہ غلط بتاتے ہیں۔[1] ۱۳۰۹ ہجری میں دہلی میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔[2]

۱۲۴۔غایة المرام فی رجال البخاری :[3]

الشیخ محمد بن داؤد بن محمد البازلی الکردی الحموی الشافعی المتوفی ۹۲۵ھ۔

ایک مجلد ضخیم کتاب ہے۔ اس کا آغاز "الحمد لله الذی رفع منار الحق" ہے۔ لائق مصنف نے لکھا ہے کہ میں علم حدیث کی تحصیل میں مشغول تھا اور اس کے لیے ملکوں ملکوں پھرا۔ بعد تکمیل اس کتاب کو حروف تہجی کی ترتیب پر لکھا۔ کتب خانہ نور عثمانیہ واقع قسطنطنیہ جامع شریفی میں اس کا نسخہ موجود ہے۔[4]

۱۲۵۔در الدراری فی شرح رباعیات البخاری :[5]

العلامة احمد بن محمد الشافعی الشافعی

صحیح بخاری سے ان حدیثوں کو چنا ہے جن کی سند چار واسطہ سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے اور اس کی شرح تنقیح زرکشی اور کرمانی سے منتخب کی ہے۔ اور لفظ "قلت" لکھ کر اپنے فوائد بڑھائے ہیں۔

۱۲۶۔المعلم فی مارواہ البخاری علی شرط مسلم :[6]

ابو العباس ابن الرومیة احمد بن محمد الاشبیلی النّباتی المتوفی ۶۳۷ھ۔[7]

---

[1] علامہ ابو الطیب کے علاوہ عینی کی تقریرات کے بہت لوگوں نے جواب لکھے ہیں اور امام بخاری کے اعتراضات صحیح دکھائے ہیں۔[مؤلف]

[2] پھر اس کے کئی اور ایڈیشن بھی چھپ چکے ہیں۔ ان میں سے ایک دولت قطر میں ادارۃ احیاء التراث الاسلامی نے شیخ عبداللہ بن ابراہیم انصاری رحمہ اللہ کی توجہ اور اہتمام سے ایک اور کتاب کے ساتھ اس کو طبع کیا ہے لیکن غلطی سے اس کے غلاف پر تالیف الشیخ محمد حسین دھلوی لکھا گیا ہے اور اس کے دوسرے طبع کا اہتمام جامعہ سلفیہ بنارس، ہندوستان میں ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء میں ادارۃ البحوث الاسلامیہ کی طرف سے ہوا۔

[3] الکواکب السائرة ۱/۴۷، شذرات الذهب ۱۳۸/۸ ، هدیة العارفین ۲/ ۲۲۸، الاعلام ۶/ ۳۵۵ ، معجم المؤلفین ۲۹۸/۹ اور تاریخ التراث ۱/۲۰۱۔

[4] سزگین نے اس کے اور نسخوں کا ذکر بھی کیا ہے ۱/ ۲۰۱۔

[5] کشف الظنون ۱/۵۳۳ (۱/۷۴۷ اور ۸۳۲ طبعة دار الفکر)

[6] هدیة العارفین ۱/۹۳ ، امام ذہبی نے تذکرة الحفاظ ۱۴۲۶/۴ اور سیر اعلام النبلاء ۵۸/۲۳ میں اس کا نام "المعلم بما زاد البخاری علی مسلم" ذکر کیا ہے اور اسی طرح " التاج المکلل ص ۳۲۳ میں ہے۔ الاعلام ۱/۲۱۸، چھٹی طبع از دار العلم للملائین معجم المؤلفین ۱۵۹/۲ اور "الاحاطة فی اخبار غرناطة ۱/۲۱۲"، میں اس کا نام "رجّالة المعلّم بزوائد البخاری علی مسلم"۔
اور ان کی ایک کتاب "نظم الدراری فیما تفرد به مسلم علی البخاری" بھی ہے جیسا کہ الاحاطہ اور الاعلام وغیرہ میں ہے۔

[7] یہ ابن الرومیہ، العشاب اور النباتی کے ساتھ معروف ہیں۔ یہ محدث، حافظ، فقیہ اور شاعر تھے اور اس کے ساتھ ساتھ جڑی بوٹیوں اور نباتات کی معرفت رکھتے تھے۔ اسی لیے ابن ابی اصیبعة نے طبقات الاطباء میں ان کا ذکر بھی کیا ہے ۱۳۳/۳۔ اور لسان الدین ←

اس کتاب کا موضوع نام ہی سے ظاہر ہے۔صاحب کشف الظنون نے اس کی اور کوئی تفصیل نہیں بتائی۔

۱۲۷۔شرح ثلاثیات البخاری : [1]

محمد شاہ بن الحاج حسن المتوفی ۹۳۹ھ۔

صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جو تین واسطہ سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے جن کی تعداد ۲۲ تک ہے۔اور اکثر مکی بن ابراہیم کے واسطہ سے مروی ہیں۔مکی بن ابراہیم امام بخاری کے طبقہ اولی کے شیوخ سے ہیں اور تابعیوں سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ ابونعیم، خلاد بن یحییٰ اور علی بن عیاش وغیرہ۔محمد شاہ نے اس کی لطیف شرح لکھی ہے۔اس کے علاوہ ثلاثیات کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔ [2]

۱۲۸۔رجال الصحیحین : [3]

ابو القاسم ھبۃ اللہ بن حسن الطبری المتوفی ۴۱۸ھ۔

اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کتابوں کے رجال کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

۱۲۹۔الفوائد المنتقاۃ المخرجۃ علی الصحیحین : [4]

تخریج ابی عبداللہ الحُمَیدی المتوفی سنۃ ( ). [5]

← ابن الخطیب نے کہا ہے کہ وہ سنی ظاہری مذہب پر تھے اور اھل رائے پر ملامت کرتے اور ابو محمد ابن حزم کے سخت طرف دار تھے......الخ۔ (الاحاطہ ۱/۲۰۹)۔

اور انھوں نے کامل ابن عدی کا اختصار بھی کیا ہے جس کا نام اختصار کامل ابن عدی ہے اور کامل کا ذیل بھی لکھا جس کا نام الحافل فی تذییل الکامل ہے۔

[1] الکواکب السائرۃ ۲/۳، کشف الظنون ۱/۵۲۲ طبعہ دار الفکر، شذرات الذھب ۸/۲۳۴، ھدیۃ العارفین ۲/۲۳۴ اور تاریخ التراث العربی ۱/۱۹۸۔

[2] ثلاثیات صحیح بخاری علیحدہ بھی مع ترجمہ وشرح عربی طبع ہو کر شائع ہے۔[مؤلف] سزگین نے ثلاثیات بخاری کی ۹ شروحات کا ذکر کیا ہے۔بعض قلمی نسخے ہیں اور بعض چھپ چکی ہیں اور مصنف بھی آگے چل کر بعض کا ذکر کریں گے۔

[3] اس کے مؤلف مشہور کتاب "شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ" کے مصنف ہیں جو لالکائی کے نام سے مشہور امام ہیں۔یہ شرح "اصول اعتقاد" ڈاکٹر احمد سعد حمدان کی تحقیق سے پانچ جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔اور ان کی کتاب اسماء رجال الصحیحین کا ذکر خطیب بغدادی نے بھی تاریخ بغداد میں ان کے ترجمہ وتعارف میں کیا ہے۔اس میں اس کا نام معرفۃ اسماء الصحیحین لکھا ہے۔تاریخ بغداد ۱۴/۷۰، اور اس کا ذکران کتابوں میں ہے: تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۰۸۳، کشف الظنون ۱/۵۳۴،شذرات الذھب ۳/۲۱۱، ھدیۃ العارفین ۲/۵۰۴ اور الاعلام ۹/۵۷۔

[4] کشف الظنون ۲/۲۱۰ (۲/۱۳۰۲ طبعہ دار الفکر)

[5] شاید یہ ابوعبداللہ محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید ازدی، حمیدی، اندلسی، میورقی ہوں ۴۲۰ھ سے قبل اندلس میں ان کی ولادت ←

الشیخ ابوبکر احمد بن بدران الحلوانی البغدادی المتوفی ۵۰۷ھ کے اصول سماعات سے ہے۔

۱۳۰۔ کشف مُشکل حدیث الصحیحین :❶

ابو الفرج (عبدالرحمن بن علی بن محمد) ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ۔

۵۷۶ھ میں اس کی تالیف سے فراغت پائی۔ بعض اہل علم نے اس کو مختصر بھی کیا ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ لائق مصنف نے احادیث مشکلہ اور غیر مشکلہ دونوں کو ذکر کیا تھا اور خوب شافی حل نہیں کیا تھا اس وجہ سے میں نے اس کا اختصار کیا۔ اس صورت سے کہ ایک صحابی کی حدیث کو ذکر کیا پھر اس صحابی سے جس قدر حدیثیں آئی ہیں ان کو ذکر کیا اور ترتیب رکھی کہ پہلے متفق علیہ حدیث کو ذکر کیا ❷ پھر بخاری کی منفرد حدیث کو۔ اس کے بعد مسلم کی منفرد حدیث کو۔ ۷۴۶ھ میں اس کے اختصار سے فراغت پائی۔ ❸

۱۳۱۔ تقیید المهمل و تمییز المشکل :❹

ابو علی حسین بن محمد الغَسّانی الجَیّانی الحافظ المتوفی ۴۹۸ھ۔ ❺

اس کتاب میں ان رواۃ کے نام ضبط کیے گئے ہیں جن سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رجال میں لفظی اشتباہ ہوتا تھا۔ دو جزء میں ختم ہوئی۔ ❻

← ہوئی اور بغداد کو وطن بنا لیا، خطیب بغدادی سے روایت کی اور بغداد میں ہی ۴۸۸ھ میں وفات پائی اور ان کی کتابیں: الجمع بین الصحیحین اور تفسیر غریب مافی الصحیحین ہیں پہلی کا ذکر نمبر ۱۴۴ پر آئے گا۔

دیکھیے: تاریخ التراث ۱/۲۰۲، ۲۰۳، معجم المؤلفین ۱۱/۱۲۱، ۱۲۲، الاعلام ۷/۲۱۸، ۲۱۹ کشف الظنون ۱/۴۰۰، ۴۰۱ اور شذرات الذہب ۳/۳۹۱۔ [مراجع]

❶ کشف الظنون ۲/۳۲۱، ۳۲۲ (۲/۱۴۹۵ طبعہ دار الفکر) ہدیۃ العارفین ۲/۵۲۲، تاریخ التراث ۱/۲۰۳ یہ کتاب بعد میں چھپ چکی تھی۔

❷ بہت سے مؤلفین وشارحین ایسے ہیں جن کی توجہ صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں کی جانب ہوئی۔ [مؤلف]

❸ ابن جوزی کی کتاب "احادیث التعلیق" بھی ہے اور اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ امام بخاری کی بغیر سند کے ذکر کردہ احادیث کے راویوں کو ثابت کیا جائے تاریخ التراث ۱/۲۰۰۔ [مراجع]

❹ ابن بشکوال نے الصلۃ ۱/۱۴۳ میں اور ان سے ذہبی نے السیر ۱۹/۱۵۰ میں کہا ہے کہ انھوں نے رجال صحیحین میں ایک کتاب جمع کی ہے جس کا نام "تقیید المهمل و تمییز المشکل" رکھا ہے اور یہ کتاب بہت مفید ہے لوگوں نے یہ ان سے اخذ کی ہے نیز دیکھیے: بغیۃ الملتمس للضبی ص ۲۶۵، وفیات الاعیان ۲/۱۸۰، تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۲۳۳، الدیباج المذہب ۱/۳۳۳، الاعلام ۲/۲۷۹، معجم المؤلفین ۴/۴۴، تاریخ الادب العربی ۳/۱۸۵ اور تاریخ التراث العربی ۱/۲۰۲، ۲۱۹۔

❺ کشف الظنون میں ان کی تاریخ وفات ۴۲۷ھ لکھی ہے حالانکہ یہ ان کی تاریخ ولادت ہے [مراجع]

❻ دنیا کے کتب خانوں میں اس کتاب کے کئی نسخے پائے جاتے ہیں اور یہ کئی اقسام پر مشتمل ہے۔ ←

۱۳۲۔ ترجمہ صحیح بخاری بزبان فرانسیسی : [1]

اوھو داس، و ڈبلیو مارکوئیس

مع حواشی وفہرست جملہ مضامین و الفاظ بہ ترتیب حروف تہجی پانچ جلدوں میں ختم ہوئی۔ جلد اول میں ۶۸۲ صفحے ہیں۔ [2]

۱۳۳۔ اطراف الصحیحین :

متعدد مؤلفین نے لکھی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اطراف (علاوہ ان کے جو صحاح ستہ کے ہمراہ لکھے گئے ہیں) مستقل طور پر متعدد لوگوں نے لکھے ہیں: [3]

اول شیخ حافظ امام ابومسعود ابراہیم بن محمد بن عبید الدمشقی المتوفی ۴۰۰ھ۔ [4]

دوم ابومحمد خلف بن محمد بن علی بن حمدون الواسطی المتوفی ۴۰۱ھ۔ [5]

← اور صنعاء کے مکتبۃ الجامع کے نسخہ کے سرورق پر لکھے ہوئے کے مطابق اس طرح ہے: پہلی قسم میں خط میں متفق اور معنی میں مختلف اسماء ذکر ہوں گے۔ پھر دوسری قسم خط اور معنی دونوں میں متفق اسماء ذکر ہوں گے۔ پھر تیسری قسم لفظ اور معنیٰ میں متفق کنیتیں۔ پھر بخاری میں واقع ہونے والے اوھام۔ پھر مسلم میں واقع ہونے والے اوھام۔ پھر ان راویوں کا ذکر جن سے امام بخاری نے روایت کی ہے لیکن ان کا نسب بیان نہیں کیا۔ پھر القاب کا ذکر۔ یہ کتاب بفضلہ تعالیٰ مکمل طور پر ۱۴۲۱ھ میں مکہ مکرمہ میں دار عالم الفوائد سے چھپ چکی ہے۔

[1] تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۱۲۶/۳۔ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب ۱۹۰۳م۔۱۹۱۴م کے درمیان پیرس سے چھپی ہے۔

[2] مصنف نے جو یہ ذکر کیا ہے ''اس کی قیمت علاوہ ڈاک خرچ ۱۸ شلنگ تھی'' اور یہ اس وقت بہت بھاری رقم تھی اس لیے میں نے یہ عبارت حذف کر دی ہے کیوں کہ اب دور حاضر میں اس کے قاری کو اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

[3] اطراف لکھنے والوں کا اصلی مقصد ہوتا ہے حدیثوں کی سندوں کا ضبط کر لینا۔ جن کتابوں کی حدیثوں کے اطراف انھوں نے لکھے، ان کی تمام سندوں اور راویوں کو ضبط کر لیا اور بتا دیا کہ یہ متن فلاں کتاب میں فلاں سند سے مروی ہے اور فلاں کتاب میں فلاں سند سے۔ اب اگر غلطی سے کوئی راوی رہ جائے یا بڑھ جائے تو اطراف سے فی الفور پتہ لگ جاتا ہے۔ اس لیے مؤلفین اطراف متن کو بالتبع لکھتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر سندوں کا انضباط نہیں ہوسکتا۔ [مؤلف] مصنف کا بالتبع کہنے سے مراد اسانید کے ماتحت ہے۔

[4] ۴۰۱ھ بھی کہا گیا ہے۔ ان کا تعارف تاریخ بغداد ۱۷۲/۶، سیر اعلام النبلاء ۲۲۷/۱۷ وغیرہ میں دیکھیے۔ خطیب نے کہا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے ساتھ انہیں خاص لگاؤ تھا۔ دونوں کتابوں کی احادیث کی اطراف کا تعلیق تیار کیا۔ امام ذہبی نے ان کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ اطراف الصحیحین کتاب کے مصنف ہیں۔ نیز دیکھیے: معجم المؤلفین ۱۰۱/۱، شذرات الذھب ۱۵۸/۳، کشف الظنون ۱۱۷/۱، ھدیۃ العارفین ۷/۱۔ انھوں نے ان کی کتاب ''الجمع بین الصحیحین البخاری و مسلم'' کا بھی ذکر کیا ہے۔

ان کی اطراف کا چوتھا جزء مکتبہ ظاہریہ دمشق میں ابھی تک موجود ہے۔ (مقدمۃ تحقیق اتحاف المھرۃ ۳۶/۱)۔

[5] امام ذہبی نے کہا ہے کہ انھوں نے اطراف الصحیحین کی بہت اچھی تصنیف کی ہے جس نے فائدہ پہنچایا اور خبردار کیا ہے اور اس میں ابو مسعود دمشقی کی اطراف کی نسبت اوھام کم ہیں۔ (التذکرۃ ۱۰۶۸/۳) ←

ان دونوں کا ذکر حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی کتاب الاشراف کے شروع میں کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ خلف کی کتاب باعتبار ترتیب و رسم کے عمدہ ہے اور خبط اور وہم اس میں بہت کم ہے۔ اسی وجہ سے الاشراف میں ہم نے اسی پر اکتفا کی۔ ❶

سوم ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی المتوفی ۵۱۷ھ۔ ❷

چہارم حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ۔ ❸

۱۳۴۔ مصابیح الاسلام من حدیث خیر الانام :

العلامة فقیر الله

یہ ایک عمدہ انتخاب صحیح بخاری کا ہے۔ بترتیب ابواب فقہیہ صحیح حدیثوں پر عمل کرنے والوں کے لیے ایک بے نظیر چیز ہے۔ مؤلف نے مدار المہام محمد امین خاں کے حکم سے اس کو مشکوٰۃ کے ابواب پر ترتیب دیا ہے۔ مؤلف خود کہتا ہے: "انتخبتهٗ انتخابًا جامعًا لاحادیثه المسندة مع بعض التعلیقات حاذفا للاسانید والمکررات، مرتبًا علی ترتیب المشکوٰة کتبًا وابوابًا مع زیادة و نقصان یسیر"۔ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا

← نیز دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۱۷/۲۶۰، کشف الظنون ۱/۱۱۷، الاعلام ۲/۳۶۰ اور معجم المؤلفین ۴/۱۰۷ اور ان کی اس الطراف کا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ میں اور ایک ظاہری کتب خانہ میں ہے جیسا کہ سزگین ۱/۳۶۶ نے ذکر کیا ہے۔

❶ کشف الظنون ۱/۱۱۷۔

❷ کشف ۱/۱۱۷ اور هدیة العارفین ۱/۷۴۔۷۵ میں اصفہانی کا نام اسی طرح بتایا ہے یعنی احمد بن عبداللہ اور ہمیں ابونعیم دو ملے ہیں ایک احمد بن عبداللہ ابونعیم اصفہانی صاحب حلیة الاولیاء یہ ۴۳۰ھ کو فوت ہوئے اور ان کی المستخرج علی الصحیحین ہے اور ان کا ذکر تاریخ التراث ۱/۲۱۸، معجم المؤلفین ۱/۲۸۲، الاعلام ۱/۱۵۰، تذکرة الحفاظ ۴/۱۰۹۲ اور شذرات الذهب ۳/۲۴۵ میں ہے۔ اور دوسرے عبداللہ بن حسن بن احمد بن حسن ابونعیم اصفہانی حداد ہیں جو ۵۱۷ھ کو فوت ہوئے، اور یہ صاحب حلیہ نہیں ہیں اور ان کی کتب میں سے اطراف الصحیحین اور الجامع بین الصحیحین ہیں۔ دیکھیے: تاریخ التراث ۱/۲۰۳۔۲۲۱، معجم المؤلفین ۶/۲۳۸، شذرات الذهب ۴/۵۶ اور تذکرة الحفاظ ۴/۱۲۶۵۔ (المراجع)

میں کہتا ہوں کہ صاحب کشف نے جو اطراف الصحیحین کے مصنف کا نام بتانے میں غلطی کی ہے اس غلطی پر یہ بھی دلیل ہے کہ انھوں نے ان کی تاریخ وفات ۵۱۷ھ بتائی ہے حالانکہ یہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی کی تاریخ وفات نہیں یہ تو ابونعیم ابن الحداد کی ہے اور وہ صاحب حلیہ نہیں ہیں۔

ابن الحداد تو صاحب اطراف الصحیحین ہے اور یہ انہیں سے مشہور ہوئی اور پہلی اور فضلاء نے اس کی تحسین کی (سیر اعلام النبلاء ۱۹/۴۸۷)۔

❸ کشف الظنون ۱/۱۱۷، الرسالة المستطرفة ۱۶۸۔ سیوطی نے کہا ہے کہ اطراف الصحیحین ابواب اور مسانید پر مرتب ہے۔ نظم العقیان ص ۴۷ اور بقاعی اور سخاوی نے کہا ہے: وضع و بناوٹ میں بہت حیران کن ہے۔ دیکھیے: "ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته" ص ۴۱۸ ۔

نسخہ موجود ہے۔

۱۳۵۔غنیۃ القاری : [1]

العلامۃ نواب صدیق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ۔

یہ ترجمہ ثلاثیات صحیح بخاری اردو میں نہایت دلچسپ ہے۔

۱۳۶۔فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری :

العلامۃ ابو الطیب شمس الحق العظیم آبادی المتوفی ۱۳۲۹ھ۔

یہ شرح ابھی غیر مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد اختتام کو پہنچائے۔ [2]

۱۳۷۔شرح ثلاثیات البخاری : [3]

العلامۃ احمدبن(احمد بن محمد) بن عجمی(الوفائی) المتوفی سنۃ۱۰۸۶ھ۔

اس کا نسخہ کتب خانہ علی پاشا غازی سلطان محمود خاں ثانی واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے۔

۱۳۸۔غریب حدیث البخاری : [4]

ابو عبید قاسم بن سلّام الجمحی المتوفی ۲۲۴ھ۔ [5]

---

[1] اس کے مصنف نے اپنی کتاب ابجدالعلوم ۲۷۸/۳ میں اس کا نام غنیۃ القاری بترجمۃ ثلاثیات البخاری لکھا ہے اور ایضاح المکنون میں بھی اسی طرح ہے ۱۵۰/۲۔ اور "بغیۃالقاری فی ثلاثیات البخاری" بھی کہا گیا ہے جیسا کہ ڈاکٹر اختر جمال لقمان کی کتاب: " السید صدیق حسن القنوجی" کے ص۹۰ پر ہے۔

[2] افسوس کہ کہ شرح علامہ کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی۔ (عبیداللہ)۔

[3] ہدیۃ العارفین ۱۶۲/۱ ، تاریخ التراث ۱۹۷/۱ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۱۷۸/۳ ، معجم المؤلفین ۱۵۲/۱۔ (المراجع)
سزگین نے ذکر کیا ہے کہ یہ دھلی میں ۱۲۹۸ھ کو لیتھوگرافی میں چھپی ہے اور اس کے ساتھ اس کا ہندی میں بین السطور ترجمہ وشرح ہے۔
تاریخ التراث العربی ۱۹۸/۱۔

[4] اصل اردو میں اسی طرح ہے شاید مصنف رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا کتب خانہ کی فہرست میں اسی طرح پا کر اس سے نقل کر دیا ہو اور اس کے مولف ابوعبید قاسم بن سلام ھروی ازدی ہیں جو ۱۵۴ھ یا ۱۵۷ھ کو ہرات میں پیدا ہوئے۔ حج کے لیے مکہ آئے تو وہیں ٹھہر گئے اور مکہ میں ہی ماہ محرم ۲۲۴ھ میں وفات پائی اور دیارِ جعفر میں دفن کیے گئے۔ ان کی ایک کتاب غریب الحدیث بھی ہے جو کہ دائرۃ المعارف حیدر آباد نے چار جلدوں میں ۱۳۸۶ھ تک مکمل طور پر چھاپ دی تھی۔
ابوعبید امام بخاری سے کچھ مدت پہلے فوت ہوئے تھے۔ اس لیے ظاہر یہی درست لگتا ہے کہ اس جگہ ابوعبید سے مراد احمد بن محمد ہروی ہیں۔ اور وہ معروف علامہ لغوی ہیں جو کہ ۴۰۱ھ میں فوت ہوئے اور ان کی قرآن اور حدیث کے غریب الفاظ کے بارے الغریبین کتاب ہے۔
ان کا تعارف معلوم کرنے کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۱۴۶/۱۷ اور ان کی کتاب کے نسخے معلوم کرنے کے لیے دیکھیے: تاریخ الادب العربی ۲۷۱/۲۔۲۷۲۔

[5] ان کی معروف نسبت تو ہروی ہے اور رہا جمحی تو وہ قدامہ بن مظعون کے آزاد کردہ غلام ابوعبداللہ محمد بن سلام جمحی کی طرف ←

ایضاً مذکورہ بالا کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

۱۳۹۔الجمع بین الصحیحین ◆

ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الازدی الاشبیلی ابن الخرّاط المتوفی ۵۸۲ھ۔

اس کا نسخہ کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریفی قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ ◆

۱۴۰۔کتاب الجمع بین رجال الصحیحین : ◆

العلامۃ المقدسی المتوفی ۵۰۷ھ۔ ◆

حیدر آباد کے مطبع دائرہ المعارف میں طبع ہو چکی ہے۔اس کا مقصود نام سے واضح ہے۔

۱۴۱۔قرۃ العین فی ضبط اسماء رجال الصحیحین : ◆

العلامۃ(عبدالغنی بن احمد) البحرانی الشافعی المتوفی سنۃ......(۱۱۷۴ھ میں زندہ تھے)

حیدر آباد سے طبع ہوئی ہے۔اور نام سے موضوع بحث ظاہر ہے۔

۱۴۲۔الجمع بین الصحیحین :

العلامۃ الحُمیدی محمد بن ابی نصر الاندلسی القرطبی المتوفی ۴۸۸ھ۔ ◆

← نسبت ہے۔ وہ ۲۳۱ھ اور ایک قول کے مطابق ۲۳۲ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ دیکھیے :تاریخ الادب ۱۵۲/۲۔ ۱۵۳۔ [مراجع]

◆ کشف الظنون ۶۰۰/۱، شذرات الذھب ۲۷۱/۴، ھدیۃ العارفین ۲۲۱،۲۰۳/۱ (المراجع) اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ انھوں نے بغیر اسانید کے مسلم کی ترتیب کے مطابق الجمع بین الصحیحین لکھی ہے اور بہت مضبوطی سے لکھی اور اسے اچھا مفید بنایا۔ سیر اعلام النبلاء ۱۹۹/۲۱ ، سیر اور شذرات میں ان کی تاریخ وفات ۵۸۱ھ ہے۔ ان کی یہ کتاب بعد میں چھپ چکی ہے اور ان کی ایک کتاب مختصر صحیح البخاری بھی ہے بروکلمان نے ۱۷۵/۳ اور سزگین نے ۱۹۲/۱ پر اس کا ذکر کیا ہے۔

◆ اس کے علاوہ حسین بغوی متوفی ۵۱۶ھ، ابوبکر جوزقی متوفی ۳۸۸ھ، ابن فرات سرخسی متوفی ۴۴۲ھ، ابوبکر برقانی متوفی ۴۲۵ھ، ابن عبید دمشقی متوفی ۴۰۰ھ نے الجمع بین الصحیحین کی ترتیب پر لکھی۔ دیکھیے : کشف الظنون ۱ / ۶۰۰ [مؤلف]

◆ تاریخ التراث ۲۰۲/۱ اور تاریخ الادب العربی ۱۵۸/۳۔

◆ وہ محمد بن طاہر بن عمر مقدسی قیسرانی ہیں جیسا کہ تاریخ التراث، تاریخ الادب العربی، معجم المؤلفین ۹۸/۱۰، الاعلام ۱۷۱/۷ اور شذرات الذھب ۱۸/۳ میں ہے۔ [مراجع]

◆ تاریخ التراث ۲۰۲/۱، تاریخ الادب ۱۸۵/۳، معجم المؤلفین ۲۷۰/۵۔[مراجع]

یہ کتاب ۱۳۲۳ھ کو چھپی جیسا کہ بروکلمان نے کہا ہے۔

◆ کشف الظنون ۶۰۰/۱، تاریخ التراث ۲۰۳/۱، ۲۲۱[مراجع]

اور بعد میں یہ کتاب چار جلدوں میں ڈاکٹر علی حسین بواب کی تحقیق سے دار ابن حزم (بیروت) نے پہلی بار ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸م میں طبع کی اور محقق کے نمبر شمار کے مطابق اس میں ۳۵۷۴ احادیث ہیں۔

اس کا ذکر صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ کے مقدمہ میں کیا ہے۔ یہ کتاب مشہور ہے۔ ❶

❶ ۱۳۵۷ھ میں مولوی انور شاہ صاحب مرحوم کشمیری دیوبندی کی تقریر بخاری مع حاشیہ چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اصل تقریر کا نام فیض الباری اور حاشیہ کا نام البدر الساری ہے۔ شروع میں ایک مختصر مقدمہ موجود ہے۔ عبادات اور معاملات تک قدرے تفصیل سے کام لیا ہے۔ اس کے بعد آخر تک بالکل مختصر ہے۔

۱۴۳۔ مفتاح صحیح البخاری :

علامہ احمد محمد شاکر شرح جامع ترمذی مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''و منذ بضع عشرات من السنین صنع محمد الشریف بن مصطفٰی التوقادی من علماء الآستانة کتابین هما بمفتاح صحیح البخاری و مفتاح صحیح مسلم۔ فرغ من تالیفهما سنة ۱۳۱۲ھ و طبعا فی الآستانة سنة ۱۳۱۳۔ رتب احادیث کل واحد منهما علی الحروف باعتبار اوائل اللفظ النبوی الکریم و اشار الی موضع کل حدیث فی مفتاح البخاری بالابواب و الکتب بارقام الاجزاء و الصفحات لمتن البخاری و شروحه لابن حجر و العینی و القسطلانی و فی مفتاح مسلم کذلك لمتن مسلم و شرحه للنووی۔'' انتهی

کہ کئی عشرے ہوئے کہ علمائے آستانہ میں سے محمد شریف بن مصطفٰی توقادی نے ۱۳۱۲ھ میں دو کتابیں ''مفتاح صحیح البخاری'' اور ''مفتاح صحیح مسلم'' تالیف کی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں آستانہ میں ہی ۱۳۱۳ھ کو طبع ہوئیں۔ مؤلف نے ان کی احادیث کو الفاظ نبویؐ کے پہلے حرف کے مطابق حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے، اور وہ حدیث صحیح بخاری میں جس باب، کتاب میں ذکر ہوئی ہے اس کے مقام کی طرف اجزاء وصفحات کی پابندی کے ساتھ اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر، عینی اور قسطلانی کی شروح میں جہاں وہ حدیث آئی ہے اس کا بھی حوالہ دے دیا ہے۔ بالکل اسی طرح مفتاح المسلم میں بھی صحیح مسلم کے متن، اور نووی کی شرح کے صفحات کی نشاندہی کر دی ہے۔

۱۴۴۔ نبراس الساری فی اطراف البخاری :

اس کا موضوع بھی وہی ہے جو مفتاح صحیح بخاری کا ہے۔ مصنف (مولوی عبدالعزیز صاحب مرحوم خطیب گوجرانوالہ) نے صحیح بخاری کی احادیث کے اطراف جمع کیے ہیں اور ایک ایک حدیث کے متعلق بتایا ہے کہ وہ کس کس باب میں مختصر یا مطول آئی ہے اور فتح الباری اور عمدة القاری کے صفحات بھی ذکر کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب اول الذکر سے زیادہ مفید ہے۔ مصنف نے لیتھو کی طباعت کے لیے اس کی کاپی خود لکھی ہے۔

۱۴۵۔ انعام المنعم الباری بشرح ثلاثیات البخاری :

مصنف مرحوم (مولوی عبدالصبور بن مولانا عبدالتواب ملتانی) نے بزمانہ طالب علمی فتح الباری، قسطلانی، داؤدی، سندھی وغیرہ سے اخذ کر کے ثلاثیات بخاری کی یہ شرح مرتب کی تھی۔ ۱۳۵۸ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ جامعہ سلفیہ بنارس (ہندوستان) نے اسے ۱۴۰۰ھ میں دوبارہ طبع کیا۔

مزید کچھ شروحات بخاری درج ذیل ہیں:

۱۴۶۔ احمد بن محمد بن منصور اسکندری مالکی ناصر الدین ابو العباس ابن المنیر متوفی ۶۸۳ھ نے ''مناسبات علی البخاری'' لکھی۔

۱۴۷۔ محمد بن ابوبکر ابن ابراہیم بہاء مشہدی متوفی ۸۸۹ھ نے جملہ شروحات سے منتخب کر کے دو جلدوں میں بخاری کی ایک شرح لکھی۔ ←

۲۴۸۔المستدرك على الصحيحين

حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ التوفی ۴۰۵ھ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر مستدرک لکھا ہے جس کا منشا شیخین کی متروک حدیثوں کو (جوان کی شرط پر ہیں) جمع کرنا ہے۔ چنانچہ حاکم بعد اخراج حدیث فرمایا کرتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرط پر یا امام بخاری کی شرط پر یا امام مسلم کی شرط پر تھی اور باوجود اس کے ان لوگوں نے صحیحین میں اس کو ذکر نہیں کیا۔

قطع نظر اس کے کہ حاکم کا تساہل مشہور ہے اور ان کے حق میں "واسع الخطو في شرط الصحيح متساهل في القضاء به" کہا گیا ہے۔ ◆ اس بارے میں مستند فیصلہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ◆ حاکم نے صحیحین پر مستدرک لکھی اور دعویٰ یہ کیا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر تھی اور ان دونوں نے صحیحین میں اس کو ذکر نہیں کیا۔ میں نے حاکم کی مستدرک کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ بات ایک پہلو سے صحیح ہے اور دوسرے پہلو سے غیر صحیح۔ اس لیے کہ مستدرک میں ایسی حدیثیں ہیں جو شیخین کے رجال سے اور انہیں کی شرط پر مروی ہیں۔ پس اس پہلو سے حاکم کا استدراک اور قول صحیح ہے لیکن ایک دوسرے پہلو سے دیکھو تو غیر صحیح۔ وہ یہ ہے کہ شیخین اسی حدیث کو ذکر کرتے ہیں جس پر ان کے شیوخ کے بحث مباحثے ہو کر صحت پر اجماع ہو گیا ہو اور اس حدیث کی صحت مشائخ نے قبول کر لی ہو۔ چنانچہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں (صحیح مسلم میں) انہیں حدیثوں کو ذکر کیا ہے جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ اور مستدرک کی منفرد حدیثیں وہ ہیں جو محدثین اور شیخین کے شیوخ پر مخفی اور مستور

۱۴۸۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حموی متوفی ۸۴۲ھ نے "افتتاح القارئ لصحيح البخاري" تالیف کی۔

۱۴۹۔ صالح بن عمر بن رسلان بُلقینی متوفی ۸۶۸ھ نے بخاری کی ایک تفسیر و شرح لکھی جیسا کہ البدر الطالع میں مذکور ہے۔

۱۵۰۔ امام شاطبی صاحب الاعتصام والموافقات کی ایک تالیف ہے جس میں صحیح بخاری میں سے کتاب البیوع کی شرح لکھی ہے۔ اس کا نام "كتاب المجالس" ہے۔

۱۵۱۔ اسی طرح بابا التكروري ثم التنبكي کی کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی صحیح بخاری کی بے شمار شروحات ہیں، اختصار کے پیش نظر ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔ [عبیداللہ]

۱۵۲۔ ۲۴۷۔ اور فواد سزگین نے اس مقام پر تقریباً ۹۶ کتابیں اور بحوث ایسی ذکر کی ہیں جن میں صحیح بخاری پر مختلف زاویوں سے تحقیق کی گئی ہے۔ تاريخ التراث ۱/۱۷۴۔ ۲۰۳۔ [مراجع]

◆ مقدمة ابن الصلاح ص ۱۸۔

◆ حافظ ذہبی نے مستدرک حاکم کی تلخیص کی ہے اور اس پر نقد بھی کیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن الملقن نے بھی نقد کیا ہے اور حافظ سیوطی نے اس پر ایک حاشیہ لکھا ہے جس کا نام "توضيح المدرك في صحيح المستدرك" رکھا ہے۔ كشف الظنون ۲/۴۲۷۔ [مؤلف]

میں کہتا ہوں امام ذہبی کی مستدرک پر تلخیص اس کے حاشیہ پر ساتھ ہی چھپی ہوئی ہے جیسا کہ ابن الملقن کی کتاب "مختصر استدراك الحافظ الذهبي على مستدرك ابي عبدالله الحاكم" بھی عبداللہ بن حمد لحیدان اور سعد بن عبداللہ آل حمید کی تحقیق سے پہلی بار ۱۴۱۵ھ میں مکتبہ دارالعاصمہ ریاض کی جانب سے آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

رہیں، گو آگے چل کر پھیل گئیں یا وہ حدیثیں ہیں جن کے رجال میں محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ پس صحیحین کو خصوصیت یہ ہوئی کہ وہ صرف قاعدہ اور اصول سے حدیث کی صحت تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہر ہر حدیث کے وصل و انقطاع، رفع و ارسال اور شذوذ و نکارت سے مستقل طور پر بحث کر کے اور اپنے اساتذہ کی طرح علیحدہ علیحدہ جانچ پڑتال کر کے صحت کا فتویٰ دیتے اور انہیں حدیثوں کو صحیحین میں لیتے جن کی صحت پر ان سے پہلے کے محدثین کا یا ان کے زمانہ کے محدثین کا بعد تحقیقات اتفاق ہو گیا ہو۔ بخلاف حاکم کے کہ وہ صرف قواعد و اصول کی بنا پر حدیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں مثلاً قاعدہ (زیادتی ثقہ کی قبول ہوا کرتی ہے) یا دوسرا قاعدہ (جب محدثین وقف و ارسال، رفع و اتصال میں کلام کریں تو بات اس راوی کی لی جائے گی جس نے زائد بات یاد رکھی)۔ اور حق یہ ہے کہ اکثر حفاظ کو قواعد و اصول کی بنا پر تصحیح کرنے میں بہت خلل پڑ جاتا ہے۔ پس شیخین کی مزیت اور فوقیت اس میں ہے کہ انھوں نے علاوہ اصول و قواعد کے ہر حدیث کو (جس کی صحت ان کو مسلم ہے) علیحدہ علیحدہ طور پر جانچ لیا ہے۔ [1]

یہ وہ فیصلہ ہے جس کو شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ ان کے علاوہ شروح الفیہ و دیگر کتب اصول حدیث میں حاکم کی مستدرک کی نسبت جو لکھا ہے، اس کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ صاحب **کشف الظنون** نے علامہ بلقینی و دیگر محدثین کا فیصلہ بھی نقل کیا ہے جس سے اور بھی مستدرک حاکم کی حالت اَدْوَنْ معلوم ہوتی ہے اور صحیحین سے کوئی نسبت اس کتاب کو نہیں معلوم ہوتی۔ حاکم کے بعد ابو ذر ہروی مالکی المتوفی ۴۳۴ھ [2] نے بھی **مستدرك على الصحيحين** لکھی۔ غالباً اس کی بھی حالت اسی مستدرک حاکم جیسی ہو گی لیکن اس کی نسبت کوئی صریح فیصلہ نہ ملا۔ [3]

امام بخاری و مسلم کے بعد اور لوگوں نے صحیح حدیثوں کو جمع کرنے کا التزام کیا۔ منجملہ ان کے صحیح ابن خزیمہ، [4] صحیح

---

[1] حجة الله البالغة للشاه ولى الله دهلوى ۱/۲۸۲. ۲۸۳۔

[2] ابوذر عبد بن احمد هروی مالکی تین آئمہ حدیث سے صحیح بخاری روایت کرتے ہیں: ۱. المستملی۔ ۲. الحموی۔ ۳. کشمیهنی

[3] امام ذہبی نے کہا ہے کہ ان کی صحیحین پر ایک جلد میں بہت ہی اچھی مستدرک ہے جس پر میں نے تعلیقات لکھی ہیں۔ یہ کتاب ان کی معرفت پر دلالت کرتی ہے سیر اعلام النبلاء ۱۷/۵۵۹، نیز دیکھیے: **کشف الظنون ۲/۱۶۷۲ طبعه دار الفکر** اور **هدية العارفين ۱/۴۳۷**۔

[4] ابن خزیمہ کا نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جو حافظ ابن حجر کے کتب خانہ میں تھا۔ کتب خانہ کی فہرست عرب کے ایک ملک التجار کے ذریعہ سے پہنچی۔ اس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی کے کتب خانہ میں فن حدیث اور تفسیر کی بڑی بڑی نایاب کتابیں ہیں۔
اکثر مؤلفین یا ان کے شاگردوں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ خدا کی شان مسلمانوں کا علمی خزانہ نصرانیوں کے قبضہ میں ہے۔ اور وہ اس کے قدر شناس ہیں۔ والله يويد الدين بالرجل الكافر۔ [مؤلف]

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی   جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ (اقبال)

✓ **صحيح ابن خزيمة** کی جتنی جلدیں مل سکیں وہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق سے **المكتب الاسلامي** کی طرف سے ۱۴۰۰ھ میں چار اجزاء میں چھپ چکی ہیں۔ [مراجع] تقریباً **ابواب المناسك** کے اواخر تک پہنچی ہے۔

ابن حبان، [1] صحیح ابی عوانہ [2] مشہور کتابیں ہیں لیکن ان کی متفرد حدیثیں (جو صحیحین میں نہیں ہیں) گو مستدرک حاکم سے اعلیٰ درجہ کی ہیں لیکن پھر بھی صحیحین کی حدیثوں کے برابر ان کا درجہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ [3]

---

[1] صحیح ابن حبان کا نسخہ ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ علامہ حمید مفتی حنابلہ کا نسخہ علامہ عبدالحی لکھنوی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ لیکن وہ ناقص ہے۔ اس کا ایک نسخہ علامہ ابوالطیب عظیم آبادی کے مکتبہ میں بھی ہے [مؤلف]

نورالدین ہیثمی نے صحیحین پر صحیح ابن حبان کے زوائد کو ایک کتاب "موارد الظمآن بزوائد ابن حبان" میں جمع کیا ہے جو محمد عبدالرزاق حمزہ رحمہ اللہ کی تحقیق سے ایک جلد میں چھپی ہوئی ہے پھر اس کے بعد استاذ حسین سلیم اسد درانی کی تحقیق سے مکتبہ دارالثقافۃ العربیہ بیروت نے ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰م میں اسے نو جلدوں میں طبع کیا۔

جیسا کہ "الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان" بھی کمال یوسف حوت کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت نے ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷م میں نو جلدوں میں ہی شائع کیا۔

پھر اس کے بعد یہی کتاب مؤسسۃ الرسالہ بیروت نے شیخ شعیب ارناؤوط اور ان کے معاون محققین کی تحقیق سے ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷م کو ۱۸ جلدوں میں تیسری بار طبع کیا۔

[2] صحیح ابوعوانہ کا ایک عتیق نسخہ بخط عربی علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے جس پر بڑے بڑے حفاظ نے خاص اپنے ہاتھوں سے قرات وسماع و بلاغ لکھا ہے جیسے حافظ ذہبی اور ان کے معاصرین۔ [مؤلف] الحمد للہ کہ یہ مبارک کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد سے طبع ہو کر شائع ہوگئی ہے۔ [عبیداللہ]

حیدرآباد دائرۃ المعارف پریس سے ۱۳۸۶ھ میں استاذ عبدالحمید شیخ الجامعۃ النظامیہ (حیدرآباد) اور سید حبیب اللہ قادری کی تحقیق وتعلیق سے پانچ اجزاء میں چھپی اور پہلے اس کا تیسرا اجزء نا معلوم تھا پھر جب ملا تھا تو مکتبۃ السنۃ (قاہرہ) نے ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵م میں اسے علیحدہ ہی چھاپ دیا ہے۔

بہرحال صحیح ابی عوانۃ ابھی تک اول اور آخر سے نامکمل ہے اور از سر نو اس کی تحقیق واشاعت کی ضرورت ہے۔

[3] تنبیہ: مصنف رحمہ اللہ نے اس وقت اپنے علم کی پہنچ کی حد تک امام بخاری اور ان کی جامع صحیح کے متعلق لکھی گئیں شروحات وتعلیقات، مختصرات وتراجم وغیرہ کی تتبع وتلاش میں ایک عظیم اور قابل قدر محنت وکوشش کی ہے اور یہ محنت ۱۳۲۹ھ سے قبل یعنی آج سے نوے سال پہلے کی ہے تو مصنف رحمہ اللہ نے ۱۴۳ کتابیں جمع کی ہیں اور تین کا اضافہ ان کے لائق بیٹے (عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ) نے حاشیہ میں کیا ہے تو کل تعداد ۱۴۶ تک ہوئی ہے۔

رہا آج کا دور تو اس میں دنیا کے مختلف اطراف میں پائی جانے والی لائبریریوں کی فہارس اور کتب رجال وتراجم میں سے بہت سا حصہ چھپ چکا ہے جبکہ مصنف رحمہ اللہ کے دور میں ان پر اطلاع آسان نہ تھی۔ اب اس دور حاضر میں اس طرح کی دیگر کتب مصنف کی ذکر کردہ کتب کے مثل یا ان سے بھی زیادہ اس فہرست کے ساتھ اضافہ کرنا ممکن ہے چنانچہ استاذ محمد عصام عرار حسینی نے اس بارے میں "اتحاف القاری بمعرفۃ جھود و اعمال العلماء علی صحیح البخاری" نامی کتاب لکھی ہے تو انھوں نے اس کتاب میں ۳۷۵ کتب کا ذکر کیا ہے جو صحیح بخاری کے متعلق لکھی گئی ہیں۔

مزید تتبع اور جستجو کے بعد مصنف کی ذکر کردہ فہرست کے ساتھ بہت سی کتابوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ امام بخاری اور ان کی جامع صحیح کے متعلق تحقیقات وابحاث کا سلسلہ ابھی تک جاری وساری ہے اور جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جا رہا ہے اور دنیا میں ←

← پائی جانے والی مختلف لغات میں جو شروحات وتعلیقات اور مختصرات وتراجم وغیرہ لکھے جا چکے ہیں یا لکھے جا رہے ہیں وہ ضبط وحصر اور شمار سے باہر ہیں۔

اور یہ اس بات پر ایک بڑی دلیل ہے کہ امت اسلامیہ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری شریف اور اس کے مصنف (امیر المحدثین) امام بخاری کی طرف جس قدر توجہ دی اور اسے مہتم بالشان بنایا، امت اسلامیہ کی تاریخ میں اتنا اہتمام کسی اور کتاب کے لیے حاصل نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ دھلوی نے صحیح بخاری کے متعلق کیا ہی خوب کہا ہے:

میں قسم کھا کر کہتا ہوں یہ کتاب بخاری شہرت وقبولیت کے ایسے بلند درجہ پر فائز ہے جس سے اوپر بڑھنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ **حجة الله البالغة ۱/۳۴۱ طبعه دار المعرفة۔**

باب : ۵

صحیح بخاری پر عامیانہ اعتراضات

پہلا اعتراض

امام المحدثین (بخاری) پر قلت تدبر اور کوتاہ نظری و عدم تحقیق کی وجہ سے جہاں اور بہت سے عامیانہ اعتراضات کیے گئے ہیں، ایک اعتراض یہ ہے کہ بعض صرفی غلطی نکالی اور کہا کہ علم صرف کے ساتھ ان کو چنداں مزاولت نہ تھی۔ اس کی شہادت صحیح بخاری کا وہ مقام پیش کرتے ہیں جس کی تردید آتی ہے۔ اگرچہ ایسے ہی اعتراضات اس سے پہلے خود امام ابوحنیفہ پر مسلمات سے شمار کیے گئے۔ چنانچہ مؤرخ ابن خلکان امام ابوحنیفہؒ پر جو اعتراضات کیے گئے تھے، ان کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ولم يكن يعاب بشئي سوى قلة العربية". [1] یعنی امام ابوحنیفہؒ میں بجز قلت عربیت اور کوئی عیب نہ تھا۔ اس کے بعد منجملہ اور شہادتوں کے قلت عربیت (فن صرف ونحو وادب سے کم واقفیت) کی شہادت میں ایک ذیل کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ خاص ان کی عبارت یہ ہے:

"فمن ذلك ما روى ان ابا عمرو بن العلاء المقرئ النحوى سألهٗ عن القتل بالمثقل: هل يوجب القَوَدَ اَمْ لا ؟ فقال لا، كَمَاهُوَ قَاعِدة مذهبه خلافًا للشافعى رضى الله عنه، فقال لهٗ ابو عمرو: و لوقتله بحَجَرِ المنجنيق، فقال: ولو قتله بِاَبَا قُبُيْس، يعنى الجبل المُطِلّ على مكة حرسها الله تعالى". [2]

یعنی منجملہ اور شہادتوں کے امام ابوحنیفہ کی قلت عربیت کی ایک شہادت یہ ہے کہ ابوعمرو بن علاء نحوی نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا کہ آیا قتل بالمثقل میں قصاص ہے یا نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا، نہیں۔ ابوعمر نے کہا، اگرچہ منجنیق کے پتھر سے مار ڈالے تب بھی قصاص نہیں۔ آپ نے فرمایا، ابا قبیس جو کہ مکہ کا پہاڑ ہے، اس سے قتل کرے تب بھی قصاص نہیں۔

---

[1] وفیات الاعیان ۵/۴۱۳۔

[2] ماخذ سابق۔

یہاں امام صاحب نے بجائے بابی قبیس کے جو مجرد واقع ہے، ابا قبیس فرمایا جو قاعدہ نحو کے خلاف ہے [1] لیکن جامع صحیح میں جو کچھ ہے، اس کی حقیقت سنو جس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو " قصورِ ید" یا "لغزشِ قلم" کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے اس سے امام المحدثین کا علم اللغة میں اور زیادہ باریک بین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ مذکورہ مقام یہ ہے:

"قال ابو عبدالله: اِستَیأَسُوا اِفتَعَلُوا من یئست. [2] علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس عبارت کی نسبت یہ لکھا ہے۔ والظاهر ان مثل هذا من قصور الید فی علم التصریف. [3] عینی کا یہ لکھنا کوتاہ بینوں کے لیے دیوانہ را ہوئے بس است کا کام دے گیا۔

جامع صحیح میں استیأسوا کے بعد افتعلوا لکھا ہونے کے جواب میں دو طریق اختیار کیے گئے ہیں۔

اول یہ کہ صحیح بخاری کے کئی نسخوں میں "استیأسوا، استفعلوا" لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام المحدثین نے اس کا وزن استفعال سے ظاہر کیا ہے جو واقعی درست ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری محشی مولوی احمد علی صاحب مرحوم حنفی سہارنپوری میں لکھا ہے:

"استیأسوا استفعلوا من یئست". [4]

اسی طرح فتح الباری حامل المتن بخاری مطبوعہ مطبع انصاری دہلی میں بھی "استیاسوا استفعلوا "لکھا ہے اور شرح میں حافظ ابن حجر استفعلوا ہی کو اختیار کر کے فرماتے ہیں: "وقع فی کثیر من الروایات افتعلوا، والصواب الاول". [5]

اسی طرح شارح قسطلانی نے بھی بروایت اصیلی [6] جو صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہے" استفعلوا "نقل کر کے کہا ہے: و هو الصواب۔ [7]

اسی طرح علامہ عینی حنفی نے خود بھی اپنی شرح عمدة القاری میں شارح کرمانی سے" استفعلوا "ہی نقل کیا

---

[1] فاضل لکھنوی نے التعلیق الممجد کے مقدمہ میں امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس اعتراض کا ایک جواب لکھا ہے۔ [مؤلف]

[2] عمدة القاری ۷/۳۸۶۔

[3] ماخذ سابق۔

[4] صحیح بخاری مع حاشیہ احمد علی سہارنپوری جلد ۱ ص ۴۸۰۔

[5] فتح الباری ۶/۴۲۰ کتاب احادیث الانبیاء رقم الحدیث ۳۳۸۹ اس سے امام بخاری کا اشارہ سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۸۰ "فلما استیئسوا منه خلصوا نجیا" کی طرف ہے۔

[6] وہ حافظ ثبت علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم محمد اندلسی ہیں قرطبہ میں فقہ سیکھی اور وادی الحجارہ، مصر، مکہ اور بغداد میں حدیث کا سماع کیا اور صحیح بخاری ابوزید مروزی متوفی ۳۹۲ھ سے پڑھی۔ تذکرة الحفاظ ۳/۱۰۲۴۔ (المراجع)

[7] ارشاد الساری للقسطلانی ۵/۲۹۹۔

ہے۔(جائے تعجب ہے کہ "استفعلوا" نقل کرنے کے بعد یہ عامیانہ اعتراض بھی کر دیا۔) اسی طرح صحیح بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی میں بھی "استفعلوا" لکھا ہے۔

پس بموجب ان تصریحات کے معلوم ہوا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے "استیاسوا" کا وزن "استفعلوا" بتایا ہے جو واقعی درست ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ کئی روایات ونسخہ جات میں "افتعلوا" بھی لکھا ہے جیسا کہ بخاری مطبوعہ مصر تقطیع خورد میں اور نیز متن قسطلانی میں ہے تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ حسب تصریحاتِ بالا امام المحدثین بخاری سے "افتعلوا" کی روایت درست نہیں جیسا کہ فتح الباری اور ارشاد الساری میں "استفعلوا" کی نسبت و ھو الصواب لکھنے ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔ پس امام المحدثین پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔

دوسرا طریق جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ "استیأسوا" کے بعد "افتعلوا" کی روایت درست ہے تو اس سے امام المحدثین کی مراد وزن ظاہر کرنے کی نہیں ہے بلکہ اظہار معنی کے لیے باب افتعال کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ عینی نے اس امر کو خود شارح کرمانی سے نقل کیا ہے: "و قال الکرمانی: "استیأسوا" "استفعلوا"، و فی بعض النسخ "افتعلوا"، وغرضه بیان المعنی وان الطلب لیس مقصود فیه ولا بیان الوزن والاشتقاق". [1]

اور یہی عبارت بعینہ حاشیہ مولوی احمد علی صاحب حنفی سہارنپوری میں منقول ہے اور اس توجیہہ پر نہ کوئی جرح ہے نہ اعتراض لیکن علامہ عینی بلا کسی معقول نقض اور بلا کسی دلیل کے اس توجیہہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ توجیہہ واہی ہے اور جو اس توجیہہ کے واہی ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں، اس سے اور بھی علامہ کرمانی کی توجیہہ مذکور کی تائید اور امام المحدثین کے مطلب کی تقویت ہو جاتی ہے۔ شارح عینی فرماتے ہیں: وقوله: "ان الطلب لیس مقصودًا منه" کلامٌ واہٍ، لانّ من قال: ان السین فیه للطّلَب، قال: لیس الا للمبالغة". [2]

حالانکہ امام المحدثین اور شارح کرمانی کا یہی مطلب ہے کہ "استیأسوا" اپنے باب پر نہیں ہے اور اس کی سین طلب کے لیے نہیں ہے۔ یہ ایک اور امر ہے کہ جب استفعلوا اپنے باب پر (سوال کے لیے) نہیں ہے تو اس کی سین مبالغہ کے لیے ہے یا یہ افتعال کے معنی میں ہے اور اس میں موافقت افتعال کی ہے لیکن شارح کرمانی کی طرح علامہ عینی نے بھی تسلیم کر لیا کہ سین طلب کے لیے نہیں ہے۔ پس علامہ عینی کا نقض شارح کرمانی کی توجیہہ کو توڑ نہیں سکا بلکہ الٹی تائید ہوگئی۔ (افسوس یہ کہ اس تائید کے بعد بھی ان کے خیال میں اب تک امام المحدثین پر اعتراض باقی ہے) آخر مذہبی مخالفت کا اثر بھی ضرور ہوتا ہے۔

---

[1] عمدۃ القاری ۷/۳۸۶۔

[2] عمدۃ القاری ۷/۳۸۶۔

شارح کرمانی کی اس توجیہہ کہ یہاں استیأسوا کے بعد افتعلوا کا ذکر وزن کے اظہار کے لیے نہیں بلکہ معنی اور مطلب بیان کرنے کے لیے ہے، کی طرف امام المحدثین کا کلام خود اشارہ کر رہا ہے۔ اس لیے کہ امام صاحب اس کے بعد "استیأسوا" کا اشتقاق بیان فرماتے ہیں: مِنْ یَئِست یعنی اس کا اشتقاق "یئس" سے ہے جو اس کا مجرد ہے۔ پس یہ کس طرح متصور ہوسکتا ہے کہ ایک تبحر کسی لفظ کے مادہ اور اصل کو معلوم کرے اور اس کے مزید فیہ کے وزن میں اس سے صریح غلطی ہو جائے کیونکہ وزن میں غلطی ہونی متفرع ہے اس کے مادہ میں غلط فہمی ہونے پر۔ جب مادہ ہوگیا تو وزن کس طرح غلط بتایا جا سکتا ہے۔ اس سے یقیناً یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ امام المحدثین نے استیاسوا کے بعد افتعلوا محض اظہار معنی کے لیے ذکر کیا ہے نہ کہ اظہار وزن کے لیے۔

باب" الاستفعال" "الافتعال" کے معنی میں آتا ہے۔ اور ارباب فن تصریف اور علمائے لغت نے اس کی تصریح کی ہے۔ الصراح میں ہے: استیأس اِتَّأس، نا امید شدن" ◆ اور القاموس میں ہے: کاستیأس، اتأس" ◆ اور لسان العرب میں ہے: و آیَسَه فلان من کذا، فاستَیْأَسَ منه بمعنی "اَیِس" و اتَّأس ایضًا، و هو افتعل فادغم مثل اتَّعَدَ". ◆ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ الصراح میں "استیأس" کے بعد "اِتَّأس" اس واسطے سے ہے کہ استیأس اور اتّأس کا وزن ایک ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر "استفعلوا" ہے تو وزن بیان کرنے کے لیے ہے اور اگر "افتعلوا" ہے تو معنی بیان کرنے کے لیے ہے نہ کہ اظہار وزن کے لیے۔ اس وضاحت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ امام المحدثین کے" قصورُ یَدٍ" کی بجائے ان کا علم التصریف و علم اللغة میں باریک بین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ◆

دوسرا اعتراض

جہاں اور سفیہانہ اعتراضات کج فہمی یا کوتاہ اندیشی سے جامع صحیح پر کیے گئے ہیں، وہاں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری کے شروع میں عام تصنیفات کی طرح رواجی خطبہ نہیں ہے۔ مناسب تو یہی تھا کہ ایسے ایسے عامیانہ اعتراضات سے سکوت کیا جاتا لیکن علامہ عینی شارح بخاری جیسے شخص نے اس عامیانہ اعتراض کو نقل کر کے بہت سے جوابات لکھے۔ اور پھر ہر ایک جواب پر کچھ نہ کچھ جرح کر کے ساکت ہوگئے۔ گویا اس مہمل اعتراض کو تسلیم کر لیا۔ بعض کوتاہ اندیش شیعہ نے اپنی فطرت کے اقتضا سے اس اعتراض کو مایۂ ناز سمجھ کر نمک مرچ لگا کر شائع کیا۔

اولاً ہم متقدمین کی ایک نہیں، بیسیوں کتابیں ایسی پیش کرتے ہیں جس میں خطبہ (بالمعنی دیگر حمد و نعت) رواجی

◆ الصراح ۱/۴۵۴۔

◆ القاموس المحیط ۴/۲۶۸۔

◆ لسان العرب ۶/۲۶۰۔

◆ وَکَمْ مِنْ عائبٍ قولاً صحیحًا وآفتهُ من الفهم السقیم [مؤلف]

نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ متقدمین کا دستور ہی نہ تھا کہ خطبہ کو جزو کتاب بناتے۔ [1] اگر تھا تو شاذ و نادر۔ مناسب تو یہ تھا کہ ہم اس کی شہادت میں دو چار سو متقدمین کی تالیفات سے گنا دیتے لیکن اس کو ایک فضول کام سمجھ کر نظرانداز کرتے ہیں اور چند تالیفات مختلف فنون کی پیش کرتے ہیں جو ہر شخص کو میسر ہیں۔ حسب ذیل تصانیف میں سے کسی ایک میں بھی خطبہ نہیں ہے: موطا امام محمد، موطا امام مالک، سنن ابی داوٗد، سنن نسائی، سنن ترمذی، مسند احمد بن حنبل، رسالہ امام شافعی [2]، سنن دارقطنی، سنن دارمی، وقایہ، تنویر الابصار، کافیہ۔ [3]

ثانیاً علامہ ابو الھیثم کُشْمِیْھَنِیْ علامہ فربری سے روایت کرتے ہیں اور فربری امام المحدثین سے روایت کرتے ہیں کہ امام صاحب فرماتے ہیں: ''کوئی حدیث صحیح بخاری میں میں نے اس وقت تک درج نہیں کی جب تک غسل اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ نہ کر لیا [4] اور دربار الٰہی سے دعا نہ مانگ لی''۔

وہ اپنی کتاب کی تبییض کبھی تو مسجد نبوی میں حجرۂ نبوی اور منبر کے درمیان بیٹھ کر کرتے رہے اور کبھی حرم محترم (خانہ کعبہ) میں۔ [5]

ہم سخت حیرت میں ہیں کہ اس سے بڑھ کر حمد و نعت کا کون سا طریقہ اکمل ہو سکتا ہے۔ دوسرے مؤلفین کتاب کے ابتدا میں کچھ حمد و نعت رسمی طور پر لیتے ہیں یہاں تو ہر ہر حدیث لکھنے کے قبل حمد و نعت ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ بعض لوگوں نے اس بے معنی سوال کا جواب محض احتمال پر دیا تھا کہ ممکن ہے کہ زبان سے کہہ لیا ہو۔ افسوس جب خود مؤلف بیان کرتا ہے کہ میں نے ہر حدیث داخل کرنے کے وقت سب سے اعلیٰ عنوان حمد و نعت کا یہ اختیار کیا اور سب سے اکمل اور افضل طریقہ پر حمد و نعت ادا کی تو ایسی قطعی اور یقینی بات کو محض احتمال کہنا کیسی کج فہمی اور عصبیت ہے اور یہ کون نہیں جانتا کہ حمد کے لیے کتابت شرط نہیں۔ حمد کی تعریف ہی اس طرح کی گئی ہے: ''**الحمد ھو الثناء باللسان علی الجمیل الاختیاری نعمۃ کان او غیرھا**'' اور نماز کے جلسہ میں آنحضرت ﷺ پر اور عباد الصالحین پر دعا و سلام کا بھیجنا بھی واجب اور ضروری ہے۔

---

[1] رہی حدیث ''کل امر ذی بال ......'' الخ تو وہ ضعیف ہے جیسا کہ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل ۱/۲۹،۳۲ اور ''سلسلہ احادیث ضعیفہ'' میں حدیث نمبر۹۰۲ پر بیان کیا ہے۔

[2] امام شافعی رحمہ اللہ کی اصول فقہ میں مشہور کتاب ''الرسالۃ'' تحقیق احمد شاکر مصری رحمہ اللہ کے مطبوعہ نسخہ کے شروع میں خطبہ موجود ہے جو کہ حمد، استعانت، استھداء، استغفار اور شہادت پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] اور اسی طرح مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الآثار امام ابو یوسف اور کتاب الآثار محمد بن حسن شیبانی اور دیگر کئی ایک کتب یعنی ان کے شروع میں خطبہ نہیں ہے۔

[4] مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۹۔ اس کی تخریج پہلے مکمل ہو چکی ہے

[5] مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۹۔ اس کی تخریج بھی پہلے ہو چکی ہے۔

نعمانی صاحب کے اعتراضات

امام بخاری اور جامع صحیح کے استدلالات پر چند عامیانہ اعتراض، شبلی نعمانی صاحب نے بھی سیرۃ النعمان میں کیے ہیں جو محض قلت تدبر اور عدم تحقیق کی وجہ سے ہیں۔ ہم ان اعتراضات کو ان کے جواب کے ساتھ **حسن البیان** سے نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ [1]

پہلا اعتراض

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ امام اور مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ [2] امام بخاری برخلاف اس کے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب امام "**ولا الضالین**" کہے تو تم آمین کہو لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے؟ [3] یہ فریق کا پرانا اعتراض ہے جس کے بہت ہی اعلیٰ اور تسکین بخش جواب ہو چکے ہیں۔ ارباب دیانت وانصاف صاحب سیرۃ النعمان کے اعتراضات کی حقیقت سنیں اور جواب ملاحظہ فرمائیں۔

امام المحدثین نے جامع صحیح میں آمین کے متعلق تین باب آگے پیچھے منعقد کیے ہیں:

اول امام کے آمین بالجہر کہنے کا باب۔

دوم آمین کی فضیلت کا باب۔

سوم مقتدی کے بالجہر آمین کہنے کا باب۔

اور تینوں ابواب میں امام المحدثین حدیثیں لائے ہیں۔ پہلے باب میں یہ حدیث ہے:

"اِذَا أَمَّنَ الْاِمَامُ فَأَمِّنُوْا" جب امام آمین کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ [4]

اور دوسرے باب میں یہ حدیث ہے:

"**اذا قال احدکم: آمین، وقالت الملٰئکۃ فی السّماء: آمین، فوافقت اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰی، غُفِرلَهٗ مَا تقدّم**" جب تمہارا کوئی شخص آمین کہتا ہے تو ملائکہ آسمان میں آمین کہتے ہیں۔ جب دونوں آمینیں ایک دوسرے کے ساتھ موافق ہو جاتی ہیں تو اس شخص کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ [5]

---

[1] مصنف رحمہ اللہ علامہ محدث مجاہد شیخ عبدالعزیز رحیم آبادی متوفی ۱۳۳۶ھ کی مشہور کتاب (**حسن البیان فی الرد علی سیرۃ النعمان**) کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ علامہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

[2] یعنی سورت فاتحہ کے بعد جہری نمازوں میں۔

[3] سیرۃ النعمان ۱۹۰/۲۔

[4] **صحیح البخاری مع الفتح** ۲۶۲/۲۔

[5] **صحیح البخاری مع الفتح** ۲۶۶/۲۔

اور تیسرے باب میں یہ حدیث ہے:

"اذا قال الامام: غیر المغضوب علیهم ولا الضالّین، فقولوا: آمین" جب امام ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو۔ [1]

پہلی حدیث سے امام کا بالجہر آمین کہنا اس طرح ثابت ہے کہ مقتدی کا آمین کہنا اسی پر معلق ہے۔ اگر امام زور سے آمین نہ کہے گا تو مقتدی کو کیوں کر معلوم ہوگا کہ آمین کہی یا نہیں اور مقتدی کا آمین بالجہر کہنا اس سے اس طرح ثابت ہے کہ مقتدی اور امام کی تامین دونوں متقابل واقع ہوئیں۔ پھر بغیر کسی قرینہ کے ایک سے مراد جہر اور ایک سے آہستہ مراد ہونا خلاف سیاق ہے۔ جو آدمی عربیت کا ذوقِ سلیم رکھتا ہے، وہ اس کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح پچھلے باب (مقتدی کا آمین بالجہر کہنا) کی حدیث جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، سے جہر اس طرح ثابت ہے کہ دو قول (واذا قال الامام ولا الضالین اور فقولوا آمین) متقابل واقع ہوئے ہیں۔ اور ایک سے مراد جہر ہونے میں اتفاق ہے پھر دوسرے قول (جو قول اول کا متقابل واقع ہے) سے آہستہ مراد ہونا خلاف سیاق ہے۔ دیکھو، حنفیہ تیمّم میں دونوں ہاتھ کہنیوں تک مسح کرنے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگرچہ تیمّم میں ید مطلق واقع ہے مگر چونکہ وضو کی آیت میں ید مقید واقع ہے اور آیت تیمّم کے تقابل میں ہے، اس تقابل کی وجہ سے تیمّم میں بھی ید مقید ہی مراد ہوگا۔ اسی طرح فریق کو یہاں بھی سمجھنا چاہیے کہ اگرچہ یہاں قول مطلق واقع ہے لیکن چونکہ اس کا متقابل واقع ہے جس سے باتفاق جہر مراد ہے تو اس سے بھی وہی جہر مراد ہونا چاہیے حالانکہ تیمم اور وضو کی آیتیں الگ الگ ہیں اور یہاں آمین کی حدیث میں دو قول ایک جملہ میں متقابل واقع ہیں۔ علاوہ بریں یہ کون نہیں جانتا کہ مطلق منصرف بفرد کامل ہوتا ہے اور قول بالجہر کا فرد کامل ہونا بھی کون نہیں جانتا۔ [2]

دوسرا اعتراض

صاحب سیرۃ النعمان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہ ہو، وضو جائز ہے۔ امام بخاری اس کے خلاف ترجمة الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل مسکرٍ حرامٌ۔ [3]

یہ صاحب سیرۃ النعمان کی خوش فہمی ہے یا حُسنِ نیت۔

امام المحدثین نے اس مقام میں ترجمة الباب میں دو مسئلے ذکر کیے ہیں:

اول نبیذ سے وضو جائز نہیں۔

دوم مسکر سے وضو جائز نہیں۔

---

[1] سابقہ مصدر۔

[2] حسن البیان ۱۶۶، ۱۶۷۔

[3] سیرۃ النعمان ۲/ ۱۹۰ اور یہ حدیث صحیح بخاری ۱/ ۳۵۳، ۳۵۴ میں ہے۔

پہلے مسئلہ کی دلیل میں امام صاحب نے چند آئمہ تابعین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اور دوسرے مسئلے کی دلیل میں یہ حدیث لائے ہیں۔ ❶ صاحب سیرۃ النعمان کو موقع اعتراض جب تھا کہ دوسرا مضمون جس پر حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے، ترجمۃ الباب میں نہ ہوتا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ نبیذ تمر سے وضو جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ کے بیان میں پہلی غلطی صاحب سیرۃ النعمان نے یہ کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف قول بالجواز کی مطلقاً نسبت کر دی ہے۔ حالانکہ نبیذ سے وضو جائز ہونے کے لیے امام ابو حنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب پانی نہ ملے تب نبیذ سے وضو جائز ہے۔ چنانچہ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ❷ قاضی ابو یوسف صاحب (جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے معزز ہیں) بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مخالف ہیں۔ طحاوی نے بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی ہے اور ان پر دو اعتراضات بھی کر دیے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ نبیذ مثل پانی کے ہے یا نہیں۔ اگر مثل پانی کے ہے تو اس سے وضو جائز ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی قید لگانے کی کیا ضرورت ہے اور اگر مثل پانی کے نہیں تو اس سے وضو جائز ہونے کے لیے دلیل درکار ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ صرف خرمہ کی نبیذ سے وضو جائز کہتے ہیں اور منقی وغیرہ کی نبیذ سے وضو نا جائز بتاتے ہیں اور اس تفریق کے کوئی معنی نہیں۔ صاحب سیرۃ النعمان پہلے طحاوی کے اعتراضوں کے جواب دیں۔ پھر محدثین کی طرف رخ کریں۔ ❸

تیسرا اعتراض

نعمانی صاحب کا تیسرا اعتراض جو انھوں نے قلت تدبر سے اٹھایا ہے یہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا

---

❶ بعض کا کہنا ہے کہ نبیذ اور نشہ آور شے سے وضوء کرنا ناجائز ہے۔ اس کی دلیل میں امام بخاری یہ حدیث بھی لائے ہیں کہ "ہر پینے کی شے جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے" اور اس حدیث میں دونوں مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ حرام نشہ آور کے ساتھ وضو کرنا بالاتفاق ناجائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چونکہ لغت اور شریعت میں اسم ماء (پانی کے نام) سے خارج ہے اس لیے اس سے وضوء جائز نہیں اور وہ نبیذ جو کہ غیر مسکر ہے اس کا حکم بھی مسکر والا ہی ہے کیونکہ اس پر بھی اسم ماء کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس پر مسند احمد اور دارقطنی کی عبداللہ بن مسعودؓ والی وہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنوں کی رات عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا تھا کیا تیرے پاس پانی ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ نہیں۔ (الحدیث)

اگر نبیذ کو پانی کہنا جائز ہوتا اس لیے کہ اس میں پانی ہوتا ہے تو سرکہ کو پانی کہنا بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بھی پانی ہوتا ہے۔

[عبیداللہ]

❷ دیکھیے: شرح معانی الآثار ۱/۹۴، ۹۶۔

❸ حسن البیان ۱۲۷، ۱۲۸۔

مذہب ہے کہ مقتدی کے لیے قرأت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام ومقتدی پر ہر نماز میں خواہ جہری ہو یا سری، قرأت واجب ہے۔ اس دعویٰ پر دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ کے پاس سعد بن ابی وقاصؓ کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا اور بجائے ان کے عمارؓ کو مقرر کر دیا۔ کوفہ والے عمارؓ کے بھی شاکی ہوئے کہ ان کو تو نماز بھی پڑھنی نہیں آتی۔ حضرت عمرؓ نے عمارؓ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے۔ عمارؓ نے کہا، ''واللہ میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی سی نماز پڑھاتا تھا اور اس سے کچھ کم نہیں کرتا تھا۔ میں عشاء کی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا''۔

اس حدیث سے قرأت فاتحہ کا وجوب کیوں کر ثابت ہوا؟ [1]

صاحب سیرۃ النعمان نے اس تیسرے اعتراض میں تو اپنی محدثانہ اور مجتہدانہ روش کو جس کا انھوں نے ابتدائے کتاب میں دعویٰ کیا ہے، سب کو کھو دیا اور ایسی باتیں لکھیں جو ان کی استعدادِ مطلب فہمی پر دھبہ لگا دیتی ہیں۔ اِن کو بہ تفصیل سن لیجئے۔ آپ لکھتے ہیں، کوفہ والے عمارؓ کے بھی شاکی ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے عمارؓ کو بلا بھیجا اور ان سے کہا۔

حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ اہل کوفہ نے نہ تو عمارؓ کی شکایت کی تھی اور نہ ہی حضرت عمرؓ نے ان کو بلا بھیجا تھا۔ یہ سعد بن ابی وقاص کا قصہ ہے کہ کوفہ والوں نے ان کی شکایت کی تھی اور حضرت عمرؓ نے انہیں کو بلا کر کہا تھا۔ صحیح بخاری میں یہ روایت بایں عبارت مذکور ہے: '' **شكى اهل الكوفة سعدًا الى عمر فعزله و استعمل عليهم عمارا فشكوا حتى ذكروا انه لا يحسن يصلى فارسل اليه فقال يا ابا اسحٰق ان هٰؤلاءِ يزعمون انّك لاتحسن تصلى.** '' [2] اس عبارت میں ''**فشكوا، شكى اهل الكوفة**'' کی تفسیر وبیان ہے۔ فاعاطفہ تفسیری ہے اور بیچ میں **(فعزله واستعمل عليهم عمارا)** جملہ معترضہ ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن کو بلا کر کہا، ان کو ابو اسحٰق کہہ کر بلایا اور ابو اسحٰق کنیت سعد بن ابی وقاص کی ہے۔ حضرت عمار کی کنیت '' ابو الیقظان'' ہے۔ [3] دیکھو ''**الاصابة فی تمییز الصحابة**''۔ دوسری دلیل اس پر یہ ہے کہ اس روایت کے اخیر میں دو جگہ حضرت سعدؓ کا نام صراحتہً مذکور ہے۔ پورا قصہ یوں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بلا کر پوچھا اور انھوں نے جواب دیا کہ میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی سی نماز پڑھاتا تھا تو حضرت عمرؓ نے چند آدمی ساتھ کر کے ان کو کوفہ بھیجا کہ کوفہ کی ہر مسجد میں جا کر اس کی تحقیق کریں۔ وہاں لوگ پہنچے اور دریافت کیا تو ہر مسجد والوں نے تعریف کی، مگر ایک مسجد میں ایک شخص نے شکایت کی اور سعدؓ کا نام لے کر کہا۔ **فان سعدًا لايسير بالسرية** ......الخ۔ اس پر سعدؓ کا یہ مقولہ مذکور ہے۔ **قال سعد**۔ ایسی صورت میں کسی طرح

---

[1] سیرۃ النعمان ۲/ ۱۹۰۔

[2] **صحيح البخاری** ۲/ ۲۳۶۔

[3] **الاصابة** ۲/ ۳۳، ۵۱۲۔

یہ صحیح نہیں ہوسکتا کہ جن کو حضرت عمرؓ نے بلا کر کہا تھا، وہ عمارؓ تھے۔

صاحب سیرۃ النعمان کی دوسری غلطی اس روایت کے بیان میں یہ ہے کہ **ذلك الظن بك يا ابا اسحٰق** جو حضرت عمر کا مقولہ ہے، اس کے معنی آپ لکھتے ہیں (ان لوگوں کا گمان ہے) حالانکہ یہ حضرت عمرؓ نے اپنی نسبت کہا تھا یعنی جب حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی سی نماز پڑھتا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے ان کو کہا کہ میرا گمان تمہارے ساتھ ایسا ہی ہے۔ کیونکہ حضرت سعدؓ عشرہ مبشرہ سابقین اولین میں سے تھے اور آیات و احادیث ان کی فضیلت میں وارد تھیں۔ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ تم جیسے شخص پر بدگمانی کیوں کر ہوسکتی ہے۔ ہمارا خیال تمہاری طرف سے ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو۔ اس جملہ کا یہ مطلب کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت عمر پہلے فرما چکے، **ان هٰؤلاء يزعمون انك لا تحسن تصلي** یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے۔

اس جگہ صاحب سیرۃ النعمان کے طرز مؤرخانہ، محدثانہ اور مجتہدانہ کا پتہ چل جاتا ہے۔ آپ بایں مطلب فہمی و استعداد فی الحدیث اپنے کو محدث قرار دیتے ہیں تو آئمہ کوفہ کو محدث کہنا بہت بجا بلکہ ضرور اور نہایت ضرور ہے۔

اب رہا آپ کا یہ سوال کہ اس حدیث سے قرأت فاتحہ کا وجوب کیوں کر نکلا؟

تو اس کا جواب یہ ہے:

اولاً: یہ ہے کہ امام المحدثین کے ترجمۃ الباب میں مطلق قرأۃ مذکور ہے چنانچہ ترجمۃ الباب کا لفظ یہ ہے: ''**باب وجوب القرأة للامام والمأموم فى الصلوات كلها فى الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت**''[1] آپ نے قرأت فاتحہ کیوں لکھ دیا۔ اس تصرف کا آپ کا کون ساحق تھا؟

ثانیاً: امام المحدثین اس باب میں دو حدیثیں لائے ہیں۔[2] آپ نے ایک کو کیوں چھوڑ دیا؟ دوسری حدیث میں چونکہ صریح مذکور تھا کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ (اور خوب کیا)

اب وجہ دلالت حدیث اول سنیے۔ امام المحدثین کے ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی نماز میں قرأۃ واجب ہے اور حضرت سعدؓ کی روایت میں جملہ (**اصلى بهم صلاة رسول الله** ﷺ) فرمان نبوی ﷺ (**صلوا كما رأيتمونى اصلى**) کا بیان ہے۔ جس میں عموماً حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھا کرو اور اس حکم سے کوئی بھی فرد نماز پڑھنے والا مستثنیٰ نہیں اور آنحضرت ﷺ کی نماز میں قرأۃ مسلم اور متفق علیہ ہے۔ تو ہر نماز میں مطابق اس فرمان (**صلوا كما رايتمونى اصلى**) کے قرأۃ ہونی چاہیے اور یہی مضمون ہے امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا جب تک اس حکم عام سے صلوٰۃ مقتدی کا استثنا ثابت نہ کیا جائے، تب تک فریق کو اس عام

---

[1] صحيح البخاری ۲/۲۳۶۔

[2] امام صاحب رحمہ اللہ نے اس باب میں چار احادیث ذکر کی ہیں۔ دو تو یہی اور دو ان کے بعد۔ ان میں سے ایک مسيئ الصلوٰۃ والی حدیث اور دوسری سعد رضی اللہ عنہ ہی کے قصے میں وارد حدیث ذکر کی ہے۔

کی قطعیت میں کوئی مجالِ سخن نہیں ہے۔ دوسرے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ تھا کہ قرأۃ صرف دو رکعت اولیٰ میں فرض یا واجب ہے پچھلی دو رکعتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرأۃ نہیں ہے۔ [1] امام المحدثین نے حضرت سعدؓ کی روایت اس وجہ سے ذکر کی کہ اس روایت میں یہ مضمون تھا کہ عشاء کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں ہم طول کرتے ہیں اور پچھلی دو رکعتوں میں تخفیف۔ جس سے ظاہر ہے کہ چہار رکعت میں قرأۃ تھی اور اسی کو حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کہا۔ پس خلاف مذہب امام ابوحنیفہ کے ہر چہار رکعت میں قرأۃ کی مشروعیت ثابت ہوئی۔

دوسری حدیث جو اس باب میں امام المحدثین لائے ہیں، وہ **قرأۃ الفاتحہ** کی دلیل خاص ہے۔ تو صورت یہ ہوئی کہ ایک باب کی دو دلیلیں بیان کیں۔ ایک عام اور دوسری خاص۔ یا یوں سمجھو کہ ایک حدیث مطلق قرأۃ کی دلیل اور دوسری حدیث اسی مطلق کی تقیید، کیونکہ مطلق آخر جب پایا جائے گا تو تحت میں کسی مقید ہی کے۔ [2]

غرض دوسری حدیث میں اِس کا بیان ہے کہ مطلق قرأۃ کو تحت میں اس مقید کے پایا جانا چاہیے۔ باقی رہا یہ کہ اگر صاحب سیرۃ النعمان نے اس نکتہ کو نہیں سمجھا اور کہا کہ اس حدیث سے قرأۃ فاتحہ کا وجوب کیوں کر ثابت ہوا تو یہ کوئی محل تعجب بات نہیں ہے۔ جب حضرت سعدؓ کی حدیث کا مطلب (جو ظاہر تھا) نعمانی صاحب کی سمجھ میں ٹھیک نہ آ سکا تو امام المحدثین کے وجوہ استدلال اور نکات استنباط کو جس کی نسبت **تراجم البخاری حیرت الافکار** مشہور ہے، کیوں کر سمجھ سکتے ہیں۔ [3]

بقیہ سقطات سے جو سیرۃ نعمان میں واقع ہوئے اور **حسن البیان** میں ان کو ذکر کیا گیا ہے، اس سے ہم سکوت کرتے ہیں [4] کیونکہ ہمارے موضوع بحث سے یہ خارج ہے۔ علاوہ **حسن البیان** کے سیرۃ النعمان کے بہت سے سقطات **الارشاد** میں بیان کیے گئے ہیں لیکن مؤلف **الارشاد** نے بھی یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جس قدر ہم نے اور صاحب **حسن البیان** نے نعمانی صاحب کے سقطات ذکر کیے ہیں، بہت ہی کم ہیں۔

---

[1] دیکھیے: الهداية ۱/۱۲۷۔

[2] اس قول کے لیے دیکھیے: الاحكام في اصول الاحكام للآمدی ۲/۲۶۹۔۲۷۱۔

[3] مقدمة فتح الباری ۱۳۔ اس جگہ جواب (حسن البیان) ص۔۱۶۸۔۱۷۱ سے ماخوذ ہے۔

[4] ہم عصر شمس العلماء شبلی نعمانی صاحب کی رنگ آمیزیوں کے دلچسپ منظر دیکھنے ہوں تو حسن البیان ہاتھ میں لیجئے۔ حسن البیان سیرۃ النعمان کے کشف حقیقت اور اسی کا منظر دکھانے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ہم عصر موصوف کے مؤرخانہ، محدثانہ اور مجتہدانہ تینوں طرز کی تحریر پر کامل ریمارک ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ سیرۃ النعمان کے مطالعہ کا لطف کچھ حسن البیان ہی کے دیکھنے سے آتا ہے۔ مشہور مناظر علامہ رحیم آبادی کی تالیف ہے۔
خوشی کی بات ہے کہ ہم عصر نعمانی صاحب نے تیسری بار طبع کرنے میں سیرۃ النعمان کی موٹی موٹی غلطیاں (جیسے غلط آیت نقل کر کے استدلال کرنا صحیح بخاری کی حدیث کا مطلب نہ سمجھنا اور پھر امام بخاری کے استدلال پر اعتراض کرنا وغیرہ) درست کر لیں اور حسن البیان کی تالیف کا اچھا ثمرہ مرتب ہوا۔ ہم حسن البیان کے ناظرین کو مطلع کرتے ہیں کہ حسن البیان کے مطالعہ کے وقت سیرۃ النعمان طبع اول و دوم کا بھی لحاظ رکھیں اور طبع سوم وغیرہ کو دیکھ کر حسن البیان پر غلط اعتراض کا الزام نہ قائم کریں۔

باب : ۶

تنقید

صحیح بخاری کو ایک نظر اور دیکھو

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝ [1]

پھر تم بار بار نظر اٹھا کر دیکھو۔ تمہاری آنکھیں خیرہ رہ جائیں گی اور کوئی نقص نہ نکال سکو گے۔

آزادی اور حق گوئی اسلام کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہیں اور حق یہ ہے کہ اسلام اس پر جس قدر فخر کرے، حق ہے۔ اسی آزادی اور حق گوئی پر تنقید کی بنا ہے۔

صحیح بخاری کو اہل اسلام نے أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ کا خطاب بہت کچھ جانچ پڑتال کرنے کے بعد دیا ہے۔ علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین اور ان کے معاصرین اس کے اولین ناقدین میں سے ہیں۔ صحیح بخاری کی تصنیف کے بعد جماعت محدثین صدیوں تک اس کی تنقید کرتی رہی اور ایک ایک حدیث ان کی جانچی گئی۔ [2]

امام دارقطنی بڑے پایہ کے ناقد حدیث تسلیم کیے گئے ہیں۔ انھوں نے صحیح بخاری کو بلاتقلید احدے حرفاً حرفاً جانچا ہے اور بلا تردّد دل کھول کر لیکن دیانت سے جو جو شکوک ان کے ذہن میں آئے، سب کو رسالہ کی صورت میں جمع کیا۔ [3] خواہ وہ شکوک متن سے تعلق رکھتے ہوں یا سلسلہ اسناد سے یا راویوں سے۔ [4]

---

[1] سورۃ الملک: ۴۔

[2] تھذیب الاسماء و اللغات ۱/۱/۷۳ ، مقدمۃ فتح الباری ۴۸۹ ، طبقات للسبکی ۲/۲۱۵، اور مقدمۃ فتح الباری ص ۷ اور ۴۸۹ میں ہے کہ: ابوجعفر عقیلی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے جب اپنی کتاب صحیح بخاری تصنیف کی تو علی بن مدینی، احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین وغیرہ کبار محدثین کی خدمت میں پیش کی تو انھوں نے اسے بہت اچھا سمجھا اور اس کی تحسین فرمائی اور چار حدیثوں کے علاوہ باقی تمام احادیث کے صحیح ہونے کی شہادت دی۔ حافظ عقیلی کا کہنا ہے کہ ان چار احادیث میں بھی امام بخاری کا قول زیادہ معتبر ہے، وہ بھی صحیح ہی ہیں۔ اور اسی طرح تغلیق التعلیق میں بھی ہے۔ جلد ۵ ص ۴۲۳ اور تھذیب التھذیب جلد ۹ ص ۵۴ میں مسلمہ بن قاسم کی کتاب الصلۃ سے نقل کیا ہے۔

[3] امام دارقطنی نے اپنے اس رسالے کا نام ''التتبع'' رکھا ہے اور اس میں انھوں نے بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی وہ احادیث ذکر کی ہے جن کو انھوں نے معلول سمجھا تھا۔

[4] یہ رسالہ امام دارقطنی کے ایک دوسرے رسالے ''الالتزامات'' کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔ دونوں کی ایک ہی جلد ہے اور شیخ مقبل بن ←

حافظ ابن حجر نے ان تمام شکوک کو ھدی الساری میں نقل کیا ہے اور ان تمام کا حل کیا ہے اور بہت ہی انصاف سے کام لیا ہے۔ رواۃ پر جو شکوک تھے، ان کے جواب کے لیے علیحدہ فصل قائم کی ہے اور جو سلسلہ اسانید یا متن حدیث پر تھے، ان کے جواب کے لیے الگ۔ اس طرح امام دارقطنی کے جس قدر شکوک تھے، سب صاف ہو گئے کیونکہ ان کے شکوک کی بنا کچھ تو عدم واقفیت پر تھی، کچھ تشدد پر۔ کچھ ان اصول کی عدم پابندی پر جو محدثین نے قائم کیے ہیں۔ ❶ ہم ان شکوک اور ان کے جوابات کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔ شکوک اور ان کے حل و جواب مل کر ایک بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی۔ حافظ ابن حجر کے علاوہ علامہ عینی نے ان شکوک پر خاص توجہ کی ہے اور اس کے لیے انھوں نے کوئی مستقل کتاب یا مستقل فصل اور باب تو نہیں قائم کیے لیکن جب صحیح بخاری میں وہ مقام آ گیا ہے جو دارقطنی کے شکوک سے تعلق رکھتا ہے تو اس کو اعلیٰ عنوان سے رفع کیا ہے۔ اسی طرح علامہ قسطلانی اور دیگر شارحین صحیح بخاری نے بھی۔

فی الحال آج کل عظیم آباد کے بعض کوتاہ اندیشوں نے چند جاہلانہ اعتراض اردو زبان میں شائع کیے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعوں نے بھی تنقید بخاری کے نام سے ایسی ہی جاہلانہ اور مدت کی پائمال باتیں لکھی ہیں جن کی طرف اہل علم کا توجہ کرنا مناسب نہیں۔ نہ ان پر تنقید کا اطلاق کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں شیعہ نے اس میں اس کمال کا اضافہ کیا ہے جو شیعہ مذہب کا جزو اعظم ہے (دریدہ دہنی اور زبان درازی وسقط گوئی)۔

ہم نے پہلے لکھا ہے کہ آزادی اور حق گوئی دونوں تنقید کے دو جزو ہیں اور انہیں دونوں پر تنقید کی بنا ہے۔ اگر ان میں کا ایک جزو بھی مفقود ہے تو اس پر تنقید کا اطلاق صحیح نہیں ہوگا۔ جو آزاد نہیں ہیں، وہ پوری طرح حق نہیں بول سکتے اور جو آزاد ہو کر حق نہیں کہتے، وہ کسی طرح قابل اعتبار نہیں۔ ایسا شخص تعصب سے جھوٹ بولے گا اور لوگوں کو دھوکا اور فریب دینے کی کوشش کرے گا۔ آزادی اور حق گوئی یہ دونوں تنقید کے دو عنصر ہوئے۔ ان کے لیے جو شئے روح رواں ہے، وہ واقفیت ہے۔ ان دونوں عنصروں (آزادی اور حق گوئی) کے ساتھ واقفیت کا ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسا بدن کے لیے روح۔ اگرچہ اس وقت آزادی کا بہت زور ہے لیکن حق گوئی اور واقفیت دونوں عنقا صفت ہیں۔ ❷

تم ایک نگاہ اٹھا کر آریوں کے ان اعتراضات کو دیکھو ❸ جو کلام اللہ یا اسلام پر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑی بڑی

← ھادی وادعی کی تحقیق سے دار الخلفاء للکتّاب الاسلامی کویت کی طرف سے دوسری بار چھپ کر عام ہو چکا ہے۔ تاریخ طبع مذکور نہیں۔

❶ دیکھیے: مقدمۃ فتح الباری ص ۳۴۶، باب نمبر آٹھ ان احادیث کا تذکرہ جن پر حافظ امام دارقطنی وغیرہ نے نقد کیا ہے، ایک ایک حدیث ذکر کر کے ساتھ ساتھ جواب بھی دیا ہے اور ترتیب صحیح بخاری کی ہی رکھی ہے۔ نیز ص ۳۸۴ فصل نویں دیکھیے: اس میں بخاری کے ان راویوں کا تذکرہ ہے جن پر طعن کیا گیا ہے، حروف تہجی پر ترتیب دی گئی ہے اور ساتھ ساتھ طعن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

❷ عنقا ایک خیالی پرندہ ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: لسان العرب ۲۷۶/۱۰ اور تاج العروس جلد ۱۳ ص ۳۶۰۔

❸ یہ ایک آریہ سماج تنظیم ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ ہندوئیت کی اصلاح کر کے ان کو از سر نو زندہ کرے گی، اس کے فساد کو ختم کرے گی اور اپنے خاص نظریے کے تحت فیدا مذہب کی کتابوں کی تشریح کرتی ہے۔ بتوں اور مورتیوں کی عبادت کے خلاف ہے اور ان کی بعض ←

ڈگری انگریزی تعلیم کی حاصل کیے ہوتے ہیں۔ کوئی ان میں بی اے ہے، کوئی ایف اے۔ کوئی بی اے ایل ایل بی لیکن ان کی اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو سن کر ایک لڑکا بھی ہنس پڑتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان میں آزادی تو ہے لیکن تعصب اور غلط گوئی نے ان کو اندھا بہرہ بنا دیا ہے اور تنقید کا ایک جزو (حق گوئی) فوت ہے یا واقفیت جو تنقید کی روح رواں ہے، اس سے وہ خالی ہیں۔ کبھی ناواقفیت سے ایسی باتیں بولتے ہیں جن کو سن کر انسان ان کی صورت دیکھتا رہ جائے۔ آریوں نے اپنے مذہب کا اصل اصول اعتراضات اور زبان درازی اور دریدہ ذہنی کو قرار دیا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ حق باتوں پر بھی جس طرح ہو سکے، اعتراضات کیے جائیں اس بات کا خیال کیے بغیر کہ وہ مدمقابل پر چسپاں بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ اِن اعتراضات کے ساتھ جب ان کے اعتقادات اور ذریعہ نجات کو ملاؤ تو اور بھی تعجب انگیز اور مضحکہ خیز بات معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح شیعوں کے ان اعتراضات پر نظر ڈالو جو تنقید صحیح بخاری کے نام سے شائع کیے جاتے ہیں تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ آزادی میں تو شتر بے مہار ہیں لیکن تنقید کا دوسرا جزو (حق گوئی) ان سے فطرتاً مسلوب ہے، اور مذہبی اعتقاد تقیہ نے ان کو کذب کا شیدا بنا دیا ہے۔ اس اخلاقی کمزوری کے ساتھ ناواقفیت نے اور بھی ان کو گرا دیا ہے اور شیعوں نے بھی آریوں کی طرح اپنے مذہب کا اصل اصول اعتراضات اور دریدہ ذہنی کو قرار دے دیا ہے۔

چونکہ ابھی ہم کو امام المحدثین کی سیرت اور علمی کارناموں کے متعلق بہت سی ضروری باتیں لکھنی ہیں، اس لیے ان عامیانہ باتوں کی طرف (جن کا نام جہل مرکب سے تنقید رکھا گیا ہے) توجہ کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ اس کے لیے حصہ ثالثہ کا انتظار کرنا چاہیے۔[1]

غیر ضروری سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کوتاہ بینوں کے اعتراضات کچھ تو شارحین بخاری پر ہیں جن کو صحیح بخاری سے کچھ تعلق نہیں۔ کچھ وہی پامال اعتراضات ہیں جن کے جواب بڑے تشفی بخش دیئے جا چکے ہیں لیکن عوام کے قلوب کو تشویش میں ڈالنے کے لیے دہرا دہرا کر انہیں پامال باتوں کو ویسی زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ کچھ حصہ اصحاب رسول اللہ ﷺ اور جان نثاران اسلام پر سب دشتم وسقط گوئی کا ہے اور زیادہ حصہ اسی کا ہے۔ اس کو بھی صحیح بخاری سے کوئی

← جماعتیں گوشت کھانا جائز قرار دیتی ہیں۔ یہ تنظیم اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں بنی تھی اور اپنے بننے کے دو سال بعد اس نے اپنے وضع کردہ اصولوں میں نظر ثانی کی، پھر لوگوں کے سامنے اعلان عام کر دیا۔ اس کے دس اصول ہیں جن پر ایمان لانا پھر ان کی پابندی کرنا اس کے ہر رکن پر لازمی ہے۔ ان اصولوں سے ہی ان کے عقائد کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس تنظیم کے انگریزی اردو اور سنسکرت مصادر و مراجع معروف ومشہور ہی ہیں۔ عام لوگ ان سے باخبر ہیں اور یہ تنظیم عیسائیت اور اسلام کا سخت مقابلہ کرتی ہے۔ (مراجع)

[1] گویا مصنف نے اس کتاب کی تیسری جلد کے اجراء اور تیاری کی نیت کی ہوئی تھی لیکن وقت نے ساتھ نہیں دیا۔

تعلق نہیں۔ کچھ وہ سوالات ہیں جن کو شارحین بخاری نے بطور دفع دخل لکھے تھے۔ ان کے علاوہ جو باتیں ہیں، وہ بالکل اصول حدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ ان شاء اللہ حصہ ثالثہ میں جب ہم ان کو نقل کریں گے تو خود ان کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　افرس تحت رجلك ام حمار

باب : ۷

عقائد و کلام

امام بخاری کو جہاں مجتہد، فقیہ اور محدث ہونے کی حیثیت سے باکمال مانا جاتا ہے، وہیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ بڑے پایہ کے متکلم بھی تھے لیکن قبل اس کے کہ ہم امام بخاری کا متکلم ہونا بیان کریں، یہ بتا دینا ضرور ہے کہ علم کلام کیا چیز ہے؟ کب ایجاد ہوا؟ کس طرح ترقی کی،؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ کیونکہ متقدمین کی ایک جماعت علم کلام کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ بعض متقدمین نے اس کی ہجو میں قصیدے لکھے ہیں۔ بعض نے متکلمین کو فاسق ہی نہیں کہا بلکہ ان کی تکفیر کے بھی قائل ہوئے ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ مسلمانوں میں علم کلام، فلسفہ کے بعد پیدا ہوا اور اس نے آغوش فلسفہ میں تربیت پائی لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ علم کلام کے مسائل فلسفہ سے بیسیوں برس پہلے وجود میں آ چکے تھے اور ان میں فلسفہ کی مطلق آمیزش نہ تھی۔ عربی میں فلسفہ خلیفہ منصور کے عہد میں آیا مگر اس کا عام رواج مامون کے زمانہ میں ہوا۔ منصور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا اور مامون رشید ۱۹۳ھ میں۔ [1] اس لیے خاص فلسفہ کی کتابیں کم از کم ۱۳۶ھ تک عربی میں ناپید تھیں۔ حالانکہ غیلان دمشقی، [2] معبد جہنی، [3] یونس اسواری، [4] واصل بن ....

---

[1] درست یہ ہے کہ مامون کے تخت نشین ہونے کی تاریخ ۱۹۸ھ ہے۔ دیکھیے: تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۹۵۔ اور تاریخ الاسلام للشیخ حسن ابراھیم حسن ۲/۵۸۔ مگر مامون کی ولی عہدی کی بیعت ۱۹۳ھ میں ہوئی۔
مامون اپنے آپ کو امام المومنین کہلاتا تھا: تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۷۷۔ شاید مصنف ۱۹۳ھ سے یہی مراد لیتے ہوں۔

[2] وہ ابو مروان غیلان بن ابی غیلان مسلم دمشقی کاتب اور بلغاء میں سے ہیں۔ قدریہ کا فرقہ غیلانیہ اس کی طرف منسوب ہے اور یہ مسئلہ تقدیر میں کلام کرنے میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ امام اوزاعی کے فتویٰ کی بنا پر ہشام کے دور خلافت میں ۱۰۵ھ کے بعد دمشق میں باب کیسان کے پاس سولی دیئے گئے۔ دیکھیے: لسان المیزان ۱۰/۲۲۵، میزان الاعتدال ۳/۱۸۳، الاعلام ۸/۱۷۷ (مراجع)

[3] وہ معبد بن عبداللہ بن عویم جہنی بصری ہیں۔ بصرہ میں سب سے پہلے مسئلہ تقدیر میں کلام کیا اور بصرہ سے مدینہ میں آئے، وہاں جا کر اپنا مذہب پھیلا دیا۔ غیلان دمشقی نے انہی سے مسئلہ تقدیر لے کر پھیلایا۔ انہیں حجاج نے قید کر کے قتل کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے اسے مسئلہ تقدیر کی وجہ سے دمشق میں ۸۰ھ میں سولی چڑھایا تھا۔ دیکھیے: تھذیب التھذیب ۱۰/۲۲۵، میزان الاعتدال ۳/۱۸۳، الاعلام ۸/۱۷۷. (مراجع)

[4] وہ یونس اسواری ہیں۔ انھوں نے علی الاطلاق سب سے پہلے مسئلہ تقدیر میں کلام کیا تھا اور بصرہ میں رہتے تھے۔ معبد جہنی نے انہی سے ←

عطاء بصری، [1] عمرو بن عبید [2] وغیرہ پیدا ہو چکے تھے جو معتزلہ کے سرخیل اور علم کلام کے بانی ہیں۔
لیکن تفحص واقعات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دراصل علم کلام کے دو حصے ہیں۔ علم کلام عقلی اور علم کلام نقلی۔ نقلی علم کلام گو فلسفہ سے پہلے پیدا ہوا لیکن عقلی علم کلام کی بنیاد فلسفہ کے بعد پڑی۔
عقلی علم کلام سے مراد وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل سے فلسفہ کے مقابل میں اسلامی عقائد ثابت کیے جائیں۔ اس علم کا موجد علاف معتزلی ہے [3] اور اس کی تدوین ہارون کے وقت سے شروع ہوئی۔
نقلی علم کلام کو محدثین کا علم کلام کہنا چاہیے۔ [4] امام ابو حنیفہؒ کی طرف جو فقہ اکبر منسوب ہے وہ اور امام بخاری کی

← مسئلہ تقدیر اخذ کر کے پھیلایا تھا۔ کعبی نے طبقات معتزلہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کا لقب سستویہ تھا۔ لسان المیزان ۳۵/۲۔ (مراجع)

[1] وہ ابو حذیفہ واصل بن عطاء غزال بنو ضبہ یا بنو مخزوم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ معتزلہ کے سربراہ تھے۔ بلغاء اور متکلمین کے آئمہ میں سے تھے۔ ان کے اصحاب کا نام معتزلہ اس لیے پڑا کہ یہ حسن بصری کے حلقہ درس سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ معتزلہ کی ایک جماعت اسی کی طرف منسوب ہے جنہیں واصلیہ کہا جاتا ہے۔ یہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ وفیات الاعیان ۷/۶۔۱۱، لسان المیزان ۲۱۴/۶، الاعلام ۱۲۱/۹۔۱۲۲۔ (مراجع)

[2] وہ عمرو بن عبید بن باب از روئے ولاء کے تیمی ہیں کنیت ابو عثمان اور بصری ہیں۔ اپنے زمانہ میں معتزلہ کے شیخ اور مفتی تھے۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۴ھ میں وفات پائی۔ اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔ وفیات الاعیان ۴۶۰/۳۔۴۶۲، میزان الاعتدال ۲۹۴/۲، الاعلام ۲۵۲/۵۔ (مراجع)

[3] وہ ابو الھذیل محمد بن ھذیل بن عبداللہ بن مکحول عبدی مولیٰ عبدالقیس العلاف ہیں معتزلہ کے اماموں میں سے ہیں۔ بصرہ میں ۱۳۴ھ یا ۱۳۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد ۳۶۶/۳، وفیات الاعیان ۲۶۵/۴۔۲۶۷، لسان المیزان ۴۱۳/۵، الاعلام ۳۵۵/۷۔ (مراجع)

[4] نقلی علم کلام سے مصنفؒ کا مقصود اہل اھواء اور اہل بدعت اور ان کے شبہات کا منقول دلائل یعنی (کتاب وسنت اور صحابہ وتابعین سلف صالحین کی نصوص) سے رد کرنا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے امام بخاری کی تصنیفات کے تذکرہ میں ان کی کتاب خلق افعال العباد کے ذکر میں اس کی خود صراحت کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''صحابہ اور تابعین آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے ساتھ باطل گمراہ فرقوں کا رد کیا کرتے تھے اور اس کتاب (خلق افعال العباد) میں امام بخاری نے انہی کا طریقہ اختیار کیا ہے اور یہی قدیم علم کلام ہے''۔ دیکھیے: اسی کتاب میں مصنف نے اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا۔
لیکن محدثین کرام اس کا نام علم کلام نہیں رکھتے، ہاں البتہ انھوں نے اس کا نام (الرد) رکھا ہے جیسا کہ ان کی کتب کے ناموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے، مثلاً امام احمد کی کتاب الرد علی الزنادقة والجهمية اور عثمان بن سعید دارمی کی کتاب الرد علی الجهمية اور حافظ ابن مندہ کی کتاب الرد علی الجهمية وغیرہ جیسا کہ انھوں نے اپنی کتب کے نام السنة یا الشريعة یا التوحيد وغیرہ رکھے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ بعض محدثین نے صرف رد اور جدال پر لفظ کلام کا اطلاق کر دیا ہے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر میں ہر مخالف کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھنا چاہوں تو لکھ سکتا ہوں لیکن علم کلام میرے شایان شان نہیں اور میں یہ پسند بھی نہیں کرتا کہ علم کلام سے میری طرف کوئی بات منسوب کی جائے۔ سیر اعلام النبلاء ۳۱/۱۰۔

کتاب "خلق افعال العباد" و "الرد علی الجهمية" [1] یا جامع صحیح کی "کتاب التوحید" [2]، امام احمد بن حنبل کی "خلق الافعال" [3]، ابن خزیمہ کی "کتاب التوحید"، امام بیہقی کی "کتاب الاسماء و الصفات"، حافظ ابن تیمیہ کی "کتاب الایمان" اسی سلسلہ کی کتابیں ہیں۔ [4] اس قسم کے علم کلام کی بنیاد خود صحابہؓ کے اخیر عہد میں پڑ چکی تھی کیونکہ اختلاف عقائد خود صحابہؓ کے عہد میں شروع ہو چکا تھا۔ صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے: "یحییٰ بن یَعْمَر کہتے ہیں کہ تقدیر کا سب سے پہلے بصرہ میں معبد نے انکار کیا۔ میں (یحییٰ بن یعمر) اور حمید بن عبدالرحمٰن حج یا عمرے کے ارادہ سے بصرہ سے چلے۔ تو ہم لوگوں نے آپس میں کہا کہ اگر کسی صحابی سے ملتے تو ضرور معبد وغیرہ جو کچھ کہتے ہیں، اس کے بارہ میں ان سے پوچھتے۔ اتفاق سے حضرت عبداللہؓ بن عمر مل گئے جو مسجد جا رہے تھے۔ ہم دونوں حضرت ابن عمرؓ کے دائیں اور بائیں ہو گئے۔ میں نے کہا، اے ابو عبدالرحمٰن! ہمارے ہاں (بصرہ میں) کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم کی تحقیق کرتے ہیں اور ان کے حالات بیان کیے۔ وہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں بلکہ ہر چیز بغیر تقدیر سابق کے ہوتی ہے۔ [5]

اس حدیث سے صرف یہی نہیں ثابت ہوتا کہ اس قسم کے مباحث صحابہ کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف عقائد کی پہلی صدا بصرہ ہی سے اٹھی۔ گو بعض حدیثوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خود جناب

---

[1] بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الرد علی الجهمية، کتاب خلق افعال العباد کا حصہ ہی ہے کوئی علیحدہ مستقل کتاب نہیں ہے جیسا کہ امام بخاری کی تصنیفات کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔

[2] صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "کتاب التوحید، الرد علی الجهمية وغيرهم" ہے۔ فتح الباری ۱۳/۳۴۴۔

[3] ہمارے علم میں امام احمد کی اس نام کی کوئی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی بروکلمان اور ڈاکٹر سزگین نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ہاں البتہ امام احمد کی کتاب السنة اور کتاب الرد علی الزنادقة والجهمية عام مطبوع ہیں۔

[4] اسی طرح محدث ابن ابی شیبہ متوفی ۲۴۱ھ کی "کتاب الایمان" محدث عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی متوفی ۲۴۰ھ کی "کتاب الحیدة" امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کی کتاب "السنة اور کتاب "الرد علی الجهمية والزنادقة" محدث عثمان بن سعید دارمی متوفی ۲۸۰ھ کی کتاب "الرد علی الجهمية "اور "الردّ علی بشر المريسی"، محدث ابن ابی عاصم نبیل متوفی ۲۸۷ھ کی کتاب السنة، امام احمد کے بیٹے عبداللہ بن احمد بن حنبل متوفی ۲۹۰ھ کی کتاب السنة ، ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ کی کتاب "الابانة" آجری متوفی ۳۶۰ھ کی الشريعة، ابن بطہ متوفی ۳۹۵ھ کی "الابانة" لالکائی متوفی ۴۱۸ھ کی "شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة" ابوالقاسم اصبہانی متوفی ۵۳۵ھ کی کتاب الحجة فی بيان المحجة اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرانی اور ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد میں کتب، امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ کی العلو للعلی الغفار اور حافظ ابن القیم متوفی ۷۵۱ھ کی اجتماع الجیوش الاسلامية وغیرہ اور یہ سب کتب مطبوع اور عام دستیاب ہیں۔ والحمدللہ۔

[5] صحيح مسلم ۱/۳۶، ۳۷ كتاب الايمان ، باب بيان الايمان والاسلام ......الخ حدیث نمبر ۱ اور جامع ترمذی ۵/۳۴۰ اور جلد ۷ ص ۳۴۲

اور يتقفّرون العلم کا معنی ہے علم تلاش کرتے اور اس کی جستجو کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم کو جمع کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی بعض صحابہ کو مسئلہ قدر میں شبہ پڑا ہوا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی تسلی فرما دی تھی۔ بخاری و مسلم دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں ہر شخص کا دوزخی اور جنتی ہونا قسمت میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! تو پھر ہم اپنی قسمت پر بھروسا کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا، عمل کیے جاؤ کیونکہ ہر شخص فطرتاً اسی چیز کو آسانی سے کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ نیکوں پر نیکی کا راستہ سہل کر دیا جاتا ہے اور بروں کے لیے برائی کا راستہ۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى﴾ [1]

چند اور آثار ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کے عہد میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جن کے عقائد نئے رنگ اختیار کر چکے تھے۔ مسئلہ امامت اور خلافت کے اختلاف سے شیعہ اور خوارج اور ان کی بہت سی شاخیں نکل پڑیں۔

تابعین کے زمانہ میں یہ چند چنگاریاں اور زیادہ مشتعل ہو گئیں۔ بصرہ میں معبد جہنی ایک شخص پیدا ہوا جو تقدیر کا بالکل منکر تھا۔ [2] غیلان دمشقی اور یونس اسواری بھی اسی خیال کے لوگ تھے۔

قرائن بتاتے ہیں کہ تابعین کے زمانہ تک اختلاف عقائد کا اتنا سرمایہ موجود ہو چکا تھا کہ عام مساجد میں اس کی تعلیم دی جاتی تھی کیونکہ حضرت حسن بصری محدثین کے علم کلام کا درس دیتے تھے۔ واصل بن عطا، حسن بصری ہی کا شاگرد تھا جو تفسیق اہل کبائر کے مسئلہ میں حسن بصری سے الگ ہو گیا۔ [3] یہ معتزلہ کی تاریخ کا پہلا دن تھا۔ خوارج گنہگار مسلمانوں کو کافر اور جہنمی کہتے تھے۔ اہل سنت والجماعت کہتے تھے کہ اہل کبائر مسلمان ہیں مگر فاسق ہیں۔ واصل نے کہا کہ اہل کبائر نہ مسلمان ہیں نہ کافر ہیں، خوارج کے مقابلہ میں گروہ مرجیہ پیدا ہو گیا جس کا خیال تھا کہ اگر مسلمان کے دل میں ایمان ہو تو بدتر سے بدتر گناہ بھی اس کے دامن ایمان میں کوئی داغ پیدا نہیں کر سکتا۔ ''**ایمانی کایمان جبرئیل و میکائیل**'' میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کے برابر ہے۔

ایک گروہ قدریہ پیدا ہوا جس نے کہا، انسان بالکل خود مختار ہے۔ ان کے مقابلہ میں دوسرا گروہ جبریہ اٹھا کہ انسان مجبور محض ہے۔ بنو امیہ کے اخیر زمانہ میں خراسان سے جہم بن صفوان نکلا جو معتزلہ کی طرح خدا کی صفات ازلی کا منکر

---

[1] صحیح البخاری ۱۱/۴۹۴، صحیح مسلم ۴/۲۰۴۰۔

[2] معبد جہنی کا تعارف ابھی گزرا ہے۔

[3] واصل بن عطاء کو امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اپنی مجلس سے نکال دیا تھا اس لیے کہ اس نے کہا تھا کہ صاحب کبیرہ فاسق ہے نہ مومن ہے نہ کافر۔ اس نظریے کی حمایت کی خاطر عمرو بن عبید بھی اس کے ساتھ مل گئے اور وہ دونوں حسن بصری کے حلقہ درس سے جدا ہو گئے اسی لیے ان کا نام ہی معتزلہ پڑ گیا۔ سیر اعلام النبلاء ۵/۴۶۴۔

تھا،[1] جبر وقدر کے مسئلہ میں جبریہ کا ہم زبان تھا۔ ان لغویات کے ساتھ خدا کی صفات کا بھی منکر تھا جو ناقص طریقہ سے انسان میں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً حیات، علم، سمع (بصر) وہ اس کا بھی قائل تھا کہ خدا کے علم میں تبدل وتغیر بھی ہو سکتا ہے۔[2] دوزخ اور جنت جزا اور سزا کے بعد فنا ہو جائے گی۔

جہمیہ اور معتزلہ اس بات کے قائل تھے کہ کلام خدا حادث اور مخلوق ہے۔ بعض اصحاب ظواہر کو اس پر اصرار تھا کہ نہ صرف کلام خدا قدیم اور غیر مخلوق ہے بلکہ الفاظ قرأۃ تک قدیم ہیں۔[3] جہمیہ اور معتزلہ نے خدا کے تصور کو اتنا بلند اور منزہ عن الصفات کیا کہ جس کا سمجھنا مشکل تھا۔ ان کے مقابلہ میں مقاتل بن سلمان مفسر التوفی ۱۵۰ھ نے خدا کا درجہ انسان سے کچھ ہی زیادہ بلند رکھا۔[4]

مامون کے زمانہ میں خلق قرآن کے مسئلہ پر وہ قیامت برپا ہوئی کہ سیکڑوں علمائے اہل سنت والجماعت کو سخت سزائیں دی گئیں۔ مامون کے بعد معتصم خلیفہ ہوا۔ مامون کی تیغ ستم کو نیام میں کرنا تو ایک طرف، معتصم نے تعصب کے فرشتوں کو حکم دیا کہ علمائے اہل سنت پر عذاب دوگنا کر دیا جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کو اس سے جو تکلیف پہنچی، قابل بیان نہیں۔ اسی زمانہ میں ایک شخص تھا جس کا خیال تھا کہ خدا کو کسی شے کا اس کے وجود سے پہلے علم نہیں ہوتا۔

غرض کہ ملک کے ہر گوشہ سے عقائد کی ایک نئی صدا آتی تھی۔ ایوان اسلام میں ایک قسم کی جنبش ہونے کو تھی کہ خدا نے ایک حجرہ نشین کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

''علمائے تابعین محدثین نے اس پرآشوب زمانہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ صحیح اصول پر علم حدیث کی تدوین کی اور تصنیف وتالیف کی''۔[5] گو اس زمانہ تک مسلمانوں میں منطق، فلسفہ کا رواج نہ تھا اور ہوتا بھی تو محدثین ان کو کب ہاتھ لگاتے۔ لیکن پھر بھی اقناعی اصول کے موافق وہ باطل پرست فرقوں سے مناظرہ کرتے تھے۔ ان کے غلط

---

[1] وہ ابو محرز جہم بن صفوان سمرقندی ہے بنوراسب کے موالی میں سے ہے۔ جہمیہ فرقہ کا سربراہ تھا۔ صغار تابعین کے زمانہ میں تھا۔ بہت بڑے شر اور برائی کا بیج بو کر گیا۔ ۱۲۸ھ میں قتل کیا گیا۔ میزان الاعتدال ۱/۱۹۷، لسان المیزان ۲/۱۴۲، الاعلام ۲/۱۳۸،۱۳۹ (نظر ثانی کنندہ)

[2] اسی کو شیعہ حضرات ''بدا'' کہتے ہیں۔ دیکھیے شیعوں کی مشہور کتاب اصول کافی۔ پوری تفصیل مناظرہ حصہ اول مصنفہ مولوی عبدالشکور صاحب میں دیکھیں۔ [مؤلف]

[3] یہی وہ مسئلہ ہے جس کی بدولت امام بخاری پر اتہام لگا کر حاکم بخارا نے امام بخاری کو شہر چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ [مؤلف]

[4] وہ ابو الحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر بلخی اور باعتبار ولاء ازدی ہیں۔ اصلاً بلخ سے تھا پھر بصرہ کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور متہم اور متروک الحدیث تھا اور اس کی بات بھی ناقابل قبول تھی اور صفات باری تعالیٰ میں اس طرح کی باتیں کرتا تھا جن کی وجہ سے اس سے روایت کرنا ہی حرام ہو گیا۔ ۱۵۰ھ میں بصرہ میں وفات ہوئی۔ تاریخ بغداد ۱۳/۱۶۰، وفیات الاعیان ۵/۲۵۵،۲۵۷، میزان الاعتدال ۳/۱۹۶، تہذیب التہذیب ۱۰/۲۷۹، الاعلام ۸/۲۰۶۔ (مراجع)

[5] تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۶۰۔

دعوؤں کی تردید کرتے تھے۔ انہیں کی کوشش کی یہ برکت دیکھی جاتی ہے کہ آج ان میں سے اکثر فرقوں کا صفحہ عالم سے نام تک مٹ گیا ہے۔ یہ فتح حکومت کے زور سے نصیب نہیں ہوئی بلکہ صرف صداقت اور محض خلوص سے۔

لیکن ایک نکتہ سنج اگر اس کی تلاش کرے کہ اسلام کے چند سادہ اور بے تکلف اصولوں میں اتنے اختلافات کیوں کر پیدا ہو گئے تو اس کو صاف نظر آئے گا کہ اسلام نے جن عقائد کو مجمل چھوڑا تھا، قرآن مجید جن عقائد سے خاموش تھا، ان کی تصریح اور تفصیل نے یہ فتنہ برپا کیا۔ مختلف الخیال فرقوں کی تعداد جو سیکڑوں کی حد تک پہنچ گئی اور جن کا اثر ذہنی عالم ہی تک محدود نہ رہا بلکہ اس اختلاف خیال نے خارجی عالم میں بھی بہت سارے بُرے اثرات چھوڑے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر شخص اسلام کے سادہ اور مجمل عقائد کی تفصیل کرتا تھا۔ ذات وصفات باری کے مشکل مرحلوں میں تمام فرقے ایک نئے انداز سے قدم رکھتے تھے۔ اور بدقسمتی سے اسی زمانہ میں یونانی علوم کے پارینہ دفاتر کی عربی میں تجدید کی جارہی تھی جس نے طبیعتوں میں دِقت آفرینی کی امنگ پیدا کردی تھی جس کا حکم تھا کہ نفیاً یا اثباتاً ہر مسئلہ کا جواب دینا ضروری ہے۔

محدثین کی رائے تھی کہ قرآن مجید نے جن چیزوں کو مجمل چھوڑا ہے، ہمارا اعتقاد بھی ان کے متعلق مجمل ہونا چاہیے۔ اسلام نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح اللہ تعالیٰ کی رؤیت ہوگی جس طرح وہ چاند کو دیکھتے ہیں مگر کن آنکھوں سے ہوگی، اس کی تصریح نہیں کی۔ اسلام نے یہ تعلیم نہیں کی کہ قرآن مجید مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ ان کے سوا اور بیسیوں عقائد ہیں جن کے متعلق اسلام نفیاً یا اثباتاً ایک حرف بھی نہیں کہتا۔

اس دعوے پر امام مالک کا یہ قول نہایت استحکام کے ساتھ روشنی ڈال رہا ہے۔ مصعب بن عبداللہ بن زبیر [1] کہتے ہیں کہ مالک بن انس فرمایا کرتے تھے کہ میں عقائد میں گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا اور ہمیشہ اہل مدینہ اس کو ناپسند کرتے تھے اور قدر وغیرہ کے مسئلہ میں بحث کرنے سے ہمیشہ روکتے تھے۔ میں انہیں مسائل میں بحث وگفتگو کرنا پسند کرتا ہوں جن کا تعلق کچھ اعمال سے ہو لیکن ذات وصفات خدا کے مسئلہ میں خاموشی بہتر سمجھتا ہوں۔ ہمارے شہر (مدینہ) کے فقہاء ہمیشہ ان مباحث سے منع کرتے تھے جن کا تعلق براہ راست اخلاق وعمل سے نہ ہو۔ [2]

امام مالک ایک دوسرے موقع پر ان مباحث کے غیر ضروری ہونے پر ایک روشن دلیل سے استدلال کرتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے ذات وصفات باری کے متعلق سوال کیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ بدگمانی کرنا بالکل محال ہے کہ وہ اپنی امت کو استنجا وطہارت تک کے مسائل تو بتائیں اور ذات وصفات کے مباحث کی تعلیم نہ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا، **امرت ان اُقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ۔** میں مامور ہوں کہ وہیں تک قتال کروں جب تک لوگ کلمہ توحید نہ کہیں۔ خون اور مال کی عصمت ہی حقیقت

---

[1] مصعب بن عبداللہ بن زبیر زبیری مدنی بغداد میں آکر رہنے والے صدوق اور انساب کا علم رکھنے والے تھے، ۲۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ سنن نسائی اور ابن ماجہ کے راویوں میں سے ہیں۔ تقریب التھذیب ص ۹۴۶۔

[2] جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۹۵، ۲/۹۳۸، ۱۷۸۶ تحقیق علامہ ابوالاشبال زہیری۔

توحید ہے۔ [1]

امام مالک سے ایک دوسرے موقع پر کسی نے استوٰی علی العرش کا معنی پوچھا۔آپ نے جواب میں فرمایا:

''الا ستواء معلوم والکیف مجھول والسؤال عنه بدعة والایمان به واجب''. [2] استواء کی حقیقت ہرشخص جانتا ہے (ورنہ قرآن کا امیوں کومخاطب فرما کر الرحمٰن علی العرش استویٰ فرمانا بے معنی ہوگا) البتہ کیفیت استواء مجہول ہے اور کیفیت میں بحث کرنا اور اس کا سوال کرنا بدعت اور خلاف طریقہ سلف ہے اور استواء کے مسئلہ پر ایمان لانا واجب ہے۔

امام بخاری جب نیشاپور تشریف لے گئے اور ان سے خلق قرآن کا مسئلہ پوچھا گیا اور جواب دینے پر بالکل مجبور کیے گئے تو امام صاحب نے فرمایا:''القران کلام الله غیر مخلوق و افعال العباد مخلوقة والامتحان بدعة''. [3] یعنی قرآن خدا کا کلام غیر مخلوق ہے لیکن خلق کے افعال یعنی ان کے منہ سے جو الفاظ قرآنی نکلتے ہیں، وہ مخلوق ہیں اور ایسے مسائل کا سوال کرنا بدعت ہے۔غرض کہ آئمہ سلف مسائل کلامیہ میں غور وتحقیق کونہایت مذموم جانتے تھے اوراس کی پوچھ پاچھ کو بدعت کے لفظ سے تعبیر فرماتے۔امام احمد بن حنبل اس باب میں سخت متشدد تھے۔

ان آئمہ کی رائے کی تقویت اور تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی ہے: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ باہر آئے اور ہم لوگ مسئلہ قدر میں گفتگو کر رہے تھے۔غصہ سے آپ کا چہرہ

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۱۰/۲۶۔

[2] مصنف رحمہ اللہ نے اس قول کے لیے جامع ترمذی کا حوالہ دیا ہے لیکن جامع ترمذی میں ان الفاظ کے ساتھ یہ قول نہیں ملا۔البتہ ترمذی (باب ماجاء فی خلود اھل الجنة واھل النار) میں امام ترمذی کا یہ قول مذکور ہے:''آئمہ اھل علم مثل سفیان ثوری، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ اور وکیع وغیرہ کا اس مسئلہ میں مذھب یہ ہے کہ انھوں نے ان اشیاء کو روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان احادیث کو روایت کیا جائے گا اور ہم ان کے ساتھ ایمان رکھیں گے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کی کیفیت کیا ہے اور یہی ہے جو اھل حدیث نے اختیار کیا ہے کہ ان اشیاء کو اسی طرح روایت کیا جائے جس طرح (اسانید کے ساتھ) وارد ہوئی ہیں اور ان پر ایمان رکھا جائے اور (اپنی طرف سے) ان کی تفسیر نہ کی جائے اور نہ ہی ان کا توہم کیا جائے اور نہ ہی یہ کہا جائے کہ ان کی کیفیت کیا ہے اور یہی اھل علم کا مذھب ہے جو انھوں نے پسند کیا اور اپنا مذہب بنایا''۔جامع ترمذی ۷/۲۷۹۔

اوراسی کے قریب قریب انھوں نے اپنی جامع ۸/۴۱۰ باب تفسیر سورة المائدة میں وارد حدیث ''یمین الرحمن ملآی سحاء'' کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ہاں یہ قول امام مالک رحمہ اللہ سے ابن عبدالبر نے تمھید ۷/۱۳۸، ۱۵۱ میں نقل کیا ہے۔

مزید دیکھیے: کتاب العلو للذھبی ۱۷۴، تذکرة الحفاظ ۱/۲۰۹، سیراعلام النبلاء ۸/۱۰۰، ۱۰۶، حلیة الاولیاء ۶/۳۲۶، الرد علی الجھمیة للدارمی ص ۳۳، اصول اعتقاد اھل السنة للالکائی ۳/۳۹۸ اور الاسماء والصفات للبیھقی ۲/۳۰۵۔ (مراجع)

اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند جید قرار دی ہے۔ فتح الباری ۱۳/۴۰۶، ۴۰۷ اور دیکھیے مختصر العلو للعلی الغفار للالبانی ص ۱۴۱۔

[3] مقدمة فتح الباری ۴۹۰ آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

سرخ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپؐ کے منہ پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیے ہیں اور فرمایا کہ کیا تمہیں اس کی تعلیم دی گئی ہے؟ کیا میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے کی قومیں اسی مسئلہ کے مباحثات سے تباہ ہوگئیں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس میں جھگڑا نہ کرو۔ [1]

اوپر کے بیانات سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ علم کلام نقلی کہتے ہیں آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے (جو صحیح اصول پر جمع کی گئی ہیں) عقائد باطلہ کا رد کرنا۔

۲۔ اس علم کلام کی بنیاد زمانہ صحابہ میں پڑ چکی تھی۔

۳۔ محدثین اسی علم کلام نقلی کو جانتے تھے اور اسی سے وہ تمام فرق باطلہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتے تھے۔

۴۔ علم کلام عقلی سے ان کو تنفر رہا اور اس سے وہ نہایت کراہت کرتے اور جہاں تک ان کا بس چلتا، روکتے۔

امام بخاری کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ ہے۔ صحیح حدیثوں کی تدوین تو شروع ہو چکی ہے اور بہت کچھ تدوین بھی ہو چکی ہے لیکن اس کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ کوئی کتاب صحیح حدیثوں کی مکمل تیار نہیں ہے۔ عقائد باطلہ کی چنگاریوں نے مشتعل ہو کر عالم میں ایک آفت مچا رکھی ہے۔ ہر جگہ بحث و مباحثہ کے بازار گرم ہیں۔ منکرین تقدیر، منکرین صفات الٰہی، منکرین عذاب قبر، منکرین رؤیت باری تعالیٰ، منکرین ملائکہ و جن، مجسمہ، مرجیہ، جبریہ، معتزلہ، جہمیہ، خارجیہ، رافضیہ، امامیہ، ان میں بھی زیدیہ، اسماعیلیہ وغیرہ بیسیوں فرقے پیدا ہو چکے ہیں۔ غرض ملک کے ہر گوشہ میں ایک نئی صدا بلند ہے اور ہر فرقہ اپنی جگہ اپنی پوری کوشش اور کامل قوت کے ساتھ اپنے خیالات پھیلانے میں سرگرم ہے۔

ادھر کوفہ سے اہل الرائے کے قیاسی مسائل نہایت زور و شور سے اٹھ کر تمام عراق پر چھا گئے ہیں۔ امام ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے جو قاضی مقرر کیے جاتے ہیں، وہ اسی خیال کے مقرر کیے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ عرصہ تک قائم رہ کر نہایت مستحکم طریقے پر اس کی بنیاد اور جڑ تمام عراق میں مضبوط ہوگئی ہے۔ [2] ایسے نازک وقت میں جب کہ اپنی خیر منانی مشکل ہے، امام بخاری کے قلم و لسان اور درس نے وہ کام کیا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ جس سادگی اور بے باکی سے صحیح بخاری میں ان فرق باطلہ کا رد کیا ہے، وہ امام بخاری صاحب ہی کا حصہ تھا۔ اس پر لطف یہ کہ جن کی غلطیاں اور اوہام بیان کیے ہیں، کہیں ان کے نام نہیں لیے اور یہ وہ عالی ہمتی ہے جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کے **کتاب الایمان** اور **کتاب الاعتصام بالسنۃ**، **کتاب التوحید** کو کسی کامل الفن شیخ سے پڑھو اور ساتھ اس کے کتاب **الملل والنحل** کو سامنے رکھ لو تو اس کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

علاوہ صحیح بخاری کے فرق باطلہ کی تردید کے لیے مستقل تصنیفیں لکھیں۔ کتاب **خلق افعال العباد** و **کتاب الرد**

---

[1] جامع ترمذی ۶/۳۳۴ اور سنن ابن ماجہ ۱/۴۴ میں بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح ترمذی ۲/۲۲۳، حدیث نمبر ۱۷۳۲۔

[2] دیکھیے: تنکیل ۱/۲۶۰۔۲۶۱۔

علی المعطلہ [1] امام صاحب کی مشہور تالیف ہے اور اب طبع ہو کر شائع ہے۔ جہمیہ، معطلہ وغیرہ کا ردّ اس میں نہایت پرزور طریقہ سے کیا ہے۔ علامہ مزی مشہور محدث نے ۷۰۵ھ میں اس کتاب کا درس جامع اموی میں نہایت دھوم دھام سے دیا جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے دُررِ کامنہ میں کیا ہے۔ [2]

ان تمام مباحث کے لیے نہ یہ کتاب گنجائش رکھتی ہے نہ وہ موضوع کتاب ہے۔ ان کا ذکر نفیاً یا اثباتاً اس کتاب میں لانا تطویل لاطائل ہے۔ جامع صحیح اور دیگر تصانیف امام صاحب کی موجود ہیں۔ تاہم دو مسئلوں کا ذکر کرنا مناسب ہوگا اس لیے کہ امام صاحب پر ان دو مسئلوں میں نکتہ چینی کی گئی ہے اور بعض ناگزیر واقعے بھی پیش آئے۔

پہلا مسئلہ

کیا اعمال جزو ایمان ہیں یا نہیں؟ اور اسی کو لازم ہے ایمان کا باعتبار مقدار کے گھٹنا بڑھنا۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو محدثین اور مرجئین کی دو جماعتوں کا تفریق کرنے والا ہے۔ امام صاحب نے (صحیح بخاری) کتاب الایمان کے ابتدا ہی میں فرمایا: " و هو قول و عمل و یزید و ینقص " اور اس دعوے کے اثبات میں تقریباً پچاس سے اوپر دلیلیں پیش کی ہیں۔ [3] اور اکثر جن اعمال پر جناب رسول اللہ ﷺ نے ایمان کا اطلاق کیا تھا، ان کو تراجم ابواب میں مفصلاً علیحدہ علیحدہ ذکر کیا۔ نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کا محدثین کے موافق ہونا آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے۔ ہر دو فریق کو بھی اس کا اقرار ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا﴾ [4]

﴿وَ یَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا﴾ [5]

﴿لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِهِمۡ﴾ [6]

---

[1] یہ دونوں کتابیں دراصل ایک ہی کتاب ہے: کتاب خلق افعال العباد۔
تحقیق عبدالرحمٰن عمیرہ کے جزء ثالث کے شروع ص ۸۵ اور کتاب کے آخر ص ۱۲۰ میں اس کا نام "خلق افعال العباد والرد علی الجهمية واصحاب التعطيل" ذکر ہوا ہے پہلی جگہ میں لفظ "خلق" مذکور نہیں ہے۔ مصنف نے بھی امام بخاری کی کوئی ایسی مستقل کتاب کا ذکر نہیں کیا جس کا نام کتاب الرد علی المعطلة ہو اور نہ ہی میں نے کسی اور مصدر و ماخذ میں کسی ایسی کتاب کا پتہ پایا ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] الدرر الکامنۃ ۴/۴۵۸۔ اس میں بھی لکھا ہے کہ "حافظ مزی رحمہ اللہ نے امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد پڑھنی شروع کی اور اس کتاب میں جھمیہ کے رد کے بارے میں ایک فصل ہے...... الخ" لیکن اس میں جامع اموی کا ذکر نہیں ہے" واللہ اعلم

[3] صحیح بخاری ۱/۴۵۔

[4] الانفال: ۲۔

[5] المدثر: ۳۱۔

[6] الفتح: ۴۔

﴿ اَیُّکُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا ﴾ [1]

"الایمان بضع و سبعون شعبة" الحدیث [2]

"بُنِی الاسلام علی خمس" الحدیث [3]

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾ [4]

﴿ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ﴾ [5]

﴿ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا ﴾ [6]

﴿ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ [7]

عامہ صحابہ وتابعین کا ان کے ہم زبان ہونا کتب احادیث ورجال وتواریخ وشروح حدیث سے ظاہر ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر صحابہ وتابعین تک جس طرح نصوص قرآنیہ واحادیث نبویہ میں ایمان کے گھٹنے بڑھنے اور اعمال کے جزو ایمان ہونے کی صراحت ہے، بلا تاویل و بحث عامہ مسلمانوں کا عقیدہ تھا۔ اتباع تابعین میں آ کر فلسفیانہ تدقیق وتشقیق شروع ہوئی جس سے اس مسئلہ پر بھی شکوک وارد کیے گئے اور اصحاب رسول اللہ ﷺ وتابعین پر اعتراض جمائے گئے اور نصوص کی تاویلیں کی گئیں۔ امام صاحب نے اپنے عہد کی حالت اس مسئلہ کے متعلق یہ پیش کی کہ میں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ اور محدثین سے شرف صحبت وتلمذ حاصل کیا جو سب کے سب "الایمان قول و عمل و یزید و ینقص" کے قائل تھے۔ [8]

اس میں کیا شبہ ہے کہ اطلاقات دو قسم کے ہیں:

اولاً: اطلاقات شرعیہ جن کو منقولات شرعیہ یا حقائق شرعیہ کہتے ہیں۔

ثانیاً: اطلاقات غیر شرعیہ (خواہ لغویہ ہوں یا اور)۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ شریعت میں حقائق شرعیہ دوسرے

---

[1] التوبہ: ۱۲۴۔

[2] صحیح مسلم ۱/۶۳ اور بخاری ص ۵۱ جلد ۱ ساٹھ سے کچھ اوپر کا ذکر ہے۔

[3] صحیح بخاری ۱/۴۹ اور صحیح مسلم ۱/۴۵۔

[4] المومنون: ۱۔۲۔

[5] آل عمران: ۱۷۳۔

[6] الاحزاب: ۲۲۔

[7] الزخرف: ۷۲۔

[8] مقدمہ فتح الباری ۹/۴۷۹۔۴۹۱۔

اس حدیث کے متعلق تحقیقی بات پہلے گزر چکی ہے وہ یہ کہ ان الفاظ سے امام بخاری سے محفوظ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اطلاقات پر مقدم ہیں۔ جیسا کہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، اذان، صوم، حج، نکاح وغیرہ میں وہی معنی معتبر ہیں جن کو شریعت نے بتایا ہے گو کہیں لغوی معنی پر بھی اطلاق ہو۔ جب یہ دونوں قاعدے مسلم ہیں تو یہ مسئلہ بالکل واضح اور صاف ہے۔

امام صاحب نے "الایمان قول وعمل و یزید و ینقص" پر جہاں تقریباً ساٹھ ستر دلائل پیش کیے ہیں، وہیں کتاب الایمان میں ذیل کے تین ابواب بھی قائم کیے ہیں:

۱. **باب المعاصی من امر الجاهلیة، لا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشرك ، لقول النبی ﷺ : "اِنَّك امرءٌ فیك جاهلیة" و قول الله تعالٰی:﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾.** ❶

باب اس بات کا کہ گناہ جاہلیت کی چیز ہیں لیکن ان کا مرتکب کافر نہیں کہا جا سکتا جب تک شرک نہ کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ایک صحابی کو فرمانا کہ تم ایسے آدمی ہو کہ تم میں اب تک جاہلیت کی بات باقی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اللہ سب گناہ معاف کرے گا لیکن شرک معاف نہیں کرے گا۔ (ان دونوں دلیلوں سے معلوم ہوا کہ گناہوں کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہو سکتا۔)

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا﴾ فَسَمَّاهُمُ المومنین. ❷

قول اللہ تعالیٰ کا (اگر دو جماعت ایمان والوں کی لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو) تو اللہ تعالیٰ نے انہیں باوجود لڑنے کے مومن کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

کفران العشیر و کفر دون کفر. ❸

شوہر کا کفر کرنا اور اس امر کا باب کہ ایک کفر دوسرے کفر سے نیچے ہے۔

امام صاحب کی غرض ان تینوں بابوں کے لکھنے سے یہ ہے کہ اعمال جزو ایمان ہیں لیکن باوجود اس کے معصیت سے کوئی مومن کافر نہیں ہو سکتا۔ اگر کفر کا اطلاق اس پر کیا بھی جائے (جیسا کہ بعض حدیثوں میں تارك الصلوٰة عمداً کو کافر کہا گیا ہے) تو اس سے کفر حقیقی مراد نہیں ہوگا نہ اس امر پر مرتد کے احکام جاری کیے جائیں گے۔ یہی وہ فصل ہے جو محدثین کو معتزلہ سے الگ کرتی ہے۔ ❹

---

❶ صحیح بخاری ۱/۸۴۔

❷ صحیح بخاری ۱/۸۴۔

❸ صحیح بخاری ۱/۸۳۔

❹ رہا خاص طور پر نماز کے بارے میں تو عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے (ترمذی ۵/۱۴) اور (تعظیم قدر الصلوة للمروزی نمبر ۹۴۸) اس کی سند صحیح ہے اور جمہور اھل حدیث کا یہی مذہب ہے جیسا کہ مروزی نے اپنی کتاب ۲/۹۳۶ میں کہا ہے۔ ←

ایمان کی زیادتی اور کمی دو اعتبار سے ہوسکتی ہے۔ ایک کیفیت کے اعتبار سے دوسرے کمیت کے اعتبار سے۔ کیفیت کے اعتبار سے زیادتی اور کمی کا کسی کو انکار نہیں۔ علامہ عینی حنفی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ بعض محققین نے صراحت سے لکھا ہے کہ حق یہی ہے کہ یقین اور عمل دونوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے یا صرف یقین کا، بلاشبہ ایمان زیادتی اور کمی کو قبول کرتا ہے۔ ◆

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں کہ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہوسکتی ہے۔ ایک اِس اعتبار سے کہ وہ کیف سے عبارت ہے جس میں شدت وضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے۔ اور یقین کے مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا، تو مردوں کو کیوں کر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا کہ ﴿اولم تؤمن؟﴾ یعنی کیا تجھ کو اب تک یقین نہیں آیا۔ عرض کیا، یقین ضرور ہے لیکن ﴿لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ یعنی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں۔ خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کر دی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ ﴿زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ اس مسئلہ میں نصِ صریح ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اس وقت زیر بحث تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے دعوے کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا، ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ وکم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے، وہ زیادہ مومن ہے اور جو گنہگار ہے، وہ کم مومن ہے۔ محدثین صراحتہً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں۔ **فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات و ینقص بالمعصیۃ** یعنی ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کے کام کرنے سے گھٹ جاتا ہے۔ اور محدثین نے بھی جابجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔

← شارح عقیدہ طحاویہ فرماتے ہیں: بہت سے آئمہ یہ بات کہنے سے رک گئے ہیں کہ ہم کسی کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتے بلکہ یہ بات کہی جائے کہ ہم خارجیوں کی طرح ہر قسم کے گناہ کے ارتکاب سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے ص ۳۵۵۔

◆ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض متاخرین کا قول ہے کہ حق بات یہ ہے کہ ایمان کی و زیادتی دونوں کو قبول کرتا ہے چاہے ایمان کا مطلب، تصدیق مع الاعمال ہی ہو اور یہی ظاہر ہے یا صرف تصدیق کا نام ہی ایمان ہو کیوں کہ دل کی تصدیق کا مطلب ہے اعتقاد جازم یعنی پختہ اعتقاد اور اعتقاد قوت وضعف کو قبول کرتا ہے مثلاً جس چیز کا جثہ ہمارے پاس ہی موجود ہو اس کے جسم ہونے کی تصدیق اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے جو کہ دور ہو۔ نیز جلی ترین بدیہی شے کی تصدیق اعلیٰ ہوتی ہے۔ پھر جس قدر جلا کم ہوتا جائے گا تصدیق بھی کم ہوتی جائے گی۔ مثلاً یہ قضیہ کہ دو نقیضیں نہ جمع ہوسکتی ہیں اور نہ ہی ختم ہوسکتی ہیں، یہ بدیہی طور پر بہت جلی ہے۔ پھر اس قضیہ میں تصدیق کم ہے کہ کسی ایک شے کے ساتھ مساوی اشیاء مساوی ہوتی ہیں۔ پھر نظریات میں جلی ترین نظری چیز کا مرتبہ ہے جیسا کہ صانع کا وجود، پھر اس کے بعد اس نظری چیز کا مرتبہ ہے جو اس سے کم ہو جیسا صانع کا مرئی ہونا، پھر اس کے بعد اس سے خفی پھر اخفی (خفی ترین) کا مرتبہ ہے مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتی۔ اور بعض محققین نے کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ تصدیق دو وجہ سے کمی و زیادتی کو قبول کرتی ہے۔

پہلی وجہ قوت وضعف ہے اس لیے کہ تصدیق کا تعلق نفسانی کیفیات سے ہے اور نفسانی کیفیات کمی و زیادتی کو قبول کرتی ہیں جیسا کہ، ←

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت وضعف کے زیادہ وکم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ ایمان کیت ومقدار کے لحاظ سے زیادہ وکم نہیں ہوسکتا۔ یہ اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں۔ ❶

اس سے واضح ہے کہ محدثین اور دیگر لوگوں میں مطلقاً ایمان کی زیادت ونقصان میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اعمال کے جزو ایمان وداخل ایمان شرعی ہونے سے جس سے زیادتی کی مقدار اُ ہوتی ہے، یہی مابہ اختلاف ہے اور خلاصہ مذہب محدثین باتباع نصوص قرآنیہ وحدیثیہ وباتباع صحابہ وتابعین یہ ہوا کہ محدثین اعمال کو جزو ایمان شرعی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان کی زیادتی وکمی مقدار کے اعتبار سے ہے اور ساتھ اس کے مومن اہل قبلہ معصیت کی وجہ سے کافر نہیں کہا جاسکتا جب تک کلمہ توحید وشہادت سے انکار نہ کرے۔

اب اس پر نحیف اور واہی اعتراض کیا جاتا ہے، اور صحابہ وتابعین کو ظاہر بین اور احمق بنانے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس اعتراض کو ہم صاحب سیرۃ النعمان کی پوری عبارت میں نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ'' امام ابوحنیفہؒ فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ آج تو اس کی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے۔ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے۔ فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہیں۔ اس لیے نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہوسکتی ہے نہ ان میں سے ایک دوسرے کا جزو ہوسکتا ہے لیکن اُس زمانہ میں (زمانہ صحابہ وتابعین میں) یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اس کے خلاف تھے''۔ ❷

صاحب سیرۃ النعمان نے بات تو خوب بنائی لیکن "**زخرف القول غروراً**" سے بیش وقعت نہیں رکھتی کیونکہ آپ نے بایں فلسفیت اور نکتہ شناسی یہ خیال نہ فرمایا کہ جب صاحب شریعت نے تصدیق قلبی اور افعال جوارح سے حقیقت مرکب کر کے ہمیں اس کی تعلیم دی تو ہم کو کیا حق ہے ہم کہیں کہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب نہیں ہوسکتی۔

➜ خوشی غمی اور غصہ وغیرہ۔
اگر تصدیق میں کمی وزیادتی قبول نہ کی جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امت کے افراد کا ایمان برابر ہو اور یہ بالاتفاق باطل ہے اور تصدیق میں کمی وزیادتی ہونے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول "**ولکن لیطمئن قلبی**" بھی دلالت کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ لے کر آئے اس کے تمام افراد میں تفصیلی تصدیق بھی ایمان کا جزء ہے اس کو اس کی تصدیق پر ثواب ملے گا۔ عمدۃ القاری ۱/۱۲۸۔ شارح عقیدہ طحاویہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ اعمال مسمی ایمان میں داخل نہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ جب ایمان ایک ہی شے ہے تو میرا ایمان ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان کی طرح ہے بلکہ انبیاء، مرسلین، جبرئیل اور میکائیل علیہم السلام کے ایمان کی طرح ہے۔ شرح عقیدۃ طحاویۃ ص ۳۷۵۔

❶ سیرۃ النعمان ۹۶، ۹۷۔

❷ سیرۃ النعمان ۹۱۔

کیا نماز قصد قلب (نیت) اور افعال جوارح سے حقیقت مرکب نہیں۔ کیا صرف افعال جوارح سے بلانیت اور قصد قلب کے نماز ہو سکتی ہے؟ اسی طرح آپ تمام احکام شرعیہ کو دیکھیں گے۔ شارع نے ایمان کی حقیقت شرعیہ یہ بتائی کہ یہ تصدیق قلبی اور اعمال جوارح سے مرکب ہے جس کا جزو اعظم تصدیق قلبی ہے۔ جب تک تصدیق قلبی ہے، آدمی کافر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جزو اعظم اس کا موجود ہے۔ اگر صرف زبانی اقرار ہے اور تصدیق نہیں ہے تو احکام ایمان اس پر جاری ہوں گے وحسابه علی الله۔ بعینہٖ یہی مثال نماز کی ہے۔ بلانیت نماز پڑھے گا تو نمازی کا حکم دے دیا جائے گا وحسابه علی الله۔ اسی کو بخاری نے اس طرح پر فرمایا۔

باب: اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة و یکون علی الاستسلام۔[1] یعنی باب اس بات کا کہ حقیقت میں کوئی مسلمان نہ ہو بلکہ صرف (دکھاوے سے) مانتا ہو۔

پھر آگے چل کر (صاحب سیرۃ النعمان) لکھتے ہیں:

''اعمال کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو، وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ امام رازی نے جو امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں کیونکہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جز نہ رہا تو من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لیے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے، اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔ لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال، وہ تو ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں ہوتی[2] لیکن یہ جواب توجیه القول بما لا یرضی به قائله ہے اور خود امام رازی کو اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں کہ فیه ترك لهذا المذهب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے۔ امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرف دار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں، ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہیے یا مان لینا چاہیے کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں''۔[3]

---

[1] صحیح بخاری ۱/۹۔۷۔ اس ترجمۃ الباب کی تشریح علامہ سندھی نے خوب کی ہے فلیرجع الیه۔ [عبیداللہ]

[2] یہ وہ ہے جو مصنف نے صاحب سیرۃ النعمان سے نقل کیا ہے لیکن رازی کے الفاظ ان کی کتاب مناقب الشافعی ص ۱۴۷ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

[3] سیرۃ النعمان ص ۹۳۔ ۹۴۔

بظاہر تو یہ منطقی تدقیق نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن جب شریعت اور عرف خاص و عام اس کو باطل کر رہا ہے تو اس کی کون سی وقعت ہوگی۔ دیکھو درخت کا ایک پتہ توڑ لینے سے ایک جزو اس کا فوت ہو گیا لیکن خاص و عام میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ درخت باقی نہیں۔ شریعت نے ایمان کی مثال کبھی تو درخت سے دی ہے اور فرمایا: "الایمان بضع و سبعون شعبة" [1] اور کبھی مکان سے۔ فرمایا: "بنی الاسلام علی خمس"۔ [2] ان دونوں مثالوں میں عرف عام و خاص دونوں اعتبار سے یہ منطقی قاعدہ اور مع قولی تدقیق بے وقعت ہے۔ [3]

علاوہ بریں امام رازی صاحب اور صاحب سیرۃ النعمان سے جو محدثین کو لکھ رہے ہیں کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے، پوچھنا چاہیے کہ اگر اس لزوم سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اعمال کو جزوِ ایمان ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ انتفائے اعمال سے ایمان من حیث الکل نہیں پایا جائے گا، تو یہ بات تو مسلّم ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جزوِ خاص کے منعدم ہونے کی وجہ سے باقی رہ جانے والے جزو پر ثواب مترتب نہ ہو۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے مومن ہونے کا حکم نہ لگائے کیونکہ یہ بات تقدیرات الٰہیہ میں سے ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ پر یہ لازم آتا ہے کہ تمام اجزاء ایمان کے وجود کے بغیر کسی ایک موجود ہونے والے جزء پر ثواب نہ دے کیونکہ اس کی شان یہ ہے: ﴿يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ، وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾۔ ایسی ذرا سی بات اس قدر مشکل معلوم ہوئی کہ ظاہر نصوص سے اعراض کیا گیا اور تاویلوں کی کوئی حد نہ رکھی گئی اور صحابہ و تابعین اور محدثین کو ناسمجھ اور لزوم سے ناواقف بتایا گیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ محدثین اللہ اور رسول کی پیروی میں مزید اہتمام رکھتے ہیں۔ جن امور کی نسبت اللہ و رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے اور جس امر پر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ حکم لگایا ہے، اس کے قبول و بیان میں سرِ مو فرق نہیں کرتے اور اپنی عقل و رائے و قیاس سے اطلاقات شرعیہ میں خرابی نہیں نکالتے اور اس خرابی کی بنا پر ظاہر قرآن و حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ علی الراس والعین اس کو قبول کرتے اور اس کے خلاف کرنے والے کو نہایت برا سمجھتے ہیں۔ اور یہی شان تھی اصحاب رسول اللہ ﷺ کی۔ چنانچہ اس کو خود صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہے کہ صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ

---

[1] صحیح بخاری ۱/۵۱۔ اور اس میں ساٹھ سے کچھ اوپر شاخوں کا ذکر ہے نیز صحیح مسلم ۱/۶۳۔

[2] صحیح بخاری ۱/۴۵، ۴۹ اور صحیح مسلم ۱/۴۵۔

[3] بعض احناف کا قول ہے کہ اس کے جواب میں حق یہ ہے کہ اجزاء سے مرکب مجموع کے بعض اجزاء کے زائل ہونے سے اس مجموع مرکب کا زائل ہونا لازم نہیں آتا ہاں البتہ وہ سابق ہیئت زائل ہو جاتی ہے لیکن یہ سابقہ اور لاحقہ ہیئت کے درمیان تباین کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کی مثال انسان ہے کہ اگر اس کے بعض اجزاء کو آفت پہنچ جائے تو اس سے وہ انسان ہونے سے خارج نہیں ہوتا ہاں ازروئے صورت کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناقص انسان ہے جب یہ نقص زیادہ ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ظاہری انسان کے نام سے خارج ہو جائے مگر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کے جزء کے زائل ہونے سے ان کا نام زائل ہو جائے...... الخ فیض الباری ۱/۵۵، [عبید اللہ]

ھا......الخ۔ [1] محدثین (جو اصحاب رسول اللہ ﷺ کی روش اختیار کرنے والے اور اس سے عدول کرنے والے کو نہایت برا سمجھنے والے تھے) نے اس مسئلہ میں بھی انہیں صحابیوں کی روش اختیار کی۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ بالغہ میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان النبی ﷺ جعل الایمان علی ضر بین: احدهما الایمان الذی تدور علیه احکام الدنیا [2] من عصمة الدماء والاموال وضبطه بامور ظاهرة فی الانقیاد و هو قوله ﷺ: امرت اَن اُقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الاالله و ان محمدًا رسول الله و یقیموا الصلٰوة و یؤتوا الزکٰوة فاذا فعلوا ذلك عصموا منی دماء هم و اموالهم الا بحق الا سلام و حسابهم علی الله: و ثانیهما: الایمان الذی یدور علیه احکام الأخرة من النجاة والفوز بالدرجات و هو متناول لکل اعتقاد حق و عمل مرضی و ملکة فاضلة و هو یزید وینقص، و سنة الشارع ان یُسمی کل شیءٍ منهاالایمان لیکون تنبیهًا بلیغًا علی جزئیته، وله شعب کثیرة، ومثله کمثل الشجرة، یقال للدوحة و الاغصان والاوراق والثمار والازهار جمیعا، انها شجرة فاذا قطع اغصانها، وخُبط اوراقُهاوخُرِف ثمارُها قیل، شجرة ناقصة، فاذا قُلعتِ الدّوحة بطل الاَصل". انتهی. [3]

رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ جس پر احکام دنیا کی بنا ہے یعنی جان و مال کا بچاؤ جو انقیاد ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ مجھ کو حکم ہے جہاد کا تاآنکہ لوگ توحید و رسالت کی شہادت دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر لوگوں نے ایسا کیا تو مجھ سے اپنی جان و مال کو سوائے حقوق اسلامی (قصاص وغیرہ) کے بچا لیا۔ اور حسابؔ ان کا اللہ کے ذمہ ہے۔ دوسری قسم ایمان کی وہ ہے جس پر احکام آخرت یعنی نجات و درجات پانے کی بنا ہے۔ اور وہ شامل ہے ہر اعتقاد حق اور عمل پسندیدہ کو اور ملکہ فاضلہ کو جو کم و بیش ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب امور کا نام ایمان رکھا تا کہ تنبیہ ہو اس پر کہ یہ سب باتیں جزو ایمان ہیں۔ اور ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں اور ایمان کی مثال درخت کی ہے کہ تنا، شاخ، پتے، پھول، پھل کے مجموعہ کو درخت کہا جاتا ہے۔ اگر شاخیں کاٹ لی جائیں اور پتیاں جھاڑ دی جائیں اور پھل توڑ لیے جائیں تو ناقص درخت کہلائے گا اور اگر تنا اکھیڑ لیا جائے تو اصل ہی نہ رہے گی۔

حجة اللّٰہ البالغه میں اس مقام میں بڑی تفصیلی بحث ہے۔ آیات و احادیث سے نہایت لطیف بحث کی ہے۔

---

[1] سیرۃ النعمان ص ۹۱۔

[2] جس کا باب امام بخاری نے یوں منعقد کیا ہے باب اذالم یکن الاسلام علی الحقیقة(وکان علی الاستسلام) صحیح البخاری ۱/ ۷۹ [مؤلف]

[3] حجة الله البالغة ۱/۳۳۱۔۳۳۲ (۱/۲۶۹۔۲۷۰ . طبع دار المعرفة، بیروت) ۔

جو لوگ اعمال کو جزو ایمان شرعی (جس پر احکام آخرت یعنی نجات و درجات پانے کی بنا ہے) نہیں بتاتے، ان کا بہت بڑا استدلال یہ ہے کہ اعمال کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے جیسے ﴿ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور معطوف و معطوف علیہ میں مغائرت ہونی چاہیے۔

حالانکہ خاص کا عطف عام پر قاعدہ اکثری ہے۔ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ، [1] مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ [2] اور حدیث ابی داؤد: ازواجہ امہات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ۔ [3] نصوص میں اس طرح کا عطف بہت ہے۔ [4] علاوہ بریں اس کا منکر کون ہے کہ ایمان کبھی لغوی معنی (تصدیق قلبی) میں بھی بولا گیا ہے جس طرح صلوٰۃ کہ شریعت نے ہیئت کذائیہ خاص معنی لیے ہیں لیکن کبھی لغوی معنی (دعاء) میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالی: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ. [5] اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ [6] جس طرح ان دونوں مقاموں میں علی قرینہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ کے لغوی معنی مراد ہیں، اسی طرح ایمان کا عطف اعمال پر قرینہ ہے کہ ایمان کے یہاں لغوی معنی مراد ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"وللایمان [7] معنیان آخران: احدھما: تصدیق الجنان بما لا بد من تصدیقه، و ھو قوله صلی

---

[1] العصر: ۳۔

[2] البقرہ، ۹۸۔

[3] سنن ابی داؤد ۳/۲۷۲. (۱/۲۵۸. ۹۸۲ طبع محی الدین عبدالحمید)۔
کتاب الصلوة باب الصلوة علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ...... الخ سنن ابی داؤد کے الفاظ یہ ہیں کہ جسے یہ بات اچھی لگتی ہو کہ اسے قیامت کے دن پوری پوری ماپ کے ساتھ اجر وثواب ملے تو وہ جب ہم (اھل بیت) پر درود پڑھے تو یہ کہا کرے: اللھم صلی علی محمد النبی وازواجه امهات المؤمنین...... الخ شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف سنن ابی داؤد ص ۹۵. ۹۶ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

[4] یا یہ کہا جائے کہ اعمال کا ایمان پر عطف بیان کو مکمل کرنے اور اس کے احاطہ کی غرض سے ڈالا گیا ہے نیز اس میں ادنی (یعنی عمل) کا مزید اہتمام کیا گیا ہے تاکہ اس سے کوئی غافل غفلت نہ کرے اور اسے ترک کرکے جنت کی بلند منازل سے محروم نہ ہو جائے۔ اور اس کی تفصیل شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب الایمان میں دیکھ لیں۔ [عبید اللہ]

[5] التوبہ: ۱۰۳۔

[6] الاحزاب: ۵۶۔

[7] اس مسئلہ میں صاحب سیرۃ النعمان نے امام ابوحنیفہؒ کا ایک خط نقل کیا ہے اور بعد نقل مضمون خط کے لکھا ہے کہ امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعویٰ کو کہ اعمال جزو ایمان شرعی نہیں ہے، ثابت کیا ہے انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا چونکہ اس خط کے استدلال پر بہت بھروسا ہے، اس لیے مناسب ہے کہ اہل علم اس خط کی واقعی حالت معلوم کرنے کے لیے حسن البیان کا ضرور مطالعہ کریں۔ بخوف طوالت ہم اس کے خط کے مضمون اور حسن البیان میں جو اس کی حقیقت واقعہ دکھائی گئی ہے، دونوں کو حذف کرتے ہیں اور مزید تاکید سے لکھتے ہیں کہ سیرۃ النعمان کے دیکھنے والے ایک نظر حسن البیان کو ضرور دیکھیں۔ [مؤلف]

الله عليه وسلم في جواب جبريل: ان تؤمن بالله و ملٰئكته .(الحديث) الثاني: السكينة والهيئة الوجدانية التي تحصل للمقربين، و هو قوله صلى الله عليه وسلم: الطهور شطر الايمان، و قوله صلى الله عليه وسلم :اذا زنى العبد خرج الايمان" ......الخ [1]

(ایمان) دو معنوں میں آتا ہے پہلے دل سے یقین کرنا اسی معنی میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمانا حضرت جبرئیل کے جواب میں ان تو من باللہ و ملائکتہ الخ یعنی یقین کرو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر۔ دوسرا قلبی اطمینان اور تسکین اور دلی حالت جو مقربین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے اسی معنی میں ہے آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ صفائی نصف ایمان ہے اور زنا کرنے سے ایمان نکل جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ مسئلہ خلق قرآن کا ہے

یہ وہ مسئلہ ہے جس نے سیکڑوں اہل علم کی جانیں ضائع کیں۔ جس وقت اعتزال کا زور ہوا اور اس پر فلسفہ یونان نے اپنا رنگ جمایا اور خلفائے بنی عباس (ان میں خاص کر مامون جو معتزلی ہونے کے علاوہ فلسفۂ یونان پر فدا تھا) کے دربار میں اعتزال اور فلسفہ یونان کی بڑی آؤ بھگت ہونے لگی۔ قریب قریب پورے دربار پر اعتزال و فلسفہ چھا گیا۔ اس وقت قرآن کے مخلوق ہونے کا تمام لوگوں سے اقرار لیا جانے لگا۔ جو نہیں اقرار کرتا، اس کے لیے سولی یا قتل کے سوا تیسری کوئی صورت نہ تھی۔ تمام ممالک اسلامیہ میں سلطنت کی طرف سے حکم نافذ کیا گیا کہ جہاں جہاں اہل علم ہوں، ان سے قرآن کے مخلوق ہونے کا صریح اقرار لیا جائے [2] جو اقرار نہ کرے اور خلاف میں دلائل پیش کرے اور مباحثہ کے لیے آمادہ ہو تو دربار خلافت میں بھیج دیا جائے۔ زیادہ مخالفت کرے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ محدثین سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور سیرۃ صحابہؓ کے دلدادہ تھے اور تمام دنیا میں اسی کو پھیلانا چاہتے تھے۔ ان کی جانیں سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئیں۔ یہ فتنہ ۲۱۸ھ سے شروع ہو کر ۲۲۸ھ تک نہایت زور پر رہا اور خلیفہ مامون سے اس کی ابتدا ہوئی۔ قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ مامون کے دل میں اس رسوخ کے ساتھ بیٹھ گیا کہ اس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا گویا اصل توحید سے انکار کرنا تھا۔ ۲۱۸ھ میں جب وہ شام کے اضلاع میں مقیم تھا تو اسحاق خزاعی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا جس کا مختصراً مضمون یہ تھا:

"امیر المومنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے، قرآن کے قدیم ہونے کے قائل ہیں حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اس کا خلاف ثابت ہے۔ یہ لوگ بدترین امم اور ابلیس کی زبان ہیں۔ بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دیا جائے اور جس کو انکار ہو وہ ساقط العدالۃ مشہور کر دیا جائے۔

---

[1] حجة الله البالغة ۱/ ۳۴۳، ۳۴۴ (۱/ ۳۷۱، طبعة دار المعرفة، بيروت)۔

[2] دیکھیے: تاريخ الامم والملوك للطبرى ۱۰/ ۲۸۴، ۲۹۴ (۸/ ۶۳۱ طبعة دار سويدان)۔

مامون کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی اور سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہباً بڑا اقتدار رکھتے تھے، اپنے پاس طلب کیا اور رُو دررُو گفتگو کی۔ [1] یہ سب لوگ اس مسئلہ میں مامون کے خلاف تھے مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہہ آئے جو ان کا دل نہیں کہتا تھا۔ جب یہ لوگ بھی مامون کے ہم زبان ہو گئے تو اس نے اسحٰق کے نام ایک دوسرا فرمان بھیجا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علماء اور مذہبی پیشواؤں کا اظہار لیا جائے۔ اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی اور سب کے اظہار ان کے خاص الفاظ میں قلم بند ہو کر مامون کے پاس بھیج دیے گئے۔ اس کے جواب میں مامون نے جو کچھ لکھا، وہ اس کے جنون مذہبی کا ہذیان تھا۔ تمام محدثین اور فقہا میں سے ایک بھی نہیں بچا۔ جس پر رشوت، چوری، دروغ گوئی، بے علمی، حماقت شعاری کا الزام نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں، پابہ زنجیر روانہ کیے جائیں تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے ان کی موت وحیات کا فیصلہ کر دوں۔ اسحاق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ جس کی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا۔ سجادہ [2] وعلامہ قواریری [3] البتہ کسی قدر مستقل رہے مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گزری تو ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو اپنے عزم واستقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا، وہ صحیح نہ تھا۔ صرف امام احمد بن حنبل ومحمد بن نوح [4] اس معرکہ میں ثابت قدم رہے جس کے صلہ میں پابہ زنجیر ہو کر طرسوس روانہ کیے گئے۔ [5] مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا، ان لوگوں نے آیہ کریمہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ [6] پر عمل کر کے جان بچائی تھی۔ اس پر وہ نہایت برافروختہ ہوا اور ان لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کیے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابوحسن

---

[1] اور وہ یہ ہیں: محمد بن سعد واقدی کے کاتب، ابومسلم مستملی یزید بن ہارون، یحییٰ بن معین، زہیر بن حرب ابوخیثمہ، اسماعیل بن داؤد، اسماعیل بن ابی مسعود اور احمد بن دورقی۔ جیسا کہ طبری نے اس کی صراحت کی ہے۔ دیکھیے: تاریخ طبری ۱۰/۲۸۶ (نظر ثانی کنندہ) (۸/۶۳۴)

[2] وہ ابوعلی حسن بن حماد بن کسیب حضرمی بغدادی ہیں، عرف سجادہ ہے۔ ابوبکر بن عیاش، حفص بن غیاث، وکیع اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور ان سے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے راویت کی ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ وہ صاحب سنت تھے۔ مجھے اس کی طرف سے خیر کی خبر ہی ملتی رہی۔ ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ تهذيب التهذيب ۲/۲۷۲۔ (مراجع)

[3] وہ حافظ عبید اللہ بن عمرو بن میسرہ ہیں، ابوسعید بصری کے نام سے مشہور ہوئے اور بنو جشم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بغداد میں کبار علماء اور آئمہ میں سے تھے۔ حماد اور عبدالوارث سے روایت کی اور ان سے ابوزرعہ، بخاری ومسلم اور ابوداؤد نے روایت کی، ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ تهذيب التهذيب ۷/۴۰، ۴۱، تذكرة الحفاظ ۲/۴۳۸، ۴۳۸۔ (مراجع)

[4] وہ محمد بن نوح بن میمون بن عبدالحمید بن ابوالرجال عجلی ہیں۔ ان کے والد مضروب کے نام سے مشہور ہیں اور وہ خود سنت کے ساتھ مشہور علماء میں سے تھے اور کچھ احادیث بیان کی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: اس سے لکھ لو کیوں کہ وہ ثقہ ہیں۔ ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد ۳/۳۲۲، ۳۲۳۔ (مراجع)

[5] تاریخ طبری ۱۰/۲۹۲، البداية والنهاية ۱۰/۲۷۳۔

[6] النحل: ۱۰۶۔

زیادی، [1] نضر بن شمیل، [2] قواریری، ابونصر تمار [3]، علی بن مقاتل، [4] بشر بن الولید [5] وغیرہ شامل تھے، پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا ہو لیکن ان بے کسوں کے لیے تو یہ ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا۔ اس طرح کچھ دنوں کے لیے یہ فتنہ فرو ہوا لیکن جب معتصم تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے اور بھی سختی سے کام لیا اور محدثین کو سخت امتحان میں مبتلا کیا۔

ان کے مدمقابل ایک دوسرا فرقہ تھا۔ وہ قائل تھا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ یہاں تک کہ ہماری زبان سے جو قرأت کے الفاظ قرآنی نکلتے ہیں، وہ بھی قدیم ہیں۔ یہ فرقہ فریق اول کا پورا مدمقابل تھا۔ اور افراط وتفریط میں دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے۔ امام بخاری نے افراط وتفریط سے الگ ہو کر نہایت صحیح اور مدلل طریق اختیار کیا اور مخالفت کی بالکل پروا نہ کی۔ اتفاقات سے امام صاحب بھی اس فتنہ سے محفوظ نہ رہ سکے، اور اس امتحان میں مبتلا ہو گئے۔ (اگرچہ سلطنت کی طرف سے نہ سہی)

امام صاحب جس شان سے نیشاپور میں داخل ہوئے اور جس جوش سے ان کا خیر مقدم کیا گیا، اس کا بیان اول

---

[1] وہ ابوحسان حسن بن عثمان بن حماد بن حسان بن عبدالرحمٰن بن یزید زیادی بغدادی ہیں۔ وہ امام، ثقہ، اخباری (مؤرخ) تھے۔ حدیث حماد بن زید وغیرہ سے بیان کی۔ ۲۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ اور کہا گیا ہے ۲۴۳ھ اور ۲۴۴ھ میں۔ شذرات الذھب ۱۱۰/۲، معجم المؤلفین ۲۴۴/۳۔ (مراجع)

[2] طبری نے اپنی تاریخ جلد ۱۰ ص ۲۹۲ اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ جلد ۲۷۳/۱۰ میں بیان کیا ہے کہ نضر بن شمیل اس مجمع میں لوگوں کے ساتھ موجود تھے لیکن حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ۴۷۳/۱۰، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ۳۱۴/۱، ۳۱۵ ابن خلکان نے اپنی تاریخ جلد ۳۹۷/۵.۴۰۵ اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ ۲۵۵/۱۰ میں بیان کیا ہے کہ نضر بن شمیل ۲۰۳ھ کے ماہ ذوالحجہ کے آخری دن میں فوت ہوئے تھے اور ۲۰۴ھ کے ماہ محرم کے شروع میں دفن ہوئے۔

اور وہ ابوالحسن نضر بن شمیل مازنی بصری لغوی اھل مرو کے عالم ہیں۔ ہشام اور حمید طویل سے روایت کی اور ان سے اسحاق اور ابومحمد داری اور خلقت نے روایت کی ہے۔۔ (مراجع)

[3] وہ ابونصر عبدالملک بن عبدالعزیز قشیری نسوی تمار دقیقی ہیں۔ جریر بن حازم اور حماد بن سلمہ سے روایت کی اور ان سے امام مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے۔ حافظ مزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میرا ظن ہے کہ انھوں نے اپنی صحیح مسلم میں ان سے اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ امام ابوداؤد اور نسائی نے اسے ثقہ کہا ہے۔ ۲۲۸ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب جلد ۴۰۶/۶. ۴۰۷۔ (مراجع)

[4] جس طرح مصنف نے علی بن ابی مقاتل کا نام ذکر کیا ہے اسی طرح دیگر مؤرخین نے بھی ان کا نام ذکر کیا ہے لیکن میں ان کا تعارف معلوم نہیں کر سکا۔ (مراجع)

[5] وہ ابوالولید بشر بن ولید کندی فقیہ ہیں۔ مالک بن انس سے سماع کیا اور ابویوسف سے فقہ حاصل کی اور ان سے امام بغوی اور ابویعلی نے روایت کیا، ۲۱۳ھ تک منصور شہر کے قاضی بنائے گئے۔ ۲۳۸ھ میں فوت ہوئے۔ میزان الاعتدال ۱۵۲/۱ شذرات الذھب ۸۹/۲. ۹۰۔ (مراجع)

حصہ میں گزر چکا ہے۔[1] نیشاپور میں امام صاحب سے درس دینے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے منظور فرمایا۔ مجلس درس قائم ہوئی تو تمام شہر جھک پڑا۔ قدیم درس گاہیں بے رونق ہو چلیں۔

امام محمد بن یحییٰ الذہلی نیشاپور میں اس پایہ کے شخص تھے کہ امام مسلم کے استاذ اور نیشاپور کے مسلم محدث مانے جاتے تھے۔ یہ امام صاحب کے ہم عصر اور ہم سبق ہیں۔ حافظ ابن حجران کی نسبت لکھتے ہیں: " **الطبقة الرابعة : رفقائه في الطلب و من سمع قبله قليلا كمحمد بن يحيىٰ الذهلي** "۔[2]

ایک روز امام ذہلی نے اپنی درس گاہ میں پکار کر کہا کہ ہم کل امام بخاری کی ملاقات کو جائیں گے جس کا جی چاہے، ہمارے ساتھ چلے۔ ساتھ ہی امام ذہلی کو یہ خیال ہوا کہ امام بخاری کی بدولت میری درس گاہ میں جو بے رونقی چھا گئی ہے، اس کا اثر میرے طلبہ پر بھی پڑا ہے اس لیے میرے ساتھیوں میں سے کوئی طالب علم کہیں ایسی بات نہ پوچھ بیٹھے جس کی بدولت مجھ میں اور محمد بن اسماعیل میں رنجش ہو جائے اور غیر اقوام کو اہل سنت کے اختلاف پر ہنسی اڑانے کا موقع ہاتھ آ جائے۔ اس لیے اپنے ہم راہیوں کو تاکید کر دی کہ امام بخاری سے اختلافی مسائل کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے۔

دوسرے دن امام ذہلی اپنی جماعت کے ساتھ امام صاحب کے یہاں پہنچے۔ اتفاق سے وہی صورت پیش آ گئی جس کا انہیں خوف تھا۔ ایک شخص نے اٹھ کر امام سے سوال کیا کہ یا ابا عبداللہ! قرآن کے جو الفاظ ہماری زبان سے نکلتے ہیں، کیا وہ مخلوق ہیں؟ سوال کے اصلی الفاظ یہ تھے: "**يا ابا عبدالله! ماتقول في اللفظ بالقرآن، مخلوق هو أو غير مخلوق؟**"۔ امام صاحب ساکت رہے۔ پھر اس شخص نے دوبارہ سوال کیا۔ امام صاحب نے پھر سکوت کیا۔ تیسری بار مجبور ہو کر جواب دیا کہ

"**القرآن كلام الله غير مخلوق وافعال العباد مخلوقة والامتحان بدعة**".[3]

قرآن کلام الٰہی غیر مخلوق ہے (لیکن جو الفاظ ہماری زبان سے نکلتے ہیں، وہ ہمارے الفاظ ہیں اور ہمارے الفاظ ہماری زبان کی ایک حرکت ہے، اس لیے ہمارا ایک فعل ہے) اور ہمارے افعال مخلوق ہیں اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

---

[1] اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

[2] مقدمة فتح الباری ص ۴۸۹۔ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ امام محمد بن یحییٰ ذہلی نے امام بخاری کو اسی مسئلہ کی وجہ سے اپنے درس سے نکال دیا تھا۔ دیکھیے: سیرۃ النعمان ص ۹۱، ۹۲ جبکہ یہ بات درست نہیں ہے۔

[3] مقدمة فتح الباری ص ۴۹۰۔ یہ قصہ امام حاکم اور خطیب بغدادی نے حسن بن محمد بن جابر سے باسند روایت کیا ہے اور یہ موصوف اس واقعہ میں حاضر ہونے والوں میں سے تھے اور یہ قصہ ابن عدی نے مشائخ کی ایک جماعت سے بھی روایت کیا ہے اور مصنف رحمہ اللہ کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کئی ایک روایات سے اخذ کیا ہے اور اس کی تفصیل کے لیے ممکن ہے کہ مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسامی من روی عنه البخاری لابن عدی ص ۶۴، تاریخ بغداد ۲/۳۰، ۳۱، تاریخ دمشق ۱۵/۵۲/أب، تاریخ الاسلام للذهبی ص ۲۶۶، ۲۷۰، سیراعلام النبلاء ۱۲/۴۵۳، ۴۵۶، طبقات السبکی ۲/۲۲۸، ۲۲۹، تغلیق التعلیق ۵/۴۳۱، ۴۳۲۔

امام بخاری نے ان مختصر لفظوں میں درحقیقت اس بحث کا فیصلہ کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر قرآن کا مفہوم نفس کلام ہے تو کلام خدا کی ایک صفت ہے اور خدا کی صفت کیوں کر مخلوق ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ الفاظ مراد ہیں جو ہماری حادث زبانوں سے نکلتے ہیں تو وہ چونکہ مخلوق کا ایک فعل ہے، لہٰذا ان کے مخلوق ہونے میں کلام نہیں۔

لیکن اس دقیق جواب کو عوام نہ سمجھ سکے۔ اس لیے اس واقعہ کو اس قدر بڑھایا اور شہرت دی کہ امام صاحب کی ہر دل عزیزی میں فرق آ گیا اور امام ذہلی کا کد اور بھی آگ میں روغن کا کام دے گیا۔ امام ذہلی کو اس مسئلہ میں انتہا درجہ کا افراط تھا۔ وہ قائل تھے کہ جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کا قائل نہیں، وہ اور اس کے ملنے والے قابل ملاقات نہیں۔ [1]

جو لوگ دقیقہ سنج تھے، وہ اس جواب کی تہہ کو پہنچ گئے اور پیشتر سے زیادہ امام المحدثین کی وقعت کرنے لگے۔ چنانچہ امام مسلم کو جب معلوم ہوا کہ امام ذہلی بھی اس جواب کی بدولت امام صاحب کے مخالف ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنی مجلس میں منادی کرا دی ہے کہ جو شخص لفظی بالقرآن مخلوق کا قائل ہو وہ ہماری مجلس میں شریک نہ ہو تو امام مسلم سخت برافروختہ ہوئے اور وہ تمام نوشتے اونٹوں پر لدوا کر واپس کر دیئے جن میں امام ذہلی کی تقریریں قلم بند کی تھیں۔ امام مسلم کے سوا تمام شہر امام صاحب سے الگ ہو گیا۔ [2]

یحییٰ بن سعید [3] کہتے ہیں کہ لوگوں نے آ کر عرض کی کہ آپ اس قول سے رجوع کر لیں۔ (تمام شہر آپ کا مخالف ہے) امام صاحب نے فرمایا، بھلا مجھ سے ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی چیز مجھے اپنے قول سے پھیر سکتی ہے تو وہ دلیل ہی ہے۔ [4] امام صاحب کے اس استقلال اور ثبات قدمی پر لوگ مایوس واپس ہوئے۔ [5]

---

[1] مقدمة الفتح ۴۹۱. تاريخ بغداد ۲/۳۱. ۳۲۔

[2] مقدمة الفتح ۴۹۱ اور یہ بات احمد بن سلمہ نے بھی بیان کی ہے۔ اس کے الفاظ تاريخ الاسلام للذهبی ص ۲۷۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۰ اور تغلیق التعلیق ۵/۴۳۰ میں دیکھیے۔

[3] اصل اردو کتاب میں یہ اسی طرح ہے اور بظاہر یہی لگتا ہے کہ اس میں التفات نظر ہو گیا ہے کیوں کہ یہ قصہ محمد بن مسلم خشنام نے امام بخاری سے روایت کیا ہے اور اس میں یحییٰ بن سعید قطان کا ذکر ہے کیوں کہ امام بخاری نے قطان کے ایک قول سے اس مسئلہ میں استدلال کیا ہے اور یہ خبر تاريخ بغداد ۲/۳۰ میں دیکھیے اور اسی کے طریق سے تاريخ دمشق ۱۵/۵۳/أ اور سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۵۴ میں بھی دیکھیے اور مصنف رحمہ اللہ نے اس کی نسبت مقدمہ فتح الباری کی طرف سے ہے لیکن مقدمہ میں اس کا ذکر اس موضوع میں موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[4] تاريخ بغداد ۲/۳۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۵۴، اس خبر کے راوی محمد بن مسلم خشنام نے اس کے آخر میں کہا ہے کہ مجھے محمد بن اسماعیل بخاری کی ثابت قدمی بہت اچھی لگی۔

[5] اس مسئلہ میں امام بخاری کے موقف اور ان کے منہج کی وضاحت کے لیے دیکھیے: حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب "مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة." ص ۴۸۷. ۴۹۱۔ انہوں نے اس جگہ صراحت کی ہے کہ امام بخاری اس مسئلہ کو اپنے تمام مخالفین سے زیادہ جاننے والے تھے ص ۴۸۹، اور شیخ عبداللہ بن یوسف جدیع نے بھی اپنی کتاب "العقيدة السلفية في كلام رب البرية" میں اچھی وضاحت کی ہے۔

باب : ۸

ترجمۃ الباب امام بخاری، اصول حدیث

حدیث اور اصول حدیث

امام المحدثین کا فن حدیث میں جو پایہ اہل اسلام نے عموماً تسلیم کیا ہے، اور امام صاحب نے اس مبارک فن کی جیسی کچھ خدمت کی ہے، ان کا مفصل بیان تو ایک مشکل امر ہے اور تطویل لا طائل۔ وہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہیں تاہم موضوع کتاب ہونے کی حیثیت سے بعض ان خصوصیات کا ذکر کرنا ضرور ہے جو امام المحدثین کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں اور جن سے بڑے بڑے آئمہ کے دامن خالی ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم ان پر کچھ لکھیں، ایک نظر فن حدیث پر ڈالنی ضروری ہے جس کی خدمت کو امام صاحب نے فرض اول خیال کیا اور جس پر اپنی دولت، زندگی، آرام و آسائش سب کچھ قربان کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج یہ فن کئی حریفوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور اس پر کئی طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ گو زمانہ قدیم میں بھی اس پر بہت کچھ حملے ہوئے تاہم آج جس طرح آزادی اور بے باکی کے ساتھ اس پر حملے ہو رہے ہیں، اس کی نظیر زمانہ سلف میں کم ملتی ہے اور لطف یہ کہ حملہ آور قوم اپنے کو مسلمان ہی کہتی ہے۔ [1] میرے خیال میں اس فن کی حقیقت واقعیہ اور سچے حالات واضح ہونے پر ان کے توہمات اور شکوک خود بخود رفع ہو جائیں گے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ فن روایت وہ فن ہے جس کے مطالعہ پر اقوام دنیا کی ترقی وتنزل کا مدار ہے۔ یہ فن ایسا قدیم ہے کہ اگر قدامت کے اعتبار سے اس کو فطرت انسانی کا لازم قرار دیا جائے تو بعید نہیں۔ ابتدائے عالم سے ہر قوم نے اس سے کم وبیش حصہ لیا۔ اور آج جس وقعت کی نگاہ سے یہ فن دیکھا جاتا ہے محتاج بیان نہیں۔

علامہ ابن خلدون کا یہ مقولہ اس فن کی نسبت ایک نہایت سچا مقولہ ہے: "**فن التاریخ من الفنون التی یتداولها الامم والاجیال و تشد الیه الرکائب و الرحال و تسمو الی معرفته السوقة والاغفال و تتنافس فیه الملوك والاقیال**". [2]

---

[1] اس موضوع کی تفاصیل جاننے کے لیے ہمارے محترم بھائی استاذ شیخ صلاح الدین مقبول احمد وفقہ اللہ کی کتاب "زوابع فی وجه السنة قدیما و حدیثا" نہایت عمدہ ہے۔

[2] فن تاریخ ان فنون سے ہے جس کو قدیم زمانہ سے تمام قومیں ہاتھوں ہاتھ لیتی آئی ہیں اور جس کے لیے دور دراز سے بڑی بڑی مسافتیں ←

عرب میں اس فن کا چسکا ابتدا ہی سے تھا اور ان کی اعجاز نما قوت حافظہ ہی ایسے رجسٹر تھے جو اس فن کے محافظ تھے، حتیٰ کہ ایک معمولی شخص۔۔ تاریخی واقعات اور انسانی انساب تو بڑی چیز ہے۔۔اپنے اونٹ کا کئی نسلوں تک سلسلہ نسب گنا دیتا۔

قرآن کے حکم ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ﴾ [1] اور ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝﴾ [2] نے مسلمانوں کو اس فن کی طرف متوجہ کیا اور ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [3] نے روغن میں آتش کا کام کیا۔ فن حدیث اسی فن روایت اور تاریخ کا ایک فرد ہے۔ وہ کیا ہے؟ نبی عربیؐ کے سچے حالات۔ (فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم)

اسلام نے اس فن روایت کے ساتھ جو احسانات کیے ہیں، وہ تمام دنیا کو یاد ہیں اور وہ اسلام کی خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ کیا ہے؟ قانون تنقید کی ایجاد اور سلسلۂ اسناد کا استحفاظ۔ پیغمبر اسلامؐ نے ایک جامع قانون کی ہدایت فرمائی۔ ''کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع'' [4] کبھی فرمایا ''لعنة الله علی الکاذبین''. [5] کبھی فرمایا ''من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار''. [6] یعنی جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا، اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنائی۔

اس قانون کی پابندی نے تنقید اور اسناد دونوں کو مسلمان کا فرض اُولیٰ بنا دیا اور جس طرح مسلمانوں کی آسمانی کتاب (قرآن) تحریف و دیگر خرابیوں سے محفوظ رہی، اسی طرح نبی ﷺ کے اقوال، احوال، افعال ذرہ ذرہ محفوظ رہے

← طے کی جاتی ہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے بازاری اور کم عقل تک کی گردنیں اٹھتی ہیں جس کی طرف امرا و سلاطین حد سے زیادہ راغب ہیں۔ غرض ہر طبقہ کے لوگ اس کے خریدار ہیں۔ مقدمة ابن خلدون ۱/۳۵۰۔

[1] ابراهيم :۵۔

[2] الانعام :۱۱۔

[3] الاحزاب :۲۱.

[4] آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو سنے، بلا تحقیق اس کو بیان کرے۔ مقدمة صحيح مسلم ۱ / ۱۰ ، باب النهى عن الحديث بكل ماسمع. حديث ۵. ابوداؤد ۴/ ۲۹۸ ،الادب. باب فی التشديد فی الكذب ، حديث ۴۹۹۲ لیکن اس میں ''کذبًا'' کے بجائے ''اثمًا'' ہے۔

[5] آل عمران :۶۱ ''......فنجعل لعنة الله على الكاذبين''۔

[6] صحيح البخاری ۱ /۱۹۹، مقدمه صحيح مسلم ۱/ ۱۰ وغیرهما۔ یہ ایک متواتر حدیث ہے جسے صحابہ کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے۔ بہت سے آئمہ نے اس حدیث کے طرق جمع کیے ہیں۔ مثلاً حافظ ابو القاسم طبرانی ،ان کی کتاب ''جزء فيه طرق حديث من كذب علي متعمدًا'' ڈاکٹر محمد بن حسن الغماری کی تحقیق سے ادارہ دار البشائر بیروت نے ۱۴۱۷ھ /۱۹۹۷ء میں شائع کی ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' کے مقدمہ ۱/ ۵۰۔۱۲۹ میں ۹۸ صحابہ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، محدثین استحفاظ کے قوانین میں سختی بڑھاتے گئے اور تشدد زیادہ کیا گیا۔ آخر قوانین استحفاظ فن کی صورت میں مدون ہو کر اصول حدیث کے نام سے نامزد ہو گئے۔ [1] یہ دو خصوصیتیں اسلام میں اول قرآن کا محفوظ ہونا دوم نبی ﷺ کی احادیث کا محفوظ ہونا ایسی ہیں کہ اسلام اس پر جس قدر فخر کرے، بجا ہے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ نبی ﷺ کے علاوہ اصحاب اور ان کے بعد تابعیوں کے اقوال و احوال بھی محفوظ رہے جس کی نظیر کسی قوم و ملت میں نہیں۔

یہاں ایک نظر اٹھا کر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف دیکھو۔ ان کی آسمانی کتاب تک محفوظ نہ رہی۔ چہ جائیکہ کسی بات کا سلسلۂ سند اپنے نبی یا کسی حواری تک پہنچا دیں۔

یہود بعض باتوں کا سلسلۂ اسناد حضرت موسیٰ تک لے جانا چاہتے ہیں لیکن ناکامیابی ایسی کہ یا تو شمعون تک اس کا سلسلہ پہنچتا ہے یا اور بھی اس سے بیسیوں درجے نیچے رہ جاتا ہے۔ ابھی تنقید الگ ہے۔ اسی طرح عیسائی ایک مسئلہ یا ایک قول کی بھی سند حضرت عیسیٰ تک نہیں پہنچا سکتے۔ ایک مسئلہ تحریم طلاق کا سلسلۂ اسناد حضرت عیسیٰ کی طرف لے جاتے ہیں لیکن سلسلہ سند ایسا مجہول اور عمیا ہے کہ سیکڑوں کذاب اور مجہول العین واسطے بیچ میں آتے ہیں۔ تنقید کی گنجائش کہاں۔ اسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**لاتصدقوھم ولا تکذبوھم**"۔ یعنی نہ ان کو سچا کہو نہ جھوٹا۔ [2]

مسلمانوں نے سلسلۂ اسناد کی نہایت قدر کی۔ صرف اسناد عالی اور واسطہ کم کرنے کے لیے دور دراز مسافت کا سفر اختیار کرتے۔ ان کے یہاں بلا سند ایک بات بھی معتبر نہیں رہی۔ حصہ اول میں اس کا بیان کسی قدر مفصل گزر چکا ہے۔ [3]

امام زہری بڑے ذی رتبہ تابعی ہیں۔ ایک روز سفیان بن عیینہ سے ایک حدیث بیان کرنی چاہی۔ سفیان نے (اس وجہ سے کہ ان کو امام زہری پر کامل یقین وثوق تھا) کہا کہ مجھ سے آپ بلا سند بیان کیجیے۔ امام زہری نے کہا، کیا تو بلا زینہ چھت پر چڑھ سکتا ہے؟ [4]

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: **الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء.** [5] سفیان ثوری فرماتے: "**الاسناد سلاح المومن**". [6] اور حالی نے کیا خوب کہا ہے: [7]

---

[1] قوانین استحفاظ چونسٹھ فنون میں مکمل ہوئے جو کتب اصول حدیث میں مدون کیے گئے۔ [مؤلف]

[2] صحیح بخاری کی حدیث کا ایک جزء ہے ۵/۲۹۱، ۸/۱۷۰، ۱۳/۳۳۳، ۵۱۲۔ مسند احمد ۴/ ۱۳۶ [مراجع]

[3] دیکھیے؛ اس کتاب کے جزء اول میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔........

[4] تدریب الراوی ۲/۱۶۰۔

[5] اسناد ایک دینی بات ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا کہہ دیتا۔ مقدمہ صحیح مسلم ۱/۱۵، تدریب الراوی ۲/ ۱۶۰۔

[6] اسناد مومن کا ہتھیار ہے۔ تدریب الراوی ۲/۱۶۰۔

[7] اردو زبان کے مشہور قومی شاعر مولانا الطاف حسین حالی۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا　　لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا　　کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو　　اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازن علم دیں جس بشر کو　　لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا　　مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا　　آئمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا
رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر　　گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احساں یہ اک اہل دیں پر　　وہ تھے اس میں ہر قوم وملت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے
بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

جو جو اہتمامات فن حدیث اور فن روایت کے لیے ابتدائے زمانۂ رسالت سے کیے گئے، آج مافوق العادۃ یا بمعنی دیگر اعجاز سے کم نہیں سمجھے جاتے۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین میں جس قدر اس کا ذوق اور اس کا شغل تھا، اس کے بیان کے لیے تو ہمارے الفاظ کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے۔ تیسری صدی تک (جس میں حدیث اور آثار صحابہ مدون کر دیئے گئے) یہ مذاق اس طرح عام تھا کہ مسلمانوں کا ہر فرد بشر اس میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر شخص اس کا فدائی نظر آتا تھا۔ خدام حدیث (محدثین) کی سلطنت عام طور پر تمام مسلمانوں کے قلوب پر اس طرح حاوی تھی کہ یہ ظاہری سلطنت اس کے آگے ہیچ میرز تھی۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن مبارک [1] جو امام بخاری کے شیخ الشیخ اور بڑے پایہ کے محدث امیر المومنین کے لقب سے ممتاز ہیں، بھی رقہ پہنچے۔ ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی۔ [2]

---

[1] عبداللہ بن مبارک شیخ مشائخ البخاری، امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے ملقب ہوئے [مؤلف]۔

[2] اس طرح کے واقعات شمس العلماء سید نذیر حسین محدث دہلوی کے سفر پنجاب و بنگال وغیرہ میں پیش آئے۔ [مؤلف]

ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے تماشہ دیکھ رہی تھی، حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے کہا، خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن مبارک ہے۔ بولی، حقیقت میں سلطنت اس کا نام ہے۔ ہارون الرشید کی حکومت کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہوسکتا۔ [1]

ان صدیوں میں جو لوگ اس معزز لقب سے محروم رہے، ان کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے یہ حسرت باقی رہ گئی۔ خلیفہ مامون الرشید سلطنت عباسیہ کا بہت بڑا فرماں روا ہے۔ مامون کا زمانہ سلطنت عباسیہ کے اوج کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ تمام دنیا کے سلاطین سلطنت عباسیہ سے لرزتے تھے۔ جب مامون مصر پہنچا تو ایک شخص نے اس کو مبارک باد دی کہ آج عراق، حجاز، شام، مصر آپ کے زیر نگین ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ابن عم ہونے کا شرف ان پر مستزاد ہے۔ مامون نے کہا، ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین جمع ہوں اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہو اور کہے، ہاں وہ کیا حدیث ہے۔ میں بیان کرنا شروع کروں کہ حماد نے یہ روایت کی۔ [2] ایک دن خلیفہ مامون نے اس حسرت کو پورا کرنا چاہا۔ یحییٰ بن اکثم سے جو قاضی القضاۃ تھے، یہ کہا کہ میری خواہش ہے کہ آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں۔ [3] قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے۔ معمول کے موافق منبر رکھا گیا اور خلیفہ مامون نے منبر پر بیٹھ کر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا۔ قریباً تیس حدیثیں تحقیق وتنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رخ سے اس نے جان لیا کہ لوگ محظوظ نہیں ہوئے۔ منبر سے اترا تو قاضی یحییٰ سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مزا نہ آیا۔ حقیقت میں اس منصب کے وہی لوگ مستحق ہیں جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے اور منبر پر بیٹھتے ہیں تو ان کے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں۔ [4] یہاں یہ گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ مامون وہ شخص ہے جو فن حدیث میں علامہ ہشیم، عباد بن عوام، یوسف بن عطیہ، ابو معاویۃ الضریر، اسماعیل بن علیہ، حجاج الاعور جیسے بلند پایہ محدثین کا شاگرد ہے۔ ان کے علاوہ امام مالک کے تلمذ سے مامون کو ایک خصوصیت خاص حاصل ہے۔ خلیفہ ہارون نے مامون اور امین کے لیے امام مالک کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ حریم خلافت میں قدم رنجہ فرما کر شہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں لیکن امام مالک نے حریم شاہی میں جانے سے قطعی انکار کر دیا۔ آخر ہارون نے شہزادوں کو امام مالک کے دائرہ دولت پر بھیج دیا اور

---

[1] تاریخ بغداد ۱۰ /۱۵۶، ادب الاملاء والاستملاء ص۲۲، البدایۃ والنہایۃ ۱۰/۱۷۸۔

[2] اس واقعے کا متن ادب الاملاء والاستملاء ص ۲۰ پر دیکھیں۔ نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین مامون کو یہ کہتے ہوئے سنا: دنیا کی لذات میں سے مجھے صرف اس چیز کی خواہش ہے کہ اصحاب الحدیث میرے پاس جمع ہوں، مستملی آئے اور کہے: من ذکرت اصلحك اللہ؟ مصدر سابق ص ۱۹۔ سمعانی نے مذکورہ مقام پر اس قسم کے دوسرے واقعات کا ذکر بھی کیا ہے۔ دیکھنا ہو تو وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

[3] بہت سے لوگوں نے چاہا کہ وہ محدث کے لقب سے ممتاز ہوں یا اپنے آئمہ کو کسی طرح محدث یا حافظ حدیث کے لقب سے پکارا جاتا ہوا دیکھیں لیکن عدل وصدق، حفظ وجفاکشی عمل بالحدیث سیلان ذہن اس فن کے ساتھ شغف کی شروط نے محروم کر دیا۔ [مؤلف]

[4] سیر اعلام النبلاء ۱۰ /۲۷۵، البدایۃ والنہایۃ ۱۰/۲۷۵، نیز دیکھیں: ادب الاملاء والاستملاء ص۲۲۔

عام درس گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

حفاظتِ حدیث کا اہتمام اور اس میں احتیاط

احادیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی فدائیت اور اس طرح کی جان نثاری مسلمانوں کو کیوں تھی؟ اس کے اسباب پر غور کرنے سے چند وجوہات سمجھ میں آتی ہیں۔

پہلی وجہ قرآن کی چند آیتیں ہیں جو مسلمانوں کو اس پر مجبور کرتی ہیں۔

۱۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں اچھی پیروی ہے۔ (پیروی بغیر جمع احادیث قریب قریب ناممکن ہے۔)

۲۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [2]

جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۳۔ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [3]

جو اللہ کا رسول دے، اس کو لو اور جس سے منع کرے، باز رہو۔

۴۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ [4]

کہو کہ اگر اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے تو (میری رسول اللہ ﷺ کی) تابعداری کرو۔

دوسری وجہ چند احکام اور فضائل و ہدایات جن کو جناب رسول اللہ ﷺ نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا تھا، جو درحقیقت انہیں مذکورہ بالا آیتوں کی تفسیریں ہیں۔

۱۔ "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة رسوله". [5]

---

[1] الاحزاب :۲۱۔

[2] النساء :۸۰۔

[3] الحشر :۷۔

[4] آل عمران : ۳۱۔ یہ ظاہر ہے کہ اطاعت و تابع داری رسول اللہ ﷺ بغیر جمع و علم احادیث مشکل اور سخت مشکل ہے۔ یہ چند آیتیں بطور نمونہ کے ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس مضمون اور مقصد کی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ یہاں استقصاء مقصود نہیں ہے۔ [مؤلف]

[5] مؤطا امام مالك ۲ /۸۹۹، کتاب القدر حدیث ۳ مرسل ہے۔ مروزی نے السنۃ ص ۲۱ میں ابن عباس؄ سے بیان کی ہے۔ حاکم نے مستدرک ۱/۹۳ میں ابن عباس؄ اور ابوہریرہ سے مرفوع بیان کی ہے۔ اسی طرح ابن عبد البر نے التمهید ۲۴/۹۷۹ حدیث ۱۷۶۶ عمرو بن عوف مزنی عن ابیه عن جده مرفوع بیان کی ہے۔

التمهید میں کہتے ہیں: اہل علم کے نزدیک نبی اکرم ﷺ سے یہ حدیث اتنی محفوظ، معروف اور مشہور ہے کہ اس کی سند کی بھی شاید ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ابوہریرہ اور عمرو بن عوف کی احادیث میں سے اخبار آحاد روایت کی گئی ہیں۔ پھر علامہ موصوف نے ان ←

تم میں دو چیزوں میں نے چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو تھامے رکھو گے، راہ حق سے بے راہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے رسول کی سنت۔

۲۔ "من رغب عن سنتی فلیس منی". ❶

جس نے میرے طریقہ سے منہ پھیرا، مجھ سے نہیں ہے۔

۳۔ "من اَحْیٰی سنتی فقد احبنی". ❷

جس نے میرے طریقہ کو زندہ کیا، مجھ کو دوست رکھا۔

۴۔ "نضر الله امراءً سمع مقالتی فوعاها ثُمَّ اداها". ❸

خدا تر و تازہ رکھے ایسے مرد کو جس نے میری بات سن کر یاد رکھی پھر اس نے دوسرے کو پہنچا دی۔

۵۔ "خیر الهدی هَدْیُ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)". ❹

سب سے اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

۶۔ "من اَحْیٰی سنَّةً مِنْ سنتیْ قد اُمیتت كَانَ له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شیئا". ❺

← دونوں کی اسناد ذکر کی ہیں۔

علامہ البانی نے "منزلة السنة فی الاسلام" ص۱۳ میں حاکم کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔ مزید دیکھیے: الصحیحة حدیث ۱۷۶۱، الحدیث حجة بنفسه ص۶، مشکوٰۃ المصابیح ۱/۶۶ حدیث ۱۸۶۔

❶ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ بخاری ۹/۱۰۴: النکاح حدیث ۵۰۶۳، مسلم ۲/۱۰۲۰ النکاح، ایضًا حدیث ۱۴۰۱۔ اور اس حدیث میں ہے: لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، نماز (تہجد) ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جو میرے طریقے سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔

❷ "من احیٰی سنتی فقدا حبنی ومن احبنی كان معی فی الجنة" انس کی مرفوع وطویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ ترمذی نے اس کا ایک جزء بیان کیا ہے ۵/۴۶، العلم: باب ماجاء فی الاخذ بالسنة ......الخ حدیث نمبر ۲۶۷۸، طبرانی نے اوسط ۶/۳۶۲-۳۶۵ میں بیان کی ہے۔ اس کی سند میں علی بن زید ابن جدعان ضعیف ہے۔

البانی نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے: ضعیف سنن الترمذی ص ۳۱۷ حدیث نمبر ۵۰۱، ضعیف الجامع ۵۳۶۶، عقیلی نے انس سے ایک اور طریق سے بیان کی ہے۔ الضعفاء ۲/۳، ۳/۳۴۹۔ اور فرماتے ہیں کہ اس باب میں اس کے علاوہ نرم اسانید ہیں۔ (۲/۳)۔

❸ مسند احمد ۴/۸۰ یہ بھی ایک متواتر حدیث ہے۔

❹ صحیح مسلم ۲/۵۹۲، الجمعة، باب تخفیف الصلوٰة والخطبة، حدیث ۸۶۷، یہ بھی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔

❺ جس شخص نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیا تو اس سنت پر تمام عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کو ملے گا۔ ترمذی کی حدیث کا ایک جزء ہے ۴/۴۰۸، العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع، حدیث ۲۶۷۷ (تحقیق بشار عواد)، ابن ماجہ ۱/۷۶، المقدمة، باب من احیا سنة قد اُمیتت، حدیث ۲۰۹، ۲۱۰۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ضعیف سنن الترمذی ص ۳۱۷ حدیث ۵۰۰۔

۷۔ "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین". [1]
میرا اور میرے جانشینوں کا طریقہ لازم پکڑو۔

۸۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا حکم "لیبلغ الشاھد الغائب فَاِنّ الشاھِدَ عَسٰی اَن یبلّغ من ھو اَوْعٰی له منه" [2] حاضرین میری باتیں غائبین کو ضرور پہنچائیں کیونکہ بسا اوقات غائبین سامعین سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔

۹۔ اور مالک بن حویرث [3] کی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا: "ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم". [4] اور فرمایا: "صلوا کما رایتمونی اصلی". [5] نماز پڑھو جیسا مجھ کو پڑھتے دیکھا۔

تیسری وجہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابیوں کی محبت، ان کا اخلاص، ان کا جوش، ان کا شغف، ان چیزوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو رسول اللہ ﷺ کی ہر ادا کا شیدا بنا دیا تھا۔ یہ پچھلی وجہ دونوں مذکورۃ الصدور وجوہ کے ساتھ مل کر آگ میں روغن کا کام دے گئی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ شغف، یہ جوش اسی حد تک محدود تھا جس حد پر ان کو قرآن رکھنا چاہتا تھا۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی یہ خاص صفت ہے جس کو خواجہ حالی نے ان چند لفظوں میں ادا کیا ہے۔ ؎

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی	فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی	شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی

---

[1] پوری حدیث اس طرح ہے: "تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة"، عرباض بن ساریہؓ کی مشہور حدیث کا جزء ہے۔ ابوداؤد ۴/۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة حدیث ۴۶۰۷، الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ ترمذی ۵/۴۴، العلم، باب ماجاء بالاخذ بالسنة، حدیث ۲۶۷۶، ابن ماجه، المقدمة ۱/۱۶، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین حدیث ۴۲، ۴۳۔
یہ ایک صحیح حدیث ہے۔ تفصیل کیلیے ارواء الغلیل ۷/۱۰۷ حدیث ۲۴۵۵ کی طرف رجوع کریں، السنة لابن ابی العاصم ۲۷، ۳۱۔۳۴۔

[2] حجۃ الوداع کے موقع پر قربانی کے دن نبی ﷺ کے خطبے کا ایک ٹکڑا ہے۔ بخاری نے کئی ایک جگہوں پر اسے بیان کیا ہے۔ ۱/۱۵۷۔۱۵۸، العلم، باب قول النبی ﷺ رُبَّ مُبلّغ أوعٰی من سامع، حدیث ۶۷۔

[3] مالک بن حویرث لیثی اپنی قوم کے چند جوانوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور بیس دن تک قیام کیا۔ بخاری ۱۳/۲۳۱، اسد الغابة ۴/۲۴۴۔

[4] اس حدیث کو بخاری نے کتاب العلم ۱/۱۸۳ میں بیان کیا ہے۔ باب تحریض النبی ﷺ وفد عبدالقیس ......الخ۔ اسے اخبار الآحاد ۱۳/۲۳۱ حدیث ۷۲۴۶ میں مسند بیان کیا ہے، اس کے علاوہ بھی کئی ایک جگہوں پر مختصر اور مطول روایت کیا ہے۔ دیکھیے: تغلیق التعلیق ۲/۸۵۔

[5] بخاری ۲/۱۱۱ کی روایت کردہ مالک بن حویرث کی حدیث کا جزء ہے، الاذان، باب الاذان للمسافر، حدیث ۶۳۱، اور کتاب الآحاد جس کا بھی ذکر ہوا ہے، کے مذکورہ بالا مقام پر، اس کے اطراف کئی مقامات پر بیان ہوئے ہیں، دیکھیے: حدیث نمبر ۶۲۸۔
دوسرے محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ تفصیل کیلیے ارواء الغلیل ۱/۲۲۷ حدیث ۲۱۳ کی طرف رجوع کریں۔

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

معاذ بن جبلؓ کو جو شغف اور اخلاص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، محتاج بیان نہیں۔ حضرت معاذ کو رسول اللہ ﷺ کی مفارقت کسی طرح گوارا نہ تھی۔ معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت آپؐ نے فرمایا، معاذ! اب لوٹ کر آؤ گے تو مجھے نہ پاؤ گے۔ اس وقت معاذ کے قلبی اضطراب کا اندازہ ہمارے قیاس سے باہر ہے لیکن قرآن کے قطعی حکم **اطیعوا الرسول** نے معاذ کے اس دلی جذبہ اور قلبی جوش کو (جو ان کو مدینۃ الرسول اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو چھوڑ کر جانے کی کسی طرح اجازت نہیں دیتے تھے) جکڑ بند کر دیا اور چار و ناچار معاذ کو یمن جانا ہی پڑا۔ معاذ اپنی سواری پر یمن چلے تو سواری کا رخ یمن کی جانب تھا لیکن معاذ کا رخ مدینۃ الرسول کی جانب۔ سواری معاذ کو لے کر یمن چلی گئی لیکن معاذ کی آنکھیں، ان کا دل، ان کا دماغ مدینۃ الرسول کی در و دیوار سے وابستہ ہو کر رہ گیا۔ [1]

یہی شغف اور جوش اور اخلاص اصحاب رسول اللہ ﷺ سے ان کی صحبت میں تابعین نے سیکھا اور حدیثوں کا استحفاظ اس طرح ابتدائے اسلام سے جاری ہو گیا اور محافظین کی پہلی جماعت، صحابیوں کی جماعت تھی۔ اصحاب رسول اللہ جن کو خدا نے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا، جن کے قوت حافظہ کی نظیر آج دنیا میں ملنی امر محال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال وتقریرات کے دل دادہ ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں چھوڑتے۔ سفر و حضر، سوتے جاگتے، صحت، مرض ہر حالت میں آپؐ کی حرکات وسکنات، افعال و اقوال پر نگاہ رکھتے اور بنظرِ عمل دیکھتے۔ جب خلوت کا وقت ہوتا، اس وقت کی نگہبان بیبیاں تھیں۔ ایک چھوڑ نو بیبیاں تھیں۔ اور آپؐ کا مکان حقیقت میں تعلیم نسواں کا ایک زنانہ مدرسہ تھا اور امہات المومنین رسول اللہ ﷺ کی ازواج اس کی طالبات تھیں۔ جن کے معلم خود جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔ عورتیں اسلامی احکام کی شائق ویسی ہی تھیں جیسے آپؐ کے اصحاب۔ [2] ان میں سب سے بڑھا ہوا نمبر حضرت عائشہؓ کا تھا جن کا شمار فقہائے مجتہدین میں کیا گیا ہے اور محدثین ان کے مذہب کو اور مجتہدین کے مذہب کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ غرض کوئی قول وفعل رسول اللہ ﷺ کا یا وہ کام جو آپ کے سامنے کیا گیا اور آپؐ نے اس سے انکار نہ

---

[1] البدایة والنهایة ۱۰۰/۵۔ حدیث مذکور کو امام احمد نے مسند ۲۳۵/۵ میں یوں بیان کیا ہے "ان معاذا لما بعثه النبی ﷺ خرج الی الیمن معه النبی ﷺ یوصیه ومعاذ راکب ورسول الله ﷺ یمشی تحت راحلته فکلما فرغ قال: یامعاذ! انك عسى ان لا تلقانی بعد عامی هذا۔ ولعلك تمر بمسجدی وقبری" فبکیٰ معاذبن جبل جشعًا لفراق رسول الله ﷺ"۔ الحدیث ہیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد نے دوسندوں سے بیان کیا ہے۔ دونوں کے راوی رجال الصحیح ہیں سوائے راشد بن سعد اور عاصم بن حمید کے، اور یہ بھی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ۲۲/۹)۔ شیخ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے اور فقہ السیرۃ ص ۴۸۵ میں اسے روایت کیا ہے۔ مزید دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۴۴۸/۱۔

[2] علاوہ دوسری مصلحتوں کے ایک ضروری مصلحت رسول اللہ ﷺ کے تعدد ازواج کی یہ تعلیم امت بھی تھی جو بغیر اس کے ممکن نہ تھی بالخصوص وہ احکام شرعیہ جو عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ [مؤلف]

فرمایا یا وہ بات جو آپؐ کے سامنے کسی نے کہی اور آپؐ نے انکار نہ فرمایا، ایسا نہ تھا کہ آپؐ کے اصحاب یا کسی صحابیہ یا آپ کی بیبیوں کے صفحات قلب پر پتھر کی لکیر کی طرح کندہ نہ ہو گیا ہو۔

جو صحابی فاصلے پر سکونت پذیر ہوتے، انھوں نے اس کام کے لیے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ دو آدمیوں میں باہم معاہدہ [1] ہو جاتا کہ ایک رات تمام دن تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہو اور جو سیکھو، جو دیکھو مجھے آ کر سکھاؤ، سناؤ، بتاؤ۔ دوسرے دن یہی فرض میں انجام دوں گا۔ جس کو ایک بات بھی دربار رسالت کی مل گئی یا ایک لمحہ کے لیے جس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا تو وہ اس بات یا اس حالت کو جس میں آپ کو دیکھا تھا، ایسا یاد رکھتا کہ کبھی اس کے صفحہ دل سے مٹ نہیں سکتی تھی۔ اس کا بار بار اعادہ کرتا اور ایسی حفاظت کرتا کہ شاید سلطان وقت اپنے خزانے کی یا ایک مفلس اپنے ایک درہم کی ایسی حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایک صحابی [2] نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ آپ کے کرتے کا تکمہ (بٹن) کھلا ہوا تھا۔ اس صحابی نے عمر بھر تکمہ کھلا رکھا۔ [3]

---

[1] جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عوالی مدینہ میں سکونت پذیر تھے، آپ نے ایک انصاری صحابی کے ساتھ یہ بندش کی تھی، جو بہت دور کے رہنے والے ہوتے جمعہ کے جمعہ آتے۔ [مؤلف]

[2] یہ قرہ بن ایاس مزنی ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد کے الفاظ ہیں: **معاویۃ بن قرۃ اخبرنا ابی قال اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی رھط من مزینۃ...... الخ**۔ یعنی معاویہ بن قرہ کہتے ہیں میرے باپ نے ہمیں خبر دی کہ میں مزینہ قبیلے کی ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو ہم نے آپ کی بیعت کی تو اس وقت آپ کی قمیص کے بٹن کھلے تھے تو بیعت کرنے کے بعد میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص میں داخل کیا تو میرا ہاتھ آپ کی ختم نبوت پر جا لگا۔ عروہ تابعی کا بیان ہے کہ میں نے معاویہ اور اس کے بیٹے کو سردی اور گرمی میں کھلے بٹن ہی دیکھا وہ کبھی بھی بٹن بند نہیں کرتے تھے۔ سنن ابی داؤد ۱۱/۱۳۴، ۱۳۵۔ (نظر ثانی کنندہ)
اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ **صحیح سنن ابی داؤد ۲/۷۶۹، حدیث ۳۴۴۰. صحیح سنن ابن ماجہ ۲/۲۷۸، حدیث ۲۸۷۹.** اور **مختصر شمائل ترمذی ص ۴۷ حدیث ۴۸**۔

[3] رسول اللہ ﷺ کی ہر ادا جاگتے سوتے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے مجلس تنہائی حدیث میں داخل ہے۔ جس کو زیادہ شرف صحبت حاصل تھا وہ زیادہ حدیث دان تھا گو اس نے روایت نہ کی یا کم روایت کی جیسے حضرت ابوبکرؓ۔ پس اہل کوفہ کو حضرت ابوبکر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قدر معیت وصحبت آنحضرت ﷺ کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نصیب ہوئی اس قدر کسی اور صحابی کو نصیب نہ ہوئی۔ لہٰذا جس قدر فیض نبوی سے وہ مستفیض ہوئے دوسرے لوگ مستفیض نہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ وغیرہ جو لوگ کثیر الروایت تسلیم کیے گئے ہیں ان کے علم کو بھی حضرت ابوبکر صدیق کے علم سے کوئی مناسبت نہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کو منہاج السنۃ میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ پس قلت روایت میں امام ابوحنیفہؒ یا دیگر آئمہ کوفہ کو حضرت ابوبکرؓ پر قیاس کرنا صریح ظلم ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا علم الاحادیث میں سب پر فائق ہونا یقینی اور مسلم ہے، یہاں آئمہ کوفہ کا علم الحدیث متنازع فیہ مشکوک وموہوم، ثبوت طلب ومحتاج اثبات۔ پس آئمہ کوفہ قلت روایت میں حضرت ابوبکرؓ پر کیونکر قیاس کیے جاسکتے ہیں اور کیوں کر کہا جاسکتا ہے: ''**فمرتبتہ فی قلۃ الروایۃ مرتبۃ الصدیق**''۔ اگر ایسے ہی قیاس کرنا ہے تو ہر قلیل الروایۃ کو قلت روایت میں حضرت ابوبکرؓ پر قیاس کر سکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ فاضل لکھنوی مولانا عبدالحی صاحب نے بھی حمایۃً للامام اس قیاس کے لکھنے میں تامل نہ فرمایا حالانکہ یہ صریح توہم ہے۔ [مؤلف]

یہ امر مسلم ہے کہ اسباب استحفاظ میں دو سبب نہایت قوی ہیں:

اولاً: عام خلق اللہ کی گرویدگی۔

ثانیاً: سلطنت کی ضرورت اور اس کی مجبوری۔ یہ دونوں اسباب علم حدیث کے لیے موجود تھے۔ ہم دونوں میں کچھ تفصیل سے کام لینا غیر مناسب نہیں سمجھتے۔

سلطنت کی توجہ اور اس کی ضرورت اور مجبوری کی وجہ تو نہایت ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ ہے، اول اول حدیثوں کے استحفاظ پر اس طرح مجبور کیا کہ خلیفہ کے فرائض میں احکام شرعیہ نافذ کرنا، حدود شرعیہ جاری کرنا، خصومات کے فیصلے کرنا اور مسائل بتانا داخل تھا۔ نئی نئی صورتیں پیش آتی ہیں۔ خلیفہ وقت کی معلومات کو کامیابی نہ ہوتی، وہ مسئلہ آیات قرآنی سے شفاف طریقہ پر مستنبط نہ ہوتا -- اور قیاس سے (جو آئندہ چل کر اہل کوفہ کا مایہ ناز بن گیا) نہایت نفرت تھی -- تو ایسی صورت میں علی العموم صحابہ میں اعلان کر دیا جاتا اور محضر صحابہ میں وہ مسئلہ یا فیصلہ طلب امر پیش کیا جاتا اور ایک ایک صحابی سے پوچھا جاتا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی قول و فعل یا تقریر دربار رسالت کی معلوم ہو تو بیان کرے۔ اگر کسی نے بیان کیا تو نہایت تشدد سے کام لیا جاتا اور بڑی سختی سے جرح کے سوالات کیے جاتے تا کہ وہم و شک اور تساہل کی گنجائش نہ رہے۔

پہلا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا تھا۔ صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ ؐ کس مقام پر دفن کیے جائیں۔ ابوبکر صدیق ؓ نے حدیث روایت کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ نبی جہاں انتقال کریں، وہیں دفن کیے جائیں۔ [1] آخر اسی پر فیصلہ ہو گیا۔ اسی طرح حضرت عمر ؓ نے شام کا سفر کیا اور مقام سرغ [2] میں پہنچے تو اجناد [3] کے امراء (کمانڈران) سے ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے شام میں شدت طاعون کی خبر دی۔ [4] حضرت عمر ؓ نے مہاجرین کو جمع کیا اور طاعون کی شدت کی خبر دے کر پوچھا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں سے

---

[1] یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو امام ابن ماجہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کے قصے میں روایت کی ہے۔ ۵۲۱/۱، الجنائز، باب ذکر وفاته و دفنه صلی الله علیه وآله وسلم حدیث نمبر ۱۶۲۸۔ اوپر مذکور الفاظ سنن ابن ماجہ کے ہیں اور یہ ترمذی نے بھی روایت کی ہے: کتاب الجنائز باب ۳۳، جلد ۳ ص ۳۳۸ حدیث نمبر ۱۰۱۸، اور ابن ماجہ اور ترمذی کی اسناد میں ضعف ہے لیکن اس کا متن سابقہ طرق اور شواہد کی بنا پر ثابت ہے جیسا کہ البانی کی احکام الجنائز ص ۱۷۴ طبعہ مکتبۃ المعارف ریاض میں ہے۔

[2] یہ حجاز کی ابتداء اور شام کے اختتام پر تبوک کے قریب ایک شہر ہے۔ اس شہر اور مدینہ کے درمیان تیرہ مراحل کا فاصلہ ہے۔ دیکھیے: معجم البلدان ۲۱۲/۳ اور فتح الباری ۱۸۴/۱۰۔

[3] اجناد جند کی جمع ہے اور یہ کئی شہروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ [مؤلف] میں کہتا ہوں کہ اصل اردو میں ''اجنادین'' تھا۔ مؤلف کتاب نے اسے صحیح بخاری سے نقل نہیں کیا، بخاری میں اجناد ہے۔ دیکھیے: فتح الباری ۱۸۴/۱۰ اور معجم البلدان ۱۰۳/۱۔

[4] یہ واقعہ ۱۸ ہجری ربیع الثانی میں پیش آیا اور یہ سال طاعون عمواس کے سال سے معروف ہے۔ فتح الباری ۱۸۴/۱۰ اور تاریخ طبری ۲۲۲/۳ (نظر ثانی کنندہ)

پلٹ جانا چاہیے کیونکہ آپ کے ساتھ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان کا ضائع کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے لوگوں نے کہا، واہ! تن بتقدیر، جس کام کے لیے ہم آئے ہیں، اس سے منہ موڑنا مناسب نہیں۔ غرض دونوں نے قیاس سے کام لیا اور دونوں میں اختلاف پیدا ہوا تو حضرت عمرؓ نے انصار کو طلب کیا۔ انھوں نے بھی اپنے اپنے قیاسات دوڑائے۔ آخر تشفی نہ ہوئی۔ عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کام کو گئے ہوئے تھے، آئے تو حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس زمین میں طاعون ہو، وہاں مت جاؤ اور جس زمین میں تم موجود ہو، اگر وہاں طاعون موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو۔ آخر اس حدیث کے سننے سے فیصلہ ہو گیا اور حضرت عمرؓ لوٹ آئے۔ [1]

خود خلیفۂ وقت کو حدیث معلوم ہوتی اور اس حدیث کی بنا پر فیصلہ کرتے تو اس حدیث کو محضرِ صحابہ میں بیان کرتے۔ اس سے بھی حدیث کی عام طور پر اشاعت ہو جاتی۔ حضرت ابوبکرؓ سے ان کی خلافت کے زمانہ میں جس وقت رسول اللہ ﷺ کے ترکہ کی نسبت سوال کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے محضرِ صحابہ میں قسم دے کر سوال کیا کہ بھلا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقة"۔ سب نے بالاتفاق کہا، ہاں۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری ۱۷۹/۱۰، کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون حدیث ۵۷۲۹۔

[2] ہم انبیاء کی جماعت ہیں۔ ہمارا ترکہ نہیں بٹتا۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ مصنف نے یہ حدیث اسی طرح ذکر کی ہے اور اس کی نسبت کسی خاص مصدر کی طرف نہیں کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس موضوع میں حدیث تو بخاری کتاب فرض الخمس باب فرض الخمس حدیث نمبر ۳۰۹۳ وغیرہ جگہوں میں ہے، مثلاً دیکھیے: حدیث: ۳۷۱۲، ۴۰۳۶، ۴۲۴۱، ۶۷۲۶ میں "لا نورث ما ترکنا صدقة" ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد ۱۲ ص ۸ پر کہا ہے کہ اہل اصول وغیرہ کی کتب میں جو یہ حدیث "نحن معاشر الانبیاء لا نورث" الفاظ کے ساتھ مشہور ہوگئی ہے، اس کا آئمہ حدیث کی ایک جماعت نے انکار کیا ہے کیوں کہ اس میں لفظ "نحن" وارد ہوا ہے، ہاں سنن نسائی میں یہ حدیث "انا معاشر الانبیاء لا نورث" الفاظ کے ساتھ ہے اور مسند حمیدی میں بھی ہے انتھی۔

اور جس شخصیت نے صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر اس حدیث کے متعلق پوچھا تھا وہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ انہیں کے دور میں اٹھایا گیا تھا اور یہ مسئلہ بھی علی اور عباس اٹھا لائے تھے اور اس مجلس میں عثمان، عبدالرحمن بن عوف، زبیر، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے اور ان سب نے علی اور عباس سمیت اعتراف کیا تھا کہ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ بخاری ۱۹۷/۶ کتاب فرض الخمس حدیث نمبر ۳۰۹۴۔

اور امام احمد نے مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے عبدالرحمن، طلحہ، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم کو کہتے سنا کہ: ہم تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں جس کے حکم کے ساتھ آسمان و زمین قائم ہے، کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ہمارا وارث کسی کو نہیں بنایا جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں ہمیں معلوم ہے۔

ابن کثیر نے کہا یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر ہے، البدایۃ والنھایۃ ۲۸۸/۵۔ اور دیکھیے: مسند احمد ۲۰۸/۱، ۲۰۹۔ اس میں پورے الفاظ ہیں اور اس مقام پر ابن کثیر نے اس حدیث کے بہت سے الفاظ اور طرق ذکر کیے ہیں۔ رہا اس حدیث کا اصل متن یعنی "لا نورث ما ترکنا صدقة......الخ" تو یہ متعدد صحابہ سے وارد ہوا ہے اور میں نے اس کے بعض طرق اور اسانید کا ذکر اپنی سنن ابی داؤد "کتاب ←

اسی طرح حضرت عثمان پر مسجد نبوی کی توسیع اور اس کو توڑ کر مضبوط بنانے پر اعتراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: "**من بنی مسجداً لِلّٰہِ بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ**"۔ [1] جس نے خدا کے لیے کوئی مسجد بنائی، خدا اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

یہ اہتمام سلطنت کا حدیث نبوی کے ساتھ تدوین کے زمانہ تک برابر جاری رہا اور جس قدر خلفاء گزرے، ایک نے ایک سے بڑھ کر تشدد سے کام لیا۔ اگرچہ بحث کے طویل ہونے کا اندیشہ ہے تاہم کچھ تفصیل سے کام لینا ضروری ہے کیونکہ آج آزاد خیال مسلمان جن کو قرآن کی ترمیم کا بھی خیال پیدا ہو گیا ہے، بڑھتے جاتے ہیں۔ حدیثوں کے ساتھ جیسا ان کا خیال ہے، ظاہر ہے۔ اسی کی ایک شاخ فرقہ اہل قرآن ہے جو حدیثوں کے ساتھ شکوک پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتا۔ اس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے افعال و اقوال کی کوئی وقعت نہیں۔ اپنے جی سے قرآن کے مطلب کو جیسا چاہتا ہے، لگا لیتا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی بیان کرتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ حج وغیرہ۔ ایک تیسرا فرقہ جامدین علی تقلید کا ہے جو اپنے آئمہ کے اقوال کو وحی آسمانی جانتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے ساتھ یہ لوگ عجیب و غریب باتیں بناتے ہیں۔ کبھی تاویل کرتے ہیں، کبھی تشکیک، کبھی انکار، کبھی دعوائے نسخ، کبھی دعوائے اضطراب، غرض جہاں جیسا موقع مل گیا، بات بنا دی۔

ہم یہاں خاص رسول اللہ ﷺ کے خلفاء کا اہتمام فن حدیث کی نسبت نقل کرتے ہیں جس سے حدیث کی تدوین اور اس کے مہتم بالشان ہونے کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ [امام دارمی فرماتے ہیں] [2]

"اخبرنا محمد بن الصلت ثنا زھیر عن جعفر بن برقان ثنا میمون بن مھران قال: کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ، فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ، وان لم یکن فی الکتاب و علم من رسول اللہ ﷺ فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ، فان اعیاہ خرج فسأل المسلمین و قال اتانی کذا وکذا، فھل علمتم ان رسول اللہ ﷺ قضی فی ذلک بقضاءٍ؟ فربما اجتمع الیہ النفر کلھم یذکر من رسول اللہ ﷺ فیہ قضاءً، فیقول ابوبکر: الحمد للہ

← الفرائض باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الاموال" کی تخریج میں احادیث نمبر ۲۹۶۳، ۲۹۶۴، ۲۹۶۸، ۲۹۶۹ میں کر دیا ہے۔

اور اس حدیث کو سیوطی اور زبیدی نے متواتر احادیث میں شمار کیا ہے۔ زبیدی نے کہا ہے کہ اس کو تیرہ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ پھر ان کے نام بتائے ہیں، دیکھیے: "قطف الازھار المتناثرۃ" ص ۲۷۳ حدیث ۱۰۰، لقط اللالی المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ ص ۸۸، حدیث ۲۶، نظم المتناثر من الاحادیث المتواتر ص ۲۴ حدیث ۲۷۔

[1] بخاری ۱/۵۴۴، کتاب الصلوۃ باب من بنی مسجدا حدیث ۴۵۰ مسلم ۱/۳۷۸، کتاب المساجد باب فضل بناء المساجد والحث علیھا، حدیث ۵۳۳ وغیرھما۔

[2] دارمی کا ذکر عربی میں ترجمہ کرنے والے محقق کی طرف سے ہے مقام کا تقاضا یہی ہے۔

الذی جعل فینا من یحفظ علی نبینا، فان اعیاہ ان یجد فیہ سنۃً من رسول اللہ ﷺ جمع رؤُسَ الناس و خیارھم فاستشارھم،فاذا اجتمع رأیھم علی امر قضی بہ"۔ (۱)

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کے زمانۂ خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابوبکر پہلے قرآن میں غور کرتے۔ اگر قرآن میں فیصلہ مل گیا تو فیصلہ دے دیتے۔ قرآن سے فیصلہ نہ مل سکا تو اپنی معلومات احادیث میں غور کرتے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ مل گیا تو اس پر فیصلہ کر دیتے۔ اگر اس میں بھی مجبور رہتے تو عام طور پر منادی کراتے کہ ہمارے پاس اس قسم کا مقدمہ پیش ہے، کیا آپ صاحبوں کو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی فیصلہ معلوم ہے۔ بسا اوقات اس عام منادی سے جن کا حاضر ہونا ممکن ہوتا، جمع ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بیان کرتے۔ یہ سن کر ابوبکر صدیق خدا کا شکر ادا کرتے کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ کی باتوں کے یاد رکھنے والے موجود ہیں۔ اگر اس پر بھی غیر ممکن ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لیتے۔ جس پر اتفاق ہوتا، اس پر فیصلہ کر دیتے۔

حضرت عثمانؓ (۲) اور حضرت علی (۳) عام صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتے: کیا تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا وضو نہ

---

(۱) سنن دارمی ۱/۵۸ اور حافظ ابن القیم نے یہ ابوعبید کی کتاب القضاء سے بطریق کثیر بن ہشام بن جعفر بن برقان ذکر کیا ہے۔ (اعلام الموقعین ۱/۶۲)۔

(۲) وضو کے بارے میں عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری وغیرہ نے عثمان کے آزاد کردہ غلام حمران سے روایت کی ہے کہ حمران نے عثمان کو پانی منگواتے دیکھا پھر انھوں نے تین دفعہ اپنی ہتھیلیوں پر ڈالا تو ان کو دھویا...... الخ پھر آخر میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو میرے اس وضو کی طرح وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے گا اور اپنے دل میں کوئی اور بات نہیں لائے گا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ بخاری ۱/۲۵۹ :کتاب الوضوء: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا حدیث ۱۵۹ اور دیگر مقامات۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ کوئی کام کر کے دکھا کر تعلیم دینا بہت اچھا ہے کیوں کہ یہ متعلم کے لیے بہت مؤثر اور یاد رکھنے کا ذریعہ ہے، فتح الباری ۱/۲۶۱۔

اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مقاعد پر وضو کیا پھر فرمانے لگے لوگو! میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں؟

ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چند صحابہ کرامؓ تھے۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۰۷ کتاب الطھارۃ باب فضل الوضوء والصلوۃ عقبہ حدیث ۲۳۰

(۳) وضو کے طریقے میں علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابوداؤد ۱/۲۹ نے نکالا ہے۔ کتاب الطھارۃ: باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحدیث ۱۱۷۔ اس میں یہ بھی ہے کہ علی نے کہا: اے ابن عباس! کیا میں تجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا طریقہ نہ بتاؤں؟...... الخ۔ شیخ البانی نے اس کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: صحیح سنن ابی داؤد ۱/۵ حدیث نمبر ۱۰۸۔

اور ابوداؤد حدیث ۱۱۶ اور ترمذی کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حدیث ۴۸ ابوحیہ ←

دکھاؤں؟ یہ کہہ کر بے ضرورت محض تعلیماً وضو کر کے دکھاتے۔ مالک بن حویرثؓ یہ کہہ کر صحابہ کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :"أَلا أُنَبِّئُكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟" کیا آپ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ دکھاؤں؟ پھر پڑھ کر دکھاتے ہیں۔ ❶ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے کہ لوگ کہتے ہیں: ابو ہریرہ نے تو بہت سی حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے بیان کیں، میں کیوں نہ زیادہ بیان کروں کیونکہ میں تو اسی کام کے لیے بیٹھا رہتا تھا، پیٹ بھرنے کی فکر بھی تو مجھے نہ رہتی تھی، میں تو اسی کام کے لیے وقف تھا۔ ❷

عام صحابہ کی یہ حالت بھی کہ جب کسی کو حدیث کے خلاف کرتے دیکھتے، فی الفور ٹوک دیتے اور کہہ دیتے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول وفعل اس بارے میں یوں ہے۔ اگر خلیفۂ وقت بھی کوئی کام کرتے تو دوسرے صحابی روکنے کے لیے تیار رہتے۔ ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو پڑھ کر اعتراض کر دیا: "کیف تقاتل الناس و قد قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ". ❸ بعض اصحاب کی یہ حالت تھی کہ خلاف قول وفعل رسول دیکھ کر رونے لگتے۔

عورتوں کی بھی یہ حالت تھی کہ خلیفۂ وقت کو خلاف حدیث فیصلہ کرتے ہوئے دیکھ کر ٹوکنے کے لیے مستعد ہو جاتیں۔ فاطمہؓ بنت قیس نے خلیفہ عمرؓ کی جبروتی سلطنت کے باوجود بھی ان کے فیصلہ پر اعتراض کر دیا اور خلیفۂ وقت نے

← کے طریق سے کہ میں نے علی کو وضو کرتے دیکھا......الخ پھر آخر میں انھوں نے فرمایا کہ میں نے پسند کیا کہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا طریقہ بتاؤں۔
اور یہ حدیث نسائی میں بھی ہے جلد ۱ ص ۷۰ کتاب الطھارۃ باب عدد غسل الیدین اور یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ صحیح سنن ابی داؤد ۱/۲۵ حدیث ۱۰۷ میں ہے۔

❶ صحیح بخاری ۲/۳۰۰ کتاب الاذان باب المکث بین السجدتین حدیث ۸۱۸۔
اور دوسری جگہ میں ہے کہ ابو قلابہ نے کہا ہمارے پاس ہماری اس مسجد میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے کہا میں نماز پڑھنے کا ارادہ تو نہیں رکھتا لیکن میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھانا چاہتا ہوں جس طرح میں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ بخاری میں ہے: کتاب الاذان باب من صلی بالناس وھو لا یرید الا ان یعلمھم صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و سنتہ، حدیث ۶۷۷۔
ابو داؤد ۱/۲۲۲ کتاب الصلوۃ باب النھوض فی الفرد، اور نسائی ۲/۲۳۳، ۲۳۴، کتاب الصلوۃ: باب الاستعداد للجلوس...... الخ اور دیگر مصادر بھی دیکھیے۔

❷ صحیح بخاری ۱/۲۱۳، ۲۱۴ کتاب العلم باب حفظ العلم حدیث ۱۱۸ اور اس حدیث کے اطراف بھی وہیں دیکھیے

❸ صحیح بخاری کے چند مقامات میں ہے جلد ۳/۲۶۲ کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکاۃ حدیث ۱۳۹۹، مسلم ۱/۵۱، ۵۲ باب الامر بقتال الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللہ ......الخ حدیث ۲۰۔ یہ موقف عمر رضی اللہ عنہ کا شروع شروع میں تھا لیکن بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف کو انھوں نے قبول کر لیا تھا۔

قرآن کی مخالفت کا الزام ان کی حدیث پر لگایا تو ہوشیار صحابیہؓ نے مخالفت کو موافقت سے بدل کر سمجھا دیا۔ ❶

❶ جب فاطمہ بنت قیسؓ کے خاوند نے انہیں تیسری بار طلاق دی تھی تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ''اب تیرے لیے نان ونفقہ اور رہائش (تیرے خاوند کے ذمہ) نہیں ہے''۔

اور فاطمہ کا یہ قصہ بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے۔ بخاری ۴۷۷/۹ کتاب الطلاق باب قصة فاطمة بنت قيس حديث ۵۳۲۱۔ ۵۳۲۸۔ صحیح مسلم ۱۱۱۴/۲، ۱۱۲۱ کتاب الطلاق: باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها حدیث ۱۴۸۰، ۱۴۸۲۔ مسلم میں اس قصہ میں یہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ہم ایک عورت کی بات پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑیں گے۔ نا معلوم اس نے یاد رکھا یا وہ بھول گئی۔......الخ

رہا فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اس کے علاوہ دوسروں کے درمیان مناقشہ اور سوال وجواب تو وہ مروان بن حکم کے امیر مدینہ بننے کے دنوں میں جاری ہوا تھا۔ وہ بھی مسلم کی ایک روایت میں موجود ہے ۱۱۱۷/۲/ ۴۱ اور مسند احمد ۴۱۵/۶۔ اس میں یہ ہے کہ مروان نے کہا کہ ہم نے یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی ہے ہم تو اسی طریقے کو لازم پکڑیں گے جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ فاطمہ کو جب مروان کی بات پہنچی تو اس نے کہا میرے اور تمہارے درمیان قرآن ہے (قرآن میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''(لاتخرجوهن من بيوتهن، الا ية یعنی ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ فاطمہ نے کہا کہ یہ حکم رجعی طلاق والی عورت کا ہے کیوں کہ آیت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ''لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا'' تجھے کیا معلوم کہ شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق) کے بعد کوئی اور نیا امر پیدا کر دے۔ تو تین طلاقوں کے بعد کون سا امر ہے جو پیدا کرے؟ یعنی رجعی طلاق میں تو رجوع کا امکان ہوتا ہے کہ اللہ اس کے خاوند کے دل میں اس کی محبت ڈال دے اور وہ نادم ہو کر رجوع کرے لیکن تین طلاقیں پوری ہونے کے بعد رجوع کا امکان نہیں ہوتا اس لیے خاوند کے ذمہ اس کا سکنی (رہائش) نہیں۔ پھر تم لوگ کس طرح کہتے ہو کہ اس کے لیے نان ونفقہ نہیں جبکہ وہ حاملہ نہ ہو؟ تو تم اسے کس لیے روکتے ہو؟ یعنی نان ونفقہ بھی نہیں دیتے تو پھر کیوں روکتے ہو) اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

اس مسئلہ میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد ۵۲۲/۵ میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر وارد ہونے والے شبہات کا رد بھی کیا ہے۔ فتح الباری ۴۸۱/۹ بھی دیکھ لی جائے۔

اس سلسلہ میں ایک مشہور ترین قصہ ہے کہ خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ منبر رسول پر خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ میں انھوں نے لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ عورتوں کے حق مہر کس قدر زیادہ کیے جا رہے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام کے حق مہر آپس میں چار سو درہم یا اس سے کم ہوتے تھے۔ اگر حق مہر زیادہ کرنا اللہ کے نزدیک تقویٰ اور عزت کا سبب ہوتا تو وہ ضرور تم لوگوں سے پہلے کرتے۔ گویا وہ چار سو سے زیادہ سے روک رہے تھے۔ پھر منبر سے اترے تو ایک قریشی عورت نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ چار سو سے زائد حق مہر سے لوگوں کو روک رہے ہیں؟ انھوں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا: ''اور تم نے ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دیا ہو (تو وہ بھی طلاق دیتے وقت واپس نہ لو)'' یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ مجھے بخش دے، سب لوگ عمر سے زیادہ مسائل جاننے والے ہیں؟ پھر منبر کی طرف واپس چلے گئے اور کہنے لگے: لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ حق مہر دینے سے روکا تھا، اب جو جتنا دینا چاہے دے سکتا ہے۔ ابو یعلی نے کہا میرا خیال ہے کہ انھوں نے یہ کہا تھا کہ اپنے دل کی خوشی سے جتنا دینا چاہے دے سکتا ہے۔ المقصد العلی ۳۳۴/۲ حدیث ۷۵۷، اتحاف الخيرة المهرة ۵۵/۵ حدیث ۴۴۲۱، ۴۴۲۲، المطالب العالية (المسندة) ۱۵۴/۲ حدیث ۱۵۸۰ بطريق مجالد بن سعيد عن الشعبي عن مسروق ۔ اور الفقيه والمتفقه ۳۷۰/۱ حدیث ←

حضرت بریرہؓ کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ نے تین باتیں بیان فرمائی تھیں۔ [1] وہ باتیں بریرہؓ کے لیے مایہ فخر تھیں۔ بریرہؓ اُن کو فخریہ بیان کرتیں۔ گویا اس وقت بجز قول وفعل رسول اللہ ﷺ کوئی بات قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتی تھی۔ امیر معاویہؓ ہیں کہ شام سے مغیرہؓ بن شعبہ کو لکھ رہے ہیں کہ کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ کی مجھے لکھ بھیجو۔ [2] ادھر حجاج بن یوسف کا ماتحت مکہ پر فوج بھیج رہا ہے تو موجود صحابہؓ اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کو رسول اللہ ﷺ کا فتح مکہ کا خطبہ سناتے ہیں۔ [3] وہ حدیث کا انکار نہیں کرتا نہ صحابی کو غلط گو کہتا ہے لیکن حدیث کا مطلب بدل دیتا ہے۔ ہر ایک صحابی

← ۱۷۱ طبعہ دار ابن الجوزی، سنن سعید بن منصور ۱۹۵/۳ حدیث ۵۹۸، سنن کبریٰ بیہقی ۲۳۳/۷، ذم الکلام للهروی ۱۴۷/۲ حدیث ۲۹۷ بطریق مجالد عن الشعبی۔ شعبی نے کہا ہے کہ عمر نے خطبہ دیا...... الخ اور اس اسناد میں مسروق کا ذکر نہیں کیا۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ منقطع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں سندوں میں مجالد بن سعید ضعیف راوی ہے۔ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور آخر عمر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ (تقریب) اور علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اسے ابویعلی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ہے جس میں ضعف ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ۲۸۴،۸۳/۳، حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کی سند جید قوی ہے تفسیر ابن کثیر ۴۹۳/۱ سورۃ النساء آیت ۲۰)۔

میں کہتا ہوں اسے عبدالرزاق نے اپنے مصنف ۱۸۰/۶ میں حدیث ۱۰۴۲۰ میں ایک دوسری مختصر سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اور اس میں قیس بن ربیع اسدی راوی ہے اور وہ صدوق ہے اسے بڑھاپے میں تغیر لاحق ہو گیا تھا اور اس کے بیٹے نے اس پر ایسی احادیث داخل کر دی تھیں جو اس کی نہیں تھیں تو وہ بھی اس نے بیان کر دی تھیں۔ یہ راوی استشہاد کے قابل ہے۔

باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ دینا یعنی اس عورت کے اعتراض کے ذکر کے بغیر تو وہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں ان دونوں سندوں کے بغیر موجود ہے۔ سنن ابی داؤد ۲۳۵/۲ حدیث ۲۱۰۶۔

[1] یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ کی ذات کی وجہ سے دین کے تین مسئلے ثابت ہوئے ہیں۔

(الف) اس کے مالکوں نے اسے بیچنا چاہا تھا اور اس کی ولاء کے اپنے لیے ہونے کی شرط لگائی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آپ نے فرمایا: تو اسے خرید کر آزاد کر دے کیوں کہ ولاء تو آزاد کرنے والے کو ہی ملتی ہے۔

(ب) آزاد ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اختیار دیا تھا کہ وہ اپنے خاوند مغیث کے عقد میں رہنا چاہے یا نہ رہنا چاہے کوئی گناہ نہیں تو اس نے اس کے عقد میں نہ رہنا اختیار کر لیا تھا۔

(ج) لوگ اس پر صدقہ وخیرات کرتے تھے وہ اس میں سے ہم کو ہدیہ دے دیا کرتی تھی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آپ نے فرمایا یہ بریرہ پر صدقہ ہے اور تمہارے لیے ہدیہ ہے تم اسے کھا لو۔ صحیح مسلم ۱۱۴۳/۲۔ (محقق)

[2] اس حدیث کے لفظ یہ ہیں: معاویہ نے مغیرہ کی طرف خط لکھا کہ مجھے جوابی خط میں یہ لکھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد کون سی دعا پڑھتے تھے الخ صحیح بخاری ۵۱۳،۵۱۲/۱۱ اور صحیح مسلم ۴۱۵/۱ (محقق)

[3] امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوشریح عدوی سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے عمرو بن سعید کو کہا (جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر بھیجتا تھا) اے امیر! مجھے اجازت دو میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے اگلے دن بیان کی تھی۔ اس حدیث نبوی میں ←

دوسرے صحابی کی معلومات کا دل دادہ ہے۔ اور اس شوق میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے جس کی حدود پایاں نہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ صحابی ہیں لیکن اکابر صحابہ کے دروازہ پر صبح سے دوپہر تک صرف اس غرض سے بیٹھتے ہیں کہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات بیان کریں گے۔ ❶

تابعین کا جوش رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو سننے کے لیے اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ہمہ وقت صحابی کی تلاش میں ہیں۔ ایک صحابی مل جاتے ہیں اور ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور ایک حدیث سن لینے پر گوہر شاہوار کی طرح محفوظ رکھتے ہیں۔ تابعین کے زمانہ میں جب کوئی بزرگ صحابی عالم کہیں پہنچ جاتا تو تابعین اور شائقین علم کا اس کے گرد ازدہام ہو جاتا اور سب کا دل یہی چاہتا کہ کسی طرح ساری حدیثیں ان کی مجھے آ جائیں۔

علامہ ذہبی **تذکرۃ الحفاظ** میں ابودرداء صحابی کے حالات میں **لیث بن سعد عن فلان** کے طریق سے لکھتے ہیں:

"**رایت ابا الدرداء دخل المسجد و معه من الاتباع مثل ما یکون مع السلطان وهم یسألون عن العلم**". ❷ (ایک تابعی کہتے ہیں کہ) میں نے ابودرداء کو دیکھا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ تابعین کی ایک جماعت تھی جس طرح بادشاہ وقت ہوتا ہے، لوگ ان سے علم نبوی کا سوال کر رہے تھے۔

صحابہؓ کی ایک جماعت ❸ ابن عباس کے غلام کریب کو ام المومنین بی بی عائشہؓ کے پاس اس غرض سے بھیجتی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی ان سنتوں کو بیان کیجیے جو بعد عصر پڑھا کرتے تھے۔ وہ کہتی ہیں، مجھ سے اچھا اس کو ام سلمہ جانتی ہیں کیونکہ یہ انہیں کے گھر کا واقعہ ہے اس لیے اُنہیں کے پاس جاؤ۔ ❹

حضرت عمر کی جبروتی سلطنت اور منتظم خلافت سے کون واقف نہیں۔ انھوں نے اس فن حدیث کے لیے کیا کیا اہتمام کیے۔ خاص اس کے لیے بھی تھوڑی تفصیل مناسب ہے۔

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا، یہ تھا کہ روایتوں کے تفحص اور تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا، براہ راست جناب رسول اللہ ﷺ

← یہ بات تھی کہ: اللہ تعالیٰ نے مکہ شہر کو حرم (قابل احترام) قرار دیا ہے اور لوگوں نے اسے حرم نہیں بنایا۔ اب اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے حلال و جائز نہیں کہ مکہ میں خون بہائے، اور یہاں کوئی درخت نہ کاٹا جائے اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کی رخصت مانگنا چاہے اور کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس میں قتال کیا تھا تو اسے یہ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور میرے لیے بھی دن میں ایک تھوڑے سے وقت کے لیے اجازت دی تھی۔ الخ **صحیح مسلم ۲/۹۸۷ کتاب الحج، باب تحریم مکه و صیدها ...... الخ حدیث ۱۳۵۴۔**

❶ **سنن دارمی ۱/۱۴۰، ۱۴۲ باب الرحلة فی طلب العلم واحتمال العناء فیه** امام دارمی نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق اور الفاظ سے روایت کی ہے۔

❷ **تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۵۔**

❸ اور وہ عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن ازہر اور مسور بن مخرمہ ہیں۔ (محقق)

❹ یہ **بخاری ۳/۱۰۵، ۸/۸۶**، اور **مسلم ۱/۵۷۰** کی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ (محقق)

سے دریافت کر لیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسی صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق احادیث محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں زیادہ ضرورتیں پیش آنی شروع ہوئیں (جیسا کہ مفصلاً گزرا) اس لیے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کی ڈھونڈھ شروع ہوئی۔ استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی اور نومسلموں کی کثرت نے سیکڑوں نئے مسئلے پیدا کر دیئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ نے احادیث کی تفتیش میں سعی بلیغ کی کہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال کے مطابق طے کیے جائیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی، خلیفۂ اوّل کی طرح حضرت عمرؓ بھی مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے، پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیۂ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع عام سے استفسار کر کے احادیث نبویہ کا پتہ لگایا۔ چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع اور مشتہر کی جائے، اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کیلئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں:

۱۔ حدیث نبویہ کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجا جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

۲۔ صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے، ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''چنانچہ فاروق اعظمؓ عبداللہ بن مسعودؓ را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسارؓ و عبداللہ بن مغفلؓ و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ، و عبادہ بن صامتؓ و ابودرداءؓ را بشام و معاویہؓ را کہ امیر شام بود قدغن تاکید بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند''۔ [1]

''چنانچہ فاروق اعظمؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ بھیجا اور معقل بن یسارؓ، عبداللہ بن مغفلؓ اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ نیز عبادہ بن صامتؓ اور ابودرداءؓ کو شام روانہ کیا۔ ساتھ ہی معاویہ کو جو شام کے امیر تھے، سخت تاکید کی کہ ان (لوگوں) کی (مصدقہ) احادیث سے مطلق تجاوز نہ کیا جائے۔''

۳۔ تیسری بات حدیثوں کے متعلق چھان بین کا بلیغ اہتمام ہے، حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کی ایجاد۔ ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعریؓ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے قاعدہ پر کہا: ''السلام علیکم، ابوموسیٰ حاضر ہے''۔ حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے۔ اس لیے متوجہ نہ ہو سکے۔ کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابوموسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو پوچھا: کہ تم واپس کیوں گئے؟ ابوموسیٰ نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو۔ اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ ابوموسیٰؓ اشعری گھبرائے ہوئے صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ ابوسعید خدریؓ نے آ کر

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۲/۶۔

شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔ ابی بن کعب نے کہا: ابن الخطاب! کیا تم رسول اللہ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور اس کی تصدیق کرنی چاہی۔ [1]

فقہ کا مسئلہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے، اس کو عدت کے زمانہ تک نان ونفقہ اور مکان ملنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ﴾ [2] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہؓ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں۔ ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی۔ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان ونفقہ کا حق ہے یا نہیں۔ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، نہیں۔ فاطمہؓ نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے اپنے اسی تشدد اور احتیاط سے کام لیا اور فرمایا: ''لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللّٰهِ و سنة نبيّنا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لا ندرى لعلها حفظت او نسيت''. [3] اگرچہ فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث پر عمل کرنے سے ترک کتاب اللہ نہیں ہے بلکہ یہ حضرت عمر کا فہم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے خیال میں جو بات تھی، اس کے اعتبار سے ان کی یہ اعلیٰ درجہ کی احتیاط تھی۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مغیرہؓ نے اس کے متعلق ایک حدیث بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا۔ [4]

اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اطمینان کرنا چاہا۔ [5] حدیثوں کے متعلق یہ احتیاط حضرت ابوبکرؓ نے ہی شروع کی تھی۔ (اسی کی تکمیل حضرت عمرؓ

---

[1] صحیح بخاری ۱۱/۲۷، صحیح مسلم ۳/۱۶۹۴۔ ۱۶۹۷۔

[2] الطلاق :۶۔

[3] ہم ایک عورت کی بات پر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ صحیح مسلم ۲/۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹، سنن ترمذی ۴/۳۵۱، مسند احمد بن حنبل ۶/۴۱۵۔

[4] تذکرۃ الحفاظ ۱/۷/۸۔ یہ حدیث امام بخاری نے کتاب الدیات میں کئی مقامات پر بیان کی ہے۔ جلد ۱۲/۲۴۷ باب جنین المرأۃ حدیث ۶۹۰۴، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے پیٹ کے بچے کو ضائع کرنے کے متعلق صحابہ سے مشورہ لیا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مملوک (غلام یا لونڈی) دینے کا فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ عمر نے کہا کوئی گواہ لاؤ جو تمہاری اس بات پر گواہی دے، تو محمد بن مسلمہ نے گواہی دی کہ میں بھی اس وقت موجود تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ دوسرے محدثین نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، دیکھیے: ارواء الغلیل ۷/۲۹۲ حدیث نمبر ۲۲۰۶۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ۱/۸ اور مسجد کے قبلہ کی جانب میں عباس کا گھر تھا۔ مسجد میں لوگ سمانہ سکتے تھے اس لیے عمر نے عباس سے مطالبہ کیا کہ یہ گھر فروخت کر دیں تو انھوں نے انکار کر دیا...... پھر آگے حدیث ذکر کی۔ (محقق)

اور اس قصے کی تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے ۴/۲۱ اور ان احادیث کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ←

نے کی) تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی، وہ ابوبکرؓ تھے۔ ❶ اس احتیاط اور تشدد کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ حدیث بیان کرنے کے وقت نہایت خوف کھاتے اور اس کام کو نہایت مہتم بالشان کام سمجھتے۔ بعض بعض صحابہ کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ اپنے تلامذہ کو تاکید کرتے کہ کسی طرح کی بے احتیاطی نہ کرنے پائیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔: ''**یشدد في الروایة و یزجر تلامذته عن التهاون في ضبط الالفاظ**''. ❷ [ادائیگی الفاظ میں کوشش کرتے] روایت میں بڑی سختی کرتے اور اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے یاد کرنے میں غفلت کرنے سے ڈانٹتے۔

خلفائے راشدین نے جو کچھ تشدد کیا، وہ تو ان کا قانون سیاسی تھا۔ اس کے علاوہ آیت کریمہ:

﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ ❸

اگر کوئی بے دین کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلو۔

اور مشہور حدیث: ''**من كذب علي متعمدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مقعده من النار**''۔ ❹

جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔

اس آیت قرآنی اور حدیثِ رسولؐ نے عامہ اصحاب رسول اللہ کو سخت محتاط بنا دیا تھا۔ بعض بعض صحابہ کے دلوں میں خوف شدید پیدا ہو گیا تھا۔ مبادا کہیں پر کسی مضمون یا کلمہ کی زیادتی ہو جائے یا کہیں پر چوک ہو جائے اور ''**من كذب عليّ متعمداً**'' کی شدید وعید میں گرفتار ہو جائیں۔ ❺ بعض صحابی اسی احتیاط کی بنا پر ''**قال رسول الله ﷺ**'' کہنے

← حدیث کو اسی وقت قبول کرتے تھے جب دو صحابی اس حدیث کی گواہی دیتے، دیکھیے: **تاریخ التشریع الاسلامی للخضری** ص ۸۶۔ لیکن یہ خیال باطل محض ہے کیوں کہ عمر رضی اللہ عنہ سے بہت سی ایسی اخبار وارد ہیں جن میں واضح طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حدیث سے حجت پکڑنا اور ان پر عمل کرنا ذکر ہوا ہے اگرچہ وہ خبر واحد غریب ہی کیوں نہ ہو، دیکھیے: (**الانوار الکاشفة للعلامة المعلمی**) ص ۷۶۔۷۹۔

❶ **تذکرۃ الحفاظ** ۱/۲۔

❷ **تذکرۃ الحفاظ** ۱/۲ مذکور بالا الفاظ تذکرہ سے ہی لیے گئے ہیں۔

❸ **الحجرات**: ۶۔

❹ **صحیح بخاری** ۱/۲۰۲۔

❺ **حجة الله البالغة**، بخاری وغیرہ نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ زبیر سے کہا کہ میں آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنتا جس طرح فلاں اور فلاں روایتیں بیان کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ میرے باپ نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہیں رہا، ساتھ ہی رہتا تھا لیکن میں نے آپ سے ایک حدیث سنی ہے کہ ''جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنا لے'' **کتاب العلم ۱/۲۰۰ باب اثم من كذب على النبي صلى الله عليه وآله وسلم حدیث نمبر ۱۰۷**۔ یہ انس سے بھی مروی ہے، اور ابن عدی نے اپنی ''**کامل فی الضعفاء**'' میں ایک باب ''باب من اقل ←

سے بہت ڈرتے تھے۔ [1] اسی احتیاط کے اقتضا سے ایک صحابی دوسرے صحابی کو غلط فہمی کے سوا کذب کا مصداق نہیں ٹھہراتا تھا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عامہ صحابہ کا خوف یکساں نہ تھا، نہ سب کی طبیعت یکساں ہوئی۔ ممکن ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم سیرۃ الرسول ﷺ سے بالکل محروم رہتے۔ صحابیوں میں جہاں ایسے لوگ تھے کہ قال رسول اللہ ﷺ کہنے سے ڈرتے وہاں ایسے دل کے مضبوط اور ثابت بھی تھے کہ اپنا بس چلنے تک اشاعت حدیث میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے۔ اور ''ولیبلغ الشاھد الغائب'' [2] اور ''بلغوا عنی ولو آیة''۔ [3] کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ ان میں حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، انس بن مالکؓ، ابو سعید خدریؓ خاص ممتاز ہیں۔ یہ لوگ قوی دل ہو کر آنحضرت ﷺ کی حدیثیں روایت کرتے۔ [4]

حضرت ابو ذر غفاریؓ بڑے قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ مکہ میں اسلام لائے اور اول اول خانہ کعبہ کے پاس اظہار اسلام کیا تو کئی باران پر شدید ضرب پڑی۔ ان کا مقولہ صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے:

''ولو وضعتم الصمصامة علی ھذہ - واشارا لی قفاہ- ثم ظننت انی اُنفِذُ کلمةً سمعتھا من النبی ﷺ قبل ان تجیزوا علی لَاَ نْفَذْتُھا''. [5]

یعنی اگر تم میرے قتل کے لیے میری گردن پر تلوار رکھو اور مجھے گمان ہو کہ تلوار کھینچنے سے قبل میں رسول اللہ ﷺ کا ایک کلمہ بھی جو میں نے آپ سے سنا ہے، پہنچا سکوں تو میں ضرور کہہ دوں گا۔

حدیث کے ساتھ یہ انتظام اور احتیاط خلفائے راشدین کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور برابر تدوین تک جاری رہتی ہے۔ تابعیوں میں رفض، خروج، ارجاء، قدر، اعتزال کے قصے چھڑ گئے۔ لوگوں کے جھوٹ پکڑے گئے تو بنا بر آیۂ کریمہ ''اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا '' [6] اور بھی تشدد شروع ہو گیا اور جملہ ''لولا الا سناد لقال من شاء ما شاء''. [7] اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا، کہہ دیتا۔ زبان زدِ ہر خاص و عام ہو گیا۔ اس لیے سلسلہ اسناد ایک مستقل فن

← الروایة عنہ مخافة الزلة'' کے عنوان سے قائم کیا ہے اور اس میں انھوں نے چند صحابہ کرام سے اس طرح کی اخبار ذکر کی ہیں۔ الکامل ۱/۱۷،۱/۳۰، ۳۲، ۳۳۔

[1] سنن دارمی ۱/۸۴، ۸۵۔

[2] صحیح بخاری ۳/۵۷۴۔

[3] صحیح بخاری ۶/۴۹۶۔

[4] وہ سات صحابہ ہیں جن کی احادیث ہزار سے تجاوز کر گئی ہیں، جیسا کہ ابن حزم نے راوی صحابہ کرام کے اسماء میں ذکر کیا ہے۔ ص ۳۷۔۴۲۔

[5] صحیح بخاری ۱/۱۶۰۔

[6] الحجرات:۶۔

[7] مقدمة مسلم ۱/۱۵، الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم ۲/۱۶۔ ←

قرار دیا گیا۔ جس کی بیسیوں شاخیں ہیں۔ امام ابن سیرین فن حدیث کے رکن اعظم ہیں، فرماتے ہیں:

"ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم". [1]

یہ علم حدیث دین ہے اس لیے تم دیکھ لیا کرو کہ کس سے دین لیتے ہو۔

عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ میں وہ خلیفہ ہیں جن کا شمار خلفائے راشدین کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تبع تابعی ہیں۔ [2] انھوں نے ایک روز نماز عصر میں دیر کر دی۔ اس لیے عروہ بن مسعود تابعی نے ٹوکا اور رسول اللہ ﷺ کا جبریل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھنا اور جبریل کا ابتدائی اور انتہائی اوقات نماز کا بتانا بیان کیا۔ خلیفہ وقت کو سخت تعجب ہوا اور استعجاباً پوچھا: اعلم ما تقول يا عروة!۔ دیکھو کیا کہہ رہے ہو۔ [3] عروہ نے فی الفور سند پڑھ کر خلیفہ کو ساکت کر دیا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک روز نماز میں دیر کر دی تو ابو مسعود انصاری نے فی الفور ٹوک دیا اور کہا کہ مغیرہ یہ کیا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جبریل نے آسمان سے آ کر رسول اللہ ﷺ کو دو روز نماز پڑھ کر نماز کے ابتدائی اور انتہائی اوقات بیان کیے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز کی جہاں اور یادگاریں ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ علم حدیث کی باقاعدہ تدوین کا سنگ بنیاد انہیں کے اہتمام سے رکھا گیا۔ گو اس سے پہلے حدیثیں لکھی گئیں لیکن اس وقت تک زیادہ مدار زبانی یاد پر تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے فن حدیث کے ساتھ بہت بڑا اہتمام کیا۔ امام بخاری نے تعلیقاً جامع صحیح بخاری میں روایت کی ہے:

"كتب عمر بن عبدالعزيز الى ابى بكر بن حزم: انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه، فانى خفت دروس العلم و ذهاب العلماء، ولا تَقْبَلُ الاحديث النبى ﷺ، ولتفشوا

← مقدمة المجروحين لابن حبان ۲٦/۱ یہ عبداللہ بن مبارک کا قول ہے اس میں الفاظ: الاسناد من الدين، ولولا الاسناد...... الخ"۔

[1] سنن دارمی ۱۱۲/۱۔۱۱۴، مقدمۃ مسلم ۱۴/۱، الجرح والتعديل ۱۵/۲، مقدمة المجروحين لابن حبان ۲۱/۱، المحدث الفاصل للرامهرمزی ص ۴۱۴، مقدمة الكامل لابن عدی ۲۳۸،۲۳۷ اور كفاية للخطيب البغدادی ص ۱۹۲ اور الجامع فی اخلاق الراوی و آداب السامع ۱۲۹/۱ ان مصادر میں ابن سیرین کا یہ قول نقل ہوا ہے۔ کچھ اسناد سے مرفوع بھی وارد ہوا ہے لیکن بقول ابن رجب ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے، اور تفصیل کے لیے كتاب الشجرة للجوزجانی ص ۲۰ پر میری تعلیقات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

[2] مؤلف رحمہ اللہ نے ایسے ہی کہا ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ تابعین میں سے ہیں اور انھوں نے انس اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے اور حافظ ابن حجر نے انہیں چوتھے طبقہ سے شمار کیا ہے اور یہ طبقہ تابعین کے طبقہ وسطی کے قریب قریب ہے۔ اس کی اکثر روایات کبار تابعین سے ہیں، مثلاً زہری اور قتادہ (تقریب ص ۸۱) اور تهذيب التهذيب ۴۷۵/۷۔

[3] مؤطا امام مالك ۳/۱، كتاب وقوت الصلوٰة، باب وقوت الصلوة حديث ۱، بخاری ۳/۲ كتاب مواقيت الصلوة، باب مواقيت الصلوة وفضلها۔ حدیث ۵۲۱، صحيح مسلم ۴۲۵/۱، كتاب المساجد و مواضع الصلوة باب اوقات الصلوات الخمس حدیث ۶۱۰۔

الْعِلْمَ ولتَجْلِسُوْا، حتی یُعَلَّمَ من لا یَعْلَم، فان العلم لا یهلك حتی یکون سرًّا." [1]

یعنی خلیفۂ وقت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھ بھیجا کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کی طرف خاص توجہ کر کے ان کو لکھ ڈالو۔ مجھے علم کے مٹ جانے اور علما کے اٹھ جانے کا خوف ہے اور یہ بھی سنو کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے سوا کسی چیز پر عمل درآمد نہ کیا جائے، اور علم احادیث پھیلایا جائے۔ لوگ اس کے درس دینے کے لیے مجلسیں قائم کریں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے، جان لیں کیونکہ علم کی موت جب ہی ہے کہ چھپایا جائے۔

ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں اس قدر اور اضافہ کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے صرف ابوبکر بن حزم ہی کو فرمان شاہی نہیں بھیجا تھا بلکہ عامۃً اپنے کل عمال کو لکھ بھیجا کہ:

"انظروا حدیث رسول اللہ ﷺ فاجمعوہ". [2]

تم لوگ احادیث رسول اللہ ﷺ کو تاکید سے جمع کر ڈالو۔

بنوامیہ کے بعد خلفائے بنی عباس کا دور دورہ ہے۔ بنوعباس نے اس میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ ہارون الرشید مؤطا کے پڑھنے کے لیے جو علم حدیث کی ام الصحاح کہی جاتی ہے، امام مالک کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا ہے۔ مؤطا کا وہ نسخہ جس میں ہارون الرشید نے پڑھا تھا، مدت تک مصر کے کتب خانہ میں موجود رہا جس کو خلفائے فاطمیین کے تشیع نے ضائع کر دیا۔ امام مالک نے جب صاف جواب دیا کہ صاحب زادگان امین و مامون کے لیے عام درس گاہ کے سوا کسی خصوصیت کا لحاظ نہ ہوگا تو اس نے شہزادوں کو امام مالک کی عام درس گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔

خلفا اور سلاطین کے علاوہ عام مسلمانوں کے میلان طبع کا اندازہ بھی کرنا ضروری ہے جس کا ذیل کے واقعات

---

[1] بخاری ۱/۱۹۴، کتاب العلم باب کیف یقبض العلم۔ امام بخاری نے اس کی سند ترجمۃ الباب ہی میں اس کا متن ذهاب العلماء تک ذکر کر کے بعد میں ذکر کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس کے بعد والا امام بخاری کا قول ہے۔ (فتح الباری ۲/۱۹۵)، سنن دارمی ۱/۱۲۶ باب من رخص فی کتاب العلم، تقیید العلم للخطیب ص ۱۰۵۔۱۰۶ کچھ زیادتی کے ساتھ، تاریخ صغیر للبخاری ۱/۲۱۶، کتاب السنة للمروزی ص ۲۷ اور المحدث الفاصل ص ۷۳ فقرہ نمبر ۳۴۶۔

[2] فتح الباری ۱/۱۹۵، ذکر اخبار اصبہان ۱/۳۱۲۔

اسے ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں اپنی سند کے ساتھ امام زہری سے روایت کیا ہے کہ ہمیں عمر بن عبدالعزیز نے احادیث وسنن جمع کرنے کا حکم دیا تھا تو ہم نے احادیث کی کئی ایک کتابیں لکھ دیں۔ جس علاقہ میں بھی ان کی حکومت تھی وہاں ایک ایک کتاب بھیج دی جلد ۱ ص ۳۳۱ حدیث ۴۳۸۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ابوبکر بن حزم کی کتابیں ان تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ چنانچہ ابن وہب کا کہنا ہے کہ میں نے مالک رحمہ اللہ سے سنا فرما رہے تھے کہ "عمر بن عبدالعزیز مختلف شہروں اور علاقوں کی طرف احادیث لکھ بھیجتے تھے تاکہ انہیں سنتیں اور مسائل شرعیہ سکھائیں اور مدینہ کی طرف بھی لکھتے تھے اور ان سے صحابہ کے اقوال وفتاوی پوچھتے اور مدینے والوں کے پاس جو علم وہ معلوم کریں اور ابوبکر بن حزم کی طرف خط لکھتے کہ احادیث وسنن جمع کر کے میری طرف ارسال کر دیں۔ ابوبکر بن حزم کی کتب ان تک پہنچنے سے پہلے ہی عمر بن عبدالعزیز فوت ہو گئے۔ المعرفة والتاریخ للفسوی ۱/۴۴۳ اور التمهید ۱/۸۰۔۸۱۔

سے پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان میں عام صحابہ اور تابعین کے مذاق کا تذکرہ ہو چکا۔ امام بخاری کے شیخ سلیمان بن حرب [1] کے واسطے بغداد میں قصر خلافت کے قریب ایک مرتفع جگہ منبر کے لیے تیار کی گئی تاکہ اس پر بیٹھ کر املائے حدیث کریں۔ اس مجلس میں امیر المومنین مامون الرشید اور تمام امرائے خلافت حاضر تھے جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا تھا، اس کو امیر المومنین خود لکھتے جب کل حاضرین درس کا تخمینہ کیا گیا تو چالیس ہزار نفوس اندازے میں آئے۔ [2]

یحییٰ بن جعفر بیکندی [3] بیان کرتے ہیں کہ علی بن عاصم کے حلقہ درس میں تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ [4] [وہ ایک سطح پر بیٹھتے اور ان کے تین مستملی ہوتے] [5]

یزید [6] بن ہارون [7] نے جب بغداد میں درس دیا تو اس میں ستر ہزار افراد کا تخمینہ کیا گیا۔ [8]

امام بخاری کے شیخ علامہ فریابی [9] نے بغداد میں املائے حدیث کیا تو تین سو سولہ مستملی ان کی مجلس میں حاضر تھے

---

[1] وہ سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشحی ابو ایوب بصری ہیں۔ انھوں نے شعبہ، محمد بن طلحہ، وھیب، حماد بن زید، حماد بن سلمہ وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے امام بخاری، ابوداؤد نے روایت کی ہے۔
اور دیگر محدثین نے ان سے بواسطہ ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے۔ ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۲۲۴ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب ۱۷۸/۴، ۱۸۰، تذکرۃ الحفاظ ۳۹۳/۱۔ (محقق)

[2] اس واقعہ کی تفصیل تذکرۃ الحفاظ ۳۹۳/۱ اور سیر اعلام النبلاء ۳۳۱/۱۰ میں دیکھیے۔

[3] وہ یحییٰ بن جعفر بن اعین ازدی بارقی ابوزکریا بخاری بیکندی ہیں۔ انھوں نے ابن عیینہ، ابومعاویہ اور وکیع وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے بخاری، حسین بن یحییٰ، ابوجعفر بن ابو حاتم وراق البخاری اور دیگر محدثین نے روایت کی ہے، ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب ۱۹۳/۱۱ تذکرۃ الحفاظ ۴۸۷/۲۔ (محقق)

[4] وہ علی بن عاصم بن صہیب واسطی ابوالحسن ولاء کے اعتبار سے تیمی ہیں۔ انھوں نے سلیمان تیمی، حمید طویل، عطاء بن سائب، خالد حذاء اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور ان سے یزید بن زریع، عفان، احمد بن حنبل، علی بن مدینی اور دیگر نے روایت کیا ہے۔ ۱۰۵ھ یا ۱۰۸ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ تہذیب التہذیب ۳۴۴/۷۔۳۴۸، تذکرۃ الحفاظ ۳۱۶/۱، ۳۱۷۔ (محقق)

[5] تذکرۃ الحفاظ ۳۱۷/۱۔

[6] تاریخ بغداد ۴۵۴/۱۱، سیر اعلام النبلاء ۲۵۷/۹ اور قوسین میں زائد الفاظ سیر کے ہیں۔

[7] یزید بن ھارون زاذی اور زاذان بن ثابت بھی کہا جاتا ہے باعتبار ولاء سلمی ہیں، کنیت ابوخالد واسطی ہے۔
بڑے مشاہیر حفاظ میں سے ہیں۔ سلیمان تیمی، حمید طویل اور عاصم احول وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے بقیہ بن ولید، آدم بن ابی ایاس، احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۱۱۸ھ میں ولادت ہوئی، ۲۰۶ھ میں وفات ہوئی۔ تہذیب التہذیب ۳۶۶/۱۱۔۳۶۹، تذکرۃ الحفاظ ۳۱۷/۱۔۳۲۰ (محقق)

[8] ادب الاملاء والاستملاء ص ۱۲، تذکرۃ الحفاظ ۳۱۸/۱۔

[9] وہ جعفر بن محمد بن حسن بن المستفاض ابوبکر فریابی قاضی دینور ہیں۔ ۲۰۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۰۱ھ میں وفات پائی۔ ان کا تعارف تاریخ بغداد ۱۹۹/۷۔۲۰۲، المنتظم لابن الجوزی ۱۲۴/۶۔۱۲۵، الانساب ۲۰۶/۱۰ تذکرۃ الحفاظ ۶۹۲/۲۔۶۹۴، سیر ←

جو شیخ کا لفظ لوگوں کو سناتے تھے اور حاضرین درس کا تخمینہ تیس ہزار تھا۔ [1]

ابوالفضل الزہری [2] راوی ہیں کہ جب میں نے علامہ فریابی سے حدیث سنی تو تقریباً دس ہزار آدمی ان کے پاس ایسے پڑھنے آئے تھے جو قلم دوات لے کر بیٹھتے تھے۔ یہ تعداد نہ لکھنے والوں کے علاوہ تھی۔ [3]

امام ذہبی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں یہ شوق اپنے رسول پاک کے اقوال واحوال کا اہلِ اسلام میں یہاں تک ترقی کر گیا تھا کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار دواتیں رکھی جاتی تھیں۔ [4]

امام عاصم بن علی [5] املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھتے تھے۔ ان کے مستملی ہارون نے اپنے کھڑے ہونے کے لیے ایک خم دار کھجور کا درخت پسند کر رکھا تھا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے ایک بار اپنا ایک معتمد اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کرنے کے لیے بھیجا۔ معتمد نے ارشاد خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ بیس ہزار تک حاضرین کی تعداد پہنچی۔ [6] جس قوم کے افراد ایک علمی مجلس میں سوا لاکھ جمع ہو جائیں، قیاس کرو کہ اس قوم کے سینے میں کتنا شوق بھڑکا ہوگا۔ ان واقعات کے پڑھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مجالس کے حاضرین کے شمار کرنے کا کیا طریقہ تھا اور حقیقتاً ان روایتوں پر وثوق اس طریقہ کی صحت وعدم صحت پر موقوف ہے۔ ذیل کا واقعہ اس سوال کا جواب

← اعلام النبلاء ۹۶/۱۳، ۱۱۱، البدایۃ و النہایۃ ۱۲۱/۱۱، ۱۲۲، شذرات الذھب ۲۳۵/۲۔ ان میں سے کسی نے بھی انہیں امام بخاری کے شیوخ میں سے شمار نہیں کیا، ہاں البتہ فریابی محمد بن یوسف بن واقد متوفی ۲۱۲ھ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں۔ دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۳۷۶/۱، تہذیب التہذیب ۵۳۵/۹، ۵۳۶ (محقق)

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکور بالا فریابی کو امام بخاری کے شیوخ سے شمار کرنے میں مؤلف رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان دونوں کی نسبت میں تشابہ ہے۔

[1] تذکرۃ الحفاظ ۶۹۳/۲، تاریخ بغداد ۳۰۲/۷ اور ادب الاملاء و الاستملاء ص ۱۸۔

[2] وہ ابوالفضل عبیداللہ بن عبدالرحمٰن زہری بغدادی ہیں اور ۳۸۱ھ میں وفات پائی اور ان کی ایک (حدیث الزھری) نامی کتاب ابھی ابھی طبع ہوئی ہے اس میں انھوں نے اپنے شیخ جعفر فریابی سے ایک سو مقامات پر روایت کی ہے جیسا کہ اس کے محقق نے ذکر کیا ہے دیکھیے: جلد ا ص ۴۹۔

[3] تاریخ بغداد ۲۰۲/۷، ادب الاملاء ۱۷، تذکرۃ الحفاظ ۶۹۳/۲ اور ابن عدی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۹۸/۱۴۔

[4] تذکرۃ الحفاظ ۵۳۰/۲، آٹھویں طبقے کے آخر میں۔

[5] وہ عاصم بن علی بن عاصم بن صہیب واسطی ابوالحسین ہیں اور ابوالحسن بھی کہا جاتا ہے ولاء کے اعتبار سے تیمی ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ علی بن عاصم، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد سے روایت کی ہے اور ان سے امام بخاری نے بلاواسطہ اور بالواسطہ روایت کی ہے اور ترمذی، ابن ماجہ نے بھی ابن یحییٰ مروزی، احمد بن حنبل اور ذہلی کے واسطہ سے روایت کی ہے ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔ تہذیب ۴۰/۵، ۵۱، تذکرۃ الحفاظ ۳۹۷/۱، ۳۹۸۔ (محقق)

[6] تذکرۃ الحفاظ ۳۹۷/۱، ادب الاملاء والاستملاء ص ۱۷ اور سیر اعلام النبلاء ۲۶۳/۹

دے گا۔

احمد بن جعفر الخُتَّلی راوی ہیں ❶ کہ جب ابو مسلم الکَجّی ❷ بغداد میں آئے تو رحبہ غسان نامی مقام پر انھوں نے حدیث کا املا کرایا۔ سات مستملی کھڑے تھے۔ جس میں ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا۔ اور لوگ کھڑے کھڑے حدیثیں لکھتے تھے۔ یہ اندازہ کرنے کے لیے کہ کس قدر آدمی اس وسیع میدان میں فراہم تھے، میدان مذکور کی پیائش کی گئی اور دواتوں کا شمار کیا گیا۔ کچھ اوپر چالیس ہزار دواتیں شمار ہوئیں جو لوگ لکھتے نہیں تھے، صرف سماعاً شریک تھے۔ وہ اس تعداد کے علاوہ تھے۔ ❸

علامہ فربری کا بیان ہے کہ امام بخاری سے ان کی حیات میں نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری سنی ❹ اور اس کی روایت کی اجازت حاصل کی۔ حصہ اول میں ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ امام بخاری فراغ کے بعد بخارا جانے کے قصد سے روانہ ہوئے اور اہل بخارا کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حدیث رسول کے شوق میں کئی کئی منزل سے ان کا استقبال کیا گیا اور شہر میں اس شان وشوکت سے لائے گئے کہ لوگوں نے ایسی شان وشوکت کسی بادشاہ اور سلطان کے لیے بھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ تھی گرویدگی اہل اسلام کی احادیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور یہ تھی توجہ خلفاء اور امراء سلاطین کی فن حدیث کی طرف۔

سلسلۂ اسناد کی دیکھ بھال، اس کی چھان بین، تحقیق وتنقید کی بنیاد خلفائے راشدین میں ابوبکرؓ صدیق اور عمر

---

❶ وہ احمد بن جعفر بن محمد بن سلم بن راشد ابوبکر ختلی ہیں، محمد بن جعفر اور عمر بن جعفر کے چھوٹے بھائی ہیں۔ انھوں ابو مسلم کجی، عبداللہ بن احمد بن حنبل اور جعفر فریابی سے سماع کیا اور دارقطنی وغیرہ نے ان سے لکھا ہے۔ ۲۷۸ھ میں پیدائش اور ۳۶۵ھ میں وفات ہوئی۔ تاریخ بغداد ۴/۷۱۔۷۲، الانساب ۴۶/۵۔ (محقق)

❷ وہ ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بن ماعز بن کش بصری کجی کشی ہیں۔ اہل بصرہ میں سے ہیں، ثقہ اور کبار محدثین میں سے تھے، لمبی عمر پائی حتیٰ کہ کثیر احادیث بیان کیں۔ مسلم بن ابراہیم، عفان بن مسلم، عمرو بن مرزوق وغیرہ سے سماع کیا اور ان سے کثیر جماعت نے روایت کی ہے۔ ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد ۶/۱۲۰۔۱۲۴، تذکرۃ الحفاظ ۶۲۰۔۶۲۱، الانساب ۱۱/۵۰۔۵۱۔ (محقق)

❸ تذکرۃ الحفاظ ۶۲۱/۲ امام ذہبی کا قول ہے کہ یہ حکایت ثابت ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں بشری فاتنی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے ختلیؒ سے سنا وہ یہ کہہ اور بیان کرر ہے تھے۔ (محقق)

ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بصری نے کہا کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ ہم ابو اسحاق ابراہیم بن علی ہجیمی کی مجلس حدیث میں تھے وہ اپنی جگہ (چھت) پر ہوتے تھے اور حاضرین مجلس کے ساتھ ھجیم کا راستہ بھرا ہوتا تھا اور مستملی (املاء کرانے والے کی آواز دور تک پہنچانے والے) ان کی آواز عام حاضرین تک پہنچاتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں سحری کے وقت حاضر ہوتا تو بھی دیکھتا کہ لوگ مجھ سے پہلے وہاں پہنچے ہوتے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوتے، اور لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ کا اندازہ لگایا گیا تو تیس ہزار اشخاص کے بیٹھنے کا اندازہ لگا۔ ادب الاملاء والاستملاء ص ۱۸۔

❹ مقدمۃ فتح الباری ۴۹۱۔

فاروقؓ نے ڈالی۔ فرقۂ ضالہ کے وجود سے اس کی مزید ترقی ہوئی۔ تابعیوں نے اس کے لیے اصول وضوابط منضبط کیے۔ تبع تابعین میں آ کر یہ ایک مستقل باضابطہ فن بن گیا۔ اور اسناد ایک بڑی بابرکت چیز سمجھی گئی اور اسلام کی خصوصیات سے شمار کی گئی۔ اگلی امتوں میں کہیں اس کا وجود بھی نہیں پایا جاتا۔ کیا یہودی یا عیسائی اس امر کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ ثقہ عن ثقہ باسناد متصل اپنے مقتدا تک ایک مسئلہ یا ایک واقعہ کے سلسلہ کو بھی پہنچا سکتے ہیں یا کسی حواری ہی تک۔ علامہ ابن حزم کا یہ مقولہ بہت صحیح ہے: ''**نقل الثقة عن الثقة حتى يبلغ به النبي ﷺ [مع الاتصال] خص الله به المسلمين دون سائر الملل كلها**''۔ [1]

بعض عیسائیوں نے ایک آدھ بات کی سند حضرت عیسیٰؑ تک پہنچانی چاہی لیکن بیچ سے بیسیوں واسطے غائب۔ [2]

بڑی خصوصیت فن حدیث اور سلسلہ اسناد کو یہ حاصل ہے کہ اس میں اجتہاد، تخمین اور ظن کو دخل نہیں۔ یا تو مشاہدات ہیں یا مسموعات۔ اتصال سند، توثیق رواۃ، راوی مروی عنہ کی معاصرت، ان کا آپس میں لقا اور سماع یہ سب امور مسموعات یا مشاہدات سے ہیں۔ دو شخصوں کی معاصرت یا آپس کے لقا وسماع کو شخص حاضر رؤیت ومشاہدہ سے جانتا ہے۔ غائب حاضر کی شہادت سے جان سکتا ہے۔ رواۃ کا ثقہ ہونا، ضابط القلب ہونا، جید الحافظہ ہونا، حاضرین ملاقات و تجربہ سے جانتے ہیں، غائبین ان کی شہادت اور ان کے درمیان شہرت سے۔ امام بخاری کے حالات میں گزر چکا ہے کہ امام بخاری کے ضابط القلب جید الحافظ ہونے کے واقعات مافوق العادۃ سنے جانے لگے تو شہر بغداد کے کل اہل علم نے مل کر تجربہ کیا۔ [3]

محدثین نے رواۃ کی نسبت جو کچھ ثقہ، ثبت، ضعیف، واہم، صدوق، شیخ وغیرہ الفاظ جرح وتعدیل لکھے ہیں، کل کی بنا حس اور مشاہدات پر ہے نہ کہ رائے وقیاس پر اور زیادہ تر تجربیات ہیں۔

قرآن نے خود تجربہ کے لیے امارات بتائے مثلاً: ﴿**وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا**﴾ [4] (خدا کے مقبول و برگزیدہ بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب ان سے نادان لوگ بات کرنے لگتے ہیں تو ان سے سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔) یہ امور حسّی اور مشاہدات سے

---

[1] ایک ثقہ سے دوسرے ثقہ نقل کریں، یہاں تک کہ یہ نقل اتصال سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو صرف مسلمانوں میں پائی جاتی ہے بقیہ ملتیں اس سے محروم ہیں۔ الملل و النحل لابن حزم ۸۲/۲۔ اسی سے تدریب الراوی ۱۶۰/۲ میں سیوطی نے نقل کیا ہے اور (مع الاتصال) الفاظ دونوں میں ہیں۔

[2] حوالہ مذکورہ بالا۔

[3] یہ گزر چکا ہے کہ چار سو علمائے سمرقند سات دن تک اکٹھے رہے اور انھوں نے امام بخاری کو مغالطہ دینے کی کوشش کی لیکن وہ کسی ایک لفظ میں بھی نہ دے سکے نہ سند میں اور نہ متن حدیث میں۔ سیر اعلام النبلاء ۴۱۱/۱۲ اور اسی طرح کی دیگر محدثین کی کئی ایک مثالیں ہیں جن کے ذکر کی اس جگہ گنجائش نہیں۔

[4] الفرقان: ۶۳

ہیں۔

غرض جو کچھ ثقاہت وعدالت کی نشانیاں قرآن میں بتائی گئی ہیں، یا احادیث میں وارد ہوئیں، وہ سب حسی اور مشاہدات سے ہیں۔ پس ان امارات اور علامات سے ثقاہت اور عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ ایک منصوص امر ہے۔ ان امارات ثقاہت وعدالت کے ساتھ عدم ظہور فسق اور غیر مہتم ہونا ان امارات کا موثق اور مصدق ہے۔ غور کرو آنحضرت ﷺ کا صادق ہونا ایسا امر یقینی تھا کہ کفار بھی باوجود ایسی عداوت کے آپؐ کے صادق ہونے کا اقرار کرتے تھے اور اسی عدم ظہور کذب کو وہ لوگ اس کی دلیل ٹھہراتے تھے۔ اگر یہ امر اجتہادی اور ظنی ہوتا تو کفار بایں عداوت آنحضرت ﷺ کے صدق کا کبھی اقرار نہ کرتے۔ اسی سے یہ بات ثابت ہے کہ عدالت، صدق اور امین ہونا ایسی صفتیں ہیں کہ کفار اس کے اقرار پر مجبور تھے اور انکار نہیں کر سکتے تھے۔

اسی طرح روایت میں شذوذ ایک حسی امر کا پایا جانا یا نہ پایا جانا ہے۔ کوئی رائے وتجویز وتخمین کی بات نہیں کہ اس کو اجتہادی کہا جائے۔ علت قادحہ نہ ہونا یہ حدیث صحیح میں قید سلبی ہے نہ کہ وجودی۔ لہٰذا اجتہادِ مجتہد کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ [1]

پس کسی محدث کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا موضوع وغیرہ کہنا مسائل اجتہادیہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مجتہد کا اجتہادی مسئلہ حدیث کی تصحیح یا تضعیف کا پاسنگ ہوسکتا ہے جیسا کہ بعض کوتاہ بینوں نے سمجھا ہے۔

فقیہ اپنی رائے واستنباط پر خود ایسا اعتماد نہیں رکھتا کہ حتمی طور پر حکم لگائے اور اس پر عمل کرنا واجب قرار دے بخلاف اس کے محدثین کا کسی حدیث کو صحیح کہنا ایسا نہیں ہے کیونکہ وہاں تصریح موجود ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اصول کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے: "**انهم اتفقوا على وجوب العمل بكل ما صح**". [2]

پس محدث کو بنا بر اسناد و دلائل حدیث کی صحت اور واجب العمل ہونے پر جزم ہوتا ہے اور فقیہ کو اپنے مستنبط مسائل کی صحت پر خود ایسا جزم نہیں ہوتا کہ وہ اس کو واجب العمل کہے۔

شاید کوئی کوتاہ بین یہ کہے کہ راویوں کی روایت کو سچ سمجھنا تو محدثین کی اپنی رائے ہے اور یہی اجتہادی امر ہے لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ شخص عادل ضابط کے بیان پر وثوق کرنا اور سچ سمجھنا تو نصی اور اتفاقی مسئلہ ہے۔ صرف اہل اسلام ہی کا نہیں بلکہ تمام دنیا کا اور یہ ایک فطرتی قانون ہے۔ گواہ عادل کی گواہی پر حکم کرنا نصی اور اتفاقی بات ہے۔ دو

---

[1] اس موضوع کو بسط اور تفصیل کے ساتھ علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتهاد) میں بیان کیا ہے۔ اس کی طرف رجوع بہت اچھا رہے گا۔ ارشاد النقاد کی تحقیق ہمارے بھائی فاضل شیخ صلاح الدین مقبول احمد نے کی اور دار السلفیہ (کویت) میں طبعہ اولیٰ ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔

[2] تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو حدیث آنحضرت ﷺ کی صحت کو پہنچ جائے گی اس پر عمل واجب ہوگا۔ مقدمة ابن الصلاح ۲۴، ۲۵ اور الباعث الحثيث ۳۵۔

گواہ عادل کی گواہی پر حکم کرنا قرآن کا منصوص مسئلہ ہے۔ اس میں اجتہاد کو کیا دخل ہے۔

صحیح بخاری کی حدیثوں کو صحیح جاننا اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کی سندوں کے ہر طبقے میں دو راوی عادل ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ولادت، رؤیت، ہلال رمضان میں ایک شخص عادل کی گواہی پر حکم کرنا متفق علیہ ہے۔ تبلیغ کے لیے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے بعض دفعہ صرف ایک صحابی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ اور وہ قرآن کی آیتیں اور آنحضرت ﷺ کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ ہرقل شاہ روم کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط ایک شخص یعنی دحیہ کلبیؓ لے کر گئے تھے۔ یہ قطعی دلائل ہیں، اس امر کے کہ ایک عادل کی بات ماننا ضروری ہے۔ اس کی بحث کتب اصول میں نہایت طول و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ [1] اسی واسطے مجتہدین اپنے قیاسی مسائل کو خبر آحاد کے جنب میں کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

"احتج احمد بن حنبل رحمه الله بالضعيف حيث لم يكن فى الباب غيره وتبعه ابوداوٗد، و قدّماه على الرأى والقياس، و يقال عن ابى حنيفة ايضًا ذلك، و أنّ الشافعى يحتج بالمرسل اذا لم يجد غيره". [2]

علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ جب کسی مسئلہ میں بجز ضعیف حدیث دوسری دلیل نہ ملتی تو اسی ضعیف ہی سے حجت پکڑتے۔ ان کی متابعت ابوداؤد نے بھی کی ہے۔ ان دونوں نے حدیث ضعیف کو رائے و قیاس پر مقدم کیا اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا بھی کہا جاتا ہے۔ امام شافعی تو حدیث مرسل سے بھی حجت قائم کرتے ہیں جب بجز مرسل دوسری دلیل نہیں پاتے۔

فاضل لکھنوی نے اس کا سبب بیان کیا ہے:

"لان الخبر يقين باصله و انما دخلت الشبهة فى نقله، والرأى مختلف باصله محتمل فى كل وصف على الخصوص، فكان الاحتمال فى الرأى اصلًا، وفى الحديث عارضًا، فلا بُدّ أن يتقدم الحديث الضعيف على القياس". [3]

---

[1] النکت ۱/۲۴۱ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں خبر واحد پر عمل کے واجب ہونے کے لیے ایک محکم باب باندھا ہے جو کہ کتاب الرسالة کے ص ۳۶۹۔۴۵۸ پر موجود ہے۔ اور اس کے علاوہ "مختصر الصواعق المرسلة" لابن القيم ص ۵۱۹۔۵۸۷، "الحديث بنفسه حجة فى العقائد والاحكام" للالبانى، "وجوب الاخذ بحديث الآحاد فى العقيدة" للالبانى رحمه الله، "الا دلة والشواهد على وجوب الاخذ بخبر الواحد" للشيخ سليم هلالى اور "خبر الواحد فى التشريع الاسلامى و حجيته" (دو جلدیں) لابى عبدالرحمن القاضى برهون طبع مكتبة التراث الاسلامى قاهرة ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء کی طرف رجوع کرنا اور ان سے استفادہ مفید رہے گا۔

[2] فتح المغيث للسخاوى ۱/۳۳۳ مقلوب کی بحث کے بعد تنبیہات کے عنوان کے تحت طبع جامعہ سلفیہ۔

[3] ظفر الامانى فى مختصر الجرجانى ۱۰۸۔(۲۰۵ تحقيق ابى غده)

کیونکہ حدیث نصی چیز ہے۔ شبہ نقل سند کی وجہ سے پیدا ہوا اور قیاس خود باصلہ مختلف فیہ ہے اور ہر طرح مشتبہ ہے۔ پس قیاس میں احتمال اصلی ہوا اور حدیث میں عارضی۔ اس وجہ سے حدیث ضعیف ضرور قیاس پر مقدم ہو گی۔

شاید بعض لوگوں کے واہمہ میں یہ آئے کہ جب حدیثوں کی تصحیح وتضعیف وغیرہ کا مدار امور حسیہ ٹھہرے اور اجتہاد کو کوئی دخل اس میں نہیں ہوا تو پھر بعض حدیثوں کی تصحیح وتضعیف میں اختلاف کیوں ہے۔ بعض راویوں کی توثیق وتضعیف میں محدثین باہم مختلف کیوں ہیں لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس اختلاف کی چند وجوہات ہیں:

ا۔ ایک حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک ضعیف دوسری صحیح۔ دو محدثین میں ایک کو وہ حدیث بسند ضعیف پہنچی دوسرے کو بسند صحیح۔ اس لیے ایک نے صحیح کہا، دوسرے نے ضعیف۔

۲۔ دونوں کو ایک ہی سند ضعیف سے حدیث پہنچی لیکن ایک کو اس کے شواہد مل گئے اس لیے اس نے صحیح کہا، دوسرے کو نہیں پہنچے، اس نے تصحیح نہیں کی۔ محدثین کی اصطلاح میں حسن لذاتہ او حسن لغیرہ کے یہی معنی ہیں۔

۳۔ یا دونوں کو شواہد ملے مگر تضعیف کرنے والے نے باعتبار سند خاص ومتن خاص کے تضعیف کی چنانچہ جامع ترمذی کے متن میں یوں ہے:" غریب بھذا اللفظ" اس کے یہی معنی ہیں کہ باعتبار متن خاص کے وہ حدیث غریب ہے۔

۴۔ یا کسی امام کی جرح کسی راوی پر دیکھ کر حدیث کی تضعیف کی حالانکہ جرح کرنے والے نے اس جرح سے تحقیق کے بعد رجوع کیا تھا جس کی اطلاع تضعیف کرنے والے کو نہیں ہوئی۔

راویوں میں اختلاف اسی بنا پر ہوا کہ کبھی ایک ہی امام نے کسی راوی کے حالات کا پتہ لگایا۔ اس وقت اس میں کوئی امر قابل جرح نہ تھا۔ پھر آگے چل کر اس نے اپنی حالت بدل دی۔ اس لیے اسی امام نے آگے چل کر اس پر جرح کر دی۔ لیکن تلامذہ نے امام سے دونوں قول سنے۔ کچھ لوگوں نے تعدیل سنی۔ تو انھوں نے تعدیل روایت کی۔ دوسرے تلامذہ نے جرح روایت کی حالانکہ دونوں کے دو وقت تھے۔

کبھی کسی راوی کا ایک امام کو مفصل حال معلوم نہ ہو سکا یا جہاں تک معلوم ہوا، کوئی امر قادح نہیں تھا لیکن دوسرے امام نے جا کر اچھی طرح سے اس کے حالات تحقیق کیے اور اس راوی میں وہ باتیں پائیں جو قابل جرح کے تھیں۔ اس لیے اس دوسرے امام نے جرح کر دی۔ [1]

---

[1] اس جگہ اس بات کا ملاحظہ کر لینا بہت مناسب رہے گا کہ آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال میں جو قدرے اختلاف موجود ہے وہ زیادہ تر راویوں کے مراتب قوت وضعف کی حد بندی میں فرق کا اختلاف ہے نہ کہ تناقض وتباین کا اختلاف۔ میں نے اس موضوع کو (کتاب الشجرۃ فی احوال الرجال للامام للجوزجانی) کی اپنی تحقیق کے مقدمہ ص ۱۱۱۔۱۱۴ پر تفصیل سے بیان کر دیا ہے اس لیے اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مگر صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو ایک خاص مزیت یہ حاصل ہے کہ ان میں تواتر معنوی پایا جاتا ہے۔ گو تواتر صوری نہ ہو۔ حجتہ اللّٰہ البالغہ میں ہے:

"اما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على ان جميع مافيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، و انهما متواتران الى مصنفيهما، وانه كل من يُهوِّن امرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المومنين". [1]

مگر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی یہ حالت ہے کہ تمام محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جو حدیثیں ان دونوں میں متصل مرفوع ہیں، وہ یقیناً صحیح ہیں اور ان کے مصنفین تک متواتر ہیں اور جو ان کی شان گھٹائے گا، وہ بدعتی ہے اور مسلمانوں کے طریقہ سے الگ ہے۔

اس کے بعد اب ہم بعض ان خصوصیات کو مختصر طور پر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جو امام المحدثین کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جن سے بڑے بڑے محدثین کے دامن خالی ہیں۔

ا۔ ایک بڑی خصوصیت امام صاحب کی ذات کے ساتھ یہ وابستہ ہے کہ انھوں نے احادیث کی تنقید اور تصحیح کے لیے عامۂ نہایت شدید شروط لگائے اور بالخصوص جامع صحیح کے لیے اس شدت میں بھی اور چند اضافہ کیے۔

مثلاً **معنعن** روایت امام المحدثین کے نزدیک مجرد معاصرت سے معتبر نہیں ہوسکتی جب تک راوی اور مروی عنہ کا لقا ثابت نہ ہو۔ اس تشدد کی وجہ سے ان کے بعض وہ تلامذہ جن کو امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص اور عقیدت تھی [2]

---

[1] حجة الله البالغة ۱/ ۲۸۲ (۱/ ۳۰۶ طبعه، دار المعرفه)

[2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ غیر مدلس راویوں کی معنعن (عَنْ عَنْ) سے بیان کی ہوئی اسناد جبکہ وہ ایک دوسرے کے ہم عصر ہوں سماع پر محمول کی جائے گی۔ اسی پر امام مسلم کا اپنی صحیح میں اعتماد ہے اور ہم عصری کے ساتھ جن علماء نے ان کی ملاقات کی شرط لگائی ہے ان کے خلاف امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں سخت تنقید کی ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ امام مسلم امام بخاری کے موقف کا رد کرنا چاہتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب امام علی بن مدینی کا رد کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ ابن المدینی اصل صحت حدیث کے لیے ملاقات کی شرط لگاتے ہیں۔ امام بخاری تو اصل صحت میں شرط نہیں لگاتے ہاں البتہ انھوں نے اپنی صحیح بخاری میں اس کا التزام کیا ہے۔ ابوالمظفر سمعانی نے ملاقات کے ساتھ ساتھ طول صحبت کی شرط لگائی ہے۔ ابوعمرو دانی نے کہا ہے کہ راوی اگر مروی عنہ سے روایت کرنے میں معروف ہے تو اس کا عنعنہ قبول کرلیا جائے گا اور قابسی کا کہنا ہے کہ اگر اس نے اس کو واضح طور پر پایا ہو تو قبول ہوگی۔ "الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث" ص ۵۲۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن کثیر کا یہ کہنا کہ امام بخاری نے اصل صحت حدیث میں ملاقات راوی کی شرط نہیں لگائی بلکہ اپنی صحیح میں اس کا التزام ہی کیا ہے یعنی بخاری جو حدیث بھی عن عن کے ساتھ لاتے ہیں۔ اس میں بعض کی بعض سے ملاقات ضرور ثابت ہوتی ہے۔

یہ اس طرح کی کڑی شرط لگانے کا التزام امام صاحب نے اپنے صحیح میں ہی کیا ہے اور یہ کہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ مسلم میں امام بخاری ←

مخالف ہو گئے اور بڑے زوروں سے اس مخالفت کا اظہار کیا۔ زبانی چھوڑ تصنیفات تک میں اس مخالفت کا ذکر کیا۔ امام صاحب نے مطلقاً اس کی پرواہ نہ کی۔ امام صاحب کا خیال اس جانب تھا کہ سلسلہ اسناد میں جس قدر تشدّد کیا جائے گا، اسی قدر حدیث کی پختگی درجہ کمال تک پہنچے گی۔ ❶

← کا رد نہیں کیا اور نہ ہی ان پر طعن و تشنیع کی ہے بلکہ یہ رد امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی کا کیا ہے کیوں وہ اصل صحت حدیث میں اسی طرح کی شرط لگاتے ہیں۔ ابن کثیر کی یہ بات میرے نزدیک بھی ٹھیک ہے اور اسی سے وہ بات بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے جو کہ عام لوگوں میں شہرت پا گئی ہے کہ امام بخاری نے حدیث کے صحیح ہونے کے لیے معاصرت کے ساتھ ساتھ ملاقات کی شرط بھی لگائی ہے نیز یہ بھی کہ امام مسلم نے اپنے خطبہ صحیح مسلم میں امام بخاری کا رد کیا ہے جو امام مسلم کے شیخ ہیں۔ [عبید اللہ]

❶ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی نے اپنی کتاب (**شروط الائمة الستة ص ۱۱**) میں کہا ہے کہ جان لو کہ امام بخاری اور مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی حدیث کی تخریج کریں گے جسے نقل کرنے والے راوی شروع سے آخر تک تمام کے تمام ثقہ ہوں اور اس حدیث میں ثقہ راویوں کے درمیان اختلاف بھی نہ ہوا ہو، اور اس کی سند متصل ہو، اگر کسی صحابی سے روایت کرنے والے دو یا زیادہ ہوں تو یہ بہت اچھا ہے۔ اگر ایک ہی ہو اور اس ایک تک سند صحیح ہو تو بھی اس کی تخریج کریں گے اور حافظ ابن حجر نے یہی بات ابو الفضل سے **تغلیق التعلیق ۴۲۳/۵** میں ذکر کی ہے۔ امام حاکم نے ذکر کیا ہے کہ صحیح حدیث کی پہلی قسم بخاری اور مسلم کا انتخاب ہے اور وہ صحیح حدیث کا پہلا درجہ ہے اور اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مشہور صحابی روایت کرے اور اس صحابی سے دو ثقہ راوی روایت کرنے والے ہوں پھر اس صحابی سے کوئی ایسا تابعی روایت کرے جو صحابی سے روایت کرنے میں مشہور ہو اور اس سے روایت کرنے والے دو ثقہ راوی ہوں پھر اس تابعی سے وہ حدیث کسی حافظ ضابط مشہور تبع تابعی نے روایت کی ہو اور طبقہ رابعہ (چوتھے طبقے) سے اس سے روایت کرنے والے راوی ہوں پھر نیچے بخاری اور مسلم کا شیخ بھی حافظ ضابط مشہور ہو۔ **تغلیق التعلیق ۴۲۳/۵، ۴۲۴**۔ ابن طاہر نے کہا ہے: یہ شرط بہت اچھی ہے بشرطیکہ ان کی صحیحین میں پائی جائے مگر ایسے نہیں ہے کیوں کہ امام حاکم کا یہ بنایا ہوا قاعدہ ٹوٹا ہوا ہے کیوں کہ امام بخاری نے مسیب بن حزن کی حدیث کی تخریج کی ہے حالانکہ مسیب سے ان کے بیٹے سعید کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کی۔

اسی طرح اور مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: ''میانجی نے کتاب "**مالایسع المحدث جهله**" میں کہا ہے کہ بخاری و مسلم کی اپنی صحیحین میں شرط یہ ہے کہ وہ ان میں صرف وہی حدیث درج کریں گے جو ان کے ہاں صحیح ہے اور وہ وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو یا دو سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو پھر ہر صحابی سے چار یا زیادہ تابعیوں نے روایت کیا ہو پھر تابعی سے چار سے زیادہ تبع تابعیوں نے روایت کیا ہو''۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میانجی کی یہ بات بیان کر دینا ہی کافی ہے، اس کا رد کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس کا مردود ہونا بدیہی امر ہے کیوں کہ امام بخاری و مسلم نے یا ان میں سے کسی ایک نے یہ شرط بالکل نہیں لگائی۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں کتنی ہی ایسی احادیث پائی جاتی ہیں جن کو صرف ایک صحابی نے ہی روایت کیا ہے اور کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جن کو صرف ایک تابعی نے ہی روایت کیا ہے اور امام مسلم نے تو بعض ایسی احادیث کی مقدمہ مسلم میں صراحت بھی کی ہوئی ہے اور میں نے اس جگہ میانجی کی بات صرف اس لیے ذکر کی ہے تاکہ اس کا تعاقب کروں تاکہ اس کی بات سے کسی کو دھوکا نہ لگے (**النكت على كتاب ابن الصلاح ۲۴۱/۱**)۔

اور حافظ ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ: حافظ ابو بکر حازمی نے امام حاکم کی بات کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ حاکم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بخاری و مسلم کسی راوی کی وہ حدیث نہیں لاتے جب وہ راوی اس کے بیان کرنے میں متفرد ہو۔ حازمی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حاکم کا یہ دعویٰ غلط اور منقوض ہے کیوں کہ بخاری و مسلم میں غریب احادیث موجود ہیں۔ ←

۲۔ متساہل کی روایت بلا متابعت معتبر نہیں۔ اسی واسطے کوئی روایت ایسے راویوں سے جامع صحیح میں مذکور نہیں ہے۔ [۱]

اسی تشدد کی بنا پر جس راوی سے امام صاحب نے صحیح بخاری میں اصولاً یعنی تعلیقاً یا متابعۃً نہیں، روایت کی، اس کے بارے میں محدثین کا یہ جملہ مشہور ہوگیا: "هذا جاز القنطرة"۔ [۲] یہ راوی تو پل سے پار اتر گیا۔ غرض یہ کہ اب اس راوی کے بارے میں کچھ دیکھنے اور جانچنے کی ضرورت نہیں۔ [۳]

← حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ امام حاکم کی یہ مراد نہیں جو حازمی رحمہ اللہ سمجھ رہے ہیں کیوں کہ امام حاکم کا مطلب دراصل یہ تھا کہ بخاری ومسلم کے ہر راوی صحابی ہو یا غیر صحابی میں شرط یہ ہے کہ اس سے کسی بھی جگہ یا کسی بھی کتاب میں دو راویوں نے روایت کی ہو یہ مطلب نہیں کہ شیخین نے یہ شرط لگائی ہے کہ ہماری صحیحین میں وارد ہونے والی خاص حدیث کو دو نے دو سے روایت کرنے پر اتفاق کیا ہو......الخ۔ (النکت ۱/۲۴۰)۔

[۱] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں رہا غلطی کا ہونا تو یہ کبھی کبھی کسی راوی سے کثرت سے ہوتی ہے اور کبھی کبھی قلت سے ہوتی ہے۔ پس یہاں کسی راوی کو کثیر الغلط وصف کے ساتھ متصف کیا جائے گا تو پھر دیکھا جائے گا کہ بخاری میں جو اس طرح کے راوی کی حدیث ہے اگر اس کا متن بخاری یا کسی اور کتاب حدیث میں اس کثیر الغلط ہونے کے ساتھ متصف راوی کے علاوہ کسی اور راوی سے بھی مروی ہے تو سمجھا جائے گا کہ اصل مقصود تو حدیث کا متن ہی ہے نہ کہ خاص طور پر وہ طریق واسناد مقصود ہے، اور اگر وہ متن حدیث اسی کثیر الغلط راوی سے مروی ہے تو یہ قدح کا سبب ہوگا۔ اس طرح کی حدیث پر صحت کا حکم لگانے سے توقف ضروری ہوگا اور بحمد اللہ تعالیٰ صحیح بخاری میں اس طرح کی کوئی مثال نہیں۔ اسی طرح جہاں راوی کو قلت غلط سے موصوف کیا گیا ہو مثلاً "سيئ الحفظ" یا "له اوهام" یا "له مناكير" وغیرہ عبارات، اس کی حدیث پر بھی سابقہ قسم والا حکم لگایا جائے گا لیکن اس طرح کے راویوں کی روایات بہ نسبت پہلی قسم کے راویوں کی روایت کے زیادہ تر بخاری میں متابعات میں ہیں نہ کہ اصول میں۔ مقدمۃ الفتح ص ۳۸۴۔

[۲] مقدمۃ فتح الباری ص ۳۸۴ اور الاقتراح ص ۳۲۷۔

[۳] رہے وہ راوی جن کی احادیث اصول ومقاصد میں بیان کی ہیں یعنی متابعات، تعلیقات اور شواہد کے علاوہ تو ان کے متعلق حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے: ہر انصاف پسند کے لیے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ حدیث کی صحیح کتاب کا مصنف جس راوی سے روایت اپنی صحیح میں بیان کرتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ راوی اس مصنف کے ہاں عادل ہے اور اس کا ضبط صحیح ہے اور اس میں غفلت نہیں ہے اور بالخصوص جمہور آئمہ کا بخاری ومسلم کی کتابوں کو صحیحین کے ساتھ موسوم کرنے پر اتفاق کرنا...... تو یہ اس بات کے قائم مقام ہے کہ جمہور آئمہ نے ان دونوں کتابوں کے راویوں کو عادل کہنے پر اتفاق کرلیا ہے۔ یہ تو اس وقت ہے جب کہ صاحب صحیح نے اس راوی کی حدیث اصول میں بیان کی ہو۔ رہی وہ صورت کہ جس میں ان کی روایت متابعات، شواہد اور تعلیقات میں بیان کی ہو تو ان راویوں کے ضبط وغیرہ میں درجات مختلف ہوتے ہیں، اس وقت ان کے صدق وعدم صدق میں اختلاف نہیں ہوتا بلکہ وہ اصل صدق سے ہی ہوتے ہیں ......الخ. مقدمۃ فتح الباری ص ۳۸۴۔

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کتب رجال میں جس راوی پر بھی (خ) یعنی بخاری کا اشارہ دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جرح کا پل پار کر گیا ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ راوی غلطی یا سوء حفظ سے متصف ہو لیکن امام بخاری اس طرح کے راویوں سے متابعات یا شواہد میں روایت لاتے ہیں یا اس کا دوسرے کسی طریق سے متابع موجود ہوتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ امام بخاری نے کسی ایسے ←

اس تشدد کا باعث یہ تھا کہ اس وقت مدلسین اور متساہلین کی بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ بہت سی حدیثیں ضعیف الحافظ اور متساہلین کی رائج ہو گئی تھیں۔ وراق خود امام بخاری سے ناقل ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک ہزار حدیثیں ایک شیخ کی میں نے اسی تدلیس کے شبہ پر ترک کر دیں اور اسی طرح ایک اور دوسرے شیخ کی''۔ [1]

اس تشدد اور سخت شرائط کے ساتھ کمال یہ ہے کہ ممالک اسلامی کو چھان کر علاوہ دیگر تالیفات کے ایک ضخیم اور جامع تالیف صحیح روایتوں کو انتخاب کر کے اہل اسلام کے سامنے پیش کی جس کی نظیر نہ ہو سکی اور یہ تشدد اور سختی شرائط محض زبانی باتیں نہ تھیں جیسا کہ بعض معتقدین اپنے امام کی نسبت دعوے کرتے ہیں کہ وہ بڑے پایہ کے محدث تھے اور جب ان پر قلت روایت کا اعتراض ہوتا ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ان کی شرائط بہت سخت تھیں اور اس میں بڑی لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں لیکن جب ان کو یہ دکھلایا جاتا ہے کہ جن کی نسبت تم تشدد اور سخت شرائط کے دعوے کرتے ہو، ان کی اکثر روایتیں منقطع، مراسیل اور بلاغیات ہیں اور انہیں سے استدلال کیا گیا ہے تو مضطربانہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تو قلیل الروایۃ تھے۔ لیکن یہ ایسا غلط جواب ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر امام ابوحنیفہؒ یا دیگر فقہائے اہل عراق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ وہاں فیض صحبت رسول اللہ ﷺ وہ بھی طویل صحبت کی وجہ سے علم احادیث یقینی ہے جبکہ یہاں ایک ثبوت طلب امر ہے۔

۲۔ ایک بہت بڑی خصوصیت فقہ الحدیث کی تدوین ہے جس طرح صحیح بخاری اپنی صحت کے اعتبار سے بے نظیر ہے، اسی طرح یہ مبارک اور مقدس کتاب تدقیق مسائل اور فقاہت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔ فقہ محمدی کی تدوین کی بنا اگر چہ عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری، امام مالک اور ان کے معاصرین محدثین نے ڈالی لیکن امام المحدثین نے

← شیخ سے حدیث نکالی ہوتی ہے جو کسی دوسرے شیخ سے روایت کرنے میں ضعیف قرار دیا گیا ہوتا ہے۔ (بخاری میں نہیں)
اگر اس طرح کے راویوں سے بخاری کے علاوہ کسی اور کتاب میں حدیث پائی جائے گی تو صرف اس وجہ سے اسے صحیح قرار نہیں دیا جائے گا کہ یہ بخاری کے راویوں میں سے ہے بلکہ اس کی حدیث میں غور و فکر کیا جائے گا اور اس کی متابعات اور شواہد کو تلاش کیا جائے گا، اسی وجہ سے اس پر موقع و محل کے تقاضے کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔
حافظ ابن حجر نے بخاری کے متکلم فیہ راویوں کو ایک ایک کر کے ذکر کیا ہے اور ان کے احوال بھی بیان کر دیے ہیں پھر آخر میں ان کے بارے میں خلاصۂ کلام بھی ذکر کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم میں راوی جو اعتقاد کی وجہ سے ضعیف قرار دیے گئے ص ۳۵۹، اور دوسری وہ قسم جن کو کسی ایسے امر کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے جو امر بذات خود مردود ہے مثلاً کسی راوی پر ظلم و زیادتی کرنا، یا ہٹ دھرمی کرنا، یا ضعیف قرار دینے والے کا معتبر نہ ہونا کیوں کہ وہ اہل نقد میں سے نہیں ہوتا اس لیے کہ اسے متکلم فیہ راوی کی حدیث کے متعلق پوری واقفیت نہیں ہوتی یا اس کے احوال کی پوری خبر نہیں ہوتی یا اس کا زمانہ اس سے بعد کا ہوتا ہے یا اس طرح کی دیگر وجوہات۔
اسی کے ساتھ راویوں کی وہ قسم بھی ملحق ہے جن میں ایسا کلام کیا گیا ہو جو اس کی تمام احادیث میں قدح کا سبب نہیں بنتا مثلاً ایسا راوی جو اپنے بعض شیوخ سے روایت کرنے میں ضعیف قرار دیا گیا ہو نہ کہ تمام میں...... الخ ص ۳۶۰۔

[1] مقدمۃ فتح الباری ۴۸۱ اور اس کی تخریج پہلے ہو چکی ہے۔

اس کو اوج کمال تک پہنچایا۔ اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری فقہ محمدی کے مکمل ہیں۔ فقہ محمدی کی تدوین جن باریک اور غامض اصولوں پر کی، اس کا اندازہ علامہ ابن خلدون کے اس قول سے ہو سکتا ہے:

''رحم الله محمد بن اسمٰعيل فانه اصّل الاصول، اى اصول الاحكام''۔ [1]

آگے چل کر اس فن کو اس قدر ترقی ہوئی کہ ایک ایک حدیث سے تقریباً تین تین سو مسائل استخراج و استنباط کیے گئے چنانچہ عمدۃ الاحکام [2] اور اِلْمَام [3] و دیگر تالیفات میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ [4]

۳۔ تاریخ الرجال کی تدوین کی طرف جس طرح امام بخاری نے توجہ کی، یہ ان کی خصوصیات سے ہے۔ اس فن کا سنگ بنیاد گو یحییٰ بن سعید قطان [5] نے رکھا لیکن با قاعدہ اور اہتمام بلیغ کے ساتھ اس کی تدوین امام بخاری نے کی۔ اس

---

[1] مقدمة ابن خلدون مصنف نے یہ قول علامہ ابن خلدون کی طرف منسوب کیا ہے لیکن میں نے اس مشہور مقدمہ میں یہ قول نہیں پایا، البتہ حافظ ابن حجر نے اس کی نسبت امام ابو احمد حاکم نیشاپوری کی طرف کی ہے اور ان کے لفظ یہ ہیں:
حاکم ابو احمد نیشاپوری (جو کہ ابو علی نیشاپوری کے دور کے ہیں اور راویوں کی معرفت رکھنے میں ابو علی سے مقدم ہیں) نے کہا ہے جیسا کہ حافظ ابو یعلی خلیلی نے اپنی کتاب ارشاد میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ محمد بن اسماعیل (بخاری) پر رحم کرے کیوں کہ انھوں نے احادیث (نبویہ) سے اصول احکام (شرعیہ) جمع کیے اور لوگوں کے لیے بیان کیے اور ہر عالم دین جس نے بھی ان کے بعد یہی کام کیا ہے تو اس نے بخاری کی کتب سے اخذ کیا ہے۔ مقدمة فتح البارى ص ۱۱ اور ۴۸۹ (محقق) اور حافظ خلیلی کی کتاب الارشاد ۳/۹۶۲۔

[2] عمدة الاحكام تقی الدین ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی بن سرور جماعیلی مقدسی کی تالیف ہے جو کہ ۶۲۰ھ میں فوت ہوئے اور یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ دیکھیے: كشف الظنون ۲/۱۳۱-۱۳۲۔ (المحقق) اس کی شرح علامہ ابن دقیق العید نے اپنی کتاب ''احكام الاحكام شرح عمدة الاحكام'' میں کی ہے اور اس شرح پر علامہ امیر محمد بن اسماعیل صنعانی صاحب سبل السلام کا حاشیہ ہے جس کا نام العدۃ ہے۔ مکتبہ سلفیہ قاہرہ میں ۱۳۷۹ھ کو جلالۃ الملک سعود بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے مالی ایثار سے شیخ علی بن محمد ہندی کی تحقیق اور استاذ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ کی تصحیح و تخریج کے ساتھ چار جلدوں میں طبع ہوا اور اس کا دوسرا طبع ۱۴۰۹ھ میں ہوا۔

[3] الالمام فی احادیث الاحکام، علامہ تقی الدین محمد بن علی بن وهب المعروف بہ ابن دقیق العید کی تالیف ہے جو کہ ۷۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ انھوں نے اس میں احکام کے ساتھ تعلق رکھنے والی احادیث کے متون بغیر سندوں کے جمع کیے ہیں پھر خود ہی اس کتاب کی بڑی مہارت سے ایک شرح لکھی جس کا نام الامام یا الالمام رکھا۔ کہا گیا ہے کہ اس قسم میں اس سے بڑی اور کوئی کتاب تالیف نہیں کی گئی لیکن یہ کتاب مصنف رحمہ اللہ سے پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ دیکھیے: كشف الظنون ۲/۱۴۴۔۱۴۵ (محقق)۔
یہ کتاب پوری کی پوری استاذ محمد سعید مولوی کی تحقیق کے ساتھ دمشق میں ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں طبع ہوئی۔
لیکن اس کی شرح الالمام مکمل نہ ہو سکی، ان دونوں کتابوں کے بارے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے ابن دقیق العید کی کتاب ''الاقتراح فی بیان الاصطلاح'' کی استاذ قحطان عبد الرحمن دوری کی تحقیق کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

[4] اہم کتب میں سے شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ کے دادا مجد الدین عبد السلام بن تیمیہ کی منتقی الاخبار اور اس کی شرح نیل الاوطار للشوکانی ہے اور یہ عام دستیاب ہے۔

[5] حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے: اول من جمع كلامه فى ذلك يحيى بن سعيد قطان یعنی اول جس نے اس فن ←

مبارک فن کی تدوین کا خیال امام صاحب کو کیونکر ہوا۔ امام صاحب نے جن مہمات کو اپنا ضروری فرض قرار دیا تھا، ان میں صحیح حدیثوں کا انتخاب اور تنقیدی نظر سے جانچنا سب سے اہم تھا۔ اس کے لیے جہاں اور چیزوں کی ضرورت تھی، ایک ضروری فن فن تاریخ الرجال بھی تھا۔ امام صاحب سے پہلے کذاب، وضاع، افترا پردازوں کی ایک جماعت قائم ہو چکی تھی۔ اس تدوین فن الرجال کی بدولت سینکڑوں افترا پردازوں کے راز فاش ہو گئے اور ہزاروں غلط واقعات کی قلعی کھل گئی۔ اس فن کی تدوین سے پہلے مفترین واقعات و روایات تیار کرتے اور خوش اعتقاد لوگ مان لیتے۔ اسی طوفان بدتمیزی نے امام صاحب کو فن تاریخ کے اس خاص شعبہ کی طرف متوجہ کیا اور امام صاحب نے تاریخ کبیر، تاریخ اوسط اور تاریخ صغیر لکھی۔ ایک اعتبار سے اس فن کی یہ اول تالیفات ہیں۔ اسی واسطے امام اسحٰق بن راہویہ نے تاریخ کبیر دیکھی تو فریفتہ ہو گئے اور امیر عبداللہ بن طاہر [1] کے دربار میں پیش کر کے فرمایا، الا اریك سحرا۔ [2]

امام صاحب نے اس فن کی تدوین سے صرف فن حدیث ہی کی خدمت نہیں کی بلکہ دنیا پر ایک احسان عظیم کیا۔ آنے والی نسلوں کو تاریخ کے ایک خاص شعبہ کی طرف متوجہ کر گئے۔ امام صاحب کے نشان قدم پر سیکڑوں تصنیفیں لکھی گئیں۔ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ اہل یورپ نے اس کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اسلام کے ساتھ جہاں بہت سی خصوصیات وابستہ ہیں، ان میں ایک خصوصیت اس فن کی تدوین بھی ہے۔ اس فن کی برکتوں کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

ابوالمحاسن [3] وغیرہ امام ابوحنیفہ کی سیرت میں ذیل کا واقعہ لکھتے ہیں جو فقہائے حنفیہ میں بلا نکیر شہرت پذیر ہے۔ امام ابوحنیفہ کو حماد بن ابی سلیمان [4] کے بعد کوفہ کی مسند درس پر بٹھایا گیا تو آپ نے بمشکل قبول فرمایا۔ انہیں دنوں خواب میں دیکھا کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔ ڈر کر چونک پڑے اور مسند چھوڑ دی، سمجھے کہ میری

← میں کتاب جمع کی، وہ یحییٰ بن سعید قطان ہیں لیکن واضح ہو کہ وہ باقاعدہ تصنیف نہ تھی۔ [مؤلف]

[1] وہ ابو العباس عبداللہ بن طاہر بن حسین بن مصعب بن رزیق خزاعی ہیں۔ مامون نے شام کی امارت ان کے سپرد کی تھی پھر خراسان کا امیر بنا دیا تھا، وہ خراسان جا کر ٹھہرے حتیٰ کہ ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد ۹/ ۴۸۳۔۴۸۹ (محقق)

[2] مقدمۃ فتح الباری ۴۸۳، تاریخ بغداد ۲/ ۷ اور الطبقات للسبکی ۲/ ۲۲۱۔

[3] وہ ابو المحاسن ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی صالحی شافعی ہیں۔ حافظ، محدث اور تاریخ کے عالم تھے۔ صالحیہ دمشق میں ولادت ہوئی اور صحراء القاهرة میں برقوقیہ مقام پر اقامت اختیار کی حتیٰ کہ وہیں ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔ ان کی کئی ایک تالیفات ہیں۔ ان میں ایک "عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفة النعمان" ہے۔ الاعلام للزرکلی ۸/ ۳۰۔۳۱ اور معجم المؤلفین ۱۲/ ۱۳۱۔۱۳۲۔ (محقق)

[4] وہ ابو اسماعیل حماد بن ابو سلیمان مسلم ہیں۔ باعتبار ولاء اشعری ہیں، کوفی فقیہ تھے۔ انھوں نے انس، زید بن وهب، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر اور عکرمہ وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے اسماعیل نیز عاصم احول، شعبہ، ثوری، حماد بن سلمہ، ابوحنیفہ اور اعمش وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۱۲۰ھ یا ۱۱۹ھ میں وفات پائی۔ تهذیب التهذیب ۲/ ۱۶۔۱۸، میزان الاعتدال ۱/ ۲۷۹۔ (محقق)

نا قابلیت کی طرف اشارہ ہے۔[1] امام ابن سیرین علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے، انھوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔ امام صاحب کو تسکین ہوگئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوگئے۔[2]

اس واقعہ میں تین باتیں مذکور ہیں:[3]

ا۔ امام ابوحنیفہ کا بعد انتقال حماد بن ابی سلیمان ان کی مسند درس پر بیٹھنا۔

۲۔ امام صاحب کا خواب دیکھنا۔

۳۔ امام ابن سیرین سے تعبیر پوچھنا۔

حماد بن ابی سلیمان کا انتقال ۱۲۰ ہجری میں ہے۔ اس کے دس برس قبل ۱۱۰ھ میں امام سیرین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لیے یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ بلا تامل یہ تسلیم کرلیا جائے کہ امام ابوحنیفہ نے خواب دیکھنے سے دس برس پہلے تعبیر پوچھ لی ہو۔

اس سے فن تاریخ الرجال کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ امام بخاری کی باریک بین نگاہ نے اس کو ضروری سمجھ

---

[1] عقود الجمان ۱۶۹۔

[2] اصل قصہ عقود الجمان ص ۱۷۰۔۱۷۱ میں ہے اور مناقب ابی حنیفة لکردری ۶۱/۱، ۶۲، ۶۹/۲ میں بھی ہے۔

[3] اسی طرح ہم عصر شمس العلماء نعمانی صاحب نے امام ابوحنیفہ کی تدوین فقہ کا طریقہ بتایا ہے جس کو موصوف نے گو ابوالمحاسن ہی سے نقل کیا ہے لیکن اپنی سحر بیانی کا اس پر نیا رنگ چڑھایا ہے۔ ہم عصر موصوف کے الفاظ یہ ہیں۔ یحییٰ بن ابی زائد، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد طائی، حبان، مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے۔ امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب و عربیت میں کمال تھا۔ امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ ہجری سے ۱۵۰ تک۔

ہم عصر موصوف کے اس بیان کردہ واقعہ کو مشہور مناظر علامہ رحیم آبادی نے اسی فن تاریخ الرجال کے معیار سے اس طرح جانچا ہے کہ امام محمد کی ولادت علی اختلاف الروایات ۱۳۵ھ خواہ تیس یا ۱۳۱ھ ہے۔ دیکھیے ابن خلکان امام محمد قبل ولادت ۱۲۱ھ میں اس مجلس میں کیوں کر شریک ہوئے۔ قاضی ابو یوسف ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اس حساب سے ان کا سن ۱۲۱ ہجری میں آٹھ سات برس کا ہوتا ہے، بالخصوص جب کہ امام ابو یوسف افلاس کے باعث معاش کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ بہت پیچھے پڑھنا شروع کیا۔ پھر ۱۲۱ھ میں اس مہتم بالشان مجلس کے رکن کیوں کر ہوئے۔ امام زفر ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اس حساب سے ان کا سن ۱۲۱ میں دس گیارہ برس کا تھا۔ ان کا اس مہتم بالشان مجلس میں شریک ہونا محض خلاف عقل وخلاف روایت ہے۔ حبان نے ۱۷۱ھ یا ۱۷۲ھ میں وفات پائی اور وفات کے وقت ان کا سن ساٹھ برس کا تھا۔ اس حساب سے ۱۲۱ھ میں ان کا سن آٹھ برس کا ہوتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ۱۲۱ میں آثار وحدیث میں کمال رکھتے تھے۔ یحییٰ بن ابی زائدہ ۱۲۰ میں پیدا ہوئے۔ پھر ان کی شرکت سے ۱۲۱ھ میں وہ مجلس کیوں کر ترتیب دی گئی۔ ہم عصر موصوف کا یہ لکھنا کہ ان لوگوں کی شرکت سے امام صاحب نے ۱۲۱ھ میں وہ مجلس مرتب کی، عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے حالانکہ مذکورین بالا اراکین کے سنین ولادت بھی آپ نے لکھے ہیں۔ افسوس ہے فن تاریخ کے فلسفہ دان ہوکر آپ نے اس مجلس تدوین فقہ کو تنقیدی نگاہ سے نہ جانچا بلکہ نہایت فصاحت وسحر بیانی سے اس کو فقط چمکا دیا۔

کر ان کو پہلے اسی کی طرف متوجہ کیا اور پہلے ہی سفر میں مدینہ پہنچ کر قبل تالیف صحیح بخاری اسی کی تدوین میں مصر ہوئے اور تاریخ کبیر کا مسودہ لکھا۔ [1]

۴۔ ایک بڑی خصوصیت امام بخاری کی یہ ہے کہ اگلے فقہائے محدثین، مجتہدین وغیرہ اپنی تالیفات کی بنایا تو صرف ابواب فقہیہ پر رکھتے یا رقاق پر یا عبادات یا غزوات یا طب یا عقائد وغیرہ پر یا ان میں کی چند باتیں جمع کرتے۔

امام بخاری کی سب سے پہلی یہ تالیف ہے جو باوجود التزام صحت وتشدد شرائط کے تمام فنون اسلامیہ کی جامع ہے۔ اس کے بعد بہت سے مؤلفین نے امام صاحب کا خاکہ اڑایا مگر

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تشدد صحت، دقت نظر، جودت، فقاہت وغیرہ تو درکنار، اس قدر فنون بھی وہ اکٹھے نہ کر سکے۔ صحیح بخاری ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر صحیح اور جامع دونوں کا اطلاق صحیح ہے۔ [2] جامعیت کی یہ حالت ہے کہ کیفیت وحی اور ابتدائے وحی (جس سے اسلام کی بنا قائم ہوتی ہے) سے لے کر تمام فنون عقائد، عبادات، معاملات، سیر، بدء العالم، غزوات، تفسیر، فضائل، طب، آداب، رقاق، توحید وغیرہ اس طرح ۵۴ فنون اسلامیہ کی جامع کتاب لکھی۔ ملکی، سیاسی قوانین کے علاوہ روزمرہ کے جزئی معاملات کس طرح روشن اور صاف دلائل سے مستنبط کیے۔ [3]

الغرض بعد کتاب اللہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو دین اور دنیا دونوں کے معاملات کو سلجھاتی ہے اور مصنف کے تمام فنون میں قابلیت کی شہادت دیتی ہے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ امام بخاری سہو اور نسیان سے پاک تھے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود امام صاحب نے اس تالیف کو بڑے بڑے نقادان فن امام احمد بن حنبل، ابن معین، علی بن مدینی اور ان کے معاصرین پر پیش کیا۔ ان لوگوں نے ایک ایک حدیث جانچ کر اس کی صحت پر اتفاق کیا۔ [4] اسی طرح امام بخاری کے بعد تمام ماہرین فن حدیث نے جن کا تبحر مسلم تھا، مجموعی قوت سے اس کے ایک ایک لفظ کو جانچا۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اس کے ایک ایک موضوع پر مستقل تصنیفیں لکھیں اور کسی ایسے مقام کو جہاں ذرا بھی رکنے کی جگہ ہو، فنون حدیثیہ کی کسوٹی پر کس کر مستقل بحث لکھے بغیر نہ رہ سکے تو اب وہ لوگ جو اس فن سے نابلد ہیں، جن کے دماغ نکات حدیثیہ کی سطح تک بھی نہیں پہنچتے اگر صحیح بخاری کی عام مقبولیت پر شور وشغب مچائیں تو کب قابل التفات ہے

---

[1] مقدمة فتح الباري ۴۷۸۔ اس کے متعلق امام بخاری کا قول اور اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

[2] جامع کی تعریف اور اس کی مناسب صفات کے تذکرے کے لیے تحفة الاحوذی کے مقدمہ کی طرف رجوع کیجیے ۶۴/۱۔

[3] امام بخاری کا یہ قول گزر چکا ہے کہ میں ایسی کوئی شئی نہیں جانتا جس کی ضرورت ہو مگر وہ کتاب وسنت میں بیان نہ ہو چکی ہے۔ ان کے وراق نے عرض کی کیا ان سب کی معرفت رکھنا ممکن ہے؟ تو فرمایا: ہاں اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

[4] چار احادیث کے علاوہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن حافظ عقیلی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ان چار احادیث کے بارے میں بھی امام بخاری کی بات معتبر ہے اور وہ صحیح ہی ہیں۔ مقدمة فتح الباري ۷۔ (محقق)

مہ نور می فشاند و سگ بانگ "میزند"

۵۔امام بخاری کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ قرآن اور واقعات حدیثیہ سے فن حدیث کے اصول وضوابط کو مستحکم کرنا چاہیے۔علم حدیث کے بہت سے اصول گو رائج ہو گئے تھے لیکن ان کو باضابطہ فن بنا کر اور استدلال کی کسوٹی پر جانچ کر پیش کرنا اب تک مروج نہیں تھا۔امام صاحب نے جامع صحیح میں ان اصول کو مستحکم کر کے باضابطہ فن کی صورت میں پیش کیا۔اس کی بعض مثالیں یہ ہیں مثلاً حدیث لینے کے دو طریقے پہلے سے چلے آتے تھے:

ایک یہ کہ محدث پڑھے اور طالبین سنیں۔

دوسرے یہ کہ خود طالب علم حدیث سنائے اور استاد سنتا جائے اور نعم (ہاں) کہتا جائے۔

اس میں محدثین کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ایک جماعت جن میں حسن بصری، سفیان ثوری، امام مالک وغیرہ جیسے کامل الفن ہیں، کہتی ہے کہ اگر طالب پڑھے اور محدث سن کر نعم یا ایسا ہی کوئی اور لفظ کہہ دے جس سے تسلیم کرنے کے معنی نکلتے ہوں تو شاگرد حدثنا فلاں کہہ سکتا ہے اور اس سے حدیث اور سلسلہ سند کے استحکام میں کوئی خلل پیدا نہیں ہو سکتا۔دوسری جماعت اس کی مخالف تھی۔امام بخاری نے اخذ کے دونوں طریقوں کو جائز ثابت کیا اور باب اس طرح منعقد کیا: "القراءة والعرض على المحدث" [1] اور دونوں دعوؤں کو بڑے واضح طریقہ پر ثابت کیا۔

اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ کی سماعت حدیث معتبر ہے یا نہیں اور معتبر ہے تو کس سن میں؟۔یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔[2] امام المحدثین نے دو صحابیوں (ابن عباس، محمود بن الربیع) کی سنی ہوئی حدیثوں سے (جو بالاتفاق مقبول ہیں) اس کی مقبولیت کی طرف اشارہ کیا لیکن ساتھ اس کے دوسرا باب منعقد کیا: "الفهم في العلم" [3] جس سے اشارہ ہے کہ فہم شرط ہے اور فہم کے مدارج مختلف ہوتے ہیں۔[4]

اسی طرح مناولہ کی ایک صورت محدثین میں مروج تھی کہ اپنی مرویات کو طالب کے حوالے کر دیتے اور روایت کی اجازت دے دیتے۔ایک جماعت اس کی منکر تھی۔امام المحدثین نے اس کو متعدد دلیلوں سے ثابت کیا اور باب اس طرح منعقد کیا:

---

[1] صحیح البخاری ۱/۱۴۸

[2] بچے کے سماع کے عدم قبول کے قائل یحیٰی بن معین ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے اور وہ اس کی عمر کم از کم پندرہ سال بتاتے ہیں کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر کو بدر کے دن ۱۴ سال عمر ہونے کی وجہ سے لوٹا دیا تھا اور احد میں پندرہ سال ہونے کی وجہ سے اجازت دی تھی. فتح الباری ۱/۱۷۱۔ (محقق)

[3] صحیح بخاری ۱/۱۶۵۔

[4] بوقت دیکھنے اس واقعہ کے جس کے وہ راوی ہیں، محمود بن ربیع کا سن پانچ برس کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ پانچ برس کے لڑکے کا سماع معتبر ہے بشرطیکہ فہم رکھتا ہو پس اصل تحدید فہم پر ہے، اگر اس سن میں فہم حاصل نہیں تو اس سن کے سماع کا اعتبار نہیں۔

"باب ما یذکر فی المناولة و کتاب اهل العلم الی البلدان". [1]

ایک مسئلہ کتابت حدیث کا ہے۔ بعض محدثین صحیح مسلم کی حدیث کی وجہ سے کتابت حدیث کے مخالف تھے۔ [2]
امام المحدثین نے اس کے لیے باب منعقد کیا: "باب کتابة العلم" [3] اور کتابت حدیث کے جواز کو متعدد دلیلوں سے ثابت کیا۔

س ایک مسئلہ بڑا مہتم بالشان یہ ہے کہ خبر واحد سے استدلال صحیح ہے یا نہیں۔ [4] اگر صحیح ہے تو کن کن حالتوں میں صحیح ہے اور قیاس سے خبر واحد رد کر دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ یہی ایک مسئلہ ہے جو فقہائے اہل الرائے کو فقہائے محدثین سے عملاً الگ کرتا ہے۔

امام صاحب نے اس کے لیے باب بایں تعمیم منعقد کیا: "باب ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلوٰة والصوم والفرائض والاحکام". [5] خبر واحد کی مقبولیت پر قرآن سے استدلال قائم کرنے کے بعد اس کثرت سے حدیثیں پیش کیں کہ جو انفراداً تو خبر واحد ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے متواتر۔ پس اصل استدلال تواتر معنوی سے ہوا۔ امام صاحب نے خبر واحد کی مقبولیت میں اس کثرت سے واقعات اس لیے پیش کیے کہ بعض کوتاہ بین کے اس خدشہ کو دفع کریں جو انھوں نے حدیث سے استدلال قائم کرنے پر پیش کیا تھا کہ خبر واحد کی مقبولیت پر خبر واحد ہی سے استدلال پیش کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ استدلال مستلزم دور کا ہے اور اس وجہ سے یہ استدلال ناتمام ہے۔

درحقیقت خبر آحاد سے احتجاج کا مسئلہ نہ تو پہلے کوئی پیچیدہ مسئلہ تھا نہ اب ہے لیکن خبر واحد کی مقبولیت پر امام صاحب نے اسی وجہ سے زور دیا کہ امام صاحب کے زمانہ میں فقہائے اہل الرائے میں قیاس کا بڑا رواج ہو گیا تھا۔ صرف قیاس ہی تک محدود ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ ان کو اپنے آئمہ کی رائے پر وثوق کامل پھر اس پر ان کے تخریجی اصول کی پابندی ان وجوہات سے ان کے مسائل متخرجہ کو احادیث نبویہ سے بہت بُعد ہوتا گیا اور جس قدر تخریج کے بعد تخریج در تخریج کی نوبت پہنچی، اس بُعد میں ترقی ہوتی گئی۔ جب مجتہدین محدثین ان پر مخالفت کا اعتراض کرنے لگے تو ایک اصول گھڑ کر آڑ بنایا کہ خبر آحاد سے زیادة علی الکتاب ناجائز ہے۔ [6] اس کا یہ مطلب لیتے کہ خبر آحاد سے

---

[1] صحیح بخاری ۱/۱۵۳۔
[2] یہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو مسلم میں ہے اور اس کی تخریج پہلے ہو چکی ہے۔
[3] صحیح بخاری ۱/۲۰۴۔
[4] وہ حدیث جس کی سند زیادہ سے زیادہ تین تک ہو۔ [مؤلف]
[5] صحیح بخاری ۱۳/۲۳۱۔
[6] چونکہ اہل الرائے نے اپنے مسائل متخرجہ کے بعد محض آڑ بنانے کی غرض سے یہ اصل قائم کیا تھا، اس لیے ایک نہیں ان کے سیکڑوں مسلمہ مسائل پر اس قاعدہ سے اعتراض کیے گئے لیکن فریق کے اعتراض کے جواب میں انھوں نے ہر جگہ یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ حدیث آحاد سے نہیں ہے بلکہ مشہور ہے لیکن اس دعویٰ کو ثابت نہ کر سکے، اس لیے محققین متاخرین اہل الرائے نے خود انصاف سے اس دعویٰ کو اکثر جگہ ←

عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ نہیں ہوسکتی۔

اہل الرائے کے علاوہ اور بہت سے لوگ تھے جو خبر واحد کی مقبولیت اور اس سے استدلال کرنے پر بڑے بڑے شکوک پیدا کرتے۔ جس کا نام آگے چل کر ''اصول درایت'' رکھا گیا اور نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

امام صاحب نے مذکورہ بالا باب کے علاوہ اور بھی کئی باب منعقد کیے جو اسی کی تائید کرتے ہیں۔ ایک باب منعقد کیا: '' باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزبیر طلیعة واحدة ''[1] پھر تیسرا باب ''لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم فاذا اذن له واحد جاز''[2] چوتھا باب یہ ہے: '' باب ما کان یبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الامراء والرسل واحدا بعد واحد''.[3] اخیر میں ایک باب :''باب خبر المرأة الواحدة'' منعقد کیا۔[4] جس سے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ حدیثوں کی مقبولیت کی طرف اشارہ ہے جس پر عورتوں کے بے شمار مسئلے موقوف ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی چند بابوں میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے ''باب هل یجوز للحاکم ان یبعث رجلا واحدا''[5] و''هل یجوز ترجمان واحد''.[6] ان کل ابواب کو امام صاحب نے بکمال وضاحت، شفاف طریقہ پر ثابت کیا جو امام المحدثین کی خداداد فقاہت کا حصہ ہے۔

ان کے علاوہ امام المحدثین نے طالب حدیث اور محدث کے وہ آداب جو اب اصول حدیث کی کتابوں میں ضبط کردیئے گئے ہیں، مفصلاً بیان کیے ہیں مثلاً:

ضرورت کے وقت محدث طالب حدیث پر غصہ کرسکتا ہے۔ اسی طرح راہ میں حدیث بیان کرنا، ایک حدیث کو تین تین بار بیان کرنا،[7] ذہن نشین کرانا، بااندازہ عقل بیان کرنا، سواری کرنا، فہم کا امتحان کرنا، حدیث کے لیے سفر کرنا، فقہ الحدیث کا باوقعت ہونا، احادیث کو اس وقت تک بیان کرنا جب تک طالب گھبرائے نہیں۔ اس طرح کے بہت سے آداب اور اصول بیان کیے ہیں۔[8]

← غیر مقبول ٹھہرایا۔ حیرت تو اس پر ہے کہ باوجود یہ قاعدہ مقرر کرنے کے اہل الرائے نے خبر واحد تو درکنار قیاس سے زیادۃ علی الکتاب کر دیا۔ اس بحث کو علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی پچاسوں نظیریں پیش کی ہیں۔

[1] صحیح بخاری ۲۳۹/۱۳۔

[2] صحیح بخاری ۲۴۰/۱۳۔

[3] صحیح بخاری ۲۴۱/۱۳۔

[4] صحیح بخاری ۲۴۳/۱۳۔

[5] صحیح بخاری ۱۸۵/۱۳۔

[6] صحیح بخاری ۱۸۵/۱۳۔

[7] صحیح بخاری ۱۸۲/۲۔۱۸۸۔

[8] صحیح بخاری کتاب العلم ۱۴۰/۱۔۲۳۱۔

اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ رواۃ حدیث کبھی روایت میں اخبرنا کہتے ہیں کبھی حدثنا۔ پس ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا یہ دونوں ایک ہیں؟ امام بخاری نے ثابت کیا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ اس کو اس واقعہ سے ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک پہیلی بجھائی تھی جس کے طرق جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوال کا لفظ صحابی کبھی تو حدثونی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں کبھی اخبرونی سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک معنی میں آتے ہیں۔ [1]

اسی طرح ایک شعبہ خاص فن حدیث کا یہ ہے کہ مخالفین احادیث نبویہ جو اپنی وہم پرستی سے علاوہ روایت کے حدیث کے مضامین پر اعتراضات کرتے ہیں، اس کی تشفی کی جائے۔ جس کا نام فن تفسیر حدیث یا فن تاویل مختلف الحدیث ہے۔ ایسے لوگوں کے اعتراضات کی بنا، یا تو یہ ہوتی ہے کہ یہ حدیث عقل کے خلاف ہے جیسے معراج جسمانی کی حدیث یا معجزات کی حدیثیں۔ اسی طرح کے اعتراضات قرآن پر بھی کیے گئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث فلاں آیت کی مخالف ہے یا فلاں حدیث کی مثلاً صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہوا "لا تفضلوا بین انبیاء اللہ" [2] یعنی نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو، بظاہر یہ آیت کریمہ "تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض" [3] کے مخالف ہے۔ امام بخاری کو گیارہ سو برس پہلے یہ موضوع خیال میں آیا کہ ظاہر پرست لوگ ایسا اعتراض کر سکتے ہیں اس کے لیے امام بخاری نے صحیح بخاری کا ایک حصہ وقف کر دیا۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری ۱/۱۴۴/۱۴۷۔

[2] صحیح بخاری ۶/۴۵ اور اس میں "لا تفضلوا بین اولیاء اللہ" کے الفاظ ہیں اور صحیح مسلم ۴/۱۸۴۴ میں "لاتفضلوا بین انبیاء اللہ" کے الفاظ ہیں۔ (مراجع)

[3] البقرۃ: ۲۵۳۔

[4] اس واقعہ میں غور کریں کہ آنحضرت ﷺ نے جس موقع پر منع فرمایا تھا، وہ موقع یہ تھا کہ ایک مسلمان اور یہودی میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ یہودی نے کہا، والذی اصطفی موسیٰ علی العالمین۔ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ کو دنیا کے کل بشر پر فضیلت دی ہے۔ مسلمان نے کہا، والذی اصطفیٰ محمدا علی العالمین۔ غصہ بڑھا تو نوبت زدوکوب کی پہنچی۔ اس پر آپ نے فرمایا، لا تفضلوا بین انبیاء اللہ۔ مطلب یہ تھا کہ بحیثیت نفس رسالت سب برابر ہیں۔ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ فضیلت دینے میں اس ایک کی کم قدری کرنی جیسا کہ تم سے واقع ہوا، مناسب نہیں۔ قرآن نے اجمالاً بتایا کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے لیکن تم اپنے قیاس سے بالخصوص نہیں بتا سکتے کہ خاص فلاں پیغمبر کو فلاں پیغمبر پر فضیلت ہے، اور خاص فلاں بات میں ہے یا ہر طرح ہے اور ہر بات میں اس کی تفصیل قیاس و رائے سے نہیں ہو سکتی۔ پس درحقیقت آنحضرت ﷺ نے کم قدری کرنے اور رائے و قیاس قائم کرنے سے منع فرمایا۔ اس کے متعلق زیادہ تفصیل ہم امام بخاری کی فقاہت واجتہاد کے بحث میں لکھیں گے کیونکہ اس کو زیادہ تعلق فقاہت سے ہے۔ اس موضوع پر امام بخاری کے شاگرد عبداللہ بن مسلم دینوری [①] نے ایک مستقل تالیف لکھی جس کا نام تاویل مختلف الحدیث ہے۔ یہ نادر تالیف طبع ہو کر شائع ہو گئی۔ ←

[①] یہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری ابو محمد صاحب تصانیف مختلف علوم کے عالم ہیں۔ بغداد میں پیدا ہوئے، کوفہ میں سکونت اختیار کی پھر دینور میں ایک مدت تک قضاۃ کے منصب پر فائز رہے، اسی وجہ سے دینوری کہلائے۔ ۲۷۶ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ امام اسحاق بن راھویہ =

تنبیہ: ۔ آنحضرت ﷺ کی احادیث کی خدمت میں جس اہتمام اور احتیاط وتشدد سے عامۃً اہل سنت اور خاصۃً امام بخاری اور ان کے اساتذہ وتلامذہ نے کام لیا اور احادیث کے جمع کرنے اور پھیلانے میں بلیغ سعی اور جان توڑ کوششیں کیں، ان کو دیکھتے ہوئے ایک ضروری بحث یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ آیا دوسری ادیان والوں نے یا مسلمانوں ہی میں دوسرے فرقوں نے اپنے رسول اور نبی کے اقوال واحوال واحکام کے ساتھ بھی کچھ کیا یا نہیں اور کیا تو کیا کیا؟ یہ بحث جس قدر طویل ہے، اسی قدر کارآمد بھی ہے۔ گو ہم نے اس بحث کو بخوف طوالت حصہ ثالثہ ① کے لیے رکھا ہے تاہم کسی قدر اجمالاً عرض کر دینا ضروری ہے۔ و بضدھا تتبیّن الاشیاء یعنی چیزوں کی قدر اس کے مقابلے ہی سے کھلتی ہے۔

یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں، آریوں، ہندوؤں اسی طرح اور کتنے فرقے ہیں، کو تو چھوڑ دیں کیونکہ جن کتابوں کی نسبت ان کے یہاں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلاں کتاب خدا کی نازل کی ہوئی ہے، ان کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کرنی ہی بے حاصل ہے۔ تحریف اور اقراری تحریف کے علاوہ ان کتابوں میں یہ بھی نہیں ہے کہ یہ کتابیں کس نے اتاریں اور کس پر اتریں اور وہ کس سلسلہ سے پہنچیں اور ان کی حالت کیا رہی۔ اندرونی مضامین کی جو حالت ناگفتہ بہ ہے، وہ اس کے علاوہ ہے بلکہ مسلمانوں ہی کے فرقوں کو دیکھیں بالخصوص شیعہ کی طرف نظر اٹھائیں ان سے پوچھیں کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو سوائے اس کے کہ تابعی (امام باقر رحمہ اللہ اور تبع تابعی یعنی جعفر صادقؒ) کے اقوال اور انہیں کی باتیں پیش کریں گے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ خود قرآن میں اہل سنت کے محتاج ہیں۔ ②

شیعوں کی احادیث جانچنے کے لیے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

موضوع فن حدیث کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز کیا ہے؟ حدیث لینے والے راویوں کی حالت اور حدیث لینے کا طریقہ۔ شیعوں کی کتابیں جن کو یہ لوگ آئمہ معصومین سے ماخوذ بتاتے ہیں ان کی کیا حالت ہے اور جامعین کتب کتنے تھے۔

پہلی بحث شیعوں کی احادیث کا سلسلہ چونکہ باستثنائے شاذ ونادر محمد رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتا جو بالاتفاق معصوم ہیں اور جن کا قول وفعل حجت شرعی ہے بلکہ آپؐ کی امت کے چند بزرگوں تک پہنچتا ہے جو تابعی ہیں یا تبع تابعی اور شیعوں کے نزدیک مثل رسول کے معصوم ہیں۔ ان کا قول وفعل بھی مثل رسول کے حجت شرعیہ ہے اور فن حدیث کا موضوع ان کے مذہب میں علاوہ رسول اللہ ﷺ کے آپؐ کی امت ←

اور ایک جماعت محدثین سے روایت کی۔ میزان الاعتدال ۲/ ۷۷، لسان المیزان ۶/ ۳۵۷-۳۵۹، تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۶۳۱، الاعلام ۴/ ۲۸۰، معجم المؤلفین ۶/ ۱۵۰-۱۵۱۔ [مراجع] لیکن علامہ مزی نے اسے بخاری کے رواۃ میں ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح تراجم ابن قتیبہ میں بھی ان کے روایت عن البخاری کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے اگرچہ امام بخاری کے ہم زمانہ ہونے کے اعتبار سے روایت کرنا ممکن تھا۔

① اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب کے تیسرے حصہ کی تالیف کا ارادہ فرمایا تھا لیکن وقت نہ مل سکا۔

② شیعوں کا عقیدہ ہے کہ بجز حضرت علیؓ کے اصلی اور کامل قرآن کسی نے جمع نہیں کیا اور وہ برابر آئمہ شیعہ کے پاس چھپا رہا، آئمہ نے کسی کو نہیں دکھایا۔ اب غار والے امام کے پاس ہے، وہ لے کر نکلیں گے۔ آئمہ شیعہ اور علمائے شیعہ کا اقرار ان کی معتبر بلکہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس کی مکمل اور قابل دید بحث مناظرہ حصہ اول مصنفہ مولوی عبدالشکور ایڈیٹر رسالہ النجم لکھنؤ میں ملے گی۔ [مؤلف] اسی طرح علامہ محب الدین خطیب رحمہ اللہ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے، خصوصاً ذہبی کی منتقی اور ابن عربی کی العواصم من القواصم پر ان کی تعلیقات دیکھی جائیں۔ اور ان کی تصنیف الخطوط العریضۃ بھی قابل قدر کتاب ہے۔

کے چند بزرگ بھی ہیں۔ لہذا شیعوں کی حدیثوں کا شرعاً قابل اعتبار ہونا عصمت آئمہ پر موقوف ہے۔ جس کو کسی شیعہ نے آج تک ثابت نہیں کیا نہ تا قیامت ثابت کر سکتا ہے۔ شیعوں نے جس قدر دلائل عصمت آئمہ کے پیش کیے ہیں اور ان کے بڑے بڑے منطقیوں مثلاً امام اعظم حلی وغیرہ نے بے سروپا مقدمات ترتیب دیے ہیں، ان کی حالت دیکھنا ہو تو مناظرہ حصہ سوم اور منہاج السنۃ اور مجموعہ فتاوی علامہ شوکانی متعلقہ عصمت اہل بیت دیکھیے۔ چونکہ عصمت آئمہ مثل رسول کے اور ان کا درجہ مثل رسول کے ثابت نہ ہوا' اس لیے شیعوں کی باستثنائے چند کل حدیثیں بے اعتبار ہیں۔ بخلاف اہل سنت کے کہ ان کے یہاں موضوع فن حدیث آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک ہے۔
دوسری بحث فن حدیث کے لیے صدق و دیانت لازم اور واجب ہے۔ بغیر صدق و دیانت کے فن حدیث قائم ہی نہیں ہو سکتا اور شیعوں کے راویوں میں صدق و دیانت معدوم ہے اصول کافی کی روایت جو سب سے اصح اور بخیال ان کے امام معصوم (جو مثل رسول تھے) کی جانچی ہوئی کتاب ہے، مذکور ہے کہ خود آئمہ نے نام لے لے کر اپنے اصحاب اور شاگردوں کے کاذب ہونے کی شہادت دی ہے۔ زرارہ جو اصدق الصادقین مذہب شیعہ میں ہے، اس کو امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ جھوٹا ہے اور مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ [1] ابوالجارود جو بڑے پایہ کا راوی ہے، اس کی امام صادق نے یہ تعریف کی ہے۔ کذاب مکذب۔ باوجود اس تصریح کے شیعہ ان کی حدیثیں لیتے ہیں، ان پر عمل کرتے ہیں، ان کو اصح الاحادیث کا خطاب دیتے ہیں اور امام کے قول کا اعتبار نہیں کرتے۔ اس سے اور ترقی یہ ہے کہ آئمہ کو اپنے شاگردوں کے کثرت کذب پر تعجب ہوتا تھا اور فرماتے تھے، گویا اللہ نے ان پر فرض کر دیا ہے کہ ہم پر جھوٹ باندھا کریں۔
تیسری بحث آئمہ کے اقوال جو شیعوں کی اصطلاح میں احادیث ہیں، اور ان کا درجہ رسول اللہ ﷺ کی باتوں کے برابر ہے جو شیعوں نے روایت کیے ہیں۔ ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔ ایک امام کے قول کو دوسرے امام کے قول سے ملا کر دیکھو تو عجیب قدرت خدا یاد آتی ہے بلکہ ایک ہی امام کے اقوال کو باہم ملاؤ تو شدید تعارض اور تناقض ہے۔ محدثین شیعہ نے اس کی بہت سی وجہیں تراشی ہیں لیکن ''کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے۔'' کہیں تو یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے آئمہ کے اوپر جھوٹ باندھا گیا ہے اور یہ اختلافات و تعارضات اسی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ آئمہ تقیہ کی حالت میں خلاف اپنے مذہب کے فتویٰ دیا کرتے تھے اور یہ اختلافات اسی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ کبھی یہ بات کہتے ہیں کہ آئمہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے عمداً متعارض اور مختلف باتوں سے اپنے شیعوں میں اختلاف ڈال دیا ہے۔ اس مصلحت سے کہ اگر وہ سب ایک بات پر متفق ہو جائیں گے تو لوگ ان کو ہم سے روایت کرنے میں سچا سمجھ لیں گے اور یہ روایت میں سچا سمجھا جانا ہمارے لیے بھی مضر ہے اور ہمارے شیعوں کے لیے بھی۔ یہ سب وجوہات صحیح مانو جب بھی غرض کچھ بھی کیوں نہ ہو، ہر حالت میں شیعوں کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں رہیں۔ شیعوں کی احادیث میں اختلاف اس درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ ان کے محدثین اپنی کتابوں میں اس کا رونا روئے۔ مولوی دلدار علی صاحب [2] مجتہد اپنی کتاب ''اساس الاصول'' میں لکھتے ہیں: " الاحادیث المأثورۃ عن

---

[1] دیکھیں اصول الکافی۔ میں کہتا ہوں شاید یہ زرارہ بن اعین کوئی ہے۔ اس کا تعارف میزان الاعتدال ۶۹/۲، لسان المیزان ۲/ ۴۷۴ میں ہے۔

[2] دلدار علی بن محمد معین بن عبدالهادی نقوی ہندی شیعی مجتہد امامی جعفر التواب (حسن عسکری کے بھائی) کی نسل میں سے ہے۔ نصیر آباد میں پیدا ہوا، عراق کا سفر کیا اور پھر مستقل لکھنؤ میں رہائش اختیار کر لی۔ اساس الاصول ان کی تصنیف ہے۔ ۱۲۳۵ھ میں وفات پائی۔ الاعلام ۲۰/۳، معجم المؤلفین ۱۴۵/۴-۱۴۶۔ [مراجع]

الائمة مختلفةٌ جدًا لایكاد یوجد حدیث الا وفي مقابلته ماینافیه، ولا یتفق خبر الا وبازائه مایضاده ، حتی صار ذلك سببًا لرجوع بعض الناقصین عن اعتقاد الحق" ۔ ① یعنی حدیثیں جو آئمہ سے مروی ہیں، ان میں باہم بہت اختلاف ہے۔ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کے مقابلہ میں اس کے خلاف حدیث نہ ہو۔ کوئی خبر ایسی نہیں جس کے مقابلہ میں اس کے کوئی منافی حدیث نہ ہو یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کے مذہب شیعہ سے پھر جانے کا سبب ہوگیا۔

چوتھی بحث تقیہ کا مطلب جھوٹ بولنا یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنا یا کوئی کام کرنا ہے، ② ہر شیعہ پر فرض عین ہے جو نہ کرے، وہ بے دین بے ایمان ہے۔ ③ تقیہ ہر ضرورت کے موقع پر ضروری ہے اور ضرورت کی تشخیص ہر شخص کی رائے پر ہے۔ تیسری بات کے متعلق مناظرہ حصہ چہارم ④ میں تقریباً چالیس مواقع پر آئمہ کے تقیہ کرنے کے شیعوں کی صحیح ترین کتب سے نقل کیے گئے ہیں جن میں ذرہ برابر ضرورت تقیہ کی نہیں معلوم، نہ کسی شیعہ کے امکان میں ہے کہ ان مواقع پر ضرورت کا شائبہ بھی بیان کر سکے۔ پس باوجود تقیہ کے یا بالفاظ دیگر اس کثرت وشدت کذب کے شیعوں کے راوی تو درکنار ان کے آئمہ کے اقوال (جو حدیث ہیں) کیوں کر قابل اعتبار ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے جن کو ہم ان کا اصلی مذہب سمجھیں، وہ انھوں نے تقیہ میں کہا ہو۔ اگر مجادلہ اور مکابرہ سے کام نہ لیا جائے تو شیعوں کو کسی طرح مفر نہیں۔ کیا اس کا جواب حضرات شیعہ دے سکتے ہیں۔ کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں دروغ گوئی کا رواج نہیں اور دروغ گوئی ہمارے یہاں اعلیٰ درجہ کی عبادت نہیں۔ اگر ایسا کہیں تو یقیناً انھیں اپنی تمام کتابوں کی تکذیب کرنا پڑے گی کیونکہ احاد الناس کا تو کیا ذکر خود حضرات آئمہ شیعہ کی دروغ گوئی کے صدہا ہزار واقعات شیعوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور تقریباً پچاس واقعات اس قسم کے مناظرہ حصہ چہارم میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ آیا حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دروغ گوئی کا نام تقیہ ہم نے نہیں رکھا۔ دروغ گوئی اور تقیہ میں کچھ فرق ہے۔ اگر ایسا کہیں تو ان کو اپنی مسلم الصحت احادیث کے ایک بڑے ذخیرہ کو جس کے نکل جانے سے ان کے مذہب کی خیر کسی طرح قائم نہیں رہ سکتی، دریا برد کرنا پڑے گا۔ کیا حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دروغ گوئی نے کوئی برا اثر احادیث کے اعتبار پر نہیں ڈالا۔ اگر ایسا کہیں تو پھر ایک بدیہی امر کے معارض چیز کو کون مان سکتا ہے؟ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے آدمی کا اعتبار جاتا رہتا ہے اور جھوٹے کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ کتاب استبصار ⑤ میں اختلاف روایات کے رفع میں اکثر یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ **هذا محمول علی التقیة** یعنی یہ بات جھوٹ ہے۔ امام نے تقیہ سے فرمایا تھا۔

پانچویں بحث شیعوں کے بیان کے موافق آئمہ کی یہ عادت تھی کہ اگر کوئی بدمذہب ان سے فتویٰ پوچھنے جاتا تو وہ اس کو اسی کے مذہب کے موافق فتویٰ دے دیتے تھے اور اس کی وجہ علمائے شیعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آئمہ ہر شخص کو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ نجات پانے والا ہے یا ہلاک ہونے والا۔ ہلاک ہونے والے کو نجات کی باتیں نہیں بتاتے بلکہ ہلاکت ہی کی باتیں تعلیم کرتے۔ آئمہ کے اس فعل کی وجہ خواہ کچھ ہی ہو ہم تو اس موقع پر یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ایسے آئمہ کی احادیث اگر رواۃ شیعہ کے دست تصرف سے محفوظ ہوں تو بھی قابل اعتبار نہیں ہو ←

① اساس الاصول ص ۱۵۔ [مؤلف]

② یہ وہ معنی ہے جس پر شیعہ کا عمل درآمد رہا جس کے سیکڑوں ثبوت ان کی حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ [مؤلف]

③ اصول الکافی۔

④ از مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر رسالہ "النجم"۔ [مؤلف]

⑤ شیعوں کی حدیث کی اصح ترین ایک کتاب ہے۔ [مؤلف]

سکتیں کیونکہ ہم جن احادیث کو ان کا اصلی مذہب سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ انھوں نے برعایت مذہب "مستفتی" فرمایا ہو۔ ①

شیعوں کے اصول اربعہ اور ان کے جامعین کی حالت:

ا۔ اصول کافی کی حالت۔ شیخ صدوق ② اصول کافی کے جامع ہیں۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب حدیث کو اپنے مذہب کے خلاف پاتے، تو اسے کانٹ چھانٹ کر اپنے مذہب کے موافق بناتے اور اس کا اقرار خود شیعوں کو ہے۔ ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں: "هذا الخبر ماخوذ من الكافي و فيه تغيرات عجيبة تورث سوء الظن بالصدوق و انما فعل ذلك ليوافق مذهب العدل"۔ یعنی یہ حدیث کافی سے ماخوذ ہے مگر اس میں عجیب تغیرات ہوئے ہیں جس سے شیخ صدوق کے ساتھ بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ صدوق نے یہ کارروائی صرف اس لیے کی ہے کہ یہ حدیث مذہب شیعہ کے موافق ہو جائے۔ اب فرمایئے کہ جب شیعوں کے محدثین ان میں بھی بہت ہی بلند پایہ محدثین کی یہ حالت ہے تو پھر کیوں کر اور کس وجہ سے شیعوں کی کسی کتاب پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اصول الاربعمائة۔ یعنی چار سو کتابیں (خیالی پلاؤ) جن کی تصنیف شیعہ اپنے آئمہ کے زمانہ میں بتاتے ہیں اور (چھپے ہوئے قرآن کی طرح) ان کا ذکر بھی بڑے فخر و مباہات کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ اصول اربعہ (یعنی اصول الكافي، من لا يحضره الفقيه، الاستبصار، التهذيب) انہیں چار سو کتابوں سے مرتب کی گئی ہیں۔ وہ چار سو کتابیں موافق ارشاد آئمہ اور مطابق اقرار علمائے شیعہ کذابین مفترین بے دین کے دست تصرف سے محفوظ نہیں نہ ان کا کوئی انتظام علمائے اہل سنت کی طرح کیا گیا بلکہ ان کتابوں میں بہت کچھ تحریف زمانہ آئمہ میں ہی ہو گئی تھی اور بہت سی جھوٹی باتیں آئمہ کی طرف منسوب کر کے ان کتابوں میں بڑھائی گئیں۔ پھر وہ جھوٹی روایتیں ان کتابوں سے الگ نہیں کی گئیں۔ توضیح المقال کے ص ۴ میں ہے، "اخراج الموضوعة عما في ايدينا من الاخبار غير معلوم و ادعائه كماياتي غير مسموع" نیز اسی صفحہ پر ہے، "احتمال الوضع قائم في اكثر الاخبار او جمعهما وان ضعف في بعض بقرائن خارجية"۔ یعنی جھوٹی حدیثوں کا نکالا جانا ان حدیثوں سے جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں، معلوم نہیں اور ایسا دعویٰ لائق سماعت نہیں۔ احتمال جھوٹ کا اکثر حدیثوں میں بلکہ سب میں موجود ہے۔ گو بعض میں بسبب قرائن خارجیہ کے یہ احتمال کذب کمزور ہے۔

یہاں اجمالی بحث کی گئی ہے۔

حصہ ثالثہ میں شیعوں کی حدیثوں پر مکمل تنقید ہوگی ان شاء اللہ۔ ③ [مؤلف]

---

① اس کی مثالیں مناظرہ حصہ چہارم میں دیکھیں۔ [مؤلف]

② یہ محمد بن حسین بن بابویہ ہے [مراجع]

③ افسوس ہے کہ حضرت والد مرحوم کی وفات کے بعد ان کے مسودات میں حصہ ثالثہ کا مسودہ دستیاب نہیں ہوا ہم کو عرصہ کے بعد اس کی طرف توجہ ہوئی جب کہ ہماری غفلت سے ان کے تصنیفی بیاضات منتشر ہو چکے تھے۔ [عبید اللہ]

باب : ۹

فقہ البخاری

امام بخاری کے لیے افقہ الناس یا سید الفقہاء یا امام الدنیا فی الفقہ کا لقب عام طور پر ایسا ہی غیر مانوس خیال کیا جائے گا جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے لیے اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونے کا لقب حالانکہ امام بخاری کے افقہ الناس یا سید الفقہاء سے ملقب ہونے کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیس الخبر کالمعاینۃ امام بخاری کی دقیقہ سنجی اور دقت نظری کی بین شہادتیں مرورِ دہور پر بھی اب تک موجود ہیں۔ جن کا سلسلہ امام بخاری تک ہزاروں طرق سے پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زور طبیعت سے برجستہ جوابات کے دل خوش کن قصے تصنیف کر کے امام بخاری کی طرف منسوب کیے جائیں۔ (جیسا کہ عموماً معتقدین کا قاعدہ ہے) نہ حیرت الفقہ کی تصنیف کی ضرورت ہے۔[1] تاہم ان لوگوں کے لیے جن کے دماغ جن کی طبیعتیں اقوال الرجال کی خوگر ہیں، اس عینی شہادت کے علاوہ کتب اسماء الرجال اور مستند تواریخ میں بکثرت شہادتیں موجود ہیں۔ صرف ان مستند فقہا و محدثین وشیوخ کے اقوال جمع کیے جائیں جن کا فضل وکمال مسلم ہے تو ایک بسیط کتاب بن جائے۔ امام اسحاق بن راہویہ، محمد بن بشار جن کا لقب بندار ہے، امام دارمی، علی بن مدینی، امام ابو حاتم رازی، قتیبہ بن سعید، امام ابو بکر بن ابی شیبہ، علی بن حجر، ابو سہل فقیہ، اسماعیل بن اویس، امام احمد بن حنبل یہ وہ لوگ ہیں جن کے کمالات علمیہ کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے۔ اکثر ان میں وہ ہیں جن کے کمالات علمیہ پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کوئی تو ان میں امام بخاری کو سید الفقہاء کا لقب دیتا ہے، کوئی افقہ خلق اللہ کہتا ہے۔ کوئی فقیہ ھذہ الامۃ کوئی امام مالک سے تشبیہ دیتا ہے۔ کوئی امام احمد بن حنبل پر ترجیح۔

لیکن یہ صدا ہمارے کانوں میں غیر مانوس معلوم ہو گی کیونکہ وہ فقہ جس سے ہمارے کان آشنا ہیں، ان قیاسی مسائل کے انبار کا نام ہے جو کسی امام کے قول کو ماخذ بنا کر اس سے استخراج کیے گئے ہیں یا کسی فقیہ کے قواعد مقررہ پر تفریع کیے گئے ہیں۔ اسی کو آج کل عموماً فقہ کہا جاتا ہے اور اسی تخریج کا نام فقاہت ہے جس سے بڑے بڑے فتاوے تیار ہو کر ملک میں رائج ہیں۔ امام بخاری کی فقاہت کا اندازہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے کہ فقہ سے کسی قدر مفصل بحث کی جائے اور اہل ملک کے خیالات سے غلط فہمی کا پردہ اٹھا دیا جائے۔ اس لیے ہم یہاں کچھ بسط سے کام لینا غیر مناسب نہیں سمجھتے۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

"انقسم الفقہ فیھم الی طریقتین، طریقۃ اھل الرأی والقیاس و ھم اھل العراق، و طریقۃ اھل

---

[1] یہ حیرۃ الفقہ احناف کی فروعی تخریجات کے متعلق فارسی زبان میں ایک کتاب ہے جس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ (محقق)

الحديث و هم اهل الحجاز، و كان الحديث قليلا في اهل العراق لما قد منا فاستكثروا من القياس و مهروا فيه فلذلك قيل لهم اهل الرأى". [1]

متقدمین میں فقہ کے دو طریقے ہو گئے۔ ایک طریقہ اہل الرائے اور قیاسیوں کا وہ عراق کوفہ وغیرہ والوں کا طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ اہل حدیث کا اور وہ مکہ مدینہ والوں کا طریقہ ہے۔ عراق والوں میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ہم نے اوپر لکھی ہے۔ اس لیے انھوں نے کثرت سے قیاس کیا اور قیاس ہی میں ماہر ہونے کا نام اہل الرائے رکھا گیا۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب مصفی شرح موطا میں لکھتے ہیں: "باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتاویٰ بر دو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع میکردند از آنجا استنباط مسائل می نمودند و ایں اصل راہ محدثین است و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعے از آئمہ تنقیح و تہذیب آں کردہ اندر یاد گیرند۔ بے ملاحظہ ماخذ آں پس ہر مسئلہ کہ وارد می شد جواب آں از ہماں قاعدہ طلب میکردند و ایں اصل راہ فقہا است۔ و اشارہ بہمیں معنی است از انکہ گفتہ اند کہ حماد بن ابی سلیمان اعلم ناس بود بمذہب ابراہیم بقواعد کلیہ کہ وے در فتاویٰ تہذیب و تنقیح آں کردہ بود"۔ [2]

"واضح رہے کہ اگلے بزرگ مسائل کے استنباط اور فتاویٰ کے اجراء میں دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جو قرآن، حدیث اور صحابہ کے جمع کردہ آثار سے مسائل کا حل نکالتے تھے اور یہ محدثین کا اصل طریقہ ہے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو ان تمام قاعدوں، جن کی آئمہ کی ایک جماعت نے تنقیح و تہذیب کی تھی، بغیر ان کے اصل ماخذ کا جائزہ لیے ازبر کر لیتا تھا۔ یہ طریقہ فقہاء کا ہے۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حماد بن ابی سلیمان، مسلک ابراہیم کے سب سے بڑے عالم تھے، ان اصول و قوانین کی بناء پر جن کی انھوں نے چھان پھٹک کی تھی اور نوک پلک سنواری تھی۔"

اور جناب شاہ صاحب حجتہ اللّٰہ البالغہ میں بعد ذکر فقہائے محدثین لکھتے ہیں:

"وكان بازاء هولاء في عصر مالك و سفيان و بعدهم قوم لا يكرهون المسائل ولا يهابون الفتيا و يقولون: على الفقه بناء الدين فلا بد من اشاعته". [3]

امام مالک اور سفیان ثوری کے زمانہ میں بمقابلہ محدثین ایک قوم ایسی بھی تھی جو کثرت سوال کو برا نہ جانتی تھی۔ وہ بے دھڑک قیاس پر فتویٰ دیتی تھی اور کہتی تھی کہ فقہ ہی پر دین کی بنا ہے۔ ضرور چاہیے اس کی اشاعت کرنی۔

پھر جناب شاہ صاحب فقہائے محدثین کے طرف مقابل کی حالت لکھتے ہوئے رقم طراز ہوتے ہیں:

---

[1] مقدمة ابن خلدون ۳/۱۱۴۷۔ (۱/۴۷۷ طبعه دار الكتب العلمية)۔

[2] المصفّٰى شرح الموطا ص ۴

[3] حجة الله البالغة ۱/۳۱۹ (۱/۳۴۳ طبعه دار المعرفة)۔

"وذلك انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار ما يقدرون به على استنباط الفقه على الاصول التى اختارها اهل الحديث ولم تنشرح صدورهم للنظر فى اقوال علماء البلدان و جمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم فى ذلك و كانوا اعتقدوا[1] فى ائمتهم انهم فى الدرجة العليا من التحقيق و كان قلوبهم اميل شئى الى اصحابهم كما قال علقمة: هل احد منهم اثبت من عبدالله؟ وقال ابوحنيفه: ابراهيم افقه من سالم ولو لا فضل الصحبة لقلت علقمة افقه من ابن عمر"۔[2]

ان لوگوں کے پاس احادیث اور آثار اس قدر نہ تھے جس سے وہ محدثین کے اصول اور ان کی طرح مسائل استنباط کرتے نہ ان کے دل پر یہ بات کھلی کہ علماء امصار (صحابہ وتابعین) کے اقوال جمع کرتے اور اس سے بحث کرتے اس بارہ میں انھوں نے اپنے نفس کو متھم کیا۔ ان لوگوں کو اپنے اماموں کی نسبت یہ اعتقاد تھا کہ ان کا تحقیق میں بڑا درجہ تھا۔ ان لوگوں کا میلان اپنے استادوں ہی کی طرف تھا۔ جیسے علقمہ نے کہا کہ کیا عبداللہ بن مسعود سے کوئی بڑھ کر ہے۔ اور ابوحنیفہ نے کہا کہ ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

اس تقسیم کے بعد مناسب ہے کہ فقہائے محدثین اور فقہائے اہل الرائے کے طرز اجتہاد کو مفصل ذکر کیا جائے۔

فقہائے محدثین کا طرز اجتہاد واصول فقاہت

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

وكان عندهم انه اذا وجد فى المسألة قرآن ناطق فلا يجوز التحول منه الى غيره واذا كان القرآن محتملا لوجوه فالسنة قاضية عليه فاذا لم يجدوا فى كتاب الله اخذوا سنة رسول الله ﷺ سواء كان مستفيضا دائرا بين الفقهاء، اويكون مختصا باهل بلد اواهل بيت او بطريقة خاصة و سواء عمل به الصحابة والفقهاء، اولم يعملوا به و متى كان فى المسألة حديث فلا يُتّبع فيها خلافُ اثر من الآثار ولا اجتهاد احدٍ من المجتهدين، واذا افرغوا جهدهم فى تتبعّ الاحاديث ولم يجدوا فى المسئلة حديثا اخذوا باقوال جماعة من الصحابة والتابعين، ولا

---

[1] اسی اعتقاد نے تقلید شخصی کی بنیاد ڈالی۔ آگے چل کر یہ خیال ایسا مستحکم ہوگیا کہ تحقیق سے سروکار نہ رہا اور دماغ بھی ایسا تنگ ہوگیا کہ مدح و ذم کے احساس میں کمی ہوگئی۔ مدحیہ اشعار میں کہا گیا ہے۔ فلعنة ربنا اعداد رمل على من رد قول ابى حنيفة جس کا مطلب خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کے قول کے رد کرنے والے پر بے حد لعنت۔ بعض لوگوں کو اس کا خیال ہوا کہ یہ تو بجائے مدح کے قدح ہوگئی کیونکہ امام صاحب کے دوثلث مسائل کو ان کے تلامذہ امام محمد وامام ابو یوسف وطحاوی نے رد کیا ہے۔ اس لیے اس شعر کی تاویل کرنی چاہیے لیکن تاویل بارد۔ [مؤلف]

[2] حجة الله البالغة ۱/۳۱۹، ۳۲۰ (۱/۳۴۴ طبعه دار المعرفة)۔

يتقيدون بقوم دون قوم، ولا بلد دون بلد كما كان يفعل من قبلهم، فان اتفق جمهور الخلفاء والفقهاء على شئى فهو المقنع، وان اختلفوا اخذوا بحديث اعلمهم علمًا و اورعهم ورعًا واكثرهم ضبطا ،اوما اشتهر عنهم. فان وجدوا شيئا يستوى فيه قولان فهى مسئلة ذات قولين، فان عجزوا عن ذلك ايضا تأمّلوا فى عمومات الكتاب والسنة، و ايماء اتهما واقتضاءاتهما، و حملوا نظير المسألة عليها فى الجواب اذا كانتا متقاربتين بادى الرأى، لا يعتمدون فى ذلك على قواعد الاصول، ولكن على ما يخلص الى الفهم و يثلج به الصدر، كما انه ليس ميزان التواتر عدد الرواة و لا حالهم ولكن اليقين الذى يعقبه فى قلوب الناس، كما نبّهنا على ذلك فى بيان حال الصحابة و كانت هذه الاصول مستخرجة عن صنيع الاوائل (أى الصحابة) و تصريحاتهم. ❶

فقہائے محدثین کا اجتہاد میں قاعدہ یہ تھا کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآنی فیصلہ ناطق موجود ہو تو اس سے دوسری طرف رخ کرنا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ اگر آیات قرآنیہ میں چند احتمالات ہوں تو حدیث نبوی اس کا فیصلہ کرے گی لیکن جب کسی مسئلہ میں ان کو قرآنی فیصلہ نہ ملتا تو آنحضرت ﷺ کی حدیث سے اس مسئلہ کو لیتے۔ خواہ وہ حدیث فقہا میں مشہور ہو یا کسی خاص شہر کے لوگوں میں پائی جاتی ہو یا کسی خاص گھر کے لوگوں میں اگرچہ ایک خاص سند سے مروی ہو چاہے صحابہ اور فقہا نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ عمل کیا ہو اور جب کسی مسئلہ میں حدیث نبوی مل جاتی تو کسی صحابی کے اثر یا مجتہد کے اجتہاد کی اتباع نہ کرتے لیکن جب کسی مسئلہ میں وہ اپنی قوت انسانی بھر سعی کر کے احادیث تلاش کرتے اور اس مسئلے میں حدیث کے ملنے سے مایوس ہو جاتے تو اس وقت جماعت صحابہ و تابعین کے قول کو لیتے کسی شہر یا قوم کے مقید ہو کر ہی نہ رہتے یہی دستور تھا ان سے پہلے (صحابہ و تابعین کا) پس اگر جمہور فقہا اور خلفاء کا کسی مسئلہ پر اتفاق مل جاتا تو یہ ان کی قناعت کا باعث ہو جاتا۔ اگر ان میں اختلاف پاتے تو ان میں جو قرآن و حدیث کا زیادہ جاننے والا ہوتا جو زیادہ محتاط ہوتا یا جو زیادہ یاد میں فائق ہوتا یا جو ان میں زیادہ مشہور ہوتا (جیسے خلفاء اربعہ و عشرہ مبشرہ و فقہائے صحابہ) ان کا قول لیتے۔ اگر ایسا مسئلہ ہوتا کہ اس میں دو قول صحابہ و تابعین کے برابر ہیں تو یہ مسئلہ ذات قولین (دو قولوں والا) کہلاتا۔ اگر اس سے بھی عاجز رہتے تو مجبوری درجہ عمومات قرآن اور حدیث میں غور کرتے اور دونوں کے اشارات اور اقتضاءات میں غور کرتے اور ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرتے جب کہ دونوں مسئلے ظاہر نظر میں ہم شکل ہوتے لیکن اس قیاس میں وہ کسی قواعد اختراعیہ فقہا کے پابند نہ ہوتے لیکن وہی جو صاف صاف سمجھ میں آئے اور جس سے دل کو ٹھنڈک حاصل ہو جس طرح تواتر کے لیے کوئی عدد رواۃ کی یا حالت

---

❶ حجة الله البالغة ۱/۳۱۴ (۱/۳۳۸، ۳۳۹ طبعه دار المعرفة) اور قوسین میں دی گئی عبارت مصنف کی طرف سے توضیح ہے۔

رواۃ کی شرط نہیں ہے۔ صرف حصول یقین شرط ہے جو خبر متواتر کے بعد حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اس اجتہاد و فقاہت کا حال ہم صحابہ کے ذکر میں کر آئے ہیں۔ یہ طریقہ اجتہاد اوائل (یعنی صحابہ) کے طرز اجتہاد اور ان کی تصریحات سے لیا گیا ہے (جو بالکل فطرت کے مطابق ہے)۔

چنانچہ سنن دارمی میں میمون بن مہران سے وارد ہوا کہ خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی فیصلہ آتا تو پہلے قرآن میں غور کرتے۔ اگر قرآن میں اس کا فیصلہ مل جاتا تو فیصلہ کر دیتے۔ اگر قرآن میں فیصلہ نہ ملتا تو حدیثوں میں غور کرتے۔ اگر حدیث سے اس کا فیصلہ ہوگیا تو فھو المراد۔ اگر ان دونوں میں نہ ملا اور وہ ہر طرح عاجز ہو جاتے تو منادی کر کے محضر صحابہ میں اس مقدمہ کو پیش کر کے کہتے کہ میرے پاس ایک ایسا مقدمہ پیش ہے کسی کو اس بارے میں کوئی فیصلہ رسول اللہ ﷺ کا معلوم ہو تو بتائے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ لوگ بیان کرتے کہ ہاں اس باب میں فلاں فیصلہ آپ کا موجود ہے۔ یہ سن کر فرماتے: ''الحمد للہ الذی جعل فینا من یحفظ علی نبینا''. خدا کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو یاد رکھتے ہیں۔ اگر اس طرح منادی کرانے پر بھی کوئی حدیث نہ ملتی تو صحابیوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے اگر تمام لوگوں کا کسی امر پر اتفاق ہو جاتا تو فیصلہ کر دیتے۔ [1]

لیکن رائے اور قیاس لگانے سے اس قدر کلی نفرت تھی کہ ہرگز کسی طرح گوارا نہ کرتے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں ایک مقدمہ پیش ہوا انھوں نے اس مقدمہ میں بہت کوششیں کیں کہ کوئی حدیث مل جائے تو فیصلہ کریں۔ کئی روز تک جواب سے سکوت اختیار کیا۔ آخر مجبور ہو کر فرمایا کہ قیاس کرتا ہوں۔ اگر صحیح نکلا تو من جانب اللہ ہوگا اور اگر غلط ہوا تو مجھ سے اور شیطان سے۔ یہ کہہ کر فیصلہ کر دیا۔ بعد فیصلہ ایک صحابی نے (جو حاضر نہ تھے) کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کا ایسا ہی فیصلہ فلاں کے مقدمہ میں دیکھا تھا۔ عبداللہ بن مسعود کو یہ سن کر اس قدر مسرت ہوئی کہ عمر بھر ایسی مسرت نہ ہوئی تھی۔ [2]

---

[1] سنن الدارمی ۱/۵۸۔

[2] اس سے مصنف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قوم آ کر کہنے لگی: ہمارے ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور اس کے لیے حق مہر مقرر نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قریب گیا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مفارقت کے بعد آج تک مجھ سے ایسا سوال نہیں کیا گیا جو مجھ پر اتنا شدید اور مشکل گزرا ہو اس لیے تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ (ایک روایت میں ہے کہ عبداللہؓ نے کہا کہ تم لوگ کسی سے پوچھو کہ کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہے۔) انھوں نے کہا ہم اس مسئلہ میں کوئی حدیث نہیں پاتے۔ چنانچہ وہ لوگ عبداللہؓ کے پاس ایک مہینہ تک آتے جاتے رہے پھر انھوں نے کہا اگر ہم آپ سے نہ پوچھیں تو پھر کس سے پوچھیں؟ آپ تو اس شہر میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں اس لیے ہم آپ کے علاوہ کسی اور کو نہیں پاتے جو یہ مسئلہ بتائے۔ پھر عبداللہؓ نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اگر میرا اجتہاد درست ہوا تو وہ اللہ وحدہ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہوا تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہوگا، اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہوں گے۔ اس کے آخر میں ہے کہ جب ان کا اجتہاد حدیث ←

قاضی شریح کے پاس حضرت عمرؓ نے احکام بھیجے کہ اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو قرآن سے فیصلہ کرنا لوگ تمہاری توجہ اس طرف سے ہٹا نہ دیں اگر قرآن میں نہ ملے تو حدیثوں میں غور کرنا اور اس سے فیصلہ کرنا۔ اگر حدیثوں میں نہ ملے تو صحابہ کے اتفاق میں دیکھنا۔ اگر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا اتفاق کسی امر پر مل جائے تو ویسا ہی فیصلہ کرنا۔ اگر اس سے بھی مجبوری ہو تو تم کو اختیار ہے جونسی دو باتوں میں سے پسند ہو اختیار کرو۔ اگر چاہو تو رائے لگاؤ اور اجتہاد کر کے قدم آگے بڑھاؤ۔ اگر چاہو تو پیچھے ہٹو لیکن پیچھے ہٹنا اور رائے و قیاس نہ لگانا بہی خیر ہے۔ [1]

کیونکہ قیاس ''ابغض الحلال'' ہے مایہ ناز نہیں نہ اس پر دین کی بناء ہے۔

جامع ترمذی میں ہے ابوالسائب کہتے ہیں کہ ہم لوگ وکیع کے پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے ایک شخص سے (جو رائے و قیاس کا خوگر تھا) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اِشعار کیا اور ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے۔ شخص مذکور نے کہا کہ ابوحنیفہ ابراہیم نخعی سے ناقل ہیں کہ وہ اس کو مثلہ کہتے ہیں۔ ابوالسائب کہتے ہیں کہ اس قدر وکیع کو میں نے غصہ ہوتے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وکیع نے کہا کہ میں تو قال رسول اللہ ﷺ کہتا ہوں اور تو اس کے جنب میں ابراہیم نخعی کا قول پیش کرتا ہے۔ تو اسی قابل ہے کہ قید کر دیا جائے اور جب تک اس قول سے باز نہ آ جائے، رہائی نہ دی جائے۔ [2]

جناب شاہ صاحب صحابہ و تابعین کے اس طرز اجتہاد اور ان کے اصول کو قولاً و عملاً دکھلا کر فرماتے ہیں کہ محدثین (امام بخاری اور ان کے اساتذہ) نے اپنے اجتہاد و اصول فقاہت کو انہیں صحابہ و تابعین کے اصول فقاہت و طرز اجتہاد پر پرکھا اور ان پر خدا نے آسان کر دیا:

''و بالجملة فلما مهّدُوا الفقه علی هذه القواعد فلم یکن مسألة من المسائل التی تکلم فیها من قبلهم، والتی وقعت فی زمانهم الا وجدوا فیها حدیثا مرفوعا متصلا اومرسلا اوموقوفًا، صحیحًا او حسنًا اوصالحًا للاعتبار، او وجدوا اثرًا من اٰثار الشیخین اوسائر الخلفاء و قضاة الامصار و فقهاء البلدان او استنباطًا من عموم اوایماءً او اقتضاءً، فیسّر الله لهم العمل بالسنة علی هذا الوجه''. [3]

خلاصہ کلام یہ کہ جب فقہائے محدثین نے اس قاعدہ مذکورہ بالا پر اجتہاد کی بنیاد رکھی تو کوئی مسئلہ ان مسائل میں سے جو ان سے پہلے واقع ہو چکے تھے یا ان کے زمانہ میں واقع ہوئے، ایسا نہیں تھا کہ ان میں کوئی حدیث

← رسول کے موافق نکل آیا تو اس دن عبداللہ اتنے خوش نظر آئے جتنا اپنے اسلام قبول کرنے کے وقت نظر آ سکتے تھے۔ سنن نسائی ۱۲۱/۲، ۱۲۳، صحیح سنن نسائی ۷۰۶/۲۔ ۷۰۷ حدیث ۳۱۴۸ اور قوسین میں مذکور عبارت حدیث نمبر ۳۱۴۵ سے ہے۔

[1] سنن دارمی ۶۰/۱۔

[2] جامع ترمذی ۲۵۱/۳ (۲۵۰/۳ طبعة احمد شاکر کتاب الحج. باب ماجاء فی اشعار البدن حدیث ۹۰۶)۔

[3] حجة الله البالغة ۳۱۷/۱ (۳۴۱/۱)۔

رسول اللہ ﷺ کی متصل یا مرسل یا موقوف، صحیح یا حسن یا قابل اعتبار نہ ملی ہو یا کوئی اثر صحابہ خلفائے راشدین یا ان صحابہ کے جو عہدۂ قضا پر مامور تھے، یا فقہائے صحابہ کے جو اطراف بلا دمیں پھیلے تھے نہ ملے ہوں یا کوئی استنباطی مسئلہ عموم آیۃ وحدیث یا ایمایا اقتضا سے ان کو نہ ملا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ پر ان لوگوں کے لیے سنت پر عمل کرنا آسان کر دیا۔

اور امام احمد کے بعد کے محدثین کا ذکر کر کے امام المحدثین اور ان کے تلامذہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وکان اوسعم علما عندی وانفعهم تصنیفا واشهرهم ذکرًا رِجَالٌ اربعةٌ متقاربون فی العصر: اوّلهم ابوعبدالله البخاری وکان غرضه تجرید الاحادیث الصحاح المستفیضة المتّصلة من غیر ها، واستنباط الفقه والسیرة والتفسیرمنها، فصنّف جامعه الصحیح، ووفی بماشرط، و بلغنا انّ رجلا من الصالحین رأی رسول اللهﷺ فی منامه، و هو یقول: مالك اشتغلت بفقه محمد بن ادریس و ترکت کتابی ؟ قال یا رسول الله ! و ما کتابك ؟ قال :صحیح البخاری[1] و لعمری انه نال من الشهرة والقبول درجة لا ترام فوقها.[2]

بڑے وسیع علم والے اور بڑی نافع تصنیف والے بڑے مشہور ذکر والے میرے علم میں چار شخص ہیں جو سب ہم عصر ہیں۔ اول ان میں ابوعبداللہ بخاری ہیں۔ ان کی غرض تصنیف سے یہ ہے کہ صحیح صحیح حدیث رسول اللہ ﷺ کی جو متصل اور مشہور ہوں، ان کو غیر سے الگ کریں اور ان سے مسائل فقہیہ نکالیں اور سیرت اور تفسیر کی حدیثوں کو الگ کریں۔ اس لیے انھوں نے جامع صحیح تصنیف کی اور جو شدید شرائط انھوں نے اس کے جمع کرنے میں کی تھیں، ان کو پورا کیا۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ایک صالح آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں، تم میری کتاب چھوڑ کر محمد بن ادریس شافعی کی فقہ کا درس کب تک دیتے رہو گے۔ میں نے کہا، آپ کی کتاب کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا، صحیح بخاری۔ میری عمر کی قسم اس نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ اس سے زائد کا قصد نہیں ہوسکتا۔

محدثین کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت و مدارج اور ان کی صعوبت فقاہت کو مفصل بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب نے اہل الرائے کے طرز اجتہاد اور ان کی فقاہت کے ڈھنگ بیان کیے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ لوگ اہل الرائے کیوں کہلائے۔

---

[1] اس خواب کا ذکر پہلے گزر گیا ہے۔

[2] حجة الله البالغة ۱/۳۱۷۔۳۱۸۔

فقہائے اہل الرائے کا طرز اجتہاد و اصول فقاہت

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وكان عندهم من الفطانة والحدس و سرعة انتقال الذهن من شئى الى شئى ما يقدرون به على تخريج جواب المسائل على اقوال اصحابهم،“ وكل ميسرلما خلق له“﴿ و كل حزب بما لديهم فرحون﴾[1] فمهدوا الفقه على قاعدة التخريج، و ذلك ان يحفظ كل واحد كتاب من هو لسان اصحابه و اعرفهم باقوال القوم و اصحهم نظرًا فى الترجيح فيتامل فى كل مسئلة وجه الحكم، فكلما سئل عن شيءٍ اواحتاج الى شيءٍ رأى فيما يحفظه من تصريحات اصحابه،فان وجد الجواب فيهاوالا نظر الى عموم كلامهم فاجراه على هذه الصورة او اشارة ضمنية لكلام، فاستنبط منها. و ربما كان لبعض الكلام ايماء او اقتضاء يفهم المقصود، و ربما كان للمسئلة المصرح بها نظير يحمل عليها، و ربما نظروا فى علة الحكم المصرح به بالتخريج اوبالسبر والحذف، فاداروا حكمه على غير المصرح به ، و ربما كان له كلا مان، لو اجتمعا على هيئة القياس الاقترانى او الشرطى انتجا جواب المسئلة، و ربما كان فى كلامهم ما هو معلوم بالمثال والقسمة، غير معلوم بالحد الجامع المانع فيرجعون الى اهل اللسان و يتكلفون فى تحصيل ذاتياته و ترتيب حد جامع مانع له ،و ضبط مبهمه و تمييز مشكله، و ربما كان كلامهم محتملا لوجهين، فينظرون فى ترجيح احد المحتملين ،و ربما يكون تقريب الدلائل خفيًا فيبينون ذلك، و ربما استدل بعض المخرّجين من فعل ائمتهم و سكوتهم و نحو ذلك .فهذا هوا لتخريج، و يقال له القولُ المخرّجُ لفلان كذا و يقال على مذهب فلانٍ او على اصل فلانٍ او على قول فلانٍ جواب المسئلة كذا و كذا، و يقال لهٰؤلاء:“ المجتهدونَ فى المذهب “ وَ عنى هذا الاجتهاد على هذا الاصل من قال:“ من حفظ المبسوط[2] كان مجتهدا“.أى وان لم يكن له علم بروايةٍ اصلًا و لا بحديثٍ واحدٍ“.[3]

---

[1] الروم :۳۲۔

[2] مبسوط فقہ کی کتاب ہے، اور احناف کی فروع میں کئی کتابوں کا نام ”المبسوط“ ہے۔حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ۱۵۸۱/۲ میں ذکر کیا ہیں اور امام محمد بن حسن شیبانی کی المبسوط اور شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابوسھل سرخسی متوفی ۴۹۰ھ کی المبسوط مشہور کتب میں سے ہیں۔

[3] حجة الله البالغة ۳۲۰/۱،۳۲۱۔

چونکہ فقہائے اہل الرائے میں فطانت اور انتقال ذہن اس قدر تھا کہ جس سے وہ اپنے اساتذہ کے اقوال سے مسائل نکالنے پر قدرت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے فقہ کی بنا تخریج پر رکھی اور تخریج کی صورت یہ ہے کہ ہر وہ شخص اس عالم کے مجموعہ کو جو کہ اساتذہ کے اقوال سے خوب واقف ہے اور ترجیح میں صحیح تر نظر رکھتا ہے اور وہ اساتذہ کی (گویا) زبان ہے، یاد کرلے پھر ہر مسئلہ میں اس کے حکم کی وجہ سوچے تو جب کبھی اس سے کسی مسئلہ کا سوال کیا گیا یا اس کو خود کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو اس نے اساتذہ کے صریح اقوال کو جو اسے یاد تھے، دیکھا۔ اگر ان میں اس کا جواب نکل آیا تو خیر ورنہ انہیں اقوال سے استنباط شروع کیا۔ ان کے کلام کے عمومات کو دیکھا۔

اگر کسی عام کے تحت میں درج ہو سکا تو اس عموم کو اس مسئلہ پر جاری کر دیا یا کلام کے اشارے ضمنی میں غور کیا اور اسی سے استنباط کر لیا کبھی کسی کلام سے کوئی اشارہ نکلتا یا اس سے کچھ لازم آتا جو مقصود کو سمجھا دیتا۔ کبھی جس مسئلہ کی تصریح ہوتی اس کے دوسرا اہم شکل ہوتا جو اس پر قیاس کر لیا جاتا، کبھی کسی وجہ سے ان کے بتائے ہوئے مسئلہ میں علت پیدا کر کے اس علت کو مدار حکم سمجھ کر غیر بتائے ہوئے مسئلوں میں وہ حکم جاری کر دیا۔ کبھی استاذ کے کلاموں کو ملا کر نتیجہ کے طور پر مسئلہ کا حکم نکال لیا۔ کبھی وہ چیز جس کی جامع مانع تعریف اساتذہ کے کلام میں نہیں تھی، گو وہ چیز مثال سے یا تقسیم سے مفہوم ہوئی تھی، تکلفات کر کے اس کی جامع مانع تعریف مرتب کر دی اور پھر اس تعریف کے موافق اس کے تمام افراد پر وہ احکام جاری کر دیئے۔ کبھی اساتذہ کا کلام کئی احتمال رکھتا تھا۔ اس کے ایک معنی قائم کیے کبھی ان مسائل کا دلائل سے لگاؤ جو خفی تھا، اس کے وجوہ بیان کیے، بعض تخریج کرنے والوں نے اپنے آئمہ کے فعل سے یا ان کی کسی بات پر سکوت وغیرہ سے بھی استدلال کیا۔ ان لوگوں کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں اور یہی اجتہاد اس طریقہ پر مراد ہے اس شخص کی جس نے کہا کہ جس شخص نے مبسوط (فقہ کی ایک کتاب ہے) یاد کر لی، وہ مجتہد ہو گیا۔ اگرچہ اس کو ذرا بھی روایت کا علم نہ ہو اور نہ کسی ایک حدیث کا۔

علامہ ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام سے چند نتائج نہایت بدیہی طور پر اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ فقہ کی دو قسمیں ہیں:

الاول۔ حجازیوں (مکے مدینے والوں) کی فقہ۔

الثانی۔ عراقیوں (اہل کوفہ) کی فقہ۔

۲۔ عراقیوں میں احادیث رسول اللہ ﷺ و آثار صحابہ و تابعین کی بالکل کمی تھی اور اس کا ذوق بھی ان میں کم تھا۔ اس وجہ سے ان کے مسائل کی بنا زیادہ تر رائے و قیاس پر رہی۔ ان کا میلان ان کی گرویدگی احادیث و آثار کا تتبع چھوڑ کر رائے و قیاس کی طرف رہا۔ اس وجہ سے وہ اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے۔

اہل حجاز میں احادیث رسول اللہ ﷺ و آثار صحابہ وتابعین کا بے حد مذاق تھا۔ وہ ہر مسئلہ کے لیے احادیث رسول اللہ ﷺ و آثار صحابہ وتابعین تلاش کرتے۔ اسی لیے وہ لوگ اہل الرائے کے ساتھ شہرت پذیر نہ ہوئے بلکہ وہ لوگ اصحاب الحدیث یا اہل حدیث یا محدثین کے ممتاز لقب سے ملقب ہوئے۔

۳۔عراقیوں میں یہ دستور تھا کہ یہ لوگ اپنے اساتذہ کے تنقیح کیے ہوئے قواعد یا ان کے اقوال کو یاد کر لیتے اور جو مسئلہ پیش آتا، انہیں قواعد سے ان کے جوابات تلاش کرتے۔

مگر دوسرا فریق (اہل مکہ و مدینہ) کسی کے قواعد یا رائے کے پابند نہ تھے۔ وہ براہ راست ماخذ قرآن و حدیث سے مسائل کے جواب طلب کرتے۔ ہاں مجبور ہونے پر صحابہ کے اتفاق رائے یا ان کے فتاویٰ کو دیکھتے۔ اس سے مجبوری ہوتی تو **ابغض الحلال** جان کر قیاس کو استعمال کرتے۔

۴۔اہل عراق کے دلوں کا میلان ان کے اساتذہ کی طرف بے طرح تھا۔ اس میں وہ متہم ہو گئے۔ [1] وہ اپنے آئمہ کو انتہا درجہ کا محقق جانتے تھے بلکہ اپنے آئمہ کو اس غلو کی وجہ سے صحابی (وہ بھی جلیل القدر صحابی جن کا شمار فقہائے صحابہ میں ہے) پر ترجیح دینے کو تیار تھے۔ استنباط مسائل دونوں ہی کرتے۔ طریقہ اجتہاد دونوں میں مروج تھا لیکن محدثین و اہل حجاز کے یہاں صحابہ وتابعین کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت سے کام لیا جاتا تھا اور براہ راست قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط کیا جاتا اور اہل عراق کے یہاں ان کے اساتذہ کے قواعد اور ان کے اقوال سے تخریج در تخریج کی جاتی۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اہل حدیث کا طریقہ اجتہاد نہایت مشکل تھا، جس میں بڑی بڑی صعوبتیں تھیں [2] وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہی طریقہ اجتہاد تھا اصحاب رسول اللہ ﷺ و اکابر تابعین کا اور امام المحدثین (بخاری) نے اسی کو اختیار کیا۔

یہ دعوی کہ محدثین اور ان کے اتباع اصول فقاہت نہیں جانتے تھے یا اس سے کام نہیں لیتے تھے نہایت بیّن غلطی ہے۔ ہم کو حیرت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس دعوے کے ثابت کرنے کے لیے عجیب وغریب باتیں تراشی جاتی ہیں اور یہ دکھایا جاتا ہے کہ اہل کوفہ اس وجہ سے اہل الرائے کہے جاتے ہیں کہ وہ فقاہت اور قیاس و اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ اگر فقاہت اور اجتہاد کی وجہ سے اہل کوفہ اصحاب الرائے کہے جاتے ہیں تو اصحاب الرائے کوئی مذموم لقب نہیں ہونا

---

[1] حجة الله البالغة میں ہے: "ولم تنشرح صدورهم للنظر في اقوال علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم في ذلك. وكانوا اعتقدوا في ائمتهم انهم في الدرجة العليا من التحقيق". (۱/ ۳۴۴، طبعة دار المعرفة)

[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے پھر اس کو صادر کرنے سے قبل احادیث و آثار اور صحابہ وتابعین کے فیصلے تلاش کرنے ضروری ہوتے ہیں اور یہ کام بہت ہی مشکل ہے اور اس کے لیے بہت سی تھکا دینے والی کٹھن محنت اور کوشش کی ضرورت ہے جیسا کہ وہ محدثین کرام کے احوال اور ان کے دور دور کے سفر و رحلات سے معروف و مشہور ہے۔

چاہیے حالانکہ یہ لقب زمانہ صحابہ سے برابر موقعہ ذم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اگر ہم اس کے لیے سلف کی شہادتیں پیش کریں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ [1]

اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق یہ مسلم ہے کہ قرآن کے بعد رکنِ اجتہاد احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لیے مجتہد کا فرض ہے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کا استقصا کرے جو اس میں ناقص ہے، اجتہاد میں غیر کامل ہے۔ اس کا قیاس نامکمل ہے۔ اس بارے میں ابن خلکان نے امام شافعی اور امام محمد کا ایک دلچسپ مکالمہ نقل کیا ہے۔

امام محمد: (امام شافعی سے) سچ کہنا، میرے شیخ (امام ابوحنیفہ) افضل ہیں یا تمہارے (امام مالک، امام دارالہجرۃ)؟

امام شافعی: کیا انصاف مدنظر ہے؟

امام محمد: ہاں۔

امام شافعی: آپ خود فرمائیے، میرا شیخ احادیث رسول اللہ ﷺ زیادہ جانتا ہے یا آپ کا؟

امام محمد: اللہ اکبر! آپ کے شیخ زیادہ جانتے ہیں۔

امام شافعی: سچ کہیے! میرا شیخ زیادہ قرآن جانتا ہے یا آپ کا؟

امام محمد: اللہ اکبر! آپ کا شیخ زیادہ قرآن جانتا ہے۔

امام شافعی: پھر قیاس کے سوا کیا رہ گیا؟ اور اصل یہ ہے کہ صحت قیاس بھی قرآن و حدیث ہی پر موقوف ہے۔ [2]

محدثین کے طریقہ اجتہاد کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”و کان ترتیب الفقه علی هذا الوجه یتوقف علی شیءٍ کثیرٍ من الاحادیث و الآثار، حتی سئل احمد بن حنبل ایکفی الرجلَ مائة الف حدیث حتی یفتی؟ قال: لا. حتی قیل: خمسمائة الف حدیث ؟قال: ارجو“. [3]

یعنی محدثین کے طرز اجتہاد و فقاہت پر فتویٰ دینے کے قابل ہونا یہ موقوف ہے بہت سی حدیثوں اور آثار صحابہ کے جاننے پر حتی کہ امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ لاکھ حدیثوں کا علم فتویٰ دینے کے لیے کافی ہو سکتا ہے، فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا گیا، اچھا پانچ لاکھ، فرمایا، امید ہے کہ کافی ہو۔

---

[1] مثال کے طور پر دیکھیے: جامع بیان العلم و فضله ۲/۱۰۳۷، ۱۰۸۲، ذم الکلام و اهله لابی اسماعیل الهروی ۲/۹۴، ۳۱۰ اور حافظ ابن القیم کی اعلام الموقعین ۱/۴۷، ۸۴۔ اس مقام پر حافظ صاحب نے ممدوح اور مذموم رائے کے متعلق تفصیل بیان کی ہے۔ اسی طرح اعلام کا ص ۳۲۷، ۳۲۸۔

[2] وفیات الاعیان ۴/۱۳۴ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا تعارف، آداب الشافعی و مناقبه لابن ابی حاتم ص ۲۰۱، حلیة الاولیا ۶/۳۲۹، تاریخ بغداد ۲/۱۷۷، الانتقاء ص ۲۴، ۲۵، مناقب الشافعی للامام الرازی ص ۲۷۵ اور سیر اعلام النبلاء ۸/۷۶۔

[3] حجة الله البالغة ۱/۳۱۷، سیر اعلام النبلاء ۱۱/۲۳۲ امام احمد کا تعارف۔

چونکہ عراقیوں کا اصول فقاہت وطرز اجتہاد، صحابہ وتابعین کے طرز اجتہاد واصول فقاہت سے بعید تھا، اس وجہ سے فقہائے محدثین وامام بخاری نے اس سے کنارہ کشی کی۔

ایک دوسری وجہ اور ہے جس نے امام بخاری وعامہ محدثین وآئمہ حجاز کو اہل الرائے کی فقہ سے کلیۃً نفرت دلا دی۔ وہ یہ ہے کہ اہل الرائے کا طرز اجتہاد واصول فقاہت چونکہ درحقیقت اقوال الرجال سے تخریجات اور انہیں پر تفریعات ہے اور تخریج میں کئی احتمالات خطا کے اور ایک احتمال صواب کا ہوتا ہے، اس لیے اہل الرائے کا طرز فقاہت واصول اجتہاد نہایت خطرناک امر ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس طرح مجتہدین قرآن وحدیث کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اسی طرح مخرجین اپنے علماء کے اقوال پیش نظر رکھ کر استنباط کرتے ہیں لہذا جیسا کہ اجتہاد محتمل خطا وصواب ہے، اسی طرح تخریج بھی محتمل خطا وصواب ہے کیونکہ جس طرح مجتہد غیر منصوص واقعہ میں اور نصوص پر غور کر کے اپنے انداز وتخمین سے شارع کا منشا معلوم کرنا چاہتا ہے اور اپنی رائے شارع کے منشا کی بابت اپنے گمان کے موافق قائم کرتا ہے اور اس رائے میں کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اسی طرح مخرج غیر مصرح مسئلہ میں اپنے انداز وتخمین سے اس عالم کا منشا جس کے قول پر تخریج کر رہا ہے، اس کے اور اقوال کے قرائن سے معلوم کرنا چاہتا ہے اور اپنی سمجھ کے موافق اپنے گمان سے اس کا عندیہ قائم کرتا ہے۔ پس ضروری نہیں کہ وہ ہر جگہ اس کے اصل عندیہ کو پہنچ جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قول کی ہم کچھ علت خیال کرتے ہیں حالانکہ اس کے نزدیک کچھ شرائط یا موانع بھی ہوتے ہیں کہ جن تک ہمارا خیال نہیں پہنچتا اور ہم بلا لحاظ ان شرائط وموانع کے اس کی رائے ایک امر کی بابت قائم کر لیتے ہیں لیکن جب وہی امر اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس رائے کے ساتھ متفق نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو ہم روزمرہ اپنے معاملات اور گفتگوؤں میں دیکھتے ہیں۔

الحاصل اجتہاد وتخریج دونوں میں احتمال خطا وصواب دونوں کا ہے۔ جب یہ ضمنی بات معلوم ہو چکی تو اصل مدعا کو سنو!

جن اقوال پر تخریج کی بنا رکھی جاتی ہے یا تو نص صریح سے ثابت ہوں گے یا اجتہاد واستنباط سے نکالے گئے ہوں گے۔ اس لیے تخریج کی دو صورتیں ہو گئیں یا تو تخریج پہلی قسم پر ہو گی یا قسم ثانی پر۔

قسم اول میں ایک مرتبہ احتمال خطا کا ہے اور ایسی تخریج بہت کم ہے۔

قسم ثانی میں دو مرتبہ احتمال خطا کا ہے:

اول احتمال اصل کے اجتہادی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔

اور دوسرا احتمال تخریج کے وقت پیدا ہوا۔

خطا کا احتمال جو اصل میں پیدا ہوا تھا، وہ فرع کی طرف متعدی ہوگا۔ اس لیے کہ اصل اگر صحیح نہیں تو فرع جس کا مدار اسی اصل پر ہے، کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔ گو وہ تفریع و تخریج صحیح ہو اور اصل کو صحیح مانا جائے تو فرع کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ تفریع سے احتمال خطا کا پیدا ہے۔ پس اصل میں جو احتمال خطا ہے، وہ فرع کی طرف متعدی ہوگا اور اصل کا احتمال صواب فرع کے لیے تسکین بخش اور اطمینان دہ نہیں ہوسکتا۔ پس جو مسئلہ اجتہادی مسئلہ پر مخرج ہوگا، اس میں منجملہ چار صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور تین صورتیں خطا کی نکلیں گی۔

صواب کی ایک صورت یہ کہ نہ اصل مسئلہ میں اجتہاد کے وقت خطا ہوئی اور نہ مخرج مسئلہ میں تفریع کے وقت۔ اور تین صورتیں خطا کی یہ ہیں:۔

۱۔ اصل میں خطا نہ ہوئی تھی مگر تفریع میں ہوگئی۔

۲۔ اصل میں خطا ہوگئی گو تفریع میں نہ ہوئی تھی۔

۳۔ اصل میں خطا ہوئی تھی اور تفریع میں بھی ہوئی۔

اور پھر اس تخریجی مسئلہ پر اگر تخریج کی گئی تو خطا کے احتمال اور ترقی پکڑیں گے۔ چنانچہ اس درجہ میں منجملہ آٹھ صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور سات صورتیں خطا کی نکلیں گی اور جس قدر سلسلہ تخریج آگے کو چلے گا، احتمالات خطا زیادہ ہوتے چلے جائیں گے۔ [1]

---

[1] اس کی مثالوں میں وہ بھی ہے جو شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اپنے شیخ محمد زاہد کوثری سے ذکر کی ہے کہ ہمارے شیخ کوثری نے تانیب الخطیب ص ۱۳۹ میں کہا ہے کہ بیشک مجتہد کبھی تفریع میں خطاء کر جاتا ہے اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کے بعض ابواب تفریعات اسی قبیل سے ہیں۔ چنانچہ کتاب المزارعة میں انھوں نے ابراہیم نخعی کے قول کو لیا ہے اور اسی کو اصل قرار دے کر اس پر کئی فروعات کی تفریع کی ہے اور کتاب الوقف میں قاضی شریح کے قول کو اصل قرار دے کر اس پر مسائل کی تفریع کر ڈالی ہے، تو اس کتاب کی فروع غیر مقبول ہوگئی ہیں حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں ابو یوسف اور محمد نے بھی ان کا رد کیا ہے۔

کوثری نے اپنے مقالات ص ۲۰۱ میں کہا ہے کہ ''مجتہد بہت دفعہ کسی مسئلہ میں اپنے سے پہلے بعض اہل علم کی متابعت کر لیتا ہے اور اس مسئلہ کی دلیل تلاش نہیں کرتا اور ابو حنیفہ کے کئی ایسے مسائل ہیں جن میں انھوں نے ابراہیم نخعی اور قاضی شریح کی متابعت کی ہے اور اس کی دلیل کی معرفت حاصل کرنے میں محنت خرچ نہیں کی جیسا کہ یہ مسئلہ کہ جو شخص اسلام قبول کرے اور اس کے نکاح میں دس عورتیں ہوں تو ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں ابراہیم نخعی کی متابعت کی ہے جیسا کہ مؤطا امام محمد ص ۲۴۰ میں ہے اور ابو یوسف اور محمد نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے اور اس طرح کے مسائل ان فقہاء کے دقیق استنباطات کے لبالب بھرے ہوئے سمندر میں چھپے ہوئے ہیں''۔ دیکھیے: شیخ ظفر احمد تھانوی کی کتاب ''قواعد فی علوم الحدیث'' ص ۱۳۷ طبع سوم ۱۳۹۲ھ پر شیخ عبدالفتح ابو غدہ کی تعلیقات۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: روایت کرنے والے راوی کی روایت کی اتباع ضروری ہے اس لیے کہ اس کے پاس جو علم تھا وہ عقل و رائے سے معلوم نہیں ہوسکتا تھا، وہ اسی کے ذریعے جانا جا سکتا تھا جو اس نے خبر دے دی اور یہ رائے کے برعکس ہے کیونکہ رائے کو معلوم کرنا ممکن ہے جہاں سے صاحب رائے نے معلوم کی تھی اور اس لیے بھی کہ روایت کا غلط ہونا بعید ہے کیوں کہ اس کا ضبط کرنا ←

دیکھو جناب امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کون اس کام میں فائق ہوسکتا ہے۔ خود انھوں نے اس زمانہ میں جب کہ فارغ التحصیل ہو کر استقلال کے ساتھ اپنی درس گاہ علیحدہ قائم فرمانا چاہتے تھے، اس وقت جب حماد کے اقوال پر تخریج کی تو منجملہ ساٹھ کے کئی مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں وہ حماد کے منشا کو پہنچے تھے اور کئی ایسے ہیں جن میں انھوں نے حماد کے خلاف مرضی تخریج کی، جن کو حماد نے ناجائز رکھا۔ [1]

امام حماد کے زمانہ سے عراق میں تخریجی فقہ کا دور شروع ہوا اور روز بروز ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ کوفہ میں بالخصوص اور تمام عراق میں بالعموم یہ فن نہایت سرعت سے پھیل گیا اور جس قدر زمانہ گزرتا گیا، اس کا اثر ونفوذ قوی ہوتا چلا گیا۔ شدہ شدہ تمام عراق کی جولان گاہ اور معراجِ ترقی تخریجی مسائل میں دستگاہ حاصل کرنا اور تخریج کے اصول کو از بر کرنا اور اسی پر تفریعات نکالنا رہ گیا۔ دوسرے علوم اسلامیہ سے بے پروائی اور بے توجہی ہوتی چلی گئی۔ چند دنوں کے بعد خود اہل کوفہ کو دوسرے علوم میں اپنے آئمہ کے اقوال اور تحقیقات پر اعتماد نہ رہا اور تخریجی مسائل پر اس قدر وثوق اور اعتماد بڑھا کہ اس کے مقابل میں کہیں صحیح حدیثیں ناقابل عمل ٹھہریں کہیں اکابر صحابہ غیر فقیہہ اور ناسمجھ قرار دیئے گئے۔

لیکن اگر کوئی شخص اس تخریجی اشغال کا نمونہ دیکھنا چاہے تو عراق و عجم میں اب بھی چلا جائے اور کابل، قندھار، غزنی، ہرات وغیرہ کی درس گاہوں کو ملاحظہ کرے اور وہاں کے بڑے بڑے فقیہہ ملاؤں کو دیکھے۔ آراء الرجال کا درس جاری ہے۔ انہیں پر تفریع و تخریج ہے اور یہی ان کی معراج ترقی اور یہی ان کی جولان گاہ ہے۔ وہ علوم قرآنیہ سے ناواقف اور علوم حدیثیہ سے بے پروا۔ قدوری سے لے کر تمام کتب فقہ کا درس دیں گے اور کتب فقہ عمر بھر پڑھیں گے لیکن قرآن اور حدیث کو ایک روز بھی بہ نظر تحقیق مسائل نہیں دیکھیں گے۔ ان کے کان تحقیق سے ناآشنا ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں آراء الرجال سے بڑھ کر کوئی باوقعت چیز نہیں۔ وہ فقہائے کوفہ کی آراء کو آسمانی وحی سے بھی زیادہ باوقعت جانتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی لائق سے لائق ہوا تو اسی قدر کہ مختلف اقوال فقہاء کو راجح و مرجوح کر سکے اور بس۔ [2]

← آسان ہے، اسی لیے تو عامۃ الناس اور عورتوں سے بھی روایات منقول ہیں اور رائے کا غلط ہونا بکثرت پایا جاتا ہے کیوں اس کے راستے اور طریقے دقیق اور بکثرت ہیں۔ مجموع الفتاویٰ ۲۰/۱۷ اور حنفی عالم فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی متوفی ۴۸۲ھ نے کہا ہے: اس لیے کہ خبر غالبًا اپنے اصل میں یقینی ہوتی ہے اور شبہ تو اس کے نقل ہونے میں داخل ہوتا ہے اور رائے اپنے اصل کے ساتھ ہر وصف میں بالخصوص ناقابل یقین ہوتی ہے اور ناقابل یقین ہونا رائے میں اصلاً ہے اور حدیث میں اصلاً نہیں بلکہ بعد میں کسی عارضہ کی وجہ سے احتمال پیدا ہوتا ہے۔ فتح المغیث للسخاوی ۱/۹۵ طبعۃ بنارس)۔

[1] سیرۃ النعمان ۱/۲۷ اور اس کا اصل تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۳ میں ہے۔ خطیب نے امام ابوحنیفہؒ سے سنداً نقل کیا ہے کہ حماد نے چالیس مسئلوں میں میری موافقت کی اور بیس میں میری مخالفت کی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب امام حماد کسی کام کی غرض سے دو ماہ کے لیے بصرہ گئے ہوئے تھے اور اپنی جگہ پر ابوحنیفہ کو بٹھا گئے تھے۔ [محقق]

[2] مقلدین کا یہ مذکورہ طریقہ کار ہمیں ان کی ان عظیم قربانیوں کو سراہنے اور ان کی تعریف کرنے سے مانع نہیں جو ان افغانی حضرات نے گزشتہ سالوں میں افغانستان پر قابض روس کو شکست دینے کے لیے پیش کی تھیں۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور ←

اہل الرائے کی وجہ تسمیہ میں جناب شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"المراد من اهل الرأى قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها بين المسلمين، أو بين جمهورهم الى التخريج على اصل رجل من المتقدمين، فكان اكثر امرهم حمل النظير على النظير والرد الى اصل من الاصول دون تتبع الاحاديث والآثار". [1]

اہل الرائے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے مسائل متفق علیہا کے بعد کسی شخص مقدم کے قاعدہ پر تخریج مسائل کی طرف توجہ کی۔ ان کا اکثر دستور یہی تھا کہ مسئلہ میں اس کے مشابہ مسئلہ کا حکم لگاتے اور مسئلہ کو انہیں قواعد کی طرف پھیر کر لے جاتے (جو ان کے اساتذہ کے نکالے ہوئے تھے) اور احادیث نبویہ و اقوال صحابہ کی کھوج تلاش نہ کرتے۔

اتباع اہل الرائے کا اثر عراق پر بے طرح حاوی تھا۔ اسی وجہ سے محدثین کو سخت تکلیفیں پہنچیں۔ [2] ابو حفص

← عالم اسلام کی امداد سے روسی قبضہ چھڑانے کے بعد پھر یہ آپس میں خون خرابہ کرنے لگے اور وہی جو کل ایک ہی صف میں دشمن کے خلاف لڑ رہے تھے اور متحد تھے بعد میں یہ خود آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوگئے اور ایک دوسرے کو دیس نکالا دینے لگے اور ابھی تک ان میں آپس میں لڑائیاں جاری و ساری ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ ان کو راہ راست پر لے آئے اور صحیح بات ان کے دل میں ڈال دے اور اس اندھے فتنے سے ان کو نکال دے۔ (آمین)

[1] حجة الله البالغة ۱/ ۳۴۰۔

[2] یہ برتاؤ اہل الرائے کا محدثین کے ساتھ ہمیشہ جاری رہا اور صدیوں کے تجربہ نے ثابت کر دیا کہ غالباً دنیا کے قیام تک یہی برتاؤ رہے گا۔ صوفی صافی امام محی الدین ابن عربی نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ امام آخر الزمان کے دشمن یہی ہوں گے۔ اس صدی میں بھی جب ہم شیخ الکل محدث دہلوی مولانا سید نذیر حسین مرحوم کی نسبت دل آزار تحریریں پڑھتے ہیں تو ہم کو صدہا واقعات ملتے ہیں۔ شیخ الکل کے ساتھ سفر حج میں دہلی سے حرمین تک کوئی دقیقہ ایذا رسانی کا باقی نہیں چھوڑا گیا۔ کفار مکہ کی طرح حج سے روکنے کی فکریں کی گئیں۔ اس کے لیے فریب، جھوٹ، غلط بیانی کی کوئی بات باقی نہیں رکھی گئی۔ اب دنیا سے جانے کے بعد بے ہودہ خواب کتابوں میں لکھ کر شائع کیے گئے۔ جناب مولوی رشید احمد صاحب ایک بزرگ عالم تھے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ محدثین کی نسبت بے ہودہ باتیں لکھ کر ان کی بزرگی دکھلائی جائے۔ ہم ان کی سوانح عمری کے بعض اوراق پڑھتے ہیں تو حضرت شیخ الکل کی نسبت بعض ایسی بے ہودہ باتیں لکھی ہوئی پاتے ہیں جو کسی معمولی شخص کی نسبت بھی نہیں لکھی جا سکتیں۔

جس نے درس قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے دھن میں اپنے آبائی وطن کو خیر باد کہہ دیا ہو جس کے حلقۂ درس میں اس کساد بازاری کے زمانہ میں بھی پچاس ساٹھ طلبہ شامل ہوتے ہوں جو شخص قرآن و حدیث کے درس میں ادب سے زانو تک نہ بدلے جس کا فیضان علم ہندوستان میں تمام اضلاع پنجاب، اضلاع ممالک متحدہ اور آگرہ، صوبہ بہار، دکن حیدر آباد، اضلاع بنگال غرض اقصائے مغرب ہند سے اقصائے مشرق ہند تک اور ولایت کابل میں غزنی، قندھار، باجور قوقند، یاغستان، کاشغر، بخارا، سمرقند، ہرات اور جزیرہ حبشان، حجاز، سامرود، سنوس، نجد تک پہنچا ہو۔ جس کی مفصل فہرست شیخ الکل کی سوانح عمری سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تلامذہ میں ایک ایک محدث فقیہ مفسر متبحر اور صدر المدرسین ممتاز الافاضل ہو اس کی نسبت ایسے وہم پرستوں کے قصے لکھ کر مولانا رشید احمد صاحب کی سوانح عمری کو زینت دینا نادان ←

کبیر اور حریث بن ابی الورقاء کے واقعات حصہ اول میں گزر چکے ہیں۔ [1]

یہاں تک ہم نے علم فقہ اور فقہاء اور ان کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت کی تقسیم اور فقہائے محدثین وفقہائے اہل الرائے کی وجہ تسمیہ کی نسبت اجمالاً عرض کیا تاکہ علم فقہ پر جو غلط فہمی کا پردہ پڑا ہوا ہے، اٹھ جائے۔ اور یہ واضح ہو جائے کہ امام المحدثین فقہائے اہل حدیث سے ہیں اور امام المحدثین کی علمی زندگی کا ایک بہت بڑا کارنامہ فقہ الحدیث بھی ہے۔
اب ہم اس پر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضروری ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں۔

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت قابل قدر مضمون لکھا ہے [2] جس کا اقتباس ہمارے لیے کافی ہے۔ [3] وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ صحابہ کے سامنے وضو کرتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یا یہ واجب یا مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا۔ یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، خود بھی پڑھ لی۔

← کی دوستی سے کم نہیں۔ مولانا رشید احمد صاحب کی سوانح عمری لکھنے والے صاحب نے اس سے صرف اپنی بے ادبی و وہم پرستی کا ثبوت نہیں دیا بلکہ ناواقفیت کا بھی۔ وہ اس سے ناواقف ہیں کہ شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی مرحوم مولانا رشید احمد صاحب کے اساتذہ کے ہم طبقہ ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب شاگرد ہیں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب کے اور مولانا شیخ محمد تھانوی کے۔ شاہ عبدالغنی صاحب وہ شخص ہیں کہ ۱۵ برس سن میں حضرت شیخ الکل سے کم ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت شیخ الکل درس دیتے تھے، اس وقت شاہ صاحب کا بچپن تھا اور مولانا محمد صاحب تھانوی شاگرد ہیں مولانا محمد اسحاق صاحب کے جن کی خدمت میں شیخ الکل مدتوں رہے۔ اگر ان باتوں سے نیز شیخ الکل کی علمی فیاضیوں سے شمہ برابر بھی یہ صاحب واقف ہوتے تو کبھی ایسے بے ہودہ خواب نہ نقل کرتے۔ افسوس ہے انسان کو تقلید صم بکم عمی بنا دیتی ہے اور لهم قلوب لا يفقهون بها کا مصداق کر دیتی ہے۔ ایسے مقام پر پہنچ کر ہم کو حضرت نواب غفران مآب کا یہ مصرع یاد پڑتا ہے ۔

بہین نواب تا کے شوی تقلید برخیزد

[1] جن آئمہ اور علماء کرام نے مذہبی تعصب کا پھندا اپنے گلے سے اتار پھینکا ان کو کتنی تکلیف اور اذیتیں پہنچائی گئیں اس کی دیگر مثالیں ڈاکٹر عمر سلیمان اشقر کی کتاب تاریخ الفقه الاسلامی ص ۱۶۹ بعنوان (علوم اجتہاد کے ساتھ مشغول ہونے والے علماء کے ساتھ مقلدین کی جنگ) کی طرف رجوع کریں (کیونکہ انھوں نے بطور مثال شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، شوکانی، جمال الدین قاسمی رحمہم اللہ کی نشان دہی کی ہے)۔ (مترجم)

[2] میں نے اس بارے میں ایک بڑی قیمتی اور لائق مطالعہ کتاب دیکھی ہے اور وہ ڈاکٹر عمر سلیمان اشقر کی "تاریخ الفقه الاسلامی" ہے اللہ تعالیٰ ان کو مزید توفیق دے۔

[3] مصنف نے جو یہ ذکر کیا ہے یہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے کلام کا خلاصہ ہے ان کے الفاظ نہیں ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ کہتے ہیں: "ماکانوا یسألون الا عماینفعهم"۔ [1] وہ صرف نفع بخش بات ہی پوچھتے تھے۔

البتہ جو واقعات غیر معمولی طور کے پیش آتے تھے، ان میں لوگ آنحضرت ﷺ سے استفتا کرتے اور آنحضرت ﷺ جواب دیتے اور فرضی صورتوں کا پوچھنا (مثلاً بکری اور کتے سے بچہ ہو یا کتیا کے دودھ سے بکری کا بچہ پرورش پائے یا کوئی پاؤں کی طرف سے الٹے وضو کرے تو کیا حکم ہے) بہت معیوب جانتے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ "لا تسأل عما لم یکن، فانی سمعت عمر بن الخطاب یلعن من سأل عما لم یکن"۔ [2] اکثر ایسا ہی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی اچھا کام کیا تو آپؐ نے اس کی تحسین کی یا کوئی برا کام ہوا تو آپؐ نے اس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتاویٰ اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت ﷺ کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد فتوحات کی نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد شیخین ابوبکرؓ و عمرؓ کا دور ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت اجتہاد کی خلیفہ وقت کو ہوتی کیونکہ خلیفہ وقت کے فرائض میں تعلیم، عبادت و اجرائے احکام،، فصل خصومات، فتوے بتانا، مالگزاری لگان کی تشخیص کرنی، دیوانی، فوج داری کے احکام نافذ کرنے، تعزیرات، شہادت، معاہدہ، وراثت، وصیت وغیرہ اس طرح کے تمام امور متعلق ہوتے۔ حضرت ابوبکر کا زمانہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے خروج و بغاوت اور مانعین زکوٰۃ کی وجہ سے گو ابتداء میں پرآشوب تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ کی حسن تدبیر نے اس فتنہ کو جلد فرو کر دیا اور شیرازہ اسلام جو بکھر چلا تھا، بات کی بات میں درست ہوگیا اور حضرت عمر کا زمانہ تو ﴿ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم﴾ [3] کا مصداق ہے۔ یہ کئی بار گزر چکا کہ شیخین کے اجتہاد کا دستور تھا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کی حدیث تلاش کرتے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: "وکذلك الشیخان اذا لم یکن لهما علم فی المسئلة یسئلون الناس

[1] سنن دارمی ۵۱/۱، باب کراهیة الفتیا، طبرانی کبیر ۴۵۴/۱۱ ح ۱۲۲۸۸، الابانة لابن بطة/ ۳۹۸ ح ۲۹۶، جامع بیان العلم و فضله لابن عبدالبر ۱۰۶۲/۲ حدیث ۲۰۵۳ اور ان علماء نے تیرہ سوالوں میں سے بعض کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱۵۹/۱ میں کہا ہے کہ اس میں عطاء بن سائب ہے جو ثقہ تھے لیکن مختلط ہو گئے تھے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

[2] جو واقعہ نہ ہوا ہو، اس کا مسئلہ نہ پوچھا کرو کیونکہ ایسے شخص کو عمرؓ بن الخطاب لعنت کرتے ہیں۔ جامع بیان العلم و فضله لابن عبدالبر ۱۰۵۴/۳ حدیث ۲۰۳۶ اور اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے اور وہ ضعیف ہے۔

[3] اور اس دین کو جو ان کے لیے پسند کیا ہے، زمین میں جما دے گا۔ سورہ نور: ۵۵۔

عن حدیث رسول اللہ ﷺ". [1]

اس استنباط اور اجتہاد کی وجہ سے صحابہ میں بے شبہ اختلاف ہوا لیکن اس اختلاف سے ٹولیاں قائم نہیں ہوئیں۔ جس طرح آج بھی محدثین میں اختلاف مسائل ہے لیکن ان کی باہم فرقہ بندیاں نہیں ہیں، اختلاف کے وجوہ چند در چند ہوئے:

۱۔ ایک صحابی مجتہد کو حدیث پہنچی، دوسرے کو نہ پہنچی۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کو فعل کرتے سب نے دیکھا لیکن ایک نے سمجھا کہ آپ نے **علی سبیل الاستیجاب** کیا۔ دوسرے نے سمجھا کہ **علی سبیل الاباحۃ** کیا ہے۔

۳۔ یا کسی صحابی کو وہم ہو گیا۔ [2]

۴۔ یا کسی کو سہو ونسیان ہو گیا۔

۵۔ یا علت حکم میں اختلاف ہوا اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی فعل کو کیا یا کوئی حکم دیا۔ صحابہ نے اپنے اپنے فہم کے مطابق اس فعل یا حکم کی علت جدا جدا قرار دی۔

۶۔ یا کسی نے سمجھا کہ یہ فعل آپ کی خصوصیات میں سے ہے، دوسرے نے سمجھا کہ اس میں کوئی قرینہ خصوصیت کا نہیں۔ [3]

اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیئے جا سکتے تھے۔ ان پر تمام صحابہ کا یا راویوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلاف آراء ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن میں باوجود محضر صحابہ میں پیش کرنے اور منادی کرا کر حدیث تلاش کرنے کے بھی کوئی قول یا فعل یا تقریر دربار رسالت کی نہ پائی گئی۔ ان صورتوں میں استنباط، تفریع، **حمل النظیر علی النظیر** اور قیاس سے کام لینا پڑا۔

صحابہ میں جن لوگوں نے استنباط اور اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے، اگرچہ ان کی تعداد بہت ہے لیکن ان میں ستائیس بزرگ ممتاز گنے جاتے ہیں۔ ان میں سے بھی سات بزرگ ایسے تھے جو فتاویٰ میں مرجع خلائق تھے۔

علامہ سخاوی فتح المغیث میں رقم طراز ہیں: **"والمکثرون منهم إفتاءً سبعةٌ: عمرؓ، وعلیؓ، و ابن مسعودؓ و ابن عمرؓ، و ابن عباسؓ و زید بن ثابتؓ و عائشةؓ. قال ابن حزم: یمکن ان یجمع من فتیا کلِّ واحدٍ من**

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۲۹۸۔

[2] شاہ ولی اللہ دھلوی فرماتے ہیں: اس کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کیا تو لوگوں نے آپؐ کو حج کرتے دیکھا تو بعض تو اس طرف چلے گئے کہ آپؐ کا حج حج تمتع تھا اور بعض نے یہ اختیار کیا کہ آپؐ کا حج حج قران تھا اور بعض نے کہا کہ آپ کا حج حج مفرد تھا۔ حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۳۲۵ طبعۃ دار المعرفۃ)۔

[3] حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۲۹۶۔۳۰۰ کچھ اختصار وتصرف کے ساتھ) اور دیکھیے :۱/۳۲۱۔۳۲۷ طبعہ دار المعرفۃ۔

هؤلآءِ مجلد ضخم"۔ [1]

فقہائے صحابہ کا اصل مرکز اور ماویٰ مدینہ تھا۔ البتہ حضرت علیؓ و عبداللہ ابن مسعودؓ کچھ دنوں تک کوفہ میں رہے۔

ا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد ہی سے افتاء اور استنباط کی خدمت بجا لاتے رہے اور خلفائے راشدین نے ان کو اسی خدمت پر مامور کیا تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "ولم يزل بعد النبي ﷺ متصديالنشر العلم والفتيا"۔ [2]

۳۶ ہجری میں مدینہ سے نکلے اور ۳۸ ہجری تک جنگ جمل وصفین و جنگ نہروان میں مشغول رہے۔ بعد اس کے کوفہ میں دو برس اقامت رہی۔ اس میں بھی باغیوں سے چین نہ ملا اور برابر اسی ادھیڑ بن میں رہے۔ یہاں تک کہ ان کی شہادت ہوئی۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ابتدا سے مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں عمار کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو عبداللہؓ بن مسعود کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں عبداللہؓ بن مسعود کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ پھر موقوف کر کے مدینہ ہی میں بلا لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی برابر مدینہ میں تھے۔ البتہ تھوڑا زمانہ مکہ میں رہے جو کثرت آمد و رفت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدینہ ہی میں قیام رہا۔ غرض مدینۃ الرسول ﷺ جو مہبط وحی تھا، برابر مرکز صحابہ، مرجع خلائق، منبع علم رہا۔ فقاہت اور اسلامی حکام کی اشاعت یہیں سے ہوئی۔ فقہائے صحابہ کے فتاویٰ ان کے اجتہاد کے کارنامے احادیث رسول اللہ ﷺ کا نشر یہیں سے ہوا۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

"مدینہ مشرفہ در زمان او (امام مالک) بیشتر از زمان متاخرین بے شبہ مرجع فضلا و مط رجال علما بودہ است و زمانے بعد زمانے مفتیان عظیم الشان کہ ہمہ عالم را قبلہ علم ایشاں بودند پیدا ای شدند"۔ [3]

"مدینہ مشرفہ ان (امام مالک) کے زمانے میں بلاشبہ متاخرین کے زمانے سے کہیں بڑھ کر، علماء وفضلاء کا مرجع و مرکز رہا ہے اور پے در پے ادوار میں بڑے عظیم الشان مفتی، جو ساری دنیا کے لیے قبلۂ علم کی حیثیت رکھتے تھے، یہاں پیدا ہوتے رہے ہیں۔"

۳۔ فقاہت میں جو رتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، کس سے پوشیدہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فقہ کا تمام فن حضرت عمرؓ کا ساختہ پرداختہ ہے تو کسی طرح بے موقع نہیں کہا جا سکتا۔ اس فن کے متعلق ان کی قابلیت تمام صحابہ میں مسلم تھی۔

---

[1] فتح المغيث للسخاوی ۳۷۹ (۴/۱۰۳، ۱۰۴)۔ امام سخاوی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے اور ابن حزم کی احکام الاحکام ۸۶۹/۵ اور جوامع السیر ص ۳۱۹ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اسماء کی ترتیب میں کچھ اختلاف ہے اور ابن حزم سے حافظ ابن القیم نے اعلام المؤقعین ۱۲/۱ میں نقل کیا ہے۔

[2] یعنی برابر حضرت علی نشر علم اور فتویٰ دینے کا کام کرتے رہے۔ الاصابة في تمييز الصحابة ۵۰۸/۲۔

[3] المصفى بشرح الموطا ص ۶۔

مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہؓ بن الیمان نے کہا کہ فتوے دینا اس شخص کا کام ہے جو یا تو امام ہو یا ناسخ منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا، عمر بن الخطابؓ۔ [1]

عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو حضرت عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔ [2]

علامہ ابو اسحاق شیرازی [3] نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے، فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرۃ میں صحابہ وتابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے۔ "ولو لا خوف الا طالة لذكرت من فقهه في فتاويه ما يتحير منه كل فاضل". [4]

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت عمرؓ کی فقاہت کے کارنامے دکھلاتے ہوئے گویا ایک رسالہ ہی مرتب کیا ہے۔ [5]

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زیرکی مشہور ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ خود رسالت مآب ﷺ نے اُن کی زیرکی پر خوش ہو کر ان کے لیے ایک مرتبہ [6] دعا فرمائی تھی: "اللهم فقهه في الدين". [7]

حضرت عمرؓ اس زیرکی کی قدر کرتے اور اصحاب بدر کے ساتھ برابر بٹھاتے۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کسی آدمی نے ناراضی کے انداز میں حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو اس کے ہم سن ہیں، کیوں یہ موقع نہیں دیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ وہ شخص ہیں جن کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔ [8]

---

[1] سنن دارمی ۱/۶۲

[2] الاستیعاب لابن عبدالبر ۳/۱۱۴۹۔۱۱۵۰، المستدرك للحاكم ۳/۸۶ کچھ فرق کے ساتھ۔ اسی طرح مسند احمد بن حنبل ۵/۲۵۹۔

[3] وہ ابو اسحاق جمال الدین ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی شیرازی فقیہ صوفی ہیں۔ ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی تالیفات میں سے طبقات الفقہاء ہے۔ معجم المؤلفین ۱/۶۸۔۶۷، الاعلام ۱/۴۴۔۴۵۔ (المحقق)

[4] اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کی فقاہت کے کارنامے اس قدر لکھتا کہ لوگوں کو حیرت ہوتی۔ طبقات الفقہاء ص ۴۰۔

[5] ڈاکٹر رویعی بن راجح رحیلی نے بعض ابواب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ جات تین جلدوں میں جمع کیے ہیں اور انھوں نے اس کے ساتھ مکہ مکرمہ ام القریٰ یونیورسٹی میں ایم اے اسلامیات اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے اور جامعہ ام القریٰ میں مرکز البحث العلمی کے تحت طبع ہوئے ہیں اور انھوں نے اس کتاب کا نام: "فقه عمر بن الخطاب رضي الله عنه موازناً بفقه اشهر المجتهدين" رکھا ہے۔ پہلی جلد حدود اور ان کے متعلقات، دوسری جلد جنایات (جرائم) اور ان کے احکام اور تیسری میں قتل اور زخموں کی دیتوں کا ذکر ہے۔

[6] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن عباس کے لیے دوبار دعا کی تھی۔ فتح الباری ۱/۱۷۰۔

[7] صحیح بخاری ۱/۲۴۴۔

[8] صحیح بخاری ۸/۷۴۴۔

علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے:[1]

''کان عمر رضی اللہ عنہ یحب ابن عباس ویدنیہ و یقربہ ویشاورہ''.[2] حضرت عمرؓ ابن عباس سے محبت کرتے، اپنے قریب کرتے اور ان سے مشورہ کرتے۔

۵۔[حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما]: رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کی دلدادگی عامہ صحابہ میں جس انداز کی تھی، وہ تو بیان سے باہر ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جس نے صحاح ستہ اور سنن و مسانید کا مطالعہ کیا ہے لیکن عبداللہ بن عمرؓ میں ایک خصوصیت خاص یہ تھی کہ یہ سنن کی پابندی میں سخت متشدد تھے جو عام طور پر مشہور ہے۔ ان میں حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ بے تکلفی اور سادہ مزاجی تھی۔

ایک بار حج کے لیے تشریف لے گئے تو آنحضرت ﷺ کی نماز اور خطبہ کا وقت آ گیا۔ حجاج نے خطبہ میں تاخیر کی تو حجاج جیسے ظالم شخص سے کہہ دیا کہ آفتاب تیرا انتظار نہیں کر سکتا۔[3]

ایک بار عین خطبہ میں کہہ دیا:''عدو اللہ استحل حرم اللہ و خرب بیت اللہ وقتل اولیاء اللہ''.[4] اسی حق گوئی کی بدولت حجاج نے مسموم آلہ سے ان کے پاؤں میں زخم کرا دیا اور اسی سے انتقال کر گئے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کے بعد جس قدر مشاجرات باہم مسلمانوں میں ہوئے، کسی میں یہ شریک نہ ہوئے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد خلافت بھی ان پر پیش کی گئی لیکن یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت خریدنا نہیں چاہتا۔[6] ایک بار ایک شامی نے مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں مچھر مارنا کیسا ہے؟ بے باک فقیہ نے جواب دیا کہ ابن رسول اللہ ﷺ کو تو بے آب قتل کرو اور مچھر مارنے کا مسئلہ پوچھو۔[7]

۶۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جن کے متعلق کتابت وحی کی خدمت سپرد کی گئی تھی۔ بہت ہی ذکی تھے۔ گیارہویں سال عمر کے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس ذکاوت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ عبرانی زبان سیکھ لو، اس لیے کہ یہود سے خط و کتابت کرنی پڑتی ہے اور یہودی کاتب پر اعتبار نہیں۔ یہ بات کی بات میں عبرانی زبان میں خط و کتابت پر قادر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر نے ان کو جمع قرآن کی خدمت پر مامور کیا تھا اور حضرت عثمان نے

---

[1] الاستیعاب ۳/۹۳۵۔

[2] ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے عبداللہؓ بن عباس کی فقہی آراء کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے جو دو جلدوں میں ہے اور اس کا نام ''موسوعة فقه عبدالله بن عباس'' ہے۔ اسے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں مرکز البحث العلمی اور احیاء التراث الاسلامی نے نشر کیا۔

[3] الاستیعاب ۳/۹۵۲۔

[4] خدا کے دشمن نے خدا کے حرم کو حلال کر لیا اور بیت اللہ کو ڈھایا۔ اور خدا کے دوستوں کو قتل کیا۔ تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۷۔

[5] الاستیعاب ۳/۹۵۲، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۷، سیر اعلام النبلاء ۳/۲۳۰۔

[6] تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۸، سیر اعلام النبلاء ۳/۲۲۶۔

[7] صحیح بخاری ۱۰/۴۲۶ نیز ۷/۹۵ حدیث ۳۷۵۳۔

نقل مصاحف پر۔ شیخ ولی الدین خطیب رجال مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: ''کان احدفقهاء الصحابة الاجلة القائم بالفرائض''. اور علم میراث سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور یہ باہم مسائل فقہ کا مذاکرہ کیا کرتے۔ ❶

۷۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضل وکمال، فطانت، زیرکی، تبحر سے کون ناواقف ہے۔ بڑے بڑے فقیہہ صحابیوں کی غلطیاں نکالتیں اور تسلیم کرا دیتیں۔ ان کے مسائل اجتہادیہ واستنباط وتفریع میں بہت کم غلطیاں واقع ہوئیں۔ خداداد زیرکی کے ساتھ حافظہ غضب کا تھا۔ اس پر آنحضرت ﷺ کی زوجیت سبحان اللہ۔ اکثر قرآن کے مطالب کے سوال آنحضرت ﷺ پر پیش کرتیں۔ قرآن سے استدلال، استنباط، توفیق بین الآیتین یہ ان کی خداداد قابلیت تھی۔ حدیثوں سے اس کا مفصل پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ لڑکپن میں گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھا تو پوچھا:

عائشہ! یہ کیا ہے؟

انھوں نے کہا: میری گڑیاں ہیں۔

آپؐ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پَر تھے۔

تو آپ نے پوچھا: یہ ان کے درمیان میں کیا چیز دیکھ رہا ہوں؟

کہنے لگیں: یہ گھوڑا ہے۔

آپؐ نے کہا: یہ اس کے اوپر کیا چیز ہے؟

عائشہ نے کہا: اس کے دو پَر ہیں۔

آپؐ نے (تعجب سے) پوچھا: گھوڑا اور اس کے دو پَر؟

وہ کہنے لگیں: کیا آپ نے سُنا نہیں کہ سلیمانؑ کا ایک گھوڑا تھا اور اس کے کئی پَر تھے؟

تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ کے اس طفلانہ خیال اور بے ساختہ پن کے جواب پر ہنس پڑے۔

عائشہ کہتی ہیں: آپؐ اتنا ہنسے کہ آپ کی ڈاڑھیں بھی مجھے نظر آگئیں۔ ❷

علامہ ولی الدین خطیب لکھتے ہیں: ''كانت فقيهةً، عالمةً، فصيحةً، كثيرة الحديث عن رسول الله ﷺ'' عارفة بايام العرب واشعارها. یعنی فقیہہ، عالمہ، فصیحہ ہونے کے علاوہ کثیرۃ الحدیث بھی ہیں۔ عرب کی تاریخ اور اشعار سے واقف۔ ❸

---

❶ الاکمال ص ۳۸۔

❷ سنن ابی داوٗد ۴/۲۸۳، کتاب الادب باب اللعب بالبنات حدیث ۴۹۳۲، صحیح سنن ابی داوٗد ۳/۹۳۲۔

❸ الاکمال ص ۱۰۰۔

۸۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے فقیہہ اور کثیر الفتاویٰ ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:" **ابو هريرة الدوسی اليمانی الفقيه صاحب رسول الله ﷺ**" پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:" **و كان من اوعية العلم و من كبار ائمة الفتوی**". ❶

ان کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، انس بن مالک، ابوسعید خدری، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، ابوبکرہ، عبادہ بن صامت، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین فتویٰ دینے میں ممتاز گنے گئے ہیں۔

یہ بات حیرت سے دیکھی جائے گی کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ اس کثرت سے تھے کیونکہ ان کی تعداد ایک لاکھ کئی ہزار تک پہنچتی ہے ❷ باوجود ان کے ان میں صاحب فتویٰ فقیہہ ایک سو کئی تھے۔ ان میں بھی ۲۷ ممتاز گنے جاتے ہیں۔ ان ستائیس میں بھی سات گویا اس خدمت پر مامور تھے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ جو آنحضرت کی خدمت سے مشرف ہوئے، جس نے جس قدر صحبت پائی، اسی قدر فیض علم سے بہرہ اندوز ہوا۔ اور ایک دوسرے سے آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال اور احوال کے سیکھنے کا گرویدہ رہا۔ اس طرح گویا ہر ایک صحابی آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کا بڑا حصہ یاد رکھتا اور اس کو روایت کرتا، لوگوں کو سکھاتا، اس کے مطابق فتویٰ دیتا اور اس خدمت کو اپنے فرائض سے جانتا تھا۔ اس پر بھی چند ہی صحابہ فقیہہ اور مجتہد کے لقب سے شہرت پذیر ہوئے جو لاکھوں کی تعداد کے سامنے بہت ہی قلیل ہیں۔ حقیقت امر یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح صاف مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اس کے معارض نہیں۔ ان مسائل کے لیے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے پیش آتے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم بتصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعہ حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اس کے معارض ہیں۔ ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں بہت سے بزرگ

---

❶ تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۲، ۳۳۔

❷ حافظ ابن حجر نے اصابہ ۱/۳ میں ابوزرعہ رازی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وفات پا گئے اور جنھوں نے آپ کو دیکھا یا آپ سے کچھ سنا وہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے مرد بھی اور عورتیں بھی سب نے آپ سے سن کر یا دیکھ کر روایتیں بیان کی ہیں اور امام نووی نے تقریب ۲/۲۲۰ میں فرمایا ہے: ابوزرعہ رازی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لاکھ چودہ ہزار ان صحابہ کرام کو چھوڑ کر فوت ہوئے جنھوں نے آپ سے روایت بھی کی اور آپ سے سنا (اور اسی طرح ابن صلاح سے کچھ زیادتی کے ساتھ منقول ہے) ابو زرعہ سے پوچھا گیا کہ اتنے صحابہ کہاں تھے اور انھوں نے آپؐ سے کہاں سنا تھا؟ انھوں نے کہا: اہل مدینہ، اہل مکہ اور جو ان دونوں کے درمیان میں تھے اور اعرابی لوگ نیز جو آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے ان سب نے آپ کو میدان عرفہ میں دیکھا اور آپ سے سنا۔ مقدمۃ ابن اصلاح ۲۶۷، ۲۶۸، تدریب الراوی ۲/۲۲۰، ۲۲۱۔ [محقق]

ایسے تھے جو پہلی قسم کے متعلق فتوے دیتے اور مفتی کہلاتے لیکن دوسرے قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہیں لوگوں کا کام ہوتا تھا جو اس فن کے امام تھے۔ اور اس درجہ کے یہی بزرگ تھے۔

ان فقہائے صحابہ کے تعلیم و تربیت یافتہ تابعین میں سب اس پایہ کے نہ ہوئے کہ فقیہہ اور مجتہد کے لقب سے ممتاز ہوں لیکن ہاں صحابیوں کے اعتبار سے جیسا کہ تابعیوں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اسی طرح فقہائے تابعین کی تعداد بھی نسبتاً زیادہ ہے۔ وهَلُمَّ جرًّا، تابعین میں فقہائے سبعہ معینہ اجتہاد میں نہایت مشہور ہوئے جن کی نسبت کسی قدیم شاعر کا قول ہے

اذا قيل من في العلم سبعة ابحر — روايتهم ليست عن العلم خارجة

فقل هم عبيد الله، عروة، قاسم — سعيد، ابوبكر، سليمان، خارجة

۱۔ سعید بن میسب المتوفی ۹۴ھ [1] سید التابعین کہے جاتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت عمرؓ کے مرویات و فتاوٰی کے مخزن ہیں۔ [2] خطیب نے لکھا ہے، جمع بين الفقه والحديث (فقہ اور حدیث کے جامع ہیں)۔ [3]

۲۔ عروہ بن زبیر المتوفی ۹۴ھ حضرت عائشہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ ابوالزناد کا بیان ہے کہ عروہ فقہائے مدینہ کے مرجع تھے۔ امام زہری و ہشام کے شیخ ہیں۔ [4]

۳۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۰۶ھ علی الصحیح اکابر تابعین سے ہیں اور یہ بھی حضرت عائشہ کے ساختہ و پرداختہ ہیں۔ اور فقاہت میں شہرت پذیر ہیں۔ [5]

۴۔ خارجہ بن زید المتوفی ۱۰۰ھ او قبلها زہری کے شیخ ہیں۔ اپنے والد زید بن ثابت کے علوم کے جامع تھے۔ [6]

۵۔ سلیمان بن یسار المتوفی ۱۰۷ھ ان کی نسبت علامہ خطیب لکھتے ہیں:" كان فقيهًا فاضلًا ثقةً عابدًا ورعًا

---

[1] حضرت ابوہریرہ کے داماد بھی ہیں اور اپنے والد میسب صحابی سے زیادہ مشہور۔ سعید کی تاریخ وفات میں اور بھی اقوال ہیں لیکن امام ذہبی نے سیر میں ۹۴ھ کو ترجیح دی ہے۔ ان فقہاء کے احوال میں جو قوسین میں زائد عبارت ہے یہ ہماری طرف سے ہے اصل اردو میں نہیں تھی۔ (محقق)

[2] سعید بن میسب کے طویل حالات سیر اعلام النبلاء ۴/۲۱۷۔۲۴۶ میں موجود ہیں اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ وہ کبار ثقہ علماء و فقہاء میں سے ایک تھے...... الخ ۹۰ھ کے بعد وفات ہوئی بلکہ اسی کے قریب پہنچ گئے تھے (ص ۳۸۸ تحقيق ابو الاشبال)۔

[3] الاکمال ص ۵۱۔

[4] الاکمال ص ۹۸ اور سیر اعلام النبلاء ۴/۴۲۱۔۴۳۷۔

[5] سیر اعلام النبلاء ۵/۵۳۔۶۰ اور التقریب ص ۷۹۴۔

[6] سیر اعلام النبلاء ۴/۴۳۷۔۴۴۱ التقریب ۲۸۳۔

حجۃ" آنحضرت ﷺ کی بیوی حضرت میمونہ کے غلام تھے۔[1]

۶۔ ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام المخزومی المتوفی ۹۴ھ۔ یہ حضرت عائشہ و ابوہریرہ کے تعلیم یافتہ اور امام شعبی اور امام زہری کے شیخ ہیں۔[2]

۷۔ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود المتوفی ۹۴ او بعدھا۔ یہ عبداللہ بن زبیر کے عہد خلافت میں قاضی تھے۔[3] ابن عباس، حضرت عائشہ اور ابن زبیر کے صحبت یافتہ تھے۔[4]

ان کے علاوہ محمد بن سیرین،[5] حسن بصری،[6] عطا بن ابی رباح،[7] ابن ابی لیلی،[8] حفصہ بنت سیرین،[9] سالم،[10] ابو الزناد،[11] ....

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۴/۴۴۵، ۴۴۸ ان کی وفات میں اور بھی اقوال ہیں۔ حافظ نے تقریب ۴۱۴ میں کہا ہے کہ ۱۰۰ھ کے بعد وفات ہوئی اور اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۴/۴۱۶، ۴۱۹۔

[3] مصنف رحمہ اللہ نے ایسے ہی ذکر کیا ہے جبکہ ان کا قاضی ہونا حافظ ذہبی نے سیر میں اور حافظ ابن حجر نے تھذیب میں ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم

[4] سیر اعلام النبلاء ۴/۴۷۵، ۴۷۹. تقریب ص ۶۴۰، تھذیب ۷/۲۳۔

[5] ان کا تعارف گزر گیا ہے۔

[6] ان کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔

[7] وہ ابو محمد عطاء بن ابی رباح اسلم باعتبار ولاء قریشی مکی ہیں۔ ابن عباس، ابن عمر، ابوھریرہ اور عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے یعقوب اور دیگر محدثین مثلاً زھری، اعمش اور اوزاعی وغیرہ نے روایت کی ہے ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ تھذیب التھذیب ۷/۱۹۹، ۲۰۳، تذکرۃ الحفاظ ۱/۹۸۔ (المحقق)

[8] امام ابوعیسیٰ عبدالرحمن بن ابی لیلی انصاری کوفی فقیہہ ہیں جو قاضی محمد کے والد ہیں عمر، عثمان وعلی وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے عیسی اور عبداللہ بن عیسی، شعبی، اعمش اور ایک جماعت نے روایت کی ہے ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں دجیل کی رات غرق ہو گئے تھے۔ تھذیب ۶/۲۶۰، ۲۶۲، تذکرۃ الحفاظ ۱/۵۸۔ (المحقق)

[9] وہ ام الھذیل حفصہ بنت سیرین انصاریہ بصریہ ہیں۔ اپنے بھائی یحیٰی اور دیگر مثلاً انس بن مالک اور ام عطیہ انصاریہ وغیرھم سے روایت کی اور ان سے ان کے بھائی محمد اور دیگر مثلاً قتادہ اور عاصم احول وغیرہ نے روایت کی۔ ۱۰۱ھ میں فوت ہوئیں۔ امام بخاری نے ان کا ذکر ۱۰۰ھ تا ۱۱۰ھ میں وفات پانے والوں کی فصل میں کیا ہے۔ تھذیب ۱۲/۴۰۹، ۴۱۰۔ (المحقق)

[10] ابو عمر یا ابو عبداللہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب عدوی مدنی فقیہہ ہیں۔ اپنے باپ عبداللہ اور ابوھریرہ، ابو رافع اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے ابوبکر اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، زھری اور عاصم بن عبداللہ وغیرھم نے روایت کی۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی اور اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔ تھذیب ۳/۴۳۶، ۴۳۸، تذکرۃ الحفاظ ۱/۸۸، ۸۹۔ (المحقق)

[11] ابو عبدالرحمن عبداللہ بن ذکوان مدنی معروف بہ ابو الزناد ہیں۔ انس، عائشہ بنت سعد، ابو امامہ ابن سھل اور سعید بن میسب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے دو بیٹوں عبدالرحمن اور ابو القاسم اور دیگر مثلاً صالح بن کیسان، اعمش اور ہشام بن عروہ وغیرہ نے روایت ←

نافع، ❶ سفیان بن عیینہ ❷ سلیمان بن حرب، ❸ شعبی، ❹ مکحول، ❺ عکرمہ، ❻ زہری، ❼ مجاہد، ❽ عطاء بن

← کی۔ ۱۳۰ھ میں وفات پائی اور بعض نے اور تاریخ بھی بتائی ہے۔ تھذیب ۲۰۳/۵، ۲۰۵، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۳۴، ۱۳۵۔ (المحقق)

❶ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام فقیہہ امام بڑے عالم ابوعبداللہ نافع مدنی عبداللہ بن عمر کو بعض غزوات میں ملے تھے۔ ابن عمر، ابوھریرہ، ابوسعید خدری، عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کی اولاد اور عبداللہ بن دینار، صالح بن کیسان اور زھری وغیرہ نے روایت کی، ۱۱۷ھ میں وفات پائی اور تاریخ بھی بتائی گئی ہے۔ تھذیب ۱۰/۴۱۲، ۴۱۵، تذکرۃ الحفاظ ۱/۹۹، ۱۰۰۔ (المحقق)

❷ ابومحمد سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون ھلالی کوفی ہیں، مکہ میں رہتے تھے۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے والد مکی ہیں۔ عبدالملک، ابو اسحاق سبیعی، اسود بن قیس اور جعفر صادق وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اعمش، ابن جریج، شعبہ اور ثوری نے روایت کی اور یہ تینوں ان کے شیوخ میں سے ہیں اور ان سے روایت کرنے والے ابو اسحاق فزاری اور حماد بن زید وغیرہ بھی ہیں۔ ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ تھذیب ۴/۱۱۷، ۱۲۲، تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۶۲، ۲۶۵۔ [محقق]

❸ سلیمان بن حرب نویں طبقے کا راوی ہے، ۲۲۴ھ میں وفات ہوئی۔ تھذیب ۴/۱۷۹، تقریب ۴۰۶ ان کا تعارف ہو چکا ہے۔

❹ ابوعمرو عامر بن شراحیل بن عبد اور کہا گیا ہے کہ عامر بن عبداللہ بن شراحیل شعبی حمیری کوفی، قبیلہ ہمدان سے ہیں۔ امام ذہبی کا کہنا ہے کہ تابعین میں علامہ، امام، حافظ، فقیہہ، ثقہ اور علم میں بہت پختہ تھے۔
علی، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ابو اسحاق سبیعی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدائش ہوئی اور ۱۰۰ھ کے بعد وفات پائی۔ (تقریب) تھذیب ۵/۶۵، ۶۹، تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۹۔ [محقق]

❺ ابوعبداللہ یا ابوایوب یا ابومسلم مکحول فقیہہ شامی دمشقی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً روایت کی ہے۔ اور عائشہ، ابی بن کعب، ثوبان اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے اوزاعی، حجاج بن ارطاۃ اور عبدالرحمٰن بن یزید وغیرہ نے روایت کی ہے، وفات ۱۱۳ھ میں ہوئی۔ تھذیب ۱۰/۲۸۹، ۲۹۳، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۰۷، ۱۰۸۔ [محقق]

❻ وہ ابوعبداللہ عکرمہ بربری مدنی ہیں۔ ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اپنے معتق عبداللہ بن عباس اور علی، حسن بن علی، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابراہیم نخعی، ابوالشعثاء اور شعبی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ امام ذہبی نے انہیں چوٹی کا عالم قرار دیا ہے، ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔ تھذیب ۷/۲۶۳، ۲۷۳، تذکرۃ الحفاظ ۱/۹۵، ۹۶۔ [محقق]

❼ محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شھاب زھری قرشی ہیں۔ بڑے چوٹی کے اماموں میں سے ایک تھے۔ حجاز و شام کے عالم تھے۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، مسور بن مخرمہ، انس بن مالک اور جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عطاء بن ابورباح، ابوالزبیر مکی اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔ تھذیب ۹/۴۴۵، ۴۵۱، تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۰۸، ۱۱۳۔ [محقق]

❽ وہ ابوالحجاج مجاہد بن جبر مکی مخزومی مقری ہیں اور سائب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ علی، سعد بن ابی وقاص، عبادلہ اربعہ، ابوسعید خدری، عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور کثیر مخلوق سے روایت کی ہے اور ان سے ایوب سختیانی، عطاء اور عکرمہ وغیرہ نے روایت کی ہے، ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ تھذیب ۱۰/۴۲، ۴۴، تذکرۃ الحفاظ ۱/۹۲، ۹۳۔ [محقق]

یسار، [1] طاؤس بن کیسان، [2] اوزاعی، [3] یحییٰ بن سعید، [4] علقمہ، [5] اسود، [6] یہ وہ تابعین ہیں [7] جن کی فقاہت و اجتہاد آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہے اور ان کی فقاہت کے کارنامے آج بھی کتابوں میں درج ہیں۔ یہ لوگ فن روایت وتفقہ دونوں کی تعلیم دیتے۔ ان سے تبع تابعیوں نے روایت حدیث وتفقہ دونوں کی تعلیم پائی۔ اس طرح روایت حدیث کے ساتھ تفقہ اور استنباط مسائل و اجتہاد کا سلسلہ جاری ہوا جو فقہ حجازی کے نام سے نامزد ہوا۔ مجتہدین اہل حدیث کا سلسلہ صحابہ کے زمانہ سے تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد محدثین میں برابر جاری رہا۔ اس سلسلہ کو حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور ابن حزم نے بہت ہی مفصل اور مکمل لکھا

---

[1] ابومحمد عطاء بن یسار ھلالی مدنی ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام فقیہہ اور واعظ تھے، ابو ذر غفاری، ابو الدرداء، عبادہ بن صامت، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، محمد بن عمر بن عطاء، زید بن اسلم، شریک بن ابی نمر اور عمرو بن دینار وغیرہ نے روایت کی ہے، ۱۰۳ھ میں وفات پائی اور تاریخ بھی بتائی گئی ہے۔ تھذیب ۷/۲۱۷۔۲۱۸، تذکرۃ الحفاظ ۱/۹۰۔۹۱۔ [محقق]

[2] وہ طاؤس بن کیسان یمانی ابوعبدالرحمٰن حمیری جندی ہیں اور ان کا نام ذکوان اور لقب طاؤس بھی بتایا گیا ہے۔ چار عبداللہ نامی صحابیوں (عبادلہ اربعہ) اور ابو ہریرہ، عائشہ اور زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ، وھب بن منبہ اور سلیمان تیمی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۱۰۶ھ میں وفات ہوئی اور دیگر تاریخ بھی بتائی گئی ہے۔ تھذیب ۵/۸۔۱۰، تذکرۃ الحفاظ ۱/۹۰۔ [محقق]

[3] ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد شامی اوزاعی فقیہہ ہیں۔ انھوں نے اسحاق بن عبداللہ، شداد بن عمار اور عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے روایت کی اور ان سے روایت کرنے والے مالک، شعبہ، ثوری اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ ہیں۔ ۱۵۶ھ میں فوت ہوئے اور تاریخ وفات کوئی اور بھی بتائی گئی ہے۔ تھذیب ۶/۲۳۸۔۲۴۲ تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۷۸۔۱۸۳۔ [محقق]

[4] وہ یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو ابوسعید انصاری بخاری مدنی قاضی ہیں۔ انس بن مالک، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، محمد بن امامہ بن سھل بن حنیف اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان سے زہری، یزید بن ھاد، ابن عجلان، مالک اور ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۱۴۳ھ میں وفات پائی دیگر تاریخ وفات بھی بتائی گئی ہے۔ تھذیب ۱۱/۲۲۱۔۲۲۴ تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۳۷۔۱۳۹۔ [محقق]

[5] علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک ابوشبل نخعی کوفی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیدائش ہوئی اور انھوں نے عمر، عثمان، علی، سعد، حذیفہ، ابن مسعود اور عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اُن کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن یزید بن قیس، ان کے بھانجے ابراہیم بن یزید نخعی، عامر شعبی اور سلمہ بن کُہیل وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۶۲ھ میں وفات پائی اور اس کے علاوہ تاریخ وفات بھی بتائی گئی ہے۔ تھذیب ۷/۲۷۶۔۲۷۸، تذکرۃ الحفاظ ۱/۴۸۔۴۹۔ [محقق]

[6] اسود بن یزید بن قیس نخعی ابوعمرو ہیں اور ابوعبدالرحمٰن بھی کنیت بتائی گئی ہے۔ ابو بکر، عمر، علی، ابن مسعود، بلال اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اور بھانجے ابراہیم بن یزید نخعی اور ابواسحاق سبیعی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ذہبی نے انہیں زاہد، عابد اور کوفہ کے عالم کہا ہے۔ ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں وفات ہوئی۔ تھذیب ۱/۳۴۲۔۳۴۳، تذکرۃ الحفاظ ۱/۵۰۔۵۱۔ [محقق]

[7] ان میں سفیان بن عیینہ، سلیمان بن حرب اور اوزاعی تابعین میں شمار نہیں ہیں۔ شاید اس جگہ ان کے نام سھواً لکھے گئے ہیں واللہ اعلم۔

ہے۔ افسوس بخوف طوالت اس سلسلہ کو ہم ترک کرتے ہیں۔ الارشاد میں بھی اس کا استقصا کیا گیا ہے۔ [1] اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فن روایت و حدیث کے ساتھ محدثین میں تفقہ و استنباط مسائل و اجتہاد کو برابر ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کتب حدیث کی تدوین انہی فقہی ابواب پر کی گئی۔ چنانچہ امام المحدثین اور ان کے تلامذہ نے اپنی اپنی کتابیں فقہی ابواب پر تالیف کیں۔ کم ہی ایسے محدثین گزرے ہوں گے جو فن روایت کے ساتھ فقہ الحدیث کا درس نہ دیتے ہوں۔ گویا دونوں فن لازم و ملزوم ہو گئے۔ ہاں وہ فقہ جو تخریجی اصول پر اہل الرائے کے درمیان مروج تھی، اس کا رواج محدثین میں نہ ہو سکا جس کی وجوہات گزر چکیں اور بعض وجوہ آگے آتی ہیں۔

فقہ حجازی یا فقہ اہل حدیث وہ فقہ ہے جس کے مسائل اور قوانین یا تو صراحۃً قرآن اور مشکوٰۃ نبوی ﷺ سے لیے گئے ہیں یا قیاس جلی سے جس کی علت یا تو نصی ہے یا نہایت روشن اور کوئی قانون دیوانی، فوج داری، لگان، مال گزاری، شہادت، وراثت، معاہدہ، وصیت، نکاح، معاملات، بیع و اجارہ وغیرہ (جن کی تفصیل صحیح بخاری کے ابواب سے معلوم کی جاسکتی ہے) کا ایسا نہیں جو قرآن و حدیث سے یا اجماع و اقوال صحابہ سے نہ لیا گیا ہو۔ بالقیاس جلی نہ مستنبط کیا گیا ہو۔ اس فقہ کی خوبی اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حجاز جو مہبط وحی و مہبط جبریل اور مسکن رسول اللہ ﷺ اور ماویٰ و ملجائے صحابہ تھا، وہاں اہل الرائے کی فقہ کو رواج نہ ہوا۔ اسی طرح اندلس، مصر، شام ان سب جگہوں میں اہل الرائے کی فقہ رواج پذیر نہ ہو سکی۔ صاحب سیرۃ النعمان بایں عصبیت و سحر نگاری اس کے اعتراف سے باز نہ رہ سکے گو اس کی وجوہات کچھ ہی تراشیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں، عرب میں تو ان کے مسائل کو چنداں رواج نہ ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں آئمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے [2] اور لکھتے ہیں کہ اندلس پر بدویت غالب تھی۔ اس لیے وہاں بھی اہل الرائے کے مسائل کو رواج نہ ہوا۔ [3]

امام بخاری اور عموماً اہل حدیث کا طرز اجتہاد چونکہ صحابہ کے طرز اجتہاد پر تھا اور تخریجی طریقہ کو اس میں دخل نہ تھا اس واسطے اس فقہ میں وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو فقہ اہل الرائے میں نہیں پائی جاتیں۔

ا۔ اولاً تو یہ کہ فقہا اہل الرائے نے رائے اور تخریجی اصول کی پابندی میں سیکڑوں صحیح حدیثیں رد کر دیں۔ کہیں پر ایک ہی حدیث کے ایک ٹکڑے کو استدلال میں لے لیا اور دوسرے ٹکڑے کو عدم موافقت کی وجہ سے ترک کر دیا۔ علامہ

---

[1] مصنفہ مولوی محمد صاحب شاہ جہان پوری۔ یہ اردو میں ایک جامع تالیف ہے جو فقہ المحدثین اور فقہ اہل الرائے پر پوری روشنی ڈالتی ہے اور بڑے بڑے نادر ابحاث کو شامل ہے۔ اور مزید دیکھیے: امام ابن حزم کا رسالہ جس کا نام: "اصحاب الفتيا من الصحابة و من بعد هم على مراتبهم في كثرة الفتيا" ہے۔ اور یہ ابن حزم کی کتاب جوامع السیر کا رسالہ نمبر تین ہے۔ دیکھیے: ص ۳۱۷، ۳۳۵ اور اعلام الموقعین ۱/۱۱۔۲۸۔

[2] سیرۃ النعمان ۲/۱۴۸۔

[3] سیرۃ النعمان ۲/۱۵۱۔

ابن قیم نے اپنی بے نظیر کتاب اعلام المؤقعین میں ایک باب قائم ہی اسی لیے کیا ہے اور نہایت بسط سے اس بحث کو لکھا ہے جس سے اہل الرائے کی وجہ تسمیہ پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے۔ [1]

۲۔ دوسرے یہ کہ امام المحدثین اور دیگر مجتہدین محدثین کو فیض حدیث سے جہاں اور نکات شرعیہ معلوم ہوئے، وہیں امور تشریعی اور غیر تشریعی میں امتیاز کرنا بھی معلوم ہوا۔ ایک موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**انتم اعلم بامور دنیاکم**''. [2] تم اپنے دنیاوی کاروبار کو خوب جانتے ہو۔ اس سے آپؐ نے دنیاوی معاملات کو دین سے الگ کر دیا۔ اسی طرح بریرہ کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کہ وہ آزاد ہوئیں اور ان کو نکاحِ سابق کے توڑ دینے کا اختیار دیا گیا تو نکاح انھوں نے توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''**لوراجعتیه**''. تیرا شوہر مغیث تیری فرقت میں بدحواس ہے، کاش کہ تو اس سے رجعت کر لیتی۔ بریرہ نے عرض کیا: ''**یا رسول الله اتامرنی؟**'' (کیا آپ شرعی حکم دیتے ہیں؟) آپؐ نے فرمایا: نہیں **انما اشفع**. (میں سفارش کرتا ہوں) بریرہ نے کہا: ''جب آپؐ شرعی حکم نہیں دیتے بلکہ سفارش کرتے ہیں تو مجھے اختیار ہے۔ میں اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی''۔ [3]

اور ایک وقت فرمایا: ''**انما انا بشر اذا امرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیءٍ من رأییْ فانما انا بشر**''. [4]

یوں تو ہر ایک قول و فعل آنحضرت ﷺ کا اور ہر تقریر دربار رسالت کی مسلمانوں کے لیے گنجینۂ مراد ہے۔ لیکن خود آنحضرت ﷺ نے دونوں امور (تشریعی اور غیر تشریعی) میں امتیاز فرمایا۔ ایک بات تبلیغ رسالت سے ٹھہری جس کے لیے فرمایا گیا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾. [5]

اور دوسرے کے بارے میں فرمایا:

''**فانی انما ظننت، ظنًا فلا تأخذونی بالظن، ولکن اذا حدثتکم عن الله شیئًا فخذوا به**''. [6]

---

[1] دیکھیے: اعلام المؤقعین ۲/۲۱۵۔۲۲۶۔ نیز دیکھیے: شیخ ناصر الدین البانی کا رسالہ "**الحدیث بنفسه حجة فی العقائد والاحکام**" ص ۱۹۔۲۴۔ انھوں نے اس جگہ پچاس ایسی احادیث ذکر کی ہیں جنھیں احناف نے کمزور اصول و قواعد کی بنا پر ترک کر دیا ہے۔

[2] صحیح مسلم ۴/۱۸۳۷۔

[3] صحیح بخاری ۹/۴۰۷۔

[4] میں ایک بشر ہوں۔ جب میں تم کو کوئی دینی بات بتاؤں تو اسے تھام لو اور جب کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی ایک بشر ہوں۔ صحیح مسلم ۴/۱۸۳۵۔

[5] سورۃ الحشر: ۷۔

[6] صحیح مسلم ۴/۱۸۳۵۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو بہت مفصل بیان کیا ہے۔ ❶

---

❶ حجۃ اللہ البالغۃ شاہ ولی اللہ دھلوی ۱/۲۹۴ طبعہ دار المعرفۃ. چنانچہ ایسے لوگوں نے جب بھی کوئی ایسی حدیث دیکھی جو ان کی خواہشات یا آراء کے مخالف ہو فوراً کہہ دیا کہ اس کا تعلق دنیاوی امور کے ساتھ ہے اور دنیاوی امور ہم خوب جانتے ہیں ہمیں زیادہ علم ہے۔

لیکن ہم جب اسلام اور اس کی تشریعات کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے لیے ایک کامل نظام ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے ایسی رہنمائی ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی انسان کو اس دنیا میں ضرورت ہے۔ چنانچہ بہت سے شرعی اوامر و نواہی کا تعلق امور دنیا کے ساتھ ہے جیسا کہ اقتصادیات، تجارت، زراعت (زرعی نظام) حدود اور تعزیزات، دشمنوں سے لڑائی اور صلح، لین دین اور احکام نکاح و وراثت، نان ونفقہ اور کھانے پینے کے مسائل، کام اور کام کرنے والے، طب (ڈاکٹری اور حکمت) اور قاضی و جج کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل وغیرہ تمام مسائل ایک اعتبار سے تو دنیا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ایک اور لحاظ سے ان کا تعلق دین کے ساتھ بھی ہے۔ اور ان مذکورہ مسائل میں کئی امور ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور کئی امور ایسے ہیں جنہیں اللہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی زبانی حرام کیا ہے، جیسا کہ معلوم ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول کی شان میں فرمایا "وما ینطق عن الھویٰ" سورۂ نجم۔۳ کہ وہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا اور جب یہ فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" سورہ احزاب ۲۱ البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہت اچھا نمونہ ہے اور جب یہ فرمایا: "وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا" سورہ حشر۔۷ اور جو تمہیں رسول دے وہ لے لو (قبول کر لو) اور جس سے وہ روکے اس سے رک جاؤ (اور ان کے علاوہ کئی اور بھی آیات ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی امور کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ دین کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تاکہ اس پر اس دنیا میں عمل کیا جائے تو ضروری ہے کہ وہ امور دنیا کو بھی شامل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا آپ کے ساتھ ایمان لانے کے لوازمات میں سے ہی ہے۔ چنانچہ جس کے کرنے کا آپ نے حکم دیا ہوا س کو کرنا اور جس سے منع کیا یا ڈانٹ پلائی ہو اس سے رک جانا اور اس کو چھوڑ دینا اور جس کی خبر دی ہو اس کی تصدیق کرنا یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ بھی سُنا کرتے اسے لکھ لیا کرتے تھے تاکہ اسے یاد رکھ سکیں۔ قریش نے انہیں روک دیا تھا اور کہا تھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات جو سنتے ہیں لکھ لیتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انسان ہیں جو غصہ اور خوشی کی حالت میں بیان کرتے ہیں؟ یہ سن کر عبداللہ نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر انھوں نے اس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو آپ نے اپنے منہ کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا: عبداللہ! لکھا کرو، مجھے اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرے منہ سے حق سچ ہی نکلتا ہے۔ سنن ابی داؤد ح ۳۶۴۶، مسند احمد ۲/۱۶۲، ۱۹۲، سنن دارمی ۱/۱۲۵۔

تو یہ صریح نص ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ حق سچ ہے اور دنیاوی اور غیر دنیاوی امور کے درمیان فرق کیے بغیر حجت ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر (یعنی کسی صحابی کی بات یا اس کے کسی کام پر انکار نہ کرنا) بھی امت کے لیے سنت اور شرعی حجت بن جاتی ہے جس کو بطور شرعی دلیل پیش کیا جا سکتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اگر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فرمان یا کام پر انکار نہ کرے بلکہ اس کو برقرار ہی رکھے تو وہ حجت و دلیل اور حق کیسے نہیں ہو سکتا؟

یہیں سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بھی قول، فعل اور تقریر ثابت ہے وہ امت کے لیے سنت اور حق اور حجت ہے جب تک اس کے لیے کوئی ناسخ ثابت نہ ہو جائے۔ جس طرح کہ اس کھجور کی پیوند کاری والی حدیث کا ناسخ ثابت ہے اور وہ ہے ←

گو یہ بات (امور تشریعی اور غیر تشریعی میں امتیاز کرنا، اہل الرائے کو بھی محدثین کی بدولت نصیب ہوئی لیکن فقہائے اہل الرائے کو ان کے اشتغال فی القیاس نے حد اعتدال پر باقی نہیں رکھا اور عامہ مسائل کو انھوں نے اپنے

← آپ کا اس سے رجوع کرنا اور یہ آپ کے اجتہاد کے خطا ہونے پر تھی، ربانی تنبیہ تھی اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطا پر کبھی بھی برقرار نہیں رکھا جا سکتا اور سنت اور سیرت میں اس کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جن کے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ رہے آپ کے وہ افعال جن کا تعلق سنت تشریعی یا غیر تشریعی کے ساتھ ہے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور تعبد (اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر) کیا ہے وہ تو عبادت ہے، اس کے کرنے میں آپ کی پیروی ہمارے لیے مشروع ہے۔ جب کسی عبادت کے ساتھ کوئی وقت یا جگہ خاص کر دی جائے تو اس کا اس عبادت کے ساتھ خاص کیا جانا سنت ہوگا جیسا کہ آپ نے رمضان کے آخری عشرہ کو اعتکاف کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور مقام ابراہیم کو نماز کے ساتھ خاص کیا ہے تو ان میں آپ کی پیروی یہی ہے کہ جس طرح آپ نے کیا ہم بھی اسی طرح کریں کیوں کہ یہ آپ کا فعل ہے۔ اس میں وہی قصد کرنا ہوگا جو قصد آپ نے کیا، وہی نیت ہوگی جو آپ کی تھی۔ جب آپ نے حج یا عمرہ یا جہاد کی خاطر سفر کیا تو ہمارا سفر بھی اگر انہی امور کی خاطر ہوگا تو ہم آپ کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ اسی طرح اگر آپ نے حد قائم کرنے کی خاطر کسی کو مارا تو اسی نیت سے ہمارا مارنا بھی آپ کی پیروی بنے گا اور اگر آپ نے کوئی کام اتفاقی طور پر کیا ہو یعنی اس میں تقرب الٰہی کی کوئی نیت نہ کی ہو مثلاً آپ کا سفر میں کسی جگہ آرام کرنے کی غرض سے اترنا یا آپ کا برتن وکٹورے وغیرہ کا زائد پانی کسی درخت کو پلا دینا یا آپ کی سواری کا راستے کی دو جانبوں میں سے کسی ایک جانب میں چلنا اور اس طرح کے اور امور۔ تو کیا ایسے کاموں میں بھی آپ کی پیروی مستحب ہے یا کہ نہیں؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان میں بھی آپ کی پیروی پسند کرتے تھے اور خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کرام نے یہ پسند نہیں کیا اس لیے کہ یہ آپ کی متابعت نہیں ہے کیوں کہ متابعت میں قصد و نیت کا ہونا ضروری ہے تو جب آپ نے اس کام میں قصد و نیت کیا ہی نہیں بلکہ وہ کام آپ کے لیے اتفاقاً ہی حاصل ہوا تھا تو آپ کا امتی اس کام کا قصد کرنے میں آپ کا متابع اور متبع نہیں ہو سکتا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:
اگرچہ قصداً وہ کام نہیں کرنا ہوتا لیکن وہ کام جیسے بھی ہوئی نفسہ اچھا ہی ہے اس لیے میں اسی طرح کرنا پسند کرتا ہوں دو وجھوں سے:
۱۔ اس سے آپ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔
۲۔ آپ کے ساتھ مشابہت اختیار کر کے برکت حاصل ہوتی ہے۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ایک سفر میں تھے کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک جگہ میں باری باری نماز پڑھ رہے ہیں پوچھا یہ کیا کرتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک جگہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی تھی (یہ لوگ بھی اسی جگہ پر نماز پڑھ رہے ہیں) عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کیا تم لوگ اپنے انبیاء کے اس طرح کے آثار کو مساجد بنانا چاہتے ہو؟ تم سے پہلے لوگ بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ اس جگہ اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھا کرو ورنہ ویسے ہی گزر جایا کرو اور عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ ان جگہوں کی طرف قصداً جا کے عبادت نہیں کرتے تھے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترتے یا رات گزارتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھر ہیں اور آپ کے غزوات میں اترنے اور پڑاؤ ڈالنے کی کئی جگہیں ہیں۔ یہ اختلاف تو صرف کسی کام کی شکل وصورت میں آپ کی مشابہت اختیار کرنے کے بارے میں ہے مگر جائز کہنے والے نے بھی اس جگہ میں عبادت وقربت الٰہی کا قصد نہیں کیا۔ رہی فی نفسہ وہ جگہیں تو صحابہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان جگہوں میں سے کسی جگہ کی تعظیم نہ کی جائے الا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی تعظیم ثابت ہو جائے۔ مجموع الفتاوی ۱۰/۴۰۹ (کچھ اختصار کے ساتھ)۔

قیاس کے معیار پر جانچنا چاہا۔ اس وجہ سے جو افراط وتفریط ان کے مسائل مستنبطہ میں واقع ہوئی محتاج بیان نہیں جس کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

”و بعض الفقهاء عند ما خاضوا في القياس تحيروا، فلجوا ببعض المقادير وانكروا استبدالها بما يقرب منها و تسامحوا في بعضها، فنصبوا الا شياء مقامها، مثال ذلك تقدير الماء بالعشر في العشر“. [1]

بعض فقہاء قیاس میں منہمک ہونے کی وجہ سے حیرت میں پڑ گئے۔ اس لیے وہ اپنے قیاس سے بعض مقادیر کے ساتھ تو بے طرح چمٹ گئے اور اس کے بدلنے کو اس کے ہم جنس سے بھی انکار کر دیا اور بعض میں اس طرح چشم پوشی کی کہ ایک کو دوسرے کے قائم مقام کر دیا۔ اس کی مثال الماء العشر في العشر ہے۔

مگر فقہائے محدثین نے اس مسئلہ میں انتہا درجہ کی احتیاط سے کام لیا۔

اولاً یہ کہ جس طرح سے جو بات جناب رسول اللہ ﷺ کی قولاً اور عملاً اور تقریراً ثابت تھی، سب کو بلا کم وکاست روایت کر دیا۔ حتیٰ کہ ان میں اگر کسی صحابی کی تفسیر یا قول درج تھا تو اس کو بھی الگ چھانٹ دیا جس سے ہر غور کرنے والے ذی فہم کو غور کا موقع ملے۔ اس کے بارے میں آپ ؐ نے فرمایا:

”**فرُبَّ حَامل فقهٍ ليس بفقيهٍ، وَرُبَّ حامل فقهٍ الى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنهُ**“. [2] یعنی بہتیرے پہنچانے والے غیر فقیہہ ہوں گے جو اپنے سے زیادہ فقیہہ کو پہنچائیں گے۔

ثانیاً یہ کہ اس باب میں انھوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ان میں بھی وہ صحابہ جو مدتوں آنحضرت ﷺ کی فیض صحبت سے بہرہ اندوز رہے جن کے دل و دماغ امور تشریعی کے ادراک میں نہایت بصیرت رکھتے تھے، ان کی تصریحات کی متابعت کی۔ اس کے علاوہ جہاں خود رسالت مآب ﷺ نے فرق فرمایا تھا، اس کے کاربند رہے۔ اس لیے محدثین سے وہ غلطیاں اور وہ افراط وتفریط واقع نہیں ہوئی جو فقہائے اہل الرائے سے واقع ہوئی۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب فقہائے اہل الرائے کی افراط وتفریط اور ان کے اپنے قائم کردہ قیاسات کو (احکام تشریعی اور غیر تشریعی کے قرار دینے میں) دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”واذا تحققت هذه المقدمة اتضح عندك اَنَّ اكثر المقاييس التي يفتخر بها القوم، و يتطاولون لاجلها على معشر اهل الحديث يعود وبالًا عليهم من حيث لا يعلمون“. [3]

---

[1] حجة الله البالغة ۱/۲۷۵۔

[2] سنن دارمی ۱/۷۵۔

[3] حجة الله البالغة ۱/۲۷۷ (۱/۳۰۱، طبعه: دار المعرفة)۔

جب تم اس مقدمہ کو معلوم کر چکے تو تمہارے اوپر یہ بات خود بخود واضح ہو گئی ہو گی کہ (دقائق قیاسیہ) جن کی وجہ سے قوم اہل الرائے فخر کرتی ہے اور اس کی وجہ سے جماعت اہل حدیث پر زبان درازی کرتی ہے، اور اپنا فخر جتلاتی ہے، ان پر وبال ہو جائیں گے اس طرح کہ ان کو خبر بھی نہ ہو گی۔

فقہ اہل الحدیث کی خوبیاں[1]

ا۔ سب سے اعلیٰ اور مقدم خصوصیت جو فقہ اہل حدیث کو حاصل ہے، وہ مسائل فقہ کا ان مصالح اور اسرار پر مبنی ہونا ہے جس کو قرآن نے نصاب بتایا ہے۔ یا جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا یا آپ کی تقریر سے یا اس موقع سے جس محل میں حدیث وارد ہوئی تھی، خود آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے سمجھا تھا۔ بخلاف اہل الرائے کے کہ اکثر مسائل کی بنا ان کے اپنے قائم کردہ مصالح پر ہے یا کسی مظنہ حرج وغیرہ پر جو اجتہاد کے وقت خیال میں آئے اور ان قائم کردہ مصالح پر تخریج در تخریج کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر مقامات پر قوانین شریعت سے اس قدر بُعد ہو جاتا ہے کہ ایک سمجھ دار آدمی حیران ہو کر رہ جاتا ہے۔

احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فریق قائم ہو گئے:۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی ان میں کوئی سرّ اور مصلحت نہیں ہے مثلاً شراب خوری یا فسق و فجور صرف اس لیے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے اور خیرات و زکوٰۃ اس لیے مستحسن ہیں کہ شارع نے اس کی تاکید کی ہے ورنہ یہ افعال فی نفسہٖ برے یا بھلے نہیں ہیں۔

دوسرے فریق کا یہ خیال ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں البتہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی مصلحتیں بتائی نہیں گئی ہیں۔ پھر وہ لوگ جو قائل ہیں کہ احکام شریعت کی بنا مصالح اور اسرار پر ہے، ان میں بھی دو فریق ہو گئے:۔

پہلا وہ فریق ہے جو کہتا ہے کہ جس قدر مسائل و احکام کے مصالح و اسرار قرآن میں نصاب بتائے گئے ہیں یا جناب رسول اللہ ﷺ نے بتائے یا صحابہ نے قرائن سے معلوم کیے، وہ تو ٹھیک ہیں بقیہ وہ مسائل جن کی مصلحتیں نہیں بتائی گئیں، ان میں بہت سی مصلحتیں اور اسرار مخفی ہیں ان میں ہم غور کر سکتے ہیں۔ اگر وہ مصالح ہماری سمجھ میں آ گئے تو ہمارے لیے شکر کا مقام ہے لیکن ان مصالح کو ہم اس حکم کی علت قرار دے کر ان سے مسائل و احکام استخراج کریں اور قانون شریعت بنائیں، اس کا منصب کسی کو نہیں۔ اولاً تو مصلحت خود ایک خیالی چیز ہے۔ اس پر قیاس اور تخریج در تخریج کرنا یہ ظن در ظن قابل اعتبار نہیں۔

اس کے مقابل دوسرا فریق ہے جو اپنی عقل و رائے سے مصلحت و سر قائم کر کے اس کو مسئلہ کی علت قرار دیتا ہے

[1] یہ عنوان مصنف کی بات کی مزید وضاحت کی غرض سے میری طرف سے ہے۔

اوراس سے مسائل کی تخریج کرتا ہے۔

پہلی جماعت فقہائے محدثین کی ہے دوسرا گروہ فقہائے اہل الرائے کا ہے۔ فقہائے محدثین نے چونکہ اس باب میں انتہا کی احتیاط برتی، اس لیے ان کے مسائل مستخرجہ میں وہ خوبی پائی جاتی ہے جو فقہائے اہل الرائے کے مسائل مستنبطہ میں نہیں پائی جاتی۔

فقہ اہل الحدیث کے مسائل کا موازنہ [1] فقہ اہل الرائے سے کیا جائے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے کہ معاملات تو معاملات عبادات میں بھی اہل الرائے نے اپنے قائم کردہ مصالح وعلل پر ایسا اعتماد کیا کہ عبادات کی ہیئت کذائی میں زمانہ نبوی سے تفاوت آ گیا۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے یعنی خضوع، اظہار تعبد، اقرار عظمت الٰہی اور دعا۔ یہ چار باتیں کھلی اور ظاہر ہیں۔ گو ہر فعل و ادا میں خاص خاص مصالح اور اسرار ملحوظ ہیں جن کا ذکر باعث تطویل ہے۔ اور یہ حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [2] ﴿وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ﴾ [3] اس بنا پر نماز میں ایسی حالت ہونی چاہیے کہ جوارح اس وضع سے ہوں کہ گرویدگی وتواضع کے آثار ان سے ظاہر ہوں۔ آواز سے خوف اور عبودیت ٹپکتی ہو۔ قلب میں خشیت و ذکر الٰہی بھرا ہو تو پھر نماز موجب نجات ہو سکتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○﴾ [4]

اس کے لیے شارع نے تکبیر، قرأت، رکوع، سجود مقرر کیا لیکن فقہائے اہل الرائے نے اپنے قائم کردہ مصالح و علل کی بنا پر نماز کا رتبہ اس قدر گھٹا دیا کہ اصلی مقصود نماز کا فوت ہو گیا۔ قرأت صرف دو رکعت میں فرض ہے اور وہ بھی اس قدر کہ قرآن کی ایک ہی آیت۔ بعض لوگوں نے اصلی قرآن منزل من اللہ کے الفاظ بھی ضروری قرار نہیں دیے۔

---

[1] صاحب سیرۃ النعمان نے مسائل محدثین کا مجتہدات اہل الرائے سے موازنہ کیا ہے اور مجتہدین محدثین کو کہیں مصالح عبادت سے ناواقف، کہیں طرز تمدن اور طریقہ اجتہاد سے نابلد، کہیں فقہی ابواب کے اسرار سے بے خبر قرار دیا ہے۔ اس موازنہ کا حق ہر شخص کو ہے لیکن افسوس ایسا کرنے میں وہ اور ان کے ہم مشرب نکتہ چینی کا الزام دینے کے لیے تیار ملتے ہیں۔ اس لیے ہم نے بالقصد اس کو ترک کر دیا ورنہ تراجم ابواب صحیح بخاری اور امام شافعی کی مبارک کتاب کتاب الام جس کا حوالہ مقدمہ میں دیا گیا ہے اور رسالہ مناقب الشافعی امام رازی اور اعلام الموقعین اور نعمانی صاحب کی طرز تحریر ہم کو اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ ہم اس سے اعراض کریں۔ موازنہ دلائل شرعیہ میں لازم ہے۔ رہی بالائی باتیں، ان کو موازنہ میں کیا دخل؟ جب دلائل شرعیہ کا پہلو محدثین کی جانب قوی ہے تو پھر طرز تمدن یا احتیاط یا مخالفت قیاس کیا وقعت رکھتی ہے۔ [مؤلف]

[2] زمر: ۲۳۔

[3] طٰہٰ: ۱۰۸۔

[4] المومنون: ۱۔۲

فارسی ہی سہی، حالانکہ اس قدر قرأت سے خضوع کیوں کر حاصل ہوسکتا ہے نہ اظہار تعبد، نہ عظمت الٰہی، رکوع و سجود کا رتبہ اس قدر کم کر دیا کہ صرف جھکنا اور ٹھہرنا فرض ہے اور سجود بھی اسی قدر فرض ہے کہ دو دفعہ سر زمین پر لگا دے جس سے خضوع، اظہارِ تعبد، اقرارِ عظمتِ الٰہی اور دعا کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح خروج "**بصنعه عمدًا**" ہے۔

اس کے برعکس فقہائے محدثین نے قرأت میں قرأتِ فاتحہ لازمی قرار دی کیونکہ اس میں حمد و ثنا، اظہارِ تعبد و عظمتِ الٰہی و اظہارِ خشوع و دعا سب کچھ موجود ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی تاکید مزید اس پر ہے۔ انہیں مضامین کی جامعیت سے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کو صلوٰۃ قرار دیا۔ جس پر صحیح مسلم کی روایت دال ہے: "**قسمتُ الصلوة بيني و بين عبدي نصفين**"[1]

رکوع و سجود کو بھی فقہائے اہل حدیث نے اسی طرح فرض بتایا جس سے اصلی غرض نماز کی حاصل ہو یعنی رکوع و سجود میں ٹھہرنا اور ان میں ذکر الٰہی اور دعا کرنا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جس نے رکوع و سجود میں جلدی کی تھی، فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔[2] اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص نے رکوع و سجود ایسا کیا جس سے اصلی مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ فقہائے محدثین نے اپنی رائے سے مصالح سوچ کر نماز کے ارکان مقرر کیے تھے۔ نہیں بلکہ ان کے لیے صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ ساتھ اس کے ان مصالح کی خوبی پر عقل شہادت دیتی ہے۔

مسائل زکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع انسان کی ہمدردی اور اعانت ہے۔ اسی لیے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیئے گئے جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں یعنی فقراء و مساکین، عُمّالِ زکوٰۃ، مؤلّفۃ القلوب، مقروض، مسافر، غازی، مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن میں موجود ہے،[3] اس لیے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق ہے کہ یہی لوگ مصرفِ زکوٰۃ ہیں۔ لیکن بعض نے اختلاف پیدا کر دیا۔ فقہائے محدثین نے ان سب مصارف کے ذکر کرنے کی یہ مصلحت سمجھی کہ اگر استیعابِ مصارف کی قید اٹھا دی جائے گی تو لوگ جس مصرف خاص میں ان کی خواہش ہوگی، اس میں زکوٰۃ خرچ کر دیں گے اور دوسرے بے چارے محروم رہ جائیں گے لیکن استیعابِ مصارف کو ضروری قرار دیا تاکہ مستحقین میں کوئی محروم نہ ہو لیکن فقہائے اہل الرائے کا ذہن اس طرف نہ گیا اور انھوں نے کہا، اپنی خواہش کے مطابق جس کو چاہے دے۔ ان مسائل کے سوا عبادات کے سیکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہائے اہل حدیث اور محدثین نے مصالح اور اسرار کو جس خصوصیت اور دقیق نگاہ سے لحاظ کیا، انہیں کا حصہ تھا۔

معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ فقہائے اہل الرائے نے اپنے قائم

---

[1] صحیح مسلم ۲۹۶/۱۔

[2] صحیح بخاری ۵۴۹/۱۱ یہ مسئی صلوٰۃ والی مشہور حدیث کا ٹکڑا ہے۔

[3] سورہ توبہ: ۶۰۔

کردہ مصالح پر کس قدر اعتماد کیا ہے حالانکہ یہ نہایت نازک بات ہے۔ [1]

۲۔ ایک دوسری خصوصیت فقہ اہل حدیث کو بہ نسبت فقہ اہل الرائے کے جو حاصل ہے، وہ مسائل کا یسیر العمل ہونے کے ساتھ اعتدال کا جامع ہونا ہے۔ قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔ [2] جناب رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں۔ [3] بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے، اس میں عبادات شاقہ نہیں۔ اس کے مسائل آسان اور یسیر التعمیل ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قوانین شریعت ہوا پرستی سے نہایت دور رکھے گئے ہیں۔ فقہائے محدثین نے اپنے اجتہاد و استنباط میں اس کی نہایت نگہداشت کی اور ان کے مسائل اجتہادیہ اس افراط و تفریط دونوں سے نہایت محفوظ رہے، نہ تو وہ زن مفقود الخبر کے لیے نوے برس بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں کہ زن مفقود الخبر اپنے اوپر نان ونفقہ و معاشرت کی تکلیف گوارا کر کے نوے برس تک بیٹھی رہے اور جب قبر میں پاؤں لٹکائے تو نکاح کی اجازت ملے۔

اولاً تو اس قدر عمر پانا شاذ و نادر ہے۔

ثانیاً جوانی کے وقت سے وہ رنج وکوفت میں رہبانیت اختیار کرے اور جب قبر میں پاؤں لٹکائے تو عروس بننے کی اجازت دے دی جائے۔

نہ اس قدر وسعت کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو کسی طرح ایسے الفاظ سکھائے جس کا معنی ایجاب ہو اور وہ عورت نہ سمجھتی ہو۔ اگر اس عورت نے وہ کلمہ دو شخصوں کے سامنے کہا اور مرد نے قبول کر لیا تو یہ نکاح ہو گیا اور عورت قید نکاح میں آ گئی۔ خواہ گواہ بھی ان الفاظ کو نہ سمجھتے ہوں۔

اسی طرح نکاح کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی عورت سے بلا علم اس کے اقارب کے خفیہ طور سے دو شخصوں کے سامنے ایسے کلمات کہلوا لیے یا اور کسی طرح ایجاب وقبول کرا لیا اور کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی تو نکاح ہو گیا۔ اسی طرح ایسے

---

[1] اس کے نازک ہونے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار فرمایا کہ طواف میں کندھا ہلا کر دوڑنا کفار مکہ کو اپنی قوت دکھانے کی غرض سے تھا جب کفار مکہ نہیں تو اس کی حاجت نہیں لیکن پھر دوڑے کہ شاید اس میں کوئی دوسری مصلحت ہو۔ (ثم خشی عمران یکون له سبب آخر، حجة الله) حضرت بایں خداداد فقاہت مصالح میں اپنی رائے پر اعتماد نہ کر سکے۔

[2] سورۃ بقرۃ: ۱۸۵۔

[3] مسند احمد بن حنبل ۲۶۶/۵، طبرانی کبیر ۲۵۷/۸ اور اس کے شروع میں یہ ہے کہ :انّی لم ابعث بالیهودیة ولا بالنصرانیة ولکن بعثتُ بالحنیفیة السمحة۔ بے شک میں یہودیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور نہ ہی مسیحیت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں لیکن مجھے نرم اور آسان شریعت دے کر بھیجا گیا ہے، الحدیث۔ اس میں ایک قصہ ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس حدیث میں علی بن یزید الھانی ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ۲۷۹/۵۔لیکن اس حدیث کے شواہد ہیں ،دیکھیے : غایة المرام ص ۲۰ حدیث ۸ ، سلسلة الاحادیث الصحیحة حدیث ۸۸۱ ، صحیح الادب المفرد حدیث ۲۲۰۔

دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرالیا جو فاسق ہوں، زانی ہوں، کسی پاک دامن پر تہمت لگانے والے ہوں، ان پر حد لگائی گئی ہے اور تائب بھی نہ ہوئے ہوں۔ اسی طرح ایسے دو گواہوں کے سامنے جو نشہ میں چور ہوں جن کو ہوش میں آنے کے بعد علم نکاح نہ ہو۔ اسی طرح کسی کی منکوحہ بیوی پر کسی نے دو گواہ جھوٹے گزار کر ڈگری کرالی ہو۔ اس طرح کے مسائل بہت ہیں جن میں بڑی وسعت سے کام لیا گیا ہے لیکن امام المحدثین وفقہائے اہل حدیث کا اجتہاد اس سے محفوظ رہا ہے۔

۳۔ فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں، معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ امام المحدثین نے تمدن ومصالح عباد کی رعایت کے ساتھ نصوص قرآنیہ وصحیح احادیث سے مسائل استنباط کرنے میں کمال سعی کی اور ان کو نہایت کامیابی ہوئی۔ امام المحدثین کے زمانہ میں سلطنت کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا تھا۔ قوموں کے میل جول سے ہزاروں صورتیں معاملات کی نئی پیدا ہو گئی تھیں۔ اس کے سوا احادیث صحیحہ کے جمع اور منتخب نہ ہونے سے بہت سے مسائل پہلے مجتہدین کے ایسے مروج ہو گئے تھے جو صحیح نہ تھے۔ امام المحدثین نے بہت بڑا کام پہلے یہ کیا کہ صحیح صحیح حدیثوں کو منتخب کیا اور عملی طور سے یہ دکھا دیا کہ انہیں سے تمام مسائل اور احکام استنباط کیے جا سکتے ہیں۔[1] ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل متعدد ابواب میں مستنبط کر کے استنباط کے اصول وطریقے بتائے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ فقہ جو شرعی قانون ہے، اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو محض انسانی رائے ہو اور مجتہد کو اس کے ساتھ وہی نسبت ہے جو دنیا کے تمام مقننین کو ہوا کرتی ہے۔[2] محدثین لکھتے ہیں: ''قد اخرج المؤلف (الامام البخاری) حدیثا واحدا فی مواضع، و یستنبط منه فی کل موضع ما یتعلق بذلک الموضع من الاحکام الدینیة و قد اکثر مثله فی هذا الکتاب، وهو مما یدل علی قوة اجتهاده، فانه قداستنبط کل جزئی من الحدیث مع قلة الصحیح منه''.[3]

یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا جا سکتا کہ امام بخاری معصوم تھے اور ان سے خطا اجتہادی نہیں ہوئی ہو گی جب کہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ اور ان کے بعد کے آئمہ اس سے بری نہیں تو امام المحدثین کیوں کر بری ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہم خوش اعتقادی کی محویت میں امام بخاری کو معصوم بنا کر دوازدہ معصوم کا عدد پورا کرنا نہیں چاہتے

---

[1] اس سے قبل امام بخاری کا یہ قول گزر گیا ہے کہ میرے علم کے مطابق کوئی ایسی چیز نہیں جس کی ضرورت ہو مگر وہ کتاب وسنت میں بیان نہ ہو چکی ہو۔ ان کے وراق نے پوچھا کہ کیا ان سب کی معرفت بھی ممکن ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا: ہاں، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۲۔

[2] جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں اور اس طرح انھوں نے فقہ حنفی کے ایک بڑے حصے کو مسٹر سالبری کے قوانین کے برابر کر دیا۔

[3] دیکھیے: شروحات بخاری اور رسالہ شاہ ولی اللہ [مؤلف] نیز دیکھیے مثال کے طور پر: مقدمة فتح الباری ص ۱۵، شرح تراجم ابواب صحیح بخاری للشاہ ولی اللہ دهلوی ص ۹ اور یہ الفاظ مؤلف رحمہ اللہ نے عربی میں ہی نقل کیے ہیں اور ممکن ہے کہ انھوں نے یہ الفاظ شراح بخاری میں سے کسی شارح سے ہی لیے ہوں گے لیکن میں نہیں جانتا کہ کس سے ہیں؟ واللہ اعلم

مجتہد گاہ مصیب است وگہے خاطی لیک　　ہر چہ در وے نہ خطا حکم پیمبر گیرند

امام بخاری پہلے حدیث کی تنقید کرتے ہیں اور اس کی صحت ہر طرح جانچتے ہیں۔ صحت کے یقین ہونے پر بھی احتیاطاً اطمینان کے لیے استخارہ کرتے ہیں۔ اطمینان ہونے پر حدیث کو اکثر کسی مسئلہ فقہیہ کے تحت ذکر کرتے ہیں جس کا نام ترجمۃ الباب ہے گو اس ترجمۃ الباب میں کبھی کسی مجمل آیت کی تفسیر اور تاویل صحیح حدیث سے کرتے ہیں، کبھی مطلق کی تقیید، کبھی عام کی تخصیص، کبھی خاص کی تعمیم، کبھی کسی آیت کے دو احتمالوں میں سے ایک کی تعیین، کبھی غیر ثابت احادیث و آثار کی تردید، کبھی اہل زمانہ کے مروجہ رسوم و عادات کو قرآن و حدیث کے معیار سے جانچ کر اس کی صحت و غلطی کا اندازہ کرتے ہیں۔ کبھی صحیح حدیث کی تائید، کبھی کسی ضعیف حدیث کی صحت کی شہادت میں دوسری صحیح حدیث پیش کرتے ہیں۔ کبھی ایک حدیث سے دوسری حدیث کے دو احتمالوں میں سے ایک کی تعیین کرتے ہیں، کبھی دو متعارض حدیثوں کے دو محمل دلیل سے بتا دیتے ہیں جس سے ظاہری تعارض رفع ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کا مفصل بیان گزر چکا ہے لیکن زیادہ تر تراجم ابواب میں مسائل فقہیہ کا استنباط ملحوظ ہے۔ [1]

۴۔ اور بہت بڑی خصوصیت جو فقہ اہل حدیث کو حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ عموماً ان کے استدلال میں نصوص کا پہلو قوی ہوتا ہے اور یہ خصوصیت فقہ اہل حدیث کو صرف احادیث نبویہ ﷺ کی خدمت کی بدولت حاصل ہوئی۔

امام بخاری نے صحیح حدیثوں کو جمع کیا اور ان پر استنباط مسائل کے لیے مجتہدانہ نظر ڈالی تو اہل الرائے کے بہت سے مسائل خلافِ نصوصِ احادیث صحیحہ پائے۔ اس لیے انھوں نے استنباط مسائل کے ساتھ اہل الرائے کے مسائل پر تعریضیں کیں۔ اس کے علاوہ کبھی وہ اگلے آئمہ کے اختلافی مسائل کی ترجیح بھی استدلالی پہلو سے بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام المحدثین کی نگاہ ایک اور اہم کام پر لگی ہوئی تھی جس کا رنگ ان کی اکثر تالیفات میں پایا جاتا ہے اور اوسط ذہن کا آدمی بھی جس کی نگاہ کسی قدر وسیع ہو، یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ صرف اجتہاد و استنباطِ مسائل، ترتیب و تہذیبِ فقہ اہل حدیث اور تدوین و تنقیدِ احادیث ہی ان کا اہم مقصد نہیں بلکہ ایک ضروری مقصد یہ بھی ہے کہ اہل تخریج کے مسائل قیاسیہ (جو عجمیوں اور نومسلموں میں بوجہ نہ ملنے احادیث کے یا کسی دوسری وجہ سے بزور و شور مروج ہو گئے تھے، عجمیوں کی آنکھیں کھلیں تو انھوں نے اسی کو پایا اور اس پر ان کا بے طرح جمود ہو چلا جس کے بہت سے اور اسباب تھے) کی جانچ پڑتال کریں۔ [2]

امام بخاری نے ایسے وقت میں جب کہ عراق میں جمود زور پکڑتا جا رہا تھا، دماغ و ہمت سے کام لیا اور عجمیوں و اتباع اہل الرائے کے اس غفلت اور جمود کے اٹھانے میں بڑی سعی کی۔ احادیث صحیحہ سے جہاں فقہی مسائل اخراج کیے وہاں بڑا حصہ اپنی تصنیفات کا ان قیاسی مسائل کی تردید میں نظر کیا جو نصوص حدیثیہ کے خلاف اہل الرائے میں مروج

---

[1] مقدمة فتح الباری ۱۳، ۱۴۔

[2] التنکیل للعلامہ المعلمی ۱/۲۶۰.

تھے، اور فی الحقیقت یہ ہمت کی بات تھی کیونکہ اہل الرائے کے مسائل قیاسیہ کی ترویج میں بعض سلطنتوں کی شرکت بھی تھی۔ ان کی تردید کرنی سلطنت سے مقابلہ کرنا تھا۔ امام المحدثین نے زیادہ تر تدوین احادیث میں ان کی تعریضاً اور کنایتاً تردید کی۔ **والکنایۃ ابلغ من التصریح**۔

ہاں بعض تالیفات امام بخاری کی ایسی بھی ہیں جن میں انھوں نے فن مناظرہ کے اصول پر ان کی تردید کی ہے جیسے رسالہ **قرأۃ خلف الامام** اور رسالہ **رفع الیدین** لیکن زیادہ تر حصہ تعریض اور کنایہ کا رہا۔ تراجم ابواب میں کنایۃً مجتہدین اہل الرائے پر تعریض فرماتے ہیں اور یہ امام صاحب کی اعلیٰ درجہ کی کشادہ دلی ہے۔

اسی بنا پر شارحین صحیح بخاری نے لکھا ہے کہ جامع صحیح کے تراجم ابواب سے وہی شخص پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے جس نے قوم کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ صحیح بخاری کے اشکال کا اعتراف قاطبۃً علمائے اسلام کیوں کرتے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مؤرخین بھی اس کے اعتراف سے باز نہ رہ سکے۔ اس اشکال کے وجوہات فن حدیث کی تدقیقات اور نکات فقہیہ کی مشکلات کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ امام صاحب کا رخ ایک دوسری طرف ہوتا ہے جس کے لیے وسعت نظر چاہیے۔ اسی لیے اس اشکال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جہاں امام صاحب نے تراجم ابواب میں تردید کی تصریح کی ہے، اس کو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن تراجم ابواب کی تعاریض اور اغراض پر غور کی نگاہ ڈالنی اور اس کی تہہ کو پہنچنا بہت بڑا کمال ہے۔ یہیں وسعت نظر کی ضرورت ہے۔ فقہ حنفیہ کے مطالعہ کے علاوہ امام شافعی کی کتاب **الاُمّ**، امام مالک کے مذہب کی **المدونۃ** اور مصنف حافظ عبدالرزاق وغیرہ کے تراجم ابواب کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اسی لیے صحیح بخاری پڑھنے والے کے لیے شیخ فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ امام صاحب کا یہ قول: "**لو نشر بعض استاذی ھؤلاء لم یفھموا کیف صنفت البخاری ولا عرفوہ**". [1] یعنی یہ لوگ اگر میری کتاب کے بعض نکات سے پردہ اٹھانا چاہیں تو ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ میں نے جامع صحیح کو کن نکات اور تدقیقات اور تعریضات پر مبنی کیا ہے۔ اس مقولہ کو صرف نکات حدیثیہ تک محدود رکھنا بے انصافی ہے۔

آج کل بعض لوگوں نے ناواقفیت کی بنا امام بخاری کے تراجم ابواب اور مسائل فقہیہ پر اعتراضات کیے ہیں اور اس کی ترویج میں بہت سعی کر رہے ہیں لیکن خیر سے وہ کوئی نئے اعتراضات نہیں ہیں بلکہ وہی سوالات ہیں جن کو شراح صحیح بخاری نے حل کرنے کے لیے لکھا ہے اور ان کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ بخوف طوالت ہم ان اعتراضات اور ان کے جواب کو حصہ ثالث [2] کے لیے چھوڑتے ہیں لیکن یہاں اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ کوئی مجتہد ایسا نہیں گزرا جو معصوم ہو اور اس کے مسائل و دلائل پر اعتراضات نہ کیے گئے ہوں۔ ایسے لوگوں کو جو امام بخاری کے مسائل فقہیہ یا دلائل پر اعتراضات کرتے ہیں، کم از کم امام ابو حنیفہ کے اجتہاد و مسائل فقہیہ اور ان کے دلائل پر غور کرنا چاہیے جن کی

---

[1] مقدمۃ فتح الباری ۴۸۷

[2] مصنف رحمہ اللہ نے اسی کتاب کے تیسرے حصہ کی تالیف کا ارادہ فرمایا تھا لیکن افسوس کہ وہ مسودہ نہ مل سکا۔ [عبیداللہ]۔

فقاہت اور اجتہاد مسلم ہے کہ ان کے دو ثلث مسائل اجتہاد کی غلطی یا مرجوح وضعیف ہونے سے، دعویٰ و دلیل میں عدم مطابقت سے یا تقریب ناتمام ہونے سے خود ان کے تلامذہ نے ترک کر دیے ہیں۔ پس اگر اس سے فقاہت اور اجتہاد پر دھبہ آتا ہے تو سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ کو اس منصب سے معزول کر کے دوسری طرف رخ کرنا چاہیے۔

امام بخاری کے اجتہاد اور استنباط مسائل و معاریض سے بحث کے لیے تو بڑی بڑی مبسوط کتابیں اور ضخیم مجلدات چاہئیں اور شراح صحیح بخاری نے اکثر بحث بھی کی ہے تاہم یہاں پر کچھ عرض کر دیا جاتا ہے۔

① ☆ امام بخاری انہیں نصوص سے جو عامۃً ذہنوں میں موجود اور حاضر رہتے ہیں، مسائل دقیقہ نہایت سہل طریقہ سے مستنبط کر لیتے ہیں جو استنباط کے بعد بہت ہی آسان معلوم ہوتے ہیں اور یہ امام بخاری کی صفائی ذہن اور جودت فقاہت کی بہت بڑی قوی دلیل ہے۔ اس کی مثالیں صحیح بخاری میں بھری پڑی ہیں۔

② ☆ استنباط مسائل فقہیہ میں بلکہ عامۃً صحیح بخاری میں ان کا یہ دستور ہے کہ پہلے قرآن کی آیت سے روشنی ڈالتے ہیں، اس کے بعد حدیث مرفوع یا صحابہ کے آثار یا علمائے تابعین کے فتاویٰ لاتے ہیں اور یہ باتیں مجتہد کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ ہاں طریقہ استدلال اور طرز استنباط سے بالکل تعرض نہیں کرتے اور یہی موقع اہل علم کے تدبر اور فکر کا ہوتا ہے۔ اس لیے تراجم ابواب کی طرف خاص توجہ کی گئی اور ان کے لیے بہت سی مستقل اور بڑی بڑی تالیفات لکھی گئیں جن کا مفصل بیان گزر چکا۔ سب سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل تر تراجم ابواب کے اغراض ہیں۔ اغراض تراجم سمجھ میں آنے سے طریقہ استدلال و طرز استنباط کا سمجھنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ بعض مؤلفین نے اغراض تراجم ہی کو موضوع بحث ٹھہرایا ہے اور اغراض کے بیان کے لیے مستقل تالیف لکھی۔

۳ ☆ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صحیح بخاری میں بہت سے تراجم ابواب ضمنی ہیں جن میں علاوہ ترجمۃ الباب بالا کے امام صاحب کوئی ضمنی فائدہ بتاتے ہیں۔ اصل ایسے مقامات میں تنبیہ یا فائدہ یا قف ہونا چاہیے لیکن امام بخاری اپنی اس تالیف میں بجز لفظ باب کے دوسرا لفظ نہیں لاتے اور بجائے قف یا فائدہ یا تنبیہ کے بھی باب ہی کا لفظ لکھتے ہیں۔ **ولا مشاحۃ فی الاصطلاح** [1]

☆ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام بخاری کی یہ تالیف قدیم تالیفات میں سے ہے اور قدماء کا دستور ہے کہ وہ اپنی تالیفات میں اپنے مافی الضمیر کو **کیف ما اتفق** نہایت سادہ عبارتوں میں ادا کرتے ہیں۔ ان کی تالیفات میں متاخرین کا تکلف عبارتوں کی قطع و برید نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر امام ابوحنیفہؒ کی طرف فقہ اکبر کی نسبت غلط خیال کی جاتی ہے کیونکہ اس میں قدماء کی تالیفات کا رنگ بالکل نہیں ہے۔ [2] جس نے امام شافعی کی **کتاب الام** یا ان کا رسالہ اصول یا صحیح مسلم کا مقدمہ وغیرہ دیکھا ہے، اس پر یہ بات نہایت واضح ہے۔

---

[1] شرح تراجم ابواب صحیح بخاری از شاہ ولی اللہ ص ۱۰۔۱۱۔

[2] دیکھیے: سیرۃ النعمان حصہ ۲ ص ۸۹۔۹۰۔ [مؤلف]

☆امام بخاری استنباط مسائل میں مصالح عباد پر نہایت گہری نظر ڈالتے ہیں اور ساتھ اس کے وہ استدلال میں نصوص کا پہلو نہایت قوی رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ باب قائم کرتے ہیں" لا نکاح الا بولی". ❶ یعنی بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ پھر آگے چل کر دوسرا باب قائم کرتے ہیں" لا نکاح الا برضاھا" ❷ یعنی بغیر رضامندی عورت کے بھی نکاح نہیں ہوسکتا اور دونوں بابوں کو نہایت شفاف طریقہ سے ثابت کیا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ نہ تو عورت مطلق العنان ہے جس سے جی چاہے نکاح کرلے، نہ عورت اس طرح مجبور اور مقید ہے کہ ولی جس سے چاہے، عقد کردے اور وہ مجبور ہو کر خاموش رہے۔ حقیقت میں شریعت کا منشا یہی ہے یعنی اعتدال قائم کرنا۔ بعض مجتہدین نے ایک طرف بالغہ کو مطلق العنان کردیا جس سے چاہے اپنا عقد کرلے دوسری طرف یہ کہ اگر کوئی شخص دھوکا سے بھی ایجاب وقبول کے الفاظ کہلوا لے جس کو عورت کسی طرح نہ سمجھتی ہو تو بھی عورت قید نکاح میں آکر بے اختیار ہوگئی۔

☆امام بخاری استنباط مسائل میں عبارۃ النص کے علاوہ اشارۃ النص ،دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے بھی کام لیتے ہیں اور حمل النظیر علی النظیر وقیاس سے بھی استنباط کرتے ہیں لیکن ساتھ اس کے وہ استحسان، ❸ قیاسِ طرد، ❹ قیاسِ شبہ ❺ کے پاس بھی نہیں جاتے بلکہ قیاس علت یا قیاس دلالت ہی سے کام لیتے ہیں۔

مثال: امام بخاری باب قائم کرتے ہیں،"باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ" ❻ یعنی باب نماز فجر کی فضیلت کا جماعت میں۔ دلیل میں اس حدیث کو لائے ہیں:"والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی یصلیھامع الامام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام" ❼ یعنی جو شخص انتظارِ جماعت کرتا ہے کہ نماز جماعت سے پڑھے، وہ اجر میں بڑا ہے اس آدمی سے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔ بظاہر تو اس حدیث سے عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن جب اس فضیلت کی علت دیکھی جاتی ہے (جو کھلی ہوئی ہے) تو یہی حکم (فضیلت) نماز فجر میں بھی معلوم ہو جاتا

❶ صحیح بخاری ۱۸۲/۹۔

❷ صحیح بخاری ۱۹۱/۹۔

❸ استحسان کا مطلب ہے ایسا قیاس جس کی علت قیاس جلی متبادر الی الذھن کی بہ نسبت مخفی ہو یعنی محل میں ایسی ظاہر علت ہو جو اس کے لیے حکم کو واجب کرتی ہو کسی اصل کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے لیکن اس میں ایک دوسرا مخفی وصف (یعنی علت) بھی پایا جائے جو اسے کسی دوسرے اصل کے ساتھ ملحق کرنے کا تقاضا کرتا ہو۔ اصول الفقہ للخضری ص ۴۰۲۔ [محقق]

❹ قیاس طرد: وہ ایسا وصف ہے جس کے موجود ہونے کے ساتھ حکم موجود ہو اور اس کے منتفی ہونے کے ساتھ حکم منتفی ہو۔ اصول الفقہ ۳۹۳، ۳۹۴ ۔ [محقق]

❺ قیاس شبہ: وہ ایسا وصف ہے جو بذاتہ حکم کے مناسب نہیں ہوتا بلکہ حکم کے مناسب اس لیے ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسے وصف کے مشابہ ہوتا ہے جو بذاتہ حکم کے مناسب ہوتا ہے (اصول الفقہ ۳۹۴)۔ [محقق]

❻ صحیح بخاری ۱۳۷/۲۔

❼ نیز صحیح بخاری ۱۳۷/۲

استحسان کا مطلب

ہے۔ اس لیے کہ اس کی علت نیند چھوڑنا اور جاگنے کی مشقت برداشت کرنا ہے اور یہ باجماعت نمازِ فجر حاصل کرنے میں بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہے کیونکہ کچھ دیر تک نیند روکے رہنا سوئے ہوئے میٹھی میٹھی نیند ترک کرنے کی نسبت بہت آسان ہے۔ علامہ عینی نے مقیس اور مقیس علیہ کی علت کو مختصر لفظوں میں اس طرح لکھا ہے: ''و معلوم ان المشقة في الجماعة في الفجر ازيد فيعلم ان اجرها اوفر'' [1] بلکہ جماعت عشاء سے جماعت فجر کی فضیلت بحیثیت دلالۃ النص زیادہ ثابت ہوئی۔ [2]

☆ کبھی وہ کئی حدیثوں کو ملا کر ایک مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔ گویا وہ مسئلہ کئی مقدمات کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثال: ''باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان و غيرهم؟ قال ابن عمر: انما الغسل على من تجب عليه الجمعة''. [3] یعنی کیا جو لوگ جمعہ میں حاضر نہ ہوں جیسے بچے عورتیں وغیرہ (اندھے) ان پر جمعہ کا غسل واجب ہے یا نہیں؟ اس باب کے سب سے اخیر میں جو حدیث لائے ہیں، وہ یہ ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا اِماء الله مساجد الله. [4] یعنی خدا کی لونڈیوں کو (یعنی عورتوں کو) خدا کی مسجدوں سے نہ روکو۔ بظاہر اس حدیث کو بچوں عورتوں پر غسل جمعہ واجب ہونے یا واجب نہ ہونے سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن جب یہ دیکھو کہ اسی باب میں اس سے پہلے یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس طرح آئی ہے: ''ائذنوا للنساء بالليل الى المساجد''. [5] یعنی عورتوں کو رات میں مسجد جانے سے نہ روکو۔ اور دونوں روایتیں حضرت عبداللہ بن عمر ہی کی ہیں۔ ایک حدیث میں رات کی قید ہے۔ دوسری حدیث مطلق تو دوسری حدیث جو مطلق ہے، اس میں یہی رات کی قید معتبر ہے۔ پس اس حدیث کا مطلب بھی یہ ہوا کہ خدا کی لونڈیوں کو رات میں خدا کی مسجدوں سے نہ روکو، لہٰذا دن کو روکنا ثابت ہوا اور جمعہ دن کو ہوتا ہے پس جمعہ ان پر واجب نہ ہوا۔ اب اس کے ساتھ ابن عمر کا یہ اثر ملاؤ جو اسی باب میں مذکور ہے۔

''انما الغسل على من تجب عليه الجمعة''. [6] غسل جمعہ انہیں پر ہے جن پر جمعہ ہے۔

ان تینوں حدیثوں کے ملانے سے ثابت ہوا کہ عورتوں پر غسل واجب نہیں۔

☆ دوسری مثال: ''باب الصدقة قبل العيد'' [7]

---

[1] عمدة القاري ۲/۶۹۴ مصنف نے عینی کے قول کا مفہوم ہی بیان کیا ہے۔ [محقق]

[2] حیرت ہے کہ بعض لوگوں نے ظاہر بینی سے اس حدیث کو عدم مطابقت کی مثال میں پیش کر کے اعتراض کیا ہے۔ [مؤلف]

[3] صحيح بخاری ۲/۳۸۱۔

[4] صحيح بخاری ۲/۳۸۲۔

[5] صحيح بخاری ۲/۳۸۲۔

[6] صحيح بخاری ۲/۳۸۱۔

[7] صدقہ فطر قبل نماز عید کے دینا چاہیے۔ صحيح بخاری ۳/۳۷۵۔

اس باب کے اخیر میں جو حدیث لائے ہیں، وہ یہ ہے: "عن ابی سعید الخدری قال کنا نخرج صدقة الفطر فی عهد النبی ﷺ یوم الفطر صاعا من طعام"۔ ❶ یعنی ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عید کے دن صدقہ فطر ایک صاع غلہ دیتے تھے۔

بظاہر اس حدیث کو باب سے تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اس کے ساتھ اس سے پہلے جو حدیث مذکور ہے، اس کو ملاؤ تو مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"عن ابن عمر ان النبی ﷺ امر بزکٰوة الفطر قبل خروج الناس الی الصلٰوة"۔ ❷

یعنی حضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ صدقہ فطر نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے دے دو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ آپؐ کے حکم کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو سعید خدری جو بیان کرتے ہیں کہ ہم صدقہ فطر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک صاع غلہ دیتے تھے، اس میں قبل نماز عید کے دینا مراد ہے۔ دراصل امام بخاری ایک باب کے تحت میں دو حدیثیں ایک مقید دوسری مطلق لا کر اصولی مسئلہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس مطلق سے بھی مقید ہی مراد ہے۔ گو شارحین نے اس مثال میں بھی یہ لکھا ہے کہ امام بخاری کی نگاہ یہاں اطلاق لغت پر ہے یعنی ابو سعید خدری کی حدیث میں جو یوم الفطر کا لفظ ہے، اس سے لغۃً قبل نماز عید مراد ہونا اطلاق اولیٰ ہے اور بعد پر اطلاق ثانوی۔ اس لیے کہ فطر میں ابتدا کا معنی ملحوظ ہے۔ قال فی لسان العرب: "الفطرة الابتداء انفطر العنب اذا بدت رؤوسه، لان القضبان تنفطر. وا لتفاطیر اول نبات الوسمی" ❸ اسی سے فطیر ہے خمیر کا خلاف فطیر تازہ گوندھے ہوئے آٹے کو کہتے ہیں۔ بخلاف خمیر کے علامہ عینی کہتے ہیں، مطابقة تؤخذ من قوله یوم الفطر. ❹

۱۳ ☆ کبھی مسئلہ فقہیہ کو بقاعدہ "بالطریق الاولٰی" ثابت کرتے ہیں جس کا نام دلالۃ النص ہے۔

مثلاً: "باب الاستماع الی الخطبة"۔ ❺ یعنی خطبہ جمعہ میں کان لگانا۔

دلیل میں یہ حدیث لائے "فاذا خرج الامام طووا صحفهم و یستمعون الذکر" یعنی فرشتے پہلے سے جمعہ میں حاضر ہونے والوں کو دروازہ مسجد پر لکھتے رہتے ہیں اور جب امام خطبہ کے لیے منبر پر نکلتا ہے تو اپنے اپنے دفتروں کو لپیٹ کر خطبہ میں کان لگا لیتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو بدرجہ اولیٰ کان لگانا چاہیے۔

---

❶ صحیح بخاری ۳/۳۷۵۔
❷ صحیح بخاری ۳/۳۷۵۔
❸ لسان العرب ۵/۵۵.۵۹۔
❹ عمدۃ القاری ۴/۴۷۴۔
❺ صحیح بخاری ۲/۴۰۷۔

☆ کبھی مسئلہ کا استنباط عموم اضافت سے کرتے ہیں۔

مثال : "باب اذا فاته العيد يصلى ركعتين و كذالك النساء ومن كان فى البيوت و القرىٰ". [1] یعنی جس سے نماز عید فوت ہو جائے وہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ اسی طرح عورتیں بھی اور جو لوگ اندھے معذورین وغیرہ گھر میں ہوں یا گاؤں میں۔

دلیل میں یہ ٹکڑا حدیث کا لائے ہیں: "هذا عيدنا اهل الاسلام". اور دوسرا یہ ٹکڑا لائے ہیں "فانها ايام عيد" آنحضرت ﷺ نے عامۃ کل اہل اسلام کی طرف عید کی نسبت کی خواہ مرد ہو یا عورت۔ پس عید کا شعار جو نماز ہے، ہر ایک کے لیے ہے جس سے چھوٹ جائے، پڑھ لے۔

☆ کبھی عموم الفاظ سے مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔

مثال :"باب بيع المدبر". [2] یعنی مدبر کی بیع جائز ہے، استدلال میں یہ حدیث لائے ہیں:

"عن زيد بن خالد وابى هريرة انهما سمعا رسول الله ﷺ يُسْأَلُ عن الْأَمَةِ تزنى ولم تُحْصَنْ، قال: اجْلِدُوْها ثم اِن زَنَتْ فاجلِدوها ثم بِيعُوْهَا بعد الثالثة او الرابعة". [3]

زید بن خالد اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آپؐ سے اس لونڈی کے بارے میں سوال کیا گیا جو زنا کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، درے لگاؤ۔ اگر دوبارہ زنا کرے تو دوبارہ درے لگاؤ۔ پھر بیچ ڈالو۔ تیسری بار بیچنے کو فرمایا یا چوتھی بار۔

اس میں لونڈی زانیہ مدبر اور غیر مدبر سب شامل ہے۔ پس اگر مدبرہ لونڈی زنا کرے تو اس کے لیے بھی یہی درے اور آخر میں بیع کا حکم ہے۔

☆ کبھی مسئلہ فقہیہ کے ثبوت میں کسی مختصر حدیث کو (جو ان کی شرط کے مطابق ہے) لا کر اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث انہیں صحابی سے مطول اور مفصل آئی ہے اور اس میں یہ مسئلہ صراحۃً مذکور ہے لیکن چونکہ ان کی شرط پر نہیں اس لیے خود جامع صحیح میں اس مفصل روایت کو نہیں لائے اور مختصر حدیث سے مسئلہ کی صحت کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

مثال :"باب طول القيام فى صلوٰة الليل". [4] یہ باب ہے بیان میں درازی قیام کے رات کی نماز میں۔

دلیل میں حذیفہ کی یہ حدیث لائے ہیں: "اَنَّ النبى ﷺ كان اذا قام للتهجدمن الليل يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ". بظاہر اس مختصر حدیث میں طول قیام کا ذکر نہیں لیکن یہی حدیث انہیں حذیفہ صحابی سے مفصل مروی ہے جس میں حذیفہ

---

[1] صحیح بخاری ۲/۴۷۴۔
[2] صحیح بخاری ۴/۴۲۰۔
[3] صحیح بخاری ۴/۴۲۱۔
[4] صحیح بخاری ۳/۱۹۔

نے بیان کیا ہے کہ میں نے ایک رات آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپؐ نے سورہ بقرہ شروع کی۔ میں نے خیال کیا کہ آپؐ سو آیت ختم ہونے پر رکوع کریں گے لیکن آپ برابر پڑھتے چلے گئے۔ میں نے خیال کیا کہ سورہ کے اخیر تک اس رکعت میں پڑھیں گے لیکن اس کے بعد آپؐ نے سورۂ نسا شروع کی اور ختم بھی کر دی۔ پھر آپؐ نے سورۂ آل عمران شروع کر دی اور اسے بھی ختم کیا اور آپؐ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے اور اثناء قرأت میں جب کوئی تسبیح کی آیت پڑھتے تو پاکی بیان کرتے اور جب دعا کی آیت آتی تو دعا کرتے اور تعوذ کی آیت آتی تو تعوذ کرتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا۔ [1]

☆ کبھی مسئلہ کو حدیث سے استنباط کرنے میں اشارہ کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایک مقدمہ خارجیہ بھی ہے جو گویا فطری ہے۔ مجتہدین کے ذہن میں ملحوظ رہتا ہے اور غائب نہیں ہوتا اور درحقیقت وہ مسئلہ حدیث اور مقدمہ خارجیہ دونوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثال: "باب ما یستخرج من البحر". [2] باب جو چیز سمندر سے نکالی جائے (یعنی اس میں خمس وغیرہ ہے یا نہیں) دلیل میں علاوہ آثار صحابہ واقوال علمائے تابعین کے یہ حدیث بھی لائے: "عن ابی هريرة عن النبی ﷺ ان رجلا من بنی اسرائیل سأل بعض بنی اسرائیل بأن یُسلفه ألف دینار، فدفعها اليه فخرج فی البحر فلم يجد مركبا فاخذ خشبة فنقرها فادخل فيها ألف دينار، فرمى بها في البحر، فخرج الرجل الذی کان اسلفه، فاذا بالخشبة فاخذها لأهله حطبا، فذكر الحديث فلما نشر الحطب وجد المال" انتهى. [3] اس حدیث سے (جس کو خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا) معلوم ہوا کہ سمندر سے جو چیز نکالی جائے، اس میں کچھ دینا لازم نہیں تھا۔ اب حدیث کے ساتھ یہ مقدمہ خارجیہ ملاؤ، "شرعُ مَنْ قبلنا شرعُنا مالم ينكر"۔ یعنی ہمارے پہلے کے احکام شرعیہ ہمارے لیے بھی معتبر ہیں جب تک شارع کی طرف سے انکار نہ ہو۔ اس حدیث اور مقدمہ کے ملانے سے ثابت ہوا کہ جو چیز سمندر سے نکالی جائے، اس میں خمس وزکوۃ نہیں ورنہ حدیث بیان فرما کر آنحضرت ﷺ سکوت نہ فرماتے چونکہ یہاں دلیل صاف اور صریح نہ تھی، اس لیے باب بھی بہت زور دار اور صریح الفاظ میں نہیں قائم کیا اور یہ کمال خوبی ہے۔

☆ کبھی امام بخاری ترجمۃ الباب بہت زور دار الفاظ میں قائم کرتے ہیں۔ یہ وہاں ہے جہاں کوئی امر بہت

[1] صحیح مسلم ۱/۵۳۶، ۵۳۷۔

[2] صحیح بخاری ۳/۳۶۲۔

[3] ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے دوسرے اسرائیلی سے ایک ہزار اشرفی قرض مانگا۔ اس نے دے دیا۔ ادا کرنے کے وقت مقروض سمندر کی طرف نکلا لیکن کوئی جہاز نہ پایا تو ایک لکڑی لے کر سوراخ کیا اور اس میں ہزار اشرفیاں بھر کر سمندر میں ڈال دیں۔ قرض دینے والا سمندر کی جانب نکلا تو ایک لکڑی دیکھی۔ اس کو نکال کر بغرض ایندھن بنانے کے لیے گھر لے گیا۔ چیرا تو اس میں اشرفیاں پائیں۔ الحدیث۔ صحیح بخاری ۳/۳۶۲۔

زور سے رواج پذیر ہوتا ہے اوراس کے جواز پر دلیل شرعی قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے خلاف میں دلیل ہوتی ہے۔

مثال : **بابُ من قُضِيَ له بحق اخيه فلا يأخذه، فانّ قضاء الحاكم لا يُحِلُّ حراماولا يُحَرِّمُ حَلَالًا.** [1] اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غلطی اور ناواقفی یا جھوٹے گواہ گزارنے یا زورِتقریر کے ذریعہ دھوکہ دینے سے حاکم نے ناحق فیصلہ دے دیا تو وہ دیانتاً اور عنداللہ صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ جس کے لیے فیصلہ دیا گیا، اس کو شے فیصلہ شدہ میں عنداللہ اور دیانتاً تصرف کا حق ہے۔ اس مسئلہ کو اس حدیث سے ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**انما انا بشرٌ وانه يأتيني الخصم، فلعلّ بعضَكم يكون ابلغَ من بعض، فأحْسِبُ انه صادق، فاقضي له بذلك، فمن قضيتُ له بحقِ مسلمٍ فانما هي قطعة من النار فليأخذها او ليتركها**". [2] یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں آدمی ہی ہوں (یعنی غیب دان نہیں ہوں) میرے پاس فریق مقدمہ لے کر آتے ہیں شاید تم میں بعض آدمی بعض پر بولنے میں فوقیت رکھتا ہو اور حقیقت میں وہ جھوٹا ہو (اور صاحب حق کم بول ہو) اور میں اس کو سچ سمجھ کر فیصلہ دوں تو جس کے لیے میں ایسا فیصلہ دوں گا، وہ شے آگ کا ٹکڑا ہے۔ جی چاہے لے یا چھوڑ دے۔ یہ استدلال جیسا شفاف ہے، ظاہر ہے۔ قانون شریعت سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو یہ بات کہ اگر کسی کے لیے غلطی یا فریب دہی سے حاکم نے کسی چیز کا فیصلہ دے دیا تو عنداللہ اور دیانتاً بھی مدعی کو حق تصرف حاصل ہو گیا قیاس سے باہر ہے۔ اور اس اصل میں جس قدر مفاسد ہیں، ظاہر ہیں۔ بقول صاحب سیرۃ النعمان اگر اس قسم کے مسائل کتابوں میں نہ دیکھے جائیں تو مشکل سے یقین ہو۔ [3]

فقہاء کی ایک جماعت میں حِیَل کا باب بہت وسیع ہو چلا تھا جس کو وہ اپنی دقت رائے کا نتیجہ سمجھتے۔ اس میں اس قدر وسعت سے کام لیا گیا کہ مسئلہ مسئلہ میں حیلہ کی صورتیں نکل آئیں۔ (جو اکثر تخریجی فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں) نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ زکوٰۃ تک کے ساقط کرنے کا حیلہ نکل آیا۔ امام المحدثین کی اس طرف خاص توجہ ہوئی اور جامع صحیح میں حیل کی تردید بڑے زور سے کی اور ان کی یہ سعی مقبول ہوئی۔ ان فقہاء کے حیل بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ [4]

اسی طرح امام المحدثین نے استنباط اور اجتہاد کے وقت معاملات کے مسائل میں نہایت دقیق نظر ڈالی اور چونکہ احادیث صحیح کا بے بہا خزانہ خدا کی طرف سے ان کو دیا گیا تھا، اس لیے بہت سے مسائل مروجۂ فقہاء کو بے نقاب کر دیا

---

[1] صحیح بخاری ۱۳/۱۷۲۔

[2] نیز صحیح بخاری ۱۳/۱۷۲ کتاب الاحکام: باب من قضی له بحق اخیه ......الخ حدیث نمبر ۷۱۸۱۔

[3] سیرۃ النعمان ۲/۱۹۹۔

[4] دیکھیے: کتاب الحیل، صحیح بخاری میں ۱۲/۳۲۶، ۳۵۱۔ اور مزید تفصیل حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب اعلام الموقعین ۳/۱۱۲، ۴/۴۷ میں دیکھیے۔

جن کی تفصیل کتاب البیوع، کتاب الھبہ، کتاب الشھادات، صلح، اجارات، خصومات، شروط وصایا، حوالہ، کفالہ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ ان کی مثالیں یہاں تطویل لاطائل ہیں اور اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

اصول اجتہاد: امام بخاری نے استنباط مسائل اور اجتہاد کے اصول بتاتے ہوئے قیاس کی دو قسمیں کی ہیں:

قیاس: ۱۔ قیاس صحیح۔

۲۔ قیاس فاسد۔

قیاس صحیح کے لیے اس طرح باب قائم کیا:

"باب من شبه اصلا معلوما باصلٍ مُبیَّنٍ قد بین الله حکمها لیفهم السائل". ◆[1] اس باب کے قائم کرنے میں "قد بین الله حکمها لیفهم السائل" سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ قیاس صحیح مثبت حکم اور مثبت مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا کام صرف حکم کو ظاہر کر دینا ہے جو سائل یا مجتہد کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

دوسری قسم (یعنی قیاس فاسد) کے لیے اس طرح باب قائم کیا:

"باب ما یذکر فی ذم الرأی وتکلّف القیاس ، و قول الله تعالی ولاتقف ما لیس لك به علم". ◆[2]

یعنی باب رائے اور قیاس کے تکلف و بناوٹ کی برائی اور مذمت کا اور اللہ تعالیٰ کے قول کا (اور مت پیچھے چلو ایسی باتوں کے جن کا علم تم کو نہ ہو۔)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایک قیاس صحیح جس کا ذکر قرآن میں بمحل مدح کیا گیا ہے جس کا نام اصول فقہ قائم ہونے پر اصولیوں نے قیاس علت ◆[3] اور قیاس دلالت ◆[4] رکھا ہے۔

قیاس علت کی مثال یہ ہے: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ﴾ ◆[5] یہاں حضرت عیسیٰ کی پیدائش حضرت آدم کی پیدائش پر قیاس کی گئی ہے اور مقیس و مقیس علیہ کی علت لفظ

◆[1] باب اس امر کا کہ کوئی شخص کسی اصل معلوم کو کسی اصل مبین کے ساتھ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے، تشبیہ دے تاکہ سائل سمجھ جائے۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة ۲۹۶/۱۳۔ اس میں "وقد بین النبی صلی الله علیه وآله وسلم" کے الفاظ ہیں اور مصنف نے جو ذکر کیے ہیں بخاری کے بعض نسخوں میں بھی موجود ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اپنی شرح میں بتایا ہے۔

◆[2] صحیح بخاری ۲۸۲/۱۳۔

◆[3] قیاس علت یہ ہے کہ اصل اور فرع کو اس وصف میں جمع کر دیا جائے جو کہ علت ہو اصول الفقه ۳۹۵۔ (المحقق)

◆[4] قیاس دلالت وہ قیاس ہے جس میں علت مذکور نہ ہو بلکہ ایسا وصف مذکور ہو جو علت کے ساتھ ہمیشہ رہنے والا ہو اور وہ اس علت پر دلالت کر رہا ہو۔ اصول الفقه ۵۳۱۔ [محقق]

◆[5] مثال عیسیٰ کی آدم کی مثال ہے کہ آدم کو مٹی سے بنا کر فرمایا، کن۔ (ہو جا) پس وہ ہو گئے۔۔ آل عمران :۵۹۔

کن ہے جو قدرت الٰہی کا مظہر ہے۔

قیاس دلالت کی مثال یہ ہے: ﴿ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ أَاِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّاo اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًاo﴾ [1] یہاں انسان کی پہلی پیدائش (مقیس علیہ) کو دال اور دوسری بار زندہ ہونے (مقیس) کو مدلول قرار دیا گیا ہے۔

(ب) دوسری قسم کے قیاسیات میں قیاسِ طرد، قیاسِ شبہ، قیاسِ استحسان وغیرہ ہیں۔ قیاسِ شبہ سے اکثر اہل ہوا جیسے قدریہ، معتزلہ، جہمیہ، رافضیہ وغیرہ کام لیتے ہیں۔ کفار نے حلت سود میں اور حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کے بھائی بنیامین کے بارے میں قیاس شبہ ہی سے کام لیا۔ [2]

قیاسِ طرد ماوراء النہریوں میں رواج پذیر تھا۔ قیاسِ استحسان مجتہدین میں مستعمل تھا۔ امام بخاری کا منشا ان دونوں بابوں کے قائم کرنے سے یہ تھا کہ جس مسئلہ میں نص موجود ہے، وہاں قیاس سے الگ رہنا چاہیے اور جہاں نص موجود نہ ہو، مجبوراً قیاس سے کام لیا جاسکتا ہے لیکن اسی قیاس سے جو صحیح ہے اور بالاتفاق حجت ہے۔

اسی بنا پر علمائے تاریخ نے مجتہدین اہل سنت کی تین قسمیں کی ہیں:

۱: ایک ظاہریہ جو قیاس کو اصول اجتہاد میں داخل نہیں کرتے۔

۲: دوسری جماعت فقہائے محدثین کی ہے جو بوقت نہ ملنے نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کے قیاس سے کام لیتے ہیں لیکن اسی قیاس سے جو بالاتفاق مقبول اور حجت ہے اور پہلے یہ لوگ احادیث کی تلاش میں جان لڑا دیتے۔ اس کے بعد قیاس سے کام لیتے لیکن قیاس شبہ قیاس طرد واستحسان وغیرہ سے کام نہیں لیتے۔

۳: تیسری جماعت فقہائے اہل الرائے کی ہے جن میں قیاس طرد واستحسان کا بھی رواج تھا لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گو علامہ ابن خلدون اور صاحب معارف علامہ دینوری [3] و دیگر مؤرخین نے حضرات امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسف و امام محمد وغیرہم کو فقہائے اہل الرائے میں شمار کیا ہے لیکن ان آئمہ اور کے معاصرین آئمہ ومجتہدین کا مسلک یہی رہا اور اسی پر خاتمہ ہوا کہ حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق **فتح المغیث** کی عبارت گزر چکی ہے۔ [4] علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

---

[1] کیا کہتا ہے انسان تعجب سے جب میں مرجاؤں گا تو زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا، کیا نہیں یاد ہے انسان کو کہ میں نے اس کو پہلے پہل پیدا کیا اور وہ کچھ نہ تھا۔ مریم :۶۶۔۶۷۔

[2] کفار مکہ نے کہا انما البیع مثل الربوا۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا، ان یسرق فقد سرق اخ لہ۔ قیاس اس کی تعریف اور اس کی اقسام کی تفصیل اعلام المؤقعین ۱/۱۳۰ اور اس کے بعد والے صفحات میں دیکھیے۔

[3] دیکھیے :المعارف ص ۴۹۵۔

[4] سخاوی کہتے ہیں ''احمد بن حنبل جس مسئلے میں کوئی دلیل صحیح نہیں پاتے تو ضعیف حدیث سے استنباط کرتے ہیں اور ابوداؤد کا بھی یہی ←

"اعتقادنا و اعتقاد کل منصف فی الامام ابی حنیفة بقرینة ماورینا ہ انفاعنه من ذمّ الرأی والتبری منه و من تقدیمه النص علی القیاس انه لو عاش حتی دُوِّنَتْ احادیث الشریعة و بعد رحیل الحفاظ فی جمعها من البلاد والثغور وظَفِرَ بها لأخذ بها، و ترك کل قیاس کان قاسه، و کان القیاس قلّ فی مذهبه کما قلّ فی مذهب غیره بالنسبة الیه. لکن لما کانت ادلّة الشریعة مفرَّقةً فی عصرہ من التابعین و تابعی التابعین فی المدائن والقُریٰ والثغور کثرالقیاس فی مذهبه بالنسبة الی غیره من الائمة ضرورةً لعدم وجود النص فی تللك المسائل التی قاس فیها بخلاف غیره من الائمة .و یحتمل ان الذی اضاف الی الامام ابی حنیفة انه یُقَدِّم القیاس علی النص ظفر بذللك فی کلام مقلدیه الذین یلزمون العمل بما وجدوا من امامهم من القیاس ،و یترکون الحدیث الذی صح بعد موت الامام فالامام معذور، وأتباعه غیر معذورین". [1]

اس کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ ہر مصنف کا اعتقاد جناب امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ان کے اقوال کو پڑھتے ہوئے یہ ہے کہ اگر آپ زندہ رہتے اور احادیث نبویہ جمع ہوگئی ہوتیں تو جس قدر مسائل میں آپ نے قیاس کیا، حدیث ملنے پر قیاس ترک کر دیتے اور مذہب میں بھی قیاس کم ہوتا کیونکہ آپ قیاس کی مذمت کرتے اور اس سے برأت ظاہر کرتے تھے اور جس نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے، غالباً اس نے یہ بات ان کے مقلدین میں پائی جو امام کے قیاسی مسئلہ کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں اور حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پس امام صاحب معذور ہیں ان کے مقلدین غیر معذور۔

حقیقت امر یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے وہ اتباع فقہاء جن میں تقلیدی جمود پیدا ہوگیا، جنہوں نے اپنے طرز عمل سے اہل الرائے کے لقب میں برا اثر پیدا کر دیا، جنہوں نے مسائل کی بنا تخریج پر رکھی، جن کی ذات سے فقہائے محدثین کو تکلیفیں پہنچیں، ان فقہاء کے ذمہ دار امام صاحب نہیں ہو سکتے۔ وہ فرماتے ہیں:

"لو لا الروایة لقلت بالقیاس اذا صح الحدیث فهو مذهبی، اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ" [2]

ان اقوال کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کا شمار فقہائے اہل حدیث سے ہونا بہت ہی مناسب ہے۔

← طریقہ ہے جب کہ ابوحنیفہ اس صورت میں رائے اور قیاس سے کام لیتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی اس صورت میں مرسل سے دلیل حاصل کرتے ہیں۔ فتح المغیث ۱/ ۳۳۳

[1] دیکھیے: المیزان للشعرانی ص ۷۲، ۷۳.

[2] والمیزان للشعرانی ص ۷۱، ۷۳ قواعد التحدیث ۹۱، ۹۵ قاسمی نے یہ محمد بن عابدین دمشقی سے نقل کیا ہے، صفة الصلوة للالبانی ۲۴، ۲۷ علامۃ البانی نے بھی ابن عابدین سے حاشیے میں نقل کیا ہے ۱/ ۶۳۔ نیز رسم المفتی ۱/ ۴ اور ایقاظ ص ۵۰ سے۔ [مراجع]

اصول اجتہاد بیان کرتے ہوئے امام بخاری نے ظاہری المذہب کی بھی تردید کی اور اس کے لیے اس طرح باب قائم کیا: ''**باب الحجة علی من قال ان احکام النبی ﷺ کانت ظاهرة**''[1]

ان مجموعی باتوں پر نظر کرتے ہوئے امام المحدثین کو ظاہری المذہب کہنا ظاہر بنی اور سخت جسارت ہے۔ امام بخاری نہ ظاہری المذہب تھے نہ اہل الرائے بلکہ مجتہد اہل الحدیث تھے۔

✧✧✧

[1] صحیح بخاری ۱۳/۳۲۰۔

خاتمہ

امام المحدثین کے تلامذہ

محدثین کے نزدیک استادی اور شاگردی کا تعلق نہایت قوی تعلق سمجھا جاتا ہے اور اس تعلق کا خصوصیت کی نگاہ سے دیکھا جانا کچھ ایشیائی ملکوں تک محدود نہیں ہے۔ افریقہ، ایشیا، یورپ، شرقاً وغرباً، جنوباً وشمالاً غرض جس خطہ کے محدث کا حال پڑھو گے، مؤرخ خصوصیت کے ساتھ دس پانچ مشاہیر کے نام گنائے گا اور یہ بتا کر اپنا فرض ادا کرے گا کہ اس محدث کے حلقہ درس میں فلاں فلاں مشاہیر نے تعلیم پائی اور اس کی علمی مجلسوں کی رونق ایسے لوگ تھے۔

محدثین میں یہ تعلق اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے صاحب کمال جن کی جامعیت آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن ہے، کسی باکمال شیخ کی طرف بواسطہ منسوب ہونا بھی بڑے فخر کی بات سمجھتے۔ حافظ ابن حجر کی جامعیت سے کون ناواقف ہے۔ حافظ ذہبی کا نام آتا ہے تو شیخ شیخنا لکھا کرتے ہیں۔ یہ تعلق عامۃً اگرچہ حلقہ محدثین میں نہایت قوی تعلق سمجھا گیا تاہم بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے استاذ کے ساتھ کچھ خصوصیت ہوتی ہے کہ جہاں استاذ کا نام آتا ہے، ممکن نہیں کہ ان کا نام نہ آئے۔

ہم اس کتاب کے شروع میں لکھ آئے ہیں کہ امام المحدثین کے درس وتدریس کا حلقہ اس قدر وسیع ہے کہ خلیفۂ وقت کی حکومت کو وہ وسعت حاصل نہیں۔ تلامذہ کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ مدتوں بخارا میں درس دینے کے علاوہ بغداد، کوفہ، بصرہ امام صاحب کے درس کے ممنون رہ چکے ہیں۔ درس گاہ میں بیس ہزار تک طالبین کی تعداد پہنچ جاتی ہے۔

امام فربری امام صاحب کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام المحدثین سے نوے ہزار شاگردوں نے صحیح بخاری روایت کی۔ [1] ممکن ہے کہ یہ تعداد صحیح ہو لیکن حق یہ ہے کہ صحیح تعداد کا پتہ لگانا ایک دشوار امر ہے۔ امام المحدثین کا حلقہ درس فقہ، حدیث، تاریخ، تفسیر، نکات اسانید وعلل غامضہ کی ایک جامع درس گاہ ہے۔ امام المحدثین کی درس گاہ کو ایک مکان فرض کرو جس کے متعدد دروازے ہیں اور ہر دروازے پر ایک صاحب کمال موجود ہے جو طالبین کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ بعض طالبین نکات فقہیہ کے دلدادہ ہیں تو دوسرے صحیح حدیثوں کے شیفتہ۔ کسی کو تفسیر سے شغف ہے تو کسی کو

---

[1] مقدمۃ الفتح ۴۹۱۔

تاریخ سے دلچسپی۔ کچھ لوگ علل غامضہ اور تدقیقات اسانید ورجال کے شیدا نظر آ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی شامل درس ہیں جن کو فرق باطلہ کی تردید کا شوق دامن گیر ہے اور علم کلام سے شغف۔ ایک امام المحدثین کی جامعیت نے سب کو گرویدہ بنا رکھا ہے۔ ان میں کچھ تلامذہ ایسے باکمال نظر آ رہے ہیں جن کو امام المحدثین کی ذات سے خاص قسم کا تعلق ہے جن کے تذکرے کے بغیر امام المحدثین کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے اور آپ کی علمی مجلسوں کی گرم جوشی کا صحیح اندازہ کرنا بغیر ان کے مشکل ہے۔

امام المحدثین کی خصوصیات زندگی میں بڑی خصوصیت فقہ الحدیث کی ترتیب و تدوین اور صحیح حدیثوں کا جمع و انتخاب اور ان کی ترویج ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس کام میں جن تلامذہ نے کافی حصہ لیا اور امام صاحب کے اس مہتم بالشان کام کو نہایت سرگرمی سے انجام دیا جس سے فقہ الحدیث اور صحیح حدیثوں کا مجموعہ تمام دنیائے اسلام میں جاری ہو گیا انہیں کا ذکر چھوڑ دیا جائے۔ ان کے تلامذہ کے ذکر سے اس کام (فقہ الحدیث اور صحیح حدیثوں کا انتخاب) کی اہمیت اور خوبی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ اس کے امام المحدثین کی بلند پائیگی بھی ثابت ہوتی ہے کہ جس کے تلامذہ اس رتبہ کے ہوں گے، وہ خود کس پایہ کا ہوگا۔

شاگرد کا رتبہ و اعزاز استاد کے لیے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تاریخ میں بہت تھوڑے لوگ ایسے نظر آئیں گے جو امام المحدثین کے برابر اس فخر کے مستحق ہیں۔ اگر امام المحدثین یہ دعویٰ کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ ان کے شاگرد تھے، وہ بڑے بڑے آئمہ اور مجتہدین کے شیخ اور استاد تھے۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً امام مسلم، امام ترمذی، امام دارمی، امام نسائی اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں اسلام پہنچا ہو اور ان آئمہ کا فیض وہاں نہ پہنچا ہو۔

امام المحدثین کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے، وہ فقہ، حدیث اور اسماء الرجال تھے۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے، اکثر امام المحدثین ہی کے شاگرد اور استفادہ کرنے والے تھے۔ ان کی شاگردی برائے نام نہ تھی بلکہ مدتوں ان کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تقریروں کو قلم بند کرتے رہے اور ہمیشہ ان کے فیض صحبت کا اعتراف کرتے رہے۔ حدیث و رجال کی نسبت تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن فقہ کی نسبت اس دعوے پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور تعجب بجا ہے کیونکہ امام المحدثین کی شاگردی سے جو لوگ مشہور ہوئے، وہ اکثر محدث ہی تھے۔ فقہاء میں سے جو امام صاحب کے شاگرد ہیں، اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن ان کی شاگردی کا تعلق بھی چنداں مخفی نہیں۔ ایک خصوصیت امام صاحب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ آپ کے اکثر تلامذہ فن روایت و درایت فقہ و حدیث کے جامع تھے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام المحدثین کے باکمال تلامذہ کی فہرست کے لیے ان تکلفات کی حاجت نہیں جو

عامۃ معتقدین اور مقلدین اپنے آئمہ کی شان بڑھانے کے لیے کیا کرتے ہیں اور بڑے بڑے نقاد اور ماہرین فن کو کسی نہ کسی طرح ان کی شاگردی کے سلسلہ میں لا کر اپنے آئمہ کے تلامذہ کی خانہ پری کرتے ہیں۔ کہیں اخذنا باکثر اقواله کے لفظ سے جو غیر متروک ہونے کے موقع پر بولا گیا ہے، تلمذ ثابت کرتے ہیں۔ کہیں مبالغہ آمیز باتیں بناتے ہیں۔

ذیل میں ہم امام بخاری کے ان تلامذہ کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں جو فنون اسلامیہ، حدیث، تفسیر، فقہ، لغت اور فنون ادب کے امام تسلیم کیے گئے ہیں۔ [1]

(۱) امام مسلم بن حجاج [2]

امام مسلم کی شہرت، تبحرِ علمی، قوتِ حافظہ، جودت فقاہت محتاج بیان نہیں ہے۔ فن حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم شیخین کہے جاتے ہیں اور جب رواہ الشیخان بلاتخصیص بولا جاتا ہے تو یہی دونوں حضرات مراد ہوتے ہیں۔ یہ امام بخاری کے ان تلامذہ میں ہیں جو امام بخاری کو ''یا سید المحدثین'' کہا کرتے تھے۔ [3]

امام دارقطنی کہتے ہیں: ''لولا البخاری لما راح مسلم وما جاء''. [4] امام مسلم امام صاحب کا اس قدر ادب کرتے کہ نکات حدیثیہ کے پوچھنے اور حل کرنے میں رونے لگتے۔ کبھی امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے:

''دعنی حتی اقبّل رجلیك یا أستاذ الاستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله''. [5] مجھے

---

[1] حافظ محمد بن عبدالواحد الضیاء مقدسی کا ایک رسالہ ہے جس کا نام '' جزء فیه الرواة عن البخاری'' ہے اور یہ جزء حافظ ابن حجر کے مسموعات میں سے ہے جیسا کہ المعجم المفهرس لابن حجر ص ۱۷۵ میں ہے۔

[2] امام مسلم کے حالات معلوم کرنے کے لیے مندرج ذیل کتب تراجم کی طرف رجوع کیجیے۔

الجرح والتعدیل ۱۸۲/۸، الاسامی والکنی لابی احمد حاکم جلد ۳ ص ۳۸۹، فتح الباب فی الکنی والالقاب لابن مندة ص ۲۴۵، معرفة علوم الحدیث للحاکم ص ۷۸ فقہائے محدثین کے ضمن میں، الارشاد ۸۲۵/۳ ، الفهرست لابن ندیم ۳۲۲، تاریخ بغداد ۱۰۰/۱۳ ، السابق واللاحق ۲۶۷، طبقات الحنابلة ۳۳۷/۱، الانساب ۴۲۷/۱۰، المعجم المشتمل ص ۲۹۱، المنتظم لابن جوزی ۱۷۱/۱۲، اللباب ۳/ ۳۸ ، صیانة صحیح مسلم ص ۵۲ ، تهذیب الاسماء واللغات ۸۹/۲/۱ ، وفیات الاعیان ۵/ ۱۹۴، تهذیب الکمال ۲۷/ ۴۹۹ ،طبقات علماء الحدیث ۲/ ۲۸۶ ، تذکرة الحفاظ ۵۸۸/۲، العبر ۳۷۵/۱، سیر اعلام النبلاء ۵۵۷/۱۲، البدایة والنهایة ۳۳/۱۱، التقریب ص ۹۳۸، تهذیب التهذیب ۱۲۶/۱۰ وغیرہ۔

[3] مقدمة فتح الباری ۴۸۸۔

[4] امام بخاری کا فیض صحبت نہ ہوتا تو امام مسلم کا کوئی نام نہ لیتا۔ مقدمة فتح الباری ۴۹۰/۱۱، تاریخ بغداد ۱۰۲/۱۳ ، سیر اعلام النبلاء ۵۷۰/۱۲۔

[5] مقدمة فتح الباری ۴۸۸، تاریخ بغداد ۱۰۲/۱۳، طبقات الحنابلة ۲۷۳/۱، سیر اعلام النبلاء ۴۳۲/۱۲، طبقات الشافعیة للسبکی ۲۲۳/۲، تغلیق التعلیق ۴۲۹/۵۔

اجازت دیجیے کہ میں آپ کے قدموں کا بوسہ لوں۔

محمد بن یحییٰ ذہلی سے جب امام بخاری کا ناگزیر قصہ پیش آیا تو باوجود تمام شہر امام صاحب سے الگ ہو گیا تھا لیکن امام مسلم اس مسئلہ کی تہہ تک پہنچ چکے تھے۔ امام صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بلکہ امام ذہلی سے جس قدر تقریرات لکھ چکے تھے، سب کو اونٹوں پر لدوا کر واپس کر دیا۔ [1] آپ کا نام مسلم، ابوالحسین کنیت، عساکر الدین لقب، ۲۰۲ھ میں ولادت ہوئی۔ [2] سلسلۂ نسب یہ ہے:

مسلم بن حجاج [بن مسلم] [3] بن ورد بن کوشاذ۔ چونکہ امام مسلم کا سلسلۂ نسب قبیلہ قشیر سے ملتا ہے اس وجہ سے قشیری کہے جاتے۔ از روئے وطن نیشاپوری الاصل ہیں۔ سفر کی وسعت میں عراق، حجاز، شام، مصر یہ سب داخل ہیں۔ ان مقامات میں برابر آپ کا دور رہتا۔ بغداد کئی بار جانے کا اتفاق ہوا۔ بغداد میں آپ نے درس بھی دیا ہے۔ آخری سفر بغداد کا ۲۵۹ ہجری ہے۔ [4]

اساتذہ اور شیوخ کی تعداد گنوانا مشکل اور تطویل لاطائل ہے۔ [5]

امام یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی، امام محمد بن اسماعیل البخاری وہ اساتذہ ہیں جن پر امام مسلم کو فخر اور ناز تھا۔ [6]

تلامذہ کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ابو حاتم رازی، ابوعیسیٰ الترمذی، ابوبکر بن خزیمہ، یحییٰ بن صاعد، ابوعوانہ بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔ مزاج میں استغنا اس قدر تھا کہ کبھی کسی شخص کی فیاضیوں کے دست نگر نہ ہوئے۔

۲۵ رجب ۲۶۱ھ علاقہ نیشاپور کے شہر نصیر آباد میں ۵۵ برس کے سن میں وفات پائی۔ [7]

امام مسلم کی تالیفات گناتے ہوئے حاکم لکھتے ہیں کہ مسلم کی تالیفات میں ایک مسند کبیر ہے جو بہ ترتیب رجال ہے لیکن میرے گمان میں کوئی اس کو امام مسلم سے بقاعدہ محدثین روایت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ ایک تالیف الجامع

---

[1] مقدمۃ الفتح ۴۹۱، تاریخ بغداد ۱۰۳/۱۳، تقیید المهمل ۱/۱۱/ب، تاریخ الاسلام للذهبی ص ۲۷۰، تذکرۃ الحفاظ ۵۸۹/۲، سیر اعلام النبلاء ۴۶۰/۱۲، ۵۷۲/۱۲، تغلیق التعلیق ۴۳۰/۵، تاریخ الاسلام میں جمال ہے اور تغلیق میں حمال ہے۔

[2] ان کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے ۲۰۲ھ یا ۲۰۴ھ یا اور کسی میں۔ ابن صلاح وغیرہ نے ۲۰۶ھ کو ترجیح دی ہے۔ صیانۃ صحیح مسلم ص ۶۴۔

[3] (بن مسلم) کی زیادتی تهذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء وغیرہ سے ہے۔

[4] تاریخ بغداد ۱۰۱/۱۳۔

[5] حافظ مزی نے تهذیب الکمال ۴۹۹/۲۷ اور حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ۵۵۸/۱۲ میں حروف معجم کی ترتیب سے بیان کیے ہیں۔

[6] تاریخ بغداد ۱۰۰/۱۳۔

[7] تاریخ بغداد ۱۰۴/۱۳، وفیات الاعیان ۱۹۵/۵ وغیرہ۔

على الابواب ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا میں نے دیکھا ہے [1] اور كتاب الاسماء والكنى، كتاب التمييز، كتاب العلل، كتاب الوحدان، كتاب الافراد، كتاب الاقران، كتاب سوالات احمد بن حنبل، كتاب حديث عمرو بن شعيب، كتاب الانتفاع باهاب السباع، كتاب مشائخ مالك، كتاب مشائخ الثورى، كتاب مشائخ شعبة، كتاب من ليس له الا راوٍ واحد، كتاب المخضرمين، كتاب اولاد الصحابة، كتاب اوهام المحدثين، كتاب الطبقات، كتاب افراد الشاميين [2] یہ تالیفات امام مسلم کی مشہور ہیں۔ ان میں اکثر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی اجمالی فہرست تذکرۃ الحفاظ سے پیش کر دی گئی ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ [3] حافظ ذہبی امام بخاری سے تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال ابن الشرقى :حضرت مجلس محمد بن يحيى الذهلى، فقال: الا من قال لفظى بالقران مخلوق فلا يحضر مجلسنا، فقام مسلم من المجلس و كان يناضل عن البخارى حتى أوحش ما بينه وبين الذهلى بسببه“. [4]

امام مسلم کی تالیفات میں ”صحیح مسلم“ سے مسلمانوں کا ایک ایک فرد آگاہ ہے۔ صحیح مسلم کے حسن قبول اور اس کی

---

[1] تذكرة الحفاظ ۲/۵۹۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۹۔

[2] تذكرة الحفاظ ۲/۵۹۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۹۔

[3] امام مسلم کی موجودہ تالیفات، ان کے اماکن اور ان کی مفقود کتب معلوم کرنے کے لیے دیکھیے: کتاب التمییز کا مقدمہ للدكتور مصطفى اعظمى ص ۱۰۶۔ ۱۱۰ ، کتاب الكنى والاسماء کا مقدمہ للدكتور عبدالرحيم محمد احمد قشقرى ۱/۱۹۔۲۲، کتاب الطبقات کا مقدمہ استاذ ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان ۱/۱۱۰۔۱۳۲۔ رہی ان کی مطبوع تالیفات تو وہ یہ ہیں:

(۱) الجامع الصحيح :جو صحیح مسلم کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

(۲) الكنى والاسماء: مکتبہ ظاہریہ کے مخطوطہ کا عکس مطبوع ہوا ہے جس پر استاذ مطاع طرابیشی کا مقدمہ اور دکتور عبدالرحیم قشقری کی تحقیق ہے، مدینہ یونیورسٹی میں مجلس علمی نے ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴م میں دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۳) التمييز: اس کا صرف پہلا جزء وہ بھی آخر سے ناقص ملا ہے دکتور محمد مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق سے مطبوع ہے، ریاض یونیورسٹی نے ۱۳۹۵ھ میں طبع کیا۔

(۴) ”الطبقات“ استاذ ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان کی تحقیق سے دو جلدوں میں دار الهجرة ریاض نے ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۱م میں طبع کیا۔

(۵) ”المنفردات والوحدان“ حیدر آباد دکن ہند ۱۳۲۵ھ میں اور ہندوستان کی ریاست آگرہ ۱۳۲۳ھ میں اور پھر بیروت ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸م میں طبع ہوئی۔

(۶) ”رجال عروة بن الزبير و جماعة من التابعين“ دمشق سے جاری ہونے والے مجلہ مجمع اللغة العربية ۱۹۷۹م میں طبع ہوئی جیسا کہ الطبقات کے مقدمہ ۱/۱۱۳ پر موجود ہے۔ ان کے علاوہ باقی کتب ابھی تک مفقود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اطلاع پھر ان کا طبع آسان کردے۔

[4] یعنی امام مسلم امام بخاری کی طرف سے بحث و مباحثہ کرتے اور جھگڑتے۔ تاريخ بغداد ۱۳/۱۰۳، تذكرة الحفاظ ۲/۵۸۹۔۵۹۰

جلالت شان کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اہل اصول کا یہ ایک اصولی مسئلہ اصول کی کتابوں میں لکھا جاتا ہے:

"اصح الروایات ما اتفق علیہ الشیخان ثم ما انفرد بہ البخاری ثم ما انفرد بہ مسلم". [1] صحیح مسلم کی بلند پائیگی کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ مشائخ غرب کو صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دینے میں کلام ہے۔ وہ صحیح مسلم کو امام بخاری کی جامع صحیح پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے محدثین میں یہ ایک مسئلہ پیدا ہو گیا اور بعد تنقیح "باستثنائے بعض مشائخ غرب" صحیح بخاری کی ترجیح جمہور مسلمانوں کا مسلک قرار پایا جس کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔ [2]

مقدمہ صحیح مسلم

امام مسلم نے اپنی اس مبارک تالیف (صحیح مسلم) کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اس مقدمہ کی وجہ تالیف کے علاوہ فن روایت کے بہت سے فوائد اور اصول بیان کیے ہیں۔ جیسے رواۃ کی تقسیم اور ان کے مدارج متفاوتہ (جن میں نہایت دقیق فرق ہے) کی توضیح، رواۃ میں واقعی اور سچی جرح ہو تو بلا تردد بیان کر دینا چاہیے اور بیان کرنا جائز ہے۔ اسناد دینی امر ہے اور روایت میں نہایت تشدد سے کام لینا چاہیے۔ بلا تحقیق روایت لینے کی ممانعت ہے۔ ضعفاء سے روایت میں بڑی احتیاط برتنی چاہیے۔ معنعن روایت بشرط معاصرت راوی مروی عنہ مقبول ہے۔ لقا کا ثبوت شرط نہیں اور روایت بالمعنی کا حکم۔

ان تمام اصول وقواعد کو امام مسلم نے نہایت مفصل اور مدلل بیان کیا ہے اور بعض ان باتوں کا رد بھی کیا ہے جو ان کے مسلک کے خلاف تھیں۔ یہ اصولی مسائل چونکہ نہایت مہتم بالشان ہیں اور ساتھ ہی اس کے مقدمہ کی عبارت نہایت مغلق واقع ہوئی جس کا اغلاق مشہور ہے۔ اس وجہ سے کہ امام مسلم نے بلا تہذیب وتحریر بطریق متقدمین بلا تکلف اپنے مقصود کا اظہار فرمایا ہے۔ نہ تکرار ممل کا خیال مانع ہوا نہ ایجاز مخل کا لحاظ فرمایا۔ کہیں مبتدا بول کر جملہ معترضہ کی طویل عبارت کے بعد خبر لاتے ہیں، کہیں صلات اور متعلقات کی تقدیم و تاخیر بے ڈھب ہے۔ غرض کیف ما اتفق اپنے مقاصد کا اظہار فرمایا ہے اور بعض اصولی مسائل میں اختلاف کیا ہے اور اس کی مثال دینے میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے۔ اس اغلاق اور اصولی اہم مسائل کی وجہ سے اہل علم کی توجہ برابر مقدمہ کی شرح کی جانب مبذول رہی۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگوں نے صرف مقدمہ کی شرح لکھی ہے۔

شیخنا المحترم استاذ الاساتذہ جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری نے بھی ایک شرح طویل اور

---

[1] مقدمۃ ابن الصلاح ۱۳۔

[2] خطیب بغدادی نے ابو علی حسین بن علی نیشاپوری کا یہ قول روایت کیا ہے کہ علم حدیث میں آسمان کے نیچے مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں۔ تاریخ بغداد ۱۰۱/۱۳۔ تفصیل مقدمہ ابن صلاح ص ۱۵ اور تدریب الراوی ۹۳/۱۔ ۹۵ میں دیکھیے۔ [محقق]

نہایت مفید لکھی ہے جس کا نام "البحر المواج" ہے۔ ایک دوسری شرح علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی نے بھی نہایت طویل لکھی ہے۔ شائقین کی نگاہیں ان دونوں شرحوں کے اشتیاق میں ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد شائقین کی آرزو پوری کرے، اور یہ ہر دو شرحیں طبع ہو کر شائع ہو جائیں۔ [1] ان کے علاوہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ مکتبہ محمودیہ میں مقدمہ کی چھ شرحیں موجود ہیں۔ [2]

امام مسلم نے اپنی جامع صحیح کی ابواب فقہیہ پر تبویب تو نہیں کی لیکن احادیث کی ترتیب اس خوبی سے رکھی کہ گویا کتاب مبوّب ہے۔ چنانچہ شراح نے بلا تکلف ابواب فقہیہ پر مبوّب کر ڈالا۔ [3]

صحیح مسلم کا رتبہ صحیح بخاری کے بعد تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے وجوہات بہت سے بیان کیے گئے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ سہل المأخذ اور جودت ترتیب اور ہر حدیث کے شواہد و متابعات کے اکٹھے ہونے کے لحاظ سے صحیح مسلم کو ضرور ترجیح ہے۔

صحیح مسلم کے متعلق بہت سی تالیفات [4] کا ذکر صحیح بخاری کے شروح کے بیان میں گزر چکا ہے، جیسے اطراف الصحیحین یا الجمع بین الصحیحین یا رجال الصحیحین یا المستدرك علی الصحیحین وغیرہ۔ یہاں

---

[1] افسوس ہے کہ یہ دونوں شروحات جماعت اہل حدیث کی غفلت کی وجہ سے ابھی تک طبع نہیں ہو سکیں۔ [عبیداللہ]

[2] اس مقدمہ کی ایک شرح "المطر الثجاج" کے نام سے بزبان فارسی مکتبہ کلکتہ میں موجود ہے۔ [مؤلف]

[3] حافظ ابن صلاح نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ امام مسلم اور ہم پر رحم و کرم کرے انھوں نے اپنی کتاب صحیح مسلم کو ابواب پر مرتب کیا ہے لیکن ابواب کے تراجم نہیں لکھے۔ البتہ کتاب حقیقت میں ابواب پر مرتب ہے اور تراجم ابواب اس لیے نہیں لکھے تاکہ کتاب کا حجم بڑا نہ ہو جائے یا اور بھی سبب ہو سکتا ہے۔ صیانة صحیح مسلم ص ۱۰۱۔
یہی بات امام نووی نے بھی شرح صحیح مسلم کے مقدمہ ۱/۲۱ میں کہی ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ: میں کہتا ہوں کہ ایک جماعت نے صحیح کے ابواب کے تراجم (عنوانات) لکھے ہیں، بعض اچھے ہیں اور بعض اچھے نہیں ہیں۔ اچھے نہ ہونے کی وجہ یا تو ترجمة الباب کی عبارت میں نقص ہے یا عبارت میں کمزوری ہے یا اور کوئی وجہ ہے۔ اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان تراجم ابواب کو اپنی اپنی جگہ مناسب الفاظ میں لکھنے کی طرف خاص توجہ دوں گا واللہ اعلم ۱/۲۱۔ اس سے واضح طور پر پتہ چلا کہ شرح نووی والے مسلم کے نسخے میں تراجم ابواب امام نووی کی طرف سے لکھے گئے ہیں اور استاذ محمد فواد عبدالباقی نے اپنے طبع شدہ نسخہ میں اسی نووی کی شرح والے مطبعہ کستلیہ بمطابق ۱۲۸۳ھ مطبوع نسخہ پر اعتماد کیا ہے۔

[4] جو تالیفات صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں سے تعلق رکھتی ہیں، وہ بھی کثیر التعداد ہیں۔ علاوہ ان کے جن کا ذکر صحیح بخاری کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ مشارق الانوار الجمع بین الصحیحین میں اپنے طرز کی سب سے جداگانہ تالیف ہے۔ علامہ رضی الدین حسن صغانی التوفی ۶۵۰ھ نے اس کو خاص خاص حروف کی ترتیب پر رکھا ہے مثلاً ما، ان، لا، اذ، اذا، ھا، یا، قد وغیرہ نہ فقہی ابواب پر نہ کہ سند کی ترتیب پر۔ تاہم یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اس لیے کہ اس میں صرف قولی حدیثیں ہیں یا احادیث قدسیہ۔ صاحب کشف الظنون نے اس کی شروح و حواشی اور شرح علی الشرح مختصرات اور مرتبات میں ۲۳ مؤلفات کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کا مختصر حال بھی لکھا ہے۔ [مؤلف] نیز دیکھیے: مقدمہ تحفة الاحوذی ۱/۲۷۴، ۲۷۸۔

انہیں تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو صرف صحیح مسلم سے تعلق رکھتی ہیں۔

صحیح مسلم کی شروح کی فہرست جو اس بے بضاعتی پر معلوم ہو سکیں [1]

۱۔المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج : [2]

حافظ ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ۔

مصنف کا بیان ہے کہ اگر لوگوں کی ہمتیں پست نہ ہوتیں اور شائقین کی کمی نہ ہوتی تو میں اس شرح کو ایک سو جلدوں میں مکمل کرتا لیکن میں نے توسط پر ہی اقتصار کیا۔ [3] یہ اب صرف تین جلدوں میں ہے۔ [4]

اس شرح کے شروع میں ایک مقدمہ طالبین حدیث کے لیے نہایت مفید ہے۔

۲۔مختصر شرح للنووی : [5]

شیخ شمس الدین محمد بن یوسف القونوی الحنفی المتوفی ۷۸۸ھ۔

اسی منہاج مذکور کا اختصار کیا ہے۔

۳۔اکمال المعلم فی شرح مسلم : [6]

علامه قاضی عیاض المالکی المتوفی ۵۴۴ھ۔

درحقیقت قاضی صاحب نے علامہ مازری کی شرح کی تکمیل کی ہے۔قسطنطنیہ کے متعدد کتب خانوں میں اس کا نسخہ موجود ہے اور مکتبہ محمودیہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ [7]

---

[1] یہ مختصر فہرست کشف الظنون، الحطة، اتحاف النبلاء سے اور پٹنہ کے کتب خانہ میں جو مختلف کتب خانوں کی فہرستیں ہیں، ان سے لکھی گئی ہے اور استقصا مقصود نہیں ہے۔[مؤلف]

[2] کشف الظنون ۱/۵۷۴ ، الحطة فی ذکر الصحاح الستة ۲۳۵ اور تاریخ التراث ۱/۲۱۲۔

[3] مقدمة النووی ۵۔

[4] اس کا مصری طبع ۱۸ اجزاء میں ہے جو کہ چھ جلدوں میں ہے۔

[5] کشف الظنون ۱/۳۷۴ ، شذرات الذهب ۶/۳۰۶ الحطة ۲۳۶ اور معجم المؤلفین ۱۲/۱۰۳۔

[6] کشف الظنون ۱/۳۷۴ ، الحطة ۲۳۶، الاعلام ۵/۲۸۲ ، تاریخ التراث العربی ۱/۲۱۱۔

[7] اکمال کے اور بھی کئی نسخے ہیں۔استاذ سزگین نے تاریخ التراث العربی میں ذکر کیے ہیں اور یہ کتاب آخر میں "اکمال المعلم بفوائد مسلم" کے نام اور دکتور یحییٰ اسماعیل کی تحقیق کے ساتھ دارالوفاء مصر، اور مکتبۃ الرشد ریاض نے ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں نو جلدوں میں طبع کی ہے اور اس کے مقدمے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح مازری کی شرح کا کمیت میں تکملہ نہیں بلکہ کیفیت میں تکملہ ہے اور یہ اس طرح کہ قاضی عیاض نے اپنے طلبہ کو صحیح مسلم پڑھانے کے دوران اس چیز کا خیال کیا کہ امام مازری کی شرح میں کئی ایسی مشکل احادیث ہیں جن کی تفسیر وتشریح نہیں کی گئی اور کئی ایسی احتمالی فصول ہیں جو اپنے معانی میں تحقیق وتنقیح کی محتاج ہیں اور ایسے مجمل نکات ہیں جن کی تفصیل اور تحقیق ضروری ہے اور ایسے مہمل الفاظ ہیں جن کو پختہ اور مقید کرنا از حد ضروری تھا جن کے بغیر گزارہ نہ تھا اور ایسے کلمات ہیں جن ←

۴۔المعلم بفوائد کتاب مسلم : [1]

ابو عبداللہ محمد بن علی المازری المتوفی ۵۳۶ھ۔

اسی کی تکمیل قاضی عیاض نے کی ہے۔اس لیے قاضی صاحب نے اپنی شرح کا نام **اکمال المعلم** رکھا۔

۵۔المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم : [2]

ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراھیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ۔

علامہ موصوف نے پہلے صحیح مسلم کی تلخیص اور تبویب کی ،اس کے بعد اس کی شرح لکھی۔مؤلف کا بیان ہے کہ اس شرح میں علاوہ توجیہہ استدلال کے اعراب کے نکات بھی بیان کیے ہیں۔اس کا آغاز "**الحمد لله کما و جب لکبریاء ہٖ و جلاله**" ہے۔ [3]

۶۔اکمال اکمال المعلم : [4]

امام ابوعبداللہ محمد بن خِلْفَة [5] بن عمر الوَشْتَانی الاُبِّی التونسی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ۔

← میں ناقلین نے تغیر پیدا کر دیا تھا۔ان تمام مذکورہ اشیاء کا حق یہی تھا کہ ہم ان کو درست کر دیں اور صحیح صحیح قارئین کی خدمت میں پیش کریں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "کتاب المعلم" کوئی ایسی تالیف نہ تھی جس پر اس کے مؤلف نے اپنی (علمی) طاقت صرف کی ہو یا دل جمعی کے ساتھ کام کیا ہو وہ تو صرف ان اہم امور کے بارے تعلیقات تھیں جو طلبہ ان کی مجالس تدریس میں ضبط کرتے تھے اور جو عقل مند اھل علم کی پختہ عقول اخذ کرتی تھیں۔ قاضی عیاض نے سوچا کہ مسلم شریف کی شرح کے لیے کوئی ایسی مستقل کتاب لکھنے سے جو کہ کتاب المعلم اور اس کے مشمولات سے علیحدہ ہو غرض پوری نہیں ہوگی، اور یہ کہ اس کی شرح میں ایک جامع کتاب لکھنے میں کوئی معظم فائدہ نہیں کیونکہ المعلم میں بڑے بڑے ایسے فوائد آ چکے ہیں جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور ایسے مضبوط نکات ہیں جن کے پاس حسن تالیف ٹھہر جاتی ہے۔ان وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنے کے بعد ان کی رائے یہ قائم ہوئی کہ اس شرح میں جو کچھ ذکر کیا جائے وہ المعلم کی تکمیل کے لیے تذییل اور اس کے کلام کو مکمل کرنے کا ایک ربط ہو......الخ"۔

چنانچہ قاضی عیاض نے اس طریقہ سے شرح مازری کو اپنی شرح میں سمو دیا ہے اور اپنی طرف سے اہم اور نافع فوائد کا اضافہ کر دیا ہے اور اپنے کلام اور مازری کے کلام کے درمیان خلط ملط نہیں کیا بلکہ امتیاز رکھا ہے رحمہ اللہ۔

[1] کشف الظنون ۱/۳۷۴، الحطة ۲۳۶، تاریخ التراث ۱/۲۱۰، شذرات الذھب ۴/۱۱۴، الاعلام ۷/۱۶۴ ، معجم المؤلفین ۱۱/۳۲ اس پر قاضی عیاض کی شرح متضمن ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے اور یہ شرح تیونس میں پھر بیروت میں علیحدہ بھی چھپی ہے۔

[2] کشف الظنون ۱/۳۷۴ ، الحطة ۲۳۶ ، تاریخ التراث ۱/۲۱۲، شذرات الذھب ۵/۲۷۴، الاعلام ۱/۱۷۹ اور معجم المؤلفین ۲/۳۷ ۔

[3] اس کا ایک خطی نسخہ جنگ عظیم دوم سے پہلے جرمنی کے مکتبہ دار العلوم میں موجود تھا۔[عبیداللہ]اور پھر بعد میں طبع ہو گیا تھا۔ اور دیکھیے: تاریخ التراث ۱/۲۱۲۔ [محقق]

[4] البدر الطالع ۲/۱۶۹ ، کشف الظنون ۱/۳۷۴، الحطة ۲۳۶، تاریخ التراث ۱/۲۱۱ اور معجم المؤلفین ۹/۲۸۷۔

[5] خِلْفَة خاء معجمہ کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ آخر میں فاء پر فتحہ ہے۔ الاُبی ھمزہ کے ضمہ کے ساتھ تیونس میں ایک قریہ کی طرف ←

یہ ایک ضخیم شرح ہے چار جلدوں میں، ابتدا کا لفظ "الحمدلله العظيم سلطانه" ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ اس میں قاضی عیاض، امام نووی، قرطبی، مازری، ان چاروں کی شرحوں سے مدد لی ہے اور بہت سے فوائد اضافہ کیے ہیں اور اپنے شیخ محمد بن عرفہ کے فوائد بڑھائے ہیں۔ م سے مازری، ع سے عیاض، ق سے قرطبی، دال سے محی الدین نووی لفظ شیخ سے شیخ عرفہ مراد ہے۔ اس کا نسخہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایا صوفیہ و دیگر کتب خانوں میں موجود ہے۔ [1]

۷۔ المفهم في شرح غريب مسلم : [2]

امام عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی المتوفی ۵۲۹ھ۔

الفاظ غریبہ کی شرح ہے۔

۸۔ شرح صحيح مسلم : [3]

عماد الدین عبدالرحمٰن بن عبدالعلی المصری الشافعی المتوفی ۶۲۴ھ (المعروف بابن السکری)۔

اس شرح کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔

۹۔ شرح صحيح مسلم : [4]

شمس الدین ابوالمظفر یوسف بن قِزْاُوْغلی (یا قِزْغُلِیْ) سبط ابن الجوزی المتوفی ۶۵۴ھ۔

اس شرح کی کیفیت بھی معلوم نہ ہو سکی۔

۱۰۔ شرح صحيح مسلم : [5]

علامہ ابوالفرج عیسی بن مسعود الزوَاوِی [6] المتوفی ۷۴۴ھ۔

یہ شرح پانچ جلدوں میں درج ذیل شروح کا مجموعہ ہے:۔ المعلم، الاکمال، المفہم اور المنہاج۔ [7]

← نسبت ہے۔ البدر الطالع ۲/۱۶۹۔ اصل کتاب میں خِلفہ ہی تھا جبکہ بعض مراجع میں خلیفہ ہے۔

[1] اُبی کی یہ شرح ابوعبداللہ محمد بن محمد بن یوسف سنوسی متوفی ۸۹۵ھ کی شرح "مکمل اکمال الاکمال" کے ساتھ دارالکتب العلمیہ بیروت سے طبع ہو چکی ہے [محقق]

[2] تذكرة الحفاظ ۴/۱۲۷۵، كشف الظنون ۱/۳۷۴، الحطة ۲۳۷، معجم المؤلفين ۵/۲۶۷، شذرات الذهب ۵/۹۳ اور الاعلام ۴/۱۵۷۔

[3] کشف الظنون ۱/۳۷۴، الحطة ۲۳۷ اور معجم المؤلفين ۵/۱۴۴۔

[4] کشف الظنون ۱/۳۷۴، الحطة ۲۳۷۔

[5] کشف الظنون ۱/۳۷۴، الحطة ۲۳۷، البدر الطالع ۱/۵۲۰، معجم المؤلفين ۸/۳۳۔

[6] زَواوہ، زاء کے فتحہ کے ساتھ اور دو واؤ ہیں جن کے درمیان الف ہے افریقہ اور مغرب کے درمیان چھوٹا سا شہر ہے [مؤلف]

[7] ابن فرحون نے ذکر کیا ہے کہ اس کی بارہ جلدیں ہیں اور اس کا نام "اکمال الاکمال" ہے۔ الديباج المذهب ۲/۷۲، ۷۳، اسی طرح الدرر الكامنة ۳/۲۱۱ میں ہے، البدر الطالع ۱/۵۲۰۔

۱۱۔شرح صحیح مسلم : [1]

قاضی زین الدین زکریا بن محمد انصاری المتوفی ۹۲۶ ھ۔علامہ شعرانی کہتے ہیں کہ اس کا زیادہ تر مسودہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ [2]

۱۲۔الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج : [3]

علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ۔

ایک عمدہ شرح ہے۔اس کا آغاز " بحمد الله الذی سلك باصحاب الحديث اوضح نهجة" ہے۔ابتدا میں چند فصلیں ہیں جن میں صحیح مسلم کے شروط ان کی اصطلاحات اور جن کنیتوں والقابات واسماء میں اشتباہ واقع ہوسکتا تھا، اس کا رفع کیا ہے۔الفاظ غریبہ واعراب مشکلہ کا حل، تناقضات کا رفع، اختلافات روایات کا بیان، اوہام کا ایضاح، غرض استنباط مسائل کی ساری باتیں موجود ہیں۔ [4]

۱۳۔وشی الدیباج :

علامہ بجمعوی المتوفی ۱۲۹۸ھ۔ [5]

امام سیوطی کی شرح الدیباج کا اختصار کیا ہے جو حقیقت میں اختصار مخل ہے۔مصر میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۴۔شرح صحیح مسلم : [6]

---

[1] کشف الظنون ۱/۵۷۴، الحطة ۲۳۷، معجم المؤلفين ۴/۱۸۲۔

[2] کشف الظنون ۱/۵۷۴، الحطة ۲۳۷۔

[3] کشف الظنون ۱/۵۷۵، الحطة ۲۳۷ الاعلام ۴/۷۲، تاریخ التراث ۱/۲۱۵۔

[4] جنگ عظیم دوم سے پہلے اس کا ایک مخطوط جرمنی کے مکتبہ دار العلوم میں موجود تھا۔[عبیداللہ] اوراس کے اور بھی نسخے ہیں جن کا تذکرہ سزگین نے تاریخ التراث العربی ۱/۲۱۵ میں کیا ہے۔میرے پاس کتب خانہ مصری کے نسخے کا عکس موجود ہے اور یہ کتاب طبع بھی ہو چکی ہے۔

[5] تاریخ التراث ۱/۲۱۵ اس میں اس کے مصنف کا نام محمد بن محمد بن علی بجمعوی دمنتی لکھا ہے لیکن هدية العارفين ۱/۷۷۶ اور ایضاح المکنون ۲/۷۰۹ میں ان کا نام علی بن سلیمان مذکور ہے اور معجم المؤلفين میں کحالہ نے اس کتاب کا تعارف ذکر کیا ہے اور اس کے مصنف کی تاریخ وفات ۱۳۰۶ھ ذکر کی ہے (جلد ۷/۱۰۳)۔

اوراس شارح نے سیوطی کی صحاح ستہ کی تمام شروح کا اختصار کیا ہے جن کے نام اسماعیل پاشا نے هدية العارفين (۱/۷۷۶) میں ذکر کیے ہیں اور ۱۲۹۸ھ بظاہر بخاری کی شرح "روح التوشيح على الجامع الصحيح" کے اختتام کی تاریخ ہے جیسا کہ هدية العارفين میں ہے یا اس کے طبعہ کی تاریخ ہے جیسا کہ سزگین نے تاریخ التراث ۱/۱۸۷ میں ذکر کیا ہے۔واللہ اعلم

[6] تذكرة الحفاظ ۴/۱۲۷۹۔۱۲۸۰، سیر اعلام النبلاء ۲۰/۸۳، طبقات الشافعية للاسنوی ۱/۳۶۰، طبقات الحفاظ للسيوطی ۴۶۴، طبقات المفسرین للسیوطی ۳۸، طبقات المفسرين للداؤدی ۱/۱۱۴، شذرات الذهب ۴/۱۰۶، هدية العارفين ۱/۲۱۱، کشف الظنون ۱/۵۷۵، الحطة ۲۳۸ اور الاعلام ۱/۳۲۲۔۳۲۳۔

امام ابو القاسم اسماعیل بن محمد الاصبهانی المتوفی ۵۳۵ھ۔

اس شرح کا حال بھی معلوم نہ ہوسکا۔

۱۵۔شرح صحیح مسلم :[1]

شیخ تقی الدین ابوبکر محمد الحصنی الدمشقی المتوفی ۸۲۹ھ۔

اس شرح کے تفصیلی حالات سے صاحب کشف الظنون وعلامہ ابوالطیب [2] وغیرہ ساکت ہیں۔

۱۶۔منهاج الابتهاج :[3]

شیخ شهاب الدین احمد بن محمدبن ابوبکر الخطیب القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ۔

یہ شرح آٹھ حصوں میں صرف نصف تک پہنچی ہے۔

۱۷۔شرح صحیح مسلم :[4]

ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۶ھ۔چار جلدوں میں ہے۔

۱۸۔شرح صحیح مسلم :

علامه عفیف الدین گازرونی المتوفی ۷۵۸ھ۔[5]

صاحب کشف الظنون وصاحب حطہ نے کچھ تفصیلی کیفیت نہ بتائی۔ علامہ گازرونی نے صحیح بخاری کی شرح بھی لکھی ہے۔[6]

---

[1] شذرات الذهب ۱۸۹/۷ ، البدر الطالع ۱۶۶/۱ کشف الظنون ۳۷۵/۱، الحطة ۲۳۸ ، الاعلام ۴۵/۲ اور معجم المؤلفین ۷۴/۳۔

[2] ابوالطیب سے مراد سید صدیق حسن خان ہیں۔انھوں نے الحطة فی ذکر الصحاح الستة میں ذکر کیا ہے۔

[3] کشف الظنون ۳۷۵/۱، الحطة ۲۳۸ ، معجم المؤلفین ۸۶/۲ ، البدر الطالع ۱۰۳/۱ اور قسطلانی نے صحیح مسلم کے مقدمہ کی شرح بھی لکھی ہے جس کا تذکرہ صاحب تاریخ التراث العربی نے ۲۱۷/۱ پر کیا ہے۔[محقق]

[4] کشف الظنون ۳۷۵/۱، الحطة ۲۳۸ ،

[5] یہ سعید بن محمد بن مسعود گازرونی ہیں جن کا ذکر شراح بخاری میں ہو چکا ہے اور ان کا تعارف معجم المؤلفین ۲۳۱/۴ میں ہے۔اسی طرح ان کی تاریخ وفات معجم المؤلفین میں ۷۵۸ھ ہے، اسی طرح کشف الظنون ۱۶۸۹/۲ میں اس کے قوسین میں ہے،معلوم نہیں کہ یہ مصنف کی طرف سے ہے یا اس کے ناشر کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے۔لیکن اس پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اسی کشف الظنون ۵۵۳/۱ میں ہے کہ وہ شہر شیراز میں ربیع الاول ۷۶۶ھ کو بخاری کی شرح سے فارغ ہوئے۔اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۷۸۵ھ میں فوت ہوئے ہیں جیسا کہ هدية العارفین ۳۹۱/۱ میں ہے کہ وہ ۷۸۵ھ میں فوت ہوئے۔ واللہ اعلم

[6] کشف الظنون ۱۶۸۹/۲ میں ہے کہ گازرونی نے کتاب "مشارق الانوار النبوية من صحاح الاخبار المصطفوية" کی شرح لکھی ہے اور یہ کتاب رضی الدین صغانی کی ہے۔اس میں ۲۲۴۶ احادیث ہیں۔اس کے مصادر کی طرف حروف سے اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ خ بخاری اور م مسلم ق متفق علیہ کی طرف اشارہ ہے گویا کہ اس میں بخاری مسلم کی انفرادی اور اجتماعی احادیث ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۹۔بغية المسلم و غنية المغنم :

شیخ سلمان آفندی

کتب خانہ ایا صوفیہ واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

۲۰۔مختصر صحیح مسلم : [۱]

ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن عبداللہ المَرَسِی المتوفی ۶۵۵ھ۔ [۲]

صحیح مسلم کا اختصار کیا ہے۔

۲۱۔مختصر زوائد مسلم علی البخاری : [۳]

سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن الشافعي المتوفی ۸۰۴ھ۔

یہ شرح چار جلدوں میں ہے۔

۲۲۔مختصر صحیح مسلم : [۴]

الامام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم (بن عبدالقوی) [۵] المنذری المتوفی ۶۵۶ھ۔

صحیح مسلم کا اختصار کیا ہے اور تبویب بھی کی ہے۔

۲۳۔شرح مختصر صحیح مسلم : [۶]

عثمان بن عبدالملک الکردی المصری المتوفی ۷۳۷ھ۔

علامہ عبدالعظیم المنذری کے مختصر مذکور کی شرح ہے۔

۲۴۔شرح مختصر صحیح مسلم : [۷]

---

[۱] بغية الوعاة ۱/۱۳۵، طبقات المفسرین للداؤدی ۲/۱۷۴، کشف الظنون ۱/۵۷۵، الحطة ۲۳۸، معجم المؤلفین ۱۰/۲۴۵۔

[۲] المرسی میم اور راء کے فتح کے ساتھ۔[مؤلف]

[۳] شاید لفظ "شرح" کشف الظنون سے غلطی سے رہ گیا ہے۔کشف الظنون ۱/۵۷۵، اور اس کا ذکر مختصرات میں کیا ہے نیز دیکھیے: الضوء اللامع ۶/۱۰۲، البدر الطالع ۱۰/۵۰۹، الحطة ۲۳۸، الاعلام ۵/۲۱۸ اور صاحب تاریخ التراث العربی ۱/۲۲۱ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے اس کے مصنف کا نام عمر بن رسلان بلقینی متوفی ۸۰۵ھ بتایا ہے۔

[۴] کشف الظنون ۱/۵۷۵، الحطة ۲۳۸، تاریخ التراث العربی ۱/۲۱۷ اور اس کا نام "الجامع المعلم بمقاصد جامع مسلم" ذکر کیا ہے، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۸۴۔ (المحقق) یہ مختصر مسلم محدث شہیر شیخ محمد ناصر الدین البانی کی تحقیق سے وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ حکومت کویت نے ۱۳۸۹ھ میں طبع کی ہے۔

[۵] (بن عبدالقوی) یہ اصل سے زیادتی صرف توضیح کے لیے ہے۔

[۶] کشف الظنون ۱/۵۷۵، الحطة ۲۳۸، معجم المؤلفین ۶/۲۶۱۔

[۷] الدرر الکامنة ۳/۳۴۲، شذرات الذهب ۶/۱۹۸، کشف الظنون ۱/۵۷۵، الحطة ۲۳۸، اور اس کی تاریخ وفات اصل اور حطہ میں ۷۶۸ھ ہے جبکہ درالکامنۃ اور کشف الظنون وغیرہ میں ۷۶۳ھ ہے۔

محمد بن احمد الاسنوی المتوفی ۷۶۳ھ۔

امام حافظ بن عبدالعظیم المنذری کے مختصر کی دوسری شرح ہے۔

۲۵۔اسماء رجال صحیح مسلم : [1]

ابوبکر احمد بن علی الاصبہانی المتوفی ۲۷۹ھ۔ [2]

نام سے موضوع بحث ظاہر ہے۔

۲۶۔السراج الوهاج : [3]

علامہ نواب صدیق حسن خاں المتوفی ۱۳۰۷ھ۔

یہ بھی مختصر منذری کی شرح ہے اور طبع ہو کر شائع ہے۔

۲۷۔المخرج علی صحیح مسلم :

صحیح مسلم کا بہت سے لوگوں نے استخراج کیا ہے۔ آٹھ مستخرجات کا ذکر صاحب **کشف الظنون** نے بھی کیا ہے۔

۲۸۔عنایة المالك المنعم فی شرح صحیح مسلم : [4]

ابو عبداللہ محمد المدعو بیوسف افندی زادہ المتوفی ۱۱۶۷ھ۔

کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریفی واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

۲۹۔المطر الثجاج : [5]

مولوی ولی اللہ فرخ آبادی المتوفی ۱۲۴۹ھ۔

علامہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم لکھتے ہیں کہ یہ شرح فارسی زبان میں ہے اور فائدہ سے خالی نہیں۔ [6]

---

[1] **کشف الظنون ۱/۲۷۹،** کشف میں ان کی تاریخ وفات اسی طرح لکھی ہوئی ہے۔ اگلے نمبر کی تعلیق دیکھیے۔

[2] شاید یہ احمد بن علی بن محمد بن منجویہ اصبہانی متوفی ۴۲۸ھ ہی ہیں۔ ان کی بھی "**رجال صحیح الامام مسلم**" نامی کتاب ہے جس کا ذکر **تاریخ التراث ۱/۲۱۸ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۸۴، معجم المؤلفین ۲/۱۸ ، الاعلام ۱/۱۶۵** اور **شذرات الذهب ۳/۲۳۳** میں ہے۔ (محقق) یہ کتاب بیروت میں کتب خانہ دارالمعرفۃ نے ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷م کو دو جلدوں میں طبع کی ہے۔

[3] **تاریخ التراث ۱/۲۱۶ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/ ۱۸۳۔**

[4] **تاریخ التراث ۱/۲۱۶، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۸۳۔** اس کے مصنف کا نام عبداللہ بن محمد یوسف آفندی زادہ ہے اور بروکلمان کے ہاں عبداللہ یوسف آفندی زادہ حلمی ہے۔ شروحات بخاری میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

[5] **الحطة ۲۳۸، نزهة الخواطر ۷/۵۷۷۔** ان کا نام ولی اللہ بن احمد علی حسینی فرخ آبادی ہے اور ان کا تعارف **هدیة العارفین ۲/۳۶۴** میں "محمد ولی اللہ بن سید احمد علی حسینی نام کے ساتھ ہے اور **معجم المؤلفین ۸/۲۹۵** میں محمد بن احمد علی ہے لیکن ہدیہ اور معجم میں اس کے نام کے ساتھ اس کتاب کا تذکرہ نہیں ہے۔

[6] **الحطة ۲۳۸۔**

۳۰۔شرح مسلم :[1]
الشیخ عبدالحق کے کسی بیٹے کی ہے۔[2]
یہ بھی فارسی میں ایک شرح ہے۔
۳۱۔ترجمہ اردو صحیح مسلم :[3]
علامہ وحید الزمان نواب وقار نواز جنگ المتوفی ۱۳۳۸ھ۔
ایک مطلب خیز ترجمہ ہے۔ جو طبع ہو کر شائع ہے۔[4]

---

[1] الحطة ۲۳۸۔

[2] الحطة ۲۳۸۔ یہ شرح فارسی میں ہے۔ اس کا نام منبع العلم ہے۔ شارح نورالحق بن عبدالحق دھلوی متوفی ۱۰۷۳ھ ہے۔ ان کے بیٹے فخر الدین محب اللہ نے اس کی تکمیل کی۔ دیکھیے : تاریخ التراث ۲۱۲/۱۔ [محقق]
اور ایضاح المکنون میں اس کا نام نورالحق کی "شرح جامع الصحیح لمسلم" بتایا ہے۔

[3] تاریخ التراث ۲۱۲/۱، تاریخ الادب لبروکلمان ۱۸۳/۳۔

[4] ایک مدت سے صحیح مسلم کی شرح مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی بھی لکھ رہے ہیں جس کی اب تک تین جلدیں فتح الملهم کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ غالباً پانچ جلدوں میں تمام ہوگی۔ متن کا حل اکثر و بیشتر شرح مسلم نووی سے ماخوذ ہے اور سند و اختلاف روایات سے متعلق مباحث فتح الباری وغیرہ سے لیے گئے ہیں۔ اختلافی فروعی مسائل میں مقلدین کی عادت کے مطابق اپنے دلائل ان کے جواب الجواب سے تعرض کیے بغیر جمع کر دیے ہیں۔ اس شرح کے لکھنے کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ امام نووی شافعی کی شرح جو صحیح مسلم کے ساتھ طبع ہو کر متداول ہے طلباء حنفیہ کے سامنے نہ رہے۔ تاکہ ان کے ذہن مخالف کی تقریر اور دلائل سے متاثر نہ ہوں۔ شروع میں ایک مطول مقدمہ بھی ملحق ہے جس میں بعض مفید نقول مذکور ہیں۔ [عبیداللہ]
اور شروحات مسلم میں سے ایک شرح مکمل اکمال الاکمال بھی ہے جو کہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف سنوسی نے کی ہے اور اس کے احوال ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔ (عبید اللہ) اس شرح کا ذکر صاحب تاریخ التراث ۲۱۲/۱، اور صاحب تاریخ الادب بروکلمان ۱۸۲/۳ نے کیا ہے۔ بیروت میں وشتانی کی شرح کے ساتھ طبع ہو چکی ہے اور ان مذکورہ شروحات کے علاوہ اور بھی کئی شروح ہیں جن کا ذکر صاحب تاریخ التراث ۲۱۰/۱، ۲۲۱ نے کیا ہے، تفصیل اس میں دیکھ لیں۔ [محقق]
استاذ ابوعبیدہ مشہور حسن آل سلمان نے اپنی کتاب "الامام مسلم بن الحجاج و منهجه فی الصحیح و اثره فی علم الحدیث" میں اس تمام مواد کو بالاستیعاب جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو صحیح مسلم کے بارے لکھا گیا ہے اس تمام کا ماحصل یہ ہے کہ۔
(۱) صحیح مسلم پر اٹھارہ مستخرجات ہیں۔
(۲) صحیحین پر چھ مستخرجات ہیں اور مختصر الاحکام للطوسی کے محقق نے صحیحین پر دس مستخرجات کا ذکر کیا ہے۔
(۳) چھ مستدرکات ہیں۔
(۴) باون کتابیں جمع بین الصحیحین اور ان دونوں کے متعلق اور ان کے غیر کے متعلق کا ذکر ہے۔ ←

(۲) امام ابو عیسیٰ ترمذی ◆۱

امام ترمذی ◆۲ امام صاحب کے ان تلامذہ میں ہیں جن کی عمر کا اکثر حصہ امام صاحب کے فیض تعلیم کا ممنون رہا۔ اسی لیے امام ترمذی امام بخاری کے ساختہ پرداختہ کہے جاتے ہیں۔ بعض محدثین نے امام بخاری کا ان کو خلیفہ بھی لکھا ہے۔ ◆۳

امام ترمذی کی وسعت نظر، کثرت اطلاع، دقت فہم، سیلان ذہن محتاج بیان نہیں جس نے جامع ترمذی اہل فن

← (۵) سولہ مختصرات ہیں۔
(۶) سات کتب ایسی ہیں جن میں صحیحین یا صرف صحیح مسلم پر نقد اور اس کا جواب ہے۔
(۷) پندرہ کتابیں ایسی ہیں جن میں ایسی احادیث اور مسائل یا اصطلاحی تحقیقات ہیں جن کے ساتھ صحیح مسلم کا خاص تعلق ہے۔
(۸) تیئیس ایسی کتابیں ہیں جن میں صحیح مسلم یا اس کے ساتھ شریک دوسری کتب کے رجال کا ذکر ہے۔
(۹) اکہتر کتب کا تعلق صحیح مسلم کی شروحات یا اس کی شروحات کے اختصار سے ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے بارے میں جو کچھ دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھا گیا ہے اس پورے کا مکمل طور پر احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم صحیح مسلم کے متعلق اتنی بڑی تعداد میں کتب کا ہونا کہ کوئی شرح کر رہا ہے کوئی تحقیق کر رہا ہے کوئی تخریج کر رہا ہے کوئی مختصر، کوئی کچھ کوئی کچھ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح مسلم کی مسلمانوں کے دلوں میں انتہائی اہمیت اور بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے۔

◆۱ امام ترمذی کے تعارف کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیجیے: کتاب الثقات لابن حبان ۹/۱۵۳، الفهرست لابن ندیم ص ۳۲۵، الارشاد للخلیلی ۳/۹۰۴، الانساب ۲/۳۶۱ "البوغی" و ۳/۴۲ "الترمذی"، معجم البلدان ۱/۵۱۰ و ۲/۲۷، الکامل فی التاریخ ۷/۴۶۰، اللباب ۱/۱۸۷ او ۲۱۳، التقیید لابن نقطة ۱/۹۲. ۹۳، وفیات الاعیان ۴/۲۷۸، تهذیب التهذیب ۹/۳۸۷، تهذیب الکمال ۲۶/۲۵۰، طبقات علماء الحدیث ۲/۳۳۸، تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۳۳، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۰، العبر ۱/۴۰۲، الکاشف ۳/۷۷، میزان الاعتدال ۳/۶۷۸، الوافی بالوفیات ۴/۲۹۴، نکت الهمیان ص ۲۶۴، البدایة والنهایة ۱۱/۶۶، التقریب ص ۸۸۶، النجوم الزاهرة ۳/۸۱، طبقات الحفاظ ۲۷۸، الخلاصة ۳۵۵ اور شذرات الذهب ۲/۱۷۴۔

نیز دیکھیے: فضل کتاب الجامع لابی عیسی الترمذی تالیف ابی القاسم اسعردی، مقدمة تحفة الاحوذی ۱/۳۳۷، الامام الترمذی والموازنة بین جامعه و بین الصحیحین تالیف دکتور نور الدین عتر اور مقدمة جامع ترمذی لاحمد شاکر مصری رحمه الله۔

◆۲ مقدمة تحفة الاحوذی کے الباب الثانی میں امام ترمذی اور ان کی جامع کے متعلق ایک طویل، مفصل اور علمی بحث ہے۔ (عبیداللہ)

◆۳ شاہ عبدالعزیز دھلوی نے بستان المحدثین ص ۱۰۹ میں کہا ہے کہ امام ترمذی کو محدثین نے امام بخاری کا خلیفہ کہا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم سے نقل کیا ہے کہ میں نے عمر بن علک سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ امام بخاری فوت ہوئے تو انھوں نے خراسان میں علم و حفظ اور ورع (تقویٰ) اور زھد میں ابو عیسیٰ ترمذی جیسا کوئی شخص اپنے پیچھے نہیں چھوڑا۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۳۴۔ (المحقق)

سے پڑھی ہے، وہ مذکورہ بالا اوصاف کا اندازہ کر سکتا ہے۔ جامع ترمذی کے مطالعہ سے محدثین کی بے تعصبی اور ان کے دائرہ علمی کی وسعت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین مسائل فقہیہ میں آئمہ اسلام کے مذاہب اور ان کے راویوں سے کس قدر آگاہ تھے اور ان کے ماخذ استدلال سے کس قدر واقفیت رکھتے تھے۔ امام ترمذی کا بعد روایت حدیث: "و به اخذ فلان" طالب حدیث کے لیے کتنا تسکین بخش ہے۔

امام ترمذی کا سن ولادت ۲۰۹ ہجری ہے۔ [1] محمد نام، ابو عیسیٰ کنیت سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی الضریر البوغی [2] الترمذی۔ امام ترمذی کے دادا مروزی الاصل ہیں۔ کسی وجہ سے ترمذ میں آباد ہو گئے تھے۔ سورہ آپ کے دادا کا نام ہے۔ امام ترمذی کا سلسلۂ نسب بنی سلیم سے جا ملتا ہے جو بنی غیلان کی ایک شاخ ہے۔ عیسیٰ امام ترمذی کے والد کا نام بھی ہے اور امام ترمذی کی کنیت بھی ابو عیسیٰ ہے۔ امام ترمذی کا سلسلہ شیوخ نہایت وسیع ہے۔ امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، محمد بن بشار، یہ لوگ امام ترمذی کے شیوخ میں بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ امام ترمذی کی فقاہت اور تبحر کا اندازہ جامع ترمذی کے تراجم ابواب سے کیا جا سکتا ہے۔ سفر طالب علمی اور نشر علوم کا میدان نہایت وسیع ہے۔ بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان، حجاز یہ سب امام ترمذی کے سفر کی جولان گاہ ہیں۔

تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ غلبہ خوف خدا سے بہت روتے۔ کثرت بکا کی وجہ سے آنکھیں جاتی رہیں۔ دوسرے مؤرخین اس بیان سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مادرزاد اندھے تھے۔ [3] ۲۷۹ ہجری میں وفات پائی۔

امام ترمذی کی تصنیفات میں جامع ترمذی، کتاب العلل، شمائل ترمذی مشہور ہیں اور ہر جگہ شائع ہیں۔ جامع ترمذی کی شہرت اور گیارہ سو برس سے درس میں داخل ہونا اس کے حسن قبول کے لیے کافی دلیل ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ جامع ترمذی کو تفصیل مذاہب مجتہدین و بیان مذاہب صحابہ و تابعین، تنقید رجال، اظہار علل احادیث و تصحیح و تضعیف و

---

[1] پاکستان میں ۱۹۶۸م کو جو نسخہ طبع ہوا اس میں امام ترمذی کی ولادت ۲۰۶ھ لکھی ہوئی ہے لیکن ہندوستان میں ۱۹۸۶م کو جو طبع ہوا اس میں ۲۰۹ھ لکھا ہے اور یہی درستی کے زیادہ قریب ہے۔ ان کے سوانح حیات لکھنے والوں نے ان کی تاریخ ولادت کی حد بندی نہیں کی لیکن امام ذہبی نے کہا ہے: ان کی ۲۱۰ھ کی حدود میں ولادت ہوئی ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۲۷۱/۱۳ اور میزان میں کہا ہے کہ ترمذ شہر میں ۲۷۹ھ کے مطابق رجب میں فوت ہوئے اور ستر سال کی عمر پانے والوں سے تھے ۶۷۸/۳۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی ولادت ۲۰۹ھ میں تھی (واللہ اعلم) علامہ احمد شاکر وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

[2] بوغی بوغ کی طرف نسبت ہے۔ بوغ کی با پر ضمہ، واؤ ساکن اور آخر میں غین نقطہ والی ہے۔ یہ ترمذ شہر کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور ترمذ سے چھ فرسخ پر واقع ہے۔ آپ اس بستی میں رہائش رکھنے والوں میں سے تھے یا وفات کے وقت تک اس بستی میں ٹھہرے تھے۔ الانساب ۳۶۱/۲۔ ۳۶۲۔

[3] امام ذہبی کا کہنا ہے کہ درست بات یہ ہے کہ وہ بڑھاپے میں علمی سفر اور کتابت علم کے بعد نابینا ہو گئے تھے۔ سیر الاعلام النبلاء ۲۷۰/۱۳۔

تحسین احادیث کے اعتبار سے خصوصیت خاص حاصل ہے جو کسی کتاب میں نہیں۔ جامع ترمذی کی مدح کے لیے محدثین کا یہ مشہور جملہ کافی ہے: "کاف للمجتھد مغن للمقلد"۔ [1]

متقدمین نے جامع ترمذی کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور ان قصائد میں ان خصوصیات کا (جو اس کتاب کو حاصل ہیں) مفصل تذکرہ کیا ہے۔ علامہ قسطلانی اور ایک دوسرے محدث کے قصیدوں کو علامہ علی بن سلیمان بجمعوی نے اپنی تعلیقات کے مقدمہ میں نقل کیا ہے۔ علامہ قسطلانی کے قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے ؎

فان الترمذی لقد تصدی لعلم الشرع مغن للعلوم

امام ترمذی نے علم شرع کے لیے کمر باندھی جو تمام علوم سے مستغنی کر دیتا ہے۔

ایک دوسرے محدث کے قصیدہ کا انتخاب مطبوعہ ترمذی کے لوح پر ہے جس کو علامہ بجمعوی دمنتی مالکی نے مکمل نقل کیا ہے۔ امام ترمذی کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کو تالیف کر کے علمائے حجاز، عراق، خراسان کے آگے پیش کیا۔ سب نے پسند کیا۔ [2] لیکن یہ بات بھی ظاہر کر دینی ضروری ہے کہ امام ترمذی تحسین احادیث میں متساہل ہیں۔ اسی واسطے ان کی نسبت محدثین کا یہ جملہ مشہور ہے۔ "لا یُغترُّ بتحسین الترمذی". [3] یعنی امام ترمذی کی تحسین حدیث سے دھوکا نہ کھاؤ۔ صحاح ستہ میں جامع ترمذی کا مرتبہ صحیحین کے بعد ضرور تسلیم کیا گیا ہے اور اس پر محدثین کا اتفاق ہے:

ترمذی گر چہ بود رہرو سالار حدیث در فضیلت ز صحیحین مؤخر گیرند [4]

لیکن سنن دارمی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی جامع ترمذی میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت قائم کرنی بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے حکم گنجوی کا یہ شعر کافی ہے: ؎

گہر خر چہار اند وگوہر چہار
فروشندہ را با فضولی چہ کار

---

[1] حجة الله البالغة ۱/۳۴۳، طبعه دار المعرفة، الحطة ص ۳۷۳ تحقیق علی حسن حلبی، مقدمة تحفة الاحوذی ۱۷۶ طبعة هند۔

[2] تذکرة الحفاظ ۲/۶۳۴، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۴، تهذیب التهذیب ۹/۳۸۹

[3] امام ذہبی نے میزان الاعتدال ۲/۳۵۴ میں کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف بن زید کے ترجمہ میں علماء کے اس کے بارے میں اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے: امام ترمذی نے اس کی حدیث کی روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے اسی لیے علماء امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔
اور یحیٰی بن یمان کے ترجمہ میں کہا ہے: بے شک امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے حالانکہ اس کی سند میں تین ضعیف راوی ہیں تو امام ترمذی کی تحسین کے ساتھ دھوکہ نہ کھایا جائے۔ میزان الاعتدال ۳/۴۰۷۔
اور محمد بن حسن کے ترجمہ میں کہا ہے کہ امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن قرار دے کر اچھا نہیں کیا۔ میزان الاعتدال ۳/۴۲۔
[محقق]

[4] امام ترمذی اگر چہ حدیث کے راہرو اور سالار ہیں لیکن ان کی کتاب ترمذی فضیلت میں بہر حال صحیحین کے بعد ہیں۔

امام ترمذی کا قول ہے کہ جامع ترمذی کی کل حدیثیں معمول بہا ہیں۔سوائے دو حدیثوں کے، [۱] ایک ابن عباسؓ کی حدیث" الجمع بين الصلوتين بلا عذر "اوردوسری "اذا شرب الخمر فاجلدوه و فى الرابعة فاقتلوه". [۲]

امام ترمذی کی کتاب" العلل" اپنے باب میں بے مثل کتاب ہے۔فن حدیث کے طالبین کے لیے اس کا حفظ ضروریات میں سے ہے۔زیادہ تر حصہ اس کا امام بخاری سے استفادہ کیا گیا ہے جس کو خود امام ترمذی نے لکھا ہے۔ [۳]

کتاب "الشمائل المحمدية" للامام الترمذی

شمائل الترمذی جناب رسول اللہ ﷺ کے نشست و برخاست، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلام، کلام، لباس کی وضع قطع، کنگھی کرنے، موزے پہننے اور لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور عام اخلاق کی حدیثوں کی جامع کتاب ہے۔عاشقان سیرت نبوی کے لیے یہ کتاب گنجینہ مراد ہے۔مسلمانوں کا تو فرض ہے کہ اپنے اخلاق، عادات، لباس، نشست، برخاست، کھانے پینے، سلام کلام میں رسول اللہ ﷺ کا اپنے کو ہم رنگ بنائیں جس سے موجودہ نکبت دور ہو اور دنیا اخلاق محمدی کا نمونہ دیکھ کر گرویدۂ اسلام ہو جائے۔

---

[۱] امام ترمذی کے اس دعویٰ سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔تفصیل تحفة الاحوذی کے آخر میں "شفاء الغلل شرح كتاب العلل" میں ملاحظہ کیجیے۔[عبیداللہ]

[۲] جامع ترمذی ۱۰/۴۶۱۔

[۳] امام ترمذی نے کہا ہے کہ: میری کتاب (جامع ترمذی) میں جو احادیث کی علتیں، رواۃ پر جرح و تعدیل اور راویوں کی تاریخ بیان ہوئی ہیں تو یہ میں نے امام بخاری کی کتاب التاریخ سے استنباط کی ہیں اور زیادہ تر میں نے امام بخاری سے سوال و جواب کی صورت میں اخذ کی اور سیکھی ہیں اور کچھ امام دارمی اور ابوزرعہ سے اخذ کی ہیں۔العلل للترمذی ۱۰/۴۶۶۔۴۶۷۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ امام ترمذی امام بخاری کے شاگرد اور ان کا زیادہ تر اعتماد انہیں پر رہا ہے، مقدمة فتح البارى ۴۹۲ [محقق]

پھر امام ترمذی کی علل کے بارے میں دو کتابیں ہیں ایک علل صغیر ہے اور یہ ان کی جامع کے آخر میں مطبوع ہے۔

اور حافظ ابن رجب متوفی ۷۹۵ھ نے اس کی عظیم شرح لکھی ہے جو کہ مطبوع اور مشہور ہے جیسا کہ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے جو تحفة الاحوذی کے آخر میں مطبوع ہے۔(اس کا نام شفاء الغلل ہے) اس میں مصطلح الحديث اور علم الجرح و التعديل کے متعلقات کے بارے میں اچھے مباحث ہیں۔

تنبیہ: ان تعلیقات کے مترجم نے بھی علل کی ایک شرح لکھی ہے جو کہ عربی میں ہے (يسر الله طبعه)

اور دوسری علل کبیر ہے اس میں ان احادیث کی علل کا ذکر ہے جو اس میں ہیں۔ان کا اکثر حصہ امام بخاری رحمہ اللہ سے ماخوذ ہے اور فقیہہ ابو طالب قاضی متوفی ۵۸۵ھ نے اس کو جامع ترمذی کے ابواب پر ہی ترتیب دے دیا ہے، اور اس کے آخر میں راویوں کے ذکر میں ایک جامع باب بھی ہے اس کی استاذ حمزہ دیب مصطفیٰ نے جامع ام القری مکہ مکرمہ سے ایم اے کے دوران میں تحقیق کی ہے جو کہ عمان میں مکتبۃ الاقصیٰ کی جانب سے بتاریخ ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء کو طبع ہوئی ہے۔

کتاب الشمائل کی مدح میں علامہ جزری صاحب حصن حصین [1] کے یہ دو شعر نہایت جامع ہیں:

اَخِلَّایَ اِنْ شَطَّ الحبیبُ و ربعُه
وعَزَّ تلاقِیْه و نَأَتْ منازِلُه
فِاِنْ فاتکم اَن تبصروہ بعینه
فما فاتکم بالسمع هذی شمائله [2]

میرے دوستو اگر محبوب اور اس کا مکان تم سے دور ہو گیا اور ملاقات مشکل ہو گئی اور اگر آنکھ کی ملاقات نصیب نہیں تو اس کے اخلاق وشمائل کا سننا نہیں گیا۔

جامع ترمذی اور شمائل ترمذی کی شروح کی مختصر فہرست

۱۔ عارضة الاحوذی فی شرح الجامع للترمذی: [3]

حافظ ابوبکر محمد بن عبدالله الاشبیلی المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۶ھ۔
اس کا کامل نسخہ قلمی عتیق مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ قلمی علامہ شیخ رفیع الدین صاحب بہاری کے کتب خانہ میں موجود ہے اور مصر میں طبع بھی ہو چکی ہے لیکن نہایت غلط۔

۲۔ شرح الجامع للترمذی: [4]

---

[1] جزری رحمہ اللہ شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری شافعی متوفی ۸۳۳ھ ہیں اور ان کی کتاب "الحصن الحصین من کلام سید المرسلین" احادیث وآثار میں وارد ہونے والی دعاؤں، اورادواذکار کی جامع کتب میں سے ہے۔ البدر الطالع ۲/۲۵۷، کشف الظنون ۱/۶۶۹، معجم المؤلفین ۱۱/۲۹۱۔

[2] الحطة ۲۹۲ (ص ۴۵۶ بتحقیق علی حسن حلبی)۔

[3] کشف الظنون ۱/۳۷۵، الحطة ۲۴۲، مقدمة تحفة الاحوذی ۱/۳۶۹، تاریخ التراث ۱/۲۴۳، شذرات الذهب ۴/۱۴۲، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۰، الاعلام ۷/۱۵۶، معجم المؤلفین ۱۰/۲۴۲ اور ابن العربی کی تاریخ وفات ۵۴۳ھ بھی بتائی گئی ہے۔[محقق]
اور بھی اقوال ہیں لیکن امام ذہبی فرماتے ہیں کہ صحیح ۵۴۳ھ ہی ہے، تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۲۹۷ اور سیر اعلام النبلاء ۲۰/۲۰۳۔

[4] الدرر الکامنة ۴/۲۰۹ طبقات الحفاظ للسیوطی ص ۵۲۰، شذرات الذهب ۶/۱۰۸۔ شذرات میں ہے کہ ابن سید الناس نے کتاب الترمذی کے کتاب الصلوۃ تک دو جلدوں میں شرح لکھی ہے اور البدر الطالع ۲/۲۵۰ میں ہے کہ اوائل صلوۃ تک ایک جلد میں لکھی ہے۔ میں نے ان کے اپنے اچھے خط سے لکھی ہوئی دیکھی ہے......الخ۔ یہ امام شوکانی کا قول ہے۔ انھوں نے اس شرح میں امام ترمذی کے قول وفی الباب عن فلان و فلان ......الخ کی احادیث کی تخریج بھی کی ہے۔ کشف الظنون ۱/۳۷۵، الحطة ۲۴۳، تاریخ التراث ۱/۲۴۳، شذرات الذهب ۶/۱۰۸، مقدمة تحفة الاحوذی ۱/۳۷۱، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۰، الاعلام ۷/۲۶۳ اور اس شرح کا نام النفح الشذی ہے۔ معجم المؤلفین ۱۱/۲۶۹، ۲۷۰۔

حافظ ابو الفتح محمد بن محمد ابن سید الناس الیعمری الشافعی المتوفی ۷۳۴ھ۔

دس جلدوں میں صرف دو ثلث تک پہنچی ہے۔ لائق مؤلف نے اتنی مہلت نہ پائی کہ اس شرح کو خاتمہ تک پہنچائیں۔ اس تطویل کی وجہ یہ ہے کہ فن حدیث تک ہی اس کا دائرہ محدود نہیں رکھا گیا۔ دوسرے فنون بھی شامل کردیئے گئے۔ علامہ چلپی لکھتے ہیں "لو اقتصر علی فن الحدیث لکان تماما"۔ [1] تاہم خدا کا شکر ہے کہ ایک دوسرے باہمت نے بقیہ کی تکمیل کردی۔ وہ حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین العراقی صاحب الالفیہ المتوفی ۸۰۶ھ ہیں۔ [2] کامل نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۴۔شرح الجامع للترمذی : [3]

زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن نقیب [4] الحنبلی

---

[1] کشف الظنون ۱/۵۵۹ طبع دار الفکر اور کشف کا یہ بیان حافظ ابن حجر کی الدرر الکامنہ سے ماخوذ ہے اور کشف میں کتاب کی دو تہائی کا ذکر ہے اور حافظ ابن حجر اور شوکانی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتاب کا ایک تہائی ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] البدر الطالع ۲/۲۵۰، کشف الظنون ۱/۳۷۵، مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ۱/۳۷۲ اور تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۱۔ صاحب تاریخ التراث کا کہنا ہے کہ یہ بات راجح ہے کہ انہوں نے دو شرحیں لکھی ہیں۔ پہلی شرح ابن سید الناس کی شرح کا تکملہ ہے اور دوسری شرح چند جلدوں میں ہے اور اس کا نام شرح سنن الترمذی ہے۔ دیکھیے: تاریخ التراث ۱/۲۴۴۔ (المحقق)
اور اصل میں ان کی تاریخ وفات ۸۴۰ھ لکھی گئی ہے اور بظاہر یہ غلط معلوم ہوتا ہے اور یہ طبع کی غلطی ہے اور امام شوکانی نے کہا ہے کہ: جب میں نے زین الدین عراقی کی ترمذی کی شرح کا جزء دیکھا تو اس نے مجھے حیران کردیا اور میں نے اس کو ابن سید الناس کی شرح پر کئی درجہ فائق پایا۔ البدر الطالع ۲/۲۵۱۔

[3] کشف الظنون ۱/۳۷۵، الحطۃ ۲۴۳۔

[4] (ابن النقیب) کشف الظنون ۱/۵۵۹ طبع دار المعرفہ میں اسی طرح ہے اور کشف ہی سے حطہ ص ۲۴۳ میں نقل کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ "ابن رجب" سے محرف ہے اور بعض ان مصادر میں جن پر صاحب کشف نے اعتماد کیا ہے اسی طرح تھا تو صاحب کشف کو وہم ہوگیا کہ یہ دو شارح ہیں یعنی ابن نقیب اور ابن رجب تو انھوں نے ان کے درمیان فرق کردیا اور دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ترمذی کی شرح کا ذکر کیا یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی تاریخ وفات کی حد بندی نہیں کرسکے حالانکہ ابن رجب کی تاریخ وفات معروف ہے اور صاحب کشف نے خود ایک سطر بعد لکھی بھی ہے اور وہ ۷۹۵ھ ہے۔
پھر عمر رضا کحالہ نے اپنی معجم المولفین کی فہرست میں ابن النقیب کے نام سے معروف کئی مؤلفین کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے کسی کا نام عبدالرحمٰن بن احمد ذکر نہیں کیا اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ فتنہ کے دور میں جس کی ترمذی کی شرح جل گئی تھی وہ ابن رجب ہی ہیں ابن نقیب نہیں۔ ابن رجب کی شرح ترمذی سے صرف شرح العلل للترمذی ہی باقی بچی تھی۔
ابن عبدالھادی نے اپنی کتاب "الجوھر المنضد فی طبقات اصحاب احمد" کے ص ۴۹ پر ابن رجب کے حالات میں فرمایا ہے کہ فتنہ میں ان کی ترمذی کی شرح کا غالب حصہ جل گیا تھا۔
اور حافظ ابن حجر نے ابن رجب کے تعارف میں فرمایا ہے کہ انھوں نے ترمذی کی بہت اچھی شرح لکھی تھی جس کے دس دفتر ←

بیس جلدوں میں تمام کو پہنچی لیکن کسی فتنہ میں جل گئی۔

۴۔العَرْفُ الشَّذِی علی جامع الترمذی :[1]

سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی الشافعی المتوفی ۸۰۵ھ۔
صرف ایک ٹکڑے کی شرح لکھی گئی اور تکمیل کو نہ پہنچی۔

۵۔شرح الزوائد للترمذی :[2]

علامہ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ۔
جامع ترمذی کی ان حدیثوں کی شرح ہے جو صحیحین اور سنن ابوداؤد سے زائد ہیں۔

۶۔اللب اللباب فیما یقول الترمذی" و فی الباب" :[3]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ۔
ایک جلد میں ہے اور مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔نہایت قابل قدر کتاب ہے مسائل فقہیہ میں۔

۷۔قوت المغتذی علی جامع الترمذی :[4]

← تھے اور بعض نسخوں میں بیس کا ذکر ہے۔ انباء الغمر ۱۷۶/۳۔
مزید دیکھیے: الدرر الکامنة ۳۲۲/۲ ، شذرات الذهب ۳۳۹/۶، البدر الطالع ۳۲۸/۱ ، الحطة ۳۷۷ ، بتحقیق حلبی۔
اور بعض نسخوں میں بیس کا ذکر ہے۔ انباء الغمر ۱۷۶/۳۔

[1] کشف الظنون ۳۷۵/۱، معجم المؤلفین ۲۸۴/۷۔

[2] الضوء اللامع ۱۰۲/۶ ، البدر الطالع ۵۰۹/۱ ،کشف الظنون ۳۷۵/۱، الحطة ۲۴۳ اور مقدمة تحفة الاحوذی ۳۷۴/۱، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح اور اس سے پہلے ذکر کی گئی ایک ہی ہیں اور صاحب کشف الظنون نے ان دنوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

[3] نظم العقیان ص ۴۶ میں اس کا نام: "اللباب فی شرح قول الترمذی :وفی الباب" بتایا ہے۔ مقدمة تحفة الاحوذی میں بھی اسی طرح ہے ۳۷۸/۱۔
"ابن حجر العسقلانی ودراسة مصنفاته" کے مصنف نے اس کا نام " العجاب فی تخریج مایقول فیه الترمذی و فی الباب" بتایا ہے۔ دیکھیں: ص ۳۹۵۔
اور حافظ ابن حجر نے بھی ترمذی کی شرح لکھنا شروع کی تھی لیکن وہ مکمل نہیں ہو سکی دیکھیے: "نظم العقیان ص ۳۶ ، "ابن حجر العسقلانی و دراسة مصنفاته" ص ۳۲۷۔ نیز مقدمة تحفة الاحوذی ۳۷۸/۱ اور عنقریب مصنف بھی اس کا ذکر کریں گے۔
دیکھیے : نمبر ۱۰ من شروح الترمذی۔

[4] کشف الظنون ۳۷۵/۱، الحطة ۲۴۳، تاریخ التراث ۲۴۴/۱ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۱۹۱/۳۔

علامۃ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ۔ [1]

امام ترمذی جن حدیثوں کے متعلق بلفظ ''وفی الباب عن فلان''فرمایا کرتے ہیں، ان کو بالتفصیل مع جرح و تعدیل کے بتایا ہے۔

۸۔نفع قوت المغتذی : [2]

علامۃ سید علی بن سلیمان الدمنتی البجمعوی المغربی المالکی الشاذ لی المتوفی ۱۲۹۸ھ۔

مطبوعہ ترمذی کے حاشیہ پر چڑھادی گئی ہے لیکن ملخص موصوف نے علامہ جلال الدین سیوطی کی شرح سے ایسی تلخیص کی کہ اصل کتاب کا نفع جاتا رہا اور نفع قوت المغتذی لفظ بے معنی رہا۔

۹۔شرح الجامع للترمذی : [3]

حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی المتوفی ۷۹۵ھ۔

کوئی مفصل کیفیت معلوم نہ ہوسکی۔ [4]

۱۰۔شرح الجامع للترمذی :

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ۔

اس کا حوالہ شیخ الاسلام نے فتح الباری میں دیا ہے۔ [5]

---

[1] اس کا مفصل حال معلوم نہ ہوسکا [مؤلف] یہ کتاب ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوئی ہے۔ [محقق] جیسا کہ صاحب تاریخ التراث العربی ۱/۲۴۴ اور ان سے پہلے بروکلمان نے تاریخ الادب العربی ۳/۱۹۱ میں ذکر کیا ہے۔

[2] تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/۱۹۱ ، تاریخ التراث ۱/۲۴۴ اور ان کی تاریخ وفات ۱۳۰۶ھ بتائی ہے اور یہ قاہرہ میں ۱۲۹۸ھ اور دہلی میں ۱۳۴۲ھ میں طبع ہوئی، الاعلام ۵/۱۰۴ اور معجم المؤلفین ۷/۱۰۳۔

[3] کشف الظنون ۱/۵۷۵، الحطۃ ۲۴۳ ، تاریخ التراث ۱/۲۴۴ ، معجم المؤلفین ۵/۱۱۸ اور الاعلام ۳/۶۷۔

[4] ابن عبدالھادی کا یہ قول ابھی گزرا ہے کہ ابن رجب کی کتاب بعض فتنوں میں جل گئی تھی اور ظاہر یہی ہے کہ اس سے ان کی شرح العلل ہی باقی بچی تھی۔

اور استاذ سزگین نے اس کتاب کے دو نسخوں کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: تاریخ التراث ۱/۲۴۴۔ اور شرح العلل کے تذکرہ میں بھی ان دو نسخوں کے وجود کا پتہ دیا ہے۔ دیکھیے: تاریخ التراث ۱/۲۵۱۔ واللہ اعلم۔

[5] حافظ ابن حجر نے اپنی اس شرح ترمذی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ ''آپ نے ایک قوم کی جگہ پر کھڑے ہوکر پیشاب کیا'' کی شرح میں فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع کسی حدیث میں نہیں آیا جیسا کہ میں نے شرح ترمذی کے اوائل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ فتح الباری ۱/۳۳۰۔ اور ترمذی کی شروحات میں سے صاحب مجمع البحار علامہ محمد طاہر پٹنی کی شرح بھی ہے۔

۱۱۔شرح الجامع للترمذی : [1]

شیخ ابوالحسن بن عبدالهادی السندی المدنی المتوفی ۱۱۳۹ھ۔

ایک لطیف شرح ہے۔مؤلف نے حرم محترم میں تالیف کی ،تقریباً چالیس اجزاء میں ہے۔

۱۲۔شرح الجامع للترمذی : [2]

علامۃ ابو الطیب(محمد بن الطیب)السندی المدنی المتوفی ۱۱۰۹ھ۔

یہ شرح عربی میں" وقولہ" کے طریقہ پر ہے۔طبع ہو چکی ہے۔ [3]

۱۳۔شرح الجامع للترمذی : [4]

علامۃ سراج احمد سرهندی ۔یہ شرح فارسی میں ہےاور طبع ہو چکی ہے۔ [5]

۱۴۔مختصر الجامع للترمذی : [6]

العلامۃ محمدبن عقیل البالسی [7] الشافعی المتوفی ۷۲۹ھ۔

اس کے بارے میں تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

۱۵۔جائزۃ الشعوذی : [8]

العلامۃ بدیع الزمان المتوفی ۱۳۱۰ھ۔جامع ترمذی کا اردو میں مطلب خیز ترجمہ ہے۔

۱٦۔مختصر الجامع للترمذی : [9]

---

[1] کشف الظنون ۱/۳۷۵ اور الحطۃ ۲۴۳۔

[2] تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/۱۹۱، تاریخ التراث ۱/۲۴۴ اور قوسین میں جو(محمد بن طیب) ہے یہ تاریخ التراث ہی سے ہے، اور یہ بھی ہے کہ وہ ۱۲۹٦ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳٦۳ھ میں فوت ہوئے۔واللہ اعلم۔

[3] اس کا ایک جزء شائع ہوا ہے۔[عبیداللہ]

[4] تاریخ التراث ۱/۲۴۴، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۱۔

[5] اس کا صرف ایک جزء طبع ہوا ہے۔[عبیداللہ] ہندوستان کے شہر کانپور میں ۱۲۹۹ھ کو طبع ہوئی جیسا کہ تاریخ التراث ۱/۲۴۴ میں ہے۔

[6] طبقات السبکی ۹/۲۵۲ ، الدرر الکامنۃ ۴/۵۰، کشف الظنون ۱/۳۸٦،الحطۃ ۲۴۳، مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ۱/۳۸۵، تاریخ التراث ۱/۲۴۵، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۱۔

[7] یہ بالس کی طرف نسبت ہے اور بالس رقہ اور حلب کے درمیان ایک شہر ہے۔[مؤلف]

[8] نزھۃ الخواطر ۸/۹۹۔۱۰۰۔ اس میں ان کی تاریخ وفات ۱۳۰۴ھ مذکور ہے نیز انھوں نے بتایا ہے کہ بدیع الزمان سید نذیر حسین محدث دھلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور تقلید شخصی کا رد کرنے والے مشہور علماء میں سے تھے۔

[9] کشف الظنون ۱/۳۷٦، الحطۃ ۲۴۳، مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ۱/۳۸۵ ، تاریخ التراث ۱/۲۴۴۔ اس میں ان کی تاریخ وفات ۷۱٦ھ بتائی ہے۔[محقق] اسی طرح ابن رجب نے ذیل طبقات الحنابلۃ جلد ۲ ص ۳٦۹ اور ابن مفلح نے المقصد ←

علامۃ نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الطوفی الصرصری الحنبلی المتوفی ۷۱۰ھ۔
الحافظ خلیل بن کیکلدی ❶ العلائی نے اسی مختصر سے سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے جو جامع ترمذی میں بسند عالی مروی ہیں۔ ❷

۱۷۔ هدیة اللوذعی بنکات الترمذی :

علامه ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی الدیانوی المتوفی ۱۳۲۹ھ۔ ❸
ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچی۔ اس شرح میں علاوہ متن کے اسانید کے متعلق بڑی بڑی نفیس تحقیقات لکھی گئی ہیں۔ ❹

← الارشاد ۴۲۶/۱ میں ذکر کیا ہے۔ ابن رجب نے اتنا اور بتایا ہے کہ یہ نجم الدین حنبلی ہونے کے باوجود شیعی تھے جو اھل السنۃ کے عقیدہ سے منحرف ہوگئے تھے، حتی کہ انھوں نے خود اپنے بارے کہا ہے کہ میں حنبلی، رافضی اور اشعری ہوں۔ یہ بھی ایک بڑی عبرت ہے۔ ذیل الطبقات ۳۶۸/۲۔

❶ وہ صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ العلائی الشافعی ہیں۔ دمشق میں ۶۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور قدس میں محرم ۷۶۱ھ کو وفات پائی. شذرات الذهب ۱۹۰/۶، ۱۹۱، الاعلام ۳۶۹/۲، ۳۷۰، معجم المؤلفین ۱۲۶/۴۔ (المحقق)

❷ کشف الظنون ۳۷۶/۱، مقدمة تحفة الاحوذی ۳۸۵/۱۔

❸ افسوس کہ علامہ موصوف اپنی زندگی میں اس شرح کو پورا نہ کر سکے۔ [عبیداللہ]

❹ بقول حافظ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ ان کے زمانہ تک جامع ترمذی کی کوئی کامل شرح نہیں لکھی گئی تھی اور غیر مکمل شروح کی یہ حالت ہے کہ سب کی سب ناپید ہیں۔ خود علامہ سیوطی کی قوت المغتذی کے وجود کا پتہ نہیں۔ ① سیوطی کے بعد جو شرحیں لکھی گئیں (مثلاً ابو الطیب سندھی ۱۱۰۹ھ سراج احمد سرہندی وابوالحسن بن عبدالھادی سندھی ۱۱۳۹ھ ومحمد طاہر پٹنی (۹۸۶ھ کی شروحات)۔ ان میں سے علامہ محمد طاہر پٹنی کی شرح ناپید اور علامہ ابوالطیب سندھی اور علامہ سراج احمد سرہندی کی شرحوں کا صرف کچھ حصہ طبع ہوا ہے اور شرح ابن عبد الھادی اگرچہ پوری طبع ہوگئی ہے مگر بالکل تشنہ وناکافی ہے۔
ابن العربی المتوفی (۵۴۶ھ) کی شرح عارضة الاحوذی گو بہت ضخیم اور مبسوط شرح ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے کتاب کے حل طلب مقامات اور محتاج شرح وایضاح عبارات سے کم تعرض کیا ہے اور بعض اہم امور کو جن کا لحاظ شرح میں ضروری تھا بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور فقہی مباحث کو کچھ زیادہ طول دے دیا ہے۔ اس لیے اہل علم صدیوں سے ایسی شرح کے محتاج تھے جو نہ بہت طویل ہو نہ بالکل مختصر۔ ساتھ ہی غیر ضروری مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے اس میں نفسِ کتاب کی توضیح وتشریح کا پورا اہتمام والتزام کیا گیا ہو۔ ←

---

① قوت المغتذی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور استاذ سزگین نے اس کے تین نسخوں کا وجود بتایا ہے نیز یہ کہ یہ شرح ہندوستان کے شہر کانپور میں ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوئی ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ تاریخ کس حد تک صحیح ہے کیوں کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان میں یہ کتاب اس تاریخ کو طبع ہوئی ہو اور مؤلف کو اس کا علم نہ ہو اور نہ ہی ان کے بیٹے کو اس کا پتہ چلا ہو حالانکہ وہ ہندوستان میں ان کبار علماء میں سے تھے جو اس فن تعارف کتب میں انتہائی حد تک دل چسپی رکھتے تھے اور اس وقت ہندوستان میں بہت قلیل تعداد میں کتب چھپتی تھیں حالانکہ ان باپ بیٹے کو اس کی 'مختصر نفع قوت المغتذی' کے طبع ہونے کی پوری پوری خبر تھی جو کہ جامع ترمذی کے حاشیے پر طبع ہے۔ واللہ اعلم۔

← الحمدللہ کہ علما کی یہ دیرینہ قلبی تمنا پوری ہوگئی ہے۔ ارباب علم وفضل کو جس قسم کی شرح ترمذی کا مدتوں سے انتظار واشتیاق تھا اس کی پہلی جلد ۱۳۴۶ھ میں **تحفة الاحوذی** کے نام سے طبع ہوکر منصۂ شہود پر آگئی ہے۔ اس کے بعد چند برسوں میں اس کی بقیہ تین جلدیں بھی شائع ہوکر بہت تھوڑی مدت میں دنیائے اسلام میں پھیل گئیں۔ علمائے عرب وعجم نے غیر معمولی طور پر اس کو پسندیدگی اور قبولیت کی نظر سے دیکھا۔ اس کے متعلق یہ کہنا بالکل درست ہے: **ھواعز شرح الجامع الترمذی ظھر علی وجه الارض لم تر العیون مثله**"۔

حضرت مؤلف علامہ ابو العلی عبدالرحمٰن مبارک پوری **نور الله مرقده وبرد مضجعه** نے اس مبارک شرح میں جن مفید اور ضروری امور کا التزام اور لحاظ کیا ہے ان کا مجموعہ کسی دوسری شرح میں نہیں مل سکے گا۔ ان امور کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ ان میں سے بعض مختصراً درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ جامع ترمذی کے ہر راوی کا ترجمہ بقدر ضرورت لکھا گیا ہے اور مقدمہ شرح میں تمام راویوں کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی دیدی گئی ہے۔ اور جس راوی کا ترجمہ شرح کے جس صفحہ میں مذکور ہے اس کا نشان دے دیا گیا ہے۔

۲۔ جامع ترمذی کی تمام حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے یعنی اس کتاب کی حدیثوں کو امام ترمذی کے علاوہ اور جن محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے ان کا اور ان کی کتابوں کا نام بتادیا گیا ہے۔

۳۔ امام ترمذی نے ''**وفی الباب**'' کے عنوان سے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی مفصل تخریج کی گئی ہے اور ان احادیث کے الفاظ بھی اکثر مقامات میں نقل کیے گئے ہیں۔ احادیث مشارٌ الیہا کے علاوہ اور دیگر احادیث کی تخریج کا بھی جابجا اضافہ کیا گیا ہے۔

۴۔ تصحیح وتحسین حدیث میں امام ترمذی کا تساہل مشہور ہے اس لیے ہر حدیث کی تحسین وتصحیح کے متعلق دیگر آئمہ فن حدیث کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں اور جن احادیث کی تصحیح وتحسین میں امام ترمذی سے تساہل ہوا ہے اس کی تصریح کردی گئی ہے۔

۵۔ اسنادی ومتنی اشکالات کے حل وایضاح کی طرف خاص طور سے توجہ کی گئی ہے۔

۶۔ احادیث کی توضیح وتشریح میں بہت کچھ تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور جن مقلدین جامدین اور جن اہل ہوا نے احادیث نبویہ کو اپنے مذہب ومسلک پر منطبق کرنے کے لیے غلط اور واہی تاویلیں وتقریریں کی ہیں، ان کی تاویلات وتقریرات کی کافی تغلیط وتردید کردی گئی ہے۔ اسی طرح احادیث کے صحیح مطالب ومضامین جو سلف صالحین اور فقہائے محدثین کے نزدیک معتمد ومستند ہیں، بیان کیے گئے ہیں۔

۷۔ اختلاف مذاہب کے بیان میں ہر مذہب کے دلائل بیان کرکے مذہب حق وراجح کو ظاہر کردیا گیا ہے اور اس کی نصرت وتائید کی گئی ہے اور مذاہب مرجوحہ وغیر صحیحہ کے دلائل کے شافی جواب دیے گئے ہیں۔

۸۔ آثار السنن (**للشوق النیموی**) وغیرہ کی جابجا لطیف اور قابل دید تنقید کی گئی ہے۔ حضرۃ الشیخ کی پہلی دو جلدوں کی تبییض کے بعد ضعف بصارت کی وجہ سے بقیہ دو جلدوں کی تسوید وتبییض میں معاون کی ضرورت تھی۔ راقم السطور بطور تحدیث نعمت کے عرض کرتا ہے کہ آخری دو جلدوں کی تسوید وتبییض میں اعانت کی غرض سے حضرت کی خدمت میں کامل دو برس رہنے کا شرف وفخر اس کو بھی حاصل ہے (**کماحصل ذلك الشرف والفضل للفاضل العلامة عبدالصمد المبارکفوری واخی فی الله المولوی محمد المهموی اللاهوری**) **فالحمد لله علی ذلك**.

حضرۃ الشیخ نے شرح مذکور کا ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو مستقل طور پر علیحدہ طبع ہوکر شائع ہے۔ یہ مقدمہ دو باب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں اکتالیس فصلیں ہیں جن میں عام فنون حدیث، کتب حدیث، آئمہ حدیث کے متعلق نہایت کارآمد اور ضروری فوائد جمع کردیے گئے ہیں۔ دوسرا باب سترہ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں خاص جامع ترمذی اور امام ترمذی کے متعلق بہت ضروری اور غایت ←

درجہ مفید مباحث مذکور ہیں۔ باب ثانی جن نادر اور قیمتی فوائد پر مشتمل ہے ان کا جاننا جامع ترمذی کے طالب علم کے لیے ازبس ضروری ہے۔ ان مباحث کو پڑھے بغیر جامع ترمذی کا پڑھنا اور پڑھانا بے معنی اور لا حاصل ہے۔ مقدمہ میں مختلف مناسبتوں سے ۱۱۵ آئمہ حدیث وتفسیر وفقہ ولغت کے تراجم بھی آگئے ہیں۔ اس کی تمام خوبیوں کا سرسری اندازہ شروع میں ملحقہ فہرست سے ہو جاتا ہے جو ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کا حجم ۳۴۴ صفحات ہے۔ آخر میں حضرت الشیخ کا مختصر تعارف ملحق ہے۔ (۱)

اس زمانہ میں ترمذی کی ایک شرح الطیب الشذی (۲) اور مدرسہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی انور شاہ کشمیری مرحوم کی تقریر ترمذی بنام العرف الشذی (۳) اور مولوی رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی کی تقریر ترمذی بنام الکوکب الدری شائع ہوئی۔ اول الذکر کی صرف پہلی جلد تا کتاب الطہارۃ شائع ہو سکی، ثانی الذکر کو جامع ترمذی کا حاشیہ یا شرح کہنا غلط ہے۔ بہتر ہوتا اگر وہ شائع نہ کی جاتی تا کہ صاحب تقریر کے مشہور قوت حافظہ اور تبحر علمی کو ٹھیس نہ لگتی اور بھرم قائم رہتا۔ تیسری کو ناشر کے تحشیہ نے کچھ کارآمد بنا دیا ہے۔

ان سطور کی تحریر کے بعد جامع ترمذی مطبوعہ مصر کی دو جلدیں مطالعہ میں آئیں جو علامہ احمد محمد شاکر القاضی الشرعی کی تحقیق وشرح اور تصحیح وتعلیق کے ساتھ ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوئی ہیں۔ شروع میں شارح کے قلم سے سو صفحات کا مبسوط مقدمہ ملحق ہے۔ دوسری جلد کتاب الصلوۃ پر ختم ہوئی ہے اور مقدمہ حسب ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

۱۔ جامع ترمذی کے اُن سات نسخوں کی تفصیلی کیفیت جن پر شارح نے اپنے نسخہ کی تصحیح میں اعتماد کیا ہے۔

۲۔ تصحیح کتب سے متعلق ایک عمدہ بحث کے بعد اس امر کی تصریح وتحقیق کہ التزام صحت، اظہار اختلاف نسخ، بیان خطا وصواب، تفصیل اصول قلمیہ ومطبوعہ کے ساتھ عربی کتابوں کی بہتر سے بہتر اشاعت کا فن یورپ کی اپنی ایجاد نہیں ہے۔ لکھتے ہیں: "لم یکن ہولاء الاجانب مبتکری قواعد التصحیح وانما سبقہم الیہا علماء الاسلام المتقدمون وکتبوا فیہا فصولاً نفیسۃ نذکر بعضہا علی ان یذکر القاریٔ انہم ابتکروا ہذہ القواعد لتصحیح الکتب المخطوطۃ اذ لم تکن المطابع وجدت ولو کانت لدیہم لاتوا من ذلک بالعجب العجاب ونحن وارثوا مجدہم وعزہم والینا انتہت علومہم، فلعلنا أن نحفز ہممنا لاتمام مابدئوا بہ" (۴)

۳۔ الفہارس المعجمۃ کے ذیل میں اس امر کی تحقیق وتفصیل کہ مستشرقین یورپ کی مطبوعات کو مختلف قسم کی متعدد فہرستوں کے ←

---

(۱) اب یہ قیمتی کتاب بیروت میں آفسٹ پر طبع ہو چکی ہے اور مدینہ منورہ میں بھی دس اجزاء میں چھپ گئی ہے اور اس کا مقدمہ دو جلدوں میں ہے۔ دوسری جلد میں آئمہ حدیث وتفسیر اور فقہ ولغت میں سے کبار علماء کے تراجم کی فہرست ہے اور جامع ترمذی کے رواۃ کے حروف تہجی کی ترتیب پر نام ہیں۔ کبار آئمہ کا ذکر گیارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور رواۃ کے نام ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہیں۔ [محقق] مگر دوسرا آخری ایڈیشن اپنے عام پھیلنے اور کثرت کے باوجود کثیر الخطاء اور سقطات پر مشتمل ہے اور اس کتاب کی تصحیح کے لیے بعض ایسے ناشرین کی ضرورت ہے جو صرف اجر وثواب کی نیت کرتے ہوئے اور کاروباری منافع سے قطع نظر کرتے ہوئے کسی صاحب علم سے اس کی نظر ثانی کروائیں تا کہ اس برکت والی کتاب کی تصحیح ہو جائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(۲) الطیب الشذی پر شیخ اشفاق کاندھلوی (حنفی) کی شرح ہے۔ صاحب تاریخ التراث نے ۲۴۴/۱ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [محقق]

(۳) اس کا ذکر بھی صاحب تاریخ التراث نے ۳۴۴/۱ میں کیا ہے اور پہلی شرح شیخ رشید احمد مرحوم کے دروسِ ترمذی سے ماخوذ ہے اور وہ علمی اغلاط کا مجموعہ ہے۔

(۴) مقدمۃ شرح جامع ترمذی ۲۱/۱، ۲۲۔

۱۸۔شرح الشمائل للترمذی :◆

شیخ عبدالرؤف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ۔

ابتدا کا لفظ "شمائل اھل الفضل فی القدیم والحدیث...... "ہے۔علامہ مناوی کا بیان ہے کہ شارحین

➜ ساتھ طباعت میں جو امتیازی مرتبہ حاصل ہے اس میں بھی علمائے مغرب نے مشرق کی تقلید کی ہے۔لکھتے ہیں :"فالشرق شرقٌ والغرب غربٌ ، والشرق دائما ابتکار وانشاء، والغرب دائما تقلید ثم تنظیم. ①

۴۔جامع ترمذی کے زیر بحث نسخہ کی تصحیح میں اختیار کردہ کدوکاوش اور سعی واحتیاط کی توضیح۔علامہ موصوف کی اس سعی بلیغ کی بنا پر باور کیا جا سکتا ہے کہ ان کا یہ مطبوعہ نسخہ جامع ترمذی کے تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

۵۔احادیث اور ابواب کا شمار : چنانچہ ان کے شمار کے موافق کتاب الطهارة والصلٰوة کی احادیث کی تعداد ۶۱۵ ہے اور ابواب کی تعداد ۴۳۳ ہے۔ ②

۶۔جامع ترمذی کی شرح وتعلیق میں جن امور کا لحاظ کیا ہے ان کی تفصیل معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی کہ شارح یورپ کے مکائد سے باخبر اور متبحر عالم ہیں اور تقلید شخصی سے نفور اور مذہبا اہل حدیث ہیں۔چنانچہ مقدمہ میں انھوں نے اس کی تصریح کردی ہے۔

۷۔۱۹ کتابوں کی مدد سے امام ترمذی اور ان کی جامع کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں۔افسوس ہے مقدمہ کی تحریر کے وقت تحفة الاحوذی کا مقدمہ طبع نہیں ہوا تھا ورنہ کتاب اور صاحب کتاب کے متعلق مباحث تشنہ نہ رہتے۔

۸۔کتاب پوری ہوجانے کے بعد آخر میں تمام راویوں کی فہرست کے علاوہ دیگر متعدد اور متنوع فہرستوں کے اضافہ کا وعدہ کیا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اس کتاب کی جو علمائے حدیث کے لیے بے نظیر علمی تحفہ ہے بقیہ جلدیں اسی اہتمام کے ساتھ جلد از جلد شائع ہوجائیں۔ [عبیداللہ]۔

اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ کی شرح دو جلدوں کے بعد (اسی طریقہ پر) لکھی نہیں گئی اور نہ ہی چھپی۔استاذ محمد فواد عبدالباقی نے اس کی تکمیل کا کام اپنے سپرد لیا لیکن انھوں نے اس کے ابواب اور احادیث کی ترقیم اور ان احادیث کی صرف کتب خمسہ سے تخریج پر اکتفاء کیا اور وہ بھی اس کی تیسری جلد پر کام کر کے اس کی تکمیل سے رک گئے۔پھر اس کی تکمیل کا بیڑا استاذ ابراھیم عطوہ عوض نے اٹھایا لیکن انھوں نے بھی ترقیم اور گاہے بگاہے بعض غریب الفاظ کی شرح پر اکتفا کیا۔اس طرح یہ کتاب ۳۹۵۶ حدیثوں پر مشتمل ہو کر پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی۔کیا ہی اچھا ہو اگر تحفة الاحوذی کی تصحیح ونظرثانی اور احمد شاکر کی شرح والے نسخے کی ترقیم الاحادیث سے استفادہ کر کے نئے سرے سے طبع ہوجائے۔ہم اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندے اس عظیم کام پر لگا دے۔آمین

◆ کشف الظنون ۲/۶۷، تاریخ التراث ۱/۲۴۷ اور تاریخ التراث میں کتاب کی تالیف کی تاریخ ۹۹۹ ھ بتائی ہے۔تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۴۔[مراجع]

---

① سابقہ مصدر ۱/۴۶۔

② شیخ احمد شاکر مصری کی جو شرح عام مطبوع ہے اس میں ۶۱۶ احادیث اور ۴۳۴ ابواب ہیں۔کتاب الصلوة کے آخر تک ہے۔شاید احادیث اور ابواب میں ایک نمبر محمد فواد عبدالباقی نے زیادہ کردیا ہوتا کہ اس کے نمبر "مفتاح کنوز السنة" اور " المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث" کے نمبروں کے مساوی ہوجائیں جیسا کہ انھوں نے تیسرے جزء کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

شمائل میں علامہ اسفرائینی کی شرح سب پر فائق ہے لیکن علامہ اسفرائینی نے اس شرح میں احتمالات عقلیہ سے بہت کام لیا ہے حالانکہ یہ فن فنون نقلیہ سے ہے۔ اسی لیے یہ ان کے سقطات سے گنا گیا۔ پھر ابن حجر مکی ھیثمی نے ایک طویل شرح لکھی جو اسفرائینی کی شرح سے ماخوذ ہے لیکن ابن حجر نے اصل کتاب کے ماخذ ہی کو مسخ کر دیا۔ اس کے علاوہ تعصب ان کا ایک طبعی خاصہ ہے۔ اس لیے یہ دونوں شرحیں چنداں مطبوع نہ ہوئیں تو میں نے دونوں کی تلخیص کی اور فوائد ضروریہ اضافہ کیے۔ [1] یہ شرح بھی طبع ہو چکی ہے۔

۱۹۔اشرف الوسائل : [2]

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الهیشمی المکی المتوفی ۹۷۳ھ۔

مصنف کا بیان ہے کہ حرم محترم میں بماہ رمضان مجھے اس کتاب کے درس دینے کا اتفاق ہوا تو میں نے یہ شرح ۹۴۹ ہجری میں شروع کر دی، اس کا نام "اشرف الوسائل الی فهم الشمائل" رکھا، تیسری رمضان کو شروع کی اور ۱۸ رمضان کو فراغت پائی۔ [3]

۲۰۔شرح الشمائل للترمذی : [4]

علامة سيد محمد قاسم جسّوس المتوفی سنه۱۱۸۲ھ۔

قاہرہ سے طبع ہو کر شائع ہے لیکن یہ شرح مذاق محدثین کے بالکل خلاف ہے۔

۲۱۔شرح الشمائل للترمذی : [5]

العلامة مصلح الدين محمد بن صلاح بن جلال اللاری المتوفی ۹۷۹ھ۔

ماہ رمضان ۹۴۹ھ میں فراغت پائی۔ ایک دوسری شرح علامہ مصلح الدین کی فارسی میں بھی ہے۔

۲۲۔زهرة الخمائل على الشمائل : [6]

علامہ سیوطی کی تالیف ہے اور مصر میں طبع ہو چکی ہے۔

۲۳۔جمع الوسائل : [7]

---

[1] كشف الظنون ۲/۶۷، ۶۸۔

[2] كشف الظنون ۲/۶۷ ، تاریخ التراث ۱/۲۴۶ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۲۔

[3] كشف الظنون ۲/۱۰۵۹ طبعہ دار الفکر۔

[4] تاریخ التراث ۱/ ۲۴۷ اور اس میں اس کا نام (الفوائد الجلية البهية) لکھا ہے۔ تاریخ الادب ۳/۱۹۳۔

[5] كشف الظنون ۲/۶۷ ، تاریخ التراث ۱/۲۴۹ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۳۔

[6] كشف الظنون ۲/۶۷۔

[7] كشف الظنون ۲/۶۷ تاریخ التراث ۱/۲۴۷ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۳۔

ملا علی قاری الهروی المتوفی ۱۰۱۴ھ۔

ملا صاحب نے اس کے مسودہ سے مکہ مکرمہ میں ۱۰۰۸ھ میں فراغت پائی۔ حق یہ ہے کہ اس سے اعلیٰ شرح شمائل ترمذی کی کسی کے قلم سے نہیں نکلی۔

۲۴۔تهذیب الشمائل : [1]

شیخ محمد بن عمر بن حمزه الانطاکی المتوفی ۹۳۸ھ۔

ملاعلی قاری صاحب کی شرح کو مہذب کر کے روم میں جا کر سلطان بایزید خاں کے دربار میں تحفہ پیش کیا۔ [2]

اس کی ابتدا یوں ہے: "الحمد لله الذی جعل حیاة العارفین ......الخ"۔ [3]

۲۵۔شرح الشمائل : [4]

علامة عصام الدین ابراهیم بن محمد(بن عربشاه) الاسفرائینی المتوفی ۹۴۳ھ۔

یہ شرح حامل متن ہے۔ ابتدا کا لفظ "الحمد لله الذی فضل المصطفٰی باکرم الشمائل" ہے۔

۲۶۔شرح الشمائل للترمذی : [5]

مولٰی محمد الحنفی المتوفی (؟) ۹۲۶ ہجری میں شرح سے فراغت پائی۔

۲۷۔شرح الشمائل للترمذی : [6]

محمد عاشق بن عمر الحنفی المتوفی ۱۰۳۲ھ۔

---

[1] کشف الظنون ۲/۶۷ ، الاعلام ۷/۲۰۸، معجم المؤلفین ۱۱/۸۱۔۸۲۔

[2] اصل میں اس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ "انھوں نے ملاعلی قاری کی شرح کو مہذب کیا" حالانکہ یہ غلط ہے کیوں کہ ملاعلی ان کے دور کے بعد ہوئے ہیں لیکن صاحب کشف الظنون نے ان کی شرح کا تذکرہ ملاعلی قاری کی شرح کے فوراً بعد کیا ہے جس سے یہ وہم ہوا اور پھر صاحب کشف نے ان کی تاریخ وفات بھی نہیں لکھی۔

[3] کشف الظنون ۲/۱۰۶۰ طبعه دار الفکر۔

[4] کشف الظنون ۲/۶۷ ، تاریخ الادب لبروکلمان ۳/ ۱۹۲ ، تاریخ التراث ۱/۲۴۶، الفاظ کی زیادتی اسی سے منقول ہے۔

[5] کشف الظنون ۲/۶۷ ،تاریخ الادب لبروکلمان ۳/۱۹۵ اور اس شرح کے مؤلف کا نام سزگین نے شمس الدین مولوی محمد عاشق بن عمر حنفی بتایا ہے اور تاریخ وفات اور ان کی اس شرح کا نام ذکر نہیں کیا اور بانکی پور اور مراد ملا وغیرہ میں اس کے نسخے ہیں۔ اس کے مطابق تو یہ شرح وہی ہوگی جس کا ذکر اس کے بعد آرہا ہے لیکن صاحب کشف الظنون نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

[6] کشف الظنون ۲/۶۷ تاریخ التراث ۱/۲۴۹ ،صاحب تراث نے یہ شرح اور اس سے پہلے مذکور شرح ایک ہی اور ایک ہی شخص کی قرار دی ہے اس لیے کہ اس نے اس شرح کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ۹۲۶ھ میں لکھی گئی ہے۔ [محقق]

علامہ موصوف نے اس شرح میں لکھا ہے کہ میں نے شمائل الترمذی کو اپنے شیخ عبداللہ الانصاری المعروف بمخدوم الملك ابن شمس الدین سے روایت کیا ہے۔ اسی سے مولانا احمد علی صاحب نے شمائل کو محشی کیا ہے۔ مولانا شمس الحق صاحب کے کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ [1]

۲۸۔ترجمة شمائل بزبان ترکی : [2]

احمد بن خیرالدین الایدینی المشهور بخواجه اسحٰق آفندی المتوفی ۱۱۲۰ھ۔

مفصل حال معلوم نہ ہوسکا۔

۲۹۔نظم الشمائل بزبان ترکی : [3]

مصطفیٰ بن حسین الحلبی المعروف بمظلوم زاده ۔۱۱۵۸ھ میں نظم سے فراغت پائی۔ [4]

۳۰۔ بہار خلد:

کافی۔اردو میں دلچسپ نظم ہے اور طبع ہوکر شائع ہے۔

۳۱۔المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية : [5]

علامة شیخ ابراهیم (بن محمد)باجوری المتوفی ۱۲۶۳ھ۔

شمائل ترمذی کی یہ ایک مختصر شرح اور مفید ہے۔ ۱۲۵۱ ہجری میں جامع ازہر میں تالیف ہوئی۔ اس کا آغاز ''الحمد لله المستوجب لكل كمال المنعوت بكل تعظيم وجمال '' ہے۔ [6]

---

[1] شروح الشمائل میں سے ایک شرح ''العطر الشذی'' علامہ عبدالمجید شرنوبی کی ہے اور ایک شرح الشمائل عبدالملک بن جمال الدین بن اسماعیل عصامی متوفی ۱۰۳۷ھ کی بھی ہے۔[عبیداللہ]

[2] کشف الظنون ۶۸/۲ ، معجم المؤلفين ۲۱۸/۱، تاریخ التراث ۲۵۰/۱۔ اس میں اس کا نام ''اقوم الوسائل فی ترجمة الشمائل للترمذی'' مذکور ہے۔[محقق]

[3] کشف الظنون ۶۸/۲۔

[4] شمائل الترمذی کا اردو ترجمہ مختصر حواشی کے ساتھ مظاہر العلوم سہارنپور سے شائع ہوا ہے۔ الشیخ سلام اللہ دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۳ھ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔[عبیداللہ]

[5] تاریخ الادب لبرو کلمان ۱۹۴/۳، تاریخ التراث ۲۴۸/۱ ، اور اس کے شارح کی تاریخ وفات ۱۲۷۶ھ بتائی ہے۔

شمائل ترمذی کی اور بھی کئی شروحات ہیں ۔وہ تاریخ التراث اور ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون ۵۴/۲ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

[6] علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے کتاب الشمائل المحمدية للامام الترمذی کا اختصار کیا ہے اور اس میں ہر حدیث کا صحیح، حسن اور ضعیف ہونے کے لحاظ سے درجہ بیان کر دیا ہے اور اسانید کو حذف کر دیا ہے اس کو اردن کے عمان شہر میں مکتبہ اسلامیہ نے ۱۴۰۵ھ میں پہلی بار طبع کیا ہے۔

(۴) امام نسائی [1]

صحاح ستہ کے معزز ایوان میں جن لوگوں نے جگہ پائی، ان میں امام نسائی بھی ہیں۔ اہل اسلام نے صحاح کے صدرنشینوں میں ان کو بھی تسلیم کیا ہے۔ امام نسائی کی مشہور کتاب سنن نسائی درس میں داخل ہے اور شرقاً وغرباً محدثین اس کا درس دیتے ہیں۔ امام نسائی کی ولادت ۲۱۵ھ میں ہے۔ نام احمد، کنیت ابوعبدالرحمٰن مشہور لقب امام نسائی ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن شعیب بن علی بن سنان (بن بحر) [2] بن دینار۔

شہر نسا [3] میں (جو بلاد خراسان کا ایک مشہور شہر ہے اور قریب مرو کے واقع ہے) پیدا ہوئے۔ امام نسائی کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ ۲۳۰ھ میں اپنی عمر کے پندرھویں سال وطن چھوڑ کر طالب علمی کا سفر اختیار کیا۔ پہلے امام قتیبہ [4] کی خدمت میں بلخ پہنچے۔ وہاں سے فارغ ہو کر حجاز، شام، مصر، جزیرہ کا سفر کیا۔ مصر مدت تک امام نسائی کی قیام گاہ رہا۔ بلکہ جس قدر ان کی یا ان کی تصانیف اور درس کی شہرت ہوئی، مصر ہی سے ہوئی۔ تنقید رجال میں امام نسائی نہایت بلند پایہ تسلیم کیے گئے ہیں۔ حاکم فرماتے ہیں، میں نے امام دارقطنی کو مکرر فرماتے سنا کہ امام نسائی جرح رواۃ، فن حدیث، فن تنقید، احتیاط میں اپنے اقران سے کہیں فائق ہیں۔ [5] علامہ ابوسعید بن یونس اپنی بے بہا کتاب تاریخ مصر میں

---

[1] امام نسائی کے حالات کے لیے دیکھیے:

الکامل لابن عدی ۱/۱۴۶، معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۸۲، سوالات السھمی للدارقطنی ص ۱۳۳، الارشاد للخلیلی ۱/۴۳۵، الانساب ۱۳/۸۷، التدوین فی اخبار قزوین ۲/۹۷، فھرسۃ ابن خیر ۱۱۰/۱۱۷، المنتظم ۱۳/۱۵۵، معجم البلدان ۵/۲۸۲، الکامل فی التاریخ ۸/۹۲، التقیید ۱/۱۵۰، اللباب ۳/۳۰۸، وفیات الاعیان ۱/۷۷، تھذیب الکمال ۱/۳۲۸، طبقات علماء الحدیث ۲/۴۱۸، تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۹۸، سیراعلام النبلاء ۱۴/۱۲۵، العبر ۱/۴۴۴، الوافی بالوفیات ۶/۴۱۶، مرآۃ الجنان ۲/۲۴۰، طبقات السبکی ۳/۱۴، طبقات الشافعیۃ لابن قاضی شھبۃ ۱/۸۸، التقریب ص ۹۱، التھذیب ۱/۳۶، حسن المحاضرۃ ۱/۳۴۹ وغیرہ۔

[2] (بن بحر) کا اضافہ تھذیب الکمال ۱/۳۲۸ وغیرہ سے ہے۔

[3] یہ لفظ "نساء" مقصورہ اور ممدودہ دونوں طرح آیا ہے۔ [مؤلف]

[4] قتیبہ بن سعید البغلانی ثقہ ثبت ہیں۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۰۰، سیراعلام النبلاء ۱۴/۱۳۱، الطبقات للسبکی ۳/۱۵، تھذیب الکمال ۱/۳۳۴۔ حافظ ابن طاہر نے کہا کہ میں نے سعد بن علی زنجانی سے ایک شخص کے بارے سوال کیا تو انھوں نے اسے ثقہ قرار دیا تو میں نے کہا کہ امام نسائی نے تو اسے ضعیف قرار دیا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ بیٹا! ابوعبدالرحمٰن نسائی کی رواۃ حدیث میں بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت شرط ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ (زنجانی) نے درست فرمایا کیوں کہ امام نسائی نے بخاری و مسلم کے راویوں کی ایک جماعت کو لین قرار دیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۱۔

لکھتے ہیں کہ امام نسائی مصر میں مدتوں رہے۔فن حدیث میں امام تھے،ثقہ اور حافظ تھے۔[1]
امام نسائی نہایت قوی الجثہ تھے۔ چہرہ ہمیشہ گلاب کے پھول کی طرح سرخ رہتا۔[2] رگوں میں خون کا سیلان بڑی کثرت سے تھا۔ اس وجہ سے بعض کوتاہ بین کہتے تھے کہ وہ نبیذ پیتے ہیں۔ایک دن ناغہ کر کے ہمیشہ روزہ رکھتے۔اس کے باوجود لونڈیوں کے علاوہ چار بیویاں بھی تھیں۔[3]

صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں: ''**وكان من ائمة الحفاظ، واعلام الدين، واركان الحديث. امام اهل عصره، وعمدتهم وقدوتهم، وجرحه وتعديله معتبر بين العلماء**''.[4] بعض اہل علم نے تو حفظ میں امام مسلم کا ہم پلہ بتایا ہے۔[5] گو یہ قول محقق نہیں تاہم امام نسائی کا پایہ بہت بلند تسلیم کیا گیا ہے۔[6]

شیوخ میں امام بخاری، امام ابو داؤد سجستانی، قتیبہ بن سعید، اسحٰق بن راہویہ، علی بن حجر، سلیمان بن اشعث، محمد بن بشار بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔

تلامذہ کا سلسلہ کچھ کم وسیع نہیں۔امام ابو جعفر طحاوی، امام ابو القاسم طبرانی، علامہ ابو بشر دولابی، ابو بکر ابن السنی امام نسائی کے مشہور تلامذہ ہیں۔ جب وہ طرطوس پہنچے تو حفاظ حدیث کا بڑا مجمع ہوا اور ان سے استفادہ کیا گیا۔ ان حفاظ میں امام عبداللہ بھی ہیں جو امام احمد بن حنبل کے صاحب زادہ ہیں۔[7] اپنی عمر کے آخری حصہ ۳۰۲ ہجری میں مصر سے رخصت ہو کر دمشق پہنچے اور وہاں خوارج کے سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے[8] اور ان سے سوال کیا گیا کہ حضرت علیؓ اور

---

[1] **تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۰۱، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۳، وفیات الاعیان ۱/۷۸** اور **تہذیب الکمال ۱/۳۴۰**۔
[2] امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام نسائی بارعب بزرگ شخصیت اور خوبرو تھے گویا چہرے پر خون ظاہر ہو اور سفید بال بھی بہت خوبصورت لگتے تھے، **سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۷**۔
[3] **تہذیب الکمال ۱/۳۳۷، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۸، الطبقات للسبکی ۳/۱۵**۔
[4] حطہ ص ۲۹۳ میں بھی اسی طرح ہے۔
[5] امام ابو عبداللہ بن مندہ نے کہا ہے کہ جن علماء حدیث نے صحیح حدیث ظاہر کی اور معلول سے ثابت اور درستی سے خطاء کی پرکھ کی وہ چار علماء ہیں بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابو عبدالرحمٰن نسائی، **سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۵**۔
امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام نسائی حدیث، علل حدیث اور رجال حدیث میں امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ابو عیسیٰ ترمذی سے بھی زیادہ ماہر تھے وہ تو امام بخاری اور ابو زرعہ کے میدان کے امام تھے، **سیر ۱۴/۱۳۳**۔
[6] حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ بات کہ امام نسائی نے اپنی سنن میں رجال کے متعلق مسلم سے بھی زیادہ سخت شرط لگائی ہے، قابل تسلیم نہیں ہے کیوں کہ ان کی سنن میں **مجهول العين يا مجهول الحال** راوی بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جن پر جرح ہوئی ہے اور اس میں ضعیف، معلول اور منکر احادیث بھی ہیں۔**الباعث الحثیث ص ۳۱**۔
[7] **علوم الحدیث للحاکم ۸۲، تہذیب الکمال ۱/۳۳۴، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۰، تہذیب التہذیب ۱/۳۷**۔
[8] لفظ خوارج حافظ محمد بن مظفر متوفی ۳۷۹ھ کے قول میں بھی وارد ہوا ہے جیسا کہ امام ذھبی نے **سیر ۱۴/۱۳۲** میں ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ:

←

حضرت معاویہؓ میں کس کو فضیلت ہے۔ انھوں نے جواب میں حضرت علیؓ کو فضیلت دی۔ اس جواب میں دمشقیوں کو غیظ آیا اور ان کو مارنا شروع کیا۔ [1] کچھ جان باقی تھی کہ لوگ رملہ لے گئے۔ [2] اور ۳۰۳ھ میں وہیں جامِ شہادت نوش کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ [3] بعض مؤرخین نے مکہ لے جانا اور بین الصفا والمروہ دفن ہونا بیان کیا ہے لیکن امام دار قطنی نے دونوں اقوال نقل کر کے رملہ ہی میں دفن ہونے کو ترجیح دی ہے۔ [4] علامہ منذری کا قول بھی اس کا مؤید ہے۔

← وہ دمشق میں خوارج کے ہاتھوں شہید کیے گئے۔ تھذیب الکمال ۱/۳۳۴۔
اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس میں صرف مبالغہ آرائی کی ہے کیوں کہ اہل دمشق میں ناصبی تھے اور ابن المظفر تشیع کی طرف مائل تھے اور امام کے ابتلاء کے واقعہ کی خبر سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے فضائل معاویہؓ کے متعلق سوال کیا تھا اور خوارج تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی کافر قرار دیتے تھے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کو بھی کافر کہتے تھے۔
رہا لفظ (خوارج) تو اصطلاحا غیر نواصب پر بولا جاتا ہے۔ (واللہ علم)

[1] امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: عبداللہ بن مندہ نے حمزہ عقبی مصری وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ امام نسائی آخر عمر کے وقت مصر سے نکل کر دمشق چلے گئے تو وہاں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے فضائل کے متعلق وارد احادیث کے بارے میں سوال کیے گئے۔
تو انھوں نے جواب دیا کہ کیا وہ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ ان کا معاملہ برابر برابر طے پا جائے فضیلت کیسی؟ انھوں نے کہا کہ لوگ ان کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ ان کو مسجد سے نکال دیا گیا اور مکہ کی طرف لے جا کر وہاں دفن کیا گیا۔
امام ذہبی فرماتے ہیں اس روایت میں مکہ کا ذکر ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ رملہ کی طرف لے جائے گئے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۰۰، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۲، معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۸۳۔
ایک اور روایت میں ہے کہ: امام نسائی سے کہا گیا کیا آپ معاویہؓ کے فضائل بیان نہیں کریں گے؟ تو انھوں نے جواب دیا میں ان کے فضائل میں کون سی حدیث بیان کروں؟ کیا یہ بیان کروں کہ اے اللہ معاویہؓ کا شکم سیر نہ کرنا، یہ سن کر سائل چپ ہو گیا۔ تھذیب الکمال ۱/۳۳۹، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۹۔
ان سے ثابت ہوا کہ اصل سوال معاویہؓ کے فضائل کے متعلق تھا نہ کہ علی اور معاویہ کے درمیان فضیلت کا۔ واللہ اعلم۔

[2] رملہ فلسطین میں القدس سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ شہر سیدنا داود، سلیمان علیہما السلام اور ان کے بیٹے رحبعم بن سلیمان کا دارالسلطنت رہا۔ اب یہ ویران ہے۔ معجم البلدان ۳/۶۹۔ [مؤلف]

[3] اصل اردو نسخے میں ۳۰۴ھ تھا شاید وہ طبع کی غلطی ہو اور ۳۰۳ھ عام مصادر میں ہے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں۔

[4] سیر اعلام النبلاء میں ہے کہ امام دار قطنی نے کہا ہے کہ امام نسائی حج کے لیے گئے تھے تو دمشق میں ابتلاء میں مبتلا ہوئے اور شہادت پائی اور کہنے لگے کہ مجھے مکہ کی طرف لے چلو چنانچہ انہیں مکہ لے جایا گیا اور وہیں فوت ہوئے، صفا اور مروہ کے درمیان مدفون ہیں اور ان کی تاریخ وفات شعبان ۳۰۳ تھی...... الخ۔
اور ابوسعید بن یونس نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ ابو عبدالرحمٰن نسائی امام حافظ ثبت تھے ماہ ذوالقعدہ ۳۰۲ھ میں مصر سے نکلے اور فلسطین میں بروز سوموار ۱۳ صفر ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ یہ زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ ابن یونس حافظ ہے یاد رکھتے ہیں اور انھوں نے امام نسائی سے علم بھی اخذ کیا ہے اور وہ ان کو خوب جانتے ہیں، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۳۔
امام نسائی کی وفات کا رملہ میں ہونا یہ ابن یونس، طحاوی اور ابن خیر اشبیلی کی رائے ہے۔ ذہبی، سبکی اور صفدی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ←

امام نسائی کی تالیفات میں سنن نسائی مشہور تالیف ہے۔ اس کے علاوہ اور تصانیف بھی ہیں۔ ◆ علامہ سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے پہلے ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی تھی جس کا نام السنن الکبریٰ ہے جس کو ایک خاص وضع پر لکھا تھا۔ حاکم وقت نے ان سے پوچھا کہ کیا سنن کبریٰ میں کل حدیثیں صحیح ہیں۔ انھوں نے فرمایا، نہیں۔ فرمانروائے وقت نے عرض کی کہ آپ صحیح حدیثوں کو اس سے منتخب کیجیے۔ اس لیے آپ نے اسی ضخیم کتاب السنن الکبریٰ سے المجتبیٰ کو منتخب کیا ◆ جو اب صحاح ستہ کی عمارت کا ایک رکن ہے اور سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے۔ بعض اہل علم نے بجائے مجتبیٰ مجتنیٰ فرمایا ہے لیکن دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔

← ہے۔ (مقدمة خصائص علی ص ۹)

◆ امام نسائی کی تصنیفات دکتور فاروق حمادہ نے کتاب عمل الیوم واللیله للنسائی کے مقدمہ میں شمار کی ہیں جن کی تعداد ۳۱ تک پہنچ چکی ہے۔ عصر حاضر میں زیادہ تر وہ پائی نہیں جاتیں۔

◆ قواعد التحدیث ص ۲۴۷ پر سیوطی کی زھر الربی سے نقل کیا ہے اور مصنف نے یہاں بعض میں کچھ تصرف کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کشف الظنون ۲/۳۶ بھی دیکھیے نیز حطة ۲۵۴۔

امام ذہبی نے بھی اس طرح کا قصہ ابن الاثیر سے نقل کیا ہے پھر آخر میں کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ مجتبیٰ تو ابن سنی کے انتخاب سے ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۱۔

اور ابن سنی کے حالات میں کہا ہے کہ وہ وہی ہیں جنہوں نے سنن نسائی کا اختصار کیا اور مختصر کی روایت پر اکتفاء کیا اور اس کا نام المجتبیٰ رکھا ہے اور ہم نے ان کے طریق سے عالی سند کے ساتھ اس کا سماع کیا ہے"۔ سیر اعلام النبلاء ۱۶/۲۵۶، اسی طرح تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۴۰ میں ہے۔

امام ذہبی نے کہا: امام نسائی کی سنن سے جو ہم تک پہنچی ہے وہ الکتاب المجتبیٰ ہے اسی سے ابو بکر ابن سنی کا انتخاب ہے سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۳۳۔

امام ذہبی کی اس بات کی پیروی سبکی نے بھی کی ہے۔ دیکھیں: طبقات ۳/۳۹ (ترجمہ ابن السنّی) اور اسی طرح ابن ناصر الدین نے جیسا کہ شذرات ۳/۴۸ (ترجمہ ابن السنّی) میں ہے اور استاذ محقق عبد الصمد شرف الدین رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ابن اثیر نے جو قصہ ذکر کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے خیالی ہے۔ ص ۱۹ اور امام ذہبی کو وہم لگا ہے کہ المجتبیٰ ابن سنی کا انتخاب ہے اور اس وہم کی اصل وجہ یہ ہے کہ امام ذہبی نے امام نسائی کی السنن الکبریٰ پر اطلاع نہیں پائی (امام ذہبی نے اس کی خود آپ صراحت کی ہے) اور درست بات یہ ہے کہ السنن الصغری اور السنن الکبری دونوں امام نسائی ہی کی کتابیں ہیں۔

اس پر امام ابن کثیر کا قول بھی دلالت کرتا ہے کہ امام نسائی نے کتاب السنن الکبیر جمع کی ہے اور اس کے حجم سے کئی گنا کم انتخاب کیا اور میں نے ان دونوں کا سماع کیا ہے۔ البدایة والنهایة ۱۱/۱۲۳۔

حافظ ابن حجر نے محمد بن معاویہ ابن الاحمر سے نقل کیا ہے جنہوں نے امام نسائی سے روایت کیا ہے کہ امام نسائی نے کہا ہے کہ کتاب السنن پوری کی پوری صحیح ہے اور بعض احادیث معلول ہیں مگر انھوں نے ان کی علت نہیں بیان کی اور جو اس سنن سے منتخب ہے جس کا نام المجتبیٰ ہے وہ تمام صحیح ہے۔ النکت لابن حجر ۱/۴۸۴۔

حافظ ابن حجر کا مذکورہ بیان بھی اس بات پر دلیل ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام نسائی ہی کی ہیں۔ اور شیخ عبد الصمد شرف الدین نے اپنی ←

سنن نسائی میں اسانید پر کم کلام کیا گیا ہے [1] تاہم پیچیدہ مقامات بھی ہیں۔ [2] محدثین نے اس کی متعدد شروح لکھیں۔ منجملہ شروح کے ایک شرح علامہ سراج الدین ابن الملقن کی ہے۔جس کو صاحب کشف الظنون نے ذکر کیا ہے۔ [3]

← رائے پر سنن صغریٰ اور سنن کبریٰ کے درمیان صرف کتاب الطهارۃ سے تقابل پیش کرنے سے بھی استدلال کیا ہے کہ یہ دونوں امام نسائی ہی کی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ کتاب الطهارۃ میں ۴۲۱ احادیث ہیں۔ ان میں ۲۸۶ صغریٰ و کبریٰ دونوں میں مشترک ہیں اور ۲۳ احادیث کبریٰ کے ساتھ مختص ہیں جو کہ صغریٰ میں نہیں ہیں اور ۱۱۲ احادیث صرف صغریٰ میں ہیں کبریٰ میں نہیں جیسا کہ کبریٰ میں کتاب الطهارۃ کے ابواب کی تعداد ۱۸۴ ہے اور مجتبیٰ میں ۲۷۵ ابواب ہیں یعنی ۹۱ ابواب کی زیادتی کے ساتھ۔ دیکھیں: السنن الکبری جزء اول طبعۃ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۲م۔

اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ڈاکٹر فاروق حمادہ نے بھی امام نسائی کی کتاب عمل الیوم واللیل کی تحقیق کے مقدمہ ص ۶۰۔۷۵ میں کی ہے اور انھوں نے بھی یہی اختیار کیا ہے کہ مجتبیٰ امام نسائی ہی کی کتاب ہے۔

سنن کبریٰ کے ایڈیشن:

سنن کبریٰ کی طباعت کا کام سب سے پہلے شیخ عبدالصمد شرف الدین رحمہ اللہ نے اپنی تحقیق کے ساتھ شروع کیا تھا اور یہ طبعہ اپنی عمدگی اور مضبوطی کے باوجود تیسری جلد کے بعد موقوف ہوگیا۔

پھر اس کے بعد اس کا تجارتی ایڈیشن چھ جلدوں میں بیروت میں مکمل ہوا اور اس کے ناشر یا دو محققین نے اس میں کچھ تصرف کر دیا۔ وہ یہ کہ بعض ایسی احادیث اس میں سنن صغریٰ کی داخل کر دیں جیسا کہ انھوں نے خود اس کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً جلد ۶/ ۵۲۷۔۵۳۹ کی کتاب الایمان و شرائعه کے آخر میں حاشیہ دیا ہے "آخر کتاب الایمان ......الخ یعنی حافظ الحدیث امام نسائی کی کتاب الایمان کا آخر اور یہ ان کی سنن صغریٰ سے ہے اور میں نے یہ اضافہ صرف سنن کبریٰ کے فائدے کو مکمل کرنے کی خاطر کیا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

پھر یہ تجارتی نقطۂ نظر سے بیروت سے نکلنے والا ایڈیشن متون اور اسانید میں ایسی بھیانک تحریفات، تصحیفات اور سقطات کا شکار ہوگیا ہے جن سے حدیث کے معنی یا احادیث پر (صحت وضعف) کا حکم لگانے میں تبدیلی ہوگئی ہے۔

اور ڈاکٹر عبدالعزیز بن ابراہیم شعوان نے نسائی کی سنن کبریٰ کے جزء کتاب النعوت کی تحقیق کے مقدمے کے ص ۵۶۔۶۲ میں اس طرح کی کثیر مثالیں پیش کی ہیں۔ ہائے افسوس اس طرح کے محققین اور ناشرین پر کہ وہ شریعت اسلامیہ کے اس طرح کے بنیادی مصادر کو کھلونا بنانا جائز سمجھ رہے ہیں، ایسے لوگوں کے خلاف ہم اللہ ہی سے شکایت کرتے ہیں۔

[1] استاذ ابو محمد فالح شبلی نے امام نسائی کی سنن صغریٰ وغیرہ دیگر مصنفات سے ان کی کتاب الضعفاء والمتروکین پر زیادات جمع کی ہیں یعنی جو انھوں نے کتاب الضعفاء کے علاوہ راویوں پر جرح و تعدیل کی ہے وہ ان کی کتب سے نکالی ہے اور ساتھ ساتھ تحفة الاشراف للمزی میں جو امام نسائی کے اقوال ہیں وہ بھی جمع کیے ہیں۔ تو کل ۲۷۰ نصوص جمع ہوئی ہیں اور ان کو "المستخرج من مصنفات النسائی فی الجرح والتعدیل" کے نام سے سعودی عرب کے شہر احساء میں دار فواز نے پہلی دفعہ ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱م میں طبع کیا تھا۔

[2] علامہ ابوالطیب نے ان مقامات کو حل کیا ہے۔[مؤلف] اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ طبع ثانی کے وقت اس قلمی نسخہ کا حال علامہ کے صاحبزادہ حکیم مولوی محمد ادریس صاحب سے دریافت کیا گیا تو موصوف نے لکھا کہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں۔[عبیداللہ]

[3] کشف الظنون ۲/ ۳۶، الحطة ۲۵۵ اور امام شوکانی نے سراج الدین الملقن کی ایک "زوائد النسائی علی الاربعة" نامی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: البدر الطالع ۱/ ۵۰۹، الضوء اللامع ۶/ ۱۰۲۔ [محقق]

دو حاشیے مشہور علامہ سندھی [1] اور علامہ سیوطی کے طبع ہو گئے ہیں۔ [2] علامہ سندھی نے بہ نسبت علامہ سیوطی کے زیادہ بسط اور حل سے کام لیا ہے۔

جن لوگوں نے قیاسی مسائل (جو آراء الرجال سے مخرج ہیں) کا مقابلہ فقہ الحدیث سے کیا ہے، ان میں امام نسائی بھی ہیں۔ [3]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''من الکبار الاخذین عنه (ای البخاری) من الحفاظ: مسلم بن حجاج والنسائی والترمذی و ابوالفضل احمد بن سلمة و ابن خزیمة'' ......الخ۔ [4] اور تھذیب التھذیب میں بالخصوص امام نسائی کے تلمذ کو امام بخاری سے بہت پرزور دلیل سے ثابت کیا ہے۔ [5]

---

[1] کشف الظنون ۳۶/۲، الحطة ۲۵۵، تاریخ التراث ۲۶۷/۱۔

[2] زھر الرُّبی کا اختصار بھی ہے جو علی بن سلیمان الدمنتی الجمعوی المتوفی ۱۳۰۶ھ نے ''عرف زھر الربی'' کے نام سے کیا ہے۔ تاریخ التراث ۲۶۷/۱۔ [محقق]

ابوعبدالرحمٰن محمد پنجابی اور محمد عبداللطیف نے سیوطی اور سندھی کی شرحوں کو جمع کر کے ایک شرح تیار کی ہے اور وحید الزمان نے ''روض الربی عن ترجمة المجتبیٰ'' اردو میں ترجمہ مع حاشیہ لکھا ہے۔

اور ایک سنن نسائی کا مختصر بھی ہے جس کا نام ''الرباعیات من کتاب السنن الماثورة'' ہے۔ تاریخ التراث ۲۶۷/۱۔ [محقق]

شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے سنن صغریٰ للنسائی کی احادیث کی تحقیق کی ہے جو دو قسموں میں مطبوع ہے۔ پہلی قسم صحیح سنن النسائی باختصار السند نام کے ساتھ تین جلدوں میں ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء میں مکتبة التربیة العربی لدول الخلیج ریاض سے چھپی ہے اور دوسری قسم ضعیف سنن النسائی کے نام کے ساتھ ایک ہی جلد میں ۴۴۷ احادیث پر مشتمل ہو کر مکتب اسلامی بیروت کی جانب سے ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء میں چھپی ہے۔

یہ بات دلالت کرتی ہے کہ سنن نسائی میں ضعیف احادیث دیگر سنن کی بہ نسبت قلیل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ سنن نسائی کی ایک اور مفید شرح ہے جو مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے التعلیقات السلفیه علی سنن النسائی کے نام پر لکھی ہے اور اس میں کئی شروحات کو جمع کیا گیا ہے، دیگر محققین کی کتب سے نفیس فوائد بھی لکھے ہیں جن کی فہرست دے دی گئی ہے (از مترجم)

[3] دارقطنی کا کہنا ہے کہ ابوعبدالرحمٰن نسائی اپنے زمانے میں مصر کے مشائخ میں سب سے بڑے فقیہہ اور صحیح وضعیف حدیث کو سب سے زیادہ پہنچاننے والے اور راویوں کا علم سب سے زیادہ رکھنے والے تھے۔ تھذیب الکمال ۳۳۸/۱، سیر اعلام النبلاء ۱۳۳/۱۴۔

امام حاکم نے ان کا ذکر فقہائے حدیث میں کیا ہے اور کہا ہے کہ: ابوعبدالرحمٰن (نسائی) کا فقه الحدیث (یعنی احادیث نبویہ سے مسائل شرعیہ کا استنباط) اتنا زیادہ ہے کہ اس جگہ بیان نہیں کیا جا سکتا اور جو کوئی ان کی سنن میں غور و فکر کرے گا وہ ان کے حسن کلام سے حیران رہ جائے گا''۔ معرفة علوم الحدیث للحاکم ص ۸۳ اور حاکم ہی سے امام ذہبی نے بالاختصار نقل کیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳۰/۱۴۔

[4] مقدمة الفتح ۴۹۲ مصنف نے یہ عربی میں ہی نقل کیا ہے اور اس میں کچھ تصرف اور اختصار ہے۔

[5] تھذیب التھذیب ۵۵/۹۔ امام بخاری کے احوال کے آخر میں پھر جلد ۶۳/۹ پر محمد بن اسماعیل عن حفص بن عمر بن الحارث کے ترجمہ ←

(۴) فربری ❶

یہ سب سے پچھلے وہ شخص ہیں جنہوں نے امام المحدثین سے صحیح بخاری روایت کی۔ ❷ ولادت ۲۳۱ ھ میں ہوئی۔ صاحب فضل وکمال ہیں۔ لوگ صحیح بخاری پڑھنے کے لیے اطراف عالم سے ان کے پاس آتے تھے۔ ۳۲۰ ھ میں وفات پائی۔ ❸ نام محمد بن یوسف بن ....

← میں، اور حافظ ابن حجر کا اس مقام پر ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ حافظ مزی کی غلطی واضح ہو جائے کیوں کہ مزی نے ترجیح دی تھی کہ امام نسائی نے امام بخاری سے سماع نہیں کیا بلکہ اپنے شیوخ کے واسطہ سے سماع کیا ہے۔ **تهذيب الكمال** ۴۳۳/۲۴ تو حافظ ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔

❶ فَرَبر کے فاء اور راء پر زبر کا ہونا ہی سمعانی نے **انساب** ۱۷۰/۱۰، **ابن اثیر** نے **لباب** ۴۱۸/۲ اور ابن ناصر الدین نے **توضیح** ۷۰/۷ میں ضبط کیا ہے۔ البتہ ابن ناصر الدین نے یہ بھی کہا ہے کہ فاء پر کسرہ بھی پڑھا جاتا ہے یعنی فِرَبر۔

امام ذہبی نے زبر اور زیر دونوں طرح کہا ہے اور یہ بخارا شہر کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ اور قاضی عیاض، ابن قرقول اور حازمی نے بھی دونوں طرح بیان کیا ہے اور زبر مشہور ہے اور ابن ماکولا نے زبر ہی ذکر کی ہے۔ **سیر اعلام النبلاء** ۱۲/۱۵ لیکن **اکمال** کے مطبوعہ نسخہ میں بشکل کسرہ "الفِرَبری" لکھا گیا ہے جلد ۸۴/۷۔

حموی نے کہا ہے کہ اس کا پہلا حرف فاء مکسور ہے اور بعض نے فتحہ دیا ہے۔ **معجم البلدان** ۲۴۵/۴ اور امام دارقطنی نے صرف اتنا ہی بتایا ہے کہ یہ فاء اور راء کے ساتھ ہے اور ضبط نہیں بتایا۔ **المؤتلف والمختلف** ۱۸۹۶/۴ اور فربری کے تعارف کے لیے دیکھیے: **التقييد** ۱۳۱/۱ **لا بن نقطة، وفيات الاعيان** ۲۹۰/۴، **تذكرة الحفاظ** ۷۹۸/۳، **سير اعلام النبلاء** ۱۰/۱۵، **العبر** ۹/۲، **الوافي بالوفيات** ۲۴۵/۵، **مرآة الجنان** ۲۸۰/۲، **الوفيات لابن قنفذ** ص ۲۰۶، **توضيح المشتبه** ۷۰/۷ اور **شذرات الذهب** ۲۸۶/۲۔

❷ امام ذہبی نے کہا ہے کہ روایت کیا جاتا ہے (حالانکہ یہ صحیح نہیں) کہ فربری نے کہا ہے کہ امام بخاری سے نوّے ہزار اشخاص نے صحیح بخاری کا سماع کیا ہے، اب میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا جو صحیح بخاری کو روایت کرتا ہو۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ فربری کے بعد ابوطلحہ منصور بن محمد بزدوی نسفی نے روایت کی ہے اور ۳۲۹ھ تک باقی رہے۔ **السیر** ۱۲/۱۴ (ترجمہ فربری)۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ فربری نے اپنے علم کے مطابق کہا تھا اور ابوطلحہ بزدوی فربری کی وفات سے ۹ سال بعد فوت ہوئے ہیں۔ **مقدمة فتح الباری** ص ۴۹۱ نیز بخاری سے روایت کرنے والوں میں سے ابوطلحہ سب سے آخر میں فوت ہوئے ہیں جیسا کہ ابن نقطہ اور ابن ماکولا نے کہا ہے۔ دیکھیے: **تغليق التعليق** ۴۳۵/۵، **الاكمال** ۲۴۳/۷، **التقييد** ۲۵۸/۲ اور **سير اعلام النبلاء** ۲۷۹/۱۵۔ **(ترجمة البزدوي)**

❸ اصل اردو میں ۳۳۰ لکھا گیا ہے جو کہ چھاپے کی غلطی ہے اور اصلی مصادر متفق ہیں کہ ان کی وفات شوال ۳۲۰ھ میں تھی۔

اور فربری سے صحیح بخاری روایت کرنے والی اہم شخصیات یہ ہیں:

۱۔ ابوزید محمد بن احمد مروزی وفات ۳۷۱ھ۔ **السیر** ۳۱۳/۱۶۔

۲۔ حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن مصری وفات ۳۵۳ھ اور یہ پہلے شخص ہیں جو صحیح بخاری مصر میں لے گئے تھے اور وہاں کے محدثین کو روایت کی تھی۔ **السیر** ۱۱۷/۱۶۔ ←

مطر بن صالح بن بشر ہے۔ ❶ صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں قال الفربری موجود ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں فربری امام المحدثین کی روایت یا سند کے متعلق کچھ فوائد بتانا چاہتے ہیں یا اس قدر حصہ ان کو بواسطہ پہنچا خود امام صاحب

→ ۳۔ ابوالہیثم محمد بن مکی کُشْمِیہَنِی مروزی وفات ۳۸۹ھ۔ السیر ۱۶/۴۹۱۔

۴۔ ابومحمد عبداللہ بن احمد بن حَمُّوْیَہ سرخسی وفات ۳۸۱ھ اور ان کا ایک علیحدہ جزء ہے جس میں صحیح بخاری کے ابواب اور ہر باب کی احادیث ہیں۔ امام نووی نے اپنی بخاری کی شرح کے شروع میں یہ جزء درج کیا ہے۔ السیر ۱۶/۴۹۲۔

۵۔ ابوعلی محمد بن عمر بن شَبُّوْیَہ شَبُّوْیِی مروزی۔ انھوں نے فربری سے ۳۱۶ھ کو صحیح بخاری کا سماع کیا اور ۳۸۷ھ کو مرو شہر میں بیان کیا۔ السیر ۱۶/۴۲۳۔

۶۔ ابوحامد احمد بن عبداللہ نعیمی وفات ۳۸۶ھ۔ السیر ۱۶/۴۸۸۔

۷۔ ابواسحاق ابراہیم بن احمد مستملی بلخی ۳۱۴ھ میں صحیح بخاری کا سماع کیا اور ۳۷۶ھ کو فوت ہوئے السیر ۱۶/۴۹۲۔

۸۔ ابوعلی اسماعیل بن محمد احمد بن حاجب کشانی سمرقندی۔ یہ صحیح بخاری کو عالی سند کے ساتھ روایت کرنے والے آخری شخص ہیں۔ فربری سے ۳۲۰ھ کو بخاری کا سماع کیا اور ۳۹۱ھ کو وفات پائی۔ السیر ۱۶/۴۸۱ اور فربری سے صحیح بخاری کو سب سے آخر میں روایت کرنے والے بھی یہی ہیں۔ فتح الباری ۱/۵۔

۹۔ ابونصر احمد بن محمد بن احمد اَخْسِیکَثِی۔ فتح الباری ۱/۵۔

۱۰۔ ابواحمد محمد بن محمد جرجانی۔ سیر ۱۵/۱۱، فتح الباری ۱/۵۔

❶ فربری کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔

صاحب انساب کے والد ابوالسمعانی اپنی امالی میں کہتے ہیں کہ فربری ثقہ متقی پرہیزگار تھے۔ التقیید ۱/۱۳۲، سیر اعلام النبلاء ۱۵/۱۱۔

اور امام ذہبی نے انہیں محدث ثقہ اور عالم کہا ہے۔ السیر ۱۵/۱۰۔

اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان کی صحیح بخاری کی روایت تمام روایات سے زیادہ کامل ہے۔ تغلیق التعلیق ۵/۴۳۵۔

ابونصر کلاباذی نے کہا ہے کہ فربری نے امام بخاری سے صحیح بخاری کا دو بار سماع کیا ہے۔ ایک بار ۲۴۸ھ کو فربر میں اور دوسری بار ۲۵۲ھ کو بخارا میں۔ رجال صحیح البخاری ۱/۲۴۔

اور یہ بات ان سے ابن نقطہ نے اپنی سند کے ساتھ بھی بیان کی ہے۔ التقیید ۱/۱۳۲۔

حافظ نے فتح الباری ۱/۵ میں ذکر کیا ہے۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ انھوں نے امام بخاری سے فربر میں دو بار سماع کیا ہے۔ سیر ۱۵/۱۱۔

ابن نقطہ نے تقیید ۱/۱۳۲ میں اپنی سند کے ساتھ غنجار سے بیان کیا ہے، غنجار نے اپنی تاریخ بخارا میں اسماعیل بن محمد بن حاجب کشانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے محمد بن یوسف بن مطر (فربری) سے کہتے ہوئے سنا کہ انھوں نے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل سے صحیح جامع کا فربر میں تین سال میں سماع کیا ہے یعنی ۲۵۳ھ، ۲۵۴ھ اور ۲۵۵ھ۔ یہ بات سمعانی نے بھی انساب ۱۰/۱۷۱ میں ذکر کی ہے اور حافظ ابن حجر کی بعض تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری کا اصل فربری کے پاس تھا۔ دیکھیے: فتح الباری ۴/۳۰۰ کتاب البیوع باب اذا راوا تجارۃً او لھواً ...... الخ۔

سے نہیں سنا۔ ❶

(۵) دارمی ❷

امام دارمی امام المحدثین کے تلامذہ میں وہ صاحب فضل وکمال ہیں کہ خود امام المحدثین کو ان کی وفات سے بہت بڑا صدمہ ہوا۔ وفات کی خبر سن کر اِنّا للہ وانّا الیہ رٰجعون، پڑھا۔ آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ دیر تک سر نیچے جھکائے رہے اور یہ شعر پڑھا۔

اِنْ عِشْتَ تُفْجَعُ بِالْاَحِبَّۃِ کُلِّھِم
و بَقَاءُ نَفْسِکَ لَا أبا لَکَ اَفْجَعُ ❸

امام دارمی ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ نام عبداللہ، کنیت ابومحمد ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام بن عبدالصمد ❹ تمیمی الدارمی علوم اسلامیہ کی دھن میں بڑے بڑے سفر کیے۔ بالخصوص حجاز، بلاد خراسان، عراق، مصر وغیرہ۔ اساتذہ میں امام المحدثین کے علاوہ یزید بن ہارون، نضر بن شمیل اور ان کے اقران بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔ اور تلامذہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی، ابوداؤد صاحب السنن، عبداللہ بن امام احمد مشاہیر سے ہیں۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں بھی امام دارمی سے روایتیں موجود ہیں۔ و کفی بہ فخراً۔ ❺

---

❶ ابوجعفر وراق کے تعارف میں "تلامذۂ بخاری" میں اس کے متعلق ہمارا حاشیہ دیکھیے۔

❷ دارم بکسر راء دارم بن مالک کی طرف منسوب ہے جو بنی تمیم کی شاخ ہے۔

امام دارمی کے تعارف کے لیے دیکھیے: الجرح و التعدیل ۹۹/۵، ثقات ابن حبان ۳۶۴/۸، ذکر اسماء التابعین للدارقطنی ۱۳۶/۲، تسمیۃ من اخرجھم البخاری و مسلم للحاکم ص ۱۶۰، رجال صحیح مسلم ۳۵۱/۱، تاریخ بغداد ۲۹/۱۰، الجمع بین رجال الصحیحین ۲۷۰/۱، طبقات الحنابلۃ ۱۸۸/۱، القند فی علماء سمرقند ص ۱۷۲، الانساب ۲۸۰/۵، المعجم المشتمل ص ۱۵۶، تہذیب الکمال ۲۱۰/۱۵، طبقات علماء الحدیث ۲۱۵/۲، التذکرۃ ۵۳۴/۲، سیر اعلام النبلاء ۲۲۴/۱۲، العبر ۳۶۵/۱، الکاشف ۹۳/۲، التقریب ۵۲۲، التہذیب ۲۹۴/۵، النجوم الزاھرۃ ۲۲/۳ اور المقصد الارشد ۳۷/۲ وغیرہ۔

❸ مقدمۃ الفتح ۴۸۱، الطبقات للسبکی ۲۳۵/۲، طبقات میں (ان عشت) کی جگہ (ان تبق) کے الفاظ ہیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ تہذیب ۲۹۶/۵، الحطۃ ۲۸۰ [محقق] سیر اعلام النبلاء ۲۲۹/۱۲۔

اس شعر کی تخریج امام بخاری کے حالات میں ہو چکی ہے۔

اور تہذیب الکمال، سیر اور تہذیب التہذیب میں "وبقاء نفسک" کی جگہ "وفناء نفسک" کے الفاظ ہیں۔

❹ سیر اعلام النبلاء ۲۲۴/۱۲ پر عبدالصمد کی جگہ عبداللہ ہے اور بظاہر وہ تحریف ہی لگتی ہے۔

❺ تذکرۃ الحفاظ ۵۳۵/۲، سیر اعلام النبلاء ۲۲۵/۱۲۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام دارمی کی تصنیفات میں **المسند، کتاب التفسیر اور الجامع** ہے [1] لیکن امام دارمی کی مسند دیگر مسانید کی ترتیب (اسماء صحابہ) پر نہیں ہے بلکہ ابواب کی ترتیب پر ہے۔ اس لیے بجائے مسند کے سنن یا صحیح کہنا بجا ہے۔ علامہ عراقی نے تو اس پر ایک خاص بحث لکھی ہے۔ [2] سنن دارمی باعتبار صحت وعلو اسانید و ذکر تعامل صحابہ بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ محققین نے بجائے ابن ماجہ [3] صحاح ستہ ....

[1] **تذکرۃ الحفاظ** ۲/۵۳۵، سیر ۱۲/۲۲۸۔ امام ذہبی نے خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے۔ (**تاریخ بغداد** ۱۰/۲۹)

[2] **فتح المغیث للعراقی** ۱/۵۰، **التقیید والایضاح** ۴۲، **تدریب الراوی** ۱/۱۷۴۔ [محقق]
حافظ عراقی نے ابن صلاح کی بات پر نقد کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ ابن صلاح کا مسند دارمی کو ان مسانید سے شمار کرنا وہم ہے جن میں ہر صحابی کی احادیث کو علیحدہ علیحدہ کر کے بیان کیا گیا ہوتا ہے کیونکہ مسند دارمی کی ترتیب کتب خمسہ کی طرح ابواب پر ہے اور اس کا نام مسند اسی طرح مشہور ہوا ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح کا نام **المسند الجامع الصحیح** رکھا ہے۔ اگر چہ اس کی ترتیب ابواب پر ہے لیکن پھر بھی اس کا نام **المسند الجامع الصحیح** اس لیے رکھا ہے کہ اس میں مسند احادیث ہیں۔ البتہ دارمی میں بہت سی مرسل، منقطع، معضل اور مقطوع احادیث بھی ہیں۔ دیکھیے: **فتح المغیث للعراقی** ۱/۵۶۔ امام سخاوی نے بھی اسی طرح کہا ہے اور آخر میں یہ بھی کہا ہے کہ بعید احتمال ہے کہ ابن صلاح نے مسند دارمی سے دارمی کی وہ مسند مراد لی ہو جو خطیب بغدادی کے قول میں ہے کہ دارمی نے **المسند، التفسیر اور الجامع** تصنیف کی ہیں۔ **فتح المغیث للسخاوی** ۱/۱۰۴۔ (طبع جامعہ سلفیہ ہند)

[3] علمائے ہند کے ہاں کتب ستہ پر **الصحاح** کا اطلاق عام ہو چکا ہے اگر چہ سنن اربعہ میں ضعیف احادیث بھی ہیں لیکن ان علماء کے ہاں اس میں کچھ عذر بھی ہے کیوں کہ کئی آئمہ کرام نے سنن پر کلمہ صحیح کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ حاکم اور بغدادی نے سنن ترمذی پر صحیح سنن، ابن مندہ اور ابن سکن نے سنن ابوداؤد اور نسائی پر صحیح، حاکم نے سنن ابوداؤد پر اور ان میں سے ایک جماعت مثل ابوعلی نیشاپوری، ابواحمد ابن عدی، دارقطنی اور خطیب نے سنن نسائی پر صحیح کا اطلاق کیا ہے۔ **فتح المغیث للسخاوی** ۱/۱۰۰ طبع بنارس۔ اسی طرح عبدالغنی بن سعید اور ابویعلی خلیلی وغیرہ نے بھی سنن نسائی پر صحیح کا اطلاق کیا ہے۔ **النکت لابن حجر** ۱/۴۸۱۔
حافظ ابن صلاح نے کہا ہے کہ حافظ ابوطاہر سلفی نے کتب خمسہ کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان کتب کی صحت پر مشرق ومغرب کے علماء کا اتفاق ہے۔ مگر یہ کہنا تساہل ہے کیوں کہ ان کتب میں بعض ایسی احادیث بھی ہیں جن کے ضعیف یا منکر وغیرہ ہونے کی علماء حدیث نے صراحت کی ہے۔ **مقدمۃ ابن صلاح مع التقیید والایضاح** ص ۶۲۔
امام نووی نے کہا ہے کہ سلفی کی مراد اس سے یہ تھی کہ سنن ثلثہ نسائی ترمذی اور ابوداؤد کی اکثر احادیث سے علمائے شرق وغرب حجت پکڑ لیتے ہیں اور بخاری ومسلم کی تمام احادیث سے۔ واللہ اعلم **الارشاد** ۲/۱۴۳۔ حافظ ابن حجر نے نووی کی بات کو برقرار رکھا ہے کوئی نقد نہیں کیا۔ **النکت** ۱/۴۷۹۔
اور حافظ کا اپنا خیال بھی یہی ہے کہ یہ حکم تغلیباً ہے۔ **النکت** ۱/۴۷۹، **ایضاً** ۱/۴۸۹۔
شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے کہا ہے کہ ان کو صحاح ستہ کا نام تغلیبا دیا گیا ہے۔ دیکھیے: **الحطۃ** ص ۴۱۰ تحقیق علی حلبی۔ اللہ تعالیٰ علامہ محدث شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کو اسلام اور اھل اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے، اس لیے کہ انھوں نے سنن اربعہ کو دو حصوں میں علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے یعنی صحیح اور ضعیف اور صحیح سنن ابی داؤد، صحیح سنن الترمذی، صحیح سنن النسائی اور صحیح سنن ابن ماجہ کے نام کے ساتھ (**مکتب التربیۃ العربی لدول الخلیج بالریاض**) نے طبع کی ہیں۔ اسی طرح ضعیف سنن ابی داؤد، ضعیف سنن الترمذی، ضعیف ←

میں اسی کو داخل کیا ہے۔ ❶

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''(ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے) ❷ پہلے پہل ابن ماجہ کو جس نے صحاح ستہ میں داخل کیا وہ امام ابوفضل بن طاہر ہیں۔ ❸ بقول ان کے انھوں نے ابن ماجہ پر ''اطراف'' لکھی اور شروط آئمہ ستہ کے بارے

← سنن النسائی اور ضعیف سنن ابن ماجہ مکتبہ اسلامی بیروت کی جانب سے مطبوع ہیں۔

❶ وہ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی ہیں۔ ماجہ ان کی ماں کا نام ہے۔ ھا اس میں اصل ہے تاء کے بدل میں نہیں ہے۔ ۲۷۳ھ کو فوت ہوئے۔ ابن ماجہ کی مشہور شروحات یہ ہیں: عطاء الدین مغلطائی کی شرح، حافظ سیوطی کی مصباح الزجاجة، حلبی کی شرح، علامہ دمیری کی دیباجة، شرح ابن ملقن: بما تمسّ اليه الحاجة على سنن ابن ماجه''، شرح ابن ھادی عبدالغنی دہلوی کی انجاح الحاجة۔ (مؤلف)

سنن ابن ماجہ کی اور بھی کئی شروحات ہیں جو کہ تاریخ التراث ۱/۲۳۰۔۲۳۲ پر ذکر کی گئی ہیں۔ تاریخ الادب لبرو کلمان ۳/۱۹۸۔۱۹۹۔ مزید دیکھیے: کشف الظنون ۲/۲۴، حطة ۲۵۶، ۲۵۷۔ (مراجع)

خلیلی نے کہا ہے کہ ابن ماجہ کے باپ کا نام یزید ہے جو کہ ماجہ کے ساتھ معروف تھا، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۸۔ اور رافعی نے ''التدوين فی اخبار قزوين'' میں کہا ہے کہ ماجہ ابوعبداللہ کے والد یزید کا لقب ہے۔ میں نے ابوالحسن قطان وھبۃ اللہ بن زاذان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر میں اسی طرح دیکھا ہے، اور محمد بن یزید بن ماجہ بھی کہا جاتا ہے لیکن پہلا زیادہ ثابت ہے۔ (۲/۴۹)۔ نووی نے کہا ہے کہ ماجہ یزید ہی ہے تہذیب الاسماء ۱/۱/۸۹۔ مزی، ذہبی اور ابن حجر میں سے کسی نے بھی کسی کا یہ قول نقل نہیں کیا کہ ماجہ ان کی والدہ کا نام تھا لیکن زبیدی (جن کی وفات ۱۲۰۵ھ میں ہوئی ہے) نے تاج العروس ۲/۴۹۰ مادہ (موج) میں کہا ہے کہ یہاں ایک جماعت نے ایک دوسرا قول بھی اختیار کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے کہ ماجہ ان کی ماں کا نام تھا اور یہ ملاعلی قاری نے شرح الاربعین سے نقل کیا ہے جیسا کہ تحفة الاحوذی کے مقدمہ ۱/۱۳۷ میں ہے۔ علامہ صدیق حسن خان نے حطة میں کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ماجہ ان کی والدہ تھی۔ انھوں نے یہ قول شیخ عبدالعزیز دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ کی کتاب انجاح الحاجة سے نقل کیا ہے الحطہ ص ۴۶۱ تحقیق علی حلبی۔ یہ قول شیخ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب بستان المحدثین میں بھی ہے

میں نہیں جانتا کہ ان سے پہلے آئمہ متقدمین میں سے کسی نے یہ کہا ہو اور شیخ عبدالعزیز دہلوی نے عجالہ نافعہ میں خود اس کی نفی کی ہے جیسا کہ صاحب ماتمس اليه الحاجة نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ عجالہ نافعہ کی عبارت ہے ''وماجہ لقب پدر ابوعبداللہ نہ لقب جداو ونہ نام مادر'' یعنی ماجہ ابوعبداللہ کے والد کا لقب ہے، نہ دادا اور نہ ہی ان کی ماں کا نام ہے۔ (عجالہ کے عربی ترجمہ ص ۹۴ سے لفظ والد ساقط ہو گیا ہے)۔

❷ ''حكى ابن عساكر'' الفاظ ابن حجر کی نکت سے زیادہ کیے گئے ہیں۔

اور ابن عساکر حافظ کبیر محدث شام ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ بن حسین دمشقی شافعی ہیں۔ کئی کتب کے مصنف ہیں اور بہت بڑی تاریخ لکھی جو تاریخ دمشق کے نام سے معروف ہے۔ (ساٹھ جلدوں سے تجاوز کر گئی ہے) اور ''الاشراف على معرفة الاطراف'' کتاب بھی لکھی، ۵۷۱ھ میں وفات پائی۔

تذكرة الحفاظ ۴/۱۳۲۸۔۱۳۳۴، الاعلام ۵/۸۲۔۸۳، معجم المؤلفين ۷/۶۹۔۸۰۔ [محقق]

❸ وہ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی الشیبانی المعروف بابن القیسرانی، ابن العماد نے کہا ہے کہ حافظ قیسرانی حفاظ حدیث میں سے سیاح مؤرخ تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے ''اطراف الكتب الستة'' بھی ہے۔ ۵۰۷ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذهب ←

میں ایک جزء تصنیف کیا، اور ابن ماجہ کو ان آئمہ ستہ میں شمار کیا۔ پھر حافظ عبدالغنی ❶ نے "کتاب الکمال فی اسماء الرجال" لکھی جس کی ابوالحجاج مزی نے تہذیب کی ❷ اور انھوں نے بھی ان کا تذکرہ انہی محدثین میں کیا"، ❸ اور یہ ایک بات مشہور ہوگئی ورنہ بجائے ابن ماجہ کے صحاح ستہ میں سنن دارمی کو داخل کرنا بہت مناسب ہے۔ بڑے بڑے لوگ اس کے قائل ہیں۔ علامہ مغلطائی ❹ فرماتے ہیں: "ینبغی ان یعد کتاب الدارمی سادساً للکتب الخمسة بدل کتاب ابن ماجة"۔

امام دارمی کی فقاہت اور ان کا اتقانِ علم سنن دارمی کے تراجم ابواب سے ظاہر ہے۔ ❺

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "ثقة وزيادةٌ". وہ بہت ہی زیادہ قابل بھروسا عالم ہیں اور آپ نے ان کی تعریف

← ۸/۴، الاعلام ۴۱/۷، معجم المؤلفین ۹۸/۱۰۔۹۹۔ [مراجع]

❶ وہ عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور ہیں۔ حافظ، امام اور محدث الاسلام تقی الدین ابو محمد مقدسی جماعیلی پھر دمشقی صالحی حنبلی تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ ان کی تصانیف میں الکمال ہے جو کہ دس جلدوں میں ہے اور اڑتالیس اجزاء میں المصباح ہے اور چھ اجزاء میں الاحکام ہے اور دو جزؤں میں الصفات ہے۔ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۱۳۷۲/۴۔۱۳۸۱، شذرات الذهب ۳۴۵/۴۔۳۴۶، الاعلام ۱۶۰/۴، معجم المؤلفین ۳۷۵/۵۔۳۷۶ [محقق]

❷ وہ امام، عالم کبیر، حافظ، منفرد محدث شام جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن زکی عبدالرحمٰن بن یوسف قزاعی پھر کلبی، دمشقی شافعی ہیں، دوسو پچاس اجزاء میں تہذیب الکمال لکھی اور اسی سے کچھ اوپر اجزاء میں تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف لکھی۔ ۷۴۲ھ میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۱۴۹۷۔۱۵۰۰، شذرات الذهب ۱۳۶/۶۔۱۳۷، الاعلام ۲۱۳/۹ اور معجم المؤلفین ۳۰۸/۱۳۔ [محقق]

❸ النکت علی ابن الصلاح ۴۸۷/۱، فتح المغيث للسخاوی ۳۳۔ تدریب الراوی ۱۷۳ اور الحطة ۲۵۶۔ [محقق]

❹ یہ قول دراصل علامہ علائی کا ہے مغلطائی کا نہیں ہے۔ ممکن ہے مصنف نے جس مصدر سے یہ نقل کیا ہو اس میں تحریف ہوئی ہو۔ دیکھیے النکت ۲۷۹/۱ اور فتح المغيث ۳۳ للسخاوی۔ ان دونوں میں یہ قول علامہ علائی ہی کا ذکر کیا ہے اور علائی خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ علائی دمشقی ابوسعید صلاح الدین ہیں، ۷۶۱ھ میں وفات ہوئی۔ ان کی تصنیفات سے "جامع التحصیل فی احکام المراسیل اور مختصر جامع الاصول لاحادیث الرسول" ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ۱۵۰۷/۴۔۱۵۰۸، الاعلام ۳۶۹/۲۔۳۷۰، معجم المؤلفین ۱۳۶/۴ اور شذرات الذهب ۱۹۱/۶۔۱۹۰۔

اور مغلطائی علاء الدین مغلطائی بن قلیج ترکی مصری حنفی ابوعبداللہ ہیں، مؤرخ اور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں سے شرح صحیح بخاری، شرح سنن ابی ماجہ اور تیرہ اجزاء میں اکمال تهذيب الكمال وغیرہ ہیں۔ ۷۶۲ھ میں وفات پائی۔ شذرات الذهب ۱۹۷/۶، البدر الطالع ۳۱۲/۲۔۳۱۳، الاعلام ۱۹۶/۸۔۱۹۷ اور معجم المؤلفین ۳۱۳/۱۲۔ (المحقق)

❺ ابن حبان نے کہا ہے کہ امام دارمی مُتْقِنِیْن (مضبوط) حافظ حدیث اور دین داری میں متقی پرہیز گاروں میں سے تھے۔ انھوں نے حدیث یاد کی اور جمع کی اور حدیث میں فقاہت حاصل کی اور تصنیفات لکھیں اور حدیثیں بیان کیں اور اپنے شہر میں سنت کو عام کیا اور دعوت دی اور اس کا دفاع کیا اور حدیث کے مخالفین کا قلع قمع کیا۔ الثقات ۳۶۴/۸، تهذيب الكمال ۲۱۵/۱۵، سیر اعلام النبلاء ۲۲۷/۱۲۔

اور محمد بن ابراہیم بن منصور شیرازی نے کہا ہے کہ امام عبداللہ دارمی انتہائی عقل و دین داری والے تھے علم درایت و حفظ اور عبادت و زھد میں ضرب المثل تھے۔ سمرقند میں علم حدیث عام کیا اور حدیث رسول سے کذب کو دور کیا۔ کامل مفسر و فقیہہ اور عالم تھے۔ تهذیب ←

کرتے ہوئے کہا[1]: "ھو ذاك السید"۔وہ تو سردار ہیں۔[2] اور امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: "ھو امام زمانه"[3] وله خمسة عشر حدیثامن الثلاثیات.[4] یعنی داری اپنے زمانہ کے امام تھے اور پندرہ حدیثیں ان کی ثلاثیات میں سے ہیں جو تین ہی واسطہ سے آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ ۲۵۵ھ میں عرفہ کے دن وفات پائی اور مرو میں دفن ہوئے۔[5] ان کا تلمذ امام المحدثین سے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری نے لکھا ہے۔[6]

(۶) جزرۃ الحافظ *

نام صالح بن محمد جزرہ ہے۔ ۲۰۵ھ میں ولادت ہوئی۔ بڑے قوی الحافظہ تھے۔ بلاد ماوراء النہر میں مدتوں زبانی

---

* الکمال ۱۵/۱۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۷۔

[1] تاریخ بغداد ۱۰/۳۰۔

[2] تاریخ بغداد ۱۰/۳۰۔

[3] تاریخ بغداد ۱۰/۳۲، تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۳۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۷۔

[4] ان پندرہ ثلاثیات کا ابو عمران عیسیٰ بن عمر بن عباس سمرقندی نے انتخاب کیا ہے اور مکتبہ ظاہریہ میں اس کا نسخہ موجود ہے اور اس کا ایک اور نسخہ کوبریلی میں ہے جیسا کہ سزگین نے تاریخ التراث میں ذکر کیا ہے ۱/۱۷۳، جیسا کہ قاہرہ کے دار الکتب میں ایک (جزء فیه موافقات الدارمی) نامی کتاب پائی جاتی ہے۔
اور محمد نعیم عطا کی ایک کتاب ہے جس کا نام "الحل المدلل علی الدارمی" ہے۔ اس کا نصف اول لکھنو میں ۱۳۲۲ھ کو طبع ہوا۔ (تاریخ التراث)
اور ہمارے ساتھی ڈاکٹر سیف الرحمٰن مصطفیٰ رحمہ اللہ نے "زوائد الدارمی علی الکتب الستة من الاحادیث المرفوعة" تالیف کی ہے اور اس کی تحقیق و تخریج کی اور اس کے ساتھ ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷م کو ام القریٰ مکہ مکرمہ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے

[5] ابن مجاہیہ نے کہا ہے کہ ابو العباس سراج نے کہا کہ دارمی ۲۵۵ھ کو سمرقند میں عرفہ کے دن فوت ہوئے۔ رجال مسلم ۱/۳۵۱، الانساب للسمعانی ۵/۲۸۱ اور المعجم المشتمل ص ۱۵۶ میں ہے کہ جمعرات کا دن تھا۔ دیکھیے: تاریخ بغداد ۱۰/۳۲۔ ان کی عمر ۷۵ سال ہوئی ہے، عصر کے بعد فوت ہوئے اور عرفہ کے دن دفن ہوئے اور جمعہ کا دن تھا۔ تاریخ بغداد ۱۰/۳۲، تهذیب الکمال ۱۵/۲۱۶، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۸ نیز ابن حبان ۸/۳۶۴۔

[6] مرقاۃ المفاتیح ۱/۲۳ امام بخاری نے بھی دارمی سے روایت کی ہے اور یہ امام ترمذی نے بواسطہ امام بخاری دارمی سے بیان کیا ہے جیسا کہ حافظ مزی نے تهذیب الکمال ۲۴/۴۳۳ میں بیان کیا ہے۔

[7] وہ امام حافظ ابو علی صالح بن محمد بن عمرو بن حبیب باعتبار ولاء اسدی، بغدادی تھے اور بخارا میں آگئے تھے۔ حافظ مزی نے امام بخاری سے روایت کرنے والوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ تهذیب الکمال ۲۴/۴۳۵ اور خلیلی نے کہا ہے کہ وہ حافظ اور بڑے ذہین اور فن حدیث کے عالم تھے...... بخارا میں منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (الارشاد ۳/۹۶۷، ۲/۶۰۹) خطیب نے کہا ہے کہ لمبا زمانہ اپنے حافظے کے زور پر احادیث بیان کرتے رہے اور کتاب اپنے ساتھ نہ رکھتے تھے اور وہ صدوق اور مضبوط تھے اور مزاح اور خوش طبعی کرنے ←

درس دیتے رہے۔ کتاب پاس بھی نہیں رکھتے تھے۔ اس غضب کا حافظہ تھا کہ کسی نے کبھی حرف گیری یا وہم وغیرہ کا موقع نہ پایا۔ یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، سعید بن سلیمان، ابو نصر تمار جیسے لوگوں کے فیض صحبت و تعلیم سے ممتاز ہوئے۔ ۲۶۶ھ میں شہر بخارا میں متوطن ہوئے۔ وہاں کے حاکم نے ان کی بڑی توقیر و تعظیم کی۔ [۱]

دارقطنی کہتے ہیں: "كان ثقة حافظا عارفا". [۲] وہ ثقہ، حافظ اور حدیث کی معرفت رکھنے والے تھے۔

ابو سعد کہتے ہیں [۳]: "رأيت ابن عدي يفخم امره و يعظمه". [۴] میں نے ابن عدی جیسے باکمال شخص کو دیکھا کہ وہ حافظ جزرہ کی بڑی شان بتاتے اور بڑی تکریم کرتے۔

مزاج میں مزاح اور خوش طبعی تھی۔ علامہ ذہبی نے ان کا بالتفصیل تذکرہ لکھا ہے۔ امام المحدثین کے ہم عصر ہیں لیکن اس فضل و کمال و معاصرت کے ساتھ بھی امام المحدثین کی تحقیقات اور نکات حدیثیہ سے مستغنی نہ رہ سکے اور حلقہ درس میں آ کر زانوئے تلمذ تہ کیا اور برابر استفادہ کیا۔ [۵] ۲۹۳ھ میں وفات پائی۔ [۶]

← میں معروف تھے۔ ان کے احوال معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیجیے: المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۷۵۰/۲، تاریخ بغداد ۲۲۳/۹، الاکمال لابن ماکولا ۴۶۱/۲، الانساب للسمعانی ۲۷۰/۲ (الجزری) طبقات علماء الحدیث ۳۴۸/۲، نزهة الالباب ۱۷۰/۱، المنتظم ۵۲/۱۳، منتظم میں ان کی ولادت ۲۱۰ھ کی ہے، کشف النقاب عن الاسماء و الالقاب لابن الجوزی ۱۳۸/۱، تذکرة الحفاظ ۶۴۱/۲، سیر اعلام النبلاء ۲۳/۱۴، العبر ۴۲۵/۱ حوادث ۲۹۴ھ المشتبه ۲۳۲/۱، البدایة والنهایة ۱۰۲/۱۱، توضیح المشتبه ۳۲۰/۲، تبصیر المنتبه ۴۳۵/۱، النجوم الزاهرة ۱۹۱/۳، طبقات الحفاظ ۲۸۱، شذرات الذهب ۲۱۹/۲ اور تهذیب تاریخ دمشق ۳۸۱/۶۔

[۱] تذکرة الحفاظ ۶۴۲/۲۔

[۲] تذکرة الحفاظ ۶۶۲/۲۔ دارقطنی کی مؤتلف وغیرہ میں ہے کہ وہ ثقہ، صدوق، حدیث کے حافظ اور اس کی معرفت رکھنے والے تھے۔

[۳] اصل اردو میں ابو سعد کی جگہ ابو سعید لکھا گیا ہے۔ ابو سعد حافظ الحدیث اور حدیث کے امام اور مصنف تھے، سمرقند کے محدث تھے، نام ان کا عبدالرحمٰن بن محمد ادریسی استرآبادی ہے۔ تاریخ سمرقند اور تاریخ استرآباد وغیرہ تالیف کی ہیں۔ سمرقند میں ۴۰۵ھ کو وفات پائی۔ سیر اعلام النبلاء ۲۲۶/۱۷۔

[۴] تاریخ بغداد ۳۲۴/۹، تذکرة الحفاظ ۶۴۲/۲۔

[۵] بغداد میں امام بخاری کے مستملی بنتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے زیادہ فہم رکھنے والا کوئی خراسانی نہیں دیکھا۔ نیز امام بخاری حدیث کے ان کے سب سے بڑے حافظ تھے اور میں ان کی طرف سے بغداد میں مستملی ہوا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔الخ مقدمة فتح الباری ۴۸۵۔

[۶] تذکرة الحفاظ ۶۴۲/۲ وغیرہ۔

(۷) فقیہہ امام محمد بن نصر مَرُوَزِی ◆

۲۰۲ ھ میں پیدا ہوئے۔ امام المحدثین ◆ کے علاوہ امام اسحٰق بن راہویہ، یحیٰی بن یحیٰی، یزید بن صالح، ہشام بن عمار، صدقہ بن الفضل سے شرف تلمذ ہے۔ فقاہت کے ساتھ آ ثار صحابہ، مذاہب صحابہ و تابعین کے جامع تھے۔ تالیفات میں کتاب رفع الیدین، کتاب تعظیم الصلٰوۃ، کتاب القسامہ، قیام اللیل کا پتہ ان کے مترجمین بتاتے ہیں۔ ◆

عثمان بن جعفر کے واسطہ سے خطیب راوی ہیں کہ امام ابونصر کا خود بیان ہے کہ میں اپنی ایک لونڈی کے ساتھ مصر سے حج کے لیے بحری سفر سے مکہ کو چلا۔ جہاز غرقاب ہوا۔ میرے دو ہزار اجزاء جو ہمارے ساتھ تھے ضائع ہوگئے۔ اتفاقات سے میں اور میری لونڈی ایک تختہ پر بہہ نکلے۔ اور ایک جزیرہ میں پہنچ گئے۔ اس جزیرہ میں کسی آدمی کا پتہ نہیں

◆ مروزی کے احوال کے لیے دیکھیے: معرفة علوم الحديث للحاكم ص ۸۱، تاريخ بغداد ۳/۳۱۵، طبقات الفقهاء للشيرازی ۱۰۶، المنتظم ۱۳/۵۴، تهذيب الاسماء و اللغات ۱/۹۲، طبقات الشافعية لابن الصلاح ۱/۲۷۹، طبقات علماء الحديث ۲/۶۵۰، سیراعلام النبلاء ۱۴/۳۳، العبر ۱/۴۲۶، الوافی الوفیات ۵/۱۱۱، مرآة الجنان ۲/۲۲۳، طبقات السبكی ۲/۲۴۶، البداية والنهاية ۱۱/۱۰۲، طبقات الشافعية للاسنوی ۲/۳۷۲، الوفيات لابن قنفذ ص ۱۹۵، طبقات الشافعية لابن قاضی شهبة ۱/۸۴، التقريب ۹۰۲، التهذيب ۹/۴۸۹، النجوم الزاهرة ۳/۱۶۱، طبقات الحفاظ ۲۸۴، حسن المحاضرة ۱/۳۱۰، شذرات الذهب ۲/۲۱۶۔

◆ حافظ مزی نے ان کا ذکر بخاری سے روایت کرنے والوں میں کیا ہے۔ تهذيب الكمال ۲۴/۴۲۶ دیکھیے: مقدمة فتح الباری ۴۹۲، مقدمة محقق تعظيم قدرالصلوة للمروزی ۱/۳۴ اور کتاب اختلاف العلماء ص ۱۴۔

◆ ان کی کتاب قيام الليل طبع ہوچکی ہے اور اس میں کتاب رفع الیدین کا ذکر کیا ہے۔ [مؤلف]

امام محمد بن نصر مروزی کی مطبوعہ کتب میں سے مندرجہ ذیل کتب ہیں:

۱۔ تعظيم قدر الصلٰوة ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار فریوائی کی تحقیق سے مکتبۃ الدار مدینہ منورہ کی طرف سے ۱۴۰۶ ھ میں پہلی بار طبع ہوئی۔

۲۔ "السنة" کئی دفعہ چھپی ہے۔

۳۔ "اختلاف العلماء" صبحی سامرائی کی تحقیق سے دار عالم الکتب بیروت کی طرف سے ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء کو دوسری بار چھپی ہے۔

۴۔ قیام اللیل ۵۔ قیام رمضان ۶۔ کتاب الوتر ۔ علامہ احمد بن علی مقریزی متوفی ۸۴۵ھ نے ان تینوں کا اختصار کیا ہے۔

اور یہ تینوں مختصرات ایک ہی جلد میں مطبوع ہیں۔ حدیث اکیڈمی پاکستان نے ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء کو طبع کیں اور اس کے علاوہ بھی کئی دفعہ چھپی ہیں اور امام مروزی کی اور بھی کئی تالیفات ہیں۔ ان کے احوال ذکر کرنے والوں نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مذکورہ مصادر کی طرف رجوع کر لیا جائے اور مؤیسم بن منیر بن مبارك نفیعی کی کتاب "محمد بن نصر المروزی و جهوده فی بيان عقيدة السلف والدفاع عنها" بھی دیکھ لی جائے۔ انہوں نے اس کے ساتھ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کی طرف سے ۱۴۱۴ھ کو ایم اے اسلامیات کی ڈگری حاصل کی ہے۔

تھا۔ پیاس سے جاں بلب ہوا اور تن بتقدیر موت کے خیال میں سوگیا۔ خدا کی قدرت ایک شخص پانی کا برتن لے کر پہنچ گیا، مجھے کہا: یہ لیجیے! میں نے پانی پیا اور اپنی کنیز کو بھی پلایا، پھر وہ شخص چلا گیا، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں سے آیا اور کدھر چلا گیا۔ [1] ہماری جانیں بچ گئیں۔

فقاہت اور آثار صحابہ کی جامعیت کی وجہ سے جب محمد بن یحییٰ ذہلی جو بڑے پایہ کے شیخ تھے، سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور محمد بن نصر وہاں موجود ہوتے، تو ان کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے: ''ابوعبداللہ مروزی سے پوچھو''۔ [2]

فقیہہ محمد بن نصر مروزی کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ سلاطین اور اُمراء ان کی نہایت تعظیم کرتے۔ اسماعیل بن احمد والی خراسان اور اس کا بھائی اسحاق سال میں آٹھ ہزار درہم نذر کرتے۔ اہل سمرقند چار ہزار بھیجتے لیکن صاحب ترجمہ ان رقموں کو علمی خدمات میں صرف کر دیتے اور ایک حبہ بھی ان کے پاس نہ بچتا۔ [3]

حافظ ذہبی نے محمد بن نصر اور ابن خزیمہ کے سفر طالب علمی کا ایک واقعہ باسند نقل کیا ہے کہ محمد بن جریر طبری، محمد بن نصر، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن ہارون الرُّویانی مصر میں کتابت حدیث کے لیے ایک مکان میں جمع تھے۔ خرچ ختم ہوگیا۔ فاقہ کی نوبت پہنچی۔ جب فاقہ سے پریشان ہو گئے اور سوال کرنا حلال ہو گیا تو باہم مشورہ کیا گیا کہ سوال کرنا چاہیے۔ سوال کی ممانعت حدیثوں میں سخت آئی ہے۔ ہر ایک نے دوسرے پر ٹالا۔ یہاں تک کہ قرعہ کی نوبت آئی تو قرعہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے نام نکلا۔ مجبور ہوئے تو کہا کہ مجھے اس قدر مہلت دو کہ میں وضو کر کے استخارہ کی نماز پڑھ لوں۔ نماز ہی میں تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ والئ مصر کے خواجہ سرا لال ٹینیں لیے ہوئے موجود ہیں۔ سواری سے اتر کر پوچھا کہ محمد بن نصر کون ہے؟ ان لوگوں نے بتایا تو اس نے پچاس اشرفیوں کی ایک تھیلی حوالہ کی۔ اسی طرح ہر ایک کو پکارتا گیا اور دیتا گیا۔ پھر کہا کہ کل والی مصر سویا ہوا تھا۔ بیدار ہوا تو کہتا ہے کہ میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ ''محمدیون'' سخت بھوکے ہیں۔ اس لیے اس نے سردست اس قدر بھیجے ہیں اور قسم دی ہے کہ جب خرچ ختم ہو جائے تو کسی کو بھیج دو۔ [4] ۲۹۴ھ میں بمقام سمرقند وفات پائی۔

---

[1] تاریخ بغداد ۳/۳۱۷، تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۵۲، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۸۔

[2] علوم الحدیث للحاکم ص ۱۰۲، تاریخ بغداد ۳/۳۱۹، تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۵۲۔

[3] تاریخ بغداد ۳/۳۱۷، تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۵۲، سیر اعلام النبلا ۱۴/۳۷

[4] تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۵۳۔

امام ذہبی نے یہ قصہ رویانی کے حالات میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام ابن خزیمہ کے حالات میں مختصر طور پر ذکر کیا ہے۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۱۴۹ [محقق]۔ نیز تاریخ بغداد میں محمد بن جریر طبری کے احوال دیکھیے۔ مزید دیکھیں: سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۷۱ اور رویانی کے احوال میں پھر ذکر کیا ہے ۱۴/۵۰۹ نیز المنتظم ۱۳/۵۵۔

(۸) امام ابو حاتم رازی ◆

فن جرح اور تعدیل کے بہت بڑے امام مانے جاتے ہیں۔ ۱۹۰ھ میں ولادت ہوئی۔ ان کی خصوصیات زندگی میں سے یہ ایک مشہور امر ہے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں ہمیشہ پا پیادہ سفر کرتے۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ ایک ہزار فرسخ تک میں نے پیادہ پا چلنے کا شمار کیا۔ اس کے بعد شمار چھوڑ دیا۔ ◆ بحرین سے مصر، مصر سے رملہ، رملہ سے طرطوس ان سب مقامات میں پیادہ پا چل کر گیا ہوں۔ بصرہ میں ایک بار خرچ ختم ہو گیا تو کپڑے فروخت کر ڈالے۔ اس پر بھی کئی روز فاقے ہوئے۔ آخر ایک رفیق کو خبر ہوئی تو اس نے آپ کی خدمت و اعانت کی۔ ◆

یہ امام المحدثین کے معاصرین میں بڑے صاحب فضل و کمال تھے لیکن امام المحدثین کی تحقیقات اور تدقیقات کے

◆ وہ حافظ کبیر امام محمد بن ادریس بن منذر حنظلی ہیں۔ بڑے کبار علماء میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ۲۰۹ھ کو میں نے حدیث لکھی۔ انھوں نے ۲۷۷ھ کو وفات پائی اور ۸۲ سال عمر پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۶۷۔۵۶۹ (المحقق) امام ذہبی نے کہا ہے کہ وہ علم کے سمندروں میں سے تھے، طلب حدیث کے لیے شہروں کے شہر پھرے اور متن حدیث اور اسانید حدیث میں مہارت حاصل کی اور انہیں جمع کیا اور تصنیفات لکھیں اور راویوں پر جرح و تعدیل کی اور احادیث کو صحیح قرار دیا اور ان کی علتیں بیان کیں۔ وہ امام بخاری کے نظراء اور طبقے میں سے تھے لیکن امام بخاری کے بعد بیس سال تک زندہ رہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۴۷ اور اسی جگہ امام ابو حاتم کے کسی سفر کا ایک عجیب و غریب واقعہ بھی ذکر کیا ہے جس میں شدت پیاس کا ذکر ہے۔ (۱۳/۲۵۷)

ان کی کتب سے کتاب الزھد کے کچھ مختارات جیسا کہ تاریخ التراث ۱/۲۴۰ میں ہے اور ایک رسالہ "اھل السنۃ و اعتقادالدین" باقی ہیں۔ یہ رسالہ ہمارے بھائی استاذ محمد عزیر شمس کی تحقیق سے کتاب روائع التراث کے ضمن میں "دار السلفیہ بمبئی کی طرف سے ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء کو طبع ہوا۔

باقی رہا ان کا علم جرح و تعدیل اور علل الحدیث کے بارے میں تو وہ ان سے ان کے نیک بیٹے نے اپنی کتب میں محفوظ کر لیا ہے۔ وہ الجرح والتعدیل اور علل الحدیث دو اہم کتابیں ہیں دونوں مطبوع اور مشہور ہیں۔ ان کے احوال معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیجیے:

الجرح والتعدیل ۱/۳۴۹، ۷/۲۰۴، ثقات ابن حبان ۹/۱۳۷، الارشاد ۲/۶۸۱، تاریخ بغداد ۲/۷۳، السابق واللاحق ص ۳۲۳، طبقات الحنابلۃ ۱/۲۸۴، الانساب ۴/۲۸۵ (الحنظلی)، المعجم المشتمل ۲۲۴، المنتظم ۱۲/۲۸۴، اللباب ۱/۳۹۶، تھذیب الکمال ۲۴/۳۸۱، طبقات علماء الحدیث ۲/۲۶۰، تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۶۷، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۴۷، العبر ۱/۳۹۸، الوافی بالوفیات ۲/۱۸۳، طبقات الشافعیۃ للسبکی ۲/۲۰۷، البدایۃ والنھایۃ ۱۱/۵۹، غایۃ النھایۃ ۲/۹۷، التقریب ص ۸۲۴، التھذیب ۹/۳۱، النجوم الزاھرۃ ۳/۷۷، طبقات الحفاظ ص ۲۵۵، الخلاصۃ ۳۲۶ اور شذرات الذھب ۲/۱۷۱۔

◆ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۶۷۔

◆ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۶۸۔

گرویدہ ہوکر امام صاحب سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ ◆ ماہ شعبان ۲۷۷ھ وفات پائی۔

◆ حافظ مزی نے ان کا ذکر ان میں کیا ہے جو بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ تهذیب الکمال ۲۴/۳۸۵۔ نیز حافظ ابن حجر نے مقدمۃ فتح الباری ص ۴۹۲ میں بھی یہی کہا ہے۔

امام ابو حاتم امام بخاری سے بہت استفادہ کرتے تھے اور اس کے ساتھ بہت خوش رہتے تھے اور ان کے علم میں معتبر ہونے سے تعجب کرتے تھے۔ حسین بن حاتم، عبید عجل نے کہا ہے کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری جیسا کوئی محدث نہیں دیکھا۔ ان کے علمی مقام کو امام مسلم بھی نہیں پہنچ سکے۔ میں نے امام ابوزرعہ اور ابو حاتم رازی کو امام بخاری کی باتوں پر کان لگا کر دھیان سے سنتے دیکھا، وہ امام بخاری کے برابر نہ بیٹھتے بلکہ نیچے بیٹھتے تھے۔ تاریخ بغداد ۲/۳۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۶، تحفۃ الاخباری ص ۱۹۴۔

اسحاق بن زیرک نے کہا کہ میں نے محمد بن ادریس رازی کو ۲۴۷ھ میں کہتے ہوئے سنا کہ خراسان سے تمہارے پاس ایک ایسی شخصیت تشریف لانے والی ہے جس سے بڑا حافظ حدیث پورے خراسان سے نہیں نکلا اور عراق میں اس سے بڑا کوئی عالم نہیں آیا۔ چنانچہ چند ماہ بعد ہمارے ہاں امام بخاری تشریف لائے۔ تاریخ بغداد ۲/۲۳۔

امام ابو حاتم کے ساتھی امام ابوزرعہ رازی بھی امام بخاری کے ان کبار تلامذہ میں سے تھے جنہوں نے امام بخاری سے استفادہ کیا۔ امام صدقہ کے مستملی ابراہیم خواص نے کہا ہے کہ میں نے ابوزرعہ کو دیکھا کہ وہ امام بخاری کے سامنے طفل مکتب کی طرح بیٹھے علل حدیث کے متعلق سوالات کر رہے تھے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۷۔

لیکن محمد بن یحییٰ ذہلی نے جب ابو حاتم اور ابوزرعہ کی طرف امام بخاری کے بارے میں لفظی بالقرآن والے مسئلہ کے متعلق خط لکھا تھا تو دونوں حضرات امام بخاری سے روایت کرنے سے رک گئے تھے۔

ابو حاتم رازی کے بیٹے عبدالرحمٰن نے کہا کہ محمد بن اسماعیل بخاری ہمارے شہر رےّ میں ۲۵۰ھ کو تشریف لائے تو میرے والد (ابو حاتم) اور ابوزرعہ نے ان سے حدیث کا سماع کیا لیکن جب محمد بن یحییٰ نیشاپوری نے ان کی طرف خط لکھا کہ امام بخاری نے ہمارے ہاں "لفظی بالقرآن مخلوق" کا اظہار کیا ہے تو انھوں نے امام بخاری کی حدیث ترک کر دی۔ الجرح والتعدیل ۷/۱۹۱۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی طرف یہ منسوب الزام صحیح نہیں تھا شاید ان دونوں نے امام بخاری سے ورع اور بطور احتیاط روایت کرنے میں توقف کیا ہو۔ اولاً: اس لیے کہ انہیں اسی معاملہ کی تحقیق کرنے کی فرصت نہ ملی ہو کیونکہ ری اور بخارا کے درمیان مسافت بہت دور کی ہے۔ ثانیاً: اس لیے کہ یہ واقعہ امام بخاری کی زندگی کے آواخر کا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان کے اور امام بخاری کے درمیان ملاقات نہیں ہو سکی۔ اسی لیے علمائے حدیث اور آئمہ فن نے ان کی اس ترک حدیث کو کوئی قابل توجہ نہیں سمجھا۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ ابو حاتم اور ابوزرعہ کا امام بخاری کی حدیث کو صرف لفظی بالقرآن والے مسئلہ کی بنا پر ترک کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ امام بخاری اس مسئلہ میں مجتہد تھے بلکہ وہ اس میں مصیب تھے یعنی ان کی بات ٹھیک تھی۔ المغنی فی الضعفاء ۲/۵۵۷ بلکہ فرمایا کہ ان کے امام بخاری کی حدیث کو ترک کرنے یا نہ ترک کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ امام بخاری ثقہ ہیں۔ (ان کی عدالت وثقاہت کے بارے) کوئی شک نہیں پوری دنیا میں ان کی حدیث سے حجت لی جاتی ہے۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۳۔

امام ابو حاتم اور ابوزرعہ کے امام بخاری کی روایت سے توقف کر لینے سے نفس الامر (حقیقت واقع) میں کچھ فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ ان دونوں کی روایت کتب حدیث میں بنیادی طور پر نادر ہے۔ اگر ابو حاتم کا بیٹا جرح وتعدیل اور علل حدیث میں ان کے اقوال جمع نہ کرتا تو لوگ ان کے علم سے کوئی قابل ذکر استفادہ نہ کرتے اور اس کے باوجود بھی کتاب الجرح والتعدیل بنیادی طور پر امام بخاری کے علم ←

اور ان کی کتاب التاریخ کی مرھون منت ہے جیسا کہ اس کا بیان ہو چکا ہے۔

اب یہ کیسا ترک ہوا؟

اب بات تو صرف اتنی ہی تھی کہ انھوں نے امام بخاری سے روایت کرنا یا حدیث لکھنا ترک کر دیا لیکن بات کا بتنگڑ بنانے والے بعض حاقدین (جنھیں عام اہل حدیث اور اصحاب ستہ اور بالخصوص امام بخاری کے ساتھ کینہ تھا) اس بات کو بڑی خوشی سے نقل کر کے لذت لیتے ہیں اور اپنے مقلدین بھائیوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ امام بخاری امام ابو حاتم اور ابو زرعہ کے نزدیک متروک تھے۔ حالانکہ یہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ اصطلاحی ترک اور شے ہے اور لغوی ترک بمعنی کسی سے روایت نہ کرنا یا اس سے حدیث نہ لکھنا اور شے ہے، دونوں میں بہت فرق ہے۔ دیکھیں علی بن مدینی نے کہا ہے کہ عطاء کو آخر میں ابن جریج اور قیس بن سعد نے ترک کر دیا تھا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے اصطلاحی ترک مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان دونوں نے اس سے حدیث لکھنا باطل قرار دیا ہے ورنہ عطاء تو ثقہ اور پسندیدہ ہیں۔ المیزان ۳/۷۰، اور حافظ ابن حجر نے تہذیب ۷/۲۰۳ میں عطاء بن ابی رباح کے احوال میں یہ بات ذکر کر کے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

یہ بات (ان شاء اللہ) ان لوگوں کے لیے بالکل واضح ہے جن کے قلوب سلیم ہیں اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے والوں کے متعلق کینہ رکھنے سے محفوظ رکھا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے جو امام احمد نے علی بن مدینی کی حدیث ترک کی تھی کیوں کہ ابتلاء کے ایام میں انھوں نے بھی جان بچانے کی خاطر قرآن کو مخلوق کہہ دیا تھا۔ امام ذہبی فرماتے ہیں علی بن مدینی سے ایک لغزش ظاہر ہوئی تھی لیکن انھوں نے اس سے توبہ کی تھی اور امام بخاری نے علی بن مدینی کی حدیث سے اپنی صحیح بخاری کو بھرا ہے۔ ابن مدینی کے قابل حجت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کی احادیث سے حجت پکڑی ہے۔ اگر تم علی بن مدینی، ان کے شاگرد محمد، ان کے شیخ عبدالرزاق، عثمان بن ابی شیبہ، ابراہیم بن سعد، فلاں، فلاں اور فلاں کی احادیث ترک کر دو تو پھر تو گویا ہم نے دروازہ بند کر دیا اور تبلیغ ختم،

زنادقہ کا قبضہ ہو گیا اور دجال نکل آیا الخ المیزان ۳/۱۴۰ اور امام بخاری رحمہ اللہ بڑے وسیع الصدر (کشادہ دل) اور بہت درگزر کرنے والے تھے کیوں کہ انھوں نے اپنے شیخ محمد بن یحییٰ ذہلی کی عداوت کے باوجود بھی ان سے روایت کرنا ترک نہیں کیا بلکہ ان سے روایت کی حتیٰ کہ اپنی صحیح جامع میں بھی ان کی روایات لے آئے ہیں اور ابو حاتم رازی سے بھی روایت کی ہے۔ اللہ ان سب پر رحم کرے۔ ان شاء اللہ قیامت کے دن وہ آپس میں بھائی بھائی ہوں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور یہ ان کا اختلاف بھی کوئی ذاتی نہ تھا بلکہ اللہ کے لیے اور اللہ کی ذات میں تھا۔ ان میں سے جس کا اجتہاد خطا ہوا وہ بھی ان شاء اللہ ایک اجر کا مستحق ہوگا۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں میں بھی کلام کرنے سے کنارہ کشی کرتے تھے جو آپ کے بارے میں کوئی برے الفاظ استعمال کرتے حتیٰ کہ آپ ان کے حق میں کوئی بددعا کرنے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ چنانچہ وراق کا بیان ہے کہ امام ابو عبداللہ بخاری کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا اے ابو عبداللہ! فلاں شخص آپ کو کافر قرار دیتا ہے امام بخاری نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

جب کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو اے کافر! کہہ کر پکارتا ہے تو اس کفر کے ساتھ ان دونوں میں سے ایک لوٹتا ہے یعنی اگر وہ واقعتہً کافر نہ ہو تو کافر کہنے والا اپنے آپ کو کافر کہہ رہا ہوتا ہے (کیوں کہ یہی یا کافر کا کلمہ اسی کی طرف پلٹ آتا ہے)۔ امام بخاری سے ان کے کئی ساتھی ذکر کرتے کہ بعض لوگ آپ کے متعلق ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں تو آپ آیات تلاوت کرتے۔

(۹) ابراہیم الحربی الامام ❶

فن لغت، ادب، نحو، فقہ کے امام مانے جاتے ہیں۔ خطیب لکھتے ہیں:

"كان امامًا في العلم ورأسًا في الزهد، عارفًا بالفقه، بصيرًا بالاحكام، حافظًا للحديث، مميزًا لعلله، قيّمًا بالادب، جمّاعًا للغة، صنف كتبا كثيرة. منها: غريب الحديث وكتباً غيره". ❷

← ا۔ ان كيد الشيطان كان ضعيفا (النساء:۷۶) ۲. ولا يحيق المكر السيّء الا باهله ۔فاطر: ۴۳ اور بری تدبیر کا وبال ان تدبیر کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔

ا۔ یقین مانو کہ شیطانی حیلہ (بالکل بودا اور) سخت کمزور ہے

عبدالمجید بن ابراہیم نے پوچھا کہ آپ ان پر بددعا کیوں نہیں کرتے جو آپ پر ظلم کرتے ہیں؟ فرمانے لگے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "اصبروا حتى تلقوني على الحوض"۔ تم مجھے حوض کوثر پر ملنے تک صبر کرنا اور فرمایا "من دعا على ظالمه فقد انتصر"۔ جس نے اپنے ظالم پر بددعا کی تو اس نے اس سے بدلا لے لیا۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳/۳۶۰، ۳۶۱۔

❶ امام حافظ شیخ الاسلام ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن بشیر بن عبداللہ بن دیسم حربی بغدادی بڑے علماء میں سے ایک ہیں۔ ۱۹۸ھ میں ولادت اور ۲۸۵ھ میں وفات ہوئی۔ تاريخ بغداد ۶/۲۷۔۴۰، تذكرة الحفاظ ۲/۵۸۴، ۵۸۵ (المحقق)

ان کے حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

ثقات ابن حبان ۸۹/۸، فهرست ابن نديم ص ۳۲۳، تاريخ بغداد ۲۷/۶، طبقات الفقهاء للشيرازي ۱۷۱، طبقات الحنابلة ۸۶/۱، الانساب للسمعاني ۱۱۲/۴ (الحربي) نزهة الالباء ص ۲۱۳، المنتظم ۳۷۹/۱۲، انباه الرواة ۱۹۰/۱، معجم الادباء ۱۱۲/۱، معجم البلدان ۲۳۷/۲، اللباب ۳۵۵/۱، تذكرة الحفاظ ۵۸۴/۲، سير اعلام النبلاء ۳۵۶/۱۳، العبر ۴۱۰/۱، فوات الوفيات ۱۴/۱، الوافي بالوفيات ۳۲۰/۵، مرآة الجنان ۲۰۹/۲، طبقات الشافعية للسبكي ۲۰۹/۲، طبقات الشافعية للاسنوي ۳۹۶/۱، البداية والنهاية ۷۹/۱۱، البلغة في تراجم ائمة النحو واللغة ص ۴۴، المقصد الارشد ۲۱۱/۱، بغية الوعاة ۴۱۸/۱، طبقات الحفاظ ص ۲۵۹، المنهج الاحمد ۳۸۳/۱، طبقات الشافعية لابن هداية الله ص ۳۶، شذرات الذهب ۱۹۰/۲ وغیرہ۔

❷ تاريخ بغداد ۲۸/۶، تذكرة الحفاظ ۵۸۴/۲، سير اعلام النبلاء ۳۵۷/۱۳۔ ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم العاید نے امام ابراہیم حربی کی کتاب غريب الحديث کی تحقیق کے مقدمہ میں ان کی تالیفات کا شمار کرتے ہوئے سترہ کے نام لکھے ہیں لیکن افسوس وہ بھی اس امت کی بہت ہی تراث علمی کے ضمن میں ضائع ہوگئی ہیں۔ غريب الحديث ۴۶/۱۔

اور ان کی تالیفات میں سے صرف دو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں۔

ا۔ اکرام الضیف یہ کئی دفعہ طبع ہوئی ہے۔ ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء کو مصر کے شہر طنطا میں مکتبة الصحابة والوں نے عبداللہ بن عائض غرازی کی تحقیق سے بھی طبع کی تھی اور اس میں ایک سو اکتیس (۱۳۱) احادیث ہیں۔

۲۔ کتاب غريب الحديث کی پانچویں جلد اور یہ پانچویں جلد ہی ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم عاید کی تحقیق سے تین جلدوں میں جامعہ اُم القریٰ مکہ مکرمہ میں مركز البحث العلمي واحياء التراث الاسلامي کی طرف سے ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء کو چھپی تھی۔

علامہ ثعلب [1] ایک بہت بڑے لغوی اور نحوی مانے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام حربی کو لغت اور نحو کی درس گاہ سے پچاس برس ہو گئے، کبھی ناغہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ابو عمر کہتے ہیں کہ میں نے ثعلب کو یہ بات کہتے ہوئے کئی مرتبہ سُنا۔ [2]

مزاج میں اس قدر استغنا تھا کہ سلاطین کے وظائف وتحائف کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے اور یہ استغنا ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو کبھی اس کے کمال کی تحصیل اور اشاعت اور حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ایسا شخص بے رعب اور آزاد ہوتا ہے۔ معتضد باللہ نے جو خلفائے عباسیہ سے ہے، ایک بار دس ہزار درہم نذرانہ بھیجے۔ حربی نے واپس کر دیئے۔ پھر دوبارہ بھیجے لیکن پھر بھی نامنظور کیا۔ [3] ماہ ذی الحجہ ۲۸۵ میں وفات پائی۔

امام المحدثین کی درس گاہ میں حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے۔ امام المحدثین کی تحقیقات علمیہ سے اس جامعیت پر بھی مستغنی نہ تھے۔ نہ معاصرت کی عار استفادہ سے مانع آتی۔ [4]

حافظ ذہبی کہتے ہیں، ابراہیم حربی کی چند نادر تالیفات مجھے ہاتھ لگی تھیں۔ [5]

(۱۰) ابوبکر بن ابو عاصم الحافظ الکبیر [6]

ظاہری المذہب تھے۔ قیاس سے بالکل کنارہ کش رہتے۔ [7] بصرہ میں ....

---

[1] وہ علامہ محدث امام النحو ابو العباس احمد بن یحییٰ باعتبار ولاء شیبانی اور بغداد کے رہائشی تھے۔ کتاب الفصیح کے مصنف تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتب لکھی ہیں، ثعلب کے نام سے مشہور ہیں، ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان ۱/۱۰۲، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۵ ۔

[2] تاریخ بغداد ۶/۲۳، تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۵، سیر الاعلام ۱۳/۳۶۰ ۔

[3] تاریخ بغداد ۶/۳۲، تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۵، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۳۶۰۔

[4] مقدمۃ فتح الباری ۴۹۲ ، حافظ مزی نے بخاری سے روایت کرنے والوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب الکمال ۲۴/۴۳۴ ۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۵۔

[6] حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک ابی عاصم النبیل ابن مخلد شیبانی بصری ہیں۔ اصبھان کے قاضی تھے۔ کئی تالیفات چھوڑی ہیں، ۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۴۰۔۶۴۱، شذرات الذھب ۲/۱۹۵،۱۹۶ ، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۳۰۔۴۳۹ اور البدایۃ والنھایۃ ۱۱/۸۴۔ (المحقق)

ان کے احوال کے لیے دیکھیے: الجرح والتعدیل ۲/۶۷، طبقات المحدثین باصبھان تحقیق البلوشی ترجمۃ ۴۲۰ ، اخبار اصبھان ۱/۱۰۰، العبر ۱/۴۱۳، الوافی بالوفیات ۷/۲۶۹، لسان المیزان ۶/۳۴۹، تہذیب تاریخ دمشق ۱/۴۱۸۔

[7] ابو سعید ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ: ظاہر نصوص سے جو معلوم ہوتا ہے اسی کے قائل تھے اور قیاس کی نفی کرتے تھے، یہی ان کا مذھب تھا۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۴۱ ، سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۳۷ ابو نعیم نے کہا ہے وہ ظاہری المذھب تھے، فقیہ تھے۔ اخبار اصبھان ۱/۱۰۰۔ امام ذہبی نے کہا ہے کہ یہ بات قابل اعتراض ہے کیوں کہ انھوں نے داؤد ظاہری کے خلاف ایک ایسی کتاب لکھی ہے جس میں چالیس ایسی احادیث لکھی ہیں جو ثابت ہیں لیکن داؤد ظاہری نے ان کی صحت کی نفی کی ہے۔ السیر ۱۳/۴۳۱۔ ←

فتنۂ زنج میں کتابیں جل گئی تھیں۔ ❶ چنانچہ پچاس ہزار حدیثیں زبانی روایت کیں۔ ❷

اصبہان میں عرصہ تک قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔ ۲۸۷ھ میں وفات پائی۔ ولادت کا سن ۱۷۰ھ بتایا جاتا ہے۔ ❸ ابو موسیٰ مدینی نے ان کی مستقل سوانح عمری لکھی ہے۔ ❹ امام المحدثین کی درس گاہ میں بایں ہمہ فضل و کمال حاضری دیتے۔ ❺

← ذہبی نے ان کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ وہ بڑے حافظ، ماہر امام اور احادیث کی پیروی کرنے والے تھے اور ان کا مذہب یہ تھا کہ وہ ظاہر نصوص کے قائل ہوتے اور بڑے ثقہ اور سمجھ دار تھے اور عمر بھی طویل تھی۔ السیر ۱۳/۴۳۱۔
اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ احادیث رسول کے پیروکار تھے۔ کسی معین مذہب کے پابند نہ تھے نہ ہی داؤد ظاہری کے مقلد تھے اور نہ کسی اور کے۔ ان کی عظیم کتاب "السنة" میں عقیدہ کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کا عقیدہ سلف صالحین والا عقیدہ ہی تھا بلکہ وہ تو اس کے داعی تھے اور اس کا سخت دفاع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں کسی بدعتی، طعنہ زنی کرنے والے، لعنت کرنے والے، فحش بکنے والے، بدزبان اور امام شافعی اور اھل حدیث سے انحراف کرنے والے کا اپنی مجلس میں بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ تهذيب تاريخ دمشق ۱/۴۲۰۔

❶ فتنہ زنج بصرہ میں ۲۵۵ھ کو ظاہر ہوا اور انھوں نے ۲۵۷ھ میں اس پر غلبہ پایا اور ۲۷۰ھ میں ان کا خاتمہ کر دیا اور یہ فتنہ علی بن محمد علوی کی قیادت میں ظاہر ہوا تھا اور وہ اس بات کا مدعی تھا کہ میں زید بن علی کی نسل سے ہوں اور اھل بصرہ کے غلاموں اور حبشیوں نے اس کی دعوت قبول کرنے میں جلدی کی اسی وجہ سے انہیں (زنج) حبشی کہا گیا۔ العبر ۱/۳۶۵ حوادث ۲۵۵ھ۔

❷ تذكرة الحفاظ ۲/۶۴۱۔

❸ اصل اردو میں ۱۷۰ھ ہے لیکن صحیح وہ ہے جو ان کی بیٹی عاتکہ نے بیان کی یعنی شوال ۲۰۶ھ سیر ۱۳/۴۳۱۔ ممکن ہے مصنف کی نظر احمد بن اسحاق الشجعی کوفی کی تاریخ ولادت پر پڑ گئی ہو۔ ان کی تاریخ وفات اور ابن ابی عاصم کی تاریخ وفات ایک ہی ہے۔ وہ اس بات کے مدعی تھے کہ میری ولادت ۱۷۰ھ کو ہوئی ہے اور امام ذہبی نے ان کا تذکرہ ابن ابی عاصم کے تذکرہ کے ضمن میں کیا ہے اس لیے مصنف کو التفات نظر ہو گیا۔

❹ تذكرة الحفاظ ۲/۶۴۱، شذرات الذهب ۲/۱۹۵۔

❺ تهذيب الكمال ۲۵/۴۳۴، سير اعلام النبلاء ۱۳/۴۳۷، مقدمة فتح الباری ۴۹۲۔
ابن ابی عاصم کتب کثیرہ کے مصنف ہیں، ان کی تصانیف ایک جزء میں جمع کی گئیں تو تین سو سے بھی تجاوز کر گئی ہیں۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۳۰، ۴۳۶۔ ان کی اکیلی مسند کبیر میں پچاس ہزار احادیث تھیں اور ڈاکٹر باسم فیصل الجوابرہ نے کتاب الاحاد و المثانی کی تحقیق کے مقدمہ میں ان کی مؤلفات کے نام لکھے ہیں جو کہ نواسی (۸۹) تک پہنچے ہیں اور ان میں سے اہم کتاب السنة ہے۔ وہ علامہ محدث شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے مطبوع ہے۔ جیسا کہ ان کی کتب میں سے کتاب الاحاد و المثانی، الاوائل، الجهاد، الديات اور الزهد بھی مطبوع ہو چکی ہیں۔

(۱۱) ابن خُزیمہ ◆[1]

صاحب الفقہ والحدیث

حافظ ذہبی نے ان کو امام الائمہ اور شیخ الاسلام کا لقب دیا ہے اور لکھتے ہیں: "انتهت اليه الامامة والحفظ في عصره بخراسان". ◆[2] فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ تصنیفات کی تعداد حافظ ذہبی نے ایک سو چوالیس بتائی ہے۔ ان کے علاوہ فتاوائے حدیثیہ کی مقدار ایک سو اجزاء ہے۔ حافظ ذہبی روایت کرتے ہیں کہ صرف بریرہ کی ایک حدیث کی فقاہت تین جزء میں لکھی۔ ◆[3] اسی سے ان کی فقاہت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن حبان فرماتے ہیں: "ما رأيت على وجه الارض من يحسن صناعة السنن، و يحفظ الفاظها

◆[1] وہ حافظ، حجت، فقیہ، شیخ الاسلام، امام الائمہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح سلمی نیشاپوری ہیں۔ کئی کتب کے مصنف تھے، ۲۲۲ھ یا ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے احوال کے لیے دیکھیے: الجرح والتعديل ۷/۱۹۶، ثقات ابن حبان ۹/۱۵۶، علوم الحديث للحاكم ص ۸۳، تاريخ جرجان للسهمي ۴۵۶، الارشاد ۳/۸۳۱، طبقات الشيرازي ۱۰۵، المنتظم ۱۳/۲۳۳، تهذيب الاسماء واللغات ۱/۷۸، طبقات علماء الحديث ۲/۴۴۱، تذكرة الحفاظ ۲/۷۲۰، سير اعلام النبلاء ۱۴/۳۶۵ العبر ۱/۴۶۲، الوافي بالوفيات ۲/۱۹۶، طبقات السبكي ۳/۱۰۹، طبقات الاسنوي ۱/۴۶۲، البداية والنهاية ۱۱/۱۴۹، طبقات الفقهاء الشافعيين لابن كثير ۱/۲۱۹، غاية النهاية ۲/۹۷، طبقات الشافعية لابن قاضي شهبة ۱/۹۹، النجوم الزاهرة ۳/۲۰۹، طبقات الحفاظ ص ۳۱۰، طبقات الشافعية لابن هداية الله ص ۴۸، شذرات الذهب ۲/۲۶۲۔

◆[2] تذكرة الحفاظ ۲/۷۲۰۔ ۷۲۱۔ حافظ خلیلی نے کہا ہے کہ ان کے وقت میں اہل مشرق کا اتفاق تھا کہ امام ابن خزیمہ امام الائمہ ہیں۔ (الارشاد ۳/۸۳۱)۔

◆[3] تذكرة الحفاظ ۲/۷۲۹، سير اعلام النبلاء ۱۴/۳۷۶، الطبقات للسبكي ۳/۱۱۸۔

اور علوم الحدیث للحاکم ص ۸۳ میں امام ابوعبداللہ حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس امام کے فضائل و مناقب میرے پاس کثیر اوراق میں محفوظ ہیں اور وہ بہت زیادہ ہیں۔ یہ مقام ان کے ذکر کا متحمل نہیں اور فقہی مسائل کے سوا ان کی مصنفات ایک سو چالیس سے زیادہ ہیں اور تصنیف شدہ مسائل ایک سو اجزاء سے زیادہ ہیں کیوں کہ تین اجزاء میں تو حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا سے استنباط کیے ہوئے مسائل جمع کیے ہیں اور ایک کتاب حج کے مسائل میں پانچ اجزاء میں لکھی ہے۔ [محقق]

اس امام کی کثرت تالیفات کے باوجود ہم تک صرف مندرجہ ذیل تین کتب پہنچی ہیں:

۱۔ صحیح ابن خزیمہ۔ اس سے متعلق تفصیل ابھی آرہی ہے۔

۲۔ کتاب التوحید۔ یہ کئی دفعہ چھپی ہے اور اس کا سب سے اچھا طبعہ وہ ہے جس کی نشر و اشاعت کا اہتمام مکتبہ الرشد ریاض نے ڈاکٹر عبدالعزیز بن ابراہیم شھوان کی تحقیق سے ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱م میں کیا۔

۳۔ ایک اور کتاب ہے جس کا نام "شان الدعاء و تفسير الأدعية المأثورة" ہے اور اس کا قلمی نسخہ مکتبہ ظاہریہ میں موجود ہے جیسا کہ کتاب التوحید کے محقق نے ذکر کیا ہے۔

الصحاح، و زیاداتھاحتی کانّ السنن کُلّھا بَیْنَ عینیہ اِلّا محمدبن اسحاق ابن خزیمۃ فقط"۔ [1]

حافظ اس غضب کا تھا کہ علاوہ حدیثوں کے مسائل فقہیہ، حدیثیہ اس طرح از بر تھے جیسے قرآن کی سورتیں۔ [2]

ابن خزیمہ نے امام بخاری کے طرز پر صحیح حدیثوں کو انتخاب کر کے ایک کتاب لکھی جو آج صحیح ابن خزیمہ کے نام سے مشہور ہے لیکن صحیح ابن خزیمہ اور جامع صحیح بخاری میں وہی فرق ہے جو آفتاب و ماہتاب میں ہے۔ [3] مسئلہ استواء میں بڑے متشدد تھے۔ [4] اور نہایت مہمان نواز تھے۔

امام ابن خزیمہ باوجود اس فضل و کمال کے امام المحدثین کی درس گاہ میں حاضری دیتے اور استفادہ کرتے [5] اور فرمایا کرتے :"ما رایت تحت ادیم السماء اعلم بالحدیث من محمد بن اسماعیل البخاری"۔ [6] حافظ ذہبی

---

[1] یعنی ابن خزیمہ جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فن حدیث اعلیٰ درجہ کا جانتا ہو اور اس کے صحیح الفاظ اور زوائد کا حافظ ہو۔ گویا حدیث ان کے سامنے موجود رہتی ہے۔ امام ذہبی نے یہی بات امام ابن حبان سے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۲۳، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۸۲۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ امام ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں اور اپنی صحیح میں ان سے بہت سی روایات لائے ہیں۔ دیکھیے "الاحسان الی تقریب صحیح ابن حبان" کے محقق کا مقدمہ ۱/۱۴۔ انھوں نے اپنے شیخ کے احوال اپنی کتاب الثقات میں بھی لکھے ہیں اور کہا ہے کہ وہ (امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ) علم وفقہ اور حفظ اور علم کو جمع کرنے اور نصوص سے مسائل استنباط کرنے میں دنیا کے اماموں میں سے ایک منفرد تھے حتیٰ کہ انھوں نے ایسے ایسے مسائل میں تحقیقی گفتگو کی کہ ہمارے علم میں نہیں کہ علم میں پختہ اور دین داری میں انتہائی مضبوط ہونے والے ہمارے آئمہ میں سے کسی نے ان میں ایسی گفتگو کی ہو حتیٰ کہ وہ وفات پا گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ......الخ الثقات ۹/۱۵۶۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۲۳، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۷۲، طبقات السبکی ۳/۱۱۸، شذرات الذھب ۲/۲۶۲۔

[3] امام ابن خزیمہ نے اس صحیح ابن خزیمہ کا نام "مختصر المختصر من المسند الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم "رکھا ہے۔(صحیح ابن خزیمہ کے محقق کا مقدمہ ص ۱۶۔)

اس کتاب کے چوتھے حصے کی مقدار ہم تک پہنچی ہے اور ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق سے چار جلدوں میں المکتب الاسلامی بیروت کی طرف سے ۱۳۹۵ھ میں پہلی بار چھپی ہے اور اس پر علامہ محدث شیخ محمد ناصر الدین البانی کی مختصر تعلیقات بھی ہیں۔ ان میں احادیث کا صحت و ضعف کے اعتبار سے رتبہ بیان کیا گیا ہے۔ ان تعلیقات سے پتہ چلتا ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں ضعیف احادیث بھی ہیں۔

[4] وہ فرمایا کرتے تھے کہ" جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سات آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہونے کا اقرار نہیں کرتا تو وہ کافر ہوگا اور اس کو قتل کرنا جائز ہوگا اور اس کا مال مال فئے ہوگا" اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۲۸، سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۷۳،۳۷۴۔

[5] حافظ مزی نے ان کا ذکر امام بخاری سے روایت کرنے والوں میں کیا ہے۔ (تھذیب الکمال ۲۴/۴۳۵) اور (تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۵۵) اور (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۷) میں بھی اسی طرح ہے۔ امام بخاری و مسلم نے بھی ان سے صحیحین کے غیر میں روایت کی ہے جیسا کہ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۶۶ میں ذکر کیا ہے۔

[6] تاریخ بغداد ۲/۲۷، مقدمۃ فتح الباری ص ۴۸۵، طبقات السبکی ۲/۲۱۸ اور یہ قول پہلے بھی گزرا ہے۔

نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں امام المحدثین کے ان تلامذہ کی فہرست دی ہے جن کو امام المحدثین کے ساتھ خصوصیت خاص حاصل ہے، وہاں ان کا نام بھی پانچویں طبقہ میں لکھا ہے۔ [1]

ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ امام ابن خزیمہ آئمہ اربعہ کی طرح ایک مذہب کے امام اور رکن مانے جاتے ہیں۔ [2]

۲۲۳ھ میں ولادت ہوئی [3] اور ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

سلسلۂ نسب یہ ہے، ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن المغیرۃ بن صالح ابن بکر السلمی نیشاپوری۔

(۱۲) ابوجعفر محمد بن ابی حاتم وراق (کاتب البخاری)

امام بخاری کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں ان کا ذکر فربری نے کیا ہے۔ یہ امام بخاری کے کاتب اور محافظ دفتر ہیں۔ [4] حدیث کے جن ٹکڑوں کو محمد بن یوسف فربری نے امام بخاری سے براہ راست

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۵۵۔ اس میں ہے کہ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی، امام مقدسی کے ذکر کردہ چالیس طبقات میں سے پانچویں طبقے کے رجال میں سے ہیں۔

اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے طبقات کے مطابق امام بخاری کو نویں طبقے میں شمار کیا ہے۔

[2] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث جب صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اور امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے اصحاب تھے جو ان کے مذہب کی طرف منسوب تھے۔ وہ کسی کے مقلد نہیں بلکہ مستقل امام تھے جیسا کہ امام بیہقی نے اپنی مدخل میں یحییٰ بن محمد عنبری سے ذکر کیا ہے کہ اصحاب الحدیث کے پانچ طبقات ہیں: مالکی، شافعی، حنبلی، راھویہ اور خزیمیہ امام ابن خزیمہ کے اصحاب۔ اعلام الموقعین ۱/۲۸۳ فصل فی تحریم الافتاء والحکم فی دین اللہ بما یخالف النصوص...... الخ)۔

امام ذہبی نے بھی ابوزکریا یحییٰ بن محمد عنبری سے ذکر کیا ہے کہ میں نے ابن خزیمہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلے میں کسی کا قول نہیں چل سکتا۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۲۸، سیر الاعلام ۱۴/۳۷۳۔

شیرازی نے طبقات الفقہاء ص ۱۰۶ میں کہا ہے کہ ابوبکر نقاش نے امام ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب سے میری عمر سولہ سال کی ہوئی ہے میں نے اس وقت سے کسی مسئلہ میں کسی کی بھی تقلید نہیں کی۔

[3] اصل اردو میں ۲۲۹ھ ذکر ہوا ہے شاید وہ طبع کی غلطی ہوگی اور یہ اصلی عربی مصادر سے درستی کی گئی ہے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۲۰، السیر ۱۴/۳۶۵، طبقات علماء الحدیث ۲/۴۴۱، طبقات السبکی ۳/۱۱۰ اور ان سب نے اس کے علاوہ کوئی اور قول ذکر نہیں کیا۔

[4] حافظ ابن حجر نے امام بخاری کے تلامذہ اور ان کی صحیح بخاری کے رواۃ کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ: امام بخاری کے وراق جلیل امام ابوجعفر محمد بن ابی حاتم الوراق ہیں اور وہ ہی ان کی کتابوں کو نقل کرنے والے تھے یعنی (ناسخ) اور وہ سفر و حضر میں ان کے ساتھ ہی رہتے تھے، انھوں نے ہی ان کی کتابیں لکھی ہیں۔ تغلیق التعلیق ۵/۴۳۷۔

ابوجعفر نے امام بخاری کی سیرت پر ایک بڑی کتاب لکھی ہے جس کا نام شمائل البخاری ہے۔ امام ذہبی نے یہ کتاب ابوجعفر سے ←

اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور اس سے امام بخاری کے متعلق بہت سی باتیں السیر اور تاریخ الاسلام میں نقل کی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری کی تاریخ ولادت ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ امام بخاری کے وراق ابوجعفر محمد بن ابی حاتم بخاری نے اپنی کتاب شمائل البخاری میں کہا ہے جو انھوں نے جمع کی اور وہ ضخیم کتاب ہے۔ پھر امام ذہبی نے وراق تک اپنی پوری سند ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے: انبانی به احمد بن ابی الخیر، عن محمد بن اسماعیل الطرسوسی، ان محمد بن طاهر الحافظ اجازله، قال: اخبرنا احمد بن علی بن خلف، اخبرنا ابو طاهر احمد بن عبدالله مهرویه الفارسی المؤدب، قدم علینا مرو لزیارة ابی عبدالله السلمی، اخبرنا ابو محمد احمد بن عبدالله بن محمد بن یوسف بن مطر الفربری حدثنا جدی قال: سمعت محمد بن ابی حاتم۔ امام ذہبی فرماتے ہیں اس کے بعد انھوں نے اپنی کتاب (الشمائل) بیان کی۔ میں (ابوجعفر وراق) سے جو بات بھی ذکر کروں گا وہ اسی سند کے ساتھ ہوگی۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۲۔

حافظ ابن حجر بھی اس کتاب سے کئی اخبار روایت کرتے ہیں (اگرچہ نام ذکر نہیں کرتے) عبداللہ بن محمد مکی سے بالمشافہ اجازت کے ساتھ انھوں نے سلیمان بن حمزہ کی کتاب سے انھوں نے عبدالعزیز باقا سے انھوں نے طاہر بن محمد بن طاہر سے انھوں نے احمد بن علی بن خلف سے۔ آگے وہی سند ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ پھر حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ میں امام بخاری کے وراق سے جو کچھ بھی نقل کروں گا وہ انہی اسناد کے ساتھ ہوگا۔ تغلیق التعلیق ۵/۳۸۶۔

پھر وراق نے اپنی کتاب شمائل البخاری کا ایک ذیل بھی لکھا ہے۔

امام ذہبی کہتے ہیں: محمد بن یوسف فربری کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن ابی حاتم وراق کو "الزیادات المذیلة علی شمائل ابی عبدالله" کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ ذیلی زیادات ابن خلف شیرازی کی روایت میں داخل نہیں ہیں۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۱۶۔

وراق کے شیوخ :

جبکہ امام وراق سفر و حضر میں امام بخاری کے ساتھ ہی رہتے تھے تو ضروری ہے کہ ان کی ملاقات اس دور کے کبار آئمہ محدثین سے ہوئی ہو اور ان سے سماع کیا ہو لیکن ہم ان کی ان سے روایت نہیں جانتے۔ ہم نے وہ جگہیں بغور دیکھی ہیں جن میں امام ذہبی نے سیر میں وراق کی کتاب الشمائل سے وراق امام بخاری کی اخبار بیان کی ہیں۔ اس کو دیکھنے کے بعد مجھے ان بڑی بڑی شخصیات کے نام ملے ہیں جن سے وراق نے اپنی اس کتاب (شمائل البخاری) میں استفادہ کیا ہے۔ درج ذیل میں ان کے نام لکھ دیتا ہوں شاید ان کے تراجم و احوال کی تحقیق سے آئندہ کسی بھی وقت وراق کی زندگی کے دیگر کئی پہلوؤں کا انکشاف بھی ہو جائے۔

۱۔ ابراہیم بن خالد المروزی (۱۲/۴۱۹۔۴۲۲)۔
۲۔ ابراہیم بن محمد بن سلام (۱۲/۴۲۵)۔
۳۔ ابراہیم الخواص (۱۲/۴۰۷)۔
۴۔ احمد بن عبداللہ بن ثابت الشافعی (۱۲/۴۳۰)۔
۵۔ اسحاق جو عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے وراق ہیں (۱۲/۴۲۷)۔
۶۔ جعفر بن محمد الفربری (۱۲/۴۲۴)۔
۷۔ حاتم بن مالک الوراق (۱۲/۴۲۵)۔

۸۔ ابو الطیب حاتم بن منصور الکسی (۱۲/ ۴۲۷)۔
۹۔ حاشد بن اسماعیل (۱۲/ ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۲۸، ۳۹۰، ۴۰۸، ۴۲۰، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۷)
۱۰۔ حاشد بن عبداللہ بن عبدالواحد (۱۲/ ۴۲۴۔ ۴۲۹)۔
۱۱۔ حسین بن محمد سمرقندی (۱۲/ ۴۲۸)۔
۱۲۔ ابو عمر سلیم بن مجاہد (۱۲/ ۴۱۷۔ ۴۲۹۔ ۴۴۹)۔
۱۳۔ سلیمان بن مجاہد انھوں نے وراق کی طرف لکھا ہے (۱۲/ ۴۲۶)۔
۱۴۔ صالح بن ستار زھری (۱۲/ ۴۱۹)۔
۱۵۔ صالح بن یونس (۱۲/ ۴۲۶)۔
۱۶۔ عباس دوری (۱۲/ ۴۰۶)۔
۱۷۔ عبداللہ بن سعید بن جعفر (۱۲/ ۴۱۸۔ ۴۴۲)۔
۱۸۔ عبداللہ بن محمد صارفی (۱۲/ ۴۵۲)۔
۱۹۔ علی بن حجر (۱۲/ ۴۲۱) تاریخ بغداد (۲/ ۲۸)۔
۲۰۔ عمر بن حفص الاشقر (۱۲/ ۴۱۹)۔
۲۱۔ ابو منصور غالب بن جبریل (۱۲/ ۴۶۷) یہ وہی ہیں جن کے ہاں خرتنگ میں امام بخاری نے قیام فرمایا تھا اور امام بخاری کی وفات سے تھوڑی مدت بعد فوت ہو گئے تھے اور انھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے امام بخاری کے پہلو میں دفن کیا جائے۔
۲۲۔ محمد بن خداش (۱۲/ ۴۴۷) تغلیق التعلیق (۵/ ۳۹۴)۔
۲۳۔ محمد بن عباس فربری (۱۲/ ۴۴۵)۔
۲۴۔ محمد بن لیث (۱۲/ ۴۳۰)۔
۲۵۔ محمد بن یوسف الفربری (۱۲/ ۴۱۴۔ ۴۱۸۔ ۴۲۲۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹)۔
۲۶۔ محمد بن یوسف ھمدانی (۱۲/ ۴۳۱)۔
۲۷۔ ابو سھل محمود بن نضر شافعی (۱۲/ ۴۲۴۔ ۴۲۶)۔
۲۸۔ ابو عمرو المستعیر بن عتیق (۱۲/ ۴۲۷)۔
۲۹۔ موسیٰ بن قریش (۱۲/ ۴۱۹)۔
۳۰۔ مھیار (۱۲/ ۴۲۹)۔
۳۱۔ نجم بن فضیل (۱۲/ ۴۰۵)۔
۳۲۔ ھانی بن نضر (۱۲/ ۴۰۵)۔
۳۳۔ یحییٰ بن جعفر بیکندی (۱۲/ ۴۱۸)۔
۳۴۔ ابو اسحاق مروزی (۱۲/ ۴۳۰)۔
۳۵۔ ابو بکر مدینی بالشاش (۱۲/ ۴۱۵)۔

نہیں سنا، ان کو وراق سے لیا کرتے ہیں۔ اس لیے صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں قال الفربری حدثنا الوراق عن البخاری مذکور ہے۔ ◆

۳۶۔ وراق کے والد ابو حاتم (۱۲/۴۲۵)۔

۳۷۔ ابو ذر (۱۲/۴۶۸)۔

۳۸۔ ابو سعید الاشج (۱۲/۴۱۵)۔

۳۹۔ ابو سعید المؤذب (۱۲/۴۲۷)۔

۴۰۔ ابو عمرو الکرمانی (۱۲/۴۲۹)۔

ان میں سے بعض کا تعارف میری ان سابقہ تعلیقات میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔

وراق کے تلامذہ :

ان میں سے ایک محمد بن یوسف فربری ہے جو کہ امام بخاری سے صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ انھوں نے وراق سے کتاب شمائل البخاری روایت کی ہے اور ان سے صحیح بخاری کی بعض جگہوں میں روایت کی ہے۔

◆ دیکھیے: عمدۃ القاری لشرح البخاری للعینی اور فتح الباری۔ [مؤلف]

میں کہتا ہوں مثال کے طور دیکھو: صحیح بخاری مع فتح الباری ۵/۱۰۳، کتاب المظالم، باب الم من ظلم شیئا من الارض حدیث ۲۴۵۴۔ امام بخاری اس باب میں عبداللہ بن عمر کی مرفوع حدیث ''من أخذ من الارض شیئا......الخ'' لائے ہیں۔ اس حدیث کے آخر میں ہے: ''قال الفربری قال ابو جعفر بن ابی حاتم قال ابو عبداللہ: هذا الحدیث لیس بخراسان فی کتب ابن المبارك أملی علیهم بالبصرة.''

غرض یہ کہ اس میں وراق کے امام بخاری سے روایت کرنے اور فربری کے وراق سے روایت کرنے کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

ابو جعفر محمد بن ابو حاتم بخاری امام بخاری کے وراق ہیں اور فربری نے ان سے اس کتاب (یعنی صحیح بخاری) میں امام بخاری وغیرہ سے بہت سے فوائد ذکر کیے ہیں۔ فتح الباری ۵/۱۰۵۔

اور ۹/۵۹ میں کتاب فضائل القرآن: باب فضل قل هو الله احد کی حدیث ۵۰۱۵ کے آخر میں ایک اور فائدہ ہے جو فربری نے امام بخاری سے بواسطہ وراق ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ابو عبداللہ سے مراد امام بخاری ہیں جو صحیح بخاری کے مصنف ہیں گویا فربری نے یہ کلام امام بخاری سے خود نہیں سنا تو انھوں نے ان سے ابو جعفر وراق کے واسطے سے لیا ہے اور ابو جعفر امام بخاری کے وراق تھے یعنی ان کے ناسخ اور کاتب تھے اور ان کے ساتھ ہی رہتے تھے اور ان کی خوب معرفت رکھنے والے تھے اور ان سے بہت استفادہ کرنے والے تھے۔

اور فربری نے کتاب الحج، المظالم اور الاعتصام وغیرہ میں ان کی وساطت سے امام بخاری کے کئی فوائد ذکر کیے ہیں۔

(۱۳) ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل المَحَاملی ◆[1]

ان کے اوصاف میں صاحب انساب سمعانی لکھتے ہیں: "کان فاضلاً صادقاً ثقةً صدوقاً"۔ ◆[2]

۲۳۶ھ میں ولادت ہوئی۔ دس برس کے سن سے حدیث کی سماعت شروع کی۔ ◆[3] اساتذہ میں امام بخاری، احمد بن مقدام عجلی اور ان کے معاصرین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ تلامذہ میں دارقطنی، طبرانی، ابوبکر بن المقریٔ جیسے لوگ خاص قابل ذکر ہیں۔ ان کی مجلس املاء میں دس ہزار طالبین جمع ہوجاتے۔ ◆[4] طویل عمر کے بعد ۳۳۰ھ ◆[5] میں وفات پائی۔ یہ بھی صحیح بخاری کو امام بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ ◆[6]

◆[1] محاملی کے تعارف کے لیے مندرجہ ذیل کتب تراجم کی طرف رجوع کیا جائے: الفهرست لابن نديم ۳۲۵، تاريخ بغداد ۱۹/۲، الانساب ۱۰۶/۱۲، المنتظم ۲۱/۱۴، اللباب ۱۷۱/۳، طبقات علماء الحديث ۱۲/۳، تذكرة الحفاظ ۸۲۴/۳، سير اعلام النبلاء ۲۵۸/۱۵، العبر ۳۷/۲، الوافی بالوفيات ۳۴۱/۳، مرآة الجنان ۲۹۷/۲، البداية والنهاية ۲۰۳/۱۱، طبقات الحفاظ ۳۴۳، شذرات الذهب ۳۲۶/۲۔

◆[2] الانساب ۱۰۵/۱۲، تذكرة الحفاظ ۸۲۵/۳، سير اعلام النبلاء ۲۶۰/۱۵۔

◆[3] سمعانی نے کہا ہے کہ ان کی ولادت ۲۳۵ھ یا ۲۳۶ھ کو ہوئی۔ الانساب ۱۰۶/۱۲ اور انہیں سے صاحب لباب نے ۱۷۱/۳ پر نقل کیا ہے اور خطیب بغدادی نے اپنی سند سے ابن جمیع سے روایت کیا ہے کہ محاملی نے کہا ہے کہ میں ۲۳۵ھ میں پیدا ہوا اور ان کی تاریخ وفات ۳۳۰ھ بتائی ہے۔ تاريخ بغداد ۲۰/۸ اور اسی پر ابن عبدالهادی نے طبقات علماء الحديث ۱۲/۳ اور ذہبی نے تذكرة الحفاظ ۸۲۴/۳ وغیرہ میں اعتماد کیا ہے اور ذہبی نے السیر ۲۵۹/۱۵ میں کہا ہے کہ ان کی ولادت ۲۳۵ھ کے شروع میں ہوئی۔

◆[4] خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ ابوبکر داؤدی نے کہا ہے کہ محاملی کی مجلس حدیث میں دس ہزار افراد حاضر ہوتے تھے۔ تاريخ بغداد ۲۰/۸، تذكرة الحفاظ ۸۲۵/۳، سير اعلام النبلاء ۲۶۰/۱۵، البداية والنهاية ۲۰۳/۱۱۔ (المحقق)

◆[5] تاريخ مولد العلماء ووفياتهم لابن زبر ۶۶۳/۲، الانساب ۱۰۶/۱۲، تذكرة الحفاظ ۸۲۵/۳. خطیب بغدادی نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ دین دار فاضل تھے، ساٹھ سال تک کوفہ کے قاضی رہے۔ تاريخ بغداد ۲۰/۸۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ امام، علامہ، محدث، ثقہ اور مسند الوقت تھے...... السیر ۲۵۶/۱۵. ۲۶۰. ان کی مؤلفات میں سے کتاب السنن، صلوة العيدين، كتاب المحامليات اور مجموع فی الحديث (سیر ۲۵۹/۱۵) اور الامالی ہیں۔ تاريخ التراث ۲۹۰/۱۔ نیز کتاب الدعاء یہ ڈاکٹر سعید بن عبدالرحمٰن قزقی کی تحقیق سے دارالغرب الاسلامی بیروت میں پہلی دفعہ ۱۹۹۲ء میں چھپی اور اس میں ۱۹۶ احادیث کا ذخیرہ ہے۔

◆[6] سمعانی نے انساب ۱۰۶/۱۲ اور ذہبی نے سیر ۲۵۹/۱۵ میں ذکر کیا ہے کہ امام بخاری محاملی کے شیوخ میں سے ہیں اور مزی نے ان کو امام بخاری سے روایت کرنے والوں میں لکھا ہے۔ (تهذيب الكمال ۴۳۴/۲۴) اور کہا ہے کہ وہ بخاری سے بغداد میں روایت کرنے والوں میں سے آخری ہیں اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ محاملی کے پاس امام بخاری سے احادیث کا مجموعہ تھا۔ (تغليق التعليق ۴۳۶/۵) اور حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں بخاری سے صحیح بخاری کے رواۃ میں محاملی کا ذکر نہیں کیا، ہاں البتہ ان کا ذکر ان کبار محدثین میں کیا ہے جنہوں نے امام بخاری سے علم اخذ کیا ہے۔ ص ۴۹۲۔ اور حافظ ابن حجر نے تغليق التعليق میں یہ بھی کہا ہے...... کہ ابوطلحہ ←

(۱۴) ابواسحٰق ابراہیم بن معقل النسفی ◆

ملک مغرب میں ان کی سند سے صحیح بخاری روایت کی جاتی ہے۔ صاحب الامام ابن دقیق العید لکھتے ہیں: ''و للمغاربۃ روایۃ اُخری من جھۃ ابراھیم بن معقل النسفی عن البخاری موجودۃ فی فھا رسھم و غیرھا لا اعلمھا الیوم فی جھۃ الشرق''. ◆یعنی ملک مغارب میں ان کے واسطہ سے صحیح بخاری روایت کی جاتی ہے اور یہ سند ان کی فہرستوں وغیرہ میں موجود ہے لیکن ملک مشرق اس سند سے خالی ہے۔ صاحب انساب سمعانی لکھتے ہیں: ''فکان من اجلۃ اصحاب الحدیث و من ثقاتھم ومن افاضلھم''. ◆

← منصور بن محمد بن علی بزدوی کی وفات ان سب سے آخر میں ہوئی ہے جو امام بخاری سے صحیح بخاری روایت کرتے تھے۔ جعفر مستغفری نے کہا ہے کہ امام بخاری سے حدیث بیان کرنے والوں میں سے وہ آخری تھے۔ لیکن یہ بات کچھ درست نہیں کیوں کہ حسین بن اسماعیل محاملی ابوطلحہ کے بعد کچھ مدت تک زندہ رہے اور ان کے پاس امام بخاری سے احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔ (التعلیق ۴۳۶/۵)

حافظ ابن حجر کے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ امام بخاری سے صحیح بخاری روایت کرنے والوں میں سب سے آخری ابوطلحہ بزدوی ہیں اور محاملی (اگرچہ ابوطلحہ کے بعد بھی زندہ رہے) لیکن وہ امام بخاری سے بعض احادیث روایت کرتے تھے نہ کہ مکمل صحیح بخاری۔ اس بات کی صراحت حافظ ابن حجر نے خود آپ فتح الباری کے شروع میں کی ہے، چنانچہ انھوں نے کہا ہے کہ جن علماء نے امام بخاری سے بغداد میں سماع کیا ہے اور ابوطلحہ بزدوی کے بعد فوت ہوئے ہیں ان میں سے قاضی حسین بن اسماعیل محاملی بھی ہیں۔ انھوں نے بغداد میں امام بخاری سے سماع کیا تھا اور ان کے پاس جامع صحیح بخاری نہ تھی انھوں نے امام بخاری سے کچھ مجالس کا سماع کیا تھا جو امام بخاری نے بغداد میں املاء کرائی تھیں۔ انھوں نے بغداد میں اس وقت صحیح کا سماع کیا تھا جب امام بخاری بغداد میں آخری بار تشریف لائے تھے اور جنھوں نے صحیح بخاری محاملی کے طریق سے روایت کی ہے انھوں نے فاش غلطی کی ہے۔ فتح الباری ۵/۱۔ اور انہیں سے صاحب کشف الظنون (۵۴۵/۱) اور صاحب حطۃ (۲۰۱ ص ۳۱۰ تحقیق علی حلبی) نے اسے ذکر کیا ہے۔

مگر اس کے باوجود سزگین صاحب تاریخ التراث (۱۷۵/۱) نے محاملی کو پہلی صف کے رواۃ صحیح میں ذکر کر دیا ہے۔

◆ ان کے تعارف کے لیے دیکھیے:
الارشاد ۹۶۸/۳، الانساب ۹۳/۱۳، معجم البلدان ۲۸۵/۵، اللباب ۳۰۸/۳، طبقات علماء الحدیث ۴۰۵/۲، تذکرۃ الحفاظ ۶۸۶/۲، سیر اعلام النبلاء ۴۹۳/۱۳، العبر ۴۲۸/۱، الوافی بالوفیات ۱۴۹/۶، مرآۃ الجنان ۲۲۳/۲، النجوم الزاھرۃ ۱۶۴/۳، طبقات الحفاظ ۲۹۸، طبقات المفسرین ۲۲/۱، شذرات الذھب ۲۱۸/۲، تھذیب تاریخ دمشق ۳۰۰/۲۔

◆ مصنف نے ابن دقیق العید کا یہ قول عربی ہی میں ذکر کیا ہے لیکن میں نے ابن دقیق العید کی کتاب الالمام میں یہ الفاظ نہیں پائے۔ الالمام حسن اسماعیل الجمل کی تحقیق سے دار المعراج الدولیۃ ریاض کی طرف سے ۱۴۱۴ھ میں چھپی تھی۔

◆ الانساب ۹۳/۱۳، انہیں سے اللباب ۳۰۸/۳ میں منقول ہے اور معجم البلدان ۲۸۵/۵ اور اس تکملہ میں بھی اسی طرح ہے اور ان میں ان کے بارے مزید لکھا ہے کہ ''انھوں نے بہت کچھ لکھا اور مسند اور تفسیر جمع کر کے ان کو بیان بھی کیا......الخ''

اور خلیلی نے کہا ہے کہ وہ حافظ اور ثقہ تھے اور علم حدیث امام بخاری سے لیا۔ الارشاد ۹۶۸/۳۔ اور مستغفری نے کہا ہے کہ وہ فقیہ، حافظ اور علماء کے اختلاف میں بصیرت رکھنے والے، عفت وعصمت اختیار کرنے والے تھے۔ طبقات علماء الحدیث ۴۰۵/۲۔ امام ذہبی ←

یہ بھی امام بخاری کے ان تلامذہ میں سے ہیں جنہوں نے صحیح بخاری روایت کی اور ان سے سلسلہ روایت جاری رہا۔❶

ان مذکورہ بالا تلامذہ❷ کے علاوہ امام المحدثین کے مشہور شاگرد یہ ہیں:

ابوبکر بن ابی الدنیا (ت ۳۰۵ھ) صاحب تصانیف، ابوبکر بزار (ت ۲۹۲ھ) صاحب تصانیف، موسیٰ بن ہارون

← نے کہا ہے کہ ان کی مسند کبیر اور تفسیر وغیرہ بھی تھی اور انھوں نے امام بخاری سے صحیح بخاری بیان کی ہے اور وہ فقیہ، مجتہد تھے۔(السیر ۱۳/۴۹۳) اور انھوں نے عبر ۱/۴۲۸ میں لکھا ہے کہ وہ نسف کے قاضی، عالم اور محدث تھے اور حدیث میں بصیرت رکھتے تھے اور فقہ (مسائل شرعیہ) اور علماء کے اختلاف کی بھی معرفت رکھتے تھے۔

ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔خلیلی نے ۳۰۰ھ سے قبل اور سمعانی نے ۲۹۴ھ ذکر کی ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اسی طرح ذکر کی ہے اور ابن عبدالهادی نے ماہ حج ۲۹۵ھ ذکر کی ہے اور امام ذہبی نے بھی اپنی مختلف مؤلفات میں یہی ذکر کی ہے۔

❶ حافظ ابن حجر نے کہا ہے ''صحیح بخاری کے رواۃ (جن کی روایت ہمیں اجازۃً موصول ہوئی ہے) میں سے حافظ ابراہیم بن معقل نسفی بھی ہیں اوران سے صحیح بخاری کے آخر سے کچھ حصہ کا سماع نہیں ہو سکا اور انھوں نے جامع صحیح اجازۃً روایت کی ہے۔ مقدمة فتح الباري ص ۴۹۱۔اور دیکھیے: الحطة ۳۱۰ بتحقيق علي حلبي، تغليق التعليق ۵/۴۳۵۔ حافظ ابن حجر کی نسفی تک پوری سند المعجم المفهرس ص ۲۷ اور فتح الباري کے اول ۱/۷ میں دیکھیے۔

❷ ان مذکورہ محدثین رواۃ کے علاوہ جن محدثین نے امام بخاری سے صحیح بخاری کا سماع کیا وہ یہ ہیں:

۱۔حماد بن شاکر نسوی: (سير اعلام النبلاء میں نسفی ہے) امام ذہبی نے کہا ہے کہ یہ بھی صحیح بخاری کو امام بخاری سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں۔جعفر مستغفری نے کہا ہے کہ وہ ثقہ اور مامون ہیں۔

ابن ماکولا نے کہا ہے کہ وہ ۳۱۱ھ میں فوت ہوئے۔الاكمال ۴/۳۹۵، سير اعلام النبلاء ۱۵/۵)۔

حافظ ابن حجر نے ان تک اپنی سند لکھی ہے۔دیکھیے: فتح الباري ۱/۷، المعجم المفهرس ص ۲۷۔ تغليق التعليق میں ہے کہ انھوں نے امام بخاری سے صحیح بخاری روایت کی ہے مگر اس کے آخر سے چند اوراق ان سے اجازۃً روایت کیے ہیں (۵/۴۳۵)۔

۲۔ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی بن قرینہ البزدوی: انھوں نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی اور انھوں نے امام بخاری سے صحیح بخاری سب سے آخر میں روایت کی ہے۔ان کا تعارف سير اعلام النبلاء ۱۵/۲۷۹ میں موجود ہے، حافظ ابن حجر نے ان تک اپنی سند ذکر کی ہے۔ فتح الباري ۱/۷۰۵، المعجم المفهرس ص ۲۷۔

۳۔مہیب بن سُلیم البخاری: حافظ ابن حجر نے ان کا ذکر بھی امام بخاری سے صحیح بخاری روایت کرنے والوں میں کیا ہے۔تغليق التعليق ۵/۴۳۵۔مہیب ۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے اور اسی سال یحییٰ بن معین فوت ہوئے۔ یہ بات امام ذہبی نے سير ۱۱/۹۱ میں یحییٰ بن معین کے ترجمہ میں ذکر کی ہے۔خلیلی نے کہا ہے کہ مہیب بخاری کی ثقاہت پر اتفاق ہے اور انھوں نے امام بخاری سے بہت علم حاصل کیا ہے۔امام بخاری سے المبسوط اور دیگر کتب روایت کی ہیں جو اور کسی نے روایت نہیں کیں۔(الارشاد ۲/۹۷۳)۔اور خلیلی نے ان کی کنیت ابو حسان بتائی ہے اور ابن نقطہ نے ان کے باپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: سليم بن مجاهد بن العيش الكرميني۔ تكملة الاكمال ۵/۳۸۵،۲۶۷/۶، توضيح المشتبه ۹/۳۴۳۔اور تهذيب الكمال ۲۴/۴۳۶ میں یعیش ہے اور شاید یہ تصحیف ہو۔

الحمال (ت ۲۹۴)، محمد بن عبداللہ مُطَیَّن (ت ۲۹۷)، ابو بشر دولابی (ت ۳۱۰ھ)، اسحاق بن احمد بن زیرک الفارسی، [1] محمد بن قتیبہ البخاری، [2] ابوبکر الاعُیَن (ت ۲۴۰ھ)، ابوالفضل احمد بن سلمہ (ت ۲۸۶ھ)، عمر بن محمد البُجَیری (ت ۳۱۱ھ)، حسین بن محمد القَبّانی (ت ۲۸۹ھ)، یعقوب بن یوسف بن الاخرم (ت ۲۸۷ھ)، عبداللہ بن محمد بن ناجیہ (ت ۳۰۱ھ)، سھل بن شاذویہ البخاری، عبید اللہ بن واصل (ت ۲۷۲ھ)، قاسم بن زکریا المُطَرِّز (ت ۳۰۵ھ)، ابو قریش محمد بن جمعہ (ت ۳۱۰ھ)، محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی (ت ۳۱۲ھ)، ابراہیم بن موسیٰ الجوزی، [3] علی بن عباس المقانعی، [4] ابو حامد الاعمشی (ت ۳۲۱ھ)، ابوبکر احمد بن محمد بن صدقۃ البغدادی (ت ۲۹۳ھ)، اسحاق بن داؤد الصواف، [5] حاشد بن اسماعیل البخاری (ت ۲۶۱ھ)، محمد بن عبداللہ بن الجنید (ت ۳۴۷ھ)، محمد بن موسیٰ النہر تیری (ت ۲۸۹ھ)، جعفر بن محمد النیشاپوری (ت ۲۸۸ھ)، ابوبکر بن ابوداؤد (ت ۳۱۶ھ)، ابوالقاسم البغوی (۳۱۷ھ)، ابومحمد بن صاعد (ت ۳۱۸ھ)، محمد بن ہارون الحضرمی (ت ۳۲۱ھ)۔

مذکورہ بالا تمام وہ حفاظ حدیث ہیں جن کے مستقل تراجم لکھے گئے ہیں [6] اور ان کی تصانیف آج بھی عالم کو فائدہ پہنچا رہی ہیں یہ لوگ امام بخاری کے تلامذہ میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

---

[1] ان کا تعارف الساب ۱۳/۴۹۳ (الیزدی) اور التوضیح ۱/۴۴۹۔

[2] اور وہ امام بخاری کے قرابت داروں میں سے ہیں۔ تھذیب الکمال ۲۴/۴۳۵۔

[3] اصل اردو میں فتح الباری کے مقدمہ ص ۴۹۲ سے نقل کرتے ہوئے ''الجوبری'' لکھا گیا ہے۔ اس کی تصویب تھذیب الکمال ۲۴/۴۳۴ سے کی گئی ہے اور امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۳۴ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے مگر انھوں نے ان کے شیوخ میں امام بخاری کا ذکر نہیں کیا۔ ان کی وفات ۳۰۳ھ ہے۔ اور انہیں ''التُّوَزِی'' بھی کہا جاتا ہے۔ نیز دیکھیے: توضیح المشتبہ ۱/۶۳۹۔ ۲/۵۲۰۔

[4] ''المَقَانِعی''۔ اصل کتاب میں فتح الباری کے مقدمہ ص ۴۹۲ کے بالتبع ''التابعی'' لکھا گیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ ان کا تعارف سیر اعلام النبلاء ۱۴/۴۳۰ میں ہے اور وہ ۳۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

[5] ''التُّستَرِی'' ۔ حافظ مزی نے ان کا ذکر امام بخاری سے روایت کرنے والوں میں کیا ہے اور حافظ ابن ناصر الدین نے توضیح المشتبہ ۱/۵۱۲ پر ذکر کیا ہے اور وہ امام طبرانی کے شیوخ میں سے ہیں اور یحییٰ بن غیلان سے روایت کرتے ہیں۔ دیکھیے: المعجم الاوسط ۴/۳۷۔۳۹ حدیث نمبر ۳۰۴۷۔۳۰۴۹۔

[6] ان میں سے اکثر کے تراجم (احوال) سیر اعلام النبلاء میں مل جاتے ہیں۔ اور حافظ مزی نے ان کا ذکر امام بخاری سے روایت کرنے والوں میں کیا ہے۔ تھذیب الکمال ۲۴/۴۳۴۔۴۳۶ اور حافظ ابن حجر نے بھی مقدمہ الفتح ص ۴۹۲ میں ان کا بیان کیا اور ان کے علاوہ اور بہت سے محدثین ہیں جنہوں نے امام بخاری سے روایت کی ہے جن کا ذکر حافظ مزی نے تھذیب الکمال میں رواۃ بخاری میں کیا ہے۔

مؤلف کا سلسلۂ تلمذ وسلسلۂ سند تا امام المحدثین

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام [1]

اس بے مایہ کے لیے کسی طرح مناسب نہیں کہ اس قطار (رواۃ حدیث) میں اپنا نام بھی گنائے اور اپنا سلسلہ محدثین کے ساتھ ملا کران کے دامن تقدس کو گرد آلود کرے لیکن اس وجہ سے کہ اتصال سلسلہ سند ایک سنت قدیمہ ہے اور اس سے فلاح دارین کی امید۔ اس لیے یہ ناکارہ بھی اپنے اسانید کے سلسلے عرض کر دیتا ہے۔

فی الجملہ نسبتے بتو بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس است [2]

۱۔ عبدالسلام عن الشیخ السید نذیر حسین المحدث الدھلوی فی ۱۳۰۹ ھ

عن الشیخ المکرم فی الآفاق الشاہ محمد اسحاق عن مسند الوقت الشاہ عبدالعزیز عن بقیة السلف الشاہ ولی اللہ عن الشیخ ابی طاھر المدنی عن الشیخ ابراھیم الکردی۔

بقیہ سند شاہ ولی اللہ صاحب کی مبارک تصنیف "**الارشاد الی مھمات علم الاسناد**" اور کتاب "**الامم لایقاظ الھمم**" میں مذکور ہے۔ [3]

اس سلسلہ کے علاوہ تین سلسلے اور ہیں جن سے شیخ الکل [4] روایت کرتے ہیں جو "**المکتوب اللطیف**" [5] اور مقدمہ "**عون المعبود**" میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ [6]

۲۔ ایضاً: عن الشیخ حسین بن محسن الانصاری فی سنة ۱۳۰۹ ھ فی دھلی لما نزل بھا، عن

---

[1] اگرچہ میں نیکوں میں سے نہیں ہوں لیکن میں نے ان کے ساتھ تعلق جوڑ لیا ہے اور بے شک میں کائنات کے باغات میں ہار کے تار کی مانند ہوں۔

[2] میرا تیری طرف نسبت کر لینا کافی ہے جس طرح کہ دو قافیوں میں واقع ہونے والے دو کلموں مثل (بلبل اور گل) (پھول) میں تماثل پایا جاتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا: میں نیکوں سے محبت کرتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ میرا حال بھی درست کر دے [محقق]

[3] الامم لایقاظ الھمم ۳۔۶۔

یہ امام ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین کردی کورانی شہرزوری ثم مدنی کی کتاب ہے وہ ۱۱۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ [محقق]

[4] سید نذیر حسین محدث دھلوی رحمہ اللہ ہیں۔ ان کا لقب شیخ الکل تھا۔

[5] یہ علامہ محدث ابو الطیب شمس الحق عظیم آبادی کا رسالہ ہے سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اس میں اسانید بھی بیان کی ہیں، ان کی وفات ۱۳۲۹ھ میں ہوئی۔

[6] دیکھیے: مقدمة عون المعبود ۱/۱۳۔۱۶ اور مقدمة غاية المقصود ۱/۱۷۔

الشیخ حسن بن عبدالباری الاهدل ومحمد ناصر الحازمی واحمد بن الشوکانی وکلهم عن الشوکانی۔

اور بقیہ سند "**اتحاف الاکابر**" میں مذکور ہے۔ [1]

۳۔ ایضا عن الشیخ محمدالمچھلی شهری الجونفوری فی ۱۳۱۳ھ عن الشیخ عبدالحق البنارسی عن القاضی الشوکانی ۔

اور بقیہ سند "**اتحاف الاکابر**" میں مذکور ہے۔ [2]

ان کے علاوہ اور سلسلے ہیں جو انہیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ [3]

✦✦✦

---

[1] اتحاف الاکابر ص ۱۶۰۔۱۶۷۔

[2] یہ علامہ محدث قاضی ابو علی محمد بن علی شوکانی صاحب نیل الاوطار کی کتاب ہے جو ۱۲۵۵ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے ص ۵۴۔۶۴ [محقق]

[3] اس کتاب کا محقق اور عربی میں ترجمہ کرنے والا اپنے قوی رب کا فقیر عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی عرض کرتا ہے کہ مجھے بھی مصنف رحمہ اللہ کے نیک بیٹے علامہ محدث شیخ عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ سے صحیح بخاری اور دیگر کتب خمسہ کی اجازۂ روایت کا ۲۶ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ میں شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے امام علامہ شیخ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب **تحفة الاحوذی** اور محدث فقیہ شیخ احمد اللہ قرشی پرتاب گڑھی ثم دھلوی سے روایت کی اور وہ دونوں بڑے امام رئیس المحدثین سید نذیر حسین محدث دھلوی سے روایت کرتے ہیں، آگے سند اسی طرح جس طرح اوپر مذکور ہے۔ اسی طرح میں اپنے شیخ، شیخ عبید اللہ مبارکپوری سے روایت کرتا ہوں اور وہ اپنے مذکور دونوں شیخین سے اور وہ دونوں شیخ حسین بن محسن انصاری سے اجازۂ روایت کرتے ہیں اور وہ شیخ محمد بن ناصر الحازمی اور احمد بن امام محمد بن علی شوکانی سے، اس سے اوپر مذکورہ سند کی طرح میری اور بھی اسانید ہیں جنہیں اس جگہ ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔ **وصلی الله علی سید المرسلین محمد صلی الله علیه وآله وسلم وعلی آله واصحابه الطاهرین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۔**

الحمد لله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیّد المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد.

حدیثِ نبوی کا اعجاز ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے سامان پیدا کر دیے۔ تدوینِ حدیث کے ذریعے حدیث کا تمام ذخیرہ جمع ہوگیا اور اب اکیسویں صدی میں کمپیوٹر کی سہولت نے اس کی حفاظت میں چار چاند لگا دیے، اس طرح محدثینِ کرام کی روز و شب کی کاوشوں نے علوم حدیث کے ہر فن کو جلا بخش دی اور تصانیف کے انبار لگا دیے۔

انہی نابغۂ روزگار ہستیوں میں امام بخاری رحمہ اللہ کا نامِ نامی ذہن میں آتا ہے تو سوچنے والا اش اش کر اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں جن کی ذہانت، روشن دماغی، جدتِ طبع اور تفقہ کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ صحیح بخاری کے ہر باب کا عنوان ان کی فقیہانہ بصیرت کی روشن دلیل ہے۔ ہر حدیث کے رجال سند کا انتخاب ان کے علمی تبحر کا واضح نشان ہے، اور پوری اُمت کی طرف سے ان کی کتاب کی قبولیت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

عربی لٹریچر پر نظر دوڑائی جائے تو متقدمین علمائے کرام نے اپنی کتب رجال میں امام بخاری رحمہ اللہ کا تذکرہ پورے اہتمام سے کیا ہے، ابوزرعہ دمشقی، ابن ابی حاتم، ابن حبان، خطیب بغدادی، سمعانی، ابن عساکر، ابن اثیر، نووی، ابن خلکان، ذہبی، سبکی، ابن کثیر، ابن حجر اور ابن العماد الحنبلی نے اپنی کتب رجال و تاریخ میں امام صاحب کا ذکر کیا ہے اور آپ کے مناقب و مشاہد بہت خوب صورت انداز میں پیش کیے ہیں۔ متاخرین اہل علم بھی اس شرف کو حاصل کرنے میں پیچھے نہیں رہے، قاسمی کی تاریخ ''حیاۃ البخاری''، الخطیب کی ''السنہ قبل التدوین''، محب الدین الخطیب نے ''مقدمہ الادب المفرد'' میں، عبد الغنی عبد الخالق نے صحیح بخاری کے دیباچہ میں، اپنے اپنے اسلوب سے امام صاحب کی سوانح تحریر کی ہے۔ لیکن اُردو تشنگانِ علم کے لیے ایسی کوئی کتاب نہیں تھی جس سے وہ اپنی علمی پیاس بجھا سکیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کی قدر و منزلت کا اندازہ لگا سکیں۔ یہ ایک قرض تھا ان کے ذمہ جو مولانا عبد السلام مبارک پوری رحمہ اللہ نے نہایت عمدگی اور جامعیت سے پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

مولانا عبد السلام مبارک پوری نے اپنی کتاب ''سیرۃ البخاری'' میں صرف امام صاحب کی سیرت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ امام صاحب کا علمی منہج بھی واضح کر دیا، تراجمِ ابواب، شروطِ بخاری، احادیث کی تکرار، اختصار اور تقطیع کے حوالے سے نہایت مفید معلومات جمع کر دی ہیں۔ صحیح بخاری کے شروح و حواشی کا تعارف، ان پر تبصرہ اور صحیح بخاری پر اعتراضات کا جائزہ بھی اس عظیم کتاب کا حصہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی صحیح کے حوالے سے مبارک پوری صاحب نے حدیث کے دیگر مباحث کو تشنہ نہیں رکھا بلکہ ان پر بھی ان کا قلم نہایت روانی سے جاری ہے۔ عقائد و علم کلام کے مباحث، حدیث اور اصول حدیث کے مسائل، فقہائے محدثین کا طرزِ اجتہاد و اصول فقاہت، فقہ اہل الحدیث کا تعارف وغیرہ اور آخر میں امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام دارمی اور دیگر ائمہ حدیث کا تذکرہ اور ان کی کتابوں کا تعارف بھی شامل کر دیا گیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ تک اپنی سند کے تذکرے پر اس کتاب کو ختم کیا ہے۔ ''سیرۃ البخاری'' کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جو پہلے ایڈیشن کے ہی عکس تھے لیکن موجودہ اشاعت اس لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتی ہے کہ اس میں عربی ترجمہ میں موجود اضافات اور تصحیحات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، جو کہ ڈاکٹر عبد العلیم بستوی کی تحقیق و تنقیح کے مرہونِ منت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ ''سیرۃ البخاری'' کی یہ اشاعت اہل علم، شائقینِ حدیث اور محبانِ امام بخاری رحمہ اللہ کے لیے نہایت مفید اور معاون ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جناب عبد الجبار شاکر اور ان کے صاحب زادے محمد رفیع الدین حجازی کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے کہ ان کی کاوشوں سے یہ کتاب ایک دفعہ پھر شان و شوکت کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔ صاحبِ تالیف اور صاحبِ سوانح کے رتبہ و مقام کو ایک دفعہ پھر دنیائے علم و عرفان میں بلند و بالا درجہ عطا کر رہی ہے۔ جزاهما الله احسن الجزاء.

ڈاکٹر سہیل حسن عبد الغفار

استاذ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ISBN: 978-969-8983-39-0